مالی تعزیر- شریعت اسلامی کی روشنی میں

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے 28ویں فقہی سمینار مؤرخہ 8-10/ربیع الاول 1440ھ مطابق 17 تا 19/نومبر 2018ء منعقدہ جامعہ اسلامیہ دار العلوم محمدیہ، میل کھیڑلا، بھرت پور (راجستھان) میں پیش کئے جانے والے علمی و تحقیقی مقالات اور مباحثات کا مجموعہ]

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

D1

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	مالی تعزیر-شریعت اسلامی کی روشنی میں
صفحات	:	690
قیمت	:	روپئے
سن طباعت	:	نومبر 2019

ناشر

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

161-ایف، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر:9746

جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

ای میل:fiqhacademy@gmail.com

فون:26981779 - 011

مجلس ادارت

١- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی
٢- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
٣- مولانا بدر الحسن قاسمی
٤- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
٥- مولانا عتیق احمد بستوی
٦- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۱

پہلا باب: تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ		۱۵
سوالنامہ		۱۷
تلخیص مقالات	مفتی احمد نادر القاسمی	۱۹
عرض مسئلہ:		
سوال نمبر ۱ تا ۵	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۵۹
سوال نمبر ۶ تا ۹	مولانا نور الحق رحمانی	۷۵
سوال نمبر ۱۰ تا ۱۱	مفتی سعید الرحمٰن قاسمی	۹۱

دوسرا باب: تفصیلی مقالات

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی	۹۹
تعزیر بالمال سے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تحقیق	مولانا محمد زید مظاہری ندوی	۱۰۹
اسلام میں مالی تعزیر کا حکم	مفتی راشد حسین ندوی	۱۴۰
تعزیر بالمال شریعت اسلامیہ کی روشنی میں	مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی	۱۵۶
تعزیر مالی کا شرعی حکم اور بعض متعلقہ مسائل	مولانا اختر امام عادل قاسمی	۱۷۴
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی	۱۸۹
جرمانے کے طور پر مہر میں زیادتی کا مسئلہ	مفتی محمد سلمان پالنپوری قاسمی	۲۱۱
تعزیر بالمال شریعت کی روشنی میں	مولانا خورشید انور اعظمی	۲۲۵

تعزیر بالمال کتاب وسنت اور تشریحات فقہاء کی روشنی میں	مفتی محمد عثمان بستوی	۲۳۶
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۲۵۵
تعزیر بالمال	مولانا رحمت اللہ ندوی	۲۶۷
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی	۲۸۰
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	مولانا نور الحق رحمانی	۲۹۳
تعلیمی اداروں اور ہاؤسنگ سوسائٹیز میں رائج مالی جرمانے	مولانا محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی	۳۰۳
تعزیر بالمال کا مفہوم اور حکم شرعی	مفتی عبد الرزاق قاسمی	۳۲۰
مالی جرمانہ کی شرعی حیثیت	مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی	۳۳۱
تعزیر مالی کا شرعی حکم-قرآن وسنت کی روشنی میں	مفتی محمد ابوبکر قاسمی	۳۴۱
مالی جرمانہ کے شرعی احکام	مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی	۳۵۱
تعزیر مالی	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۳۶۴
مالی تعزیرات شریعت اسلامیہ کی نظر میں	مفتی عارف باللہ قاسمی	۳۷۵
مالی جرمانہ شریعت اسلامی کی روشنی میں	مفتی محمد حسین قمر الدین ماہمکر فلاحی	۳۹۱
تعزیر بالمال شریعت کی روشنی میں	مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی	۴۱۱
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	مولانا محمد ارتقاء الحسن کاندھلوی	۴۲۴
تعلیمی اداروں میں مالی جرمانہ کی حیثیت	مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی	۴۳۶
تعزیر بالمال کے تعلق سے فقہاء کے مسالک	مولانا محمد فیاض عالم قاسمی	۴۵۲
جرائم ومعاصی کے سدباب میں تعزیر بالمال کا نفاذ	مولانا جنید محمد فلاحی	۴۶۴
تعزیر بالمال کا شرعی حکم	مولانا محمد حذیفہ داحودی	۴۷۳
عہد حاضر میں مالی تعزیر کی ضرورت اور احکام	مفتی محمد عبد اللہ قاسمی	۴۸۷
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	مولانا عبید اللہ ندوی	۵۰۵
تعزیر بالمال اور بأخذ المال کا فرق اور احکام	مفتی محمد صبیح اختر القاسمی	۵۲۰
تعلیمی اداروں میں وصول کئے جانے والے مالی جرمانے کی حقیقت	مولانا محمد صابر حسین ندوی	۵۳۳
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	مفتی محمد شوکت ثنا قاسمی	۵۵۴

تیسرا باب: مختصر تحریریں

تعزیر بالمال احکام ومسائل	ڈاکٹر مولانا ظفر الاسلام صدیقی	۵۶۹
التعزیر بالمال، ایک شرعی جائزہ	ڈاکٹر عبداللہ جولم	۵۷۳
تعزیر بالمال	مولانا محمد ظفر عالم ندوی	۵۷۹
تعزیر باخذ المال کا حکم	مولانا نذر توحید المظاہری	۵۸۴
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۵۸۸
تعزیر بالمال-شرعی نقطہ نظر	مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی	۵۹۲
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	مفتی سعید الرحمٰن فاروقی	۵۹۹
تعزیر مالی سے متعلق فقہاء کا موقف	مفتی عبدالرحیم قاسمی	۶۰۳
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی	۶۱۰
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	مفتی شاہد علی قاسمی	۶۱۷
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	مفتی محمد شاکر نثار اعظمی مدنی	۶۲۵
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	مفتی محمد مقصود فرقانی	۶۳۴
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	مفتی اعجاز الحسن بانڈے القاسمی	۶۳۹
تعزیر بالمال	مولانا محمد منصف بدایونی	۶۴۶
تعزیر مالی سے متعلق فقہاء کا موقف	مولانا محمد ممتاز خان ندوی	۶۵۴
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	ڈاکٹر محی الدین غازی	۶۶۳

چوتھا باب: اختتامی امور

مناقشہ:	۶۷۱

☆☆☆

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے انسان کوایک ایسی مخلوق بنایا ہے،جس میں خیر اور شر دونوں کی صلاحیت ہے، نہ وہ فرشتہ ہے،جس سے گناہ سرزد ہونے کا امکان نہ ہواور نہ شیطان ہے، جوشر اور برائی کا پیکر ہو،انسان کی اسی دوہری اور متضاد صلاحیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شریعت نازل فرمائی؛ تاکہ اسے اچھی اور بری باتوں کا علم ہو،اوراس کے ساتھ ساتھ ہر دور میں مصلحین بھی پیدا فرمائے، جواس کو برائی کے راستہ سے روکے؛لیکن اس کے باوجود کوئی انسان ایسا نہیں، جو غلطی سے مبرّا ہو، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''كل بني آدم خطاء ون ''(سنن ابن ماجہ،حدیث نمبر:۴۲۵۱)،اسی لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزااور سزا کا قانون مقرر ہوا،مکمل درجہ کی جزاء تو آخرت میں جنت کی شکل میں حاصل ہوگی،ان شاء اللہ،اور پوری پوری سزا بھی آخرت میں دوزخ کی شکل میں ہوگی (اعاذنا اللہ منہ)۔

لیکن دنیا میں انصاف اورامن وامان قائم رکھنے کے لئے یہاں بھی جرائم پرسزا کا نظام رکھا گیا ہے، یہ بنیادی طور پر تین طرح کی ہیں: حدود،قصاص اورتعزیر،زنا، چوری،شراب نوشی وغیرہ کے لئے متعین سزائیں ہیں،جن کوحدود کہا جاتا ہے، انسان کوجسمانی ضرر پہنچانے کی سزا قصاص ہے،اور جس غلطی کے لئے شریعت کی طرف سے کوئی سزامقرر نہیں ہے،حکومت وقت یا قاضی اس کی سزامقرر کرتا ہے،اس کو''تعزیر'' کہتے ہیں،جن جرائم کے لئے حدود وقصاص مقرر نہیں ہیں،ان سب پر ماحول،ضرورت، مجرم کی شخصیت وغیرہ کے اعتبار سے تعزیر کی جاسکتی ہے۔

اگر شرعی ماٰخذ کو دیکھا جائے تو بحیثیت مجموعی تعزیر مالی اورتعزیر جسمانی دونوں کا ثبوت موجود ہے،قدیم زمانے میں زیادہ تر جسمانی تعزیر کی جاتی تھی،اور یہ تعزیر کوڑوں کی شکل میں ہوتی تھی،بعد کو جیلیں بنائی گئیں،اورتعزیر کے لئے قید کی سزادینے کا رواج بڑھ گیا؛ اب اس بات پر تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ مجرم کوجسمانی سزادی جاسکتی ہے؛البتہ کیا مجرمین کی مالی تعزیر بھی کی جاسکتی ہے؟ اس میں اختلاف ہے؛لیکن صورت حال یہ ہے کہ موجودہ دور میں بعض ایسے کثیر الوقوع جرائم پیدا ہوئے ہیں کہ اگران پر جیل کی سزادی جائے تو شاید ہر شہر میں اس کا ایک اچھا خاصا حصہ جیل میں تبدیل ہوجائے گا،اور قیدیوں کی خوردونوش کی ضروریات میں اتنا اضافہ ہوجائے گا کہ ملک کے بجٹ کا بڑا حصہ اسی کی نذر ہوجائے گا،جیسے ٹریفک

قانون کی خلاف ورزی وغیرہ، اس پس منظر میں پوری دنیا میں مالی تعزیر کا نظام رائج ہے، سوال یہ ہے کہ ان حالات میں شرعی اعتبار سے کیا تعزیر مالی کے جواز کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟ جب کہ اگر چہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے؛ مگر فقہاء متقدمین نے عام طور پر تعزیر مالی کو منع کیا ہے۔

تعزیر مالی کے ذریعہ ہندوستان جیسے ملکوں میں بعض سماجی دشواریوں کو بھی حل کرنا آسان ہوجاتا ہے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فقہاء متقدمین نے جو تعزیر مالی کو منع کیا ہے، وہ اس لئے نہیں کہ قرآن وحدیث میں صراحتاً اس سے منع کیا گیا ہے؛ بلکہ اس لئے کہ اُس زمانہ میں مالی تعزیر کے لئے کوئی مقررہ قانون موجود نہیں تھا، حکومت کے افسران اس کا بے جا استعمال کرتے تھے، من چاہا جرمانہ وصول کیا کرتے تھے، اور اس کو اپنے استعمال میں لے آتے تھے، موجودہ دور میں مالی تعزیر کے لئے باضابطہ قانون سازی ہوتی ہے، مقررہ جرم پر متعینہ رقم وصول کی جاتی ہے اور وہ عوامی خزانہ میں جمع ہوتی ہے؛ اس لئے موجودہ حالات کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت تھی۔

چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اپنے اٹھائیسویں فقہی سیمینار منعقدہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم محمدیہ میل کھیڑلا، بھرتپور، راجستھان میں مورخہ ۱۷ تا ۱۹ /نومبر ۲۰۱۸ء مطابق ۸ تا ۱۰ /ربیع الاول ۱۴۴۰ھ میں علماء اور ارباب افتاء کے غور وفکر کے لئے ایک موضوع ''تعزیر بالمال'' کا بھی رکھا، اور اس موضوع سے متعلق گیارہ سوالات پر مشتمل سوالنامہ مرتب کیا گیا، بحمد اللہ اہل علم نے اس پر توجہ دی، اور اس موضوع پر ۱۱۳ /گرانقدر علمی مقالات اکیڈمی کو موصول ہوئے جن میں سے ۳۲ /تفصیلی مقالات اور ۱۶ /مختصر جوابات اشاعت کے لئے منتخب کئے گئے، سیمینار کے درمیان جو مناقشہ ہوا، اسے بھی مرتب کیا گیا، جوابات اور ان کے دلائل کا احاطہ کرتے ہوئے اکیڈمی کے شعبۂ علمی کے رفیق عزیز مکرم جناب مولانا احمد نادر القاسمی نے خلاصہ مرتب کیا، جو اس مجموعہ میں شامل اشاعت ہے، اور پھر عزیز موصوف ہی نے مقالات، مناقشہ، تلخیص، عرض مسئلہ اور تجاویز کے اس مجموعہ کو مرتب کیا، اس حقیر کے خیال میں اس موضوع پر اب تک اردو زبان میں اتنی مفصل اور مدلل کوئی تحریر نہیں آئی ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور نفعِ عام وتام کا ذریعہ بنائے۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(جنرل سکریٹری: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

۱۳ /محرم الحرام ۱۴۴۱ھ
۱۳ /ستمبر ۲۰۱۹ء

پہلا باب

تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ:

مالی تعزیر-شریعت اسلامی کی روشنی میں

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا اٹھائیسواں فقہی سمینار ہندوستان کے خطہ میوات کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم محمدیہ میل کھیڑلا، بھرتپور، راجستھان میں مورخہ ۱۷ تا ۱۹ر نومبر ۲۰۱۸ء مطابق ۸ تا ۱۰ ر ربیع الاول ۱۴۴۰ھ منعقد ہوا جس میں ملک اور بیرون ملک سے تقریباً تین سو علماء، ارباب افتاء اور اہم علمی شخصیات نے شرکت کی، اس سہ روزہ سمینار میں جو چار اہم موضوعات زیر بحث آئے، ان میں سے ایک موضوع ''تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں'' پر بحث وتحقیق اور مناقشہ کے بعد جو تجاویز اتفاق رائے سے منظور ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں:

الف- اسلام میں انسداد جرائم کے لئے حدود وتعزیرات کا مضبوط نظام ہے، مخصوص جرائم پر جو سزائیں مقرر ہیں، ان کو حدود کہا جاتا ہے اور جن جرائم کی سزائیں شریعت نے متعین نہیں کی ہیں، ان کو تعزیرات کہا جاتا ہے۔

ب- تعزیرات کی ایک اہم قسم تعزیر مالی ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مجرم پر الگ سے کوئی مالی جرمانہ عائد کیا جائے؛ تاکہ مالی دباؤ سے مجبور ہوکر مجرم اپنے جرم سے باز آجائے؛ موجودہ حالات میں جبکہ جرم سے روکنے کے لئے مالی جرمانہ کے علاوہ کوئی اور صورت ممکن یا مؤثر نہیں ہے تو مالی جرمانہ کی گنجائش ہے۔ البتہ اس میں عدل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

ج- تعلیم وتربیت کے نظام کو درست رکھنے کے لئے بلا اجازت غیر حاضری یا کسی اور کوتاہی پر مناسب جرمانہ کیا جاسکتا ہے؛ خواہ اس کی یہ شکل اختیار کی جائے کہ جن طلباء کو مفت قیام وطعام کی سہولت دی گئی تھی ان کی سہولت ختم کرکے ان سے فیس وصول کی جائے، یا جن سے فیس لی جاتی ہے، ان سے الگ سے جرمانہ کی رقم وصول کی جائے، یا کوئی اور مناسب ومؤثر شکل اختیار کی جائے؛ البتہ اس رقم کو رفاہی کاموں میں خرچ کیا جائے۔

د- تعلیمی اداروں کے علاوہ دیگر اداروں یا برادریوں اور پنچایتوں کے لیے نظم وضبط کو برقرار رکھنے اور اجتماعی مفادات کے تحفظ کے پیش نظر عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اور معتبر علماء وارباب افتاء کے مشورہ سے مالی جرمانہ عائد کرنے کی گنجائش ہے۔

ھ- طلاق کے بارے میں پائی جانے والی افراط وتفریط اور خرابیوں کو قابو میں رکھنے کے لئے اگر بوقت عقد نکاح عاقدین باہمی رضامندی سے بے جا طلاق کی صورت میں مہر میں اضافہ کی شرط لگا دیں تو اس کی گنجائش ہے۔

و- جو شخص بے جا طریقہ پر اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دیدے اور اس میں شوہر کی طرف سے زیادتی ہو تو عورت کے مطالبہ پر دار القضاء یا محکمہ شرعیہ اس پر مناسب مالی جرمانہ عائد کرسکتا ہے اور ضروری ہے کہ اس رقم سے متاثرہ عورت کی مدد کی جائے۔

☆☆☆

سوالنامہ:

مالی تعزیر-شریعت اسلامی کی روشنی میں

شریعت نے جرائم اور کوتاہیوں کے سد باب اور زجر وتوبیخ کی غرض سے سزاؤں کا ایک مضبوط نظام بنایا ہے، جس کو دوحصوں میں رکھا ہے، ایک حدود جن کا متعین جرائم سے تعلق ہے، دوسرے تعزیر جس کا تعلق ہر اس ناپسندیدہ امر سے ہے جس میں تنبیہ وفہمائش کی ضرورت محسوس کی جائے، اب یہ بات کہ کن امور پر تعزیر کی جاسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں راجح یہ ہے کہ یہ ذمہ داران کی صوابدید پر موقوف ہے، خواہ سزا جسمانی تنبیہ کی شکل میں ہو یا زبانی فہمائش ہو۔

اس سلسلہ میں قابل توجہ مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان اور اس جیسے ممالک میں صرف حکومت ہی جسمانی تعزیر کرسکتی ہے، سماجی طور پر جرائم کو روکنے کے لئے ایسی تعزیر نافذ کرنا ممکن نہیں ہے، اور اگر ایسا کیا گیا تو یہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہوگا، جبکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ خاندانی زندگی میں بہت سے ایسے مراحل آتے ہیں جن میں زیادتی کرنے والے فریق کی سرزنش کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، اگر ایسے جرائم پر کوئی روک ٹوک نہ ہو تو ایسا کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوگی، اور اگر کوئی دوسرا فریق عدالت میں چلا گیا تو پھر طویل مقدمہ بازی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، جس میں مسلمانوں کے پیسے بھی ضائع ہوتے ہیں اور وقت بھی، نیز انصاف میں بھی تاخیر ہوتی ہے، اور بعض اوقات اس کی وجہ سے شریعت کی بدنامی کا راستہ بھی کھلتا ہے۔

اس پس منظر میں ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ تعزیر مالی کے مسئلہ پر غور کیا جائے اور غور کرتے ہوئے قرآن وحدیث کی تعلیمات، فقہاء کے اجتہادات اور موجودہ حالات کو پیش نظر رکھا جائے، لہٰذا اس پس منظر میں چند سوالات پیش خدمت ہیں:

۱- تعزیر بالمال کا مفہوم کیا ہے؟ فقہاء کے یہاں کچھ اس قسم کی بات ملتی ہے کہ ایک ''تعزیر بالمال'' ہے اور ایک ''تعزیراً بأخذ المال''، ان دونوں میں کیا فرق کیا گیا ہے؟ اور اس فرق کی وجہ سے صورت مسئلہ پر کیا اثر پڑے گا؟

۲- تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب کیا ہے؟

۳- تعزیر بالمال کی بابت ائمہ حنفیہ میں کیا کسی کا قول جواز کا ہے اور اس کی کیا حیثیت ہے؟

۴- کیا فقہاء حنفیہ میں کسی کا فتوی اس قول کے موافق ہے؟

۵- ائمہ ثلاثہ یا مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال اس بابت کیا ہیں؟ کیا ان مذاہب میں اس بابت کچھ گنجائش منقول ہے؟

۶- ایسے حالات میں جبکہ جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے وعظ اور زبانی فہمائش کافی نہ ہو اور جسمانی سزا کا بھی کوئی موقع نہ ہو تو کیا ضرورۃً جواز وگنجائش کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے؟ اس بنیاد پر کہ یہ مذہب کا قول ضعیف ہے اور دوسرے مذاہب

میں بھی کچھ نہ کچھ جواز وگنجائش کی بات آتی ہے۔ اور ضرورت کے مواقع میں مذہب کے قول ضعیف اور مذہب غیر پر فتوی دینے اور عمل کرنے کے جائز ہونے پر اتفاق ہے۔

۷- آج کل تعلیمی اداروں میں طلباء کی مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ کا عام رواج ہو چکا ہے اور اس کا نفع بھی محسوس کیا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

۸- تعلیمی اداروں کے علاوہ بھی بہت سے ادارے، نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کا نظام بناتے ہیں، مثلاً ہاؤزنگ سوسائٹیاں وغیرہ؛ تاکہ لوگ مقررہ وقت پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا کر دیا کریں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

۹- برادریاں اور خاندانی پنچایتیں نیز کاروباری انجمنیں بھی دباؤ اور اصلاح کی غرض سے اس قسم کا نظام بناتی ہیں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

۱۰- طلاق کے بارے میں جو افراط وتفریط پائی جاتی ہے اور جس سے بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، ان کو قابو میں کرنے کے لئے ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ طلاق کی جن صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک متعہ واجب نہیں ہے؛ بلکہ صرف مستحب ہے، ایسی صورتوں میں متعہ کو واجب قرار دیا جائے اور بصورت نقد اس کی ایک معقول حد مقرر کی جائے، یا یہ کہ طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کیا جائے۔

۱۱- مزید نصف مہر یا متعہ کو لازم کرنے کے لئے کیا ایسا کیا جاسکتا ہے کہ نکاح کے وقت اور نکاح نامہ میں آدمی کو اس کا پابند بنا دیا جائے کہ اگر بیجا طور پر طلاق دی گئی یا تین طلاق ایک ساتھ دی گئی تو متعہ کے طور پر یا مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینی ہوگی؟

☆☆☆

تلخیص مقالات:

مالی تعزیر-شریعت اسلامی کی روشنی میں

ملخص: مفتی احمد نادر القاسمی☆

روئے زمین پر امن وامان قائم رکھنے، سماج میں جینے اور بسنے والے افراد کے عزت وآبرو اور جان ومال کے تحفظ کے لئے شریعت اسلامی نے حدود وتعزیرات کے قانون مرتب کئے ہیں، جیسا کہ قرآن کریم کی آیت: "**ولکم فی القصاص حیاۃ یأولی الألباب لعلکم تتقون**" (سورہ بقرہ:۱۷۹)۔اور "**القتل أنفی للقتل**" سے معلوم ہوتا ہے۔ اسلام کے قانون حدود وتعزیر کے سماج کے لئے مفید ہونے، اس کے دورس نتائج اور افادیت پر ہمیں بھی اس وقت گفتگو نہیں کرنا۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اور رہتی دنیا تک لکھا جاتا رہے گا، ان شاء اللہ۔ آج کے انسانی اخلاقیات کے زوال پذیر حالات میں بھی دنیا کے ان مسلم ممالک کا اور بطور خاص مملکت حجاز مقدس کا مشاہدہ کیا جائے، جہاں اسلام کے قوانین حدود وقصاص نافذ ہیں، اس کا اچھی طرح اندازہ ہوجائے گا، بلکہ اگر دیکھا جائے تو یہ اسی کا فیض ہے کہ جرائم وکرائم کا تناسب دنیا کے دوسرے ممالک کے مقابلے وہاں بہت کم نظر آتا ہے، اگر عقل وشعور کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو حدود وقصاص کے قوانین کی بنیادی حکمت یہی نظر آتی ہے کہ ان کی کوکھ سے امن وتحفظ اور پُر کیف سماجی زندگی کی مامون فضا پروان چڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، جس کے گھنے سائے میں بوڑھا، بچہ، جوان اور مرد وخواتین آزادانہ کھلی فضا میں چین و سکون کی سانس لیتے ہیں۔

حدود وتعزیرات کے ماہرین لکھتے ہیں کہ اس کا مقصد جرائم وکرائم کا سد باب اور معاشرے کو ہر طرح کے خطرات سے مامون ومحفوظ رکھنا ہے اور یہ درست ہے۔ چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جانا، یقیناً لوگوں کے مال کو تحفظ فراہم کرتا اور چوری کی واردات کو کم ہی نہیں صفر پر پہونچا دیتا ہے، زنا پر رجم کا قانون نہ صرف یہ کہ خواتین کے خلاف دنیا میں ہونے والی دست درازی اور عصمت دری سے صنف نازک کو محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، بلکہ مرد وخواتین دونوں کو نکاح جیسا مقدس راستہ اپنانے پر آمادہ کرتا ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں اعلیٰ حسب ونسب کا حامل شرافت ونجابت والا معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ قتل کے قصاص میں قتل کئے جانے پر سماج

☆ شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

سے ظالمانہ رجحان کا خاتمہ ہوتا ہے۔قوانین حدود وقصاص کی انہیں دوررس افادیت کو دیکھتے ہوئے مجرمین کو جرائم سے باز رکھنے، ایک دوسرے کو مالی حقوق میں زیادتی اور ناانصافی سے بچانے کے لئے مالی تعزیرات کی بھی ارباب انصاف کو اجازت دی گئی ہے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ فریقین میں سے ایک کو مالی تاوان کی ادائیگی کے ذریعہ راحت اور تلافی نقصان کی کوشش کی جاتی ہے۔اب یہ مالی تعزیرات، غرامہ، تاوان اور جرمانہ مختلف انداز سے وصول کیا جاتا ہے، کبھی حکومتی ضوابط کی خلاف ورزی، کبھی ادائیگی حق میں تاخیر، کبھی قرض کی ادائیگی میں تاخیر، اسی طرح اسکول وغیرہ کی فیس میں تاخیر، اور اب تو ہوٹل، ٹکٹ اور شادی ہال وغیرہ کی بکنگ کینسل کرنے پر بھی مالی جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے، جسے پنالٹی یا مالی غرامہ کا نام دیا جاتا ہے، اس طرح کے بہت سے مسائل آج مالی تعزیرات سے وابستہ ہوگئے ہیں۔

اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس مسئلہ پر شرعی نقطہ نظر سے غور کیا جائے، چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے ۲۸ ویں فقہی سمینار منعقدہ ۱۷، ۱۸، ۱۹ر نومبر، جامعہ اسلامیہ دار العلوم محمدیہ میل کھیڑلا، بھرت پور، راجستھان کا ایک موضوع ''تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں'' رکھا، اور ۱۱ر سوالات پر مشتمل ایک سوالنامہ مرتب کرکے اہل علم اور ارباب افتاء کی خدمت میں ارسال کیا، اہل علم اور مقالہ نگار حضرات نے جو جوابات، تحریریں اور اپنی قیمتی آراء اکیڈمی کو بھیجیں ان کی تعداد ۱۱۳ ہے، جن کا خلاصہ تلخیص مقالات کی شکل میں نذر قارئین ہے۔

جن حضرات کے مقالات ہمیں تحریر لکھتے ہوئے موصول ہوئے ان کے اسمائے گرامی درجہ ذیل ہیں:

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا صبغۃ اللہ مولوی زادہ افغانی، مولانا طاہر حسین قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا ڈاکٹر عبد المالک مغیثی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، مفتی لطیف الرحمٰن فلاحی، مفتی راشد حسین ندوی، ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی، مفتی عبد الرزاق قاسمی، مفتی محمد صادق مبارکپوری، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مفتی نثار احمد گودھروی، ڈاکٹر محی الدین غازی، مفتی محمد فاروق قاسمی، مفتی محمد حسین قمر الدین ماہمکر فلاحی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا محمد سعد نور قاسمی، مفتی معراج الدین، مفتی دبیر عالم قاسمی، مفتی محمد عباس بن یوسف سعادتی، مولانا عبد الحئی مفتاحی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد سلیم الدین قاسمی، مفتی محمد مقصود علی فرقانی، مفتی محمد صبیح اختر قاسمی، مفتی محمد آزاد بیگ قاسمی بہرائچی، مفتی محمد روح اللہ قاسمی، مولانا جمشید جوہر قاسمی، مفتی محمد شوکت ثناء قاسمی، مفتی محمد عارف باللہ قاسمی، مفتی سید باقر ارشد قاسمی، مولانا محمد اکرم بن مولانا اسلم رشید، مفتی جنید محمد فلاحی پالنپوری، ڈاکٹر عبد اللہ جولم عمری، مولانا محمد نثار عالم ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مفتی سیف الاسلام اصلاحی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی مدنی، مولانا عبد التواب اناوی، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، مفتی عبد الحمید قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی محمد توصیف صدیقی قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مفتی اعجاز الحسن باندے قاسمی، مولانا عبد الستار قاسمی اعظمی، مفتی فرید احمد بن رشید کاوی، مولانا محمد انیس ندوی، مفتی محمد ریاض ارمان قاسمی، مفتی محمد عبد اللہ خالد قاسمی،

مفتی نیاز احمد بنارسی، مفتی محمد شاکر نثار اعظمی مدنی، مولانا محمد معین الدین ندوی قاسمی، مفتی سلمان پالنپوری قاسمی، مفتی محمد امام الدین شیخ، مفتی محمد سلطان قاسمی کشمیری، مولانا عبدالخالق ندوی، مولانا مقیم احمد ندوی، مفتی عبدالمنان پرمائی ویٹی، مولانا ارشد عطاء اللہ غوری، مولانا محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی، مفتی محمد اخلاق حسین قاسمی، مفتی سعید اسعد قاسمی، مفتی محفوظ الرحمٰن بستوی، مولانا نذر توحید مظاہری، مولانا محمد اکرام سعادتی، مفتی نعمت اللہ قاسمی، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی اسعد فلاحی پالنپوری، مفتی محمد ادریس بن محمد اسماعیل فلاحی، مفتی محمد شفیق فلاحی مظاہری، مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا محمد اسرائیل قاسمی، مولانا افتخار مفتاحی، مفتی محمد شاہد حسین قاسمی، مولانا محمد فلاحی، مولانا عقیل الرحمٰن قاسمی، مولانا ابراہیم بن سلیمان فلاحی، مفتی عبدالرشید شیدا صدیقی، مفتی سید ابراہیم قاسمی حسامی، مفتی محمد ارشاد پالنپوری، مفتی اسرار احمد آبادی، مفتی سعید الرحمٰن فاروقی، مولانا عبدالکریم ندوی گنگولی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا نورالحق رحمانی، مفتی محمد ارتقاء الحسن کاندھلوی، مولانا محمد حذیفہ داحودی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا مطیع الرحمٰن قاسمی، مولانا عمر امین الہی، مولانا محمد فیاض عالم قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا عطاء اللہ بخاری، مولانا محمد ظفر عالم ندوی، مفتی عبدالباسط قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا محمد جاوید اختر قاسمی، مولانا محمد صالح الزماں، مولانا محمد عظمت اللہ میر رحیمی۔

سوال نمبر ۱: تعزیر بالمال کا مفہوم کیا ہے؟ تعزیر بالمال اور بأخذ المال دونوں میں کوئی فرق ہے، اور اس فرق کی وجہ سے کیا مسئلہ پر کوئی اثر پڑے گا۔؟

تعزیر بالمال اور تعزیر بأخذ المال کا مفہوم:

تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ کسی مجرم سے ایسے جرم کی پاداش میں جس کے بارے میں شریعت اور کتاب وسنت میں کوئی سزا مقرر نہ ہو، مالی جرمانہ عائد کر کے سزا دینا، خواہ مال ضبط کر کے ہو، یا مزید مال اس کے ذمہ عائد کر کے ہو یا مال ضائع کر کے ہو، تعزیر بالمال کہلاتا ہے، اور کسی جرم کی وجہ سے مجرم کو اس کا مال ایک مدت تک کے لئے بطور سزا روک لینا '' تعزیر بأخذ المال'' کہلاتا ہے۔

تعزیر بالمال اور تعزیر بأخذ المال، ۱۱۳ر مقالہ نگاران میں سے ۱۰۵ر مقالہ نگاران نے قدر الفاظ وتعبیر کے فرق کے ساتھ دونوں کا یہی مفہوم بیان کیا ہے، چونکہ اس مفہوم کو درج کرنے والے حضرات کی بڑی تعداد ہے، اس لئے بخوف طوالت ان کے اسمائے گرامی حذف کئے جاتے ہیں، مذکورہ مفہوم کی تائید میں مقالہ نگاران نے نصوص اور فقہی واصولی کتابوں سے مندرجہ ذیل عبارات نقل کی ہیں:

- ''التعزير في اللغة: مأخوذ من الفعل عزر، يعزر، عزراً، وهو مصدر من عزر بالتشديد، و قد أورد ابن فارس: أن التعزير في اللغة يطلق على معنيين: الأول: التعظيم والنصر، و من ذلك قوله تعالى: ''وتعزروه و توقروه'' (الفتح: ۹) الثاني: الضرب دون الحد'' (لسان العرب: ص ۲۹۲۴ر ۴، مقاییس اللغۃ: ص ۳۱۱ر ۴)۔

- ”و أصل التعزير فی اللغة هو التأديب، و المنع، والرد، ثم صار يطلق على المعنيين السابقين، و إنما سمی الضرب دون الحد تعزيراً، لمنعه الجانی من المعاودة لذلک الجرم، و لغرض رده وردعه عن المعصية. و إنما سمی التوقير والتعظيم والنصر تعزيراً، لأن نصر النبی صلى الله عليه وسلم يكون برد أعدائه عنه، و منعهم من إيذائه، فكل من المعنيين جار على أصل التعزير فی اللغة، الذی هو التأديب و المنع والرد“ (لسان العرب: ۲۹۲۵/۴)۔
- ”العقوبة المشروعة على جناية لاحد فيها“(المغنی:ص۲۴۸/۱۰)۔
- ”تعزير على معصية لا حد لها ولا كفارة“ (فتح الوہاب:۱۶۲/۵)۔
- ”و كثير من الباحثين المعاصرين قد خلص إلى القول بأن التعزير: هو العقوبات التی لم يرد نص من الشرع ببيان مقدارها، و ترک تقديرها لولی الأمر أو من ينوب عنه من القضاة و نحوهم“ (أنظر: الجريمة والعقوبة فی الفقه الاسلامی:ص۵۷، التشريع الجنائی فی الفقه الاسلامی والقانون الوضعی:ص۶۴۳، موسوعة فقه عمر الخطاب:ص۲۰۹)۔
- ”هو عقوبة غير مقدرة شرعاً، تجب حقا لله، أو لآدمی، فی كل معصية ليس فيها حد و لا كفارة“ (الموسوعة الفقهية:ص۲۵۴/۱۲،تحت التعزير)۔
- ”وبعبارة أخرى: فإن التعزير هو عقوبة منصوص أمر تقديرها نوعاً و قدراً إلى الإمام أو من يعينه لذلک، حسبما يرى المصلحة الملائمة، لسنن المشرع و تصرفاته فی التشريع على كل معصية: من ترک واجب، أو فعل محرم، مما لم يرد فيه حد ولا كفارة، سواء أكانت المعصية متعلقة بحق من حقوق الله تعالى، بما يمس الجماعة، و أمنها، و نظامها العام، أو بحق الإنسان الفرد“۔
- ”و إنما جعل ”التعزير“ إلى الإمام أو نائبه لا للمضرور المعتدى عليه، دفعاً للمظالم بين الناس بالمجاوزة والإعتداء والغلو، إذ لو وكلّ أمر التعزير إلى الناس، لدفعهم حب الإنتقام والتشفی إلى الظلم، و لا يفضی الظلم بالجانی إلى تقويمه و استصلاحه، و زجره، بل ربما جزأه ذلک على معاودة العصيان غالباً، و فيه من التهارج والفساد مالا يخفي“. (دیکھئے مقالہ:مفتی محفوظ الرحمٰن بستوی)۔
- و أما تغريم المال وهو العقوبة المالية فشرعها فی مواضع منها: تحريق متاع الغال من الغنيمة، و منها: حرمان سهمه، و منها: إضعاف الغرم على سارق الثمار المعلقة، و منها: إضعافه عليه كاتم الضالة الملتقطة، و منها: أخذ شطر مال مانع الزكاة، و منها: غرمه ﷺ على تحريق دور من لايصلی فی

الجماعة لو لا ما منعه من إنفاذه ما عزمه عليه من كون الذرية و النساء فيها، فتتعدى العقوبة إلى غير الجانى و ذلک لايجوز، كما لايجوز عقوبة الحامل، و منها: عقوبة من أساء على الأمير فى العزرو بحرمان سلب القتيل لمن قتله حيث شفع فيه هذا لمسيئ و أمر الأمير باعطائه، فحرم المشفوع له عقوبة لشافع الأمر، التغريم نوعان: مقدر و غير مقدر، و أما النوع الثانى غير المقدر، فهذا الذى يدخله اجتهاد الأئمة بحسب المصالح، و لذلک لم تأت فيه الشرعية بأمر عام وقدر لايزاد فيه ولا ينقص كالحدود، و لهذا اختلف الفقهاء فيه هل حكمه منسوخ أو ثابت والصواب أنه يختلف باختلاف المصالح، و يرجع فيه إلى اجتهاد الأئمة فى كل زمان و مكان بحسب المصلحة إذ لا دليل على النسخ، و قد فعله الخلفاء الراشدون و من بعدهم من الأئمة ... و أما التعزير ففى كل معصية لاحد فيها ولا كفارة' (اعلام الموقعین: ۲/۱۱۷، فصل فی تغریم المال بیروت)۔ (مذکورہ بالا تمام دلائل طاہر حسین قاسمی کے مقالہ سے ماخوذ ہیں)۔

- و معنى التعزير بأخذ المال علي القول به إمساک شئ من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه، أو لبيت المال، كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعى (ردالمحتار، باب التعزیر مطلب فی التعزیر بأخذ المال: ۴/۶۱)۔
- "والتعزير بالمال سائغ ابتلاءً و أخذاً" (کشاف القناع عن متن الإمتناع للبہوتی: ۶/۱۲۵)۔ (دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی)۔
- "التعزير بالمال يكون بجسه أو باتلافه أو بتغير صورته أو بتمليكه للغير، و هناک أنواع أخرى من التعزير غير ما سبق منها الإعلام المجرد و الإحضار لمجلس القضاء والتوبيخ والهجر" (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۱۲/۲۷۰-۲۷۲، قسم التعزیر بالمال)۔
- "التعزير فى اللغة: المنع، وأصله من العزر بمعنى الرد والردع" (فتح القدیر ۵/۳۴۴)۔
- "أفاد فى البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شئ من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذ الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهم الظلمة" (البحر الرائق ۵/۴۴)۔
- "و فى المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ و أري أن يأخذها، فيمسكها، فان أيس من توبته يصرفها إلى ما يري" (أیضاً) (شامی ۶/۱۰۶)۔

- ”تقسیم العقوبات المالية فی رأی ابن تيمية إلی ثلاثة أقسام: الاتلاف، والتغيير والتمليک۔ الاتلاف هو اتلاف محل المنكرات من الأعيان والصفات بتعالها، مثل اتلاف مادة الأصنام بتكسيرها و تحريقها و تحطيم آلات الملاهی عند أكثر الفقها، و تكسير و تحريق أوعية الخمر، و تحريق الحانوت الذی يبا ع فيه الخمر على المشهور فی مذهب أحمد و مالک وغيرهما، عملا بما فعله عمر من تحريق حانوت خمار، و بما فعله علي من تحريق قرية، كما يبا ع فيها الخمر، لأن مكان البيع مثل الأوعية، و مثل إراقة عمر اللبن المخلوط بالماء للبيع، و به أفتي طائفة من الفقهاء، و مثله اتلاف المغشوشات فی الصناعات كالثياب الرديئة النسج، التغيير: قد تقتصر العقوبة المالية على تغيير الشئ، مثل نهي النبی صلی الله عليه وسلم عن كسر العملة الجائزة بين المسلمين كالدراهم والدنانير، إلا إذا كان بها بأس كسرت، و مثل فعل النبی صلی الله عليه وسلم فی التمثال الذی كان فی بيته، والستر الذی به تماثيل، إذ أمر بقطع رأس التمثال، فصار كهيئة الشجرة و بقطع الستر فصار و سادتين يوطأن، التمليک: مثل ما روي أبوداؤد وغيره من أهل السنن عن النبی ﷺ فی من سرق من الثمر المعلق قبل أن يؤويه إلی الجرين أن عليه جلدات نكال و غرمه مرتين، و فيمن سرق من الماشية قبل أن تؤدی إلی المراح أن عليه جلدات نكال و غرمه مرتين، و كذلک قضاء عمر بن الخطاب فی الضالة المكتومة أن يضعف غرمها علي كاتمها، و قال بهذا طائفة من العلماء مثل أحمد وغيره، و أضعف عمر و غيره الغرم فی ناقط أعرابی ممالک جيا ع، أضعف الغرم علي سيدهم ودرأ عنه القطع“ (موسوعة الفقہ الاسلامی ۶/۹۱-۱۹۰، الفکر، دمشق) (دیکھئے مقالہ: مفتی اقبال محمد ٹنکاروی)۔
- ”و فی النهاية: و ذكر الصدر الشهيد فی باب العدوي والأعداء من أدب رواية عن أصحابنا رحمهم الله، أنه يهدم البيت على من اعتاد الفسق، و أنوا ع الفساد، حتی قالوا أيضاً: لا بأس بالهجوم على بيت المفسدين“ (تبیین الحقائق فصل غیب المغصوب ۵/۲۳۸) (ماخوذ از جمیل اختر جلیلی)۔
- ”وفی الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال رأی القاضی ذلک أو الوالی جاز، و من جملة ذلک رجل لايحضر الجماعة يجوز تعزير بأخذ المال“۔
- ”هو عقوبة غير مقدرة شرعاً۔ تجب حقا لله تعالي أو لأدمی فی كل معصية ليس فيها حد ولا كفارة غالباً“ (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۲/ ۲۵۴، بحوالہ السرخی ۹/ ۳۶، وفتح القدیر وکشاف القناع والأحکام السلطانیۃ ونہایۃ المحتاج ۷/ ۸۲وقلیوبی ۴/ ۲۰۵)، (دیکھئے مقالہ: مظاہر حسین عماد قاسمی)۔

”الضرورات تبيح المحظورات“ (الاشباہ والنظائر) (مقیم احمد ندوی)۔

مذکورہ بالا وہ نصوص وعبارات ہیں جن سے تعزیر بأ خذ المال اور تعزیر بالمال کے جواز پر مقالہ نگار حضرات نے استدلال واستشہاد کیا ہے اور اس کے مفاہیم متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

متفرق توجیہات:

تعزیر بالمال سے متعلق کچھ مقالہ نگاران نے الگ الگ توجیہات بھی پیش کی ہیں، جنہیں نقل کیا جاتا ہے:

- مفتی نعمت اللہ قاسمی کے خیال میں مجرم سے اس کے جرم کی پاداش میں مال لینا واپس نہ کرنے کی نیت سے یہ ''تعزیر بأ خذ المال'' ہے، اور مجرم کے جرم سے اصلاح تک مال روکے رکھنا اور توبہ سے مایوس ہوجانے پر بیت المال میں حاکم کا اس مال کو رکھ دینا ''تعزیر بالمال'' ہے (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔
- مفتی محمد سلطان کشمیری نے ''تعزیر بالمال'' یا ''بأ خذ المال'' کی قید کے بغیر صرف تعزیر کی تعریف کی ہے، تعزیر شریعت کی طرف سے غیر متعینہ سزا ہے جو ایسی برائیوں کے لیے ہوتی ہے جس میں حد اور کفارہ نہ ہو (بحوالہ سرخسی واعلام الموقعین)۔
- فرید احمد رشید کاوی: موصوف نے تعزیر کی پانچ قسمیں اتلاف، تغییر، تحبیس، حرمان تملیک'' کی الگ تعریف کی ہے، جن میں ''أخذ بالمال'' کو بحث کا بنیادی عنصر قرار دیتے ہوئے فقہاء کے اقوال کی روشنی میں جواز اور عدم پر بحث کی ہے'' (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔
- مولانا مصطفیٰ آواپوری: صرف جواز اور عدم کا حکم بیان کرنے پر اکتفاء کیا ہے (دیکھئے مقالہ: مصطفیٰ آواپوری)۔
- مولانا ولی اللہ مجید قاسمی: جس میں شریعت کی طرف سے کوئی متعین سزا نہیں ہے، بلکہ حاکم اور صاحب اختیار کے حوالہ کردیا گیا ہے۔ وہ مجرم کو جو مناسب سزا سمجھے دے۔ (دیکھئے مقالہ مولانا مفتی ولی اللہ مجید قاسمی)۔
- مفتی عبدالرحیم قاسمی: اگر نقصان مثلی شئ کا ہوا ہے تو خود صاحب نقصان کا نقصان رساں شخص سے اتنی ہی اور ایسی ہی چیز وصول کرلینا، خواہ آشکارہ یا خفیہ جائز ہے۔ اسی طرح اداروں کو بھی اس میں اعانت جائز ہے، تعزیر بأ خذ المال کے بغیر کہ اگر اشیاء ذوات القیم کا نقصان ہوا ہے تو اس جنس کا اس کا بدل وصول کرنا، یہ شرعاً مبادلہ ہے، جس میں تراضی یا قضاء کی ضرورت ہے (بحوالہ امداد الفتاوی: دیکھئے مقالہ موصوف)۔
- مفتی لطیف الرحمٰن ممبئ: موصوف نے صرف تعزیر کی تعریف کرنے پر اکتفا کیا ہے۔
- مفتی اعجاز الحسن باندے: موصوف نے صرف تعزیر کی لغوی تعریف کرنے پر اکتفا کیا اور پھر حکم مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

مترادف الفاظ:

وہ تعزیر جس کا تعلق مال سے ہو، خواہ ضبط وتصرف اور اتلاف کی شکل میں ہو یا مجرم کو اس کے مال سے ایک مدت تک یا دائمی طور پر انتفاع سے روک دینے کی شکل میں ہو اس کے لئے جو قانونی طور پر الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں وہ اس طرح ہیں: (۱)

تعزیر بالمال (۲) تعزیر بأ خذ المال (۳) ضمان مالی (۴) غرامہ مالیہ (۵) مصادرۃ الاموال (۶) عقوبہ مالیہ۔ ان ساری فقہی اور تعزیری اصطلاحات کا مفہوم ومصداق الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ ایک ہی ہے اور اصل ’’تعزیر‘‘ ہے جس کی اضافت اگر جسم کی طرف ہو تو تعزیر جسمانی بولا جاتا ہے اور مال کی طرف ہو تو تعزیر مالی۔

اقسام اور تعزیر بالمال کی شکلیں:

(۱) تعزیر باخذ المال (۲) تعزیر بحبس المال (۳) تعزیر باہلاک/ اتلاف المال، (۴) تعزیر بتغییر المال (۵) تعزیر بتملیک المال (۶) تعزیر بحرمان المال۔ اب تعزیر بالمال ایک کلی ہے اور یہ تمام اقسام اسی کے اجزاء وانواع، اسی لئے حضرات مقالہ نگاران نے تعزیر بالمال اور اخذ مال کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ذکر کرتے ہوئے، ’’تعزیر بأ خذ المال‘‘ کو ’’تعزیر بالمال‘‘ کا ایک جز مانا ہے، اور نتیجہ میں دونوں ایک ہی چیز بنتی ہے۔

تعزیر بالمال اور تعزیر بأ خذ المال کے درمیان فرق:

اسے آپ سوال نمبر ۱ر کی شق (۲) بھی کہہ سکتے ہیں، اس شق کی تشریح میں ۶۶ مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ تعزیر بالمال اور تعزیر بأ خذ المال کے درمیان فرق ہے، اور اس فرق کو دونوں کی تعریف اور مفہوم کے ضمن میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے بعض حضرات نے اس فرق کو اس طرح بھی واضح کیا ہے کہ ’’تعزیر بالمال‘‘ نفس مال کو ہلاک کرنے، ضبط کرنے اور دوسرے کو اس کا مالک بنادینے کو کہتے ہیں، جبکہ ’’تعزیر بأ خذ المال‘‘، مجرم کا مال ایک مدت تک روکے رکھنے پر اور اصلاح کے بعد واپس کردینے کو کہتے ہیں، گویا ’’تعزیر بالمال‘‘ میں مال کی واپسی نہیں ہے، جبکہ ’’اخذ بالمال‘‘ میں واپسی ہے، اور اس طرح یہ فرق مسئلہ پر اثر انداز ہوتا ہے کہ تعزیر بالمال میں مجرم کا مال مباح ہوجاتا ہے اور مجرم کو مال کے حقوق سے بالکلیہ محروم کردیئے جانے کا جواز فراہم ہوجاتا ہے۔ اور اخذ بالمال میں مباح نہیں ہوتا، ’’**إلا بیطیب نفس منه**‘‘ اس طرح دیکھا جائے تو دونوں کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت اور فرق پایا جاتا ہے، تعزیر بالمال عام اور اخذ بالمال خاص اور اس کی ایک قسم ہے۔ چونکہ اس رائے کے حاملین کی تعداد زیادہ ہے، اس لئے ان کے اسماء گرامی طوالت کی وجہ سے حذف کئے جاتے ہیں۔ اور اس فرق کو واضح کرنے کے لئے مقالہ نگاران نے مفہوم اور تعریف کو ہی بنیاد بنایا ہے، اس لئے اس سلسلہ کی تمام عبارتیں مفہوم کے ضمن میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں، یہاں دوبارہ نقل کرنا تحصیل حاصل ہے۔

فرق کی وضاحت سے خاموشی:

۲۶ر مقالہ نگار حضرات نے تعزیر بالمال اور تعزیر بأ خذ المال کی عبارات فقہاء کی روشنی میں صرف تشریح یا حکم مسئلہ بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ دونوں کے درمیان کوئی فرق ہے یا نہیں اس پر کوئی روشنی علاحدہ سے نہیں ڈالی ہے۔ ان حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، محمد توصیف صدیقی، مفتی فرید احمد رشید کاوی، مفتی عبداللہ قاسمی، مفتی نعمت اللہ قاسمی، مفتی ثناء احمد گودھرا، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مفتی لطیف الرحمٰن، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا مفتی ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا مصطفیٰ آواپوری، مفتی معراج الدین کشمیر، مولانا عبدالحیٔ مفتاحی، مولانا محمد سلیم الدین قاسمی، مولانا نیاز احمد بنارسی، مولانا نذر توحید مظاہری، مولانا عبدالرشید شیدا، مولانا سید ابراہیم قاسمی، حسامی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا نور الحق رحمانی، مفتی محمد حذیفہ داحودی، مولانا مطیع الرحمٰن قاسمی، قاضی فیاض عالم قاسمی، شیخ محمد صالح الزماں (اڑیسہ) (ان حضرات کی فقہی عبارات، تعزیر بالمال کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں)۔

تعزیر بالمال اور اخذ بالمال میں کوئی فرق نہیں:

مقالہ نگاران میں ۱۷ حضرات اہل علم وفکر کی رائے یہ ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں یکساں ہم معنی اور مساوی ہیں۔ مقصد دونوں کا ایک ہی ہے، صرف تعبیر اور نتیجہ کا فرق ہے اور بس، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''تعزیر بالمال'' ایک کلی ہے، اور ''أخذ المال'' اس کا ایک جزء۔

ان حضرات کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا فاروق قاسمی، مفتی عبدالتواب اناوی، مولانا عبدالحمید قاسمی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا عمر امین الٰہی، مولانا محمد زبیر ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا عباس یوسف سعادتی، مفتی صبیح اختر قاسمی، مولانا آزاد بیگ قاسمی، مولانا محمد تبریز عالم حلیمی، مفتی اسعد فلاحی، مولانا اسرار احمد آبادی، مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی، مفتی عزیر اختر القاسمی، البتہ مولانا عبداللہ جولم صاحب کی رائے میں اکثر حضرات فقہاء کے نزدیک فرق نہیں ہے۔ بعض کے نزدیک فرق ہے، امام الدین شیخ کہتے ہیں کہ فرق ہے، مگر اس سے مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مفتی عزیر اختر قاسمی کے نزدیک بس استعمال کا فرق ہے، اور دونوں کو اپنی اپنی جگہ ہی استعمال کرنا چاہئے۔ مفتی عبدالباسط قاسمی کے خیال سے احناف کے نقطۂ نظر کے مطابق فرق ہے۔ مولانا محبوب فروغ احمد صاحب نے تساوی کی نسبت کو برقرار رکھتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں احتمال یہ بھی ہے کہ دونوں کا مطلب الگ الگ ہو، اس کا قرینہ بھی پایا جاتا ہے جن کا مفہوم ہوگا تعزیر بالمال، یعنی مالی جرمانہ، اور اخذ، یعنی کچھ مال پر قابضانہ تسلط۔

غرض کہ دونوں ایک ہی چیز ہے، یا دونوں میں کوئی فرق ہے، اس سلسلہ میں تمام ہی مقالہ نگاران نے عام طور سے مفہوم کے تحت ذکر کردہ عبارات فقہاء کو ہی پیش نظر رکھا ہے، جن حضرات نے اس کی روشنی میں فرق محسوس کیا ہے، ان کا موقف بھی واضح کردیا گیا ہے، اور جن کے نزدیک فرق نہیں ان کا موقف بھی درج ہے۔ عبارات، مفہوم کے تحت ملاحظہ ہو۔ اصل موضوع بحث حکم مسئلہ ہے۔

اگر فرق ہے تو اس فرق کی وجہ سے صورت مسئلہ پر کیا اثر پڑے گا؟

سوال نمبر ۱ کے اس آخری شق کے بارے میں الگ الگ توجیہات مقالہ نگاران نے پیش کی ہیں ہم انہیں بالترتیب ان کے

ناموں کے ساتھ درج کرتے ہیں:

- مفتی عبدالباسط قاسمی: ''اس صورت میں حدیث: ''لایحل مال امرأ مسلم إلا بطیب نفس منه'' سے مالی جرمانہ پر عائد ہونے والے اعتراض سے بچا جاسکتا ہے۔ (دیکھئے مقالہ موصوف)۔
- مولانا عطاء اللہ بخاری: اس فرق کی وجہ سے ''تعزیر بالمال'' کے عدم جواز کی بات سامنے آتی ہے، لہٰذا صورت مسئلہ میں بطور تاوان یا تعزیر، مالی جرمانہ لگانا جائز ہوگا۔
- محمد ارتقاء الحسن کاندھلوی: ان اصطلاحات کے باہمی فرق کو ملحوظ رکھا جائے تو اس سے صورت مسئلہ پر استدلالی اعتبار سے بھی، یہ بھی فرق پڑے گا کہ تعزیراً جرم کا آلہ یا سبب بننے والے مال کی عارضی یا دائمی ضبطگی، اتلاف یا تغییر کے جواز پر دلالت کرنے والے آثار ونصوص سے مطلقا جرمانہ عائد کرنے کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔
- مولانا نور الحق رحمانی: اس فرق کی وجہ سے یہ اثر پڑے گا کہ جو لوگ مالی تعزیر کو بالکلیہ جائز کہتے ہیں ان کے نزدیک مجرم کے مال کو لینا یا ہلاک کردینا یا اس کو تبدیل کردینا جائز ہے۔
- عبدالکریم ندوی گنگولی: اس جز میں جو تعزیر بأخذ المال کو منسوخ مانتے یا درست قرار نہیں دیتے، ان کے یہاں فرق پڑے گا اور جن کے یہاں اس کی گنجائش ہے، کوئی فرق نہیں پڑے گا۔
- سید ابراہیم قاسمی حسامی: اگر مالی تعزیر کو پہلے اور مفہوم کے لحاظ سے دیکھا جائے تو فی زمانہ مالی جرمانہ کی جو صورتیں رائج ہیں وہ جائز اور درست ہیں، اور اگر مالی تعزیر کا دوسرا مفہوم مراد لیا جائے تو پھر اس کی وجہ سے مالی جرمانہ کا طریقہ کارنا جائز ہوگا اور مجرم سے وصول شدہ مال کو ایک مدت تک بحفاظت رکھ کر جرم سے توبہ کے بعد لوٹا دیا جائے گا۔
- عبدالرشید شیدا: (۱) مالی تعزیر سے عارضی طور پر مال کی ضبطی کا مفہوم مراد لینے کی صورت میں احناف کے یہاں مسئلہ اتفاقی ہو جائے گا، شیخین وصاحبین سبھی اس کے جواز کے قائل ہیں اور دیگر ائمہ کے مسالک میں بھی اس کی بھرپور گنجائش ملتی ہے۔
(۲) مالی تعزیر سے مال کی مستقل ضبطی (بأخذ المال) کا مطلب سامنے رکھنے کی شکل میں احناف کے بشمول دیگر ائمہ کی آراء بھی جواز وعدم کے اعتبار سے مختلف ہو جائے گی، جیسا کہ تفصیل ۲، ۳، ۴، ۵ میں آئے گی۔
- ابراہیم بن سلیمان فلاحی: تعزیر بالمال جب یہ مقسم ہے تو اس میں فی نفسہ مال لینا اور وصول کرنا ثابت ہوتا ہے۔
- مفتی افتخار احمد مفتاحی: اس فرق کی وجہ سے ''تعزیر بالمال'' ہی کی ایک صورت جو ''بأخذ المال'' ہے درست ہوگی اور جرمانہ لیکر مال بیت المال میں داخل کردیا جائے یا کسی کو مالک بنادیا جائے تو اصل مذہب عدم جواز ہے۔
- محمد اسعد فلاحی: صورت مسئلہ پر فرق یہ ظاہر ہوگا کہ پہلی صورت (تعزیر بالمال) کی صورت میں ہمیشہ کے لئے مجرم کا مال ضبط کرلیا جائے، اور دوسری صورت (اخذ بالمال) میں ندامت کے بعد واپس کردیا جائے۔
- محمد ادریس اسماعیل فلاحی: یہ فرق پڑے گا کہ اگر مجرم عارضی طور پر کام لینے سے باز آجاتا ہے تو ایک مدت کے بعد وہ مال

اسے واپس کردیا جائے گا اور اگر سرکش ہو اور باز نہ آئے تو واپس نہیں کرے گا اور جیسا چاہے قاضی اسے صرف کرسکتا ہے۔

- مفتی شاہد علی قاسمی: (۱) وقتی وعارضی مالی تعزیر کے جواز میں زیادہ تأمل کی نوبت نہیں آئے گی، اس لئے کہ اس صورت میں دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر لینے اور استعمال کرنے کی ممانعت والی حدیث سے ٹکراؤ نہیں ہوگا اور یہ صورت تعزیر مال سے نکل کر حبس مال کے زمرے میں آجائے گی اور وقتی طور پر مجرم کا مال روک لینے میں اتنی خرابی نہیں جتنی مکمل طور پر لینے میں ہے۔

(۲) اس فرق کے نتیجہ میں ایک اہم بات یہ بھی سامنے آئے گی کہ تعزیر مال، یعنی تعزیری طور پر مال لے لینے اور اس کی طرف مال منتقل کرنے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ جبکہ ہندوستان جیسے ملک میں بہ وقت ضرورت تعزیر مال کی راہ سے سزا دینے کا جواز رہنا چاہیے، اس لئے راقم الحروف کے نزدیک امام یوسف کے قول جواز کو ''تعزیر بالمال'' پر محمول کرنا چاہئے اور دونوں میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہئے۔

- مفتی محفوظ الرحمٰن بستوی: اس فرق کی وجہ سے صورت مسئلہ پر پڑنے والے فرق کو امام شاطبی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''العقوبة المالية عند مالک ضربان، أحده: عقوبة عن الجناية و إتلاف مافيه، أو عوض عن عقوبة للجانی'' والأول، العقوبة بالمال، ولا مرية أنه غير صحيح، والثانی: العقوبة و هی ثابتة عنده''
(الاعتصام للشاطبی ۲۶/۳، الباب الثامن، اعتقال السادس)۔

- مفتی سعید اسعد: صورت مسئلہ میں فرق ان حضرات کے نزدیک پڑے گا جن کے یہاں تعزیر بالمال کی گنجائش نہیں ہے، لیکن جن کے یہاں ہے ان کے یہاں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

- مفتی محمد اخلاق حسین قاسمی: تمام ائمہ کے نزدیک تعزیر بالمال جائز ہوگا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ تغییر منکر یا مال خبیث اور بطور ضمان کے کسی کے مال کو تلف کیا جائے یا بدل دیا جائے یا کسی کو مالک بنا دیا جائے، البتہ ''تعزیر بأخذ المال'' میں مال لینے کی گنجائش جمہور کے نزدیک نہیں ہوگی۔

- مفتی عبدالمنان آسام: یہ اثر پڑے گا کہ پہلی صورت میں مال کو لینا بغیر سبب شرعی ہوگا جو ناجائز ہے اور دوسری صورت میں کچھ مدت کے بعد واپس کردیا جائے گا۔

- نعیم احمد ندوی: فرق کی صورت میں صورت مسئلہ پر یہ اثر پڑے گا کہ اول (تعزیر بالمال) کو ضرورت اور تعامل کی وجہ سے گنجائش کی راہ دینی ہوگی، جبکہ ثانی (بأخذ المال) کی پہلے سے گنجائش موجود ہے۔

- عبدالخالق ندوی: اس کا اثر یہ ہوگا کہ تعزیر بالمال کی صورت میں جو جرمانہ عائد کیا جائے گا وہ جرم سے توبہ کی صورت میں واپس نہیں کیا جائے گا اور ''بأخذ المال'' میں واپس کیا جائے گا۔

- امام الدین شیخ: اس کا اثر یہ ہوگا کہ '' تعزیر بالمال '' کا تعلق اس مال سے ہوگا جو تغییر منکر اور بطور تضمین کے یا اس کا مال خبیث ہونے کی وجہ سے ضائع کیا جائے تو اس میں تعزیر جائز ہوگا، البتہ تعزیر بأ خذ المال، یعنی کسی کے کسی عمل کی وجہ سے یا عمل میں کوتاہی کی وجہ سے کچھ مال کی ادائیگی لازم کرنا '' اخذ المال '' کہلائے گا۔
- ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی: صورت مسئلہ پر بڑا اثر پڑے گا، کیونکہ جو فقہاء مال کو لے کر اصلاح حال کے لئے ایک مدت تک روکے رکھنے کے قائل ہیں ان کے نزدیک جلد دینا، ضائع کردینا، شکل بدل دینا اور دوسرے کو مالک بنا دینا کسی حال میں جائز نہیں ہے۔
- مولانا عبید اللہ ندوی: اس اختلاف کا اثر صورت مسئلہ پر یہ ہوگا کہ '' تعزیر بالمال '' جائز ہوگا اور '' تعزیر بأ خذ المال '' جائز نہیں ہوگا، سوائے امام ابو یوسف کے نزدیک کے۔
- مفتی راشد حسین ندوی: (۱) اس فرق کی وجہ سے امام ابو یوسف کے قول کو اختیار کرلیا جائے تو تعزیر بالمال کی مختلف صورتوں میں صرف ایک شکل جائز ہوگی، یعنی '' بأ خذ المال ''، خواہ اس کی تشریح مکمل ضبطی سے کی جائے یا کچھ دنوں تک بطور ودیعت مال روکنے سے کی جائے۔

(۲) تعزیر '' بأ خذ المال '' میں امام ابو یوسف اور طرفین کے درمیان اختلاف ہے '' تعزیر بالمال '' کے متعلق یہاں عبارات خاموش ہیں، اس کی بعض شکلیں بالاتفاق جائز ہیں۔

- معین الدین ندوی: اس کا اثر یہ پڑے گا کہ تعزیر بالمال کی صورت میں مال ختم ہوجائے گا، یا اس کا ڈھانچہ بدل دیا جائے گا جس سے مجرم فوری طور پر مال سے محروم ہوجائے گا، اور تعزیر '' بأ خذ المال '' میں ایسا نہیں ہے، بلکہ اسے جرم سے باز آنے کے بعد مجرم کو اپنا مال مل جائے گا۔
- ریاض ارمان قاسمی: اس کی وجہ سے صورت مسئلہ پر یہ فرق پڑے گا کہ تمام ائمہ کے نزدیک تعزیر بالمال جائز ہوگا جس کی شکل یہ ہوگی کہ تغییر منکر یا مال خبیث اور بطور ضمان کے کسی کے مال کو تلف کیا جائے یا بدل دیا جائے یا مالک بنا دیا جائے، البتہ تعزیر بأ خذ المال میں مال لینے کی گنجائش جمہور کے نزدیک نہیں ہوگی۔
- منظور احمد قاسمی: فرق کے ضمن میں موصوف لکھتے ہیں کہ تعزیر بالمال کو بہت کم فقہاء متقدمین جائز کہتے ہیں، کیونکہ اس میں دوسرے کا مال بغیر رضامندی کے لینا لازم آتا ہے، جبکہ تعزیر بأ خذ المال کو فقہاء جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس میں دائمی طور پر دوسرے کا مال ضبط کرنے کا اعتراض لازم نہیں آتا۔
- حفیظ الرحمٰن مدنی: دونوں صورتوں میں فرق یہ ہوگا کہ تعزیر بالمال، یعنی بقبض المال، سزا کے طور پر مستقلاً مجرم سے مال وصول کرلینا اور وہ جرم سے باز آئے نہ آئے، کسی صورت میں واپس نہ کرنا تو یہ قطعاً حرام ہوگا۔ ''**ألا لایحل مال امرأ مسلم إلا بطیب نفس منه**''۔

- مفتی محمد عثمان بستوی: جمہور کے خلاف امام ابو یوسف سے تعزیر بالمال کا جواز منقول ہے۔ جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے، نیز نصوص ظاہرہ کے معارض ہونے کی بنا پر بھی حضرت امام ابو یوسف کے قول کے تاویل کی ضرورت محسوس کی گئی، اس لئے حضرات فقہاء نے ان کے قول کی تاویل کر کے تطبیق اور رفع تعارض کی کوشش کی ہے، اور وہ تاویل ''تحبس المال'' سے کی ہے، اور جب تعزیر بالمال کو تحبس المال پر محمول کریں گے تو ایسی صورت میں نصوص سے تعارض ختم ہوجائے گا، نیز دیگر ائمہ کے مسلک کے مطابق بھی گنجائش پیدا ہوجائے گی۔ اس لئے تاویل کی ضرورت محسوس کی گئی۔
- ڈاکٹر عبد المالک مغیثی: مال کو برباد کرنا، دریا برد کرنا اور مصالح عامہ میں صرف کرنا جائز ہے، یہ تعزیر بالمال ہے، اور تعزیر بأخذ المال اصلاح حال تک کے لیے رکھنا، صرف اس کی گنجائش ہے۔
- محمد جمیل اختر جلیلی ندوی: فرق ان حضرات کے نزدیک پڑے گا جن کے یہاں ''تعزیر بأخذ المال'' کی گنجائش نہیں، لیکن جن کے یہاں گنجائش ہے ان کے یہاں صورت مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔
- مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی: پہلی صورت میں تعزیر باتلاف مال کا جواز فقہاء احناف سے بھی منقول ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ اس حکم کا تعلق صرف مال خبیث کے ضیاع واتلاف سے ہو جن کا مال محترم ہونا ساقط ہو گیا؟، بلکہ مال محترم اور حلال مال سے تعلق ہے جو مفاد عامہ کے لئے خلل انداز ہو رہا ہو، جیسا کہ ''خلاصۃ الفتاوی'' میں علامہ طاہر بن عبد الرشید علیہ الرحمہ کے قول منقول سے پتہ چلتا ہے۔

سوال نمبر: ۲، ۳، ۴، ۵، ۶: تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب کیا ہے؟ ائمہ حنفیہ میں کیا کسی کا قول جواز کا ہے؟ اور اس کی کیا حیثیت ہے، کیا ائمہ حنفیہ میں کسی کی رائے اس قول کے موافق ہے؟

چونکہ پانچوں سوالوں کا تعلق فقہاء احناف کے قول اور مفتی بہ قول سے ہے، اس لئے عام طور سے مقالہ نگاران نے فقہاء کے اقوال منجملہ نقل کرنے کا اہتمام کیا ہے، اس لئے کہ یہ پانچوں سوالات بنیادی طور پر ایک ہی محور کے گرد گردش کرتے ہیں، اور تینوں کی روح ایک ہی ہے، اس لئے ان کی تفصیلات اور مقالہ نگاران کی پیش کردہ تصریحات ہم ایک ساتھ نقل کر رہے ہیں:

تمام مقالہ نگار حضرات نے حنفیہ کا معروف مذہب، ائمہ حنفیہ میں قول جواز کی حیثیت، اور وہ فقہاء جنہوں نے امام ابو یوسف کے قول کے موافق فتاوی دیئے ہیں، نیز ائمہ ثلاثہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے ساتھ ساتھ چاروں دبستان فقہ کے فقہاء کے اقوال قدیم وجدید، ارباب فقہ وفتاوی کی آراء وفتاوی نقل کئے ہیں اور اخیر میں ضرورت ومصلحت اور عصری تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے سوائے چھ افراد کے تمام ہی مقالہ نگاران نے امام ابو یوسف اور مالی جرمانہ وتعزیر کا قول اختیار کرنے والے فقہاء کی رائے کو ترجیح اور قابل عمل قرار دیا ہے، تفصیل مندرجہ ذیل ہیں:

ائمہ فقہ میں سے مالی تعزیر کے عدم جواز کے قائلین:

فقہ حنفی: حنفیہ میں سے حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام محمد، یعنی طرفین عدم جواز کے قائل ہیں (فتح القدیر

۵/ ۵۴۵، البحر الرائق ۵/ ۴۴، فصل فی التعزیر، رد المحتار ۳/ ۱۷۹، فتاویٰ ہندیہ ۲/ ۱۶۷)۔

"قال ابن الهمام: و عن أبی یوسف یجوز التعزیر للسطان بأخذ المال، و عندهما و باقی الأئمة الثلاثة لایجوز" (فتح القدیر ۵/ ۳۴۵) (تمام ہی مقالہ نگاران نے حنفیہ کا مسلک متداول کتب فقہ سے یہی نقل کیا ہے)۔

فقہ حنبلی: بعض روایات کے مطابق حضرت امام احمد بن حنبلؒ (المغنی ۹/ ۱۷۸) ابراہیم بن محمد حنبلی، شیخ الاسلام مقدسی حنبلی، علامہ بہوتی (منتہی الارادات ۳/ ۲۶۶)۔ عدم جواز کے قائل ہیں، جبکہ ابن تیمیہ اور ابن قیم جواز کے قائل ہیں (کشاف القناع ۱/ ۲۱)۔

فقہ شافعی: امام شافعیؒ قول جدید کے مطابق امام شیروانی شافعی علی بن علی قاہری صاحب المجموع نے شافعیہ کا مفتی بہ مذہب عدم جواز ہی نقل کیا ہے (کتاب الامام للشافعی ۴/ ۲۶۵، المجموع شرح المہذب: ۲۰/ ۱۳۵)۔

فقہ مالکی: علامہ دسوقی اور احمد بن محمد صاوی مالکی (الشرح الکبیر و حاشیہ دسوقی ۳/ ۴۶، حاشیہ صاوی علی الشرح لاصغیر دسوقی) نے امام مالک کا مذہب عدم جواز لکھا ہے (۴/ ۵۰۵)، ابن فروحون اور "تبصرۃ الحکام" میں امام مالک کا جواز کا قول اور مالکیہ کی ایک جماعت کا قول جواز ہی لکھا ہے (موسوعہ فقہیہ ۱۳/ ۲۷۰، عمدۃ القاری ۴/ ۲۳۰، تبصرۃ الحکام ۲/ ۳۶)۔ مقالہ نگاران کی صراحت کے مطابق ائمہ ثلاثہ کے یہاں بھی دونوں طرح کی رائے موجود ہے "قال الشبراملسی: ولا یجوز علی الجدید بأخذ المال، یعنی لا یجوز بأخذ المال فی مذهب الشافعی الجدید و القدیم یجوز، أما فی مذهب مالک فی المشهور عنه، فقد قال ابن فرحون: التعزیر بأخذ المال قال به المالکیة، و قد ذکر فی مواضع مخصوصة یعزر فیها بالمال ..... و عند الحنابلة یحرم التعزیر بأخذ المال أو اتلافه، لأن الشرع لم یرد بشئ من ذلک عمن یقتدی به، و خالف ابن تیمیة و ابن القیم، فقالا: إن التعزیر بالمال سائغ إتلافا و أخذاً" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۲/ ۱۶۷)، (ماخوذ از مقالہ: مفتی باقر ارشد قاسمی)۔

مالی تعزیر کے جواز کے قائلین ائمہ اور فقہاء:

قول قدیم کے مطابق حضرت امام شافعی، علامہ یحیٰ بن زکریا نووی، قول مشہور کے مطابق حضرت امام مالک، امام ترمذی اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی تشریح کے مطابق حضرت امام احمد بن حنبل، علامہ ابن فرحون مالکی، علامہ ابن حزم ظاہری، امام شوکانی، محمد بن عبداللہ قرشی مالکی، ابن قطان اندلسی، ابن عتاب، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم جوزی، اور مشہور ائمہ احناف سے حضرت امام ابو یوسف، امام کردری، امام ابوبکر بلخی، علامہ طحاوی، علامہ برجندی، امام ظہیر الدین تمرتاشی، علامہ زاہدی، علامہ علاء الدین طرابلسی، علامہ علاتی ان کے علاوہ متاخرین حنفیہ میں علامہ ابن نجیم مصری، مفتی عبدالقادر آفندی، علامہ حموی، علامہ ابن عابدین، علامہ طاہر بن عبدالرشید۔ ماضی قریب کے اکابر علماء میں علامہ عبدالحی فرنگی محلی، حضرت تھانوی، ڈاکٹر وہبہ زحیلی، مفتی عبدالرحیم لاجپوری، مفتی کفایت اللہ مراد آبادی، صاحب احسن الفتاوی، مفتی رشید احمد، شمس الحق افغانی، ابوالمحاسن محمد سجاد، مخدوم ابوجعفر سندھی، مجیب اللہ

ندوی، ظفر احمد تھانوی، قاضی القضاۃ قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، اور معاصر فقہاء میں مفتی تقی عثمانی، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، صاحب فتاوی زکریا، مفتی رضاء الحق، ڈاکٹر شیخ فوزی فیض اللہ، ڈاکٹر عقیل بن عبدالرحمٰن بن محمد العقیل اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی رائے تعزیر بالمال کے جواز کی ہے (حضرات مقالہ نگاران کے مقالات سے ماخوذ)۔

امام ابو یوسف کے قول موافق قول:

یوں تو مذکورہ بالا حضرات مجوزین کی آراء اور جمعہ اقوال کو حنیفہ کے جواز والے قول کے موافق ہی کہا جائے لا، مگر بطور خاص علامہ ابن نجیم مصری، قاضی علاء الدین طرابلسی، صاحب فتاوی بزازیہ علامہ کردری، علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری، صاحب واقعات المفتیین: علامہ عبدالقادر آفندی نے اس کے موافق فتوی دیا ہے، اور علامہ علاء الدین بن خلیل طرابلسی قاضی قدس نے تو امام ابو یوسف کے قول ہی کو ترجیح دی ہے (دیکھئے معین الحکام/ ۹۵) اور یہی نہیں، بلکہ بعض مقالہ نگار کی تشریح کے مطابق ہر دور میں اکابر علماء اس کے موافق فتوی دیتے آ رہے ہیں (دیکھئے مقالہ: مفتی ارتقاء الحسن کاندھلوی، مفتی سعید الرحمٰن فاروقی، ابراہیم بن سلیمان فلاحی) اور معاصر فقہاء نے بھی امام ابو یوسف اور دیگر مجوزین تعزیر مالی کے جواز کے رائے کی تائید کی ہے، تائیدی اقوال کے لئے دیکھئے: (خلاصۃ الفتاوی لطاہر بن عبدالرشید ۴/ ۴۴، معین الحکام/ ۱۳۲، فتاوی بزازیہ للکردری، ۳/ ۲۱۵، واقعات المفتیین / ۵۹) (ماخوذ از مقالہ ابراہیم سلیمان فلاحی)۔ بہت سے مقالہ نگار نے عبدالحی فرنگی محلی، علامہ ظفر احمد تھانوی عثمانی، مجیب اللہ ندوی، ڈاکٹر وہبہ زحیلی کے ساتھ ساتھ معاصر فقہاء میں مفتی علامہ یوسف القرضاوی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کو بھی موئدین وموافقین میں شمار کیا ہے (مجموعۃ الفتاوی کتاب القضاء ۳/ ۵۳، اعلاء السنن ۱۱/ ۶۸۸، اسلافقہ ۳/ ۲۸، قاموس الفقہ ۲/ ۴۸۹، تقریر ترمذی ۱/ ۱۸۲، دیکھئے مقالہ: عقیل الرحمٰن قاسمی)۔

موجودہ تناظر اور حالات ومصلحت کے تحت قول ضعیف پر فتوی اور تعزیر بالمال کی گنجائش:

مقالہ نگاران کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ ضرورت ومصلحت کے تحت قول ضعیف پر فتوی دینے کی گنجائش ہے اور مالی تعزیر کے مسئلہ میں بطور خاص موجودہ تناظر میں مالی تعزیر کے جواز کا فتوی عین تقاضائے مصلحت ہے اور اسی ضرورت ومصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے مقالہ نگاران نے مجوزین کی رائے کو ترجیح دی ہے اور اس کے لئے وہ تمام نصوص وعبارات فقہاء نقل کئے ہیں جن میں مالی تعزیر کی تمام شکلوں کو حاکم وقاضی کے لئے تعزیراً اختیار کرنے کی گنجائش کا ذکر ہے۔

تعزیر بالمال کے جوائز کے دلائل:

’’تعزیر بالمال‘‘ والے قول کو ترجیح دینے والے مقالہ نگاران نے مندرجہ ذیل دلائل نقل کئے ہیں:

۱- ’’فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم واتقوا الله واعلموا أن الله مع المتقين‘‘ (سورہ بقرہ: ۱۹۴)۔

۲- ’’و إن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به، و لئن صبرتم لهو خير للصابرين‘‘ (سورہ نحل: ۱۲۶)۔

۳- ”وما كان لمومن أن يقتل مومنا إلا خطأ و من قتل مومنا خطا فتحرير رقبة مومنة ودية مسلمة إلى أهله إلا أن يصدقوا فإن كان من قوم عدولكم وهو مومن فتحرير رقبة مومنة، و إن كان من قوم بينكم و بينهم ميثاق فدية مسلمة إلى أهله و تحرير رقبة مؤمنة، فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين توبة من الله و كان الله عليما حكيما“ (سورہ نساء:۹۲)۔

۴- ”والذين يظاهرون من نسائهم ثم يعودون لما قالوا فتحرير رقبة من قبل أن يتماسا ذلكم توعضون به والله بما تعملون خبير، فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين من قبل أن يتماسا فمن لم يستطع فاطعام ستين مسكينا“ (المجادلۃ:۴،۳)۔

۵- ”عن سعدؓ أن رسول الله ﷺ قال: من أخذ تموه يقطع من الشبر شيئاً، يعنى شجر حرم المدينة فلكم سلبه لا يعضد شجرها ولا يقطع، قال: فرأى سعدؓ غلمانا يقطعون، فأخذ متاعهم، فانتهوا إلى مواليهم، فأخبروهم أن سعداً رضى الله عنه فعل كذا و كذا، فاتوه، قالوا: يا رسول الله ﷺيقول: من أخذتموه يقطع من شجر الحرم فلكم سلبهٔ و لكن سلونى من مالى ما شئتم“ (رواہ البیہقی فی سننہ الکبری:۵/ ۹۹، باب ماورد فی سلب من قطع من شجر حرم المدینۃ)۔

۶- ”عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺقال: فى كل سائمة إبل فى أربعين بنت لبون، لا يفرق إبل عن حسابها من أعطاها موتجرا، قال ابن العلاء: موتجرا بها فله أجرها، و من منعها فانا آخذوها و شطر ماله عزمة من غرمات ربنا عز و جل ليس لآل محمد منها شئ“ (رواہ ابو داؤد، ۱/ ۳۰۴، ۱۳، حدیث نمبر ۱۵۷۵، باب زکوۃ السائمۃ)(دارالسلام)۔

و كذا رواه النسائى فى باب عقوبة الزكو ة: ۱/ ۳۳۵، و ابن خزيمة فى صحيحه: ۱/ ۱۰۸۵، و قال الاعظمى: اسناده حسن و أخرجه الحاكم فى المستدرك فى كتاب الزكاة: ۱/ ۱۴۴۸، و قال: هذا حديث صحيح الأسناد، و وافقه الذهبى، و قال الدارمى فى سننه و على هاشمه: اسناد حسن، و أحمد فى مسنده، و قال شعيب الأرنأوط: إسناده حسن: ۵/ ۲۰۰۳۰)۔

۷- ”عن يحى بن عبد الرحمن بن حاطب ان غلمة لأبيه عبد الرحمن بن حاطب سرقوا بعيرا فانتحروه، فوجد جلده و رأسه فرفع أمرهم إلى عمر بن الخطاب رضى الله عنه فأمر بقطعهم فمكثوا ساعة، وما نري إلا أن قد فرغ من قطعهم، ثم قال عمر رضى الله عنه: علي بهم، ثم قال لعبد الرحمن: والله لأراك تستعملهم، ثم تجيعهم و تسئى إليهم، حتى لو وجدوا ما حرم الله عليهم لحل لهم، ثم قال

لصاحب البعیر: لم کنت تعطی لبعیرک؟ قال: أربع مائة درهم، قال لعبد الرحمن: قم فاغرم لهم ثمان مائة درهم" (المصنف لعبدالرزاق:۱/۲۳۹/۱۸۹۷۸)۔

۸- "عن سلیمان بن أبی عبد الله قال: رأیت سعد بن أبی وقاص رضی الله عنه أخذ رجلا یصید فی حرم المدینة الذی حرمه رسول الله صلی الله علیه وسلم فسلبه ثیابه، فجاء وا موالیه فکلموه فیه فقال: أن رسول الله صلی الله علیه وسلم حرم هذا الحرم، و قال: من أخذ أحدا یصید فیه فلیسلبه، فلا أرد علیکم طعمة أطعمنیها رسول الله صلی الله علیه وسلم، و لکن إن شئتم دفعت إلیکم ثمنه" (السنن الکبری للبیهقی: ۵/۱۹۹، باب ماورد فی سلب من قطع من شجر حرم المدینة) وکذا فی اتحاف الخیرة المهرة بزوائد المسانید العشرة للعلامة البوصیره (۴/۱۵۹) باب فی أسماء المدینة الشرفة وما جاء فی صید هاس، مکتبہ الرشید الریاض)۔

۹- "عن عمروبن شعیب عن أبیه عن جده عبد الله بن عمروبن العاص عن رسول الله صلی الله علیه وسلم أنه سئل عن الثمر المعلق فقال: من أصاب بقیة من ذی حاجة غیر متخذ خبیئة، فلا شئ علیه، و من خرج بشئ منه، فعلیه غرامه مثلیه والعقوبة " (رواه ابوداؤد ا/۲۴۰، کتاب اللقطة)۔

۱۰- "یجوز التعزیر بأخذ المال وهو مذهب أبی یوسف، و به قال مالک رحمها الله، و من قال: إن العقوبة المالیة منسوخة فقد غلط علي مذهب الأئمة نقلا واستدلالا، و لیس بسهل دعوی نسخها فعل الخلفاء الراشدین وأکابر الصحابة لها بعد موته صلی الله علیه وسلم مبطل لدعوی نسخها، والمدعون للنسخ لیس معهم سنة ولا إجماع یصحح دعواهم ... (معین الحکام : ۱۹۵ ، فصل فی التعزیر دار الفکر) (۲) علامہ ابن نجیم مصری البحر الرائق میں فرماتے ہیں:و فی الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزیر بأخذ المال أن رای القاضی ذلک أو الولی جاز، و من جملة ذلک رجل لایحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال له"(البحر الرائق: ۴/۴۱، فصل فی التعزیر، کویتۃ)۔

۱۱- "والتعزیر بأخذ المال، إن المصلحة جائزة، و من جملة من لایحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال"(الفتاوی البزازیة علي ہامش الفتاوی الهندیة:۶/۴۲۲، کتاب الحدود)۔

۱۲- "ولم یذکر محمد فی شئ من الکتب التعزیر بأخذ المال، و قیل: روي عن أبی یوسف أن التعزیر والزجر من السلطان بأخذ المال جائز ... و فی الفتاوی الخلاصة: التعزیر بأخذ المال إن رأی القاضی أو الولی جاز، و من جملة ذلک الرجل لایحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال، و أفاد فی البزازیة: أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به إمساک شئ من ماله عنه مدة لینزجر، ثم

يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال، كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، و في المجتبى لم يذكر بكفية الأخذ، و أرى أن يأخذها فيمسكها، فان أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى" (*الفتاوی التاتارخانیۃ: ۵/۱۴۰، کتاب الحدود، إدارة القرآن، البحر الرائق ۵/۴۱*)۔

۱۳- "عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم إذا وجد تم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه و اضربوه، قال: فوجدنا في متاعه مصحفا، فسأل سالما عنه، فقال: بعه و تصدق ثمنه" (*أبوداؤد ۲/۱۷۳، کتاب الجهاد باب عقوبة الغال*)۔

۱۴- "عن أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والذى نفسى بيده لقد همت أن أمر بحطب فيحطب ثم أمر بالصلاة فيؤذن لها، ثم أمر رجلا فيؤم الناس ثم أخالف إلى رجال فأحرق عليهم بيوتهم، والذى نفسى بيده لو يعلم أحدهم أنه يجد عرقا سمينا أو مرّ مأتين حسنتين لشهد العشاء" (*بخاری ۱/۸۹، کتاب الصلاة باب وجوب صلاة الجماعة*)۔

۱۵- "ليس يسهل دعوى نسخها، و فعل الخلفاء الراشدين و أكابر الصحابة لها بعد موته صلى الله عليه وسلم مبطل لدعوى نسخها" (*تبصرة الحكام فى أصول الاقضية ومناهج الأحكام ۳/۲۵۳، الفصل الحادى عشر فى الزواج الشرعية*)۔

۱۶- "و منها: أمره عليه الصلوة والسلام بكسر دنان الخمر وشق ظروفها، و منها: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم خيبر بكسر القدور الشئ طبخ فيها لحم الحمر الأهلية، ثم استاذ نوه فى غسلها، فأذن لهم فدل علي جواز الأمرين، لأن العقوبة بالكسر لم تكن واجبة، و منها: تحريق عمر رضى الله عنه المكان الذى يباع فيه الخمر، و منها: تحريق عمرؓ قصر سعد بن أبى وقاص رضى الله تعالي عنه لما احتجب فيه عن الرعية و صار يحكم فى داره، و منها: مصادرة عمرؓ عمّا له بأخذ شطر أموالهم فقسمها بينهم و بين المسلمين، و منها: أن عمرؓ لما وجد مع السائل من الطعام فوق كفايته وهو يسأل، آخذ ما معه من الطعام و أطعمه أهل الصدقة وغير ذلک، مما يكثر تعداده، و هذه قضايا صحيحة معروفة، قال ابن القيم الجوزية: و أكثر هذه المسائل سائغة فى مذهب أحمد رحمه الله تعالى" (*معین الحکام ۲/۲۳۲، بحوالہ أحسن الفتاوی ۵/۵۶۵*)۔

۱۷- "و استدل الشافعى رحمه الله يحدث الباب علي مذهبه فى أن الدائن إن ظفر بشئ من مال المديون

المماطل جاز له استيفاء دينه من ذلک المال، سواء كان المال من جنس حقه أو غيره۔ غير أن المتأخرين من الحنفية أفتوا فى هذه المسئلة بمذهب الشافعى" (تکملہ فتح الملہم، کتاب الأقضیۃ باب قضیۃ الہند ۲/ ۵۷۸، دار العلوم کراچی)۔

۱۸- "قال القهستانى: و فيه إيماء إلى أن له أن يأخذ من خلاف جنسه عند المجانسة فى المالية، و هذا أوسع، فيجوز الأخذ به، و إن لم يكن مذهبنا، فإن الإنسان يعذر فى العمل به عند الضرورة، كما فى الزاهدى، والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أى مال كان لا سيما فى ديار نالمدا و متهم للعقوق" (ردالمحتار مطلب یعذر بالعمل بمذہب الغیر عند الضرورۃ ۴/ ۹۵، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۱۶۰/ ۲۷)۔

۱۹- "وقد يقتصر العقوبة المالية علي تغيير الشئ مثل ما فعل النبى صلى الله عليه وسلم فى التمثال الذى كان فى بيته والستر الذى به تماثيل إذ أمر بقطع رأس التمثال فصار كهيئة الشجرة و بقطع الستر فصار و ساوتين يوطأن، و هكذا اتفق العلماء على إزالة و تغيير كل ما كان من العين أو التاليف المحرم مثل تفكيک آلات الملاهى و تغيير الصورة المصورة" (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۷/ ۵۵۹)۔

۲۰- "فيستدل به لتغيير المنكر باليد و هتک الصور المحرمة" (مسلم ۲/ ۲۰۰)۔

۲۱- "يجوز التعزير بأخذ المال و هو مذهب أبى يوسف و به قال مالک، و من قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلا و استدلالا، و ليس بسهل دعوى نسخها" (معین الحکام ۱/ ۱۹۵)۔

۲۲- "والأظهر عند الحنابلة وهو القول بجواز التعزير بالمال سواء كان بالأخذ أو بالاتلاف" (کشاف القناع ۶/ ۱۲۵)۔

۲۳- "و فى معراج الدراية معزياً إلى فخر الأئمة: لو أفتى مفت بشئ من هذه الأقوال فى موضع الضرورة طلبا للتيسير كان حسنا" (البحر الرائق ۱/ ۳۳۵)۔

۲۴- "قال فى خزانات الروايات: العالم الذى يعرف معنى النصوص والأخبار و هو من أهل الدراية يجوز له أن يعمل عليها، و إن كان مخالفا لمذهبه" (الردالمحتار ۱/ ۱۶۶)۔

۲۵- "و أما التعزير بالعقوبات المالية، فمشروع أيضاً فى مواضع مخصوصة فى مذهب مالک و أحمد، و أحد قولى الشافعى" (الطرق الحکمیۃ/ ۲۲۴، الحسبۃ فی الاسلام/ ۵۹، تبصرۃ الحکام لابی فرحون ۱۲/ ۲۱۷)۔

۲۶- " وفيه أيضا دليل علي أنه يجوز أخذ مال من ارتكب معصية مستحلالها بعد إراقة دمه" (نیل الأوطار

للشوکانی ۷/۷ ۱۳)(مفتی عبداللہ قاسمی)۔

۲۷- ”فيه جواز العقوبة بالمال من قوله: تحرق بيوتا و إليه ذهب أحمد“ (اطرح التثریب فی شرح التقریب ۲/۳۰۷)۔

۲۸- ”وفى عصرنا الحاضر حيث نظمت شؤون الدولة و روقبت أموالها حيث تقرر الهيئة التشريعية الحد الأدنى والحد الأعلى للغرامة، و حيث ترک توقيع العقوبات للمحاكم، لم يعد هناک محل للخوف من مصادرة أموال الناس بالباطل“ (التشریع الجنائی ۱/۷۰۶)۔

۲۹- ”هدمه صلى الله عليه وسلم مسجد الضرار“۔

۳۰- ”قطع نخيل اليهود إغاظة لهم“۔

۳۱- ”حرمان السلب الذى أساء علي نائبه“

۳۲- ”عن عبد الله بن عمر و قال: رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم علي ثوبين معصفرين، فقال: أ أمک أمرتک بهذا؟، قلت: أغلسلهما، قال: بل أحرقهما“ (مسلم کتاب اللباس و الزینۃ، حدیث نمبر ۲۰۷۷)۔

۳۳- ”أما أن المنقول عن أبى يوسف رواية ضعيفة، فقد تقوى بما نقل من عمل الصحابة و تائيد بفتوى المتاخرين من الحنفية، غيرهم، و أخذ ابن القيم به و فقهائنا نصوا على أن العمل بالقول الضعيف فى المذهب يجوز إذا نص السلطان على ذلک، و قراره يدفع النزاع، كما يجوز العمل بالضعيف فى مواطن الضرورة، هذا إلى أن القول الضعيف عند ما يختار العمل به لمصحلة من مصالح الأمة لايبقى ضعيفا، بل يصير راجحا“(المسؤولیۃ التقصیر یہ للدکتور فوزی فیض اللہ/ ۱۴۲)(عبدالکریم ندوی گنگوہی)۔

۳۴- ” وهذا هو الراجح من القولين: وهو الذى يرجع إلى السياسة الشرعية التى تحقق المصالح و تتدرأ المفاسد فالذى يظهر والله تعالى أعلم أنه لاحرج فى التعزير بالمال، لكن ينبغى أن يكون تعزيرا عاد لا، و أن يكون عاما لا انتقائياً؛ لأن هذا ما يتحقق به العدل“ (موقع الشیخ اَد خالد المصلح www.almosleh.com)

۳۵- ”مما سبق من عرض أدلة المجيزين والمعانعين و مناقشها، والجواب عن بعض المناقشات يتبين لى والله أعلم أن القول بجواز التعزير بأخذ المال هو الراجح، لا سيما أنها عقوبة ترد ع كثيراً من الناس عن ارتكاب مالايجوز فقد يحسبونه لغيرها لاسيما، ونحن فى عصر انتكست فيه المجتمعات فلم يعد للأخلاق مكانة عند كثير من الناس، فقد كانت فيما مضى لها المكانة الأولى، و أما اليوم فقد طغت

علیها الاعتبارات المادية حتى كان لها المنزلة الأولى و أصحبت الهدف الأول، لذا، فإن العقوبة بالمال قد تكون أشد على كثير من الناس من السجن و من الضرب" (التعزیر بالمال دراسۃ فقهیۃ مقارنۃ/ ۱۰۲، للدکتور عقیل بن عبدالرحمٰن بن محمد العقیل)۔

۳۶- "الجنس السادس فى السعاية .... و فى نسخة القاضى الإمام أبى اليسر رحمه الله عليه ومن المبسوط فى كتاب اللقط: من سعي رجلاً إلى السلطان حتي غرمه لايخلو من وجوه ثلاثة... الثالث... إذا وقع فى قلبه أن فلانا يجيئ إلى إمراته أو جاريته، فرفع إلى السلطان، فغرمه السلطان، ثم ظهر كذبه عندهما لا يضمن الساعى، و عند محمد يضمن، قال: والفتوى على قول محمد لغلبة السعاية فى زماننا"(خلاصۃ الفتاوی ۴/ ۲۶۰)۔

قول ضعیف پر فتوی کے عدم جواز کے قائلین:

مندرجہ ذیل حضرات مقالہ نگاران نے یہ علت بیان کی ہے کہ موجودہ حالات میں نہ تو کوئی ایسی ضرورت و مصلحت ہے اور نہ ہی اضطراری کیفیت کہ اس کی وجہ سے قول ضعیف پر فتوی دیا جائے اور نہ اس کی گنجائش ہے، اس لئے کہ مالی تعزیر کے عدم جواز کے مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اجماع ہے اور اس کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی، لہٰذا عدم جواز ہی راجح ہے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو کمزور و مجبور لوگ مظلوم ہو کے رہ جائیں گے۔

مولانا تبریز عالم حلیمی، مفتی عبدالمنان، ڈاکٹر عبدالمالک مغیثی، مفتی محمد صادق مبارکپوری، مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا خورشید احمد اعظمی۔

عدم جواز کے قائلین کے دلائل:

- "يا يها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم" (سورۂ نساء: ۲۹)۔
- "ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل و تدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقا من أموال الناس بالإثم و أنتم تعملون" (البقرہ:۱۸۸)۔
- "عن أبى بكرة مرفوعاً: "إن دمائكم و أعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا، فى شهركم هذا، فى بلدكم هذا فليبلغ الشاهد الغائب، و فى رواية فى حجة الوداع: إن دمائكم و أموالكم كحرمة يومكم هذا، الخ" (بخاری ۲/ ۶۲۰، مسلم ۳/ ۱۳۰۵)۔
- "لايحل مال إمرأ مسلم إلا بطيب نفسه" (دارقطنی حدیث نمبر: ۲۸۸۵، بیہقی فی شعب الإیمان، حدیث نمبر:

۱۵۰۵)۔

- ”ليس فى المال حق سوى الزكاة“۔
- ”إن إباحة التعزير بالمال قد يغر الحكام الظلمة، فيأخذون أموال الناس بالباطل، و هذه ذريعة يجب سدها، لأن ما يودى إلى الباطل يكون باطلا بالبداهة“۔
- ”إن إباحة التعزير بالمال تودى إلى تمييز الأغنياء على الفقراء؛ لأن الغنى يستطيع أن يدفع دائما، أما الفقير فلا يستطيع ذلك“ (التشریع الجنائی الاسلامی مقارنا بالقانون الوضعی ۱/ ۷۰۶)۔
- ”والأصل فى العقوبة، زجر الجانى و إصلاحه، و حفظ أمن المجتمع، و هذه الغاية غير متحققة فى عقوبة التعزير بأخذ المال، عملا بالقاعدة الشرعية: كل تصرف تقاعد عن تحصيل مقصودة فهو باطل، و عملا بمبدأ: أصل النظر فى مالات الأفعال معتبر مقصود شرعاً“ (قواعد الاحکام فی مصالح الانام ۲/ ۱۴۳، الاشباہ للسیوطی/ ۲۸۵، موسوعۃ القواعد الفقہیۃ ۸/ ۳۶۳)۔
- ”والأصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال“ (البحر الرائق ۵/ ۴۴)۔
- ”وأما التعزير بأخذ المال، فلا يجوز إجماعاً“ (حاشیۃ صاوی علی الشرح الصغیر/ ۵۰۵، وحاشیۃ دسوقی علی الشرح الکبیر ۴/ ۳۵۵)۔

مذکورہ دلائل کے علاوہ مزید فقہاء کی عبارتیں عدم جواز کے قائلین نے لکھی ہیں۔ان میں سے بعض جواز کے ضمن میں بھی مذکور ہیں، وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

سوال نمبر ۷: آج کل تعلیمی اداروں میں طلبا کی مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ کا عام رواج ہو چکا ہے اور اس کا نفع بھی محسوس کیا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

اس مسئلہ میں مقالہ نگاران کے دو موقف سامنے آئے ہیں:

پہلا موقف (جواز):

اس سوال کے جواب میں زیادہ تر حضرات نے تعلیمی اداروں کے نظام کو درست رکھنے، اور طلبہ کی کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے، اس نظام کو درست اور مالی جرمانہ وصول کرنے کو جائز قرار دیا ہے، البتہ ان میں سے بہت سے اہل علم نے اس قید کا بھی اضافہ کیا ہے کہ سال کے آخر میں یا غفلت وکوتاہی ختم ہوجانے کے بعد جرمانہ میں وصول کئے گئے مال کو یا ان طلبہ کے گارجین کو واپس کردیا جائے، جبکہ کچھ حضرات مجوزین نے اپنی صوابدید پر ادارے کے مفاد میں خرچ کرنے کا عندیہ دیا ہے، نیز بعض اہل علم نے اس قید کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اگر سال کے شروع میں طلبہ کی کوتاہی پر مالی تعزیر کا معاہدہ ہوجائے اور گارجین اس پر دستخط کردیں تو

پھر مالی جرمانے وصول کرنے اور اپنی مرضی کے مطابق انہیں خرچ کرنے کی اجازت ہوگی اور مال واپس کرنا ضروری نہیں ہوگا۔اس موقف کے حاملین مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

فیاض عالم قاسمی، عبدالکریم ندوی گنگوہی، محمد فلاحی، ابراہیم سلیمان فلاحی، عقیل الرحمٰن قاسمی، عبدالرشید شیدا، ابراہیم قاسمی حسامی، محمد ارشاد پالن پوری، سعید الرحمٰن فاروقی، نورالحق رحمانی، ارتقاء الحسن کاندھلوی، محمد حذیفہ داحودی، اختر امام عادل، مطیع الرحمٰن قاسمی، اشتیاق احمد اعظمی، محمد عطاء اللہ بخاری، ظفر عالم ندوی، عبدالباسط قاسمی، عزیز اختر القاسمی، محمد جاوید اختر قاسمی، محمد صالح الزماں، شاہد حسین مدھوبنی، افتخار احمد مفتاحی، ابوسفیان مفتاحی، محمد شفیق فلاحی، محمد اسرائیل قاسمی، محمد اسعد فلاحی، محمد ادریس اسماعیل فلاحی، شاہد علی قاسمی، محفوظ الرحمٰن بستوی، سعید اسعد قاسمی، محمد اخلاق حسین قاسمی، مقیم احمد ندوی، عبدالخالق ندوی، امام الدین شیخ، اعجاز الحسن بانڈے، صبغت اللہ مولوی زادہ افغانی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، عبیداللہ ندوی، مظاہر حسین عماد قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، سلمان قاسمی پالن پوری، معین الدین ندوی قاسمی، شاکر نثار اعظمی، محمد ریاض ارمان قاسمی، منظور احمد قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، محمد عثمان بستوی، ڈاکٹر عبداللہ جولم، محمد نثار عالم ندوی، جنید بن محمد پالن پوری، باقر ارشد قاسمی، جمشید جوہر قاسمی، روح اللہ قاسمی، محمد آزاد بیگ قاسمی، محمد صبیح اختر قاسمی، مقصود فرقانی رام پوری، محمد سلیم الدین قاسمی، محمد عباس یوسف سعادتی، معراج الدین، دبیر عالم قاسمی، محمد صابر حسین ندوی، محمد سعد نور القاسمی، محمد حسین ماہمکر، محمد مصطفیٰ آواپوری، ولی اللہ مجید قاسمی، عبداللطیف پالن پوری، محمد جمیل اختر جلیلی ندوی، محمد ممتاز خان ندوی، محمد زبیر ندوی، نثار احمد گودھرا، عظمت اللہ میر، عمر امین الٰہی، نعمت اللہ قاسمی، محمد سلطان کشمیری، محمد عبداللہ قاسمی، محمد انیس ندوی، فرید احمد رشید کاوی، عبدالستار اعظمی قاسمی، ثناء الہدی قاسمی، سیف الاسلام صدیقی، عبدالتواب اناوی، محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، محمد اکرم اسلم رشید، محبوب فروغ احمد قاسمی، محمد فاروق قاسمی۔

مذکورہ تمام ہی حضرات نے اس کے لئے وہ تمام فقہی عبارات جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں انہیں کو بنیاد بناتے ہوئے مالی جرمانہ کے جواز والی مصلحت وضرورت کو پیش نظر رکھا ہے۔اور یہ بات کہی ہے کہ تعزیر کا مقصد مجرم کا مال کھانا اور لینا نہیں ہے، بلکہ دفع فساد اور کوتاہیوں کی اصلاح ہے، اس لئے آیت قرآنی: ''یا یھا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل'' (سورہ بقرہ: ۲۹)۔

اورحدیث رسول: ''لایحل مال أمر أ مسلم إلا بطیب نفس منه'' کے خلاف نہیں ہے۔

مزید دلائل سوال نمبر ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ کے ضمن میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا موقف (عدم جواز):

اس سوال کے جواب میں دوسرا موقف عدم جواز کا ہے، اور مندرجہ ذیل حضرات نے تعلیمی اداروں میں لیٹ فیس یا دیگر کوتاہیوں اور غفلت کو روکنے کے لئے مالی جرمانہ کی تعزیر کو ناجائز اور طلبہ کے حق میں خلاف مصلحت قرار دیا ہے، نیز اس بارے میں مالی تعزیر کے عدم جواز والی عبارتوں اور ائمہ کے موقف کو بنیاد بنایا ہے:

محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی، عبدالحی مفتاحی، مفتی عبدالمنان آسام، مفتی صادق مبارکپوری، مفتی عبدالرزاق قاسمی، محمد اسرار احمد آبادی، خورشید احمد اعظمی، محمد اکرام سعادتی، نذر توحید مظاہری، ارشد عطاء اللہ غوری، محی الدین غازی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، طاہر حسین قاسمی، نیاز احمد بنارسی، خورشید انور اعظمی، حفیظ الرحمٰن مدنی، عارف باللہ قاسمی، شوکت ثناء قاسمی، رحمت اللہ ندوی، محمد جمیل اختر جلیلی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، نعیم اختر قاسمی، ابوالمکارم معروفی، محمد توصیف صدیقی، عبدالحمید قاسمی۔

اضافی قیودات اور مشورے:

ان حضرات عدم جواز کے قائلین میں سے توصیف صدیقی، ابوالمکارم معروفی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، رحمت اللہ ندوی، صابر حسین ندوی نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ بلاواسطہ تو مالی جرمانہ طالب علموں سے لینا جائز نہیں ہے، البتہ اس طرح اس کے جواز کی راہ نکل سکتی ہے کہ پہلے غفلت برتنے والے بچوں کا داخلہ خارج کر دیا جائے اور پھر نیا داخلہ فیس اضافہ کے ساتھ وصول کر کے داخل مدرسہ کر لیا جائے، جبکہ محمد جمیل اختر جلیلی کہتے ہیں کہ پہلے ان غفلت برتنے والے بچوں کو زکوۃ کی رقم دیدی جائے اور پھر جرمانہ وصول لیا جائے، مولانا عظمت اللہ میر کہتے ہیں نقد مالی جرمانہ کے بجائے بچے کا سامان ضبط کر لیا جائے، پھر واپس کر دیا جائے۔ اسرار احمد آبادی اور مفتی عبدالرزاق کا خیال ہے کہ اگر لیا جائے تو واپس کر دیا جائے۔ نعیم اختر قاسمی کہتے ہیں کہ اگر حکومت اجازت دیتی ہے تو جائز، ورنہ ناجائز۔

عدم جواز کے قائلین میں ڈاکٹر محی الدین غازی نے قدرے تفصیل ذکر کی ہے جو اس طرح ہے:

''طلبہ کی کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے جو مالی جرمانہ لگایا جاتا ہے اس میں دو طرح کی قباحتیں ہیں، ایک قباحت تو یہ ہے کہ اس سے خوش حال طلبہ اور تنگ حال طلبہ میں شدید قسم کی تفریق ہو جاتی ہے، خوش حال طالب علم کے لئے جرمانہ دے کر کوتاہی پر قائم رہنا بہت آسان رہتا ہے، جبکہ تنگ حال طلبہ کے لئے اس جرمانہ کو ادا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

دوسری قباحت یہ ہے کہ اس میں بالغ طلبہ کی کوتاہیوں اور غفلتوں کا ہرجانہ ان کے سرپرستوں کو ادا کرنا پڑتا ہے، غلطی طلبہ کرتے ہیں اور جرمانہ کی ساری افتاد ان کے سرپرستوں پر پڑتی ہے، یہاں یہ بات بھی سامنے رہے کہ واجب فیسوں کی ادائیگی تاخیر کی صورت میں لگایا جانے والا جرمانہ سود کے ضمن میں آئے گا جو بہر حال حرام ہے۔ اسے لیٹ فیس کا نام دے کر حلال قرار نہیں دیا جا سکتا۔ عرض مالی جرمانہ لگاتے ہوئے تین باتوں کا لحاظ ضروری ہے، (۱) جرمانہ غلطی کے بقدر ہو، (۲) جرمانہ مستطیع افراد پر لگایا جائے (۳) سودی نوعیت کا مالی جرمانہ ہرگز نہ لگایا جائے۔

عدم جواز کے قائلین میں سے بہت سے افراد نے اسی پہلو کو پیش نظر رکھا ہے۔ جبکہ محمد حسین قمر الدین ماہمکر اور مصطفیٰ آواپوری نے ''اخف الضررین'' کا راستہ اپنانے کا مشورہ دیا ہے۔

مجوزین کے متفرق قیودات:

- مجوزین میں سے ارتقاء الحسن کاندھلوی، حذیفہ داحودی، مطیع الرحمٰن قاسمی، عطاء اللہ بخاری، محمد اسرائیل قاسمی، ابوسفیان

مفتاحی، محفوظ الرحمٰن بستوی، امام الدین شیخ، ریاض ارمان قاسمی، جنید بن محمد، جمشید جوہر قاسمی، سیف الاسلام اصلاحی، اشرف قاسمی گونڈوی، نثار احمد گودھرانے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جو پیسہ مالی جرمانہ میں لیا جائے اسے تادیب ہوجانے، کوتاہی سے باز آنے یا پھر ایک سال اور ایک متعینہ مدت کے بعد واپس کردیا جائے۔ عبدالتواب اناوی کہتے ہیں کہ ان کے والدین سے یہ جرمانہ وصول کیا جائے۔

- بہت سے حضرات نے اس بات کی بھی قید لگائی ہے کہ مالی جرمانہ وصول کرنے کے جواز کے لئے یہ ضروری ہے کہ ابتداء میں اس کی وضاحت کردی جائے اور بچے یا ان کے گارجین اس پر دستخط کردیں تو پھر جرمانہ وصول کرنا بھی درست اور حاصل ہونے والی رقم کو تعلیمی اور رفاہی امور میں خرچ کرنا بھی جائز ہوجائے گا اور حدیث میں مذکور: ''إلا بطيب نفس منه'' اور آیت قرآنی: ''إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم'' (سورہ نساء:۲۹) کی قید کے مطابق رضامندی اور طیب نفس بھی موجود ہوگا۔ لہٰذا اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہے گا۔

سوال نمبر ۸: تعلیمی اداروں کے علاوہ نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کی نظام بناتے ہیں، جسے ہاؤسنگ سوسائٹی، تاکہ وقت پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا کردیا کریں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگاران کی دو رائیں سامنے آئی ہیں ایک جواز اور دوسرا عدم جواز۔

پہلی رائے (عدم جواز):

۴۰ مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ چونکہ ہاؤسنگ سوسائٹی اور غیر تعلیمی اداروں کے معاملات سود در باپر مبنی ہوتے ہیں اس لئے غیر تعلیمی اداروں کا مالی جرمانہ وصول کرنا ناجائز و حرام ہوگا اور اس سے بچنا بہتر ہے۔

اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

محمد فاروق قاسمی، محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، سیف الاسلام اصلاحی، محمد ممتاز خان ندوی، عبدالحمید قاسمی، سلیم الدین قاسمی، روح اللہ قاسمی، ڈاکٹر عبداللہ جولم عمری، محمد عثمان بستوی، حافظ کلیم اللہ عمری، منظور احمد قاسمی، نیاز احمد بنارسی، محمد شاکر نثار اعظمی، صبغت اللہ مولوی زادہ افغانی، ارشد عطاء اللہ غوری، محفوظ الرحمٰن بستوی، نذر توحید مظاہری، محمد اکرام سعادتی، محمد اسعد فلاحی، افتخار احمد مفتاحی، محمد شاہد حسین قاسمی، محمد صالح الزماں، محمد جاوید اختر قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، حفیظ الرحمٰن مدنی، خورشید انور اعظمی، طاہر حسین قاسمی، اقبال محمد ٹنکاروی، محمد اشرف گونڈوی، خورشید احمد اعظمی، اسرار احمد آبادی، سید ابراہیم قاسمی حسامی، عقیل الرحمٰن قاسمی، عبدالرزاق قاسمی، محمد صادق مبارکپوری، ڈاکٹر عبدالمالک مغیثی، عبدالمنان (آسام)، عبدالحی مفتاحی، محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی۔

قیودات وشرائط:

عدم جواز کے قائلین نے بعض قیودات کا بھی اضافہ کیا ہے مثلاً:

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، محمد اسعد فلاحی کا خیال یہ ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سماجی بائیکاٹ، مقاطعہ اور

ترک موالاۃ کا راستہ اختیار کیا جائے تو مناسب ہے اور اختلاف سے بھی بچا جاسکتا ہے۔ حافظ کلیم اللہ عمری کے خیال میں ایسا کوئی قانون بنایا جاسکتا ہے جس سے سوسائٹی کو نقصان سے بچایا جائے۔ ڈاکٹر عبد اللہ جولم اور محمد عثمان بستوی کے خیال میں یہ جرمانہ کی رقم وقت کے ساتھ بڑھتی نہ رہے اور اگلے ماہ کی اجرت میں اضافہ کے ساتھ جڑ جائے۔ تو جواز کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔ مولانا صبغت اللہ افغانی اور مفتی شاہد حسین قاسمی کے خیال میں کوئی دوسری تدبیر اختیار کی جائے۔ ارشد عطاء اللہ غوری کے خیال میں اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے علاقے کے قاضی اور مفتی سے رائے لے لی جائے۔ سید ابراہیم قاسمی حسامی کے خیال میں نقد رقم جرمانہ میں وصول کرنے کے بجائے کوئی سامان ضمانت کے طور پر روک لیا جائے۔ محمد صالح الزماں اور محمد جاوید اختر قاسمی کے خیال میں دو قیمت مقرر کرنے کا حیلہ اختیار کیا جائے۔ محمد اشرف گونڈوی کی رائے میں ''یمین اللجاج'' کر لیا جائے اور معاہدہ طے پائے تو درست ہے۔ مفتی عبد المنان آسام کا خیال ہے کہ بجائے مالی جرمانہ کے پولیس ایکشن لیا جائے۔ اور محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی کہتے ہیں، اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سوسائٹی سے ممبر شپ ختم کرنے کی سزا مؤثر ہوسکتی ہے۔ محفوظ الرحمٰن بستوی کے خیال میں لی گئی رقم کو بہر حال واپس کیا جائے، جبکہ ڈاکٹر محی الدین غازی نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے درجہ ذیل تفصیل پیش کی ہے:

''یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مالی جرمانہ مالی التزام کی تاخیر پر لگایا جارہا ہے یا عملی التزام میں کوتاہی یا تاخیر پر لگایا جارہا ہے، مالی التزام کی تاخیر پر لگایا جانے والا جرمانہ سود کے حکم میں داخل ہوجاتا ہے، جبکہ عملی التزام کی تاخیر یا عملی کوتاہی یا عملی زیادتی پر لگایا جانے والا جرمانہ اس عمومی بحث کے تحت آئے گا کہ مالی جرمانہ لگانا اپنے آپ میں درست ہے یا نہیں۔ اول الذکر مالی جرمانے کی حرمت سے بچنے کے لئے اسلامی مالیاتی اداروں میں یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ وہ رقم صدقہ کردی جائے اور اس سلسلہ میں یہ معاہدہ پہلے سے ہوجاتا ہے، جس کی رو سے تاخیر کرنے والا رقم دینے کا پابند ہوتا ہے، اور وصول کرنے والا ادارہ مستحقین میں صدقہ کرنے کا پابند ہوتا ہے (قدرے الفاظ کی ترمیم کے ساتھ)۔

دلائل و وجوہ:

عدم جواز کے قائلین نے بنیادی طور پر مالی جرمانہ کے عدم جواز والی فقہاء کی عبارت، شبہ سود، ظلم و استحصال، اور بغیر رضامندی کے دوسرے کا مال لینے کو ناجائز قرار دیئے جانے والے کتاب وسنت کے نصوص کو بنیاد بنایا ہے، وہ تمام نصوص وعبارات فقہاء جواب نمبر ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ کے ضمن میں درج ہیں، وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، تکرار لا حاصل ہے۔

دوسری رائے (جواز):

غیر تعلیمی اداروں کے لئے مالی جرمانہ سے متعلق دوسری رائے جو اکثر، یعنی ایک سو چودہ ۱۱۴ حضرات میں سے ۴۷ حضرات کی ہے اور وہ یہ ہے کہ سوسائٹی کو نقصان سے بچانے، لوگوں کی عملی کوتاہی کو دور کرنے، نظم ونسق برقرار رکھنے، نیز اس طرح کے معاملات میں کوئی دوسری سزا کے امکان کے مفقود ہونے کی وجہ سے ''مالی تعزیر'' ہی ایک واحد راستہ بچتا ہے، اس لئے ضرورت و مصلحت کے تحت اس کی گنجائش ہے اور فائدے سے خالی نہیں ہے۔

چونکہ اس رائے کے حاملین کی تعداد زیادہ ہے اور اسمائے گرامی کی ایک لمبی فہرست ہے، ان تمام ناموں کا یہاں نقل کرنا بہت مفید نہیں ہے، اس لئے اسمائے گرامی کی فہرست کو صرف نظر کیا جاتا ہے، البتہ بہت سے مقالہ نگاران نے اس رائے کے ساتھ جو قیود کا اضافہ کیا ہے، انہیں اسمائے گرامی کے ساتھ ہم نقل کرتے ہیں:

قیودات وشرائط:

مفتی عبداللہ قاسمی، محمد صبیح اختر قاسمی کا خیال ہے کہ جرمانہ میں وصولی گئی رقم کو سوسائٹی کے پاس چھوڑنے کے بجائے خیراتی فنڈ میں جمع کرایا جائے۔ عظمت اللہ میر، کے خیال میں جرمانہ معقول ہونا چاہئے، حد سے بڑھا ہوا نہ ہو۔ ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی کے خیال میں اس کی شرط ہو کہ رقم کی ادائیگی لازم ہوگی، اور مالی جرمانہ کی ضابطہ میں صراحت کردی گئی ہو۔ ریاض ارمان قاسمی، مفتی راشد حسین ندوی، عبدالباسط قاسمی، اخلاق حسین قاسمی کے خیال میں طے شدہ رقم میں تاخیر فیس کے نام سے اضافہ کردیئے جانے کی شرط رکھی جائے تو بہتر ہے، رحمت اللہ ندوی کے خیال میں حکومتی اور عدالتی ضابطے کے تحت ہو تو درست ہے، ورنہ سود کا دروازہ کھلے گا۔ سعید اسعد قاسمی کے خیال میں آخری درجہ میں ہی مالی جرمانہ کی گنجائش ہے۔ اشتیاق احمد اعظمی کے خیال میں بوقت ضرورت اس کی گنجائش ہے۔ شاہد علی قاسمی کہتے ہیں ناپسندیدگی کے ساتھ اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ سعید الرحمٰن فاروقی کے خیال میں جس سوسائٹی کی نئی کمیٹی آئے تو جرمانہ میں لی گئی رقم اس کے حوالہ کردی جائے۔

ابوالمکارم معروفی لکھتے ہیں: سرکاری، غیر سرکاری تعلیمی، غیر تعلیمی اداروں میں اس طرح خاندانی وعلاقائی پنچائیتوں اور کاروباری انجمنوں میں مالی جرمانہ کا جو نظام ورواج پایا جارہا ہے قول جواز کو اخذ کرتے ہوئے گنجائش ہے بشرطیکہ: ’’جرمانہ وصول کرنے والے متدین معتمد ہوں‘‘۔ مالی جرمانہ کے علاوہ اصلاح اور دباؤ کی کوئی دوسری شکل نہ ہو، مالی جرمانہ کی مقدار اتنی کم ہو کہ ظلم نہ ہو، اسے ادا کرنے والے ادا کرنے پر قادر ہوں، ورنہ گنجائش نہیں ہے۔

شوکت ثناء قاسمی لکھتے ہیں (۱) جرمانہ کی رقم زیادہ نہ ہو، (۲) جرمانہ کی رقم کا مالک ایک فرد نہیں سوسائٹی ہو، (۳) جرمانے کی رقم رفاہ عامہ میں خرچ کی جائے۔ عارف باللہ قاسمی لکھتے ہیں: مالی تعزیر میں عارضی طور پر ضبط کی شکل ممکن ہو تو اسے اختیار کیا جائے اور پھر مالی تعزیر (۲) کوتاہی ایسی ہو کہ اس پر مفاد عامہ اور مصالح کے تحفظ کے پیش نظر تعزیر ضروری ہو۔ (۳) اس کی مالی حیثیت کا خیال رکھا جائے (۴) جرمانہ والی رقم سوسائٹی یا انجمن میں جمع ہو (۵) تعزیر کی تعیین معتبر عادل افراد کے مشورہ سے ہو۔ عبدالرشید شیدا (۱) جو جرمانہ کی رقم ادا کرنی ہے اسے ضابطہ میں بیان کر یا جائے (۲) تاخیر در تاخیر کی صورت میں جرمانہ میں کوئی اضافہ نہ ہو۔

دلائل و وجوہ:

حضرات مجوزین نے جن نصوص اور فقہی عبارتوں کو بنیاد بنا کر تعزیر کی گنجائش نقل کی ہے وہ تمام عبارتیں اور دلائل سوال نمبر ۲، ۳، ۴، ۵ اور ۶ کے ضمن میں درج کئے جاچکے ہیں، وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، مزید تکرار لاحاصل ہے۔

سوال نمبر ۹: برادریاں اور خاندانی پنچایتیں، نیز کاروباری انجمنیں بھی دباؤ اور اصلاح کی غرض سے اس قسم کا نظام بناتی ہیں

اس کا کیا حکم ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں بھی مقالہ نگاران کے درمیان دونقاط نظر پائے جاتے ہیں:

پہلا نقطۂ نظر: (عدم جواز)

اس سوال کے جواب میں پہلا نقطۂ نظر یہ ہے کہ برادری کے افراد، خاندانی پنچایتوں، نیز کاروباری انجمنوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ جرم کا ارتکاب کرنے والوں پر کسی طرح کا کوئی مالی جرمانہ عائد کریں اور نہ ہی ایسا کرنا ان کے لئے جائز ہے، اس نقطۂ نظر کو اختیار کرنے والے مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی، عبدالحی مفتاحی، مفتی عبدالمنان آسام، ڈاکٹر عبدالمالک مغیثی، مفتی عبدالرزاق قاسمی، خورشید احمد اعظمی، اسرار احمد آبادی، طاہر حسین قاسمی، خورشید انور اعظمی، حفیظ الرحمٰن مدنی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، افتخار احمد مفتاحی، محمد اسرائیل قاسمی، مفتی اسعد فلاحی، محمد ادریس اسماعیل فلاحی، محمد اکرام سعادتی، نذر توحید مظاہری چترا، منظور احمد قاسمی، ڈاکٹر عبداللہ جولم عمری، سیف الاسلام اصلاحی، مفتی نعمت اللہ قاسمی، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی۔

ان عدم جواز کا نقطۂ نظر رکھنے والے حضرات میں محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی، خورشید احمد اعظمی اور محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی نے اس بات کو بہتر قرار دیا ہے کہ ان منکرات کو ختم کرنے کے لئے بجائے مالی جرمانہ کے سماجی مقاطعہ اور بائیکاٹ کا راستہ اپنایا جائے۔ اسی طرح مجوزین میں سے صابر حسین ندوی اور سید ابراہیم قاسمی حسامی کی رائے بھی یہی ہے کہ پہلے ترک موالات، یعنی سماجی بائیکاٹ کا طریقہ بہتر ہے۔ منظور احمد قاسمی کا خیال یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اس معاملہ کو دارالقضاء اور شرعی پنچایت کے حوالہ کیا جائے۔

دلائل ووجوہ:

دلائل وجوہات وہی ہیں جو سوال ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ کے تحت عدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کے حوالہ سے گزر چکے ہیں، حسب ضرورت وہاں رجوع کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا نقطۂ نظر (جواز):

اس سوال کے جواب میں دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جب کوئی تدبیر اصلاح کی کارگر نہ ہو تو مالی تعزیر کی گنجائش ہے اور بالخصوص، جبکہ اس طرح کے معاملات میں جسمانی سزائیں ملکی قوانین کے تحت نہیں دی جاسکتیں، بس یہی راستہ اصلاح اور دباؤ بنانے کا باقی رہ جاتا ہے۔ چونکہ اس طرح کے معاملات میں اکثر بے اعتدالیاں ہوجایا کرتی ہیں، اس لئے علماء کی نگرانی اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس طرح کے فیصلے کئے جائیں۔ اس نقطۂ نظر کو ۱۱۳ مقالہ نگاران میں سے ۹۱ مقالہ نگاران نے اپنایا ہے۔ چونکہ مالی تعزیر کے جواز کا نقطۂ نظر اختیار کرنے والے حضرات کی تعداد زیادہ اور فہرست بھی خاصی طویل ہے، اس لئے اسمائے گرامی حذف کیے جاتے ہیں۔

دلائل ووجوہات:

جواز کے دلائل بالعموم وہی ہیں جو سوال نمبر ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ کے ضمن میں گزر چکے ہیں، وہاں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

بعض اضافی قیود:

ابوالمکارم معروفی، مطیع الرحمٰن قاسمی، عبدالستار اعظمی نے یہ وضاحت کی ہے کہ جب کوئی دوسرا راستہ نہ بچے تو بدرجہ مجبوری مالی تعزیر کا راستہ اختیار کیا جائے۔ مولانا اختر امام عادل، عبدالرشید شیدا، ارشد عطاء اللہ غوری کے خیال میں اس کام کو علماء اور مفتیان کرام کی نگرانی میں ہونا چاہئے۔ سید ابراہیم قاسمی حسامی کہتے ہیں پہلے ترک موالات، پھر مالی جرمانہ لگانا چاہئے۔ سعید الرحمٰن فاروقی کا خیال ہے کہ پنچایت کے لئے یہ اس وقت درست ہوگا جب سب کے درمیان مساویانہ برتاؤ کیا جائے۔ ارتقاء الحسن کاندھلوی، حذیفہ داحودی، عطاء اللہ بخاری، عبدالباسط قاسمی، دبیر عالم قاسمی، صبغت اللہ مولوی زادہ افغانی، جنید بن محمد کا خیال یہ ہے کہ مالی جرمانہ وصول کرنے کے بعد ایک مدت اور اصلاح حال کے بعد واپس کر دیا جائے، اور یہ توقع ختم ہوجائے تو رفاہ عامہ میں خرچ کر دیا جائے یا صدقہ کر دیا جائے۔ محمد ریاض ارمان کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اس کو سہولیات سے محروم کر دیا جائے۔ ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، محمد صبیح اختر قاسمی کہتے ہیں یہ درست ہے، مگر کسی غیر شرعی امور کو مستلزم یا شریعت سے متصادم نہ ہو۔ محفوظ الرحمٰن بستوی کا خیال یہ ہے کہ جرمانہ میں وصول کیا گیا مال اپنے پاس رکھنے کے بجائے حکومت کی تحویل میں ہونا چاہئے۔ صابر حسین ندوی کے خیال میں بائیکاٹ کا راستہ مناسب ہے۔ محمد صالح الزماں کا خیال ہے کہ اس تعزیر کے ذریعہ ظلم کا بہانہ نہ بنایا جائے۔ شوکت ثنا قاسمی اور عارف باللہ قاسمی نے چند شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے جبکہ ممتاز خاں ندوی کہتے ہیں جائز تو ہے، مگر دارالقضاء اور شرعیہ کمیٹی اس کو انجام دے تو بہتر ہے اور فرید احمد رشید کاوی کے خیال میں جرمانہ میں امیر اور غریب کا خیال رکھا جائے۔

سوال نمبر ۱۰، ۱۱: کیا بے جا طلاق پر قابو پانے کے لئے متعہ اور بصورت نقد ایک حد مقرر کی جائے یا مزید نصف مہر کو لازم کیا جائے تو اس کی کس حد تک گنجائش ہے؟ اور اگر نکاح کے وقت ہی یہ شرط لگادی جائے کہ اگر بے جا طلاق دی گئی تو متعہ کے طور پر یا مزید نصف مہر کی شکل میں رقم دینی ہوگی؟

بے جا طلاق کی وجہ سے ہمارے مسلم معاشرے میں جو صورت حال ہے اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ خاندان ٹوٹ رہے ہیں، بلکہ ماں باپ کی گود میں پل رہے معصوم بچوں کی بھی زندگی تباہ ہو رہی ہے، اور مطلقہ خواتین جس کسمپرسی میں زندگی گزار رہی ہیں وہ اصحاب نظر سے مخفی نہیں ہے، اس پر قابو پانے اور مسلم سماج کو صحیح اور دینی خطوط پر لانے کے لئے یہ دو سوال (۱۰، ۱۱) متعہ اور اضافی مہر کے لزوم کے ذریعہ حل کرنے کی غرض سے اکیڈمی کے ذریعہ اٹھائے گئے، تاکہ شرعی دائرے میں رہتے ہوئے اس مسئلہ کو حل کیا جاسکے۔ چونکہ اکثر مقالہ نگار نے دونوں سوالات یکجا کر کے شرعی نقطۂ نظر واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے تلخیص میں دونوں کی تفصیل ایک ساتھ عرض کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان دونوں سوالات کے بنیادی طور پر تین اجزاء ہیں:

(۱) متعہ جو ایک استحبابی حکم ہے اس کو واجب قرار دیتے ہوئے بصورت نقد ایک معقول حد مقرر کرنا (۲) طے شدہ مہر کے

علاوہ نصف مہر لازم کرنا (۳) نکاح نامہ میں اس بات کا ذکر کرنا کہ اگر بے جا یا ایک ساتھ تین طلاق دی گئی تو متعہ کے طور پر مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینی ہوگی۔

ان تینوں شقوں کے جواب میں مقالہ نگاران کے تین رجحانات سامنے آئے ہیں:

پہلا رجحان (جواز):

پہلا رجحان یہ ہے کہ متعہ وہ ہے جو ایسی مطلقہ خاتون جس کا مہر مقرر نہ ہو اور رخصتی سے قبل علاحدگی ہو جائے، اس کے لئے، خواہ سامان اور کپڑے کی شکل میں ہو یا نقد رقم کی شکل میں پیش کیا جائے۔ جو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کی رائے کے مطابق مستحب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے (دیکھئے: الجواہر النیر ۃ ۴/۳۳۳، الہدایہ ۱/۲۰۴، الذخیرہ ۲/۴۴۸، المدونہ ۲/۲۳۸، مغنی المحتاج ۳/۳۴۱، فصل فی احکام المتعہ)

طلاق کے بے جا استعمال پر قدغن لگانے کے لئے، جبکہ دوسرا اور کوئی طریقہ اور متبادل ہمارے سامنے نہیں ہے طے شدہ رقم میں مزید نصف یا متعہ کی شکل میں ایک معقول حد تک نقد رقم یا ایک ساتھ تین طلاق دینے کی صورت میں حالات اور ضرورت کے پیش نظر مزید نصف مقرر کرنا اور اسے نکاح نامہ میں درج کرنا جائز اور درست ہے۔ اس رجحان کے حامل ۶۶ مقالہ نگاران ہیں جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مطیع الرحمٰن قاسمی، مفتی سعید الرحمٰن فاروقی، محمد ارشاد پالن پوری، سید ابراہیم قاسمی حسامی، عقیل الرحمٰن قاسمی، ابراہیم سلیمان فلاحی، مفتی محمد فلاحی، عبدالکریم ندوی گنگولی، فیاض عالم قاسمی، اشتیاق احمد اعظمی، عبدالرشید شیدا، رحمت اللہ ندوی، مفتی عبدالباسط قاسمی، محمد عارف باللہ قاسمی، شوکت ثناء قاسمی، محمد جاوید اختر قاسمی، عزیز اختر القاسمی، سعید اسعد قاسمی، محمد شاہد حسین قاسمی، افتخار احمد مفتاحی، محفوظ الرحمٰن بستوی، دبیر عالم قاسمی، مفتی مقصود رام پوری، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، محمد شفیق فلاحی، مقیم احمد ندوی، ممتاز خان ندوی، عبدالخلاق ندوی، عبدالحمید قاسمی، عبداللطیف ممبئی، مصطفیٰ آواپوری، ولی اللہ مجید قاسمی، محمد حسین قمر الدین ماہمکر، مفتی محمد عثمان بستوی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، محمد فاروق قاسمی، محمد اکرم رشید، عبدالتواب اناوی، عبدالستار اعظمی، فرید احمد رشید کاوی، مفتی نعمت اللہ قاسمی، صبغت اللہ مولوی زادہ افغانی، سیف الاسلام اصلاحی، محمد رئیس ندوی، محمد سلطان کشمیری، نثار احمد گودھرا، عظمت اللہ میر، محمد زبیر ندوی، جمیل اختر جلیلی ندوی، طاہر حسین قاسمی، اسعد فلاحی، محمد اسرائیل قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی نذر توحید مظاہری، منظور احمد قاسمی، محمد ادریس اسماعیل، عبیداللہ ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، سلمان پالن پوری، محمد صبیح اختر قاسمی، محمد سلیم الدین قاسمی، مفتی باقر ارشد قاسمی، محمد عباس یوسف سعادتی، محمد صابر حسین ندوی، محمد معراج الدین کشمیر۔

دلائل وشواہد:

حضرات مجوزین نے آیات قرآنی، احادیث نبویہ، عبارات فقہاء، قواعد فقہیہ اور ضرورت و مصلحت کو بنیاد بنایا ہے جو اس

طرح ہیں:

- ”و للمطلقات متاع بالمعروف، حقا على المتقين“ (سورہ بقرہ:۲۴۱)۔
- ”لا جناح عليكم إن طلقتم النساء مالم تمسوهن أو تفرضوا لهن فريضة، و متعوهن على الموسع قدره، و على المقتر قدره، متاعا بالمعروف، حقا على المحسنين، و إن طلقتموهن من قبل أن تمسوهن و قد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم إلا أن يعفون أو يعفوا الذى بيده عقدة النكاح، و أن تعفوا أقرب للتقوى و لاتنسوا الفضل بينكم، إن الله بما تعملون بصير“ (سورہ بقرہ:۲۳۶،۲۳۷)۔
- ”يا يها الذين آمنوا إذا تداينتم بدين إلى أجل مسمى فاكتبوه، و ليكتب بينكم كاتب بالعدل ولا يأب كاتب أن يكتب كما علمه الله فليكتب“ (البقرہ: ۲۸۳)، (إذا تداينتم بدين) يشتمل على المهر مع البضع“ (الجامع لأحكام القرآن للقرطبی:۳۹۱/۳)۔
- ”عن عقبة بن عامر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحق ما أوفيتم من الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج “(بخاری باب الشروط فی النکاح:۴۹۷/۷۷/۲)۔
- ”و قال الشافعي: المتعة واجبة و لكل زوجة إذا كان الفراق من قبله“ (أحکام القرآن للجصاص ۱۳۷/۲)۔
- ”ولم يقدر أصحابنا لها مقدارا معلوما لايتجاوز به ولا يقصر عنه، و قالوا: هى على قدر المعتاد المتعارف فى كل وقت“ (أحکام القرآن للجصاص ۴۳۴/۱)۔
- ”ويستحب أن لاتنقص عن ثلاثين درهما أو مساويها، و يسن أن لاتبلغ نصف مهرا لمثل، و إن بلغته أو جاوزت جاز لإطلاق الآية، قال البلقينى وغيره: ولا تزيد أى وجوبا على مهرا لمثل“ (نہایۃ المحتاج کتاب الصداق فصل فی المتعۃ ۳۶۴/۶)، (مذکورہ دلائل کے لئے دیکھئے مقالات: مفتی راشد حسین ندوی، محمد جمیل اختر جلیلی ندوی)۔
- ”ثم رأيت بعض المحشين قال: وفى البرجندى قالوا: هذا فى ديارهم، أما فى ديارنا، فينبغى أن يجب أكثر من ذلك، لأن النساء فى ديارنا تلبس أكثر من ثلاثة أثواب، فيزاد على ذلك إزار و مكعب“ (ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر ۲۴۴/۴)۔
- ”إن الشرط صحيحا يلائم مقتضى العقد ولا يتنا فى مع أحكام الشرع وجب الوفاء به كاشتراط المرأة أن تسكنها وحدها فى منزل أو تزوجها على مهر مسمى و شرط لها شيئاً آخر بأن تزوجها بألف على أن لايخرجها من بلدها أو على أن لايتزوج عليها، فإن و فى الشرط فلها المهر المسمى، و

إن لم يف بالشرط فلها مهر المثل؛ لأنه سمى لها شيئاً، لها فيه نفع، فعند فواته يجب لها مهر المثل لعدم رضاها به" (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۹/ ۶۵۴۰)۔

- **"نكحها على ألف إن أقام بها و على ألفين إن أخرجها، فإن وفى بما شرطه فى الصورة الأولى، و أقام فلها النصف، و إلا فمهر المثل" (الدرالمختار ۴/ ۲۶۳)،(محمد صبیح اختر قاسمی)۔**
- **"عن أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطيع فبلسانه، فإن لم يستطيع فبقلبه، و ذلك أضعف الإيمان" (مسلم ۱/ ۴۹)۔**
- **"محمود بن لبيد قال: أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق إمرأته ثلث تطليقات جميعا، فقام غضبانا، ثم قال: أ يلعب بكتاب الله و أنا بين أظهركم حتى قام رجل، و قال: يا رسول الله ألا أقلته" (نسائی ۲/ ۸۲)۔**
- **"قال النبى صلى الله عليه وسلم: المسلمون عند شروطهم إلا أحل حراما و حرم حلالاً" (کنزالعمال فی سنن الأقوال والأفعال ۴/ ۳۶۶،حدیث نمبر:۱۰۹۴۸)۔**
- **"لأن المواعيد قد تكون لازمة لحاجة الناس وهو الصحيح" (درمختار ۳/ ۲۴۷)۔**
- **"و إن آتيتم إحداهن قنطارا فلا تأخذوا منه شيئاً" (النساء:۲۰)۔**
- **"عن عمر رضى الله عنه أنه قام خطيبا فقال: أيها الناس لا تغالوا بصدق النساء، فلو كانت مكرمة فى الدين أو تقوى عند الله لكان أو لاكم بها رسول الله صلى الله عليه وسلم، ما أصدق إمرأة من نسائه أكثر من إثنى عشر أوقية، فقامت دينه إمرأة فقالت له: يا أمير المؤمنين لم تمنعنا حقا جعله الله لنا والله يقول: "وإن آتيتم إحداهن قنطارا" فقال عمر: كل أحد أعلم من عمر، ثم قال لاصحابه: تسمعوننى أقول مثل هذا القول فلا تنكرونه على حتى ترد على إمرأة ليست من أعلم النسا" (الکشاف:۱/ ۳۹۳)۔**
- **"و إذا تزوجها على ألف على أن لايخرجها من البلدة أو على أن لايتزوج عليها أخرى، فإن و فى بالشرط فلها المسمى، لأنه صلح مهرا و قد تم رضاها به، و إن تزوج عليها أخرى أو أخرجها، فلها مهر مثلها، لأنه سمى مالها فيه نفع، فعند فواته ينعدم رضاها بالألف، فيكمل مهر مثلها، كما فى تسمية الكرامة والهدية مع الألف، ولو تزوجها على ألف إن أقام بها، و على ألفين إن أخرجها، فإن**

أقام بها فلها الألف، و إن أخرجها فلها مهر المثل لايزاد على الألفين، ولا ينقص عن الألف، و هذا عند أبى حنيفة رحمه الله وقال: الشرطان جميعا جائزان حتى كان لها الألف إن أقام بها و الألفان إن أخرجها، و قال زفر رحمه الله: الشرطان جميعا فاسدان، و يكون لها مهر مثلها لاينقص من ألف ولايزاد على ألفين" (*الهدایۃ شرح البدایۃ ۱/ ۲۰۸*)۔(*ماخوذ از مقالہ: جمشید جوہر قاسمی*)۔

"بخلاف مالو تزوجها على ألف إن كانت قبيحة، و على ألفين إن كانت جميلة، فإنه يصح الشرطان، اتفاقا فى الأصح لقلة الجهالة" (*الدر المختار ۳/ ۱۲۵*)۔

- "لا مانع من أخذ المصلحة للغرامة من باب التعزير بالمال لتحقيق المصلحة العامة، و ذلک لا بأس به شرعا فى أصح قولى العلماء سد الذريعة التلاعب بالحقوق العامة" (*فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء ۲۲/ ۲۱۷*)۔
- "إن زادها فى المهر بعد العقد لزمته الزيادة.... و إن حطت عنه مهرها صح الحط" (*الہدایۃ ۲/ ۳۲۵، باب المہر*)۔
- "عن أنس قال: إن عمر كان إذا أتى إمرأة برجل طلق إمرأته ثلاثا اوجع ظهرة" (*إعلاء السنن ۱۱/ ۱۴۸*)۔
- "و أوفوا بالعهد إن العهد كان مسؤولاً" (*سورہ إسراء: ۳۴*)۔
- "الصحيح عندى القول بلزوم الوفاء بالوعد مطلقا فتعين تأويل ما يناقض ذلک" (*حاشیہ الفروق لابن نشاط ۴/ ۲۴، ۲۵*)۔
- قال الله تعالىٰ: "و متعوهن على الموسع قدره و على المقتر قدره متاعا بالمعروف" و إثبات المقدار على إعتبار حاله فى الاعسار واليسار طريقة الاجتهاد و غالب الظن، و يختلف ذلک فى الأزمان أيضاً، لأن الله تعالىٰ شرط فى مقدارها شيئين أحدهما إعتبارها بيسار الرجل و إعساره، والثانى أن يكون بالمعروف مع ذلک فوجب إعتبار المعنيين فى ذالک، و إذا كان كذلک، و إن المعروف منها موقوفا على عادات الناس فيها، والعادات قد تختلف، و تتغير وجب بذلک مراعاة العادات فى الأزمان، و ذلک أصل فى جواز الاجتهاد فى أحكام الحوادث" (*أحکام القرآن للجصاص ۲/ ۱۴۳*)۔
- "يايها الذين آمنوا أوفوا بالعقود" (*مائدہ: ۱*)۔
- "أنه أجاز الشرط و قضى لها به" (*مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۲۶۲*)۔
- " والخلاصة: أوجب الشافعية المتعة إلا للمطلقة قبل الدخول التى سمى لها المهر، والجمهور

استحبوا المتعة، لكن المالكية استحبوها لكل مطلقة والحنفية والحنابلة استحبوها لكل مطلقة إلا المفوضة التى زوجت بلا مهر، فتجب لها المتعة، والظاهر رجحان مذهب الشافعية لقوة أدلتهم ولتطيب خاطر المرأة و تخفيف ألم الفراق'' (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۹/ ۶۸۳۳)۔

- '' وأما الزيادات التى تعرض من هذا المعنى، فإنها لاتفسد النكاح باتفاق، و إنما اختلف العلماء فى لزوم الشرط التى بهذه الصفة أولا لزومها، مثل أن يشترط عليه أن لا يتزوج عليها أو لا يتسرى أولا ينقلها من بلدها، فقال مالک: إن شرط ذلک لم يلزمه إلا أن يكون فى ذلک يمين بعتق أو طلاق، فإن ذلک يلزمه، إلا أن يطلق أو يعتق من أقسم عليه، فلا يلزم الشرط الأول أيضاً، و كذلک قال الشافعى و أبو حنيفة''۔
- جملة ذلک أن الشروط فى النكاح تنقسم أقساما ثلاثة، أحدها: ما يلزم الوفاء به، وهو ما يعود إليها نفعه و فائدته مثل أن يشترط لها أن لايخرجها من دارها أو بلدها أو لايسافر بها، أو لايتزوج عليها، و لايتسرى عليها، فهذا يلزمه الوفاء لها به، فإن لم يفعل فلها فسخ النكاح، يروى هذا عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه، و سعد بن أبى وقاص، و معاوية و عمر وبن العاص رضى الله عنهم، و به قال شريح و عمر بن عبد العزيز و جابر بن زيد و طاؤس والأوزاعى و إسحاق'' (المغنی ۷/ ۹۳)۔

''أن المشهور عند الأصوليين القضاء بالخصوص على العموم وهو لزوم الشروط وهو ظاهر ما وقع فى العتبية، و إن كان المشهور خلاف ذلک'' (بدایۃ المجتہد ۳/ ۸۲)۔

- ''فإن تنازعا قدرها القاضى بنظره أى إجتهاده، و إن زاد على مهر المثل'' (تحفۃ المحتاج کتاب الصداق فصل المتعۃ ۳/ ۴،۲)۔
- ''إن الله يأمر بالعدل والإحسان'' (سورہ نحل:۹۰)۔
- ''وأقسطوا إن الله يحب المقسطين'' (الحجرات:۹)۔
- ''كل مسأله خرجت عن العدل إلى الجوار'' و عن الرحمة إلى ضدها، و عن المصلحة إلى المفسدة، و عن الحكمة إلى العبث، فليست من الشريعة، و إن أدخلت فيها بالتأويل'' (اعلاء المواقعین لابن قیم ۳/ ۳)۔
- ''أزيد على ما سمى، فإنها تلزمه بشرط قبولها فى المجلس أو قبول و لى الصغيرة و معرفة قدرها و بقاء الزوجية على الظاهر'' (درمختار ۳/ ۱۱۱)۔

- "وقال الشافعية: تجب المتعة للمطلقة ونحوها الموطوة فى الأظهر الجديد" (الموسوعة الفقهية ۹۵/۳۶)۔
- "و على المولود له، رزقهن و كسونهن بالمعروف" (سورہ بقرہ:۲۳۲)۔
- "دل وضع المسئلة على جواز الزيادة فى المهر بعد العقد، و هى لازمة بشرط قبولها فى المجلس على الأصح، كما فى الظهير به، واستدلوا بجوازها، بقوله تعالىٰ: "و لاجناح عليكم فيما تراضيتم به من بعد الفريضة" (نساء: ۲۴)۔ فإنه يتناول ما تراضوا على الحاقة واسقاطه" (البحر الرائق ۲۶۱/۳)۔
- "والمتعة عندنا على ثلاثة أوجه: متعة واجبة وهى للمطلقة قبل الدخول ولم يسم لها مهرا، و مستحبة وهى للمطلقة بعد الدخول، ولا واجبة ولا مستحبة وهى للمطلقة قبل الدخول، و قد سمى لها مهرا" (عالمگیری ۲۰/۲)۔
- "لأن النكاح لم يشرع لعينه بل لمقاصد لا حصول لها إلا بالدوام على النكاح والقرار عليه ولا يدوم إلا بوجوب المهر لنفس لا يجرى بين الزوجين من الأسباب التى تحصل الزواج على الطلاق من الوحشة والخشونة، فلو لم يجب المهر بنفس العقد لايبالى الزوج عن إزالة هذا الملک، فأدنى خشونة تحث فيها، لأنه لايشق عليه إزالته لما لم يخف لزوم المهر قد حصل المقاصد المطلوبة عن النكاح" (بدائع الصنائع ۱۴۲۴/۳)۔
- "إن كثيرا من الأحكام يبينها المجتهد على ما كان فى زمانه مختلف باختلاف الزمان أو لحدوث ضرورة أو لفساد أهل الزمان بحيث لو بقى الحكم على ما كان عليه للزم منه المشقة والضرر بالناس و مخالف قواعد الشريعة المبنية على التخفيف والتسير و دفع الضرر والفساد" (مجموعہ رسائل ابن عابدین ۱۲۵/۲)۔
- "و إن خالف صاحباه فى ذلک، فإن كان إختلافهم إختلاف عصر و زمان كالقضاء بظاهر العدالة يأخذ بقول صاحبيه، لتغير أحوال الناس، و فى المزارعة والمعاملة و نحوها يختار قولهما لإجماع المتاخرين على ذلک" (شرح عقود رسم المفتی/۴۰)۔
- "الضرر يزال" لا ضرر ولا ضرار"۔
- "نظرية التعزير للمصلحة العامة تسمح باتخاذ أى إجراء لحماية أمن الجماعة صيانة نظامها من الأشخاص المشبوهين والخطرين ومتعادى الإجرام و دعاة الانقلابات والفتن" (تبصرة الحکام لابن

فرحون ۲/ ۲۱۷، مغنی المحتاج ۴/ ۱۹۱، بحوالہ سلطۃ القاضی فی تقدیر العقوبات التعزیریۃ: ۱۳۶)۔

- ”و أما كونه (حقا على المحسنين) معناه: أنها واجبة حاقة على أنها إحسان فى التعامل لا عقوبة، فإن الحكمة فيها كما قالوا: جبر إيحاش الطلاق، كان المعنى: إن كنتم بالله محسنين فى طاعته فعليكم أن تجعلوا هذا المتاع لائقا مؤديا إلى الغرض منه“ (تفسیر المنار ۲/ ۲۴۰)۔
- ”فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان“ (سورہ بقرہ: ۲۲۹)۔
- مذکورہ دلائل کے علاوہ مقالہ نگاران نے اس سلسلہ میں مولانا سید اسعد مدنیؒ کے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں دیئے گئے فتوے اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا یہ جواب بھی تحریر کیا ہے: موجودہ دور میں خاص کر غیر مسلم ممالک میں ایسے خدا ناترس لوگوں کو اس کے سوا سزا دینے کی کوئی اور صورت ممکن نہیں ہے، جسمانی سزا دینا خلاف قانون بھی ہے، اور اس سے مظلوم عورت کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا۔ اگر مالی جرمانہ عائد کیا جائے، دار القضاء، شرعی پنچایت یا مسلمانوں کے معتبر ادارے اور تنظیمیں اس کا فیصلہ کریں اور وہ رقم مطلقہ عورت کے حوالہ کردی جائے تو مرد کی سرزنش بھی ہوگی اور عورت کو کسی حد تک سہولت بھی حاصل ہوگی، اس لئے موجودہ حالات میں طلاق کے بے جا استعمال پر مالی جرمانہ عائد کرنے کی گنجائش نظر آتی ہے، البتہ عوام اس کا فیصلہ نہ کریں، دار القضاء، محکمہ شرعیہ یا مسلمانوں کے معتبر ادارے کو مرد کی زیادتی کی تحقیق کر کے اور اس کے مالی استطاعت کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے۔ (آپ کے شرعی مسائل ۲۰، ۱۰/ ۲۰۱۷ء)، (دیکھئے مقالہ ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، جمیل اختر جلیلی ندوی)۔

دوسرا رجحان: (متعہ کو واجب قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ مشروط مہر کی اجازت ہے)

سوال نمبر ۱۰، ۱۱ کے بارے میں دوسرا رجحان یہ ہے کہ بے جا طلاق پر قابو پانے اور ازدواجی زندگی میں بطور خاص خواتین کے حق میں ہونے والی افراط و تفریط کو روکنے کے لئے متعہ جو ائمہ ثلاثہ کے موقف کے حساب سے مستحب ہے اسے واجب قرار نہیں دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی متعہ کے نام پر کوئی متعین اور معقول رقم لازم کی جاسکتی ہے اور نہ ہی متعہ کے نام پر نصف مہر کو لازم کیا جاسکتا ہے، البتہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے نکاح نامہ میں دو مشروط مہر جسے صاحبین نے جائز قرار دیا ہے، اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے سمینار میں اس سے پہلے فیصلہ بھی ہوا ہے اس کی روشنی میں دو مشروط مہر یا ایک متعین رقم درج کیا جاسکتا ہے جس پر فریقین اسی وقت رضامندی کی دستخط کردیں، گویا سوال نمبر ۱۰ میں عدم جواز اور ۱۱ میں جواز کا رجحان ہے، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اپنایا ہے:

محمد اخلاق حسین قاسمی، آزاد بیگ قاسمی، محمد سعد نور القاسمی، ابو المکارم معروفی، محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، محمد عبد اللہ قاسمی، مفتی عبد المنان آسام، خورشید انور اعظمی، محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، محمد اکرام سعادتی، محمد ریاض ارمان قاسمی، محمد روح اللہ قاسمی، مفتی جنید بن محمد پالن پوری، محمد جمشید جوہر قاسمی، محمد نور الحق رحمانی، محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی، مقیم احمد ندوی۔

دلائل ووجوہ:

مذکورہ حضرات نے متعہ کے عدم وجوب کے لئے شوہر پرایک غیرواجب چیز کوواجب قرار دینے والی شرعی ممانعت، کو پیش نظر رکھا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ شوہر پر شریعت نے مہر کولازم کیا ہے، ایک دوسری چیز کولازم کرنا دو بدل کولازم کرنا ہے جو درست نہیں، یہ اضافی رقم گویا دو بدل کا وجوب ہے جس کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

- "لایحل لامرأ من مال أخیه شئ إلا بطیب نفس منه" (شرح معانی الآثار ۷/ ۲۵۲)۔
- "لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه، ولایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلاسبب شرعی" (قواعد الفقہ ۱۱۰)، (دیکھئے خورشید انور اعظمی)۔
- "أن المتعة بدل من البضع (قائمة مقام المهر) وغیر جائز أن تستحق بدلین، فلما کانت مستحقة بعد الدخول المسمی أو مهر المثل لم یجز أن تستحق معه، المتعة" (لأحکام القرآن ۱/ ۶۰۲، مولانا ظفر احمد تھانوی)۔
- " أن المتعة خلف عن مهر المثل فی المفوضة، لأنه سقط مهر المثل و وجبت المتعة، والعقد یوجب العوض فکان خلفا و الخلف لا یجامع الأصل ولا شیئاً منه، فلا تجب مع وجوب شئ من المهر، وهو غیرجائز فی الإیحاش فلا تلحقه الغرامة به، فکان من باب الفضل" (ہدایہ اولین ۷/ ۳۲۷)(محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی)۔
- "فلو وجبت المتعة لأدی إلی أن یکون لملک واحد بدلان و إلی الجمع بین البدل والأصل فی حالة واحدة و هذا امتنع" (بدائع الصنائع ۲/ ۲۰۳)۔
- کسی چیز کوواجب قرار دینے کے لئے اس کا قطعی الثبوت اور ظنی الدلالۃ دلائل سے ثابت ہونا ضروری ہے "الغرض عند الأصولین ما ثبت بدلیل قطعی الثبوت و قطعی الدلالة، حیث لا شبهة فیه، و یکفر جاحده ویعذب تارکه، والواجب ما ثبت بدلیل قطعی الدلالة و ظنی الثبوت أو ظنی الدلالة و قطعی الثبوت" (قواعد الفقہ التعریفات الفقہیۃ)۔
- والغرض منه بیان الاختصاص من الجانبین أی لا یکون الأمر إلا للوجوب ولا یثبت الوجوب إلا من الأمر دون الفعل" (نور الأنوار/ ۲۹)۔

تیسرا رجحان (بالکلیہ عدم جواز):

اس مسئلہ میں تیسرا رجحان یہ ہے کہ نہ تو اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے متعہ کوواجب قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نکاح نامہ میں نصف یا مزید کوئی رقم تعزیراً واجب کی جاسکتی ہے، یہ مسئلہ کا حل بھی نہیں ہے اور اس سے مزید اصلاح کے نقصان ہی ہوگا اور

خواتین کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس رجحان کے حاملین مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا اختر امام عادل، مولانا خورشید احمد اعظمی، محمد اشرف گونڈوی، عطاء اللہ بخاری، محمد صالح الزماں، ارتقاء الحسن کاندھلوی، محمد توصیف صدیقی، امام الدین شیخ، اسرار احمد آبادی، عبدالحی مفتاحی، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، حفیظ الرحمٰن مدنی، ڈاکٹر محی الدین غازی، مظاہر حسین عماد قاسمی، معین الدین ندوی، محمد شاکر نثار اعظمی، ڈاکٹر عبدالمالک مغیثی، مفتی عبدالرزاق قاسمی، عبدالخالق ندوی۔

رائے کا تجزیہ:

عدم جواز کے قائلین میں سے محمد اشرف گونڈوی کہتے ہیں: البتہ پنچایت کچھ دلانے کا فیصلہ کرے تو درست ہے، مگر علماء کی نگرانی میں ہونا چاہئے۔ عطاء اللہ بخاری کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے افہام وتفہیم کا راستہ اپنانا چاہئے۔ محمد صالح الزماں کا خیال ہے کہ اگر تین طلاق دیدے تو کچھ نہ کچھ عورت کو دیدیا جاسکتا ہے۔ ارتقاء الحسن کاندھلوی کہتے ہیں کہ جس میں پہلے سے متعہ ہے اس میں متعہ واجب نہیں کیا جاسکتا۔ معراج الدین ندوی کے خیال میں زوجین کی حیثیت کے حساب سے متعہ متعین ہونا چاہئے۔ محمد توصیف صدیقی لکھتے ہیں کہ متعہ طلاق واجب کرنے سے نکاح متعہ کا رواج ہوگا، اس لئے بجائے مہر کے تین ماہ کی قید ہونی چاہئے۔ ایک سے زائد نکاح اس مسئلہ کا حل ہے۔ محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں کہ مناسب انداز میں برادری اور پنچایت کے لوگ یا قاضی جو رقم متعین کردے، اسی طرح جو نکاح نامہ میں درج ہو وہ واجب الاداء ہوگی۔ مفتی ثناء الہدی قاسمی کہتے ہیں کہ واجب کرنا خلاف مصلحت ہے، اس سے عدالت کو مداخلت کا موقع ملے گا، البتہ حسن سلوک کے نام پر کچھ دیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی معاہدہ ہوجائے تو اس کی پاسداری کی جائے گی اور اگر نہیں تو دارالقضاء یا محکمہ شرعیہ ایسا نہیں کرسکتا۔ امام الدین شیخ کہتے ہیں کہ اگر نصف مہر کی زیادتی میں ظلم شوہر کی طرف سے ہو تو درست ہے، ورنہ شرط لگائی جائے کہ عورت اسے معاف کرے گی۔ محمد آزاد بیگ کے خیال میں مہر میں اضافہ کا شوہر کو پابند بنایا جائے۔ محمد سعد نور کہتے ہیں کہ تعزیر کی کوئی اور صورت اختیار کی جائے تو بہتر ہے۔ ڈاکٹر عبدالمالک مغیثی نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سماجی بائیکاٹ کی تجویز پیش کی ہے۔ مولانا خورشید انور اعظمی کہتے ہیں کہ اگر نصف مہر کی زیادتی کو نکاح نامہ میں درج کرکے پابند بنایا جائے تو زیادتی درست ہے۔ مظاہر حسین عماد قاسمی کے بقول بے جا طلاق کو روکنے کے لئے اصلاح کا دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے۔ ڈاکٹر محی الدین غازی کے خیال میں کوئی بڑا مالی جرمانہ ہی اس بے اعتدالی کو روکنے میں معاون ثابت ہوسکتا ہے، مگر اس میں بھی دشواریاں ہیں، اس لئے قرآن مجید کا طریقہ ہی سب سے مؤثر ہے کہ تقوی اور احسان کا جذبہ اور تصور لوگوں میں ابھارا جائے۔ محمد شاکر نثار اعظمی کے خیال میں نکاح کے وقت ہی زیادہ مہر کی شرط لگادے۔ محمد ریاض ارمان کے خیال میں نکاح میں مہر کی مناسب مقدار متعین کی جائے، نکاح نامہ میں نصف مہر کی زیادتی کی صراحت کی بھی گنجائش ہے۔ محمد نثار عالم ندوی کے خیال میں جرمانہ عائد کرنے کی کوشش کی جائے۔ ڈاکٹر عبداللہ جولم عمری کا خیال ہے کہ نکاح نامہ میں اس طرح کی بات کو درج کرنا زوجین کے سکون واطمینان کی فضاء کو ختم کردے گا۔ معین الدین ندوی کہتے ہیں کہ جب مال تعزیر ہے تو پھر متعہ کے وجوب اور نصف مہر میں زیادتی کی ضرورت ہی کیا

ہے، مولانا عبدالخالق ندوی لکھتے ہیں کہ بطور تاوان نصف مہر لازم کرنا درست نہیں ہے۔

دلائل وشواہد:

عدم جواز کے قائلین کے دلائل، رجحان نمبر ۲۔ میں ملاحظہ فرمائیں بہ خوف طوالت یہاں سے حذف کئے جاتے ہیں۔

حضرات مجوزین (پہلے رجحان کے حاملین) کی طرف سے بعض قیودات وشرائط کا اضافہ:

محمد ارشاد پالن پوری کے خیال میں ضرورۃ جائز ہے۔ قاضی فیاض عالم قاسمی کہتے ہیں کہ قاضی محسوس کرے تو ایسا کرسکتا ہے۔ رحمت اللہ ندوی کے خیال میں نقد رقم کی شکل میں ہو، مہر سے زائد نہ ہو، اور شوہر پر ظلم نہ ہو۔ محمد دبیر عالم قاسمی کے خیال میں ایسے قانون کی سخت ضرورت ہے۔ محمد شفیق فلاحی کہتے ہیں کہ اس کا فیصلہ دارالقضاء کرے۔ مقیم احمد ندوی کے خیال میں جرمانہ کے طور پر متعہ میں اضافہ بوقت نکاح بطور خرچہ یا رخصتانہ مہر کی زیادتی درست ہے۔ محمد عثمان بستوی کے خیال میں قاضی اپنے صوابدید پر رقم متعین کرے، نصف مہر کی زیادتی میں تلفیق کی قباحت ہے۔ ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی کے خیال میں نکاح نامہ میں ہی اس کی صراحت کردی جائے۔ فرید احمد رشید کاوی کے خیال میں یہ سب دیندار مسائل سے واقف کار حضرات کی نگرانی میں ہونا ضروری ہے۔ مفتی نعمت اللہ قاسمی کے خیال میں فقہ اکیڈمی کے ممبئی سیمینار کے فیصلے سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ بعض حضرات نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے حنابلہ اور شوافع کے قول سے استفادہ اور اس پر فتوی دینے کا بھی عندیہ دیا ہے۔ طاہر حسین قاسمی، لطیف الرحمٰن ممبئی، جنید بن محمد پالن پوری کے خیال میں اگر بہ وقت نکاح اس طرح کی بات طے ہوجائے تو اس معاہدہ کی بنیاد پر جرمانہ لگانا بھی بالاتفاق جائز ہوگا، نیز اس معاہدے کی وجہ سے زوجین پہلے ہی سے متنبہ رہیں گے اور طلاق کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے پنچایت اور برادری کے پاس اپنا معاملہ لے جائیں گے۔

واضح رہے کہ ۷ رمقالہ نگار حضرات نے ان دونوں سوالوں کے جواب سے خاموشی اختیار کی ہے اور صرف مالی تعزیر کے جواب تک اپنی بات محدود رکھی ہے۔

ایک وضاحت:

سوال نمبر ۸: میں ہاؤسنگ سوسائٹی کا ذکر آیا ہے، ہاؤسنگ سوسائٹی سے متعلق جواب تحریر کرتے وقت مقالہ نگاران نے دو باتیں ذکر کیں ہیں جن میں زیادہ تر اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ ہاؤسنگ سوسائٹی کا جرمانہ وصول کرنا ربا اور سود کے دائرے میں ہے جو ناجائز ہے۔ اس سوال کو مقالہ نگاران نے دونوں طرح سمجھا ہے، بعض حضرات نے ہاؤسنگ سوسائٹی سے صرف وہ ہاؤسنگ سوسائٹی مراد لی ہے جو رہائشی ہوتے ہیں، وہاں کا ایک انتظامی شعبہ ہوتا ہے، سیکوریٹی کارڈ، لفٹ وغیرہ کے اخراجات بجلی بل وغیرہ کی ادائیگی وہی دیکھتا ہے، اس سوسائٹی میں رہنے والے لوگ وقت پر اپنے حصہ کی رقم مینجمنٹ کے شعبہ کو اگر نہیں دیتے تو ان پر جرمانہ لگایا جاتا ہے، تاکہ اس سے متعلقہ افراد کو وقت پر تنخواہ دی جاسکے، بل ادا کئے جاسکیں وغیرہ وغیرہ۔

دوسری ہاؤسنگ سوسائٹی وہ ہوتی ہے جو فلیٹ فراہم کرتی ہے اور قیمت کی ادائیگی کے لئے قسط طے کردیتی ہے، جیسے بینک

وغیرہ، اگر سوال میں مراد یہ دوسری والی شق ہے تو اس کا مالی جرمانہ پنالٹی اور ضمان کے زمرے میں آتا ہے، اس کے بارے میں مقالہ نگاران نے ربا اور سود کا شبہ ظاہر کیا ہے اور عدم جواز کی رائے دی ہے۔ مناقشہ کے وقت اس کی وضاحت ضروری ہے کہ سوال میں کون سی ہاؤسنگ سوسائٹی مراد ہے یا دونوں مراد ہے جس پر گفتگو ہونی ہے۔

جرمانہ اور تعزیراً لی گئی رقم کا مصرف:

ایک وضاحت یہ ہے کہ چونکہ سوال میں یہ نہیں پوچھا گیا ہے کہ جرمانہ میں جو رقم وصول کی جائے گی اس کا مصرف کیا ہوگا؟ البتہ بہت سے مقالہ نگاران نے اس کے مصرف کو بھی واضح کیا ہے۔ اخیر میں سوال سے قطع نظر مقالہ نگاران کی رائے کے طور پر درج کیا جارہا ہے۔

جو تعزیر نفس مال سے متعلق ہے اس کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ ہمارے ماحول میں ملکی قانون کے پیش نظر ممکن العمل ہے کہ کوئی شخص یا جماعت یا ادارہ تعزیراً کسی کے مال کو تلف یا ضائع کردے، یا اس پر قابض ہوجائے۔ البتہ بعض امور میں جن میں جرمانہ کے طور پر نقد رقم لیا جاسکتا ہے، جیسے بہت سے تعلیمی ادارے، یا ہاؤسنگ سوسائٹیز اور قرض فراہم کرنے والے ادارے کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جو رقم جرمانہ اور مالی تعزیر کے طور پر وصول کیا جائے گا یا وصول کیا جارہا ہے اس کا مصرف کیا ہوگا؟

اس بارے میں تین طرح کی رائے سامنے آئی ہیں:

ایک یہ کہ اس رقم کو مبتلا بہ شخص کو اپنی کوتاہی کے باز آنے اور اپنی اصلاح کر لینے کے بعد واپس کردیا جائے۔ دوسرے یہ کہ براہ راست اسے رفاہ عام میں صدقہ کردیا جائے۔ یا مبتلا بہ شخص کی اصلاح سے مایوسی کے بعد رفاہ عام میں صرف کردیا جائے، یا وصول کرنے والا ادارہ اپنی صوابدید پر جہاں چاہے خرچ کردے۔

دوسری رائے یہ سامنے آئی ہے کہ وہ مال جس کی وجہ سے وصول کیا گیا ہے اس مظلوم کو دیدیا جائے۔

تیسری رائے جو اکثر حضرات کی ہے کہ اس مال کو علی الاطلاق رفاہ عام میں خرچ کردیا جائے، یا توبہ سے مایوسی کے بعد وصول کرنے والی اتھارٹی اپنی صوابدید پر جہاں چاہے صرف کردے۔

اگر اس مسئلہ پر بھی کوئی حتمی فیصلہ ہوجاتا ہے تو وہ بھی قرارداد کا حصہ ہوسکتا ہے، اور یہ مسئلہ بھی طے ہوجائے گا، کیونکہ مقالہ نگاران نے اس کو بھی اپنے جواب میں پیش نظر رکھا ہے۔

احقر ملخص کا خیال یہ ہے کہ بیوہ اور مطلقہ خواتین کے لئے ایک اجتماعی فنڈ ''جمعیۃ الأرامل والعوانس والأیتام'' کے نام سے قائم کیا جائے اور یہ اپیل کی جائے کہ پورے ملک میں خواہ وہ تعلیمی ادارے ہوں یا قرض فراہم کرنے والے ادارے یا ہاؤسنگ سوسائٹیز جو بھی تعزیر میں رقم وصول کریں گے وہ اس جمعیۃ کو دیں اور وہ ضابطہ کے مطابق اس مد میں صرف کریں ورنہ عمومی طور پر رفاہ عام میں جہاں چاہیں خرچ کردیں۔ جس طرح بعض اسلامی بینک اپنے یہاں جرمانہ میں وصول کی گئی رقم کو صدقہ کردینے کا معمول بنائے ہوئے ہیں۔ وما توفیقی إلا باللہ۔

عرض مسئلہ :

فقہاء اسلام کے یہاں تعزیر مالی کا مسئلہ تنقیح، تحلیل اور تجزیہ
سوال نمبر ا-۵

مولانا اختر امام عادل قاسمی ☆

تعزیر بالمال کے موضوع پر سوالات ا تا ۵ سے متعلق عرض مسئلہ کی ذمہ داری اس حقیر کو دی گئی ہے، اس موضوع پر اکیڈمی کی طرف سے کل ایک سو چودہ (۱۱۴) مقالات مجھے موصول ہوئے، (مقالہ نگاران کے اسماء گرامی آپ کے پیش نظر ہیں) جو اکیڈمی کی تاریخ میں کسی موضوع پر لکھے جانے والے مقالات کی غالباً اب تک کی سب سے بڑی تعداد ہے، اتنی بڑی تعداد میں آئے ہوئے علمی مقالات کو پڑھنا اور ان سے عرق کشید کرنا بجائے خود بہت بڑا کام ہے، جس کے لئے طویل فرصت کی ضرورت ہے، طبیعت اس بار گراں کو اٹھانے کی ہرگز متحمل نہیں تھی، مگر تعمیل حکم سے چارۂ کار نہیں تھا، اس لئے عرض مسئلہ کے طور پر یہ چند سطریں پیش خدمت ہیں:

یہ پانچوں سوالات باہم ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اور ان سب کا تعلق زیادہ تر اقوال فقہاء کے نقل وتفحص سے ہے، ان میں نہ کسی حکم شرعی کی دریافت ہے اور نہ تطبیق، اس لئے سوالنامہ کے ان پانچ اجزاء میں مقالہ نگاروں کے درمیان بہت کم اختلاف پایا جاتا ہے، تحقیق وجستجو میں کمی بیشی ہوئی ہے، تفصیل واجمال کا فرق پایا جاتا ہے، لیکن بنیادی نکات میں مقالہ نگاروں کے درمیان کوئی قابل ذکر اختلاف موجود نہیں ہے۔

تعزیر بالمال کا مفہوم اور مصداق:

سوال نمبر ا: تعزیر بالمال کا مفہوم تمام مقالہ نگاروں نے "عقوبت مالیہ" یا "مالی جرمانہ" تحریر کیا ہے، یعنی ایسی سزا جس سے مجرم کو مالی اعتبار سے زیر بار کیا جا سکے۔ مختلف کتابوں کی مختلف تعبیرات کے پیش نظر ہمارے مقالہ نگار علماء نے اس کی مختلف صورتیں ذکر کی ہیں، لیکن ان سب کا حاصل دو باتیں ہیں:

ا- جرم کا تعلق مال سے ہو، اور اس مال کو ضبط یا ضائع کر دیا جائے، مثلاً خراب دودھ یا تیل کو ضبط یا تلف کر دینا، شراب خانہ یا قمار خانہ کو تباہ کر دیا جانا، بت خانہ، آلات موسیقی اور آلات لہو ولعب، شراب کے برتن اور مشکیزے توڑ دینا، زندیقوں اور ملحدوں

☆ ☆ خادم جامعہ ربانی منورواشریف۔

کی کتابیں، مخرب اخلاق فلمیں، تصاویر اور مجسمے ضائع کر دینا وغیرہ۔

بعض حضرات نے اس کو تعزیر فی المال سے بھی تعبیر کیا ہے۔

اس صورت کے جواز میں فقہاء مختلف الرائے نہیں ہیں، حنفیہ کے یہاں مفتیٰ بہ قول کے مطابق آلات فساد کو توڑ دینا موجب ضمان نہیں ہے:

"وَعَلَى هذا الِاخْتِلَافِ بَيْعُ النَّرْدِ وَالشِّطْرَنْجِ وَعَلَى هذا الِاخْتِلَافِ الضَّمَانُ على من أَتْلَفَهَا فَعِنْدَهُ يَضْمَنُ وَعِنْدَهُمَا لَا كَذَا فِي الْبَدَائِعِ، وَلَكِنَّ الْفَتْوَى فِي الضَّمَانِ على قولهما(قولهما)كما سَيَأْتِي فِي الْغَصْبِ وَمَحَلُّهُ ما إذَا كَسَرَهَا غَيْرُ الْقَاضِي وَالْمُحْتَسِبِ أَمَّا هُمَا فَلَا ضَمَانَ اتِّفَاقًا "۔

شوافع کا بھی یہی خیال ہے:

"وَالْأَصْنَامُ) وَالصُّلْبَانُ (وَآلَاتُ الْمَلَاهِي) كَالطُّنْبُورِ (لَا يَجِبُ فِي إبْطَالِهَا شَيْءٌ) ؛ لِأَنَّ مَنْفَعَتَهَا مُحَرَّمَةٌ لَا تُقَابَلُ بِشَيْءٍ ، وَقَضِيَّةُ التَّعْلِيلِ كَمَا قَالَ الْإِسْنَوِيُّ : إنَّ مَا جَازَ مِنْ آلَاتِ اللَّهْوِ كَالدُّفِّ يَجِبُ الْأَرْشُ عَلَى كَاسِرِهِ، وَفِي أَوَانِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِلَافٌ مَبْنِيٌّ عَلَى حِلِّ الِاتِّخَاذِ ، (وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا لَا تُكْسَرُ الْكَسْرَ الْفَاحِشَ) ، لِإِمْكَانِ إزَالَةِ الْهَيْئَةِ الْمُحَرَّمَةِ مَعَ بَقَاءِ بَعْضِ الْمَالِيَّةِ .نَعَمْ لِلْإِمَامِ ذَلِكَ زَجْرًا وَتَأْدِيبًا عَلَى مَا قَالَهُ الْغَزَالِيُّ فِي إنَاءِ الْخَمْرِ بَلْ أَوْلَى "۔

حنابلہ کا فتویٰ بھی یہی ہے:

"فهذه الآلات إذا ثبت تحريمها؛ فإنها لا حرمة لها،فإذاأتلفت، فإنه لا ضمان على متلفها إذا أتلف ما يكون به الغناء "۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جرم پر الگ سے کوئی مالی جرمانہ عائد کیا جائے، تا کہ مالی دباؤ سے مجبور ہو کر مجرم اپنے جرم سے باز رہے، اور شاید توفیق توبہ بھی نصیب ہو جائے، اس کی بھی دو شکلیں ہیں:

۱- جرمانہ میں حاصل شدہ مال قابل واپسی نہ ہو، یعنی مجرم کو وہ مال کبھی واپس نہ کیا جائے، عام طور پر عرف میں اسی کو مالی جرمانہ یا "تعزیر بالمال " کہا جاتا ہے۔

یہ صورت ائمہ مجتہدین کے درمیان مختلف فیہ رہی ہے، البتہ کتب فقہیہ کے مطابق زیادہ تر فقہاء کی رائے عدم جواز کی ہے۔

۲- جرمانہ میں حاصل شدہ مال کچھ مدت کے بعد جب مجرم اپنے جرم سے باز آ جائے اور توبہ کر لے تو اس کو واپس کر دیا جائے، یہ درحقیقت "تعزیر بحبس المال" کی صورت ہے، اور اسی کو کچھ لوگ "تعزیر باخذ المال" کہتے ہیں۔

یہ شکل بعض فقہاء کی جانب سے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کی تشریح و تاویل کے نتیجہ میں پیدا ہوئی، چونکہ حنفیہ

کا معروف مسلک تعزیز مالی کے عدم جواز کا ہے، جبکہ امام ابو یوسفؒ کا قول جواز کا نقل کیا گیا ہے، تو اس کی تاویل علامہ کردریؒ وغیرہ نے یہ نقل کی کہ امام ابو یوسفؒ کے قول کا منشا ئیہ ہے کہ مجرم کا مال کچھ دنوں کے لئے محبوس کر دیا جائے، اور جب حاکم کو اطمینان ہو جائے کہ مجرم نے اپنے جرم سے توبہ کر لی ہے، تو مال اس کو واپس کر دیا جائے۔

اس تشریح کے مطابق حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول جواز اور حنفیہ کے معروف مسلک (عدم جواز) کا ٹکراؤ ختم ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انتظامی نقطہ نظر سے وقتی حبس مال میں دوسرے فقہاء کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔

''وَأَفَادَ فی الْبَزَّازِيَّةِ أَنَّ مَعْنَى التَّعْزِيرِ بِأَخْذِ الْمَالِ على الْقَوْلِ بِهِ إِمْسَاكُ شَيْءٍ من مَالِهِ عنه مُدَّةً لِيَنْزَجِرَ، ثُمَّ يُعِيدُهُ الْحَاكِمُ إِلَيْهِ لَا أَنْ يَأْخُذَهُ الْحَاكِمُ لِنَفْسِهِ أو لِبَيْتِ الْمَالِ كما يَتَوَهَّمُهُ الظَّلَمَةُ، إِذْ لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ من الْمُسْلِمِينَ أَخْذُ مَالِ أَحَدٍ بِغَيْرِ سَبَبٍ شَرْعِيٍّ''۔

لیکن اسی تشریح کا اگلا حصہ یہ ہے کہ اگر جرم سے مجرم کے باز آنے کی امید نہ ہو تو پھر یہ مال محبوس قابل واپسی نہیں ہوگا، بلکہ حسب مصلحت عام انسانی یا ملکی مفادات میں خرچ کیا جائے گا۔

''وفی الْمُجْتَبَى: لم يذكر كَيْفِيَّةَ الْأَخْذِ وَأَرَى أَنْ يَأْخُذَهَا فَيُمْسِكُهَا فَإِنْ أَيِسَ من تَوْبَتِهِ يَصْرِفُهَا إِلَى ما يَرَى''۔

تشریح کے اس حصہ کی شمولیت کے بعد تعزیر بالمال کی پہلی شکل پھر عود کر آتی ہے، اور اصل مذہب اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان سابقہ اختلاف برقرار رہتا ہے، اور یہ تشریح بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے، سوائے اس صورت کہ جب مجرم کو توفیق توبہ نصیب ہو جائے۔

تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کا مفہوم:

اور اسی تشریح کی بنیاد پر تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال میں فرق کا تصور پیدا ہوا، بزازیہ نے تعزیر باخذ المال کا ایک نیا معنی متعارف کرایا کہ وقتی حبس مال کا نام تعزیر باخذ المال ہے، بزازیہ میں صرف اتنا ہی ہے، لیکن دوسرے علماء نے اس سے یہ معنی اخذ کیا کہ پھر تعزیر بالمال مطلقاً ضبط مال کا نام ہے، خواہ وہ قابل واپسی ہو یا نہ ہو، اور یہیں سے ہمارے بیشتر مقالہ نگاروں نے یہ بات لکھی ہے کہ تعزیر بالمال عام ہے اور تعزیر باخذ المال اسی کی ایک قسم ہے، یعنی تعزیر بحبس المال، لیکن اسی کے ساتھ اگر المجتبیٰ کی تشریح بھی شامل کر لی جائے اور عدم توبہ کی صورت میں مال نا قابل واپسی قرار پائے تو پھر اس میں اور عام مالی جرمانہ (تعزیر بالمال) میں نتیجہ کے لحاظ سے کوئی فرق باقی نہیں رہ جائے گا۔

واضح رہے کہ یہ تشریح یا تفریق خود حضرت امام ابو یوسفؒ سے منقول نہیں ہے، یہ بعد والوں کی ایجاد ہے۔

اسی لئے بشمول مسلک حنفی کسی مسلک فقہی کی کتاب میں تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کی تعبیرات میں مذکورہ فرق ملحوظ

نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ اکثر دونوں الفاظ ایک ہی سیاق میں ذکر کئے گئے ہیں، دیکھئے چند عبارتیں:

”وفی شَرْحِ الْآثَارِ التَّعْزِيرُ بِالْمَالِ كان فی ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ نُسِخَ اه وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمَذْهَبَ عَدَمُ التَّعْزِيرِ بِأَخْذِ الْمَالِ “۔اس میں تعزیر بالمال اور باخذ المال دونوں ایک ہی معنیٰ میں مستعمل ہوئے ہیں۔

اسی طرح کی عبارتیں ”عالمگیری“ اور شامی وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔

”يَجُوزُ التَّعْزِيرُ بِأَخْذِ الْمَالِ وَهُوَ مَذْهَبُ أَبِی يُوسُفَ وَبِهِ قَالَ مَالِكٌ،وَمَنْ قَالَ:إنَّ الْعُقُوبَةَ الْمَالِيَّةَ مَنْسُوخَةٌ فَقَدْ غَلِطَ عَلَى مَذَاهِبِ الْأَئِمَّةِ نَقْلًا وَاسْتِدْلَالًا وَلَيْسَ بِسَهْلٍ دَعْوَى نَسْخِهَا “۔

یہاں تعزیر باخذ المال اور عقوبت مالیہ (تعزیر بالمال) ہم معنیٰ استعمال ہوئے ہیں۔

فقہ مالکی کی مشہور کتاب "حاشية الدسوقي على الشرح الكبير "میں یہ عبارت ہے:

”وَلَا يَجُوزُ التَّعْزِيرُ بِأَخْذِ الْمَالِ إجْمَاعًا وما رُوِیَ عن الْإِمَامِ أَبِی يُوسُفَ صَاحِبِ أَبِی حَنِيفَةَ من أَنَّهُ جَوَّزَ لِلسُّلْطَانِ التَّعْزِيرَ بِأَخْذِ الْمَالِ، فَمَعْنَاهُ كما قال الْبَزَّازِیُّ من أَئِمَّةِ الْحَنَفِيَّةِ: أَنْ يُمْسِكَ الْمَالَ عِنْهُ مُدَّةً لينزجر “۔

اس میں جس تعزیر باخذ المال کو بالاجماع ناجائز قرار دیا گیا ہے وہ وہی ہے جسے ہم تعزیر بالمال کہتے ہیں۔

یہ بات دیگر مقالہ نگاروں کے بین السطور میں بھی جھلکتی ہے، لیکن بعض حضرات نے صراحت کی ہے کہ فقہاء کی کتابوں میں تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، جن میں بعض کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا ارتقاء الحسن کاندھلوی، مولانا نور الحق رحمانی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا عباس بن یوسف سعادتی، مولانا محمد زبیر ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی نعمت اللہ صاحب قاسمی کھگڑیا، مفتی شاہد علی قاسمی، مفتی اسعد فلاحی، ڈاکٹر عبداللہ جولم، مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی، مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی مدنی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا تبریز حلیمی، اور راقم الحروف اختر امام عادل قاسمی وغیرہ۔

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی صاحب کا خیال ہے کہ غالباً یہ فرق علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ کی عبارت سے پیدا ہوا:

”وخالف ابن تيمية وابن القيم فقالا:إن التعزير بالمال سائغ اتلافاًو اخذاً “

امام احمد بن حنبلؒ کی بھی ایک عبارت اسی کی طرف مشیر ہے:”يحرم التعزير باخذالمال او اتلافه “

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں عبارتوں کا منشا تعزیر بالمال کی دونوں قسموں کا بیان ہے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے، یعنی جرم اگر مال سے متعلق ہو تو محل جرم کو تلف کیا جائے گا، اور اگر مال سے متعلق نہ ہو تو علیحدہ مال بطور جرمانہ وصول کیا جائے گا، اس میں تعزیر باخذ المال کا وہ معنیٰ پیش نظر نہیں ہے جو عموماً فقہاء حنفیہ کے یہاں بزازیہ کی تشریح کے زیر اثر معروف ہے، خود حضرت امام

احمد بن حنبلؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ اس تصور (امساک مال) سے قطعی خالی الذہن ہیں، پھر ان کی عبارت میں اس کی جھلک کیوں کر مل سکتی ہے۔

حنفیہ کا معروف مسلک:

سوال نمبر ۲: تمام مقالہ نگاروں نے بالاتفاق تعزیر بالمال کے تعلق سے حنفیہ کا معروف مسلک عدم جواز نقل کیا ہے۔

"والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال"۔

بعض ائمہ احناف کے یہاں تعزیر بالمال کے جواز کی رائے:

سوال نمبر ۳: حنفیہ کے امام ثانی حضرت امام ابویوسفؒ سے تعزیر بالمال کے جواز کا قول منقول ہے، تقریباً تمام ہی مقالہ نگاروں نے اس ضمن میں متعدد عبارتیں نقل کی ہیں، اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مذہب میں اس قول کو ضعیف اور غیر مفتیٰ بہ قرار دیا گیا ہے۔

ابتدائی صورت حال بس اتنی ہی تھی کہ اس قول کو مذہب میں غیر مفتیٰ بہ تسلیم کیا گیا تھا، اور امام ابویوسفؒ کی اس روایت کی اشاعت سے روک دیا گیا تھا کہ مبادا اس سے ستم پرور حکمرانوں کے لئے ظلم کا دروازہ کھل جائے۔

"قال في الفتح وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز اه ومثله في المعراج وظاهره أن ذلک رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال في الشرنبلالية ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس، فيأكلونه اه ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان"۔

اس طرح کی عبارتیں فقہ حنفی کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں، ان عبارتوں سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ابتدائی ادوار میں امام ابویوسف کے قول کا مفہوم وہی لیا جاتا تھا جو تعزیر بالمال کے لفظ سے متبادر ہوتا ہے، یعنی ناقابل واپسی مالی جرمانہ، اس لئے کہ واجب الرد ہونے کی صورت میں مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے، بلکہ حکومت کی تحویل میں جانے کے بعد تحفظ مال کی پوری ذمہ داری حکومت پر عائد ہوجاتی ہے، لیکن بعد کے ادوار میں امام ابویوسفؒ کے قول کو حنفیہ کے معروف مسلک سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اس میں تاویلات کی گئیں، جن میں سرفہرست خاتمۃ المجتہدین مولانا رکن الدین ابویحیی الخوارزمیؒ اور امام ظہیر الدین التمر تاشی الخوارزمیؒ (متوفی ۶۱۰ھ مطابق ۱۲۱۴ء) ہیں، ان حضرات نے امام ابویوسفؒ کے قول کا مطلب یہ بیان کیا کہ جرمانہ کا مال مجرم سے لے کر محبوس کیا جائے، لیکن بحق سرکار یا بحق مدعیٰ علیہ خرچ نہ کیا جائے، بلکہ محفوظ رکھا جائے، اور توبہ کے بعد اسے واپس کردیا جائے، یعنی گویا وقتی حبس مال کی صورت۔

امام ابویوسف کے قول کی یہ تشریح کس بنیاد پر کی گئی کچھ نہیں معلوم، البتہ اس قدر یقینی ہے کہ یہ تشریح خود حضرت امام ابویوسفؒ سے منقول نہیں ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کی تشریح:

یہ تشریح جدید میرے علم کے مطابق پہلی مرتبہ مذکورہ بالا دونوں اکابر کے حوالے سے امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البز ازالکردری الحنفیؒ (م ۸۲۷ھ) کی مشہور زمانہ کتاب "فتاویٰ بزازیہ" میں منقول ہوئی:

"والتعزیربأخذالمال أن المصلحة فیه جائزة ،قال مولاناخاتمة المجتهدین رکن الدین ابویحییٰ الخوارزمی :معناه أن نأخذماله ونودعه فإذاتاب نرده علیه کماعرف فی خیول البغاة وسلاحهم وصوبه الإمام ظهیرالدین التمرتاشی الخوارزمی، قالوا:ومن جملته من لایحضرالجماعة یجوزتعزیره بأخذالمال "۔

اس کے بعد بزازیہ ہی کے حوالے سے یہ تشریح تمام کتب متأخرہ میں نقل ہوتی چلی گئی ،علامہ ابن نجیم کی شہرۂ آفاق کتاب "البحرالرائق" میں جہاں یہ بحث آئی ہے، وہاں ابن نجیمؒ نے پہلے یہ لکھا (جو تمام کتب متقدمہ میں بھی موجود ہے) کہ امام محمدؒ نے اپنی کسی کتاب میں تعزیر بالمال کا ذکر نہیں کیا ہے، پھر امام ابو یوسفؒ کا قول جواز نقل کیا، اور اس رائے کو فتاویٰ ظہیریہ اور الخلاصۃ کے حوالوں سے مدلل کرنے کے بعد اس کی ایک مثال پیش کی کہ جو شخص تارک جماعت ہو اس سے مالی جرمانہ لینا جائز ہے، اس کے بعد بزازیہ کے حوالے سے قول امام ابو یوسفؒ کی تشریح نقل فرمائی، البتہ ابن نجیمؒ نے المجتبیٰ کے حوالے سے اس تاویل کے ساتھ ایک اور تاویل کو ہم رشتہ کیا کہ اگر مجرم کے توبہ کی امید نہ ہو تو حاکم جہاں مناسب سمجھے خرچ کرسکتا ہے، اس طرح بات پھر وہیں مالی جرمانہ کے سابقہ تصور کی طرف لوٹ کر چلی آئی، اور گو کہ اصل مذہب عدم جواز ہے، لیکن ابن نجیم کی تشریح در تشریح نے عدم جواز کی شدت کو کم کر دیا ہے:

"وَأَفَادَفی الْبَزَّازِیَّةِ أَنَّ مَعْنَی التَّعْزِیرِ بِأَخْذِ الْمَالِ علی الْقَوْلِ بِهِ إمْسَاکُ شَیْءٍ من مَالِهِ عنه مُدَّةً لِیَنْزَجِرَ ثُمَّ یُعِیدُهُ الْحَاکِمُ إلَیْهِ لَا أَنْ یَأْخُذَهُ الْحَاکِمُ لِنَفْسِهِ أو لِبَیْتِ الْمَالِ کما یَتَوَهَّمُهُ الظَّلَمَةُ، إذْ لَا یَجُوزُ لِأَحَدٍ من الْمُسْلِمِینَ أَخْذُ مَالِ أَحَدٍ بِغَیْرِ سَبَبٍ شَرْعِیٍّ، وفی الْمُجْتَبَی لم یذکر کَیْفِیَّةَ الْأَخْذِ وَأَرَی أَنْ یَأْخُذَهَا، فَیُمْسِکَهَا فَإِنْ أَیِسَ من تَوْبَتِهِ یَصْرِفُهَا إلَی ما یَرَی، وفی شَرْحِ الْآثَارِ التَّعْزِیرُ بِالْمَالِ کان فی ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ، ثُمَّ نُسِخَ اه وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمَذْهَبَ عَدَمُ التَّعْزِیرِ بِأَخْذِ الْمَالِ "۔

واضح رہے کہ المجتبیٰ کے مصنف علامہ نجم الدین الزاہدی (متوفی ۶۵۸ھ)، ابن البز ازالکردری، امام رکن الدین الخوارزمی ،اور امام ظہیر الدین التمر تاشیؒ سب سے متقدم ہیں۔

اس کے بعد" شامی، عالمگیری، مجمع الانہر اور مجلۃ الاحکام" وغیرہ متعدد کتابوں میں "البحر الرائق" ہی کے حوالے سے یہ بات نقل کی گئی، جس میں بزازی کی تشریح اور صاحب "المجتبیٰ" علامہ زاہدیؒ کی در تشریح بھی شامل تھی، مثلاً:

☆**مطلب فی التعزیر بأخذ المال قوله (لا بأخذ مال فی المذهب) قال فی الفتح، وعن أبی یوسف**

یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقی الأئمة لا یجوز اه، ومثله فی المعراج، وظاهره أن ذلک روایة ضعیفة عن أبی یوسف قال فی الشرنبلالیة: ولا یفتی بهذا لما فیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس فیأکلونه اه ومثله فی شرح الوهبانیة عن ابن وهبان قوله (وفیه الخ) أی فی البحر حیث قال وأفاد فی البزازیة: أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به إمساک شیء من ماله عنه مدة لینزجر، ثم یعیده الحاکم إلیه، لا أن یأخذه الحاکم لنفسه أو لبیت المال کما یتوهمه الظلمة إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی، وفی المجتبی: لم یذکر کیفیة الأخذ ورأی أن یأخذها فیمسکها، فإن أیس من توبته یصرفها إلی ما یری وفی شرح الآثار التعزیر بالمال کان فی ابتداء الإسلام ثم نسخ اه والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال

☆وَبَقِیَ التَّعْزِیرُ بِالشَّتْمِ وَأَخْذِ الْمَالِ فَأَمَّا التَّعْزِیرُ بِالشَّتْمِ فَهُوَ مَشْرُوعٌ بَعْدَ أَنْ لَا یَکُونَ قَذْفًا کَمَا فِی الْبَحْرِ عَنْ الْمُجْتَبَی وَأَمَّا بِالْمَالِ فَصِفَتُهُ أَنْ یَحْبِسَهُ عَنْ صَاحِبِهِ مُدَّةً لِیَنْزَجِرَ ثُمَّ یُعِیدُهُ إلَیْهِ کَمَا فِی الْبَحْرِ عَنْ الْبَزَّازِیَّةِ ا هـ وَلَا یُفْتَی بِهَذَا لِمَا فِیهِ مِنْ تَسْلِیطِ الظَّلَمَةِ عَلَی أَخْذِ مَالِ النَّاسِ فَیَأْکُلُونَهُ "۔

المجتبیٰ کے تفرد کا مسئلہ:

ہمارے بعض مقالہ نگاروں (مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا عبدالمالک مغیثی، مولانا مصطفےٰ قاسمی وغیرہ) نے حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ (صاحب احسن الفتاویٰ) کے زیر اثر المجتبیٰ کے اضافہ کو یہ کہہ کر مسترد کرنے کی کوشش کی ہے کہ علامہ زاہدی معتزلی ہیں، اوران کا تفرد فقہی روایات میں معتبر نہیں، چہ جائے کہ ان کی اپنی رائے ہو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ صاحب المجتبیٰ نے یہ اضافہ کر کے اس مسئلہ کو امام ابو یوسفؒ کے اصل مسلک کی طرف پھیرنے کی کوشش ہے، انہوں نے کوئی نئی چیز پیش نہیں کی ہے کہ اس کو ان کا تفرد قرار دے کر مسترد کر دیا جائے، اسی لئے صاحب مجمع الانہر علامہ شیخی زادہ (م ۱۰۷۸ھ) نے جب یہ مسئلہ البحر الرائق سے نقل کیا تو بلا کسی نکیر کے اور المجتبیٰ کا ذکر کئے بغیر پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ یہ پوری تشریح نقل کی:

"وفی البحر: ولا یکون التعزیر بأخذ المال من الجانی فی المذهب لکن فی الخلاصة سمعت عن ثقة أن التعزیر بأخذ المال إن رأی القاضی ذلک أو الوالی جاز، ومن جملة ذلک رجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال، ولم یذکر کیفیة الأخذ وأری أن یؤخذ فیمسک مدة للزجر، ثم یعیده، لا أن یأخذه لنفسه أو لبیت المال، فإن آیس من توبته یصرف إلی ما یری"۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ فتاویٰ بزازیہ کی تصنیف ۸۱۲ھ میں مکمل ہوئی (یہ بات فتاویٰ بزازیہ کے ٹائٹل پر لکھی ہوئی ہے) اس سے قبل کی جو فقہی کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں، جن میں تعزیر بالمال کا ذکر ہے، ان میں سے کسی میں بھی امام ابو یوسف

کے قول کی وہ تشریح موجود نہیں ہے جو علامہ بزازیؒ نے اپنے پیش روا کابر علامہ رکن الدین خوارزمی اور امام ظہیرالدین تُمُر تاشی کے حوالے سے نقل کی ہے، متقدم کتابوں میں حنفیہ کے معروف مسلک عدم جواز کے بالمقابل امام ابو یوسف کا قول جواز نقل کیا گیا ہے ،اوران میں کہیں مذکورہ بالا تاویل کا ذکر نہیں ہے، بطور مثال چند کتابوں کی عبارتیں پیش ہیں:

☆ ہمارے پاس قدیم ترین کتابوں میں علامہ ابن ہمام (متوفی ۸۶۱ھ) کی فتح القدیر شرح ہدایہ ہے، جو ساتویں صدی ہجری کے وسط میں لکھی گئی ،اس میں یہ مسئلہ مذکورہ تشریح سے ماوراء مذکور ہے، اورخاص بات یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے قول جواز کو اصالۃً ذکر کیا گیا ہے، اور عدم جواز کا قول اس کے بالمقابل دوسرے نمبر پر، اس سے خود ابن ہمامؒ کے ذاتی رجحان پر بھی روشنی پڑتی ہے:

”وعن أبی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقی الأئمة الثلاثة لا یجوز وما فی الخلاصة سمعت من ثقة أن التعزیر بأخذ المال إن رأی القاضی ذلک أو الوالی جاز ومن جملة ذلک رجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال مبنی علی اختیار من قال بذلک من المشایخ کقول أبی یوسف “۔

☆ ہدایہ ہی کی دوسری شرح "العنایۃ" جو علامہ بابرتیؒ (متوفی ۷۸۶ھ) کی تصنیف ہے، اور آٹھویں صدی ہجری میں لکھی گئی ہے، اس میں بھی امام ابو یوسف کے قول جواز ہی کا اصالۃً ذکر ہے، عدم جواز کا کوئی قول نقل نہیں کیا گیا ہے، اور امام محمدؒ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی کسی کتاب میں اس مسئلہ کا ذکر نہیں فرمایا ہے۔

”وَلَمْ یَذْکُرْ مُحَمَّدٌ التَّعْزِیرَ بِأَخْذِ الْمَالِ ، وَقَدْ قِیلَ: رُوِیَ عَنْ أَبِی یُوسُفَ أَنَّ التَّعْزِیرَ مِنْ السُّلْطَانِ بِأَخْذِ الْمَالِ جَائِزٌ ، وَذَکَرَ الْإِمَامُ التُّمُرْتَاشِیُّ أَنَّ التَّعْزِیرَ الَّذِی یَجِبُ حَقًّا لِلَّهِ تَعَالَی یَلِی إقَامَتَهُ کُلُّ أَحَدٍ بِعِلَّةِ النِّیَابَةِ عَنْ اللَّهِ تَعَالَی “۔

☆ علامہ زیلعی (متوفی ۷۴۳ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب "تبیین الحقائق " بھی بزازیہ سے بہت پہلے لکھی گئی، اس میں بھی امام ابو یوسفؒ کے قول جواز کے ساتھ وہ تاویل جڑی ہوئی نہیں ہے جو بزازیہ کے بعد کی تصانیف میں ملتی ہے۔

”قَوْلُهُ وَعَنْ أَبِی یُوسُفَ أَنَّ التَّعْزِیرَ بِأَخْذِ الْأَمْوَالِ جَائِزٌ لِلْإِمَامِ) وَعِنْدَهُمَا وَالشَّافِعِیُّ وَمَالِکٌ وَأَحْمَدُ لَا یَجُوزُ بِأَخْذِ الْمَالِ .ا هـ .کَاکِیٌّ وَفَتْحٌ وَمَا فِی الْخُلَاصَةِ: سَمِعْت مِنْ ثِقَةٍ أَنَّ التَّعْزِیرَ بِأَخْذِ الْمَالِ إنْ رَأَی الْقَاضِی ذَلِکَ أَوْ الْوَالِی جَازَ مِنْ جُمْلَةِ ذَلِکَ رَجُلٌ لَا یَحْضُرُ الْجَمَاعَةَ یَجُوزُ تَعْزِیرُهُ بِأَخْذِ الْمَالِ مَبْنِیٌّ عَلَی اخْتِیَارِ مَنْ قَالَ بِذَلِکَ مِنْ الْمَشَایِخِ لِقَوْلِ أَبِی یُوسُفَ .ا هـ .فَتْحٌ “۔

☆ ہندوستان میں امام فریدالدین دہلوی (متوفی ۷۸۶ھ) کی فتاویٰ تاتارخانیہ بھی بزازیہ سے قبل کی تصنیف ہے، انہوں نے بھی بہت سادہ انداز میں صرف امام ابو یوسف کے قول جواز کے نقل پر اکتفا کیا ہے اور عدم جواز کا ذکر ہی نہیں کیا، امام محمد کے

بارے میں لکھا کہ ان کی کتابوں میں تعزیر بالمال کا تذکرہ نہیں ہے۔

"ولم یذکرمحمدفی شیء من الکتب التعزیربأخذالمال وقیل: روی عن ابی یوسف ان التعزیروالزجرمن السلطان باخذالمال جائز،وفی الفتاویٰ الخلاصة التعزیربأخذالمال إن رأی القاضی والوالی جاز،ومن جملة ذلک الرجل لایحضرالجماعة یجوزتعزیره بأخذالمال"۔

صاحب تاتارخانیہ نے امام ابویوسف کا قول گوکہ قیل کے ذریعہ نقل کیا ہے، لیکن چونکہ اس باب میں یہی ایک واحد قول ہے اس لئے یہی معمول بہ اور مفتیٰ بہ قرار پاسکتا ہے، چنانچہ فتاویٰ الخلاصۃ کے حوالہ سے انہوں نے اس کو مؤید کیا ہے، یہ خود صاحب تاتارخانیہ کے ذہنی رجحان کی بھی عکاسی کرتا ہے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم مراجع میں امام ابویوسف کا قول جواز نہ ضعیف ہے اور نہ مؤول، یہ تاویل بعد میں داخل ہوئی، اور ہماری اکثر کتب فقہیہ میں مروج ہوگئی، علامہ ابن نجیمؒ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے امام خوارزمیؒ کی تاویل میں علامہ زاہدیؒ کی تاویل شامل کرکے مسئلہ کو اس کی اصل حالت کی طرف لوٹانے کی کوشش کی، اس لئے المجتبیٰ کی تاویل کے لئے شواہد کا مطالبہ کرنا شاید زیادتی ہوگی۔

علامہ زاہدیؒ کے اعتزال کا مسئلہ:

☆ علاوہ مسلک حنفی کے انتہائی مستند تذکرہ نگار علامہ قاسم بن قطلوبغا (متوفی ۸۷۹ھ) نے علامہ زاہدیؒ پر اعتزال کا الزام عائد نہیں کیا ہے، اور نہ ان کی تصانیف کو غیر معتبر قرار دیا ہے، بلکہ اپنی مشہور کتاب "تاج التراجم فی طبقات الحنفیۃ" میں بڑے احترام کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے، اس میں ان کی کتاب المجتبیٰ کا بھی ذکر موجود ہے:

"مختار بن محمود بن محمد الزاهدی الغرمینی نجم الدین أبو الرجاء شرح مختصر القدوری وله کتاب الغنیة وله رسالة سماها الناصریة صنفها لبرکة خان توفی سنة ثمان وخمسین وستمائة قلت الغزمینی بالمعجمتین نسبة إلی قصبة من قصبات خوارزم تفقه المذکور علی سدید الخیاطی وبرهان الأئمة وغیرهما وقرأ الکلام علی أبی یوسف السکاکی وقرأ الحروف والروایات علی الشیخ رشید الدین القندی وأخذ الأدب عن شرف الأفاضل وله من التصانیف غیر ما ذکر کتاب الأئمة وکتاب المجتبی فی الأصول والجامع فی الحیض والفرائض"۔

عدم جواز کی روایت کی حقیقت:

☆ اس جائزہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عدم جواز کو جو حنفیہ کا اصل مذہب کہا جاتا ہے وہ بھی ائمہ مجتہدین سے صراحتاً ثابت نہیں ہے بلکہ صرف اس بنیاد پر اس کو اصل مذہب قرار دیا گیا ہے کہ امام محمد کی کتابیں (جو مسلک حنفی کی اصل بنیاد ہیں)

تعزیر بالمال کے ذکر سے خالی ہیں، اس سے قیاس کیا گیا ہے کہ اگر یہ بھی اسلامی تعزیرات کا حصہ ہوتی تو امام محمدؒ ضرور اس کا تذکرہ فرماتے، گویا یہ استدلال بیانی نہیں سکوتی ہے، اور چونکہ صدیوں سے اس استدلال کو معتبر تسلیم کیا گیا ہے اس لئے ہم بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔

تعزیر بالمال کے منسوخ ہونے کا مسئلہ:

☆ یہاں ایک چیز اور بھی قابل ذکر ہے کہ تعزیر بالمال کے نسخ کی بات بھی بزازیہ کے عہد تک ماقبل کی کتابوں میں نہیں ملتی، بزازیہ نویں صدی ہجری کے اوائل میں لکھی گئی، بزازیہ اور اس سے ماقبل کی کتابوں میں تعزیر بالمال کے بارے میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف تو ملتا ہے، لیکن کسی کتاب میں عمومیت کے ساتھ تعزیر کے منسوخ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا گیا، نسخ کی بات غالباً سب سے پہلے دسویں صدی ہجری میں شروع ہوئی، جس کا ایک نمونہ علامہ ابن نجیم مصریؒ (متوفی ۹۷۰ھ) کی کتاب "البحر الرائق" ہے، ابن نجیم نے البحر الرائق میں "شرح الآثار" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ "تعزیر بالمال کا قانون ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا:

"وفی شَرْحِ الْآثَارِ التَّعْزِيرُ: بِالْمَالِ كان فی ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ نُسِخَ اھ"۔

" البحر الرائق" کے بعد کئی کتابوں میں یہ بات نقل کی گئی، اور پھر مشہور ہوتی چلی گئی۔

" شرح الآثار" سے مراد غالباً امام طحاویؒ (متوفی ۳۲۱ھ) کی شرح معانی الآثار ہے، حالانکہ امام طحاویؒ نے اپنی مشہور کتاب "شرح مشکل الآثار" میں صراحت کے ساتھ تعزیر بالمال کے نسخ کا انکار کیا ہے، مدینہ منورہ میں حرمت شکار کی بحث کے ذیل میں امام طحاویؒ نے یہ گفتگو کی ہے، اور حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ کے عہد کی مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ حکم عہد نبوت کے بعد بھی باقی رہا:

"وَكَمَا قَالَ بَعْدَ – -[403]تَحْرِيمِ صَيْدِ الْمَدِينَةِ: " مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَصِيدُ فِي شَيْءٍ مِنْهَا فَخُذُوا سَلَبَهُ ."وَقَدْ ذَهَبَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ: عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ إِلَى أَنَّ ذَلِكَ الْحُكْمَ كَانَ بَاقِيًا بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .فَمِنْ ذَلِكَ مَا قَدْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ فِيهِ كَمَا حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ رِجَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، عَنْ أَخِيهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ وَهُوَ ابْنُ بِلَالٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَغْدُو فَيَنْظُرُ إِلَى الْأَسْوَاقِ، فَإِذَا رَأَى اللَّبَنَ أَمَرَ بِالْأَسْقِيَةِ فَفُتِحَتْ، فَإِنْ وَجَدَ مِنْهَا شَيْئًا – -[405] مَغْشُوشًا قَدْ جُعِلَ فِيهِ مَاءٌ غُشَّ بِهِ أَهْرَاقَهَا . "قَالَ: وَنَحْنُ نَعْلَمُ أَنَّ اللَّبَنَ وَإِنْ غُشَّ فَفِيهِ بَعْدَ ذَلِكَ مَنْفَعَةٌ قَدْ يَنْتَفِعُ بِهِ أَهْلُهُ , وَهُوَ كَذَلِكَ , وَإِنَّ عُمَرَ لَمْ يُهْرِقْهُ إِلَّا خَوْفًا مِنْ أَهْلِهِ أَنْ يَغُشُّوا بِهِ النَّاسَ فَأَهْرَاقَهُ لِذَلِكَ , وَقَدْ يَحْتَمِلُ أَيْضًا أَنْ يَكُونَ مَنْعُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَهُ أَنْ يَجْعَلَ الْخَمْرَ خَلًّا لِمِثْلِ ذَلِكَ ؛ خَوْف

أَنْ يَخْلُوَ بِهَا فَيَأْتِيَ مِنْهَا مَا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ مِنْهَا، فَأَمَرَهُ بِإِهْرَاقِهَا لِذَلِکَ .وَقَدْ شَدَّ هَذَا التَّأْوِيلُ مَا كَانَ مِنْهُ فِي الزِّقَاقِ الَّتِي خَرَقَهَا , وَقَدْ رَأَى زِقَاقًا غَيْرَهَا , وَفِيهَا خَمْرٌ، فَلَمْ يَخْرِقْهَا إِذْ كَانَ أَهْلُهَالَمْ يَفْعَلُوافِيهَامِثْلَ الَّذِی فَعَلَهُ أَهْلُ تِلْکَ فِيهَا "۔

یہ کہنا تو شاید چھوٹا منہ بڑی بات ہو کہ غالبًا یہ غلط فہمی امام طحاویؒ کی "شرح معانی الآ ثار " کی ایک عبارت سے پیدا ہوئی:

"فکانت العقوبات جارية فيما ذكر في هذه الآثار على ما ذكر فيها حتى نسخ ذلک بتحريم الربا فعاد الأمر إلى أن لا يؤخذ ممن أخذ شيئا إلا مثل ما أخذ، وإن العقوبات لا تجب في الأموال بانتهاک الحرمات التي هي غير أموال "۔

حقیر راقم الحروف نے اپنے مقالہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، اور ہمارے مقالہ نگاروں میں مفتی فرید احمد بن رشید کاوی جمبوسر گجرات نے بھی اپنے مقالہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

حالانکہ شرح معانی الآ ثار کی مذکورہ عبارت کا پس منظر اور پوری بحث پیش نظر رہے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ امام طحاویؒ نے صرف مخصوص مسائل میں مخصوص نسخ کی بات کہی ہے، مطلق تعزیر مالی یا عقوبت مالیہ کے نسخ کا دعویٰ نہیں کیا ہے، اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ:

"امام طحاویؒ نے بیوی کی باندی سے زنا کی بحث میں پہلے حضرت سلمہ بن المحبقؓ کی روایت نقل کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے بصورت جبر باندی کو آزاد کرنے اور بصورت رضا زانی کی ملکیت میں دینے کا حکم فرمایا، اور زانی پر اس کی قیمت واجب قرار دی، اس کے بعد امام طحاویؒ نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ اب ایسی صورت میں محصن پر رجم اور غیر محصن پر کوڑے کی سزا آئے گی، حضرت نعمانؓ کی روایت سے حضرت سلمہ بن المحبقؓ کی روایت منسوخ ہوگئی:

"فهذاالذي ذكرالنعمان عندنا– ناسخ لماروا ه سلمة بن المحبق"۔

اس کے بعد نسخ کی تفصیل اور تاریخ بیان کی ہے کہ:

"وذلک أن الحكم كان في أول الاسلام يوجب عقوبات بأفعال في أموال ويوجب عقوبات في أبدان باستهلاک أموال"۔

کہ ابتداء اسلام میں قانون یہ تھا کہ خلاف شریعت عمل کے ارتکاب پر مالی عقوبت واجب ہوتی تھی اور کسی کا مال ہلاک کرنے پر بدنی عقوبت، مثلاً زکوۃ نہ دینے والے سے مقررہ زکوۃ کے علاوہ بطور جرمانہ اس کا آدھا مال بھی لیا جاتا تھا، گم شدہ اونٹ چھپانے والے سے اونٹ کی قیمت کے بقدر ضمان بھی لیا جاتا تھا، امام طحاویؒ نے حریسۃ الجبل اور ثمر معلق کی روایات بھی نقل کی ہیں جن میں بقدر قیمت ضمان کے علاوہ مزید ایک مثل مال بطور غرامت لئے جانے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی مالی جرائم میں ضمان مثل کے علاوہ

مزید مال بھی لے کر مظلوم کو دلوایا جاتا تھا، گویا دوہری عقوبت، لیکن بعد میں تحریم ربا، قانون زنا، اور قانون سرقہ وغیرہ احکام آجانے کے بعد عقوبت ثلین کا یہ قانون منسوخ ہوگیا، اور مقررہ طور پر ضمان مثل کا قانون نافذ ہوا:

”عن جده عبد الله بن عمرو بن العاص أن رجلا من مزينة أتى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال : يا رسول الله! كيف ترى فى حريسة الجبل؟ فقال: ليس فى شىء من الماشية قطع إلا ما أواه المراح فبلغ ثمنه ثمن المجن ففيه قطع اليد وما لم يبلغ ثمن المجن ففيه غرامة مثليه وجلدات نكال، قال: يا رسول الله! كيف ترى فى الثمر المعلق؟ قال: هو ومثله معه والنكال وليس فى شىء من الثمر المعلق قطع إلا ما أواه الجرين فما أخذ من الجرين فبلغ ثمنه ثمن المجن ففيه القطع وما لم يبلغ ثمن المجن ففيه غرامة مثليه وجلدات نكال فكانت العقوبات جارية فيما ذكر فى هذه الآثار على ما ذكر فيها حتى نسخ ذلک بتحريم الربا فعاد الأمر إلى أن لا يؤخذ ممن أخذ شيئا إلا مثل ما أخذ، وإن العقوبات لا تجب فى الأموال بانتهاک الحرمات التى هى غير أموال فحديث سلمة عندنا كان فى الوقت الأول فكان الحكم على من زنا بجارية امرأته مستكرها لها عليه أن تعتق عقوبة له فى فعله ويغرم مثلها لامراته، وإن كانت طاوعته ألزمها جارية زانية وألزمه مكانها جارية طاهرة، ولم تعتق هى بطواعيتها إياه وفرق فى ذلک بينما إذا كانت مطاوعة له وبينما إذا كانت مستكرهة ثم نسخ ذلک فردت الأمور إلى أن لا يعاقب أحد بانتهاک حرمة لم يأخذ فيها مالا بأن يغرم مالا ووجبت عليه العقوبة التى أوجب الله على سائر الزناة فثبت بما ذكرنا ما روى النعمان ونسخ ما روى سلمة بن المحبق، وأما ما ذكروا من فعل عبد الله بن مسعود رضى الله عنه ومذهبه فى ذلک إلى مثل ما روى سلمة، فقد خالفه فيه غيره من أصحاب رسول الله ﷺ“۔

لیکن اس کا مطلب یہ لینا درست نہیں کہ اب کسی جرم میں تعزیر مالی کی گنجائش نہیں رہی، علامہ عینیؒ نے شرح معانی الآثار کی شرح نخب الافکار میں اس حدیث کی شرح کے تحت ایک اعتراض کے جواب میں عہد صحابہ کے بعض واقعات سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بطور زجر و سیاست تعزیر مالی کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے اور یہ امام طحاویؒ کی گفتگو کے دائرہ سے خارج ہے:

”قلت: هذا محمول منهم على السياسة زيادة فى الزجر والعقوبة “

نخب الافکار میں تقریباً بیس (۲۰) صفحات میں یہ بحث پھیلی ہوئی ہے۔

اس طرح حنفیہ میں امام طحاویؒ سے امام بدرالدین عینیؒ تک کوئی بھی اس حدیث کے نسخ کا قائل نہیں ہے، یہ تمام تر اکابر علامہ ابن نجیمؒ سے قبل کے ہیں، علامہ علی بن خلیل علاء الدین طرابلسیؒ (م ۸۴۴ھ) صاحب معین الحکام بھی قدیم ترین حنفی فقہاء میں ہیں، ہمارے اکثر مقالہ نگاروں نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ تعزیر بالمال کے نسخ کا دعویٰ نقل اور استدلال دونوں لحاظ سے غلط ہے۔

فقہاء حنفیہ میں تعزیر مالی کے جواز کے قائلین:

سابقہ تفصیلات سے یہ امر منقح ہوچکا ہے کہ امام ابویوسفؒ کے قول جواز کو مرجوح اور کمزور بنانے کا سلسلہ دسویں صدی ہجری سے شروع ہوا، ماقبل کی صدیوں میں اسے عام طور پر ایک معتبر اور لائق اختیار قول کی حیثیت حاصل تھی، فقہاء اپنی کتابوں میں بلا تنکیر وتضعیف اس قول کو نقل کرتے تھے، اور متعدد بڑے فقہاء نے اس قول کی جانب اپنا رجحان ظاہر کیا تھا۔

ہمارے اکثر مقالہ نگاروں نے علامہ علاء الدین علی بن خلیل طرابلسیؒ (متوفی ۸۴۴ھ) کا رجحان نقل کیا ہے، جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے، بعض حضرات نے کچھ اور فقہاء کے بھی نام شمار کرائے ہیں، مثلاً:

☆ امام طحاوی کی رائے جواز کی ہے، وہ تعزیر مالی کو منسوخ قرار نہیں دیتے ہیں (عبارت آچکی ہے) (ڈاکٹر عبداللہ جولم)۔

☆ علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر بھی جواز کا رجحان رکھتے ہیں، عبارت پہلے گذرچکی ہے۔

☆ علامہ بابرتیؒ کی رائے بھی یہی ہے۔

☆ علامہ زیلعی بھی جواز کا رجحان رکھتے ہیں، عبارت پہلے گذرچکی ہے۔

☆ علامہ ابن البزاز الکردریؒ صاحب فتاویٰ بزازیہ بھی جواز کی رائے رکھتے ہیں (مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

☆ خاتمۃ المجتہدین علامہ رکن الدین ابویحیی الخوارزمی اور امام ظہیر الدین التمرتاشیؒ کی بھی یہی رائے ہے (مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی)۔

☆ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ کا رجحان مالی تعزیر کے جواز کی طرف ہے، اکثر کتابوں میں ان کا حوالہ دیا گیا ہے (مفتی شاہد علی قاسمی)۔

☆ مفتی عبدالقادر آفندی نے فتاویٰ بزازیہ کی عبارت کی بنیاد پر جواز کا فتویٰ دیا۔ (مولانا عبدالباسط قاسمی، مولانا ابراہیم بن سلیمان وغیرہ)۔

☆ صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی جواز کا رجحان رکھتے ہیں (مولانا ارتقاء الحسن کاندھلوی وغیرہ)۔

عبارت پہلے نقل کی جاچکی ہے۔

☆ علامہ ابن نجیمؒ کا رجحان بھی البحر الرائق میں اسی کے قریب نظر آتا ہے، عبارت گذرچکی ہے (مولانا ارتقاء الحسن کاندھلوی وغیرہ)۔

☆ علامہ نجم الدین الزاہدی الغزمینیؒ صاحب المجتبیٰ (متوفی ۶۵۸ھ) بھی جواز کے قائل ہیں (مولانا محمد روح اللہ قاسمی)۔

☆حنفی فقیہ قاضی نجم الدین طرطوسی (متوفی ۷۵۸ھ) بھی تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں، (مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی وغیرہ)۔

"فالذی یبرطل علی القضاء یستحق عندی التعزیر بالمال والضرب"

☆علامہ مخدوم جعفر سندھیؒ بھی جواز کے قائل ہیں، گوکہ اس کی عام اشاعت کو وہ سلاطین زمانہ کے خوف سے مناسب نہیں سمجھتے (مفتی محمد عثمان بستوی)۔

"ان روایة جوازالتعزیربأخذالمال ینبغی أن لایطلع علیه سلاطین زماننا؛ لأنهم بعدالإطلاع قدیتجاوزون حدالأخذ بالحق الی التعدی بالباطل"۔

☆ماضی قریب کے علماء میں ابوالحسنات حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ بھی تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں، بہت سے مقالہ نگاروں نے آپ کا نام ذکر کیا ہے:

"صرح فی الخلاصة والظهیریة بجوازالتعزیربأخذالمال وإحراق البیت ونحوذلک"۔

☆حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحبؒ بانی امارت شرعیہ بھی جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔

☆حضرت مولانا عبدالحق حقانیؒ بھی امام ابویوسفؒ کے قول جواز کو ترجیح دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ مسئلہ قضا کا ہے اور باب قضا میں امام ابویوسف کے قول کو ترجیح حاصل ہوتی ہے (مفتی سید ابراہیم قاسمی حسامی)۔

☆علامہ شمس الحق افغانی بھی جواز کے قائل ہیں (مولانا فیاض عالم)۔

"یجوزالتعزیرباخذالمال وهومذهب أبی یوسف، وبه قال مالک، ومن قال: إن العقوبة المالیة منسوخة فقط غلط وفعل الخلفاء الراشدین وأکابرالصحابة لهابعدموته ﷺ مبطل لدعویٰ نسخها، والمدعون للنسخ لیس معهم سنة ولإجماع"۔

☆حضرت مفتی نظام الدین اعظمیؒ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند بھی جواز کے قائل تھے (ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

☆قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ بانی بھی جواز کی رائے رکھتے ہیں (مولانا فیاض عالم)۔

☆حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ بھی جواز کے قائل ہیں (مولانا عزیر اختر قاسمی)۔

☆مفتی تقی عثمانی صاحب بھی جواز کے وکیل ہیں، اور آپ نے اس کی اہم بنیادوں کی نشاندہی کی ہے، اکثر مقالہ نگار حضرات نے آپ کی تحقیقات علمیہ سے استفادہ کیا ہے۔وغیرہ۔

یہ تقریباً پندرہ (۱۵) فقہاء متقدمین اور آٹھ (۸) علماء متاخرین یعنی کم از کم چوبیس (۲۴) شخصیات کے اسماء گرامی ہیں، جو اس حقیر اور دیگر علماء کے مقالات میں موجود ہیں، اور ان میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو دسویں صدی ہجری سے پہلے کے ہیں، جن کا عرصہ

عہد ائمہ مجتہدین کے بعد تقریباً سات آٹھ صدیوں تک محیط ہے، اور جو بہر حال زمانہ مابعد کے لحاظ سے خیر القرون کے ایام تھے، دسویں صدی ہجری سے رجحانات کی تبدیلی کا سلسلہ شروع ہوا، اس کے پیچھے ممکن ہے سلاطین زمانہ کے مظالم کا خوف ہو یا اور کوئی سبب، اس کے بعد جو فقہی کتابیں اور مجموعے تیار ہوئے ان میں بالعموم عدم جواز کے قول کو اصل مسلک حنفی کی حیثیت سے نمایاں کیا گیا، اور امام ابو یوسفؒ کے قول جواز کو مختلف دلائل وتاویلات کے ذریعہ کمزور ظاہر کیا گیا، مگر عہد اخیر کی ان چار پانچ صدیوں میں اگر بڑے فقہاء اور مصنفین کی فہرست بنائی جائے تو شاید وہ مذکورہ تعداد تک نہ پہونچ سکے، یوں بھی سلف ہر حال میں خلف پر فضیلت رکھتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ رجحانات میں ایک بار پھر تبدیلیاں آرہی ہیں، اور علماء کی اکثریت جواز کے رجحان کی طرف بڑھ رہی ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی جیسے معتبر اور عالمی فقہی ادارہ کے مؤقر شرکاء نے اس موضوع پر جو تحریریں ارسال کی ہیں ان کی تعداد ایک سو چودہ (۱۱۴) ہے، ان میں چند مقالہ نگاران کا استثنا کر کے اکثر حضرات نے جواز کا رجحان پیش کیا ہے، عدم جواز کے قائلین درج ذیل ہیں:

مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا عطاء اللہ بخاری، مولانا عبدالمالک مغیثی، مفتی نعمت اللہ قاسمی کھگڑیا، مفتی محمد صادق مبارکپوری، مولانا عبدالرزاق قاسمی، مولانا تبریز عالم حلیمی قاسمی، مفتی عبدالمنان صاحب آسام۔

کل آٹھ (۸) اشخاص۔ ممکن ہے میری نگاہ سے کوئی اور نام رہ گیا ہو۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ باقی تقریباً تمام مقالہ نگار تعزیر بالمال کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے ہیں، اور کسی نہ کسی درجہ میں وہ اس کے جواز کے قائل ہیں، اس سے میرے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ اب رجحانات پھر کروٹ لے رہے ہیں، اور موجودہ صدی گذشتہ صدیوں سے ہم دوش ہو رہی ہے۔

تعزیر بالمال کے بارے میں دیگر ائمہ کا مسلک:

سوال نمبر ۵: ائمہ ثلاثہ یا مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال اس بابت کیا ہیں؟ کیا ان مذاہب میں کچھ گنجائش منقول ہے؟

تمام ہی مقالہ نگاروں نے اس موضوع پر تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے، اور سب کا مشترکہ احساس یہ ہے کہ تینوں مذاہب فقہیہ کا اصل مسلک گو کہ عدم جواز ہے، لیکن ہر مذہب میں جواز کے قائلین بھی بہت مضبوط پوزیشن میں موجود ہیں، مثلاً:

مالکیہ:

مالکیہ کا اصل مذہب عدم جواز ہے۔ لیکن مشہور مالکی فقیہ علامہ ابن فرحونؒ نے مالکیہ کا مسلک جواز نقل کیا ہے اور تعزیر مالی کی کئی ایسی مثالیں پیش کی ہیں جو خود امام مذہب حضرت امام مالکؒ سے منقول ہیں۔ بلکہ بعض علماء نے تو اسی کو مالکیہ کا قول مشہور کہا ہے، جیسا کہ ''فتاویٰ ابن تیمیہ'' اور ''الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ'' وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔

شافعیہ:

شافعیہ کے یہاں خود حضرت امام شافعیؒ ہی سے دو قول منقول ہیں، ایک عدم جواز کا جو آپ کا قول جدید ہے، دوسرا جواز کا ہے جو قول قدیم ہے۔

☆ علامہ نوویؒ نے بعض صورتوں میں قول قدیم کو اور زیادہ تر میں قول جدید کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔

☆ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام شافعیؒ نے قول جدید کو اس لئے اختیار فرمایا کہ تعزیر مالی کا جواز منسوخ ہو چکا تھا، لیکن علامہ نوویؒ نے اس کو رد کر دیا ہے، وہ نسخ کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک زمانۂ نبوت کے بعد بھی صحابہ حسب مصلحت تعزیر مالی کے قانون پر عامل رہے، اور کوئی ایسا ثبوت موجود نہیں ہے جس سے تعزیر مالی کو منسوخ کہا جا سکے، اور نہ تاریخ معلوم ہے، شوافع میں امام یحیٰ اور ہادویہ کا فتویٰ جواز کا تھا۔

☆ امام غزالیؒ اور علامہ ضیاء الدین القرشیؒ بھی جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔

حنابلہ:

حنابلہ کے یہاں بھی اصلاً تعزیز بالمال جائز نہیں ہے، مذہب حنبلی کی تمام کتابوں میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

لیکن مسلک حنبلی کے دو ممتاز فقہاء علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم کی رائے اس سے مختلف ہے، بلکہ ان حضرات نے ان لوگوں کی تغلیط کی ہے جو علی الاطلاق عدم جواز کی نسبت امام احمد بن حنبلؒ یا امام مالک کی طرف کرتے ہیں، علامہ ابن تیمیہؒ کے نزدیک علی الاطلاق مالی سزاؤں کو ناجائز کہنا درست نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کا عمل تعزیر بالمال پر رہا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا جواز منسوخ نہیں ہوا تھا۔

علامہ ابن قیمؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ تعزیز مالی کے نسخ پر کتاب وسنت اور اجماع امت سے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

اس تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعزیر بالمال کے مسئلہ پر کسی مذہب فقہی میں اتفاق رائے موجود نہیں ہے، اور ہر مسلک میں کچھ مضبوط علماء عدم جواز کے بالمقابل جواز کے حامی اور وکیل رہے ہیں، جب کوئی مسئلہ اس قدر مختلف فیہ بن جائے تو اس کی شدت خود بخود کم ہو جاتی ہے، اور دونوں جانب گنجائش کی راہ نکل آتی ہے، ایسی صورت میں مسئلہ حلال وحرام کے بجائے اصول کے مطابق زیادہ سے زیادہ مکروہ وغیر مکروہ کا رہ جاتا ہے، اور اگر دلیلوں کی بنیاد پر کسی جانب بھی انسان کا میلان ہو وہ قابل طعن نہیں ہو سکتا، اور نہ اس کو خروج عن المذہب قرار دیا جا سکتا ہے۔

میرے عرض کے دائرے میں چونکہ تعزیر مالی کے جواز وعدم جواز کے دلائل کی بحث نہیں ہے ورنہ میں عرض کرتا کہ تعزیر مالی شریعت اسلامیہ کے مزاج کے منافی نہیں ہے، بلکہ گناہوں سے روکنے اور جرائم کے سد باب کے لئے اکثر یہ مفید ثابت ہوتے ہیں، اکثر مقالہ نگاروں نے اس موضوع پر گفتگو کی ہے، میں نے بھی اپنے مقالہ میں خامہ فرسائی کی ہے، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

عرض مسئلہ:

مالی تعزیر-شریعت اسلامی کی روشنی میں
(سوال نمبر ٦ تا ٩)

مولانا نور الحق رحمانی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی طرف سے اٹھائیسویں فقہی سمینار جو راجستھان میں منعقد ہونے والا ہے اس کے موضوع ''تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں'' کے سوال نمبر ٦ تا ٩ کے عرض مسئلہ کی ذمہ داری اس عاجز کے سپرد کی گئی ہے، اس موضوع پر اکیڈمی کی طرف کل ١١٦ مقالات موصول ہوئے جس کے سوال درج ذیل ہیں:

سوال نمبر ٦- ایسے حالات میں جبکہ جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے وعظ اور زبانی فہمائش کافی نہ ہو اور جسمانی سزا کا بھی کوئی موقع نہ ہو تو کیا ضرورۃً جواز وگنجائش کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے؟ اس بنیاد پر کہ یہ مذہب کا قول ضعیف ہے اور دوسرے مذاہب میں بھی کچھ نہ کچھ جواز وگنجائش کی بات آتی ہے۔ اور ضرورت کے مواقع میں مذہب کے قول ضعیف اور مذہب غیر پر فتوی دینے اور عمل کرنے کے جائز ہونے پر اتفاق ہے۔

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگاروں نے جواز کے قول کو اختیار کیا ہے، جبکہ ایک معتد بہ تعداد ایسے حضرات کی بھی ہے جنہوں نے مذہب کے راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق اسے ناجائز قرار دیا ہے۔

اس سلسلہ میں مفتی محمد عثمان بستوی تحریر فرماتے ہیں: ''زمانہ موجودہ میں تعزیر تاخذ المال کا سرکاری اور غیر سرکاری طور پر ایسا عموم ورواج ہے جس کی ضرورت سے انکار کرنا حقیقت سے آنکھیں بند کرنا ہی کہلائے گا، عرف ورواج کے ساتھ ساتھ زمانہ کا مزاج بھی اس کا عادی ومتقاضی ہے، نیز دلائل کے اعتبار سے گنجائش بھی موجود ہے، لہذا تعزیر باخذ المال والے اقوال پر فتوی دینا گرچہ قول مرجوح اور دوسرے ائمہ کے اقوال کے مطابق جائز ہے، تعزیر کے جواز کے لئے ایک ضروری اور اہم شرط یہ ہے کہ تعزیر بذات خود معصیت پر مشتمل نہ ہو، اسی لئے حلق لحیہ وغیرہ سے تعزیر کرنا جائز نہیں، لہذا تعزیر بأخذ المال میں بھی اس شرط کو ملحوظ رکھنا لازم ہے کہ وہ ربا، ظلم، غصب پر مشتمل نہ ہو، لہذا مدیون پر دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرے، اس سے مالی جرمانہ وصول کر کے اپنے

☆ امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

مصرف میں خرچ کرنا ریا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ہرگز جائز نہ ہوگا''(حاشیہ فقہ البیوع ۱/ ۲۰۸)، اس لئے تعزیر بالمال میں لئے جانیوالے مال کو ذاتی مصرف میں خرچ کرنا لازم ہوگا جیسا کہ روایات وغیرہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

جواز کی رائے مفتی محمد شاہجہاں ندوی بھی رکھتے ہیں، وہ لکھتے ہیں: بڑھتے ہوئے جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے ضرورۃ جواز وگنجائش کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے، جبکہ......زبانی فہمائش کافی نہ ہو، اس کے بعد انہوں نے اس کے دلائل میں قرآن کریم کی دو آیت پیش کی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد ضرار کو جلانے اور ڈھانے کا حکم دیا، آپ کا عمل آیت کی تفسیر ہے، لہذا یہ آیت تعزیر بالمال کے جواز کی دلیل ہے۔

دوسری آیت سورۂ حشر کی ہے، یعنی ''**ماقطعتم من لينة أو تركتموها قائمة على أصولها، فبإذن الله ويخذى الفاسقين**''(سورۂ حشر: ۵)، محاصرہ کے دوران رسول کریم ﷺ نے یہود بنی نضیر کے کھجور کے درخت کاٹنے کا حکم دیا، تا کہ وہ خود سپردگی کردیں، اور اس کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی، اسی طرح زکاۃ روکنے والے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**ومن منعها فإنا آخذوها منه**''(ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۵۷۵)، یعنی جو شخص اپنے سائمہ اونٹ کی زکوۃ نہ دے تو ہم زکوۃ بھی لیں گے اور اس کے نصف اونٹ بھی لیں گے، اس حدیث میں نصف اونٹ کا لینا مالی سزا کے طور پر ہے۔

مولانا اختر امام عادل نے بھی موجودہ حالات میں جواز کے قول کو ترجیح دی ہے، وہ لکھتے ہیں: ان مضبوط دلائل کے پیش نظر جمہور کے مقابلے میں سترذمہ قلیلہ کا مسلک موجودہ حالات میں مجھے لائق ترجیح محسوس ہوتا ہے، اور پھر اس کے وجوہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ تصور خلاف واقعہ ہے کہ سزا اسلام کے مزاج کے خلاف ہے، اگر مالی سزائیں اسلام کے مزاج کے خلاف ہوتیں تو مختلف صورتوں میں دیت یا مالی کفارات کا حکم صادر نہ کیا جاتا، جب حدود اور کفارات کی صورتوں میں مالی سزائیں موجود ہیں تو تعزیرات میں مالی سزا کی گنجائش کیوں ممکن نہیں، فرق صرف تعیین اور عدم تعیین کا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تعزیر کا تعلق جب حاکم کی صوابدید سے ہے تو اس سے مالی عقوبات کے استثناء کے کوئی معنی نہیں، بعض صورتوں میں مالی سزائیں جتنی موثر ہوتی ہیں، غیر مالی سزاؤں کا وہ اثر نہیں ہوتا۔

آج کے دور میں مختلف معاملات میں مالی تعزیرات کا رواج اتنا عام ہوگیا ہے کہ اس سے بچنا بہت مشکل ہے، اسلامی قانون میں عرف اور تعامل کی بڑی اہمیت ہے اور اس کو ترک کرنے میں جو حرج ہوسکتا ہے اس کے لئے رفع حرج بھی معیار بن سکتا ہے۔

فقہاء کا اتفاق ہے کہ تعزیرات کے معیار میں زمان ومکان کے لحاظ سے فرق ہوسکتا ہے، اس دور میں مالی جرمانہ کو جس طرح ہر مسئلہ میں بنیاد بنالیا گیا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ قدیم معیار ترک کرکے تعزیر کے نئے معیار(مالی تعزیر) کو اختیار کیا جائے، ''**قال القرافي: إن التعزير يختلف باختلاف الإعصار والأمصار، فرب تعزير في بلاد يكون إكراما في بلد آخر كقلع الطيلسان بمصر تعزير وفي الشام اكرام**''(الفروق)۔

دلائل سے قطع نظر عصر حاضر میں جسمانی سزاؤں کا اختیار صرف حکومتوں کے ہاتھ میں ہے، حکومت کی اجازت کے بغیر کسی کو جسمانی سزا دینا غیر قانونی اور باعث فتنہ ہے، ایسی صورت میں مالی تعزیرات کے علاوہ کوئی دوسری صورت باقی نہیں رہ جاتی، لہذا بصورت مجبوری حضرت امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ چونکہ خود قاضی، بلکہ قاضی القضاۃ تھے اور ان چیزوں کا عملی تجربہ بھی رکھتے تھے، اس لئے ان کا قول دلائل کے ماسوا تجربات اور واقعیت پر بھی مبنی ہے اور چونکہ تعزیرات کا تعلق زیادہ تر محکمہ قضاء سے ہے، اس لئے ان میں امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح حاصل ہونی چاہئے۔

مولانا ڈاکٹر عبداللہ جولم لکھتے ہیں: دونوں اقوال کی دلیلوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر بالمال کے جواز کا قول راجح ہے، جیسا کہ احادیث، خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔

مولانا حافظ کلیم اللہ عمری بھی یہی رائے رکھتے ہیں، وہ لکھتے ہیں: مذکورہ حالات میں اور مذکورہ اسباب اور ضرورت کی بنیاد پر مناسب اور معقول مالی جرمانہ کے جواز کا فتوی دیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس موضوع میں سنت سے بے شمار دلائل موجود ہیں، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے فیصلے ثابت ہیں، بلکہ ائمہ کرام سے بھی جواز کے فتوی منقول ہیں، لہذا یہ کوئی ضعیف یا مرجوح قول نہیں ہے، کہ اسے قبول کرنے میں تامل سے کام لیا جائے، حق بات یہ ہے کہ اس قول پر عمل درحقیقت عمل بالحدیث الصحیح ہے، مفتی نعمت اللہ قاسمی کھگڑیا کسی بینچ یا سوسائٹی کو تعزیر بالمال کا اختیار دینا صحیح نہیں سمجھتے، صرف دار القضاء کو اس شرط کے ساتھ اختیار دینے کو جائز سمجھتے ہیں کہ وہ مال کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائے تو اسے اس کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس سے زیادہ تنزل نہیں اختیار کیا جاسکتا۔

مولانا ظفر عالم ندوی لکھتے ہیں: موجودہ دور میں حکومتوں کی طرف سے ایسے قوانین اور ضابطے مقرر ہیں جن کے پیش نظر تعلیمی ادارے غلطی کرنے والے کارکنان اور طلبہ کو کوئی سزا نہیں دے سکتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نظام قابو میں نہیں رہ پاتا ہے، اس لئے محض نظام کو قابو میں رکھنے اور خاطئین کی اصلاح کے لئے اگر مالی تعزیر کی جاتی ہے تو اس سے نظام پر کافی حد تک قابو پایا جاسکتا ہے، لہذا اس اہم مقصد کی خاطر اگر مالی تعزیر ہو تو اس کی گنجائش ہونی چاہئے، فقہاء نے تعزیر کے سلسلے میں جو کلام کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات وزمانہ کے پیش نظر حکام کو اس میں تبدیلی کا حق ہے، کیونکہ زمان ومکان کی رعایت احکام کی تطبیق وتنفیذ میں ضروری ہے، ورنہ احکام بے مقصد، بے جگہ اور بے روح ہو جائیں۔

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی صاحب تحریر فرماتے ہیں: یہ سیکولر ڈیموکریسی یعنی غیر مذہبی جمہوریت کا زمانہ ہے، شخصی حکمرانی کا دور نہیں ہے، اس دور کی حکومتوں میں مالی جرمانہ کے فیصلے کورٹ اور عدالت سے ہوا کرتے ہیں اور اس جرمانہ کی رقم کو حکمران شخص یا حکمران جماعت براہ راست اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لاسکتی، بلکہ اس کے مصارف کا تعین بھی سرکاری عدالت ہی کرتی ہے، اور جرمانے کے مال سے شخص سے واحد یا جماعت کے مفاد کا تعلق نہیں ہوتا، بلکہ سرکاری قوانین کے مطابق وہ سرکاری خزانے کا حصہ ہوتا ہے، جو رفاہ عام میں خرچ ہوتا ہے، ایسی صورت حال میں دینی، سماجی واخلاقی نظم وضبط قائم رکھنے کے لئے مالی جرمانہ وصول کرنے

کی گنجائش نکلتی ہے۔

مفتی سعید الرحمٰن فاروقی ممبئی لکھتے ہیں: موقع ضرورت میں تعزیر بأخذ المال کے قول پر فتوی دینا بسا اوقات مستحسن اور بہتر معلوم ہوتا ہے، متبعین فقہاء اربعہ کا ایک گونہ جواز پر اتفاق ہے، لیکن اس صورت میں "تعزیر بأخذ المال الی مدة"، ہو، تا کہ تحفظ مال مسلم سے متعلقہ نصوص کی رعایت بھی ہو جائے اور قول جواز پر عمل بھی۔

مفتی ثناء الہدی قاسمی لکھتے ہیں: تعزیر بالمال کا حکم منسوخ نہیں ہے، بلکہ یہ سنت متوارثہ کے قبیل سے ہے، احادیث مبارکہ میں اس کی نظیر ملتی ہے، متاخرین علماء وفقہاء ہند جس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا شمس الحق افغانیؒ، مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ وغیرہم نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، خصوصا اس شکل میں جبکہ جسمانی تعذیب قانونا جرم ہے اور وعظ وفہمائش کی ساری کوششیں ناکام ہوگئی ہوں، ایسے میں ضرورتا جواز وگنجائش کے قول پر فتوی دیا جا سکتا ہے، ہمارے عہد کے جو مسائل ہیں ان سے نمٹنے کے لئے تعزیر بالمال کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، تعلیمی اداروں میں طلبہ کے درمیان اس قدر غفلت، کوتاہی اور نشوز پایا جا رہا ہے کہ وعظ وتنبیہ سے اس پر قابو نہیں پایا جا رہا ہے، عام لوگوں کا مزاج اس قدر غیر شرعی اور غیر اخلاقی بن گیا ہے کہ انہیں اپنے وعدوں کا پاس ولحاظ نہیں رہتا، ہاؤسنگ سوسائٹیوں وغیرہ میں قسطوں کی ادائیگی بروقت نہیں ہو پاتی، ایسے میں کوتاہی، غفلت، نشوز اور وعدہ خلافی پر قابو پانے کے لئے مالی جرمانہ عائد کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کو استحصال کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ یہ ایک غیر اخلاقی کاروائی ہوگی، یہ جواب مفتی صاحب کی طرف سے سوال نمبر ۶ تا ۹ کے لئے دیا گیا ہے۔

مفتی راشد حسین ندوی تعزیر بالمال کے جواز کے دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان دلائل کی بنیاد پر یہ عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ خواہ انفرادی طور پر اس کے جواز کا فتوی دینا ممکن نہ ہو، لیکن اگر سمینار میں اکٹھا ارباب فتوی اور اہل تحقیق اس پر متفق ہو جائیں تو اس اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ اس پر فتوی دینا جائز ہوگا، خاص طور سے اس وقت جب مولانا تقی عثمانی صاحب اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا اس طرف رجحان ہے۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی تعزیر مالی کے جواز سے متعلق احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: آج کی صورت حال کی بابت کہا جا سکتا ہے کہ اب سزا دینے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی ہے، کیونکہ بدنی ولسانی سزا بہت سے فتنوں کے دروازوں کو کھولنے والی ہے، اب صرف مالی تعزیر بچ گئی ہے، اگر اس کو نافذ کیا جائے تو سماج پاکیزہ ومقدس بن سکے گا، اس لئے اس ناچیز کی رائے مالی جرمانہ کا نفاذ بتقاضائے مصلحت وضرورت بہت مناسب رہے گا۔

مولانا محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی لکھتے ہیں: تاہم جواز کا قول مختلف دلائل وبراہین اور دوسرے فقہاء کے قول سے مؤید ہے، جیسا کہ پیچھے بات تفصیل سے آ چکی ہے، پس ایسے حالات میں جبکہ جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے وعظ اور زبانی فہمائش کافی نہ ہو اور جسمانی سزا کا بھی موقع نہ ہو تو ضرورۃ قول ضعیف تعزیر مالی کے جواز پر فتوی دیا جا سکتا ہے۔

مفتی جنید پالنپوری تعزیر مالی کو ناجائز کہنے والوں کے تینوں دلائل کا جواب دینے کے بعد اور احادیث سے اس کے جواز کی

دلیل پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: حاصل یہ کہ غرامت مالیہ کا ثبوت احادیث مبارکہ، عبارات وفقہاء سے ہے، نیز حالات بھی اس کے متقاضی ہیں جس کی بنیاد پر اکابرین مفتیان کرام بھی اس کو ترجیح دے رہے ہیں، لہذا اس کی گنجائش ہوگی۔

مفتی محمد ارتقاء الحسن کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں: فی زمانا یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جرائم ومعاصی کے سد باب کے لئے زبانی فہمائش اور وعظ ونصیحت بے سود ثابت ہور ہے ہیں اور جسمانی سزائیں ملکی قوانین کی وجہ سے ناقابل عمل ہو چکی ہیں، بنابریں اس دور میں تعزیر باخذ المال کی ناقابل انکار ضرورت پیدا ہوگئی ہے، نیز ضرورت ہی کی بنیاد پر اب ساری دنیا میں تعزیر باخذ مال کا تعامل ہو چکا ہے، پرائیویٹ ادارے ہی نہیں، بلکہ بااختیار عدالتوں میں بھی اس کا چلن عام ہے، لہذا احقر کی رائے ہے کہ درج ذیل بنیادوں پر امام ابویوسف کے قول کو اختیار کرنا چاہئے اور اس کے بعد انہوں نے اس کی پانچ بنیادیں ذکر کی ہیں: ا-عدم جواز کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے، امام ابویوسف چونکہ خود قاضی تھے، اس لئے ان کا فتوی ضرورت وافادیت کے احساس اور تجربہ پر مبنی ہے، امام ابویوسف اس مسئلہ میں تنہا نہیں ہیں، بلکہ ہر دور میں اکابر فقہاء ومفتیان نے ان کے قول کو ترجیح دی ہے، اگرچہ تعزیر بأخذ المال سے حکام کے لئے دوسروں کے اموال پر دست اندازی کا خدشہ درست ہے تاہم اس دور میں اس کی قانونی روک تھام کی جاسکتی ہے، اور پھر اس کی تائید میں انہوں نے شیخ عبد القادر عودہ کی تحریر سے ایک اقتباس نقل کیا ہے جس میں انہوں نے اس کی وضاحت کی ہے کہ لوگوں کے مال باطل طریقے پر کھانے کے خطرہ کا اب محل باقی نہیں ہے، تعزیر باخذ المال کی ضرورت بھی متحقق ہو چکی ہے اور تعامل بھی ہے اور فقہ حنفی میں ضرورت وحاجت نیز تعامل کی بنیاد پر قول ضعیف یا مذہب غیر پر فتوی دینے کی گنجائش ہے۔

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی نے بھی ضرورت کی وجہ سے ضعیف قول یا دوسرے فقہاء کے نقطہ نظر سے استفادہ کی رائے ظاہر کی ہے۔

مولانا رحمت اللہ ندوی لکھتے ہیں: میرے نزدیک ضرورۃ جواز اور گنجائش کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے، بلکہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے کامیاب اور مفید طریقہ کچھ اور نہیں ہے تو راجح ہے، جواز کی رائے راجح اور دلائل قوی ہیں، اس قول کو ضعیف کہنا آسان نہیں ہے۔

مفتی عارف باللہ قاسمی نے مذکورہ بالا دلائل کی بنیاد پر مالی تعزیر کو جائز کہا ہے۔

مولانا نعیم اختر قاسمی نے تعزیر مالی کے جواز وعدم جواز کے قائلین کے دلائل سے بحث کرتے ہوئے مجوزین کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں: مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر موجودہ زمانے میں امام ابویوسفؒ کے قول پر فتوی دینے کی گنجائش ہونی چاہئے اور اس کے چند وجوہ ذکر کئے ہیں:

امام ابویوسف کا قول بلا دلیل نہیں ہے، وہ قاضی القضاۃ تھے، لہذا باب قضاء میں ان کے قول کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، ان کے قول کا جو مطلب بیان کیا گیا ہے یعنی کچھ مدت کے لئے مال کو روکنا، پھر واپس کر دینا، یہ خود ان سے منقول نہ ہونے کی وجہ سے خلاف ظاہر ہے، مالی تعزیر شریعت کے قانون جرم وسزا کے خلاف نہیں، بلکہ دیت وکفارات وغیرہ میں اس کا تصور موجود

ہے،تعزیر کا مقصد جس طرح جسمانی تعزیر سے پورا ہوتا ہے، مالی تعزیر سے بھی بحسن وخوبی پورا ہوتا ہے،موجودہ تمدنی دنیا میں مالی جرمانہ کا تعامل عام ہو چکا ہے اور قدم قدم پرنظم ونسق برقرار رکھنے کے لئے جسمانی تعزیر کے مقابلے میں مالی جرمانہ کہیں زیادہ آسان، مفید اور قابل عمل ہے،موجودہ وقت میں اس میں ظلم وتعدی کا اندیشہ بہت کم ہے،بعض اہم اور بڑے فقہاء متاخرین بھی اس کے مؤید ہیں،تعزیر کی نوعیت میں سماج، اشخاص اور زمان ومکان کی تبدیلی کا بھی دخل ہوتا ہے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی نے سوال نمبر ٦ تا ٨ چاروں سوالوں کے جواب میں ضرورۃ جواز وگنجائش کے قول پر فتوی دینے کو درست قرار دیا ہے، جبکہ مفتی صادق مبارکپوری کے نزدیک جواز کے قول کی طرف رجوع کرنے اور فتوی دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، چاروں سوالوں کے جواب میں انہوں نے مالی جرمانہ کو ناجائز قرار دیا ہے۔

مولانا جمیل اختر ندوی کے نزدیک مالی تعزیر کا جواز نکلتا ہے،معلم کو حق تعزیر حاصل ہے، کسی بھی ادارہ کے نظم ونسق کو برقرار رکھنے کے لئے تعامل کی وجہ سے مالی جرمانہ کی گنجائش ہے۔

سوال نمبر ۷-۸-۹-تعلیمی اداروں، ہاؤسنگ سوسائٹیوں ،خاندانی پنچایتوں اور کاروباری انجمنوں کی طرف سے مالی جرمانہ مقرر کرنے کا حکم؟

مفتی نذر توحید لکھتے ہیں: آج کل تعلیمی اداروں میں طلبہ کی مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ عائد کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے،لیکن اس کے بعد دوسوالوں یعنی ۸ اور ۹ کے جواب میں مفتی صاحب لکھتے ہیں:تعلیمی اداروں کے علاوہ بھی بہت سے ادارے نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کا نظام بناتے ہیں،اس کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے، چونکہ ظلم کے دروازے کھل جائیں گے۔

برادریاں اور خاندانی پنچایتیں نیز کاروباری انجمنیں بھی بغرض اصلاح اس قسم کے نظام بناتی ہیں اس کی بھی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔

جبکہ مفتی اختر امام عادل صاحب نے ان تینوں سوالوں کے جواب میں جواز کے قول کو اختیار کیا ہے،چنانچہ وہ تعلیمی اداروں میں طلبہ کی کوتاہیوں پر اداروں کی طرف سے مالی جرمانہ عائد کرنے کے سلسلے میں لکھتے ہیں:اگر واقعتا اس کے بغیر تعلیمی مقاصد پورے ہونے میں دشواری ہو تو مالی جرمانہ کی گنجائش ہے، اور سوال نمبر ۸ کے جواب میں لکھتے ہیں:تعلیمی اداروں کے علاوہ بھی بہت سے ادارے نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کا نظام بناتے ہیں مثلاً ہاؤسنگ سوسائٹیاں وغیرہ، تاکہ لوگ مقررہ وقت پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا کردیا کریں، اگر یہ اعتدال کے ساتھ ہو اور اس کی فی الواقع ضرورت ہو تو اس کی اجازت دی جاسکتی ہے، اور سوال نمبر ۹ کے جواب میں لکھتے ہیں: پنچایتی نظام میں اکثر بے اعتدالی اور ظلم وزیادتی کی شکایتیں بھی ملتی ہیں،لیکن اگر علماء کی نگرانی اور مناسب حدود میں اس قسم کے فیصلے کئے جائیں تو گنجائش ہوگی۔

اسی طرح مفتی محمد شاہجہاں ندوی نے بھی طلبہ کی مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ عائد کرنے

کو جائز کہا ہے، کیونکہ مالی جرمانہ کی مشروعیت مالی سزا کے ذریعہ تعزیر کی مشروعیت پر مبنی ہے، اور مالی سزا کے ذریعہ تعزیر مشروع ہے، پھر انہوں نے اس کی دلیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کا توڑنا اور رسول اللہ ﷺ کا جماعت ترک کرنے والوں کے گھروں کو جلانے کا ارادہ کرنا وغیرہ ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ جائز کام ہی کا ارادہ کر سکتے ہیں، اور مختلف ادارے نظم وضبط درست رکھنے کیلئے جو مالی جرمانہ کا نظام بناتے ہیں اس کی گنجائش کی رائے ظاہر کی ہے، کیونکہ جو مالی جرمانہ قرض وغیرہ کے مقابلے میں نہ ہو تو شریعت میں اس کا جواز ہے، اور سوال نمبر ۹ کے جواب میں لکھتے ہیں: برادری اور خاندانی پنچایت نیز کاروباری انجمن اگر ایسا نظام بناتی ہیں جو شریعت سے متصادم نہ ہو اور واقعی کسی کوتاہی پر مالی جرمانہ کی ادائیگی کا نظم ہو تو اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ برادری یا انجمن بہ طور تبرع کوئی رقم نہ لیتی ہو۔

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی تعلیمی اداروں میں طلبہ کی کوتاہیوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ عائد کرنے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: مسئلہ اگرچہ مختلف فیہ ہے، مگر حالات زمانہ کی رعایت سے جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، اور عام اداروں میں مالی جرمانہ کے حکم کے بارے میں لکھتے ہیں: حضرت تھانویؒ کا موقف یہاں بھی عدم جواز کا ہے، لیکن یہاں بھی ایک حیلہ جواز نقل فرمایا ہے: مگر ضرورت کے سبب ایک حیلہ سے اس میں ایک خاص گنجائش ہوسکتی ہے وہ یہ کہ فقہاء نے دو مختلف صورتوں میں دو مختلف اجرتیں مقرر کرنے کو جائز لکھا ہے، سو اگر یوں کہہ لیا جائے کہ اگر ٹھیک ٹھیک موافق معاہدہ کے کام کرتا ہے اور نوکری بھی اگر چھوڑی تو موافق معاہدہ کے چھوڑی تب تو تمہاری اجرت تمام ایام کی اس حساب سے ہوگی، مثلاً دس روپئے ماہوار ہوگی تو حاصل وہی نکل آیا اور قواعد پر منطبق ہوگا۔

کاروباری ادارے اور ہاؤسنگ سوسائٹیوں کے لئے دوطرفہ معاہدہ کرنا، جیسا کہ حیلہ جواز میں بتایا گیا ہے آسان طریقہ عمل ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے اور اس حیلہ سے مالی جرمانہ کا مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے، اس لئے مالی جرمانہ سے بچنا ہی مناسب ہے۔

اور سوسائٹی یا پنچایت یا کاروباری انجمن کی طرف سے مالی جرمانہ کے حکم کے بارے میں لکھتے ہیں: جن حضرات فقہاء کے نزدیک مالی جرمانہ ناجائز ہے وہ ہر صورت میں ناجائز ہے، خواہ فیصلہ حاکم وسلطان کی طرف سے ہو یا برادریوں اور خاندانی پنچایتوں یا کاروباری انجمنوں کی جانب سے ہو، البتہ جن فقہاء کے یہاں اس کا جواز ہے وہ حسب مصلحت اور حسب حالات زمانہ، پنچایت، انجمن اور برادری کے فیصلہ پر بھی لاگو ہے۔

مفتی نعمت اللہ صاحب کھگڑیا تعلیمی اداروں میں طلبہ کی کوتاہیوں کی اصلاح کے لئے مالی جرمانہ عائد کرنے کے سلسلے میں لکھتے ہیں: اس سوال کے جواب کے لئے حضرت تھانوی قدس سرہ کا فتوی ۸ ملاحظہ فرمائیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تعلیمی اجرت اور تعلیم گاہ کی اجرت اور دیگر سہولیات کی اجرت کے طور پر طلبہ سے رقم وصول کی جاسکتی ہے، لیکن جرمانہ کے طور پر وصول کرنا جائز نہیں ہے، تعلیمی اداروں کے ذمہ داران اپنے یہاں اسی عنوان سے ضابطہ بنائیں، اور سوال نمبر ۸ کے جواب میں لکھتے ہیں: اس سوال کے جواب کے لئے بھی حضرت تھانویؒ کا فتوی ملاحظہ فرمائیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء نے دو مختلف صورتوں میں دو مختلف اجرتیں مقرر

کرنے کو جائز لکھا ہے، پس ایک احاطہ کے اندر بنی مختلف بلڈنگوں کی دیکھ بھال اور اس کے نظم وضبط کو قائم رکھنے کے لئے جو اخراجات آتے ہیں اور ملازمین رکھے جاتے ہیں اور ان کو تنخواہیں دی جاتی ہیں، احاطہ کے مکینوں میں سے کوئی مکین اگر اپنے نام کے حصہ اخراجات کی بروقت ادائیگی میں کوتاہی برتے تو ملازمین کی تنخواہوں میں اس کا حصہ زیادہ لگایا جاسکتا ہے، اور ملازمین کی تنخواہوں میں حصہ کی کمی زیادتی کے عنوان سے ضابطہ بنایا جاسکتا ہے، لیکن جرمانہ کے عنوان سے کچھ لینا دینا جائز نہیں ہے، ''تنویر الابصار'' اور ''درمختار'' میں ہے: ''**وصح ترديد الأجر بالترديدفي العمل**''۔

مفتی محمد عثمان بستوی صاحب ساتویں سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: تعلیمی اداروں میں مالی جرمانہ کی شرعی تاویل بھی ممکن ہے، اس لئے اگر تعزیر بالمال کو متقدمین فقہاء کے مطابق ناجائز ہی کہا جائے تو بھی مدارس میں مالی جرمانہ کی گنجائش نکلتی ہے، کیونکہ تعلیمی اداروں کی طرف سے بہت سی ایسی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں جس کا کوئی عوض نہیں ہوتا ہے، تو مالی جرمانہ جس کا عوض بن کر جائز ہوگا اور اگر ادارہ کی طرف سے تمام سہولیات کا عوض لیا جاتا ہے تو جب ضابطہ مقرر ہوگیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جرم کی صورت میں عوض میں اضافہ کردیا جائے گا تو گویا کہ عقد اجارہ میں تردید پائی گئی کہ اگر جرم نہ صادر ہو تو اجرت اتنی اور اگر جرم صادر ہوگیا تو اجرت اتنی بڑھا کر دینی ہوگی اور جب طلبہ نے اس کو منظور کیا تو معاہدہ کے مطابق یہ جرمانہ وصول کرلینا جائز ہے، کیونکہ فقہاء متاخرین نے تردید اجرت کو جائز کہا ہے جیسا کہ صاحبین کا یہی مذہب ہے۔

اور آٹھویں سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: تعلیمی اداروں کے علاوہ دوسرے ادارے مثلاً ہاؤسنگ سوسائٹیاں وغیرہ کی طرف سے لیا جانے والا جرمانہ کی بھی تاویل کی جاسکتی ہے، اس طرح سے کہ ان اداروں کی طرف سے اگر متعلقہ افراد کو کوئی سروس اور خدمت وغیرہ فراہم کی جاتی ہو جس کا سالانا یا ماہانہ کوئی عوض متعین ہو تو یہ عوض اس کی اجرت بنے گا اور وقت پر اس کی عدم ادائیگی کی صورت میں جرمانہ کے نام سے جو بڑھا کر لیا جائے گا وہ بھی اسی خدمت کا عوض شمار ہوگا، کیونکہ جب جرمانہ کا ضابطہ متعین کردیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص وقت مقررہ پر اجرت ادا کرے گا اس کی اجرت معین مقدار بنے گی اور جو شخص وقت پر اجرت ادا نہ کرے تو اس کی اجرت میں جرمانہ کو شامل کر کے اجرت متعین کی گئی تو حاصل یہ بنا کہ نقد اجرت اتنی اور ادھار اجرت اتنی اور نقد اور ادھار اجرت میں فرق رکھنا شرعاً جائز ہے، جیسے کہ نقد اور ادھار ثمن کے درمیان فرق رکھنا جائز ہے، البتہ بیع میں مجلس عقد کے اندر ایک کو متعین کرلینا ضروری ہے، تردید جائز نہیں، لیکن عقد اجارہ میں مجلس عقد میں ایک کو متعین کرلینا لازم وضروری نہیں، بلکہ ادائیگی کے وقت ان دونوں میں سے جس کو اختیار کرے گا وہ متعین ہوجائے گا، اس کے جواز پر جہالت اجرت کا اشکال ہوتا ہے، لیکن یہ جہالت یسیرہ ہے، فاحشہ نہیں، نیز عرف اور ابتلائے عام کی وجہ سے یہ جہالت مفضی الی النزاع بھی نہیں اور جو جہالت مفضی الی النزاع نہ ہو وہ جائز ہے۔

مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی تحریر فرماتے ہیں: تعلیمی اداروں میں طلبہ کی مختلف کوتاہیوں پر روک لگانے کے لئے جو مالی جرمانہ لیا جاتا ہے، وہ طرفین کے مذہب کے مطابق جائز نہیں ہے، امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کیا جائے تب بھی لینا تو جائز ہوگا لیکن

جب طالب علم ان کوتاہیوں اور غلطیوں سے باز آ جائے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہوگا، ماضی قریب کے مفتیان کرام نے بھی اس کی اجازت نہیں دی ہے، جیسے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تعلیمی اداروں کے علاوہ دوسرے اداروں کے بارے میں لکھتے ہیں: ہاؤسنگ سوسائٹی وغیرہ بھی نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کا جو نظام بناتے ہیں یہ درست نہیں ہے، جیسا کہ ماقبل میں بہت سے حوالے گزر چکے ہیں، برادریاں اور خاندانی پنچایتیں نیز کاروباری انجمنوں کے لئے بھی مال کا جرمانہ لینا جائز نہیں ہے، اس کے بعد انہوں نے حضرت تھانویؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ اور مفتی محمود الحسن رحمہم اللہ کے فتاوی نقل کئے ہیں۔

ڈاکٹر محی الدین غازی لکھتے ہیں: طلبہ کی کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے جو مالی جرمانہ لگایا جاتا ہے اس میں دو طرح کی قباحتیں ہیں: ایک قباحت یہ ہے کہ اس سے خوشحال طلبہ اور تنگ حال طلبہ میں شدید قسم کی تفریق ہو جاتی ہے، خوشحال طالب علم کے لئے جرمانہ دے کر کوتاہی پر قائم رہنا بہت آسان رہتا ہے، جبکہ تنگ حال طلبہ کے لئے اس جرمانے کو ادا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

دوسری قباحت یہ ہے کہ اس میں بالغ طلبہ کی کوتاہیوں اور غفلتوں کا ہرجانہ ان کے سرپرستوں کو ادا کرنا پڑتا ہے، غلطی طلبہ کرتے ہیں اور جرمانہ کی ساری افتاد ان کے سرپرستوں پر پڑتی ہے، جن بچوں کو اپنے سرپرستوں کی پرواہ نہیں ہوتی وہ اپنی لاپرواہی پر قائم رہتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی سامنے رہے کہ واجب فیسوں کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں لگایا جانے والا جرمانہ سود کے ضمن میں آئے گا جو بہرحال حرام ہے، اسے لیٹ فیس کا نام دے کر حلال نہیں قرار دیا جاسکتا اور تعلیمی اداروں کے علاوہ ادارے نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے جو مالی جرمانہ کا نظام بناتے ہیں اس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں: یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مالی جرمانہ مالی التزام کی تاخیر پر لگایا جارہا ہے یا عملی التزام میں کوتاہی یا تاخیر پر لگایا جارہا ہے، مالی التزام کی تاخیر پر لگایا جانے والا جرمانہ سود کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے، جبکہ عملی التزام کی تاخیر یا عملی کوتاہی یا عملی زیادتی پر لگایا جانے والا مالی جرمانہ اس عمومی بحث کے تحت آئے گا کہ مالی جرمانہ لگانا اپنے آپ میں درست ہے یا نہیں۔

برادریاں اور خاندانی پنچایتیں نیز کاروباری انجمنیں بھی اصلاح کی غرض سے اس قسم کا نظام بناتی ہیں، اس سلسلے میں بھی راقم کا جواب وہی ہے جو اوپر دیا گیا کہ اس میں سود کا شائبہ نہیں ہو اور وہ ظلم کی حد تک زیادہ نہ ہو۔

مفتی شوکت ثنا قاسمی لکھتے ہیں: طلبہ وطالبات کی دیر حاضری یا غیر حاضری یا دیر سے فیس کی ادائیگی کی صورت میں مالی جرمانہ کی قطعاً اجازت نہیں دی جانی چاہئے، کیونکہ موجودہ دور میں اکثر وبیشتر تعلیمی اداروں سے قوم وملت کی خدمت کا جذبہ مفقود ہو چکا ہے اور یہ ادارے انتہائی کمرشیل مال ودولت کے حصول کا ذریعہ بن چکے ہیں، اب اگر ان اداروں کو طلبہ وطالبات کی دیر حاضری یا غیر حاضری یا دیر سے فیس کی ادائیگی کی صورت میں مالی جرمانہ کا جواز فراہم کر دیا جائے تو انتظامیہ مالی جرمانہ لینے کو اپنا حق سمجھتے ہوئے سرپرستوں سے مختلف بہانوں سے مالی جرمانہ وصول کرنے لگے گا جو اولیاء کے لئے مزید پریشانی کا باعث ہوگا، رہا دیر حاضری یا دیر سے فیس کی ادائیگی کا مسئلہ تو اس کو کونسلنگ اور ترغیب وترہیب کے ذریعہ کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

غیر تعلیمی اداروں کا نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لئے مالی جرمانہ یا برادریاں اور خاندانی پنچایتیں نیز کاروباری انجمنوں کا دباؤ واصلاح کی غرض سے مالی جرمانہ لینا بھی درست نہیں ہے، البتہ نظم وضبط کو برقرار رکھنا ان اداروں کے لئے مالی جرمانہ عائد کئے بغیر ممکن نہ ہونا بہت مشکل ہو تو حسب ذیل شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے مالی جرمانہ لینے کی گنجائش ہوگی؛ (الف): جرمانہ کی رقم بہت زیادہ نہ ہو، نیز معمولی کوتاہی پر جرمانہ عائد نہ کیا جائے، (ب) جرمانہ کی رقم کا مالک کوئی ایک فرد نہ ہو، بلکہ انجمن یا سوسائٹیاں ہوں، (ج) جرمانہ کی رقم رفاہ عام میں خرچ کی جائے۔

مفتی عبدالرحیم قاسمی نے طلبہ کی کوتاہیوں پر مالی جرمانہ لینے کو ناجائز قرار دیا ہے، البتہ حضرت تھانویؒ کے ذکر کردہ حیلہ اختیار کرنے کی رائے دی ہے۔

اسی طرح ہاؤسنگ سوسائٹیاں جو مقررہ وقت پر مطلوبہ رقم ادا نہ کرنے پر جو جرمانہ وصول کرتی ہیں اسے امداد الفتاوی کے حوالہ سے ناجائز اور رشوت قرار دیا ہے، اسی طرح برادریوں اور پنچایتوں، نیز کاروباری انجمنوں کے اپنے ممبروں سے جرمانہ وصول کرنے کو بھی حرام کہا ہے، البتہ اگر حکومت کی طرف سے انہیں جرمانہ کا اختیار دیا گیا ہو تو اصحاب اختیار کو جرمانہ لینے کا حق ہوگا۔

مولانا خورشید احمد اعظمی لکھتے ہیں کہ طلبہ کی مختلف کوتاہیوں پر روک لگانے کا رواج اگر چہ عام ہو رہا ہے مگر اس کو شرعی جواز کی صورت دینا درست نہیں ہے، مالی جرمانہ کے سوا دوسری تدابیر ممکن ہیں، ادارہ میں قیام پذیر طلبہ سے قیام وطعام کی فراہم سہولیات سلب کر لی جائیں، امتحان میں شرکت سے روک دیا جائے وغیرہ، نیز مالی جرمانہ کا کوئی معیار نہیں ہے، مالدار طلبہ کے لئے بڑی رقم بھی سزا کے طور پر دے دینا آسان ہوگا، اور غریب طلبہ کے لئے ایک معمولی رقم بھی مشکل ہوگی، یہ ایسی تعزیر نہیں ہے کہ اس سے اصلاح یقینی ہو، لہذا جس امر کو مذاہب اربعہ کے جمہور فقہاء سے اب تک جائز قرار نہیں دیا محض امکان پر یا غیروں کی نقل میں جائز قرار دینا ہرگز درست نہیں۔

تعلیمی اداروں کے علاوہ دیگر اداروں، کمپنیوں اور سوسائٹیوں کے لئے بھی بطور تعزیر مالی جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں، ظاہر ہے کہ یہ مالی جرمانہ طے شدہ رقم مقررہ وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں ہی عائد ہوگی، یعنی یہ تاخیر شدہ مدت کا عوض ہی ہوگی جو سود اور ربا کے ہم معنی ہے۔

برادریاں اور کاروباری انجمنیں اصلاح کی غرض سے مالی جرمانہ کا نظام بناتی ہیں تو یہ بھی درست نہیں ہوگا ممکن ہے سماجی بائیکاٹ اس سے زیادہ موثر ہو۔

مولانا عبدالتواب اناوی لکھتے ہیں: اسکول، کالج، مدارس ودیگر تعلیمی اداروں میں وقت پر فیس جمع نہ کرنے، وقت مقررہ پر حاضر نہ ہونے، اسباق میں غیر حاضر ہونے پر جو مالی جرمانے وغیرہ کے نام سے لئے جاتے ہیں یہ سب تعزیر باخذ المال کے زمرہ میں آتے ہیں، تعزیر مالی ضرورۃ جائز ہے اور یہاں ضرورت ظاہر ہے، اگر یہ مالی جرمانے نافذ نہ کئے جائیں تو اداروں کا معیار ختم ہو جائے گا، تعلیمی وتہذیبی نقصان لازم آئے گا، طلبہ بے لگام ہو جائیں گے اور قوم وملک کی ترقی کے بجائے تنزلی کی راہ پر چل پڑے گا،

لہذا چند شرطوں کے ساتھ طلبہ کی کوتاہیوں پر مالی سزاؤں کو جواز کی نظر سے دیکھا جانا چاہئے۔

اس لئے اس طرح کے نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے سوسائٹیز کے مقرر کردہ مالی جرمانے بھی امام ابو یوسف اور دیگر فقہاء کے اقوال پر درست ہونا چاہئے۔

معاشرہ سے جرائم کی پیداوار گھٹانے اور موجودہ جرائم اور غلط رسومات کو مٹانے کے لئے، نیز لوگوں کی اصلاح ومعاشرہ میں اس کی خاطر خاندانی وبرادری پنچایتیں اور دیگر انجمنیں جو مالی جرمانے کا نظام کر رہی ہیں بہر حال جائز ہونا چاہئے۔

مفتی سعید الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں: سوسائٹیوں وغیرہ میں باخذ مال الی مدۃ کی صورت جائز ہے، ایسے ہی اسکول ومدارس وغیرہ میں بأخذ المال الی مدۃ جائز ہے۔

مولانا محمد فلاحی لکھتے ہیں: تعلیمی اداروں میں طلبہ کی مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے ہاؤسنگ سوسائٹیوں کا مقررہ وقت پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا نہ کرنے اور برادریاں، خاندانی پنچایتیں نیز کاروباری انجمنیں وغیرہ جو مالی جرمانہ کا نظام بناتی ہیں اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ فقہاء کرام کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیراً مالی جرمانہ قاضی یا والی کو لینا جائز ہے، اس میں لفظ والی میں موجودہ دور میں اداروں، تنظیموں، مدارس ومکاتب اور اسکول پنچایتوں، انجمنوں اور ہاؤسنگ سوسائٹیوں کے ذمہ داران کو شامل کیا جاسکتا ہے۔

مفتی راشد حسین ندوی تعلیمی اداروں میں رائج جرمانوں کے بارے میں لکھتے ہیں: جن حضرات نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے ان کے یہاں بھی کچھ حیلوں کو اختیار کر کے اس کا جواز ہوسکتا ہے، پھر انہوں نے حضرت تھانویؒ کے ذکر کردہ حیلہ کو بیان کیا ہے، پھر لکھتے ہیں: اگر کسی ادارے میں ماہانہ فیس کا نظام ہے تو وہ ادارہ یہ حیلہ بھی کرسکتا ہے کہ جرمانہ کے بقدر فیس زیادہ مقرر کردے، اور ہاؤسنگ سوسائٹیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر یہ ادارے کچھ سہولیات دیتے ہیں اور اس کے عوض ماہانہ رقم وصول کرتے ہیں اور تاخیر کرنے پر جرمانہ عائد کردیتے ہیں تو ان کا معاملہ بھی تعلیمی اداروں جیسا ہے اور سوال نمبر ۹ کے جواب میں لکھا ہے کہ مولانا عبد الحئی فرنگی محلیؒ نے پنچایت کے جرمانہ مقرر کرنے کو جائز قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: تنبیہ کے لئے جرمانہ لیا جاسکتا ہے۔

مولانا محمد مصطفیٰ عبد القدوس ندوی تعلیمی اداروں میں طلبہ کی مختلف کوتاہیوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ عائد کرنے کو بغیر کسی کراہت کے شرعاً درست قرار دیتے ہیں؛ البتہ یہ رقم طلبہ کے مصالح ومفاد پر خرچ کی جائے گی، جیسے قرآن وحدیث، تقریری وتحریری وغیرہ انعامی مقابلوں میں، یا اپنے درجوں میں پوزیشن لانیوالے طلبہ کو نقد رقم یا اس سے کتابیں وغیرہ خرید کر انعام کے طور پر دی جائیں گی، اسی طرح یہ رقم طلبہ کے کھانے کی مد میں، فقراء ومساکین، مجبور اور ضرورت مندوں کی شادی بیاہ یا محتاج بیمار لوگوں پر خرچ کی جاسکتی ہے، جن فقہاء نے تعزیر مالی کو جائز قرار دیا ہے ان کے نزدیک اس کا مصرف بیت المال ہے یا خیر وبھلائی کا راستہ (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء ۱/ ۲۲۵)۔

آگے لکھتے ہیں: ہاؤسنگ سوسائٹیاں اور اس جیسے اداروں کا نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے لوگوں سے مقررہ وقت پر

طے شدہ مطلوبہ رقم ادانہ کرنے پر مالی جرمانہ وصول کرنا زمانہ جاہلیت میں رائج سود کی ایک شکل ہے جس کو ربا النسیئہ کہا جاتا ہے، اس کی حرمت پر بہت ساری دلیلیں ہیں۔

اور سوال نمبر ۹ کے جواب میں لکھتے ہیں: ہر وہ صورت یا ہر وہ نظام تعزیر مالی جس میں طے شدہ مطلوبہ رقم کی ادائیگی میں تاخیر کی بنا پر مالی جرمانہ عائد کیا جائے تو وہ سود ہے، کیونکہ وہ (تاخیر کا) مالی جرمانہ طے شدہ مطلوبہ رقم سے زائد ہوگی، جو بلاعوض ہوگی اور مدت کے عوض ہوئی اور یہ زمانہ جاہلیت کے سود کی صورتوں میں ایک صورت ہے جسکو فقہ کی اصطلاح میں ''ربا للنسیئہ'' کہا جاتا ہے۔

یہی رائے ڈاکٹر عبداللہ جولم اور مولانا کلیم اللہ عمری کی ہے: مولانا عبداللہ جولم لکھتے ہیں: ہاؤسنگ سوسائٹی کا وقت مقررہ پر مطلوبہ رقم ادانہ کرنے پر جرمانہ عائد کرنا یہ ربا کے قبیل سے ہے، اس لئے جائز نہیں ہے، برادریوں اور خاندانی پنچایتوں میں درست ہے، البتہ کاروباری انجمنوں میں درست نہیں، اس لئے اس میں ربا لازم آئے گا، اور مفتی کلیم اللہ عمری لکھتے ہیں: ہاؤسنگ سوسائٹیاں وغیرہ کی طرف سے لگائی جانے والی پابندی یا تاوان کی حیثیت سود کی ہوگی، قرض کی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ وصول کرنا گویا سود وصول کرنے کے برابر ہے، اور برادریوں اور خاندانی پنچایتوں کی طرف سے عائد کردہ جرمانہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مالی تاوان کے جواز پر دلائل موجود ہیں تو کسی بھی ادارہ کے نظم وضبط کو مضبوط بنانے کے لئے یا اصلاح حال کی نیت سے جرمانہ لگانا جائز ہوگا اور یہ مصالح مرسلہ کے قبیل سے ہے۔

مفتی دبیر عالم قاسمی نے سوال نمبر ۷، ۸، ۹ کے جواب میں لکھا ہے کہ جواز کا فتوی دیا جاسکتا ہے، لیکن مقصود حاصل ہونے کے بعد حتی الامکان وہ مال لوٹانے کی کوشش کرنی چاہئے، ورنہ مجبوری کے درجہ میں رفاہی کام میں استعمال کرنے کی گنجائش ہوگی۔

مولانا ڈاکٹر عبدالمالک مغیثی نے چاروں سوالوں کے جواب میں تعزیر مالی کو ناجائز قرار دیا ہے، اسی طرح مولانا عبدالرزاق قاسمی فرماتے ہیں کہ ہماری رائے کے مطابق عدم جواز کا قول راجح ہے، جہاں ضرورت شدیدہ کا تحقق ہو تو جواز کے قول ضعیف کو اختیار کیا جاسکتا ہے، تعلیمی اداروں میں کوتاہیوں پر روک لگانے کے لئے بھی مالی جرمانہ عائد کرنا بھی درست نہیں ہے، ہاؤسنگ سوسائٹیوں کا نظم کو درست رکھنے کی غرض سے مالی جرمانہ لگانا بھی جائز نہیں ہے، اصلاح کی غرض سے انجمنوں کا مالی جرمانہ مقرر کرنا جائز ہے، مفتی عبداللہ قاسمی نے مقررہ وقت پر قسط نہ جمع کرنے کی صورت کی وجہ سے اضافی رقم لینے کو سود کہا ہے۔

اجمالی تبصرہ:

اس عرض کا پہلا سوال ہے: ایسے حالات میں جبکہ جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے وعظ اور زبانی فہمائش کافی نہ ہو اور جسمانی سزا کا بھی کوئی موقع نہ ہو تو کیا ضرورۃً جواز وگنجائش کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے؟ موجودہ حالات میں جبکہ مالی تعزیر ایک عالمی عرف بن گئی ہے اور جرائم کی روک تھام اور سماجی برائیوں کے سد باب کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ گیا ہے تو امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دینے کی گنجائش ہے، امام ابو یوسف علیہ الرحمہ چونکہ قاضی القضاۃ تھے اور مالی جرمانہ کا مسئلہ قضاء ہی سے

متعلق ہے اور قضاء کے باب میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، اس لئے اس سلسلے میں ان کا قول خاص وزن اور اہمیت کا حامل ہے، اس قول کو مذہب کا قول ضعیف کہا گیا ہے، لیکن دلائل کی روشنی میں یہی یقول راجح اور اقوی معلوم ہوتا ہے، اور اگر علی سبیل التنز ل یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ قول ضعیف ہے تو بھی بر بنائے ضرورت اس قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے اور مذہب کے قول ضعیف پر عمل کرنے اور فتوی دینے کے لئے جس ضرورت کی شرط ہے وہ ضرورت آج متحقق ہے جس کا ذکر خود سوالنامہ میں کیا گیا ہے، اسی بنا پر اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اجتماعی غور وفکر کر کے اس مسئلہ کا مناسب حل تلاش کیا جائے، اور دوسرے فقہاء کے نزدیک تعزیر مالی جائز ہے اور مذہب غیر پر عمل کرنے کے لئے جو شرط ہے یعنی ضرورت اور اس مذہب کے بالغ نظر علماء وفقہاء کا اس قول کو اختیار کرنا وہ شرط بھی پائی جارہی ہے، ابوحنیفہ ثانی صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم مصریؒ نے بھی جواز کے قول کو اختیار کیا ہے، خلاصۃ الفتاوی، فتاوی بزازیہ اور فتاوی تاتارخانیہ میں بھی تعزیر مالی کے جواز کا قول مذکور ہے، اور اس میں اس کی صراحت ہے کہ قاضی اور والی اگر مصلحت دیکھے اور مناسب سمجھے تو مالی تعزیر کرسکتا ہے، اور اسی کے منجملہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جماعت کی نماز میں حاضر نہ ہوتا ہو تو اس کی مالی تعزیر جائز ہے، یہ مسئلہ خود فقہ وفتاوی حنفی میں موجود ہے، اسی طرح صاحب معین الحکام علامہ قاضی طرابلسیؒ بھی مالی تعزیر کو جائز کہتے ہیں، متاخرین اور ماضی قریب کے محقق علماء وارباب افتاء میں علامہ اشرف علی تھانویؒ، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا عبدالحئی لکھنویؒ، مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، مولانا مجیب اللہ ندویؒ، مفتی تقی عثمانی، اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب وغیرہ حضرات اسے جائز قرار دیتے ہیں، لہذا مذہب کے قول ضعیف اور مذہب غیر پر فتوی دینے کی دونوں شرطیں پائی جارہی ہیں، اور عرب علماء میں ڈاکٹر عبد القادر عودہؒ، ڈاکٹر یوسف قرضاوی، ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ اور دیگر علماء وفقہاء اس کو جائز کہتے ہیں، بلکہ عالم عرب کی کوئی ممتاز اور معروف شخصیت ایسی نہیں ہے جو اس وقت تعزیر مالی کو ناجائز قرار دیتے ہوں۔

دوسرے یہ کہ تعزیرات میں زبان ومکان اور عرف وتعامل کو خاص اہمیت حاصل ہے، زمان ومکان کے فرق سے سزاؤں کے معیار میں فرق ہوسکتا ہے، اور آج کا عرف یہی ہے، اس سے بچنا مشکل ہے، علامہ قرافی نے الفروق میں لکھا ہے: ''**إن التعزير يختلف باختلاف الأمصار والأعصار، فرب تعزير فی بلاد يكون إكراماو فی بلد آخر، كقلع الطيلسان بمصر تعزير وفی الشام إكرام**'' (الفروق ۴/ ۱۸۳)۔

یعنی ملکوں اور زمانوں کے اختلاف سے تعزیر میں بھی اختلاف ہوتا ہے، لہذا بعض وہ تعزیر جو کسی ملک میں تعزیر ہے وہ دوسرے شہر میں تعزیر کے بجائے تعظیم اور اکرام شمار کیا جاتا ہے، مثلاً چادر اتارنا مصر میں تعزیر ہے، لیکن شام میں وہ اعزاز واکرام ہے۔

ڈاکٹر علی ابوالبصل نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے: ''**ولهذا أصبح التغريم بالمال عرفا عالميا، ولولم تكن فيه مصلحة لما تعارف الناس عليه**'' (یعنی ان ہی فوائد کی بنیاد پر مالی جرمانہ ایک عالمی عرف بن گیا ہے، اگر اس میں مصلحت و منفعت نہ ہوتی تو یہ لوگوں کا عرف ہی نہیں ہوتا)۔

جوحضرات مالی تاوان کوممنوع قرار دیتے ہیں ان کے دلائل وہی ہیں جو کتابوں میں مذکور ہیں، ان میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا بعد میں وہ منسوخ ہوگیا، اس دعوت کو نہ صرف حافظ ابن تیمیہ اوران کے شاگرد رشید نے رد کیا ہے، بلکہ ممتاز اور بلند پایہ حنفی فقیہ قاضی علاء الدین طرابلسیؒ نے بھی اسی شد و مد کے ساتھ رد کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "**ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا، وليس بسهل دعوى نسخها**" (معین الحکام/ ۱۹۵)۔

یعنی جولوگ یہ کہتے ہیں کہ مالی سزامنسوخ ہے، ان کی نقل وروایت میں بھی غلطی ہے اور طریقہ استدلال میں بھی، اس کے نسخ کا دعوی آسان نہیں ہے۔

تعزیر مالی سے متعلق دسیوں واقعات احادیث وآثار میں موجود ہیں جیسا کہ مقالہ نگار حضرات نے ذکر کیا ہے، اس عاجز نے بھی اپنے مقالہ میں ذکر کیا ہے، عہد نبوی کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں بھی اس کا رواج اور تعامل رہا، نسخ کا علم خلفائے راشدین اور صحابہ کرام سے زیادہ کسے ہوسکتا ہے، اگر یہ حکم منسوخ ہوتا تو پھر خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ اس پر کیوں کر عمل کرتے، اس کے بعد کے ادوار میں بھی اس کا تعامل جاری رہا، اس لئے نسخ کا دعوی محل نظر ہے، معاشرتی برائیوں کی روک تھام کے لئے مالی تعزیر کا نفاذ ناگزیر ہے، مفتی ثناء الہدی قاسمی کے الفاظ میں تعلیمی اداروں میں طلبہ کے درمیان اس قدر غفلت، کوتاہی اور نشوز پایا جارہا ہے کہ وعظ وتنبیہ سے اس پر قابونہیں پایا جاسکتا ہے، عام لوگوں کا مزاج اس قدر غیر شرعی اور غیر اخلاقی بن گیا ہے کہ انہیں اپنے وعدوں کا پاس ولحاظ نہیں رہتا، ہاؤسنگ سوسائٹیوں وغیرہ میں قسطوں کی ادائیگی بروقت نہیں ہو پاتی، ایسے میں کوتاہی، غفلت، نشوز اور وعدہ خلافی پر قابو پانے کے لئے مالی جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے۔

مانعین کا دوسرا دعوی یہ ہے کہ حدیث میں اس کی صراحت کی گئی ہے کہ کسی مسلمان کا مال دوسرے مسلمان کے لئے طیب نفس کے بغیر حلال نہیں ہوتا اور جس پر مالی تاوان عائد کیا جائے ظاہر ہے کہ وہ خوش دلی سے نہیں دے گا، لہذا وہ دوسروں کے لئے حرام ہوگا، اس کا جواب مفتی تقی عثمانی صاحب نے دیا ہے کہ: یہ استدلال کمزور ہے، اس لئے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہے اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جارہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے تو مال جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولی جائز ہونا چاہئے (درس ترمذی ۲/ ۱۱۹)۔

مانعین کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر اس کی اجازت دی جائے تو پھر ظلم کا دروازہ کھلے گا اور ظالم حکام اور ارباب اقتدار عوام الناس کا استحصال کریں گے اوران کے مال پر مسلط ہوجائیں گے، لہذا سدباب کے طور پر بھی اسے ممنوع ہونا چاہئے۔

مشہور عرب عالم دین ڈاکٹر عبد القادر عودہ علیہ الرحمہ بہت عرصہ تک منصب قضاء پر فائز رہے، انہوں نے اپنے طویل تجربات کی روشنی میں اسلامی عقوبات و جنایات اور تعزیرات کے سلسلے میں بڑی قیمتی کتاب تصنیف فرمائی ہے: "**التشریع الجناء الإسلامی**" جو دو جلدوں میں ہے، اس میں انہوں نے مالی تعزیر کے سلسلہ میں جو خدشہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ظالم حکمرانوں کا لوگوں کے مال پر تسلط ہوگا اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے: "**وفی عصرنا الحاضر حیث نظمت شئون الدولة وروقیت أموالها وحیث تقرر الهیئة التشریعیة الحد الأدنی والحد الأعلی للغرامة، وحیث ترک توقیع العقوبات للمحاکم لم یعد هناک محل للخوف من مصادرة أموال الناس بالباطل، وبذلک یسقط أحد الاعتراضات التی اعترض بها علی الغرامة المالیة**" (التشریع الجنائی الإسلامی)۔

یعنی ہمارے اس زمانہ میں جبکہ حکومت کے امور و معاملات منظّم ہو چکے ہیں اور اموال کی نگرانی ہوتی ہے اور قانونی کمیٹی مالی تاوان کی ادنی اور اعلی حد مقرر کرتی ہے اور جبکہ سزاؤں کا نفاذ عدالتوں پر چھوڑ دیا گیا ہے تو اب باطل طریقے سے لوگوں کا مال ہڑپنے اور اس پر ناجائز قبضہ کرنے کا خطرہ نہیں رہا اور اس طرح مالی جرمانے پر عائد کیا جانے والا ایک اعتراض ختم ہوگیا۔

لہذا مسلم ممالک میں جہاں تعزیرات کے اصول وضوابط مقرر ہیں وہاں اس کا اندیشہ نہیں اور جہاں یہ کام کوئی تنظیم، انجمن، سوسائٹی اور پنچایت انجام دے گی، اس کے اصول وضابطے بھی مقرر کردیئے جائیں گے اور مالی تاوان کا مصرف بھی متعین کردیا جائے گا کہ وہ فقراء و مساکین اور معذوروں پر صرف ہو یا رفاہی کاموں پر جس کا فائدہ سب کو پہنچتا ہے، وہ مال کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوگی، کہ کوئی اسے خرد برد کرے یا ذاتی مصرف میں لائے اور اس سلسلہ میں حدیث کے الفاظ کہ وہ محمد (ﷺ) اور ان کے آل کے لئے نہیں ہوگا"، یہ اس کا مصرف متعین کرتے ہیں۔

اسی طرح تعلیمی اداروں میں طلبہ کی تنبیہ اور ان کی کوتاہی اور بے راہ روی پر قابو پانے کے لئے بھی مالی تعزیر مفید ہے اور اس کا فائدہ محسوس و مشاہد ہے اور یہ تصور کہ مالی جرمانہ کی افتاد صرف گارجینوں اور سرپرستوں پر پڑتی ہے، لڑکوں کی بے راہ روی و کوتاہی میں کوئی فرق نہیں پڑتا، صحیح نہیں، مالی سزا بسا اوقات جسمانی سزا سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے اور طلبہ جب اپنے ہاتھ سے جرمانہ ادا کرتے ہیں تو انہیں اس کا احساس لازماً ہوتا ہے اور ان کے سرپرست بھی انہیں تنبیہ کریں گے اور احساس دلائیں گے جس سے ان کی اصلاح ممکن ہے۔

اس قاعدہ سے صرف وہ جرمانہ مستثنی ہے جو مدت کے مقابلے میں آتا ہے، وہ سود کے زمرے میں آتا ہے، اس لئے کہ مدت گزشتہ کا عوض ہے جو ربا النسیئہ کے قبیل سے ہے، لہذا ہاؤسنگ سوسائٹیوں کا تاخیر سے رقم جمع کرنے پر اضافی رقم لینا اور مالی جرمانہ عائد کرنا سود ہے جس سے احتراز لازم ہے، اس لئے کہ ربا اور شبہ ربا سے بھی بچنے کو کہا گیا ہے، بہت سے مقالہ نگار حضرات نے اس حقیقت کی وضاحت کی ہے، البتہ مفتی محمد عثمان بستوی صاحب نے اپنے مقالہ میں ایک تاویل ایسی پیش کی ہے جو کسی اور مقالہ میں نظر نہیں آئی، وہ لکھتے ہیں: ہاؤسنگ سوسائٹیاں وغیرہ کی طرف سے لیا جانے والا جرمانہ کی بھی تاویل کی جاسکتی ہے، اس طرح کہ ان

اداروں کی طرف سے اگر متعلقہ افراد کو کوئی سروس فراہم کی جاتی ہو جس کا سالانہ یا ماہانہ کوئی عوض متعین ہو تو یہ عوض اس کی اجرت بنے گا اور وقت پر عدم ادائیگی کی صورت میں جرمانہ کے نام پر جو بڑھا کر لیا جائے گا وہ بھی اسی خدمت کا عوض شمار ہوگا، کیونکہ جب جرمانہ کا ضابطہ متعین کر دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص وقت مقررہ پر اجرت ادا کرے گا اس کی اجرت متعین مقدار بنے گی اور جو وقت پر اجرت ادا نہ کرے تو اس کی اجرت جرمانہ کو شامل کر کے اجرت متعین کی گئی، تو حاصل یہ بنا کہ نقد اجرت اتنی اور ادھار اتنی اور نقد اور ادھار اجرت میں فرق رکھنا شرعاً جائز ہے، جیسے کہ نقد اور ادھار ثمن کے درمیان فرق رکھنا جائز ہے، البتہ بیع میں مجلس عقد کے اندر ایک کو متعین کر لینا ضروری ہے، تردید جائز نہیں، لیکن عقد اجارہ میں مجلس عقد میں ایک کو متعین کر لینا ضروری نہیں، بلکہ ادائیگی کے وقت ان دونوں میں سے جس کو اختیار کرے گا وہ متعین ہو جائے گا، اس تاویل پر مجمع غور کر لے۔ فقط واللہ اعلم

☆☆☆

عرض مسئلہ:

مالی تعزیر-شریعت اسلامی کی روشنی
(سوال نمبر ۱۰-۱۱)

مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی☆

اٹھائیسویں فقہی سیمینار کے ایک اہم موضوع تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں سے متعلق سوال نمبر ۱۰ اور ۱۱ کے عرض مسئلہ کی ذمہ داری راقم الحروف کو دی گئی، اس موضوع پر اکیڈمی کی جانب سے کل ۱۱۶ رمقالات موصول ہوئے۔

سوال نمبر ۱۰ کے جواب میں ۶۹ رمقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ متعہ کو واجب قرار دینا یا طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کرنا صحیح نہیں ہے۔ البتہ ان میں سے بعض حضرات نے تعزیر مالی کی اجازت دی ہے۔

مولانا خورشید انور اعظمی لکھتے ہیں کہ متعہ کو واجب قرار دینا درست نہیں، اس لئے کہ غیر واجب کو واجب قرار دیکر دوسرے کے مال کا لینا مال غیر میں اس کی رضامندی کے بغیر تصرف ہے جو صحیح نہیں ہے؟ انہوں نے یہ دلیل ذکر کی ہے۔

"**لايحل لامرئ من مال أخيه شئى إلا بطيب نفس منه**" (شرح معانی الآثار ۷/ ۲۵۲)۔

"**لايجوز لأحد أن يصرف فى ملك الغير بغير إذنه ولايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلاسبب شرعى**" (قواعد الفقہ رص ۱۱۰)۔

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی، مفتی ابوالمکارم معروفی، مفتی اسعد فلاحی لکھتے ہیں، متعہ کو واجب کرنے کی صورت میں ایک غیر واجب امر کو واجب قرار دینا لازم آئے گا، جو بندہ کے اختیار میں نہیں ہے۔

مولانا اسرار احمد آبادی لکھتے ہیں، اس مسئلہ میں کوئی ایسی ضرورت یا حاجت نہیں ہے جس کی وجہ سے امام شافعیؒ کے قول کو اختیار کیا جائے، اور انہوں نے یہ عبارت نقل کی ہے:

"**الإفتاء بمذهب آخر لحاجة عامة الحالة الأولى الضرورة أ و الحاجة، وذلک أن تكون فى المذهب فى مسئلة مخصوصة حرج شديد لايطاق أو حاجة واقعية لامحيص عنها، فيجوز أن يعمل بمذهب**

☆ مفتی امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

آخر دفعا للحرج وانجازا للحاجة"(اصول الافتاء وآدابہ:ص:۲۰۲)۔

یہی رائے مفتی شاہد علی قاسمی اور راقم الحروف کی بھی ہے۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں کہ متعہ اور تعزیر میں فرق ہے،تعزیر ایک سزا ہے جس کا مقصد زجر و عبرت ہے،لیکن متعہ محض تالیف قلب کے لئے ہوتا ہے،جس صورت میں مہر مثل کا وجوب ممکن نہیں ہوتا ہے وہاں متعہ واجب ہوتا ہے،لہذا جس صورت میں مہر خود واجب الادا ہو تو متعہ شوہر کی طرف سے محض فضل واحسان ہوگا،جس کو واجب قرار دینا صحیح نہیں ہے،اور متعہ کی حیثیت تبرع کو تبدیل کرکے عقوبت بنادینا اس ناچیز کی نگاہ میں مناسب نہیں۔

مولانا ارتقاء الحسن،مفتی اخلاق حسین قاسمی،مفتی امام الدین شیخ لکھتے ہیں،مہر و متعہ دونوں کو واجب قرار دینے کی صورت میں ایک ملک کے لئے دو بدل کا واجب کرنا لازم آئے گا جو مناسب نہیں،لہذا متعہ کو واجب قرار دینا مناسب نہیں ہے۔

"لنا ماذکر أن المتعة وجبت بالنکاح بدلاعن البضع إما بدلا عن نصف المهرأو ابتداء، فإذا استحقت المسمی أو مهر المثل بعد الدخول فلووجبت المتعة لأدی إلی أن یکون لملک واحد بدلان وإلی الجمع بین البدل والأصل فی حالة واحدة وهذا ممتنع"(بدائع الصنائع ۲/ ۳۰۳)۔

"أن المتعة بدل من البضع قائمة مقام المهر وغیر جائزأن تستحق بدلین فلما کانت مستحقة بعد الدخول المسمی أو مهر المثل لم یجز أن تستحق معه المتعة"(احکام القرآن ۱/ ۲۰۲ مولانا ظفر احمد تھانوی)۔

مولانا اختر امام عادل قاسمی پہلے سے جو نظام رائج ہے اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے،اس پر زور دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ طلاق میں ہمیشہ مرد ہی کی زیادتی نہیں ہوتی ہے،بلکہ زیادتیاں کم وبیش دونوں کی طرف سے ہوتی ہیں،اس لئے یک طرفہ مرد کو مجرم فرض کرکے اس پر مالی جرمانہ کیوں عائد کردیا جائے،علاوہ ازیں طلاق اصولی طور پر قابل معاوضہ چیز نہیں ہے،صرف مخصوص حالات میں اس کی اجازت دی گئی ہے،متعہ یا مہر زائد کو باقاعدہ واجب کردینے کے بعد اس کی تجارت اور غلط ڈیلنگ بھی شروع ہوسکتی ہے۔

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی ومفتی محمد ثناء الہدی قاسمی لکھتے ہیں،ہندوستان کے موجودہ حالات میں مقننہ اور عدلیہ کو اس حوالہ سے ہمارے پرسنل لا میں دخل اندازی کی گنجائش نکل آئے گی،اس لئے تعزیر بالمال کے ضرورۃً جائز ہونے کے باوجود طلاق کے مسئلہ میں اس کو نافذ کرنا بڑے مفاسد کا سبب بنے گا۔

مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی،مولانا اشتیاق احمد اعظمی،مولانا نعیم اختر قاسمی کی رائے یہ ہے کہ وعظ ونصیحت وغیرہ کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

مفتی شاکر نثار اعظمی ومولانا مقیم احمد ندوی لکھتے ہیں کہ طلاق ناگزیر ضرورت بن جانے کے باوجود زیادتی مہر کے خوف سے

لوگ طلاق کا اقدام نہ کر کے ناپسندیدہ بیویوں کی گلوخلاصی کے لئے وحشیانہ اقدام کر گزریں گے۔

البتہ ان میں سے بعض حضرات نے بے جا طلاق یا بیک وقت تین طلاق کی صورت میں تعزیر مالی کی بات لکھی ہے اوراس کا حق قاضی یا علاقہ کے کسی ذمہ دار کمیٹی جس میں عالم بھی ہوں کو دیا جائے، یہ رائے مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا عطاء اللہ بخاری، مقیم احمد ندوی، مولانا محمد فلاحی، مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی، مولانا محمد جاوید اختر، مولانا جنید پالنپوری، مولانا ابراہیم محمد سلیمان، مولانا محمد فرید احمد و مولانا نثار احمد ندوی کی ہے۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ومولانا سلیم الدین لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس جب ایسے شخص کو لایا گیا، جس نے تین طلاق دیدی تھی تو آپ نے اس کی پیٹھ پر کوڑے مارے، لہذا مالی جرمانہ بھی ایسے طلاق دینے والے پر نافذ کیا جاسکتا ہے، جس نے تین طلاق دے کر معصیت کا ارتکاب کیا اوراس کے نفاذ کا حق قاضی یا اس کے قائم مقام شرعی پنچایت وغیرہ کو ہوگا۔

لیکن ۱۴ مقالہ نگار حضرات وہ ہیں جنہوں نے لکھا کہ متعہ کو واجب قرار دے کر بصورت نقد اس کی ایک معقول حد مقرر کی جاسکتی ہے، نیز طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر مقرر کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے بعض نے تو بر بناء ضرورت امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کی اجازت دی اور بعض نے تعزیراً اس کو نافذ کرنے کی بات کہی۔ ان حضرات نے بطور دلیل یہ روایت پیش کی ہے۔

”عن محمود بن لبیدقال أخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق امرأته ثلث تطلیقات جمیعافقام غضبانا ثم قال: أیلعب بکتاب الله وأنا بین أظهرکم حتی قام رجل یارسول الله ألاأقتله“ (نسائی ۲/۹۹)۔

”عن أنس قال کان عمرإذا أتی برجل قد طلق امرأته ثلاثا فی مجلس أوجعه ضربا وفرّق بینهما“ (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر: ۱۷۷۹۰)۔

مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مفتی ارشاد پالنپوری، مولانا ممتاز خان، مولانا عبدالباسط قاسمی، مفتی عثمان بستوی قاسمی لکھتے ہیں کہ ضرورت کی بنا پر امام شافعی کے قول کو اختیار کرتے ہوئے متعہ کو واجب قرار دیا جاسکتا ہے۔

”یجوز للحنفی تقلید غیر إمامه من الأئمة الثلاثة فیما تدعوا إلیه الضرورة بشرط أن یلتزم جمیع مایوجبه ذالک الإمام فی ذلک“ (خلاصۃ التحقیق بحوالہ فتاوی قاسمیہ ۱/۱۷۲) (مقالہ مفتی راشد حسین ندوی ومفتی ارشاد پالنپوری)۔

ڈاکٹر شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں اسلام عدل وانصاف کا مذہب ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ”اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ“ (النحل: ۹۰)، لہذا جب کوئی چیز ظلم کا ذریعہ بن جائے تو اس کی بنا پر مالی تعزیر کی جاسکتی ہے۔

تعزیراً متعہ کو واجب قرار دے کر نقود کی ایک متعین مقدار کردینا یا طے شدہ مہر کے علاوہ مزید رقم مقرر کرنا صحیح ہے، یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے۔ مفتی محمد فاروق قاسمی، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی، صبیح اختر قاسمی، مولانا ابومحمد محمد نور سعد، مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی، مفتی سلمان قاسمی، مولانا عبدالرشید شیدا، مولانا عقیل الرحمٰن ومولانا عبیداللہ قاسمی۔

سوال نمبر ۱۱-اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ:

بے جا طور پر طلاق دینے یا بیک وقت تین طلاق دینے کی صورت میں نکاح نامہ میں بطور متعہ یا مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم ادائیگی کی شرط لگانا صحیح ودرست ہے۔

ان حضرات کے دلائل یہ ہیں:

قرآن کریم میں ہے: ”یَااَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْااَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ“ (المائدہ:۱) (اے ایمان والو! وعدہ پورا کرو)۔

صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے: **”أحق ماأوفيتم من الشروط أن توفوا به مااستحللتم به الفروج“** (صحیح بخاری کتاب النکاح باب الشروط فی النکاح ۲/۷۷۴) (سب سے زیادہ پورہ کئے جانے کے لائق وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم نے عصمتوں کو حلال کیا)۔

اکثر مقالہ نگار حضرات نے استدلال میں ہدایہ کی یہ عبارت بھی پیش کی ہے:

”لوتزوّجها على ألف إن أقام بها وعلى ألفين إن أخرجها فإن أقام بهافلها الألف وإن أخرجها فلها مهرالمثل لايزاد على ألفين ولاينقص عن الألف وهذا عند أبى حنيفةؒ وقال: الشرطان جميعا جائزان حتى كان لها الألف إن أقام بها والألفان إن أخرجها“ (ھدایہ باب المہر ۲/۳۲۹، ردالمحتار وبدائع الصنائع)۔

(اگر بوقت نکاح مہر اس طرح طے پائے کہ اگر شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار روپئے اور اگر باہر لے گیا تو مہر دو ہزار روپئے ہوں گے، اس صورت میں اگر اس نے شرط پوری کردی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر ایک ہزار روپئے دینا ہوگا اور شرط پوری نہیں کی تو مہر مثل لازم ہوگا جو ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زائد ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم ہوگا)۔

اور مذکورہ بالا عبارت کو پیش کرتے ہوئے یہ بات لکھی گئی کہ طلاق کے بے جا استعمال اور عورت کو ظلم سے بچانے کے لئے صاحبینؒ کے قول کو حالات اور ضرورت کے پیش نظر اختیار کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ بہت سارے مسائل میں ضرورت کی بنا پر صاحبین کے قول پر فتوی دیا گیا ہے، مثلاً مزارعت ومساقات وغیرہ۔

”وإن خالفه صاحباه فى ذٰلک فإن كان اختلافهم اختلاف عصر وزمان كالقضاء بظاهرالعدالة يأخذ بقول صاحبيه لتغير أحوال الناس وفى المزارعة والمعاملة ونحوها يختار قولهما لإجماع المتأخرين على ذٰلک“ (شرح عقود رسم المفتی ص ۲۰)۔

البتہ ان میں سے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ نکاح کے وقت مذکورہ شرط لگانا تو جائز ہے، لیکن مناسب نہیں ہے، ان حضرات نے وعظ ونصیحت، لوگوں کا دینی مزاج بنانے، نکاح کو سنت طریقہ پر انجام دینے اور معاشرہ کی اصلاح کی طرف توجہ دینے پر زور دیا ہے۔ یہ رائے مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا نورالحق رحمانی، مولانا رحمت اللہ ندوی ومولانا ولی اللہ

مجید قاسمی کی ہے۔

لیکن کچھ مقالہ نگار حضرات نے وقت نکاح یا نکاح نامہ میں متعہ یا نصف مہر کی شرط لگانے کو جائز قرار نہیں دیا ہے۔

اس رائے کے حاملین مندرجہ ذیل حضرات ہیں: مولانا عبداللہ جولم، مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی محمد توصیف صدیقی، مولانا حفیظ الرحمٰن عثمان مدنی، مفتی سیف الاسلام، مفتی اسرار و مفتی اسعد فلاحی۔

مولانا عبداللہ جولم نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ نکاح کے وقت یا نکاح نامہ میں طلاق سے متعلق کسی بات کا پابند بنانا میاں بیوی کے درمیان سکون واطمینان کی فضا کو ختم کردے گا جو نکاح کی حکمت کے خلاف ہے،

اوربطور دلیل ''**وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً**''(**الروم: ۲۱**) پیش کی۔

مفتی اقبال محمد ٹنکاروی کا نظریہ یہ ہے کہ متعہ تبرع واحسان کے قبیل سے ہے، جس میں انسان کو اختیار ہوتا ہے، اس کو لازم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی حکم وجوبی مان کر قانونی شکل دی جاسکتی ہے۔

مولانا حفیظ الرحمٰن عثمان مدنی تین وجوہ سے اس طرح کی شرط لگانے کو جائز قرار نہیں دیتے ہیں۔

(۱) کتاب اللہ پر زیادتی (۲) مطلق کو مقید کرنا (۳) فقہاء کے قول ''**الحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال**''۔

ڈاکٹر محی الدین غازی لکھتے ہیں کہ طلاق کی بے اعتدالیوں کو روکنے کے لئے قرآن مجید کا طریقہ سب سے مفید ہے، وہ یہ کہ تقوی، احسان کے جذبہ اور اسلامی شعور کو بیدار کیا جائے۔

سوال نمبر ۱۰ اور ۱۱: دونوں مسئلے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور دونوں کا مقصد مالی بوجھ کی وجہ سے طلاق کی کثرت کو روکنا ہے تو اس سلسلہ میں راقم الحروف کا رجحان یہ ہے کہ متعہ یا بطور متعہ مہر کے علاوہ نصف مہر کو واجب قرار دینا اور وقت نکاح یا نکاح نامہ میں بھی متعہ یا نصف مہر کا لفظ استعمال کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہ شرط لگائی جائے کہ ابھی مہر مثلاً چالیس ہزار روپے ہے اگر شوہر نے بے جا طلاق دی یا بیک وقت تین طلاق دی تو مہر پچاس ہزار روپے ہوں گے تو صاحبینؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کو جائز ہونا چاہئے، جب احناف کے مسلک میں مالی بوجھ کی صورت بن رہی ہے تو بلا وجہ دوسرے مسلک کی جانب عدول کی کیا ضرورت ہے۔

البتہ نکاح نامہ میں بھی شرط کے جواز کے قول کو مبتلی بہ پر چھوڑ دیا جائے، قانونی اور لازمی شکل نہ دی جائے، اس کی چند وجوہات ہیں۔

۱:۔ نکاح نامہ میں شرط لگانے کی وجہ سے اول دن سے ہی میاں بیوی میں بھید بھاؤ شروع ہوجانے کا امکان ہے، جو آئندہ کی خوشگوار زندگی کے لئے اچھی علامت نہیں ہوگی۔

۲:۔شوہر مہر کے بوجھ کی وجہ سے نہ تو بیوی کو طلاق دے گا اور نہ ہی اس کا حق ادا کرے گا، گویا وہ ترک کالمعلقہ رہے گی۔

۳:۔جب طلاق مشکل امر ہوگا تو لوگ نکاح سے اعراض کریں گے جس کے نتیجہ میں زنا کا دروازہ کھلے گا۔

۴:۔ناگزیر اسباب کی بنا پر شوہر طلاق نہ دے کر قتل یا دوسرے وحشیانہ اقدام کرے گا۔

۵:۔حکومت کے لئے طلاق کے مسئلہ میں مداخلت کی راہ ہموار ہوگی۔

☆☆☆

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی☆

تمہید:

اسلام پاک وصاف ماحول قائم رکھنا چاہتا ہے، لہذا جب کوئی فرد یا جماعت عادلانہ نظام کے لئے خطرہ بن جائے تو بدرجہ مجبوری سزا کا بھی قائل ہے، یہ سزا جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے، جسمانی سزا کی گنجائش پر تو سب کا اتفاق ہے، جبکہ مالی سزا کے ذریعہ تعزیر کی مشروعیت کے سلسلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف رہا ہے، اکیڈمی کا سوالنامہ شاید اسی پس منظر میں تیار کیا گیا ہے، تاکہ صورت مسئلہ واضح ہو۔

اس مختصر تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱-تعزیر بالمال کا مفہوم:

تعزیر بالمال کا مفہوم یہ ہے کہ مجرم سے مال لے کر اس کو تعزیری سزا دی جائے، بہ الفاظ دیگر: مالی سزا کے ذریعہ تعزیر کرنے کا نام ”تعزیر بالمال“ ہے۔

خیال رہے کہ مالی تعزیر کے جواز کے قائل فقہاء کے درمیان اس کے مفہوم کی تحدید کے سلسلہ میں اختلاف ہے، چنانچہ محمد بن شہاب بزاز کردری حنفی (م:۸۲۷ھ) تحریر فرماتے ہیں: ”**معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به إمساک شیٔ من ماله عنده مدة لینزجر، ثم یعیده الحاکم إلیه، لا أن یأخذه الحاکم لنفسه، أو لبیت المال، کما یتوهمه الظلمة، إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي**“ (ابن عابدین، رد المحتار، باب التعزیر، مطلب في التعزیر بأخذ المال ۶۱/۴، بیروت، دار الفکر، ع ۱۴۲۱،۸۰اُ ۰ھ-۲۰۰۰ء) (مالی تعزیر کے جواز کے قول کے مطابق مال لے کر تعزیر کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ مجرم کے کچھ مال کو حاکم ایک مدت تک اپنے پاس رکھے، تاکہ مجرم اپنے جرم سے باز آ جائے، پھر حاکم اسے اس کا مال لوٹا دے، یہ مفہوم نہیں ہے کہ حاکم اپنی ذات کے لئے یا حکومت کے خزانہ کے لئے مال لے، جیسا کہ ظالم لوگ گمان کرتے ہیں؛ کیونکہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی کا مال شرعی سبب کے بغیر لے لے)۔

☆ جامعہ سید احمد شہید، کٹولی، ملیح آباد، لکھنؤ۔

البتہ اگر حاکم مجرم کے تائب اور صلاح یافتہ ہونے سے مایوس ہوجائے تو اسے اس مال میں مصلحت کے مطابق تصرف کا حق ہے۔

علامہ شامی ''مجتبی'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''فإن أیس من توبته یصرفها إلی ما یری'' (مصدر سابق ۶۱/۴) (سو اگر حاکم اس کی توبہ سے مایوس ہوجائے، تو اسے جو مصلحت سمجھے اس میں خرچ کرے) جبکہ دیگر فقہاء کا خیال ہے کہ مال لے کر تعزیر کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ حاکم مجرم سے مال لے کر حکومتی خزانہ میں ڈال دے، یا اسے تلف کردے، یا اس کی شکل بگاڑ دے، یا کسی دوسرے کو مالک بنادے، اور مجرم کو اس سے محروم کردے، چنانچہ علامہ شرف الدین ابوالنجا موسی بن احمد حجاوی مقدسی دمشقی (م:۹۶۸ھ) لکھتے ہیں: ''التعزیر بالمال سائغ إتلافا وأخذا'' (بہوتی حنبلی، کشاف القناع عن متن الإقناع ۱۲۵/۶، بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۲ھ، ع ۱۰ أ: ۶) (ابن تیمیہ کے بقول مال کے ذریعہ تعزیر کرنا جائز ہے، خواہ ضائع کرکے ہو یا لے لینے کی صورت میں ہو)۔

''تعزیر بالمال'' اور ''تعزیر بأخذ المال'' میں فرق:

''تعزیر بالمال'' اور تعزیر بأخذ المال'' میں تھوڑا سا فرق ہے، وہ یہ کہ ''تعزیر بالمال'' میں مال لے لینا، اسے روکے رکھنا، جلا دینا، ضائع کرنا، صورت بدل دینا اور دوسرے کو مالک بنا دینا سب شامل ہے۔

جبکہ ''تعزیر بأخذ المال'' میں صرف مال لینے کا جواز ہے، نیز اسے بھی بہ حفاظت رکھنا ہے، اور اصلاح حال کے بعد لوٹا دینا ہے، جیسا کہ گزرا، اور اس فرق کی وجہ سے صورت مسئلہ پر بڑا اثر پڑے گا؛ کیونکہ جو فقہاء مال کو لے کر اصلاح حال کے لئے ایک مدت تک روکے رکھنے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک جلا دینا، ضائع کردینا، شکل بدل دینا، اور دوسرے کو مالک بنا دینا کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔

۲-تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب:

تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب یہی ہے کہ مالی تعزیر جائز نہیں ہے، چنانچہ طرفین کسی حال میں اسے جائز نہیں قرار دیتے ہیں، جبکہ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ مصلحت کی صورت میں جائز ہے، جیسا کہ علامہ زین الدین بن ابراہیم ابن نجیمؒ (م:۹۷۰) تحریر فرماتے ہیں: ''والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال'' (ابن نجیم، البحر الرائق ۴۴/۵، بیروت، دار المعرفۃ) (خلاصہ یہ ہے کہ حنفی مذہب یہی ہے کہ مال لے کر تعزیر کرنا جائز نہیں ہے)۔

علامہ شامی نے امام ابو یوسف سے نقل کردہ روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، تحریر فرماتے ہیں: ''أن ذلک روایة ضعیفة عن أبي یوسف'' (ابن عابدین، رد المحتار ۶۱/۴) (یہ امام ابو یوسف سے نقل کردی ضعیف روایت ہے)، خلاصہ یہ کہ مال لے کر تعزیر کرنا جائز نہیں ہے، یہی جمہور اہل علم اور ائمہ اربعہ کا مسلک ہے۔

۳-تعزیر بالمال کی بابت امام ابو یوسف کا قول اور اس کی حیثیت:

جیسا کہ گزرا کہ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ مجرم سے مال لے کر تعزیر کرنا جائز ہے، بشرطیکہ ایسا مصلحت کے پیش نظر ہو، لیکن امام ابو یوسف سے منقول اس روایت کو علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے، جیسا کہ تحریر فرماتے ہیں:"وظاهره أن ذلک رواية ضعيفة عن أبي يوسف"(ابن عابدین، ردالمحتار ۶۱/۴)(اور بہ ظاہر یہ امام ابو یوسف سے نقل کردہ ضعیف روایت ہے)۔

اور شرنبلالیہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:"ولا يفتى بهذالما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس، فيأكلونه"(مرجع سابق ۶۱/۴)(اس قول پر فتوی نہیں دیا جائیگا، اس لئے کہ اس کے اندر ظالم حکمرانوں کو لوگوں کے مال لینے پر مسلط کرنا ہے، چنانچہ وہ لے کر کھالیں گے)۔

۴-امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی کی صراحت یا عدم صراحت:

امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی نہ دیئے جانے کی صراحت تو ملتی ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:"قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس، فيأكلونه، ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان"(ابن عابدین، ردالمحتار ۶۱/۴)(شرنبلالیہ میں درج ہے کہ اس پر فتوی نہیں دیا جائے گا؛ اس لئے کہ اس میں ظالم لوگوں کو لوگوں کے مال لینے پر مسلط کرنا ہے، چنانچہ وہ لے کر کھالیں گے، اور اسی کی مانند ابن وہبان سے "شرح الوہبانیۃ" میں منقول ہے)۔

البتہ خلاصہ کے حوالہ سے ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں:"وسمعت عن ثقة، أن التعزير بأخذ المال، إن رأى القاضي ذلک أو الوالي جاز، ومن جملة ذلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال" (ابن نجیم، البحر الرائق ۴۴/۵)(میں نے قابل اعتماد شخص سے سنا کہ مال لے کر تعزیر کرنا جائز ہے اگر قاضی یا حاکم اس کے اندر مصلحت خیال کرے، اور اسی فہرست میں وہ شخص بھی داخل ہے جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتا ہو، تو مال لے کر اس کی تعزیر جائز ہے)۔

البتہ صاحب خلاصہ نے اسے قابل اعتماد عالم کے نام کی صراحت نہیں کی ہے، لیکن خلاصہ کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ابن ہمام محمد بن عبد الواحد(م:۸۶۱ھ) تحریر فرماتے ہیں:"مبني على اختيار من قال بذلک من المشائخ كقول أبي يوسف"(ابن ہمام، فتح القدیر ۳۴۵/۵، بیروت، دارالفکر)(ان مشائخ کے قول کو اختیار کرنے پر مبنی ہے، جنہوں نے ابو یوسف کے قول کی مانند بات کہی ہے)۔

لیکن ان مشائخ کے نام کی صراحت انہوں نے بھی نہیں کی ہے۔

۵-تعزیر بالمال اور مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال:

طرفین کی طرح ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی تعزیر بالمال جائز نہیں ہے۔

مذہب مالکی:

مذہب مالکی میں اس بات کی صراحت آئی ہے کہ ''تعزیر بالمال'' جائز نہیں ہے، چنانچہ محمد عرفہ دسوقی مالکیؒ (م: ۱۲۳۰ھ) تحریر فرماتے ہیں: ''ولا يجوز التعزير بأخذ المال إجماعا'' (دسوقی مالکی، حاشیۃ الدسوقي ۴/۳۵۵، بیروت، دارالفکر، تحقیق: محمد علیش، ع ۰ اُ ۰: ۴) (بہ اتفاق مال لے کر تعزیر کرنا جائز نہیں ہے)۔

البتہ مالکی مذہب میں یہ صراحت ہے کہ دودھ وغیرہ میں ملاوٹ کردی ہو تو اسے صدقہ کردے، ابن فرحون مالکیؒ (م: ۷۹۹ھ) تحریر فرماتے ہیں: ''ومن غش في سلعته أهل السوق، فقال: مالك: أرى أن يتصدق بها على المساكين بغير ثمن، إذا كان البائع هو الذي غش في السلعة'' (ابن فرحون مالکی، تبصرۃ الحکام ۲/۲۶۸، طبع الحلبی) (جو بازار والے سے اپنے مال میں ملاوٹ کردے، تو اس کے بارہ میں امام مالک کا قول ہے کہ میری رائے ہے کہ ملاوٹ والے سامان کو بغیر دام کے مسکینوں پر صدقہ کردے، جبکہ فروخت کنندہ نے ہی سامان میں ملاوٹ کی ہو)۔

مذہب شافعی:

مذہب شافعی میں بھی ''تعزیر بالمال'' کے عدم جواز کی صراحت کی گئی ہے، جیسا کہ عبدالرحمٰن بن محمد بن حسین باعلوی شافعیؒ (م: ۱۳۰۳ھ) رقم طراز ہیں: ''ولا يجوز التعزير بأخذ المال عندنا'' (باعلوی، عبد الرحمٰن، بغیۃ المسترشدین ص ۵۳۲، بیروت، دارالفکر، ع ۰ اُ ۰: ۱) (ہمارے نزدیک مال لے کر تعزیر کرنا جائز نہیں ہے)۔

مذہب حنبلی:

مذہب حنبلی میں بھی ''تعزیر بالمال'' کی صراحت ہے جیسا کہ مصطفیٰ بن سعد سیوطی رحیبانی (م: ۱۲۴۳ھ) تحریر فرماتے ہیں: ''وكذا يحرم تعزير بأخذ مال أو إتلافه؛ لأن الشرع لم يرد بشئ من ذلك عمن يقتدى به'' (رحیبانی حنبلی، مطالب أولي النہی ۶/۲۲۴، دمشق، المکتب الإسلامی ۱۹۶۱ء، ع ۰ اُ ۰: ۶) (ایسے ہی مال لے کر یا اسے ضائع کر کے تعزیر کرنا حرام ہے، کیونکہ پیشوا حضرات کی طرف سے اس طرح کی کسی چیز کے ساتھ شریعت وارد نہیں ہے)۔

البتہ ابن تیمیہ اور ابن قیم حنبلی کی رائے ہے کہ ''تعزير بالمال سائغ إتلافا وأخذا'' (حجاوی، حنبلی، الإقناع ۴/۲۷۰، بیروت، دارالمعرفۃ) (مالی تعزیر جائز ہے خواہ ضائع کرنے کی صورت میں ہو یا لے لینے کی صورت میں)۔

مذاہب میں گنجائش پر ایک نظر:

مذاہب اربعہ میں اس بابت کچھ گنجائش منقول نہیں ہے، البتہ بعض مالکی فقہاء کی انفرادی رائے یہ ہے کہ ردی بناوٹ والی چادریں جلادی جائیں، یہ ابن قطان قرطبی اندلسی کا فتوی ہے، اور ابن عتاب مالکی کا فتوی ہے کہ ردی چادر ٹکڑے ٹکڑے کر کے صدقہ کردیا جائے، ابن فرحون مالکیؒ لکھتے ہیں: ''وأفتى ابن القطان القرطبى في الملاحف الردئية النسج بالإحراق بالنار،

وأفتى ابن عتاب بتقطيعها خرقا، وإعطائها للمساكين، إذا تقدم إلى مستعمليها فلم ينتهوا عن ذلك''(ابن فرحون، مالکی، تبصرۃ الحکام ۲/ ۲۶۸)(ابن قطان قرطبی نے ردی بناوٹ والی چادروں کو آگ سے چلانے کا حکم دیا، اور ابن عتاب نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مسکینوں کو دینے کا فتوی دیا، جبکہ استعمال کرنے والے کو تنبیہ کر دی گئی ہو، لیکن وہ اس سے باز نہ آ رہے ہوں)، اور امام مالک نے ملاوٹ والے دودھ کو صدقہ کرنے کی رائے دی (مرجع سابق ۲/ ۲۶۸)۔

۶- جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے ضرورۃً مالی تعزیر کا حکم:

بڑھتے ہوئے جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے ضرورۃً جواز وگنجائش کے قول پر فتوی دیا جا سکتا ہے، جبکہ وعظ اور زبانی فہمائش کافی نہ ہو، اور جسمانی سزا کا بھی کوئی موقع نہ ہو، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- مذہب کے اس ضعیف قول کی کچھ نہ کچھ اساس شریعت میں موجود ہے، مسجد ضرار جس کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''والذين اتخذوا مسجدا ضرارا وكفرا وتفريقا بين المؤمنين، وإرصادا لمن حارب الله ورسوله من قبل''(توبہ: ۱۰۷)(اور جنہوں نے ایک مسجد بنائی ہے اسلام کو نقصان پہنچانے، کفر کو تقویت دینے، اہل ایمان کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور ان لوگوں کے واسطے ایک اڈا فراہم کرنے کے مقصد سے جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں)۔

اس کو رسول کریم ﷺ نے منہدم کرنے کا حکم دیا، اور رسول کریم ﷺ کا عمل اس آیت کی تفسیر ہے، لہذا یہ آیت ''تعزیر بالمال'' کے جواز کی دلیل ہے۔

۲- نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:''ومن منعها، فإنا آخذوها منه، وشطر إبله، عزمة من عزمات ربنا لا يحل لآل محمد منها شي''(ابوداؤد حدیث نمبر: ۱۵۷۵، مسند احمد حدیث نمبر: ۲۰۰۱۶، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے)(جو اپنے چرائی والے اونٹ کی زکوۃ نہ دے، تو ہم زکوۃ بھی لیں گے اور اس کے نصف اونٹ بھی لے لیں گے، یہ ہمارے رب کے واجبی حقوق میں سے ایک حق ہے، ان میں سے کچھ آل محمد کے لئے حلال نہیں ہے)، اس حدیث میں نصف اونٹ کا لینا مالی سزا کے طور پر ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے۔

۳- اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''ماقطعتم من لينة أو تركتموها قائمة على أصولها فبإذن الله، وليخزي الفاسقين''(حشر: ۵)(کھجوروں کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے، یا جو سلامت چھوڑے، تو یہ اللہ کے حکم سے ہوا، اور تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے)۔

محاصرہ کے دوران رسول کریم ﷺ نے یہود بنی نضیر کے کھجور کے درخت کاٹنے کا حکم دیا تاکہ وہ خود سپردگی کر دیں، اور اس کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی، جس سے پتہ چلتا ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے، جمہور تعزیر بالمال کو منسوخ مانتے ہیں، لیکن نسخ کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

۷- مالی جرمانہ کا حکم:

طلباء کی مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ کی گنجائش ہے، کیونکہ مالی جرمانہ کی مشروعیت مالی سزا

کے ذریعہ تعزیر کی مشروعیت پر مبنی ہے، اور مالی سزا کے ذریعہ تعزیر مشروع ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-"**فجعلهم جذاذا إلا كبيرا لهم لعلهم إليه يرجعون**" (انبیاء:۵۸) (سو اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا بجز ان کے ایک بڑے کے تا کہ وہ اسی کی طرف رجوع کریں)۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کے بتوں کو توڑ دیا، تا کہ معلوم ہو کہ وہ نفع ونقصان سے خالی ہیں، اور اللہ نے اس پر کوئی نکیر نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ برائی کی چیز کو ضائع کرنا درست ہے، لہذا تعزیر بالمال کے لئے یہ آیت دلیل ہے۔

۲-حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"**والذي نفسي بيده، لقد هممت أن آمت بحطب فيحطب ثم آمر بالصلاة فيؤذن لها، ثم آمر رجلا فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال، فأحرق عليهم بيوتهم، والذي نفسي بيده لو يعلم أحدهم أنه يجد عفقا سمنيا أو مرماتين حسنتين لشهد العشاء**"(صحیح البخاری حدیث نمبر ۶۴۴، صحیح مسلم حدیث نمبر:۶۵۱) (قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میں نے ارادہ کیا کہ ایندھن جمع کئے جانے کا حکم دوں، پھر نماز کا حکم دوں، اور اس کے لئے اذان کہی جائے، پھر ایک شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرے، اور میں ایسے اشخاص کے پاس جاؤں جو (جماعت سے پیچھے رہ جاتے ہیں) پھر ان کے گھروں کو ان پر جلا دوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، اگر ان میں سے کسی کو معلوم ہوا کہ اسے تھوڑا عمدہ باریک گوشت والی ہڈی یا دو خوبصورت کھر مل جائیں گے تو وہ عشاء کی نماز میں ضرور شریک ہوتا)۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز سے پیچھے رہنے والوں کے گھروں کے جلانے کا ارادہ فرمایا، چنانچہ اس سے تعزیر بالمال کا جواز معلوم ہوتا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ جائز کام کا ہی ارادہ کر سکتے ہیں۔

۳-علامہ ابن عابدین شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:"**ذكر الصدر الشهيدعن أصحابنا أنه يهدم البيت على من اعتاد الفسق وأنواع الفساد في داره، حتى لا بأس بالهجوم على بيت المفسدين**" (ابن عابدین، ردالمحتار ۴/ ۶۵) (صدر شہید نے ہمارے فقہاء سے نقل کیا ہے کہ گھر کو ڈھا دیا جائے گا اس شخص کے حق میں جو اپنے گھر میں فسق اور مختلف قسم کے فساد کا عادی ہو، یہاں تک کہ فساد مچانے والے کے گھر پر حملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے)، اس جزئیہ سے استئناس کیا جا سکتا ہے کہ غفلت سے روکنے کے لئے مالی جرمانہ کی گنجائش ہے، بشرطیکہ زبانی فہمائش مؤثر نہ ہو، اور طالب علم کوتاہی اور شرارت کا عادی ہو۔

۸-نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانے کا حکم:

مختلف ادارے نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کا نظام بناتے ہیں، اس کی گنجائش ہے؛ کیونکہ جو مالی جرمانہ قرض وغیرہ کے مقابلہ میں نہ ہو تو شریعت میں اس کا جواز ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"**وانظر إلى إلهک الذي ظلت عليه عاكفا لنحرقنه لم لننسفنه في اليم**

نسفا" (طہ:۹۷) (اور اپنے اس معبود کو دیکھ جس پر تو فدا رہا ہے ہم اس کو جلائیں گے، پھر اس کو سمندر میں بکھیر دیں گے)۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو جو یہود نے اپنے معبود کے طور پر سونے کا بنایا تھا جلادیا، چنانچہ یہ تعزیر بالمال کے جواز کی دلیل ہے، اور جب تعزیر بالمال جائز ہے تو مالی جرمانہ بھی جائز ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، تو یہ ہماری بھی شریعت ہے۔

۲-حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے جسم پر دو زعفرانی رنگ کے کپڑے دیکھے، تو پوچھا: "أمك أمرتك بهذا؟ قلت: أغسلهما يا رسول الله؟ قال: بل أحرقهما، إن هذه من ثياب الكفار، فلا تلبسها" (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۲۰۷۷، نسائی حدیث نمبر ۵۳۱۶، ۵۳۱۷، مسند احمد حدیث نمبر ۶۵۱۳) (تیری ماں نے اس کا حکم دیا؟ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول میں ان دونوں کو دھودوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلکہ ان دونوں کو جلادو، کیونکہ یہ کفار کے لباس میں سے ہیں، لہذا اسے مت پہنو)۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ کفار کے مشابہ لباس کو آپ ﷺ نے جلا دینے کا حکم دیا، سو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مالی تعزیر اور جرمانہ جائز ہے۔

۳-علامہ حصکفی محمد بن علی علاء الدینؒ (م:۱۰۸۸ھ) "شرح وہبانیہ" کے حوالہ سے رقم طراز ہیں: "ويكون بالنفي عن البلد، وبالهجوم على بيت المفسدين، وبالإخراج من الدار، وبهدمها، وكسر دنان الخمر، وإن ملحوها" (حصکفی، الدر المختار ۴/۶۵، بیروت، دار الفکر) (اور تعزیر شہر سے دربدر کرنے، فسادیوں کے گھر پر حملہ کرنے، گھر سے نکالنے، گھر کو ڈھادینے اور شراب کے مٹکے کو توڑ دینے کے ذریعہ ہوتی ہے، خواہ اسمیں نمک ڈال دیا گیا ہو)، اس جزئیہ سے استئناس کیا جاسکتا ہے کہ نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کی گنجائش ہے، بشرطیکہ رقم کی ادائیگی لازم ہو، اور مالی جرمانہ کے ضابطہ کی صراحت کردی گئی ہو، قاضی شریحؒ نے فیصلہ دیا کہ "من شرط على نفسه طائعا غير مكره فهو عليه" (صحیح البخاری ۱۰۸/۷، بیروت، دار طوق النجاۃ، طب:۱، ۱۴۲۲ھ، ع۰۱ :۹) (جو اپنے اوپر خوشی سے کوئی شرط عائد کرلے، تو اس کو پورا کرنا لازم ہے)۔

دراصل اگر اسے مان لیا جائے کہ مالی سزا کے ذریعہ تعزیر کی جاسکتی ہے، تو پھر مالی جرمانہ کا جواز بھی ثابت ہوجاتا ہے۔

۹-برادری وغیرہ کی طرف سے مالی جرمانہ کے نظام کا حکم:

برادری اور خاندانی پنچایت نیز کاروباری انجمن اگر ایسا نظام بناتی ہیں جو شریعت سے متصادم نہ ہو، اور واقعی کسی کوتاہی پر مالی جرمانہ کی ادائیگی کا نظم ہو تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اگر برادری یا انجمن بہ طور تبرع کوئی رقم لیتی ہو، تو تبرع کی قسط کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں کوئی مالی جرمانہ عائد کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ تبرع کرنے والے کو حق ہے کہ اپنے تبرع سے باز آجائے، اگرچہ ایسا کرنا اچھا نہیں ہے۔

البتہ اگر برادری کے فرد یا انجمن کے ممبر نے لازمی طور پر بہ خوشی کسی رقم کی ادائیگی پر اتفاق کیا ہو، نیز اس اصول کو بھی تسلیم

کیا ہو کہ مطلوبہ رقم مقررہ وقت پر نہ ادا کرنے کی صورت میں مالی جرمانہ کا سامنا کرنا پڑے گا، تو پھر ایسی صورت میں مطلوبہ رقم مقررہ وقت میں نہ ادا کرنے کی صورت میں مالی جرمانہ کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ اس کا سود سے دور و نزدیک کا تعلق نہیں ہے؛ کیونکہ مدت کے مقابلہ میں دین کی اصل رقم پر اضافہ کو سود کہتے ہیں۔

البتہ یہ مالی سزا کے ذریعہ تعزیر کرنے کے باب سے ہے، جس کی بعض فقہاء کے نزدیک گنجائش ہے، اور کتاب وسنت کے دلائل سے اسی کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ وہ دلائل گزرے، اور تعزیر بالمال کے نسخ پر کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے۔

ہاں اگر برادری یا خاندانی پنچایت کا نظام شریعت سے متصادم ہو، تو پھر اس کے لئے کوئی رقم دینا ہی سرے سے جائز نہیں ہے، تو مالی جرمانہ کیوں کر جائز ہوگا؟

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**وتعاونوا على البر والتقوى، ولا تعاونوا على الإثم والعدوان**" (مائدہ:۲) (جو کام نیکی اور اللہ ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو، اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں، ان میں کسی سے تعاون نہ کرو)۔

اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**إن دماء كم وأموالكم وأعراضكم بينكم حرام كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا، في بلدكم هذا**" (صحیح البخاری حدیث نمبر: ۶۷، ۱۰۵، ۱۷۴۱، صحیح مسلم ۱۶۷۹) (بے شک تمہاری جان ومال اورعزت وآبرو آپس میں اسی طرح حرام ہیں، جیسے تمہارے اس شہر اس ماہ میں تمہارے اس دن کی حرمت ہے)۔

۱۰- بے وجہ طلاق کی صورت میں مالی تعزیر کا حکم:

جائز سبب کے بغیر طلاق دینا ممانعت کا ارتکاب ہے، جو دینی ذمہ داری میں کوتاہی اور گناہ ہے، لہذا طلاق کے بارے میں پائی جانے والی افراط وتفریط کو دیکھتے ہوئے اس بات کی گنجائش ہے کہ جن صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک متعہ واجب نہیں ہے، بلکہ صرف مستحب ہے، ایسی صورتوں میں متعہ کو واجب قرار دیا جائے، اور بصورت نقد اس کی ایک معقول حد مقرر کی جائے، نیز اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر بہ طور تعزیر لازم کیا جائے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- اسلام یہ چاہتا ہے کہ ایک مرد اور عورت شادی کے بندھن میں ہمیشہ کے لئے بندھے رہیں اور ناگزیر حالات میں ہی ایک دوسرے سے جدا ہوں کہ خاندانی نظام کو کمزور کرنا شیطان کا حربہ ہے، جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**ثم يجئ أحدهم فيقول: ما تركته حتى فرقت بينه وبين امرأته، فيلتزمه، ويقول: نعم أنت**" (صحیح مسلم حدیث نمبر: ۲۸۱۳، مسند عبد بن حمید حدیث نمبر ۱۰۳۳، مسند ابی یعلی حدیث نمبر: ۱۹۰۹، صحیح ابن حبان حدیث نمبر ۶۱۸۷، مسند احمد حدیث نمبر ۱۴۳۷۷) (پھر ان میں کا ایک فرد آ کر کہتا ہے کہ میں ایک آدمی کے ساتھ لگا رہا یہاں تک کہ میں نے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی پیدا کردی، یہ سن کر ابلیس فرط مسرت سے اسے چمٹا لیتا ہے اور خود سے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے: تم کتنے اچھے ہو)۔

چونکہ عام طور سے بے بنیاد اسباب کی بنا پر طلاق کا استعمال ہوتا ہے، لہذا بہ طور تعزیر جن صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک متعہ

مستحب ہے ایسی صورتوں میں متعہ کو واجب قرار دے کر بصورت نقد اس کی ایک معقول حد مقرر کی جاسکتی ہے، نیز یہ صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کر دیا جائے۔

البتہ ایسا اس صورت میں کیا جائے جس میں شوہر نے ''ثالثی'' کے ذریعہ تصفیہ کی کوشش کے بغیر طلاق دے دی ہو۔

۲-اسلام عدل و انصاف کا مذہب ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے: ''إن الله يأمر بالعدل والإحسان'' (نحل:۹۰) (اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے)، نیز ارشاد باری ہے: ''وأقسطوا إن الله يحب المقسطين'' (حجرات:۹) (اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)، لہذا جب کوئی چیز ظلم کا ذریعہ بن جائے، تو اس کی بنا پر مالی تعزیر کی جاسکتی ہے۔

۳-ظلم کے دروازہ کو بند کرنا شریعت کا تقاضا ہے، لہذا ''كل مسألة خرجت عن العدل إلى الجور، وعن الرحمة إلى ضدها، وعن المصلحة إلى المفسدة، وعن الحكمة إلى العبث فليست من الشريعة، وإن أدخلت فيها بالتأويل'' (ابن القیم، اعلام الموقعین ۳/ ۳، بیروت، دار الجیل، ۱۹۷۳ء، تحقیق: طہ عبد الرؤف سعد، ع ۰ ۱ : ۴) (ہر مسئلہ جو عدل سے ظلم کی طرف نکل جائے، رحمت سے اس کی ضد کی طرف، مصلحت سے فساد کی طرف، اور حکمت سے بے مقصدیت کی طرف، تو وہ شریعت میں شامل نہیں، خواہ تاویل کے ذریعہ اس میں داخل کر دیا گیا ہو)۔ لہذا جب طلاق آلہ ظلم بن جائے، تو بہ طور تعزیر ایک رقم شوہر پر لازم کی جاسکتی ہے۔

۱۱-نکاح نامہ میں مالی تعزیر کی صراحت کا حکم:

نکاح کے وقت اور نکاح نامہ میں آدمی کو اس کا پابند بنایا جاسکتا ہے کہ اگر بے جا طور پر طلاق دی گئی، یا تین طلاق ایک ساتھ دی گئی تو متعہ کے طور پر یا مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینی ہوگی، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-اگرچہ اصولی اعتبار سے متعہ واجبہ اور مہر دونوں کو لازم نہیں کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: ''ولا بين المتعة والمهر'' (ابن نجیم، البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، باب التیمم ۱/ ۱۷۲) (متعہ واجبہ اور مہر کو جمع نہیں کیا جائے گا) لیکن دفع ظلم کے لئے جب استحبابی حالت میں متعہ کو لازم قرار دیا گیا، تو پھر نکاح نامہ میں صراحت کرنے میں بہ ظاہر کوئی حرج نہیں ہے۔

۲-نکاح نامہ میں صراحت کا مطلب یہ ہوگا کہ شوہر زائد رقم کو بہ طور مہر دینے پر راضی ہے، اور اس گنجائش کی فقہاء نے بھی صراحت کی ہے، جیسا کہ علامہ حصکفیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''أو زيد على ما سمي، فإنها تلزمه بشرط قبولها في المجلس، أو قبول ولي الصغيرة، ومعرفة قدرها، وبقاء الزوجية على الظاهر'' (حصکفی، الدر المختار ۳/ ۱۱۱) (جو مہر متعین کیا گیا اس پر اضافہ کر دیا گیا، تو اضافہ شوہر پر لازم ہوگا، بشرطیکہ خاتون مجلس میں قبول کرلے، یا نابالغ بچی کا ولی قبول کرلے، اور اضافہ کی مقدار معلوم ہو، اور ظاہر الروایہ کے مطابق زوجیت باقی ہو)۔

۳-تعزیری رقم کو تحریری شکل دینا محض وثوق واطمینان کے لئے ہے، اور وثوق واطمینان ہی کے لئے ''دین'' کو تحریری

شکل دینے کا حکم ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:"**یا أیها الذین آمنوا إذا تداینتم بدین إلی أجل مسمی فاکتبوه، ولیکتب بینکم کاتب بالعدل**"(بقرہ:۲۸۲)(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب کسی مقررہ مدت کے لئے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز تحریر کرے)۔

☆☆☆

تعزیر بالمال سے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب کی تحقیق اور اکابر علماء وفقہاء کے فتاویٰ کا خلاصہ

مولانا محمد زید مظاہری ندوی ☆

۱-تعزیر بالمال کا مفہوم اور تعزیر بالمال وبأ خذ المال کا فرق:

منکرات ومعاصی اور جرائم ومظالم کی روک تھام کے لئے مجرم وظالم کو مالی سزا دینے کو تعزیر بالمال کہتے ہیں۔

جہاں تک تعلق تعزیر بالمال وبأ خذ المال کے فرق کا ہے تو حقیقت کے لحاظ سے تعزیر بالمال وتعزیر بأ خذ المال میں کوئی فرق نہیں، صرف تعبیر کا فرق ہے، جیسے فقہاء کے یہاں طلاق بالمال اور طلاق بأ خذ المال، یا اعتاق علی مال اور اعتاق علی اخذ المال یا اجارہ بالمال اور اجارہ بأ خذ المال، یا کراء الأرض بالمال اور کراء الأرض بأ خذ المال میں کوئی فرق نہیں، اسی طرح تعزیر بالمال اور تعزیر با خذ المال میں بھی حقیقت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں، حقائق شرعیہ ولغویہ اور فقہاء ومحدثین کے کلام سے ایسا ہی سمجھ میں آتا ہے، اس کے خلاف فقہاء ومحدثین کی کوئی تصریح نظر سے نہیں گزری، اور جن لوگوں نے تعزیر بأ خذ المال کو تغییر مال، تملیک مال، اتلاف مال، کا قسیم قرار دے کر فرق کرنے کی کوشش کی ہے، وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ تغییر یا تملیک یا اتلافِ مال سب کے لئے اخذ مال وقبض مال لازم ہے، (حساً ہو یا حکماً ومعنیً)، اخذ مال کے بعد ہی یہ مختلف احتمالات اور مختلف صورتیں پیدا ہوتی ہیں، یعنی حبسِ مال یا اتلافِ مال وغیرہ اخذ مال کے بعد کے مختلف انواع ہیں، جن کے احکام فقہاء نے بیان کئے ہیں، سوال میں ذکر کردہ جملہ ”تعزیر بالمال وتعزیر بأ خذ المال“ کو بجائے بأ خذ المال کے بحبس المال کے معنی میں لیا جائے تو اس تاویل وتوجیہ سے دونوں میں فرق کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ تأویل بعید ہے، ورنہ تعزیر بالمال وبأ خذ المال کے درمیان کوئی فرق سمجھ میں نہیں آتا۔

۲، ۳-تعزیر بالمال کے متعلق احناف کا مسلک:

تعزیر بالمال کے سلسلہ میں احناف کا معروف مذہب عدم جواز کا ہے، صرف قاضی ابو یوسفؒ کی طرف ”قیل“ کے ساتھ یعنی ضعیف قول کے ساتھ جواز کی نسبت کی گئی ہے، وہ بھی صرف حکّام کے لئے، یعنی غیر اسلامی حکومت میں تعزیر بالمال کی ان کے یہاں بھی اجازت نہیں۔ اور اسلامی حکومت میں بھی تعزیر بالمال کی حیثیت صرف یہ ہے کہ ایک مدت تک کے لئے مال کو روک

☆ استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

لیا جائے ، اور مجرم کے اپنے جرم سے باز آجانے اور توبہ کر لینے کے بعد اس کے مال کو واپس کر دیا جائے ، یہ اس کی حیثیت ہے ، یعنی تعزیر بالمال کو ہمارے فقہاء نے "تعزیر بحبس المال" کے ساتھ مقید فرمایا ہے ،'' البحر الرائق ، فتاویٰ عالمگیری ، فتاویٰ بزازیہ ، رد المحتار شامی'' وغیرہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں ۔ چند عبارتیں ملاحظہ ہوں :

(۱)"ولم یذکر محمد التعزیربأخذ المال ، وقد قیل: روی عن أبی یوسف أن التعزیر من السلطان بأخذ المال جائز "کذا فی الظهیریة"۔

(۲)"وفی الخلاصة: سمعت عن ثقة أن التعزیر بأخذ المال إن رأی القاضی ذلک أو الوالی جاز

(۳)وأفاد فی البزازیة: أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به إمساک شئی من ماله عنه مدة لینزجر ، ثم یعیده الحاکم إلیه، لا أن یأخذه حاکم لنفسه أو لبیت المال کما یتوهمه الظلمة ،إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی"۔

(۴)"وفی المجتبیٰ: لم یذکر کیفیة الأخذ وأریٰ أن یأخذها فیمسکها، فإن أیس من توبته یصرفها إلی ما یریٰ "۔

(۵)"وفی شرح الآثار: التعزیر بالمال کان فی إبتداء الإسلام ثم نسخ، والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال" ۔

(۶)"وعند أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ یجوز التعزیر للسلطان أن یأخذ المال، وعندهما وباقی الأئمة الثلاثة لا یجوز،کذا فی فتح القدیر "۔

(۷)"قالوا: لکل مسلم إقامة التعزیر حال مباشرة المعصیة، وأما بعد المباشرة فلیس ذلک لغیر الحاکم، قال فی القنیة: رأی غیره علی فاحشة موجبة للتعزیر فعزره بغیر المحتسب، فللمحتسب أن یعزّر المعزّر إن عزّر بعد الفراغ منها، کذا فی البحر الرائق" (البحر الرائق ۵/ ۴۱،مجمع الانہر شرح ملتقی الأ بحر ۱/ ۶۰۹،فتاویٰ عالمگیری ۱۶۷/ ۲)۔

فقہاء کی عبارت کا خلاصہ:

فقہاء کرام کی مذکورہ بالا تصریحات سے درج ذیل امور مستفاد ہوئے ۔

(۱) احناف کا اصل مذہب یہی ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ، کیونکہ شریعت میں کسی دوسرے کا مال کسی شرعی سبب کے بغیر حلال نہیں ہوتا۔

(۲) جن روایات سے تعزیر بالمال کا جواز سمجھ میں آتا ہے احناف کے نزدیک وہ ابتدائے اسلام پر محمول اور منسوخ ہے ، جس میں احناف منفرد نہیں ہیں۔

(۳) قاضی ابو یوسفؒ سے تعزیر بالمال کی اجازت منقول ہے، لیکن فقہاء نے اس کو لفظ ''قیل'' سے نقل فرمایا ہے جس سے اس کے ضعف کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

(۴) قاضی ابو یوسفؒ سے ضعف کے ساتھ بھی تعزیر بالمال کی اجازت صرف حاکم، والی اور قاضی کے لئے منقول ہے، جس کا مفہوم مخالف یہ نکلا کہ غیر حاکم، غیر قاضی، غیر والی کے لئے قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی اس کی اجازت نہیں۔

(۵) اور قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی جن صورتوں اور جن حالات میں تعزیر بالمال کی اجازت ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک مدت تک کے لئے اس کی اصلاحِ حال کے خاطر مال کا حبس کرلیا جائے، اصلاح حال اور توبہ کے بعد اس کے مال کو واپس کردیا جائے۔

(۶) تعزیر بالمال کے عنوان سے لئے گئے مال کا استعمال اور اس میں مالکانہ تصرف، مثلاً اپنی ذات کے لئے اس کا استعمال یا بیت المال میں اس کا رکھنا قاضی اور حاکم کے لئے بھی جائز نہیں۔

(۷) جو لوگ تعزیر بالمال میں لئے گئے مال کو اپنے استعمال میں لانے اور اس میں مالکانہ تصرف کو جائز قرار دیتے ہیں، ایسے لوگ ظالم ہیں۔

مندرجہ بالا امور فقہاء کی ذکر کردہ عبارات مرقومہ سے واضح طور پر سمجھ میں آتے ہیں۔ **کمالایخفی علی من له أدنیٰ التیقظ۔**

۴- کیا فقہاء حنفیہ میں کسی کا فتویٰ اس قول کے موافق ہے؟

متقدمین و متاخرین تمام فقہاء احناف اس کے عدم جواز ہی کے قائل ہیں، اسی طرح ہمارے اکابر علماء ہند و پاک کا بھی اب تک اسکے عدم جواز ہی کا فتویٰ ہے، البتہ صاحب معین الحکام علامہ علاء الدین نے حکّام کے لئے اس کے جواز کو تحریر فرمایا ہے، جبکہ دوسرے موقع پر علی الاطلاق جواز کو قبول نہیں فرمایا، اور معاصر علماء میں سے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اجمال کے ساتھ اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے تفصیلی دلائل کے ساتھ، اور ان ہی کی اتباع میں صاحب فتاویٰ دارالعلوم زکریا مولانا رضاء الحق صاحب نے بھی جواز کو اختیار فرمایا ہے، نیز مولانا مجیب اللہ ندوی صاحبؒ نے بھی اپنی کتاب اسلامی فقہ (۲۸۰/۳) میں تعزیر بالمال کے جواز کی رائے اختیار فرمائی ہے۔ لیکن ان حضرات نے تعزیر بالمال کے جواز کے جو دلائل تحریر فرمائے ہیں ہمارے علماء محققین نے ان کو قبول نہیں کیا، اور نہ ہی ان کی آراء کو ترجیح دی، بعض حضرات نے مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلیؒ کی طرف بھی مالی جرمانہ کے جواز کا قول منسوب کیا ہے، لیکن فتاویٰ محمودیہ (۳۲۴/۲۰) میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے اس انتساب ہی کو مخدوش قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس فتویٰ پر تو ان کے دستخط بھی نہیں، اس لئے وہ فتویٰ غیر معتبر ہے، اب اختصار کے ساتھ اکابر علماء کے فتاویٰ اور قائلین جواز کے دلائل اور ان پر تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

تعزیر بالمال کے متعلق اکابر علماء وفقہاء کے چند فتاویٰ:

تعزیر بالمال کے سلسلہ میں فقہاء احناف کا جو معتمد مسلک ہے ہمارے تمام اکابر علماء وفقہاء کے فتاویٰ بھی اسی کے مطابق ہیں، چند اکابر کے فتاویٰ ملاحظہ ہوں:

تعزیر بالمال کے سلسلے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

(۱) ''تعزیر بالمال حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے......جرمانہ ہمارے امام صاحب کے مذہب میں حرام ہے، اس لئے یہ رقم حرام ہے،.......جرمانہ ہمارے علمائے حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں تو اس کی آمدنی جائز نہ ہوگی، اس لئے ایسا روپیہ مسجد میں لگانا جائز نہیں'' (امداد الفتاویٰ ص ۴۹۶ـ۴۹۹ـ ج ۵ جدید)۔

(۲) ''علامہ شامیؒ نے حاشیہ درمختار کی جلد ثالث باب التعزیر میں تصریح کی ہے کہ صرف امام ابو یوسفؒ سے جرمانہ کے جواز کی روایت منقول ہے، اور وہ بھی ضعیف، باقی اور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں، اور جب روایت ضعیف ہے قابل عمل نہیں ہوسکتی، اس کے علاوہ اس روایت میں بھی صرف صاحب سلطنت یا سلطنت کو اجازت ہے ....اور پھر حاکم کے لئے بھی اس لئے جواز کا فتویٰ دینے کو منع کیا گیا ہے کہ لوگوں کو ظلم کرنے کا بہانہ ہاتھ نہ آجائے (امداد الفتاویٰ ص ۵۰۵ـ ج ۵ سوال نمبر ۵۴۳ جدید)۔

(۳) ''اگر سیاست کی ضرورت ہو (یعنی مصلحتاً مالی جرمانہ مقرر کرنے کی ضرورت ہو) تو اس امر کی اجازت ہے کہ اس سے کوئی مقدار مال کی لی جاوے، اور چند روز تک اس کو اپنے پاس رکھ کر جب وہ خوب دق ہوجائے اس کو واپس کردی جائے''۔

(۴) ''یہ بھی اس شخص کو جائز ہے جس میں دو وصف ہوں ایک حکومت واختیار رکھتا ہو، تاکہ فتنہ نہ ہو، دوسرے معتمد ومتدین ہو کہ بعد چندے واپسی پر اطمینان ہو، ورنہ یہ بھی جائز نہیں'' (امداد الفتاویٰ ص ۴۹۸ـ ج ۵ سوال نمبر ۵۴۰ جدید)۔

(۵) سلطان جس کو اس سیاست کا حق حاصل ہے اس کے لئے بھی علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ واپسی اس وقت ہے جب آثار توبہ کے اس پر ظاہر ہوں، ورنہ اگر توبہ سے یاس ہوجائے تو اور کسی رفاہ عام کے کام میں صرف کردے ...مگر یہ سب سلطان کے لئے ہے'' (امداد الفتاویٰ ص ۵۰۷ـ ج ۵ سوال نمبر ۵۴۳ جدید)۔

(۶) (مدارس وغیرہ میں ضرورت کے وقت اس کے جواز کا) اور طریق ہوسکتا ہے، وہ یہ کہ اس غیر حاضری پر اس طالب علم کو خارج قرار دیا جائے، غیر حاضری کی سزا تو یہ ہو، اور آئندہ کو داخل کرنا بذمۂ اہل مدارس واجب تو ہے نہیں، مباح ہے، مباح میں جو کہ متقوّم ہو مال کی شرط لگانا جائز ہے، اور یہاں مدرسہ کے مکان سے انتفاع، مدرسین سے تعلیم، یہ سب امور ایسے ہیں جن پر متولی (ومہتمم) کو اجرت لینا جائز ہے، پس اس اجرت میں وہ پیسے لے لئے جائیں (امداد الفتاویٰ ۵/ ۵۰۳، جدید سوال نمبر ۵۴۲)۔

عقوبت مالی اور تعزیر بالمال کے سلسلہ میں جو نقطۂ نظر حضرت تھانویؒ اور دیگر اکابر فقہاء احناف کا ہے، ٹھیک یہی نقطۂ نظر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کا بھی ہے، چنانچہ اپنی اپنی شروحات میں کافی بسط و تفصیل کے ساتھ روایات اور دلائل کی روشنی میں بحث کرنے کے بعد اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:'' **لکن الفقهاء لم يصحّحوا**

هذا الحديث؛ لأنه شاذ يرويه المجهول لا يعرف، ثم هو مخالف للآثار المشهورة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ألحق الوعيد بكل من ظهر منه غلول، و لم يشتغل بإحراق رحل أحد .... الخ (بذل المجهود شرح ابی داوٗد ص ۳۸۵ ج۹ جدید)۔

قال ابن عبدالبر فی التمهید فی هذا الحديث: (...... إن الشملة التی أخذ يوم حنين من الغانم لم تصبها المقاسم لتشتعل عليه ناراً، فلما سمع الناس ذلک جاء رجل بشراک أو شراكين إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: شراک أو شراکان من نار) دلیل علی أن الغال لا يجب حرق متاعه؛ لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يحرق رحله ولا متاعه ولا أحرق متا ع صاحب الخزرات، ولوكان حرق المتاع واجباً لفعله صلى الله عليه وسلم حينئذ، ولو فعل لنقل فی هذا الحديث، وقدر روى عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال: من غلّ فأحرقوا متاعه واضربوه وهو حديث يدور على صالح بن محمد بن زيادة وهو ضعيف لا يحتج به. (أوجز المسالک شرح موطا مالک ص ۹۵ ج ۴ مطبوعہ مکتبہ یحیویہ سہارنپور)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''مالی تعزیر و جرمانہ وغیرہ شرعاً معتبر نہیں، نہ جرمانہ لینا جائز ہے اور نہ اس کے لئے کوئی مصرف مقرر ہے، اگر کوئی دوسری سزا جاری نہ کر سکے تو پھر انسدادِ جرائم کی صورت یہ ہے کہ ایسے شخص سے سب مسلمان ایک مدت کے لئے قطعِ تعلق کر دیں''۔ (امداد المفتین۔ص ۷۵۲۔ج ۲)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

''مالی جرمانہ ناجائز ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے جو تعزیر بالمال کے جواز کی روایت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ مدت کے لئے اس کا مال روک لیا جائے اور جب انزجار کی امید ہو جائے تو اس کا مال واپس کر دیا جائے، شریعت میں مالی تعزیر نہیں ہے'' تنبیہ کرنے کے لئے اس کو اپنی پنچایت اور کھانے پینے سے علیحدہ کر سکتے ہیں اور جب تک وہ توبہ نہ کرے اس وقت تک اس کو علیحدہ رکھیں''۔

''جرمانہ کرنے کا قاضی کو حق نہیں ہے'' مالی جرمانہ کرنا جائز نہیں ہے، یہ جرمانہ واپس کیا جائے اور ان کو تنبیہ کر دی جائے کہ اگر وہ آئندہ ایسا کریں گے تو ان کو نائب قاضی کے عہدے سے موقوف کر دیا جائے گا'' جرمانے کی رقمیں تو واپس کی جائیں، مالی تعزیر یعنی جرمانہ کرنا جائز نہیں''۔

''جرمانہ کا روپیہ وصول کرنا ناجائز ہے، جس سے لیا گیا ہے اسے واپس دیا جائے، کسی نیک کام میں بدون رضا مندی مالک کے خرچ نہیں ہو سکتا، ہاں اگر وہ شخص جس سے روپیہ وصول کیا گیا ہے، اجازت دے دے اور بجائے واپس لینے کے مدرسہ میں لگا دینا پسند کرے تو پھر مدرسہ میں لگایا جا سکتا ہے'' (کفایۃ المفتی ج ۲ ص ۱۸۴۔تا۔۱۹۰) تیسرا باب تعزیر باخذ المال)۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

(۱)......منقولہ عبارات سے معلوم ہوا کہ تعزیر بالمال (مالی جرمانہ) منسوخ ہے، اور مذہب معتمد قابل عمل اس کا عدم جواز ہے، اور امام ابو یوسفؒ کی طرف اس کی نسبت ضعیف ہے، منسوخ پر نہ عمل کیا جا سکتا ہے نہ فتویٰ دیا جا سکتا ہے، جیسا کہ ''شرح عقود رسم المفتی'' میں ہے، منکر اور فاحشہ سے روکنے کے لئے ترک تعلق کی سزا دی جا سکتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۹، ج ۲۰، مالی جرمانہ کے احکام)۔

(۲)''مالی جرمانہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں منسوخ ہے، اگر لیا ہو تو اس کی واپسی لازم ہے، مالی جرمانہ درست نہیں، جو لیا ہے واپس کر دیا جائے کسی اور کام میں خرچ نہ کیا جائے، اور مال کا جرمانہ شرعاً ناجائز ہے، اگر آئندہ بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اس کو ترک تعلقات کی سزا دی جائے، مال کا جرمانہ ناجائز ہے، احکام شرعیۃ کی پابندی کے لئے کوئی دوسری سزا ترک تعلقات وغیرہ کی دی جائے''۔

''زنا کاری حرام ہے، مگر اس جرم پر مالی جرمانہ کرنا درست نہیں، جرمانہ لے کر اس کی مٹھائی کھانا اور کھلانا جائز نہیں، چودھریوں کو یہ مسئلہ بتا دیا جائے کہ ان کو لازم ہے کہ اس طریق سے توبہ کریں، ایسی چیزوں میں چودھریوں کی بات پر عمل کرنا جائز نہیں۔ تمام برادری کو ضروری ہے کہ اپنے چودھریوں کو ایسے خلاف شرع طریقوں سے روکیں، اگر وہ نہ رکیں (یعنی مالی جرمانہ لینے سے باز نہ آئیں) تو دوسرے متبع شریعت لوگوں کو چودھری تجویز کر لیں۔''

''مالی جرمانہ جائز نہیں، انسداد جرائم کے لئے ارشاد، تلقین، تذکیر، تزکیۂ باطن کی ضرورت ہے، تا کہ دل میں خوف وخشیت پیدا ہو۔ ورنہ محض سختی سے اصلاح نہیں ہوتی، اگر ہوتی ہے تو عارضی ہوتی ہے'' (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۹۔ تا ۳۳۰، ج ۲۰ مختصراً مطبوعہ زکریا دیوبند)۔

(۳)''صرف امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شرعی قاضی اور والی کے لئے تعزیر باخذ المال جائز ہے وہ بھی جب کہ بعد توبہ مال واپس کر دیا جائے، اور کسی کے لئے جائز نہیں۔ اور تعزیر میں مال لے کر اپنے خرچ میں لانا کسی کے نزدیک کسی کے لئے جائز نہیں'' (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۲۱ ج ۲۰)۔

ما قبل میں اکابر علماء وفقہاء کے جو فتاویٰ اور جو تحقیق ذکر کی گئی، حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی کی بھی یہی تحقیق ہے چنانچہ انہوں نے واضح طور پر تحریر فرمایا ہے کہ:

تعزیر بالمال قاضی ابو یوسفؒ کے علاوہ تمام ائمہ (ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل) رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناجائز ہے، جمہور علمائے امت نے تعزیر بالمال کو قرآن وسنت اور اصول کی روشنی میں ناجائز فرمایا ہے، پھر اس کے دلائل ذکر فرمائے ہیں:

''و التعزير بالمال جائز عند أبي يوسف وعندهما وعند الأئمة الثلاثة لا يجوز'' (فتح القدیر ص ۱۱۳ ج ۵)''.........وتركه الجمهور للقرآن والسنة الخ'' (اعلاء السنن ص ۷۳۳ ج ۱۱ باب التعزیر بالمال)۔

صاحب ''احسن الفتاویٰ'' حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے اپنے فتاویٰ میں اس مسئلہ سے متعلق مدلّل ومفصّل کلام کیا ہے، مختلف عبارتیں اور دلائل نقل کرنے کے بعد اخیر میں تحریر فرماتے ہیں: مذکورہ بالا روایات وعبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

(۱) تعزیراً اخذ المال نصوص قرآنیہ، احادیث صریحہ وصحیحہ اور اصول شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

(۲) اس پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے۔

(۳) جن احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے ان سب کو حضرات محدثین وفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے منسوخ قرار دیا ہے'' (أحسن الفتاویٰ ص۵۵۶ ج۵)۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے: ''جرمانہ مالی کرنا شریعت میں نہیں ہے، اگر بغرض تنبیہ کیا گیا تو اس کو انھیں دینے والوں کو واپس کرنا چاہئے، یا ان کی دوبارہ اجازت بخوشی دینے سے کسی نیک کام میں صرف کردیا جائے''۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص۲۳۶۔ ج۱۲)۔

''جرمانہ مالی عندالحنفیۃ جائز نہیں ہے اور اگر بغرض تنبیہ کسی مرتکب کبیرہ وتارک نماز کی مثلاً ایسا کیا جائے تو اس کے جواز کی یہ صورت ہے کہ اس جرمانہ کو علیحدہ رکھا جائے اور پھر کسی وقت اسی شخص کو واپس دیا جائے جس سے لیا ہے، یا اس کی اجازت سے جس کارِ خیر میں وہ چاہے صرف کردیا جائے'' (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص۲۳۵۔ ج۱۲)۔

اس مسئلہ میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے دارالافتاء کا فتویٰ اور اہل ندوہ کا نقطۂ نظر بھی وہی ہے جو دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ وغیرہم کا ہے، یعنی یہ کہ تعزیر بالمال ناجائز ہے، ندوۃ العلماء کے سابق صدر مفتی حضرت مفتی ظہور صاحب ندویؒ بھی عدم جواز ہی کا فتویٰ دیتے تھے، البتہ ضرورت کے موقع پر حضرت تھانویؒ کے فتوی کے مطابق تعلیمی فیس وغیرہ کے عنوان سے لینے کی رائے دیتے تھے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''تعزیر بالمال (یعنی مالی جرمانہ) ہمارے مذہب میں درست نہیں اور بعض روایات میں جو وارد ہے وہ منسوخ ہے، اور بعض (علماء) جو اس کے جواز کے قائل ہوئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ چند روز تک اس مال کو اپنے پاس رکھے، جب وہ شخص توبہ کرلے وہ مال اس کو لوٹا دیا جائے نہ خود رکھے نہ بیت المال میں داخل کرے (ردالمحتار ۳/ ۲۷۵)۔

اور قائلین جواز کے نزدیک بھی جو اس کے شرائط ہیں ان فاعلین کو نہ ان کی خبر نہ ان کی رعایت تو اختلافی جواز بھی متحقق نہیں ہوا، اور جب یہ جائز نہیں تو وہ رقم حلال نہ ہوگی تو اس کا کھانا بھی ناجائز اور نیک کاموں میں صرف کرنا اور بھی زیادہ ناجائز'' (اصلاح انقلاب: ۲/ ۲۲۲)۔

حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے:

''ایک مولوی صاحب جو یہاں (یعنی تھانہ بھون حضرت کے مدرسہ میں) مدرّس ہیں طلبہ پر سبق یاد نہ کرنے کے جرم میں

بلاحضرت کی اجازت اور مشورہ کے کچھ جرمانہ مقرر کیا، جب حضرت والا کو اطلاع ہوئی تو مولوی صاحب کو بلا کر فرمایا کہ آپ نے طلبہ پر جرمانہ مقرر کیا؟ انہوں نے اقرار کیا، پوچھا گیا کہ یہ جائز کہاں ہے؟ انہوں نے یہ کہا کہ مالکوں ہی کو انعام کے نام سے دیا جائے گا، حضرت والا نے فرمایا کہ کسی کے مال کا حبس کرنا بلا اس کی رضامندی کے کب جائز ہے؟ تیسرے یہ جرمانہ بچوں پر تو نہ ہوا، بلکہ ان کے ماں باپ پر ہوا کیونکہ مال ان ہی کا ہے، آپ نے شریعت کی مخالفت کیوں کی؟ اور میری بلا اجازت یہ کام کیوں کیا؟ بلا پوچھے کوئی نیا کام نہ کریئے'' (حسن العزیز ص ۱۸۰ ج ۲)۔

اکابر علماء وفقہاء کے فتاویٰ کا خلاصہ:

ہمارے اکابر علماء وفقہاء کے تعزیر بالمال کے سلسلہ میں ماقبل میں جو فتاویٰ اور جو تصریحات ذکر کی گئیں ان سے واضح طور پر مندرجہ ذیل امور منقح ہو کر سامنے آتے ہیں:

(۱) عقوبت مالی، یا تعزیر بالمال، یا مالی جرمانہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے، حرام ہے۔

(۲) امام صاحب کے علاوہ بقیہ ائمہ ثلاثہ (یعنی حضرت امام شافعی، امام مالک امام احمد بن حنبل) کے نزدیک بھی عقوبت مالی ناجائز ہے۔

(۳) جن بعض روایات اور دلائل سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے وہ سب منسوخ ہیں۔

(۴) تعزیر بالمال کے عنوان سے جو رقم لی گئی چونکہ یہ ناجائز ہے، اس لئے مالک کو اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔

(۵) ایسی لی ہوئی رقم کا کسی نیک کام مثلاً مسجد مدرسہ وغیرہ میں لگانا بھی درست نہیں۔

(۶) البتہ اگر صاحب رقم یعنی جس سے جرمانہ کے طور پر رقم لی گئی ہے وہ خود خوشی سے کسی نیک کام میں لگانے کی اجازت دے دے تو جائز ہے۔

(۷) ائمہ مجتہدین میں صرف قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک تعزیر بالمال کی اجازت ہے۔

(۸) لیکن قاضی صاحب کی طرف منسوب یہ قول بھی ضعیف ہے، جس پر عمل کی گنجائش نہیں، مذہب معتمد، قابل عمل عدم جواز ہے۔

(۹) بعض خاص حالات میں ضرورت کے وقت قاضی ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنے کی اجازت بھی صرف حاکم متدین کو ہے، غیر اسلامی حکومت میں یا اسلامی حکومت میں غیر حاکم کو قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی اس کی اجازت نہیں۔

(۱۰) قاضی ابو یوسف کے نزدیک بھی تعزیر بالمال کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک مدت تک اس کے مال کو روک لے اور زجر وتوبیخ اور توبہ واصلاح حال کے بعد اس رقم کو مالک کو واپس کر دے، بیت المال میں اس رقم کا رکھنا جائز نہیں، البتہ مجرم اگر اپنے جرم سے توبہ نہ کرے تو اس رقم کو حاکم اپنی صوابدید کے مطابق جہاں بہتر سمجھے صرف کرے۔

(۱۱) معاشرہ میں انسداد جرائم اور اصلاح حال کے لئے بھی تعزیر مالی کی اجازت نہیں اس مقصد کے لئے وعظ وتذکیر سے

کام لیا جائے یا بوقت ضرورت قطع تعلق، بائیکاٹ کا طریقہ اگر مفید ہو تو اختیار کیا جائے۔

(۱۲) حاکم شرعی کے علاوہ دوسرے قاضی یا چودھری (جن کو حکومت حاصل نہیں ہے) ایسے قاضیوں اور چودھریوں کو بھی مالی جرمانہ اور تعزیر بالمال کا قطعاً حق نہیں، اگر ایسے قاضی یا چودھری ایسا کرتے ہیں تو غلط کرتے ہیں۔ برادری والوں کو سمجھانا چاہیئے اگر نہ باز آئیں تو عہدہ قضاء و چودھراہٹ سے ان کو معزول و معطل کر دینا چاہیئے۔

(۱۳) اہل مدارس کو بھی اپنے اساتذہ یا طلبہ سے مالی جرمانہ لینے اور تعزیر بالمال کی اجازت نہیں، اگر اصلاح حال کے لئے اس کی واقعی ضرورت اور مصلحت سمجھی جائے تو اس کا وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو شرعاً حدود و جواز میں آتا ہو، مثلاً تعزیر بالمال تو ہرگز نہ کی جائے، البتہ دیگر سہولتوں اور تبرعات سے ان کو محروم کر کے داخلہ فیس یا تعلیمی فیس یا اجرتِ حجرہ وغیرہ کے عنوان سے رقم لی جائے جو کہ شرعاً جائز ہے۔

۵- ائمہ ثلاثہ یا مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال اس بابت کیا ہیں؟ کیا ان مذاہب میں اس بابت کچھ گنجائش منقول ہے؟

احناف کے علاوہ بقیہ ائمہ ثلاثہ (حضرت امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم) کے نزدیک بھی تعزیر مالی جائز نہیں، چنانچہ شیخ وھبۃ الزحیلی نے ائمہ اربعہ کی معتمد کتب کے حوالوں سے تحریر فرمایا ہے کہ جملہ ائمہ کے نزدیک تعزیر بالمال جائز نہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

”**لایجوز التعزیر بأخذالمال فی الراجح عندالأئمة**“(الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج:۷، ص۵۵۹۶)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اپنی کتاب ”قاموس الفقہ“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”ائمہ اربعہ کا راجح مسلک یہی ہے کہ مالی تاوان و جرمانہ جائز نہیں ہے، گو مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کی طرف اس کے جواز کی نسبت بھی کی گئی ہے (قاموس الفقہ ص۴۷۹)۔

ذیل میں ہم احناف کے علاوہ باقی ائمہ ثلاثہ کے مذاہب ان کی کتب معتبرہ سے درج کرتے ہیں:

تعزیر بالمال سے متعلق امام شافعیؒ کے مسلک کی وضاحت:

(۱) ”الموسوعۃ الفقہیۃ“ جو معتمد کبار علماء و محققین کی اجتماعی محنت و کوشش سے مرتب کی گئی ہے اس میں ”تعزیر بالمال“ کے تعلق سے حضرت امام شافعیؒ کا مسلک نقل کیا ہے کہ قدیم قول کے مطابق تو ان کے نزدیک تعزیر بالمال جائز ہے، لیکن امام شافعیؒ نے اس سے رجوع کر کے جدید قول جو اختیار کیا ہے اس میں تعزیر بالمال کو ناجائز قرار دیا ہے۔

”**ولایجوز علی الجدید بأخذ المال، یعنی لا یجوز التعزیر بأخذالمال فی مذهب للشافعی الجدید وفی مذهب القدیم یجوز**“(الموسوعۃ الفقہیۃ ص۲۷۰، ج۱۲)۔

(۲) اسی واسطہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے صرف ایک قول کے مطابق ہی امام شافعیؒ کی طرف مشروعیت کا قول منسوب

کیا ہے (جو کہ مرجوع عنہ ہے)، "التعزیرات بالعقوبات المالیة مشروع أیضاً۔ في مذهب الشافعی في قول" (الحسبۃ ص:۹۳)۔

(۳) حضرت ملا علی قاری نے علامہ خطابی سے حضرت امام شافعیؒ کا مسلک اس سلسلہ میں عدم جواز کا نقل فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"قال الخطابی: وأما عقوبته فی مالہ فقد اختلف العلماء فیه ...... قال الشافعیؒ :یعاقب الرجل فی بدنہ دون متاعہ" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الحدود باب التعزیر ص۲۰۵ج۷)۔

(۴) "قال الخطابی فی معالم السنن: قال الشافعی: لا یحرّق رحله ولایعاقب الرجل فی ماله، إنما یعاقب فی بدنه، جعل الله الحدود علی الأبدان لا علی الأموال، وإلی هذا ذهب مالک" (معالم السنن ص۲۶۰ج۲)۔

(۵) "قال البیهقي فی سننه الکبریٰ: قال الشافعي: لا تضعف الغرامة علی أحد فی شئی إنما العقوبة فی الأبدان لا فی الأموال" (بیہقی سنن کبریٰ ص۲۷۹ج۸)۔

(۶) حضرت امام غزالیؒ جو فقہاء شوافع میں بڑا مقام رکھتے ہیں اور خود بڑے درجہ کے فقیہ اور اصولی ہیں انہوں نے واضح طور پر مسلک شوافع کی ترجمانی کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ عقوبات مالیۃ ،یعنی تعزیر بالمال کا شریعت میں کوئی تصور نہیں، یہ ایک ایسی غریب اور انوکھی فکر ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی قواعد شرعیۃ اور احکام شرعیۃ سے یہ ہم آہنگ ہے۔اس سلسلہ میں بعض آثار صحابہ، حضرت عمرؓ کے واقعات سے جو لوگ جواز پر استدلال کرتے ہیں ان کی غلط فہمی کو امام غزالیؒ نے دور کیا ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس واقعہ سے عقوبۃ مالیہ پر استدلال کرنا درست نہیں، پھر اسی سیاق میں حضرت امام طحاویؒ کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے کہ جن بعض روایات سے تعزیر بالمال کا جواز معلوم ہوتا ہے وہ ابتداء اسلام میں تھا جو منسوخ ہو گیا، اب تعزیر مالی کی ممانعت پر معتمد علما کا اتفاق واجماع ہے، یہ ساری تفصیل علامہ شاطبیؒ نے حضرت امام غزالیؒ کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے، جس کی مختصر عبارت درج ذیل ہے:

"قال الشاطبی: إن الإمام لو أراد أن یعاقب بأخذ المال علی بعض الجنایات فاختلف العلماء فی ذالک حسبما ذکره الغزالی علی أن الطحاوی حکی أن ذالک کان فی أول الإسلام ثم نسخ فأجمع العلماء علی منعه۔

فأما الغزالی فزعم أن ذلک من قبیل الغریب الذی لا عهد به فی الإسلام، ولایلائم تصرفات الشرع، فإن قیل: فقد روی أن عمر بن الخطاب رضی الله عنه شاطر خالد بن ولید فی مالہ ...... قلنا: المظنون من عمره أنه لم یبتدع العقاب بأخذ المال علی خلاف المألوف من الشرع، وإنما ذالک لعلم

عمر باختلاط مالہ بالمال المستفاد من الولایة وإحاطتہ بتوسعه فلعله، ضمن المال، فرأی شطر ماله من فوائد الولایة، فیکون استرجاعاً للحق لا عقوبة فی المال؛ لأن هذا من الغریب الذی لایلائم قواعد الشرع، ولکنه لا دلیل فیه علی العقوبة بالمال کما قال الغزالی"(الاعتصام للشاطبی ج۲۔ ۱۲۳)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے تعزیر بالمال کے متعلق شوافع کے مسلک کی اچھی طرح وضاحت ہوجاتی ہے کہ:

(۱) جدید قول کے مطابق تعزیر بالمال حضرت امام شافعیؒ کے مذہب میں ناجائز ہے۔

(۲) امام غزالیؒ نے مسلک شوافع کی جو ترجمانی کی ہے اس کے بموجب تو تعزیر بالمال کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو قواعد شرعیہ، احکام شرعیہ، تصرفات شرعیۃ سے بالکل ہم آہنگ نہیں۔

(۳) حضرت عمرؓ کے بعض واقعات سے جو لوگ تعزیر بالمال کے جواز پر استدلال کرتے ہیں وہ صحیح نہیں اور حضرت عمرؓ کے واقعہ میں اس کی کوئی دلیل نہیں، وہ ایسا ابتداع اور انوکھی حرکت نہیں کر سکتے تھے۔

(۴) جن بعض واقعات سے تعزیر بالمال کا شبہ ہوتا ہے اس کی حقیقت تعزیر کی نہیں بلکہ تضمین کی ہے، جیسا کہ دوسرے بعض واقعات میں اس کی حیثیت تعزیر کی نہیں، بلکہ تغییر کی ہے، لیکن اس کو لوگوں نے تعزیر بالمال پر محمول کرلیا۔

(۵) اور جن واقعات صحابہ سے تعزیر بالمال کا جواز سمجھا جاسکتا ہے اور تضمین یا تغییرِ منکر کی وہاں تاویل بھی نہیں چل سکتی ، اس کے متعلق علامہ شاطبی اور امام غزالیؒ نے امام طحاویؒ کے اس قول پر اعتماد کیا ہے کہ تعزیر بالمال ابتداء اسلام میں مشروع تھی جو بعد میں منسوخ ہوگئی اور اب اس کی ممانعت پر تمام معتمد علماء کا اتفاق ہے۔

یہ خلاصہ ہے علامہ شاطبیؒ اور امام غزالیؒ کی نقل کے مطابق امام شافعیؒ کے مسلک کا، اس سے اندازہ لگالینا چاہئے کہ مسلک شافعیؒ میں تعزیر بالمال کی گنجائش ہے یا نہیں۔

تعزیر بالمال سے متعلق مالکیہ کے مسلک کی وضاحت:

جہاں تک تعلق تعزیر بالمال سے متعلق مالکیہ کے مسلک کا ہے تو مالکی مسلک کے بڑے عالم علامہ شاطبیؒ جو فقیہ ہونے کے ساتھ اصولی بھی ہیں اور مالکیہ کے مسلک کے صحیح ترجمان بھی، انہوں نے اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں تعزیر بالمال کے متعلق سے حضرت امام مالکؒ کا جو مذہب نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''عقوبۃ فی المال''، یعنی تعزیر بالمال کی دوصورتیں ہیں:

(۱) ایک صورت تو وہی ہے جس کو امام غزالیؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ کسی مجرم اور جانی کو اس کے جرم کی وجہ سے مالی جرمانہ کی سزادینا، یہ تو کسی بھی صورت میں اور کسی بھی حال میں مالکی مسلک میں جائز نہیں، بعض مالکیہ ابن العطار اور ابن رشد مالکیؒ وغیرہ نے کھینچ تان کر اس کے جائز کرنے کی کوشش کی تو علامہ ابن النجار قرطبی نے اس کا رد کیا ہے جس پر علامہ شاطبی نے اطمینان کیا ہے، چنانچہ علامہ شاطبیؒ تحریر فرماتے ہیں:

”وأما مذهب مالک، فإن العقوبة فی المال عنده ضربان: أحدهما کما صوّره الغزالی، فلا مرية في أنه غير صحيح على أن ابن العطار في رقائقه صغی إلى إجازة ذلک ...... ومال إليه ابن رشد، ورده عليه إبن النجار القرطبی وقال: إن ذلک من باب العقوبة فی المال وذلک لا يجوز علی حال“ (الاعتصام ۲/ ۱۲۴)۔

(۲) علامہ شاطبیؒ کی نقل کے مطابق عقوبۃ فی المال (تعزیر بالمال) کی دوسری صورت یہ ہے کہ مجرم اور جانی کا جرم اور اس کی جنایت وخیانت نفس مال ہی سے متعلق ہوتو اس مال میں (جس میں اس نے جنایت وخیانت کا ارتکاب کیا ہے) اسی مال میں اس کو تعزیر کی جائے مثلاً دودھ فروخت کرنے والا دودھ میں خوب پانی ملا کر فروخت کرنے لگے تو ایسے موقع پر تعزیر بالمال اس طرح کی جائے گی کہ اس دودھ کو بہا دیا جائے، یا کسی غریب کو صدقہ کر دیا جائے، علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں مالکی مسلک میں اس نوع کی تعزیر مالی جائز ہے، اگر چہ اس کے جواز کی بھی کوئی نص اور صریح حدیث نہیں پائی جاتی، ہاں شیخ ابوالحسن اللخمیؒ نے اس کی شرعی اصل یہ پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہانڈیوں کو الٹوا دیا تھا جن میں تقسیم سے پہلے گدھے کا گوشت لوگ پکاتے رہے تھے کہ یہ بھی تعزیر مالی ہے، اور اس مال ہی سے اس کا تعلق ہے جس میں جنایت کا ارتکاب ہوا تھا۔

خلاصہ یہ کہ مالکی مسلک میں عقوبۃ مالی یا تعزیر بالمال کی صرف ایک صورت میں گنجائش ہے وہ یہ کہ جنایت اور خیانت کرنے والے نے جس مال میں خیانت یا زیادتی کی ہے اسی مال میں اس کے ساتھ تعزیر کی جائے، اس میں بھی مالکی مسلک میں کچھ شرطیں اور قیدیں ہیں جو آگے آرہی ہیں۔

”قال الشاطبی: والثانی أن تكون جناية الجانی في نفس ذالک المال أو في عوضه فالعقوبة فيه عنده ثابتة، فإنه قال فی الزعفران المغشوش: إذا وجد بيدالذی غشه: أنه يتصدق به على المساكين، قل أو كثر۔ وذلک محکی عن عمر بن الخطابؓ، وأنه أراق اللبن المغشوش بالماء ووجه ذلک التأديب للغاشّ، وهذالتأديب لا نص ليشهدله لكن من باب الحكم على الخاصة للأجل العامة علىٰ أن أباالحسن اللخمی قد وضع له أصلاً شرعياً وذلک أنه عليه الصلوٰة والسلام أمر بإكفاء القدور التي أغليت بلحوم الحمر قبل أن تقسم “(الاعتصام للشاطبی ۲/ ۱۲۴)۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے تعزیر بالمال کے سلسلہ میں امام مالکؒ کا مسلک اشہب کی روایت سے نقل کیا ہے (اور مالکی مسلک میں اشہب کی نقل روایت کا مقام اہل علم سے مخفی نہیں) ان کے حوالہ سے علامہ ابن تیمیہؒ نے امام مالک کا مسلک نقل کیا ہے کہ عقوبات مالیۃ کی قطعاً کسی طرح بھی اجازت نہیں، گو مجرم بڑا سے بڑا جرم کر بیٹھے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ اپنی کتاب ”الحسبۃ“ اور اپنے فتاویٰ میں نقل فرماتے ہیں:

(۳)"وقد رویٰ أشهب عن مالک منع العقوبات المالية وقال: لا يحل ذنب من الذنوب مال إنسان وإن قتل نفساً"،(الحسبۃص:۱۰۲مطبوعہ ریاض،فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۱۵،ج:۲۸)۔

(۴) "قال عبدالملک بن حبيب: قلت لمطرف وابن الماجشون: لما نهينا عن التصدق بالمغشوش لرواية أشهب فما وجه الصواب عندكما فيمن غش أو نقص من الوزن؟ قالا: يعاقب بالضرب والحبس، والإخراج من السوق، وما كثر من الخبز واللبن فلا يفرق ولاينهب"(الحسبۃ لابن تیمیۃ ص ۱۰۴)۔

(۵)" وقال العلامة الدسوقي المالكي رحمه الله تعالیٰ: ولا يجوز التعزير بأخذ المال إجماعاً"(حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ص ۳۵۵،ج ۴)۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے: اشہب نے امام مالکؒ سے مالی سزاؤں کی ممانعت کی روایت کی ہے، اور مسلک کے فقہاء میں سے مطرف اور ابن الماجشون میں سے ہر ایک نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے (موسوعۂ فقہیہ ص ۳۱۴،ج:۱۲)۔

(۶) مالکی مسلک کے مطابق عقوبۃ فی المال کی جو دوسری صورت ہے، جس میں جنایت اور خیانت کا تعلق نفس مال ہی سے ہوتا ہے اور اس مال ہی میں تعزیر کی جاتی ہے، مالکی مسلک میں صرف اس تعزیر مالی کی اجازت ہے، لیکن وہ بھی علی الاطلاق نہیں، بلکہ وہ بھی مقیّد اور مشروط ہے، علامہ ابن تیمیہؒ کی نقل کے مطابق ابن القاسم کی روایت میں اس صورت میں بھی صرف مال یسیر میں اس طرح تعزیر مالی کی اجازت ہے کہ اس کو غرباء وفقراء پر صدقہ کردیا جائے، مال کثیر میں اس کی بھی اجازت نہیں، ضرورت محسوس ہو تو یہ کیا جاسکتا ہے کہ حاکم اس مجرم اور خائن ہی کی طرف سے بیع کر کے اس کی قیمت اس کے حوالہ کردے، اور مغشوش مبیع کو اس کو بیچنے کا موقع نہ دے، عبدالملک بن حبیب کی بھی یہی روایت ہے، جبکہ ابن القطّان کی ایک روایت میں بالکلیہ اس کی بھی ممانعت ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت درج ذیل ہے۔

"قال ابن القاسم: هذا فی الشئ الخفيف منه، فأما إذا كثر منه فلا أریٰ ذلک، وعلیٰ صاحبه العقوبة، لأنه يذهب فی ذلک أموال عظام، يريد فی الصدقة بكثيرة، وافتی ابن عتاب فيها بالتصدق وقال: تقطع خِرَقاً وتعطیٰ للمساكين، فأنكر عليه ابن القطان وقال: لا يحل هذا فی مال امری مسلم إلا بإذنه" (الحسبۃ لابن تیمیۃ:۱۰۲، ۱۰۳۔فتاویٰ ابن تیمیہ::۱۱۶/۲۸)۔

"قال عبدالملک ابن حبيب: ويكسر الخبز إذا كثر ويسلمه لصاحبه، ويباع عليه العسل والسمن واللبن الذی يغشه، ممن يأكله ويبين له غشه، هكذا العمل فيما غش من التجارات"(الحسبۃ ص ۱۰۵ فتاویٰ ابن تیمیۃ ،ص:۱۱۷،ج:۲۸)۔

اسی نقطۂ نظر کو شیخ علامہ ابواسحاق ابراہیم نے اپنی کتاب "معين الحكّام على القضايا والأحكام" میں "الحسبة" عنوان کے تحت اختیار فرمایا ہے، ملاحظہ ہو: (معين الحكام ص ۶۴۰ و ۶۴۱ ج ۲، عنوان الحسبۃ)۔

مالکی مسلک کا خلاصہ:

ماقبل میں ذکر کردہ تصریحات سے مالکی مسلک سے متعلق بھی واضح طور پر چند باتیں سمجھ میں آئیں:

(۱) مالکی مسلک میں تعزیر مالی کی دوصورتیں ہیں، ایک مطلقاً کسی جرم کی وجہ سے مالی جرمانہ عائد کرنا، اس کی تو قطعاً گنجائش نہیں۔

(۲) دوسری صورت کسی مال اور کسی مبیع میں خیانت یا جنایت کا مرتکب ہونا، اس میں تعزیر مالی کی گنجائش اس طور پر ہے کہ اس مال ہی میں تعزیر کی جائے جس میں اس نے جنایت یا خیانت کی ہے۔

(۳) اس دوسری صورت میں تعزیر مالی کی صورتیں مختلف ہوسکتی ہیں، مثلاً اس مال ہی کو غرباء وفقراء پر صدقہ کر دیا جائے یا اس کا ازالہ واتلاف کر دیا جائے۔ اشھب مالکیؒ نے اس کی بھی اجازت نہیں دی، جبکہ حبیب مالکی وغیرہ نے اس کی اجازت دی ہے۔

(۴) حبیب مالکیؒ وغیرہ کے نزدیک بھی اس تعزیر مالی کی اجازت یعنی غرباء پر صدقہ یا اتلاف کی اجازت صرف اسی صورت میں ہے، جبکہ مال قلیل ویسیر ہو، مال کثیر میں ان کے نزدیک بھی اس کی اجازت نہیں۔

(۵) البتہ مال کثیر ہونے کی صورت میں تعزیر مالی کی یہ صورت ان کے نزدیک اختیار کی جائے گی کہ اس مال اور مبیع کے عیب اور غش کو بیان کر کے فروخت کر کے مالک کو اس کی قیمت دے دی جائے، یا اس مبیع کو اس حال میں کر دے کہ وہ اس کو فروخت نہ کر سکے مثلاً روٹیاں ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور مالک کو واپس کر دے۔

اس پوری تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مالکی مذہب میں تعزیر مالی کی اجازت ہے یا نہیں۔

قائلین جواز کے دلائل پر ایک اجمالی نظر اور ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ:

عقوبت مالی یا تعزیر مالی کی مالکی مسلک میں جو دوصورتیں بیان کی گئی ہیں اس کو پیش نظر رکھیے! اس کے بعد سمجھیے کہ تعزیر مالی کے قائلین جواز سلفاً وخلفاً جو حدیثیں یا خلفاء راشدین خصوصاً حضرت عمرؓ کی تعزیرات مالی کا ذکر کرتے ہیں وہ عموماً تعزیر مالی کی اسی دوسری صورت سے متعلق ہیں جن کا تعلق نفس مال سے ہے، یعنی جس مال اور جس مبیع میں جنایت وخیانت کا ظہور ہوا، اسی مال کے ذریعہ اس پر تعزیر کی گئی، جس کو تعزیر فی المال کہتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ نے تقریباً دس بارہ مثالیں اسی نوع کی تعزیر مالی کی پیش کی ہیں۔

اسی طرح ابن فرحون مالکی نے حضرت عمرؓ کے مختلف واقعات اور مختلف نظائر پیش کئے ہیں، لیکن اکثر وبیشتر کا تعلق تعزیر مالی کی اسی دوسری صورت سے ہے، جبکہ زیر غور مسئلہ میں تعزیر مالی کی پہلی صورت ہے جس میں مطلقاً کسی بھی جرم کی بنا پر مالی جرمانہ مجرم پر مقرر کیا جائے، جس کو تعزیر بالمال کہتے ہیں، لیکن اس سلسلہ میں پیش کئے جانے والے دلائل (حضرت عمرؓ وغیرہ کے واقعات) کا اس سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس کا تعلق دوسری صورت سے ہے، اس لئے زیر بحث مسئلہ میں ان دلائل کو پیش کرنا بالکل ہی لا حاصل ہے،

چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں، جن سے حقیقت اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے۔

تعزیر مالی کی چند مثالیں:

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ تعزیر مالی کی مثالوں کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(۱)أمره بكسر دنان الخمر وشق ظروفه۔

(۲)ومثل أمره عبدالله بن عمر بحرق الثوبين المعصفرين۔

(۳)وأمره لهم يوم خيبر بكسر الأوعية التى فيها لحوم الحمر الأهلية۔

(۴)ومثل هدمه لمسجد الضرار۔

(۵)ومثل تحريق موسى للعجل المتخذ إلهاً۔

(۶)ومثل ما روى من إحراق متاع الغالّ۔

(۷)ومثل أمر عمر بن الخطاب وعلى بن أبى طالب بتحريق المكان الذى يباع فيه الخمر۔

(۸)ومثل تحريق عثمان بن عفان المصاحف المخالف للإمام۔ (الحسبۃ لابن تیمیہ ص ۹۴، ۹۵)۔

و قال ابن فرحون المالكى:

(۹)ومنها: أنّ أبابكر بكسر دنان الخمر وشق ظروفها۔

(۱۰)ومنها: تحريق عمرؓ المكان الذي يباع فيه الخمر۔

(۱۱)ومنها: المصادرة عمر بن الخطاب عماله بأخذ شطر أموالهم فقسمها بينهم وبين المسلمين۔

(۱۲)ومنها: أنه رضى الله عنه أراق اللبن المغشوش۔ (تبصرۃ الحکام ص ۲۲۰۔ج ۲)۔

یہ اور اس طرح کی دوسری مثالیں جن کو تعزیر مالی کے جواز کے لئے بطور سند کے خلفاء راشدین خصوصاً حضرت عمرؓ کے حوالہ سے پیش کیا جاتا ہے ان سب میں غور کرنا چاہئے کہ ان کا تعلق اسی مال یا مکان یا ایسی شئ اور مبیع سے ہے جس مال یا مکان میں یا جس شئ کے ذریعہ جنایت یا خیانت کا ارتکاب کیا جارہا تھا اس کے ازالہ اور اس کی اصلاح کے لئے اسی مال یا اسی مکان یا نفس مبیع میں تعزیر کی گئی، ایسا نہیں ہے کہ جرم کسی بھی نوع کا ہو، اور اس پر مالی جرمانہ مقرر کیا گیا ہو، جبکہ ہمارے پیش نظر اور زیر غور بحث مسئلہ یہی ہے کہ کسی بھی جرم اور ارتکاب منکر کی وجہ سے اس پر مالی جرمانہ مقرر کیا جائے اور دلائل ونظائر وہ پیش کئے جارہے ہیں جن کا تعلق مطلق جرم سے نہیں، بلکہ علامہ شاطبیؒ کے بیان کے مطابق تعزیر کی دوسری صورت سے ہے، اس لئے یہ استدلال بالکل غیر تام اور ناقص ہے، اس پہلو سے خوب غور کرنا چاہئے، اور اسی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس مسئلہ میں حنبلی مسلک میں بھی غور کرنا چاہئے۔

تعزیر مالی کے تعلق سے حنابلہ کے مذہب کی تشریح:

مشہور تو یہی ہے کہ حنبلی مسلک میں عقوبت مالی مطلقاً جائز ہے اور علامہ ابن تیمیہؒ وابن قیمؒ نے اس کی خوب وکالت بھی

فرمائی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ خود حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی تعزیر مالی علی الاطلاق جائز نہیں، تعزیر مالی کی بہت سی صورتوں میں خود حنابلہ کے مابین شدید اختلاف ہے، اور اس کی بعض صورتیں قطعی طور پر ناجائز ہیں، چنانچہ خود علامہ ابن تیمیہ نقل فرماتے ہیں:

"والتعزيرات بالعقوبات المالية مشروع". أيضاً. في مذهب أحمد في مواضع بلا نزاع عنه، وفي مواضع فيها نزاع" (الحسبۃ لابن تیمیۃ ص، ۹۳ مطبوعہ ریاض)۔

"ومذهب مالک وأحمد وغيرهما أن العقوبات المالية كالبدنية تنقسم إلى ما يوافق الشرع وإلى ما يخالفه" (الحسبۃ ص، ۹٦)۔

(۲) فقہ حنبلیؒ کی مشہور کتاب "المغنی" میں علامہ ابن قدامہؒ نے واضح طور پر اس کے عدم جواز کو تحریر فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"والتعزير يكون بالضرب والحبس والتوبيخ ولا يجوز قطع شئ منه ولاجرحه، ولا أخذ ماله، لأنّ الشرع لم يرد بشئ من ذلک عن أحد يقتدیٰ به، ولأن الواجب أدب والتأديب لا يكون بالإتلاف" (المغنی لابن قدامۃ باب التعزير قبيل الجهاد ،فصل والتعزير يكون ،ص۵۰۹ ج ۱۴ مطبوعہ دار ابن الجوزیؒ، القاہرہ ومطبوعہ بیت الأ فکار ص ۲۲٦۲ ج ۲)۔

(۳) "الموسوعۃ الفقہیۃ" جس کی ترتیب وتصنیف علماء محققین کی ایک بڑی جماعت کی زیر نگرانی ہوئی ہے اور جس کے نقل مذاہب پر علماء نے اعتماد بھی کیا ہے، اس میں واضح طور پر مذکور ہے:

"وعندالحنابلة يحرم التعزير بأخذ المال وإتلافه لأن الشرع لم يرد بشئ من ذلک عمن يقتدیٰ به، وخالف ابن تيمية وابن القيم فقالا: إن التعزير بالمال سائغ إتلافاً وأخذاً" (الموسوعۃ الفقہیۃ ص۲۷۱، ج ۱۲)۔

(۴) انڈیا میں شائع ہونے والی "مترجم موسوعۃ فقہیۃ" جس پر علماء نے اعتماد کیا ہے اس میں مذکور ہے:

"حنابلہ کے نزدیک مال لے کر یا اسے تلف کر کے تعزیر کرنا حرام ہے، اس لئے کہ جس کی اقتدا ہوسکتی ہے ان سے اس سلسلہ میں شریعت میں کوئی چیز نہیں آئی، اور ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ نے مخالفت کی ہے اور فرمایا تلف کر دینے اور لے لینے دونوں اعتبار سے تعزیر بالمال جائز ہے (موسوعۃ فقہیۃ ۱۲/ ۳۱۳)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حنبلی مسلک میں بھی عقوبۃ مالی یعنی تعزیر بالمال کی اجازت نہیں، حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی دیگر ائمۃ کی طرح تعزیر بالمال کو ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں، البتہ حنابلہ میں سے علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ نے ائمہ مجتہدین کی مخالفت کرتے ہوئے تعزیر بالمال کے جواز کو ترجیح دی ہے، لیکن اس سلسلہ میں ان دونوں حضرات نے حضرات خلفاء راشدین خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ کے واقعات سے جتنے دلائل ونظائر پیش فرمائے ہیں وہ عموماً ایسے ہی ہیں جس میں اسی مال اور

اسی شئ میں جانی نے خیانت کی تھی، اسی لئے اس صورت میں اسی مال کے ساتھ اس پر عقوبت جاری کی گئی، ازالہ کے ذریعہ یا اتلاف یا تغییر منکر کے ذریعہ، ایسا نہیں کہ کسی بھی جرم وخیانت کی وجہ سے مالی جرمانہ کی شکل میں اس سے کچھ وصول کیا گیا ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کے متعلق غلط فہمی کہاں سے پیدا ہوئی؟

الغرض حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی طرف جو یہ بات مشہور ہے کہ وہ مطلقاً تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں وہ ہرگز صحیح نہیں، دراصل ایک اور جزئیہ سے لوگوں کو شبہ ہوگیا جس کی وجہ سے تعزیر بالمال کے جواز کا قول اطلاق کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ کی طرف منسوب کر دیا گیا، وہ جزئیہ یہ ہے کہ جہاد میں مال غنیمت میں اگر کسی شخص نے خیانت کی اس کے متعلق ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس کے سارے سامان اور کل مال کو جلا دیا جائے سوائے قرآن پاک اور سوائے سواری کے، وہ حدیث پاک یہ ہے:

"إذا وجدتم الرجل قد غلّ فأحرقوا متاعة واضربوه" (رواہ ابوداؤد حدیث، ۲۷۱۳۔ بذل المجہود ص ۳۸۴، ج ۹ جدید)۔

اس حدیث کی وجہ سے خاص اس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہوا ہے، مالکیہ، شوافع، احناف، لیث وغیرہ اس کو ممنوع اور ناجائز قرار دیتے ہیں، حضرت امام احمد حنبلؒ اس خیانت کے جرم کی وجہ سے اس کے سارے ساز وسامان کو جلانے کا حکم دیتے ہیں، چنانچہ اسی حدیث کے تحت شرّاح حدیث تحریر فرماتے ہیں:

"وقد ذهب إلى الآخذبظاهر حديث الإحراق أحمد في رواية وهو قول مكحول والأوزاعى، وعن الحسن يحرق متاعه، كله إلاالحيوان والمصحف"۔ (بذل المجہود وشرح ابوداؤد، ص ۳۸۵، ج ۹ کتاب الجهاد)۔

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب "المغنی" میں اسی مسئلہ کے متعلق سے مذکور ہے:

"مسئله: ومن غل من الغنيمة حرق رحله كله إلاالمصحف ومافيه الروح، وبهذا قال الحسن وفقهاء الشام، وقال مالك والليث والشافعي وأصحاب الرأى: لا يحرق؛ لأن النبيّ صلى الله عليه وسلم لم يحرق، ولنا ما روى صالح محمد بن زرارة قال: دخلت مع مسلمة أرض الروم۔فاتى برجل قد غلّ ... الخ" (المغنی لابن قدامہ ص ۴۷۰، ج ۸ مکتبۃ الریاض الحدیثۃ)۔

قابل غور بات یہ ہے کہ ایک طرف علامہ ابن قدامہ "المغنی" ہی میں تعزیر کے بیان میں تعزیر بالمال کا عدم جواز تحریر فرما رہے ہیں کیونکہ شریعت سے تادیب کے لئے تعزیر بالمال ثابت نہیں، تعزیر صرف ضرب وحبس وتوبیخ کے ذریعہ ہوگی، چنانچہ فرماتے ہیں:

"والتعزير قد يكون بالضرب والحبس والتوبيخ ولا يجوز أخذ ماله لأن الشرع لم يردبشئ من ذلك الخ۔" (المغنی لابن قدامۃ **باب التعزير قبيل الجهاد** ص ۵۰۹، ج ۱۴ مطبوعہ القاہرۃ)۔

دوسری طرف مالِ غنیمت میں خیانت کے مسئلہ میں خائن کے مال کے احراق واہلاک، یعنی تعزیر فی المال کو جائز قرار دے

رہے ہیں۔

الغرض ایک طرف تو علامہ ابن قدامہ کا تعزیر بالمال کو ناجائز قرار دینا، دوسری طرف مال غنیمت میں خیانت کرنے والے شخص کے مال کو جلانے کا حنابلہ کی طرف سے جواز کو نقل کرنا یہ پختہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ دونوں مسئلے الگ الگ ہیں، امام احمد حنبلؒ جس عقوبۃ مالی کے جواز کے قائل ہیں اس کا تعلق مال غنیمت میں خیانت سے ہے نہ کہ مطلقا تعزیر بالمال کے جواز سے، کیونکہ اس کو تو پورے عموم واطلاق سے حنبلی مسلک میں بھی ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ہے، عدم جواز کا تعلق تعزیر بالمال سے ہے اور جواز کا تعلق تعزیر فی المال کی خاص صورت، یعنی مال غنیمت میں خیانت سے ہے، دونوں کا فرق بالکل واضح ہے، اس پوری تفصیل سے واضح ہو گیا کہ حنبلی مسلک میں بھی تعزیر بالمال ناجائز وحرام ہے اسی وجہ سے ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' میں بھی امام احمد حنبل کی طرف سے تعزیر بالمال کا حرام ہونا نقل فرمایا ہے۔

''وعندالحنابلة يحرم التعزير بأخذ المال وإتلافه لأن الشرع لم يرد بشئ من ذلک''(الموسوعۃ الفقہیۃ،ص۲۷۱،ج۱۲)۔

خلاصہ کلام:

اب خلاصہ کے طور پر ہم پورے یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ عقوبۃ مالی یا تعزیر بالمال یا مالی جرمانہ ائمہ اربعۃ میں سے کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

البتہ مالکیہ وحنابلہ کی بعض روایات ایسی ہیں جن سے خاص ان صورتوں میں عقوبۃ مالی یعنی تعزیر بالمال کی گنجائش ہے جس میں اس شئ یا اس مال ہی کے ساتھ مجرم کے جرم یا خائن کی خیانت کا تعلق ہو، ایسا نہیں کہ جرم تو کچھ بھی ہو اور علیحدہ سے مالی جرمانہ لیا جائے، یہ تو مالکیۃ اور حنابلہ کے نزدیک بھی جائز نہیں، البتہ علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیمؒ نے عقوبۃ مالی میں توسع سے کام لیا ہے اور دوسرے موقعوں پر بھی تعزیر بالمال کے جواز کی گنجائش ان کے کلام سے سمجھی جاسکتی ہے، لیکن خود علامہ ابن تیمیۃ اور ابن قیمؒ نے صراحۃ ان صورتوں میں تعزیر بالمال کے جواز کی تصریح نہیں فرمائی ہے جو ہمارے پیش نظر اور زیر بحث ہے کہ علی الاطلاق کسی بھی جرم ومعصیت اور کسی نوع کی بھی خطا وظلم کی وجہ سے مالی جرمانہ کی سزا بطور تعزیر کے مقرر کی جائے، اس کی گنجائش علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ کے کلام سے بھی اطلاق کے ساتھ سمجھ میں نہیں آتی، غور کر لیا جائے۔

اس لئے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں جس تعزیر بالمال کا تذکرہ ہے اس کا جواز ائمہ اربعۃ میں سے کسی کے نزدیک نہیں، اور نہ ہی ابن تیمیۃ اور ابن قیمؒ کے کلام سے اس کا جواز سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ ان کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی اسی عقوبہ مالی کے قائل ہیں جس میں جنایت وجرم اور خیانت کا تعلق اسی مال سے ہو، البتہ اس میں کچھ توسع کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم۔

پوری بحث کا ماحصل:

ائمہ اربعۃ کے مذہب کے تعلق سے ماقبل میں ذکر کردہ پوری تفصیل سے بات بھی اچھی طرح واضح ہوگئی کہ عقوبۃ مالی یعنی تعزیر بالمال کا ائمہ اربعۃ میں سے کوئی بھی قائل نہیں اور کسی امام کے نزدیک بھی اس کا جواز نہیں، صرف مالکیہ وحنابلہ نے بعض ان صورتوں میں گنجائش دی ہے جن میں نفس مال یا نفس بیع ہی میں جنایت یا خیانت کرنے والے نے جنایت کی ہو، قاضی ابو یوسف کی طرف بھی ضعیف قول میں جواز کی نسبت کی گئی ہے۔

مال غنیمت میں خیانت کی بعض صورتوں میں خائن کے مال جلانے کا حکم صرف حضرت امام احمدؒ کے مسلک میں ایک روایت کے مطابق ہے۔لیکن محض اس کی وجہ سے مطلقاً تعزیر بالمال کے جواز کی نسبت ان کی طرف نہیں کی جاسکتی، کیونکہ علامہ ابن قدامہؒ نے ''المغنی'' میں تعزیر کے بیان میں واضح طور پر حنبلی مسلک میں اس کا عدام جواز نقل فرمایا ہے۔

اس لئے پورے یقین سے یہ بات کہی جاسکتی ہے علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور انھیں کی اتباع میں دوسرے فقہاء نے نیز مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے اعلاء السنن میں اور حضرت تھانویؒ نے ''امداد الفتاویٰ'' میں جو مسلک نقل کیا ہے کہ احناف کے علاوہ باقی ائمہ ثلاثہ (حضرت امام شافعی، امام مالک، امام احمدؒ) کے نزدیک بھی تعزیر بالمال ناجائز ہے، یہ نقل مذہب بالکل صحیح معتمد کتب مذاہب کے بالکل موافق ہے۔

''والتعزير بالمال جائز عند أبي يوسف، وعندهما وعندالثلاثة لا يجوز'' (فتح القدیر لابن ہمامؒ واعلاء السنن ص ۷۳۳ ج ۱۱)۔

اس کے متعلق یہ کہنا جیسا کہ بعض لوگوں نے علامہ ابن تیمیہؒ کی اتباع میں کہہ دیا ہے کہ نقل مذاہب میں مالکیہ وحنابلہ کی طرف عدم جواز کی نسبت غلط کردی گئی ہے یہ بات صحیح نہیں، جس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی، واللہ اعلم۔

تعزیر کا حق کس کو ہے؟

اسی ضمن میں یہ سوال بھی سامنے آتا ہے کہ شرعاً تعزیر کا حق کن لوگوں کو ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں تعزیر کے مختلف انواع ہیں، عورت کے نشوز وعصیان کی بنا پر مثلاً نماز چھوڑنے اور ترک زینت کی بنا پر شوہر کے لئے اپنی زوجہ کو ضرب وتادیب کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔

خود قرآن پاک میں بھی تعزیر وتادیب کے لئے '' واضربوھن ''فرمایا گیا ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے: **''فإن أتت بفاحشة أو تركت الصلاة المكتوبة أوصيام رمضان أو غسل الجنابة أو الحيض يضربها أو يحبسها بقدر ما يرى أن تنزجرها''** (تفسیر مظہری ص ۱۰۰۔ سورۂ نساء)۔

اولاد کے دس سال کی عمر کو پہنچ جانے کے بعد بھی نماز میں کوتاہی کی بنا پر تعزیر وتادیب کے لئے مارنے کا حکم دیا گیا ہے،

چنانچہ حدیث پاک میں ہے: ''واضربوهم عليها، وهم أبناء عشر سنين'' (ابوداؤد، مشکوٰۃ ص ۵۸)۔

ہمارے فقہاء نے معلمین کے لئے متعلمین کو مارنے کے حدود بیان کیے ہیں کہ معلم متعلم کو ایسی ضرب نہیں کرسکتا جس سے جسم میں نشانات پڑ جائیں، کھال پھٹ جائے، ہڈی ٹوٹ جائے، ایسی صورت میں تو خود معلم کو تعزیر کی جائے گی، ہمارے اکابر نے اس کے مطابق فتویٰ بھی دیا ہے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ضرب فاحش سے خود استاد کو تعزیر کی جائے گی (اصلاح انقلاب ص ۲۲۰ ج ۲)۔

ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ معلم شاگرد کو، باپ بیٹے کو، شوہر بیوی کو، تعزیر کرسکتا ہے، لیکن تعزیر کے دوسرے انواع خصوصاً جس کے ضمن میں ازالہ منکر کے لئے تغییر یا اہلاک کی ضرورت پیش آئے، مثلاً آلات لہو وطرب کو توڑنا، ضائع کرنا، یہ حق صرف اسلامی حکومت میں حکام وقت، والی وحاکم اور محتسب کو ہوگا، ہر ایک کو اس کی اجازت نہیں، بلکہ اگر حاکم کی اجازت کے بغیر کوئی کرے گا تو وہ خود تعزیر کا مستحق ہوگا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں: شریعت میں حکم ہے کہ سلطان اور حاکم وقت ہی کو ڈھول تاشہ وغیرہ کو توڑنے پھوڑنے کی اجازت ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسروں کو اس کی اجازت نہیں، ورنہ اس سے اختلاف اور فساد ہوگا (حسن العزیز)

''الأمر بالمعروف باليد على الأمراء ،وباللسان على العلماء، وبالقلب لعوام الناس'' (فتاویٰ عالمگیری ص ۳۵۳، ج ۵)۔

''من كسر لمسلم بربطاً أو طبلاً أو مزماراً أو دفّا، فهو ضامن ،وهذا عند أبي حنيفة'' (فتاویٰ عالمگیری باب الغصب ص ۳۸۸ ج ۳)۔

تعزیر کی یہ دوسری قسم صرف حکام کے ساتھ خاص ہے، البتہ تعزیر کی بعض دوسری انواع کا حق دوسروں کو بھی ہے، چنانچہ علماء محققین نے اس کی صراحت فرمادی ہے۔

''لقد أجاز الإسلام التعزير بكل أنواعه للحاكم فقط، وليس له أن يفوّضه إلى مستحقه ولا إلى غيره، ولم يجز الشرع التعزير بغير الإمام إلا للثلاثة، الأوّل: الأب ـ الثاني: السيد ـ الثالث: الزوج'' (کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ص ۳۵۲/ ج ۵)۔

''تعزیر بالمال''، اس نوع سے تعلق رکھتی ہے جس کا تعلق حکام سے ہے، جن ائمہ نے جن بعض صورتوں میں اس کی اجازت دی بھی ہے، کسی صورت اور کسی جزئیہ کو بھی دیکھ لیجئے سب کا تعلق حکام سے ہے، غیر حکام کو ان کے نزدیک بھی اس کی اجازت نہیں (امداد الفتاویٰ: ۴۹۸، ۵/۵۰۷)۔

اور ہمارے بعض فقہاء نے ہر شخص کو جو تعزیر کی اجازت دی ہے، اس سے مراد اصلاح منکر یا تغییر منکر کی کوشش کرنا ہے، یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعہ اس کی اصلاح کی کوشش کرنا، کیونکہ تغییر واہلاک تو فتنہ وفساد کا موجب ہے، اس کا حق تو صرف حکام ہی کو ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''تعزیری سزا عام لوگوں کو دینے کا اختیار نہیں ہے، صرف عدالت کے ذریعہ دلوائی جاسکتی ہے...... نہ قاضی شرعی کے سوا کسی اور کو تعزیر جاری کرنے کا اختیار ہے'' (فتاویٰ عثمانی جلد سوم ص ۵۵۵ و ۵۵۷)۔

نیز مالی معاوضہ اور تعزیر بالمال کے تذکرہ کے ضمن میں اپنے ایک مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''اگر شرعی سزاؤں کے نفاذ کا اختیار عدالت کے بجائے لوگوں کے سپرد کر دیا جائے تو اس سے لاقانونیت اور بدنظمی پیدا ہوگی، جس کا نہ عقلاً کوئی جواز ہے اور نہ شرعاً''۔ فقہی مقالات ص ۱۲۷ ج ۱)۔

۶- اس مسئلہ میں ضعیف قول یا مذہب غیر پر فتویٰ کیوں نہیں دیا جاسکتا؟

صورت مسئولہ میں عقوبۃ مالی، یعنی تعزیر بالمال کے جواز کے قول پر فتویٰ دینے کی گنجائش سمجھ میں نہیں آتی، جس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) یہ صحیح ہے کہ ضرورت کے موقع پر قول ضعیف یا دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کی اجازت ہے، لیکن اس کے شرائط بھی تو ہیں، جملہ شرائط پائے بغیر نہ ضعیف قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے نہ ہی دوسرے مذاہب پر۔

زیر بحث مسئلہ میں قاضی ابو یوسف کی طرف ضعیف قول کے ساتھ جواز منسوب کیا گیا ہے، لیکن کس کے لئے اور کن حالات میں؟ جب کہ فقہاء نے اور ان ہی کی اتباع میں ہمارے اکابر فقہاء حضرت تھانوی، مفتی کفایت اللہ وغیرہ نے صراحت فرمادی ہے کہ یہ جواز حاکم اور والی کے لئے ہے، یعنی اس ضعیف قول کے مطابق جواز بھی اسلامی حکومت میں حاکم کے لئے ہے، غیر اسلامی حکومت میں، اس جزئیہ سے استدلال کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

(۲) قاضی ابو یوسفؒ کی طرف تعزیر بالمال کے جواز کا جو قول منسوب ہے اس کا مطلب بھی ہمارے فقہاء متقدمین و متاخرین نے یقینی طور پر یہی بیان کیا ہے کہ ایک مدت تک مال کو روک کر انزجار و توبہ کے بعد مال واپس کر دیا جائے، چنانچہ فتاویٰ بزازیہ، البحر الرائق، فتاویٰ عالمگیری میں اس کی صراحت موجود ہے: **"إن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شيئ من ماله عنه مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه"** (فتاویٰ بزازیہ، فتاویٰ عالمگیری، البحر الرائق ص ۴۱۔ ج ۵)۔

غور کرنا چاہئے کہ قاضی ابو یوسفؒ کے نزدیک تعزیر بالمال کی حقیقت حبس مال ہے، لیکن استدلال کیا جارہا ہے تعزیر بالمال کی اس صورت پر جو ہمارے عرف میں رائج ہے جس میں مال لے کر اس کی واپسی یقیناً نہیں ہوتی، اس لئے بھی اس مسئلہ میں قاضی ابو یوسفؒ کے ضعیف قول پر بھی فتویٰ دینا درست نہیں معلوم ہوتا۔

(۳) دوسرے مذاہب کا سہارا لے کر بھی فتویٰ دینے کی اجازت اور گنجائش سمجھ میں نہیں آتی، اولاً تو اس وجہ سے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کے نزدیک علی الاطلاق تعزیر بالمال کی اجازت نہیں، حنابلہ اور مالکیہ کے یہاں ایک روایت کے مطابق ہے، وہ بھی صرف بعض صورتوں اور چند جزئیات میں جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی۔

(۴) نیز مذہب غیر میں بھی یہ حکم اسلامی حکومت میں حکام وقت کے لئے ہے، نہ کہ غیر اسلامی حکومت میں، اس لئے مذہب غیر کا سہارا لے کر بھی علی الاطلاق تعزیر بالمال کے جواز پر فتویٰ دینے کی گنجائش سمجھ میں نہیں آتی۔

(۵) نیز یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینے کے جو شرائط ہمارے اکابر فقہاء اور معتمد علماء نے تحریر فرمائے ہیں، کیا وہ شرطیں یہاں پورے طور پر پائی جاتی ہیں؟ مفتی محمد شفیع صاحبؒ مذہب غیر پر فتویٰ دینے کے شرائط کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”جس امام کا قول اختیار کیا جائے اس کی تفصیلات براہ راست اس مذہب کے اہل فتویٰ علماء سے معلوم کی جائیں، محض کتابوں میں دیکھنے پر اکتفا نہ کیا جائے (البلاغ مفتی اعظم نمبر ص ۴۱۹)۔

نیز ایک شرط یہ بھی تحریر فرمائی ہے کہ ”واقعۃً مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت متحقق ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی ایک مفتی خود رائی کے ساتھ یہ فیصلہ نہ کرے، بلکہ دوسرے اہل فتویٰ حضرات سے مشورہ کرے اگر وہ بھی متفق ہوں تو اتفاق رائے کے ساتھ ایسا فتویٰ دیا جائے (البلاغ مفتی اعظم نمبر ص ۴۱۹)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں: ”اگر کسی عمل میں بضرورت دوسرے مذاہب پر عمل کیا جائے تو اس عمل کی تمام جزئیات پر عمل کرنا چاہئے“ (حسن العزیز ۃ ص ۶۴، ج: ۴)۔

غور کرنے کی بات ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے میں کیا جملہ شرائط اور تفصیلات کی رعایت کرتے ہوئے فتویٰ دیا جا رہا ہے؟ اور کیا یہ موجودہ حالات میں ممکن بھی ہے؟ نیز قائلین جواز کیا اس کا بھی فتویٰ دیتے ہیں کہ تارکِ جماعت صلوٰۃ پر مالی جرمانہ مقرر کر دینا چاہئے؟

اس لئے احقر کی ناقص رائے کے مطابق اس مسئلہ میں مذہب غیر پر بھی فتویٰ دینے کی گنجائش نہیں۔

(۶) ضرورت کے موقع پر ضعیف قول یا مذہب غیر پر فتویٰ دینے کی ہمارے فقہاء واکابر علماء نے جو اجازت دی ہے تو اس سے وہ ضرورتِ عامہ مراد ہے جس کے بغیر عام ضرر لاحق ہو، اور اس کا شرعی حل یا متبادل ہمارے پاس موجود نہ ہو، اکابر فقہاء وعلماء کے کلام سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں ایسی صورتحال نہیں ہے کہ اس کے بغیر ضرر عامہ کا خطرہ یا اندیشہ ہو، زائد سے زائد عدم النفع ہوگا، یعنی جس اصلاح اور نفع کی ہم توقع رکھتے تھے اس کے حصول میں کمی ہوگی، ضرر کا لحوق نہ ہوگا، پھر اس کا شرعی حل اور متبادل بھی ہمارے پاس موجود ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ کے فتوے سے معلوم ہوتا ہے، مثلاً یہ کہ غیر واجبی سہولتوں سے محروم کر کے تعلیم اور قیام وطعام وغیرہ

کی اجرت لینا، کھانا بند کردینا وغیرہ وغیرہ۔

بالفرض اگر دوسرے مذہب یا ضعیف قول کو اختیار کرنے کی گنجائش ہوتی تو بھی شرعی حل موجود ہونے کی وجہ سے گنجائش نہ ہونی چاہئے، چہ جائیکہ ضعیف قول اور دوسرے مذاہب میں بھی غیر اسلامی حکومت میں اس کی گنجائش نہیں، کیونکہ اس سلسلہ کی جتنی عبارتیں نقل کی جاتی ہیں سب کا تعلق حکام اور والی سے، یعنی اسلامی حکومت سے ہے، ان ساری عبارتوں کو غیر اسلامی حکومت پر منطبق کرنا اور اس سے استدلال کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟

(۷) جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے وعظ وتذکیر اور زبانی فہمائش کا طریقہ منصوص ہے،" **وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ**" (سورۂ ذاریات:۵۵) انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی طریقہ رہا ہے۔

حدود وقصاص اور جسمانی تعزیرات کے علاوہ سیکڑوں ہزاروں مواقع میں (سوائے چند جزئی واقعات کے) کسی موقع پر بھی رسول اللہ ﷺ سے مالی تعزیرات منقول نہیں، اور جن چند جزئی واقعات میں اس کا ذکر ہے بھی تو ہمارے محدثین امام بخاری، دار قطنی وغیرہ نے اس کو قبول نہیں کیا، بعض علماء نے دوسری توجیہات کی ہیں، بعض نے منسوخ قرار دیا ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور شریعت کی روح کا مقتضیٰ یہی سمجھ میں آتا ہے تعزیر بالمال غیر پسندیدہ اور غیر شرعی چیز ہے۔

(۸) رہی یہ بات کہ جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے وعظ اور زبانی فہمائش کافی نہ ہو، جیسا کہ سوال میں ذکر کیا گیا ......الخ اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ شریعت نے جو ہم کو اختیارات دیئے ہیں اور جتنی استطاعت دی ہے، ہم صرف اتنے ہی کے مکلّف ہیں، جرائم کی روک تھام ہو یا نہ ہو، بقدر استطاعت کوشش کرنے کے بعد عند اللہ اس سے زائد کے ہم مکلّف ہی نہیں اور نہ ہی ایسی صورت میں ہم سے مواخذہ ہوگا، البتہ جرائم کی روک تھام کے لئے غیر شرعی طریقوں کے اختیار کرنے اور حدود سے تعدی کی صورت میں عند اللہ ہم سے مواخذہ ہوسکتا ہے۔

(۹) اور تعزیر بالمال کے جواز کا قول اختیار کرنے کی صورت میں بہت سے موقعوں میں حدود شرعیہ سے تجاوز کا صرف امکان ہی نہیں ظن غالب بلکہ مشاہدہ ہے، اس لئے بھی اس کے مطابق جواز کا فتویٰ دینے کی گنجائش سمجھ میں نہیں آتی حتی کہ اس ضرر کے غالب گمان کی وجہ سے ہمارے فقہاء نے تو اسلامی حکومت میں بھی حکام کو تعزیر بالمال کی اجازت دینے میں تأمل کیا ہے، چنانچہ اسی مسئلہ کے تعلق سے فقہاء نے تحریر فرمایا ہے:

"................**لاأن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة،إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي**" (البحر الرائق، وفتاویٰ عالمگیری ص ۱۶۷۔ ج ۲)۔

اس لئے فقہاء کی بیان کردہ اس حقیقت سے صرف نظر کرتے ہوئے تعزیر بالمال کے جواز کا فتویٰ دینا فقہاء کی بیان کردہ مصلحت کے بھی خلاف ہے۔

(۱۰)علی الاطلاق تعزیر بالمال کے جواز کا فتویٰ دینا نفس تعزیر کی مشروعیت کی اصل روح اور مقصد شریعت کے بھی خلاف ہے، کیونکہ تعزیر کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ تعزیر مجرم وظالم کے لئے زاجر ہو، اور یہ یقینی بات ہے کہ لوگوں کی نفسیات اور طبائع مختلف ہوتی ہیں، کسی مہذب، شریف الطبع اور سنجیدہ شخص کے لئے ادنیٰ تادیب بلکہ اطلاع بھی زجر کے لئے کافی ہوتی ہے، جبکہ بہت سے شریر الطبع غیر سنجیدہ لوگوں کے لئے ضرب وایلام کے بغیر زجر نہیں ہوتا، اسی وجہ سے ہمارے فقہاء علامہ ابن نجیم علامہ شامیؒ وغیرہ نے تعزیر کے مختلف درجات تحریر فرمائے ہیں۔

تعزیر کے مختلف درجات:

علامہ ابن نجیم اور علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ تعزیر کے مختلف درجات ہیں، ایک تعزیر اشرف الاشراف یعنی طبقہ علماء کو ہوتی ہے جن کو صرف کہہ دینا اطلاع کر دینا ہی کافی ہوتا ہے، اور ایک تعزیر اشراف کو یعنی امراء کو ہوتی ہے جن کو صرف کہنا نہیں بلکہ عدالت میں حاضر کرنا بھی تعزیر کے لئے مطلوب ہوتا ہے اور ایک تعزیر متوسط درجہ کے لوگوں کو ہوتی ہے، مثلاً بازاری لوگ جن کو قید کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور ایک تعزیر اخس یعنی سب سے کم درجہ لوگوں کو ہوتی ہے کہ محض قید نہیں، بلکہ ان کی تعزیر کے لئے ان کو ضرب، یعنی مارنے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔

”قال في البحر: التعزير على مراتب أشرف الأشراف وهم العلماء، وهو أن يقول له القاضي: إنک تفعل كذا وكذا فينزجربه، وتعزير الأشراف وهم الأمراء، بالإعلام والجرّ إلى باب القاضي والخصومة، وتعزير الأوساط وهم السوقة بالجر والحبس، وتعزير الأخسة بحذا كله وبالضرب“ الخ (البحر الرائق ۵/۴۱)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: تعزیر کبھی قید کے ذریعہ ہوتی ہے، کبھی چپت لگا کر، کبھی کان پکڑ کر، کبھی ڈانٹ کر، کبھی سخت کلام کے ذریعہ اور کبھی مار کر بھی، اور کبھی محض ترچھی نگاہوں سے یعنی غصہ اور ناراضگی سے دیکھنے سے بھی۔

”قال الزيلعي: ثم هو قد يكون بالحبس وقد يكون بالصفع وبتعريک الأذن ، وقد يكون بالكلام العنيف، أو بالضرب، وقد يكون بنظر القاضي إليه بوجه عبوس وليس فيه شيئى مقدر، وإنما هو مفوّض إلى رأى الإمام على ما يقتضى جنايتهم، فإن العقوبة فيه تختلف باختلاف الجناية“(منحۃ الخالق علی البحر الرائق ص۴۱)۔

فقہاء کی بیان کردہ اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے غور کرنا چاہئے کہ مختلف جرائم یا خلافِ قانون عمل کرنے کی وجہ سے کیا ہر ایک کے لیے تعزیر بالمال کا قانون بنانا فقہاء کی مذکورہ بالا تفصیل سے ہم آہنگ اور عقل سلیم کے موافق ہے؟ اور تعزیر کے اصل مقصد کو پورا کرتا ہے؟ حاشا وکلا، اس لئے بھی تعزیر بالمال کے جواز کا فتویٰ دینے کی گنجائش سمجھ میں نہیں آتی۔

(۱۱) ہمارے جن بعض فقہاء نے تعزیر بالمال کے جواز کو لکھا ہے، وہیں پر ”البحر الرائق اور فتاویٰ بزازیہ، مجمع الأنھر، فتاویٰ عالمگیری“ وغیرہ میں پوری صراحت سے لکھا ہے کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک مدت تک مال کو روک کر زجر وتوبہ کے بعد واپس

کر دیا جائے۔

(۱۲) شریعت مقدسہ نے زجر و توبیخ اور اصلاح حال کے لئے بہت سے طریقے بتائے ہیں، تعزیر بالمال کے علاوہ دیگر تعزیرات کی شریعت میں متعدد صورتیں بیان کی گئی ہیں، ان تمام صورتوں کو ترک کر کے صرف تعزیر بالمال پر اصرار ہرگز سمجھ میں نہیں آتا، جب کہ دلائل کی رو سے وہ نا قابل اعتبار بھی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے تمام اکابر و مشائخ نے اصلاح حال کے لئے تعزیر بالمال کو کبھی نہیں اختیار فرمایا، دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ وغیرہ میں بھی تعزیر بالمال کا معمول نہیں، بعض مدارس میں بعض اکابر نے تعزیر کا یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ طلبہ کی کوتاہی پر پچاس رکعت نوافل پڑھنا یا ایک مجلس میں دس یا پندرہ پارے تلاوت کرنا، بعض دوسرے مدارس میں طلبہ کی تعزیر کے لئے پیشاب خانے، بیت الخلاء کی صفائی اور پانی ڈالنے کو مقرر کیا گیا ہے، لیکن تعزیر بالمال کو کسی نے اختیار نہیں کیا۔

اس لئے یہ کہنا کہ تعزیر بالمال کے علاوہ کوئی دوسری مؤثر تعزیر نہیں ہوسکتی، صحیح نہیں، کیونکہ شریعت مقدسہ میں تعزیرات کے بہت سے انواع ہیں، بعض علماء نے تعزیرات کی بہت سی قسمیں لکھی ہیں، احقر نے دلائل اور احادیث کی روشنی میں ان کو مقالہ کے اخیر میں بطور ضمیمہ کے جمع کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر تعزیر بالمال کے جواز پر فتویٰ دینے کی گنجائش سمجھ میں نہیں آتی، واللہ اعلم۔

۹- برادریوں، پنچایتوں اور کاروباری انجمنوں کا مالی جرمانہ مقرر کرنے کا شرعی حکم:

دلائل شرعیہ، مذاہب ائمہ، تصریحات فقہاء سے جب اس کا عدم جواز ثابت ہے، تو ان سب سے قطع نظر کر کے محض مصالح مظنونہ و منافع موہومہ کے پیش نظر اصلاح کی توقع سے بھی اس کی اجازت نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اس کے جواز کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے، برادریوں، خاندانی پنچایتوں اور کاروباری انجمنوں کے لئے جواز کا فتویٰ دینا سیکڑوں مظالم کا دروازہ کھولنا ہے، کیونکہ اولاً تو اس کا جواز ہی مسلّم نہیں، دوسرے جہالت کے سبب ایسے فتوے کی وجہ سے خاندانوں، پنچایتوں وغیرہ میں ایسے مظالم کے دروازے کھلیں گے جن کا سدّ باب مشکل ہوگا، اس کا مختصر اندازہ حضرت تھانویؒ کے فتاویٰ کے ایک سوال وجواب سے لگایا جاسکتا ہے، جو درج ذیل ہے:

سوال (۱۴۰۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک قوم مؤمن اور مسلمان ہے مگر جب اس قوم کا کوئی فرد برادری کا قصور وار ہوتا ہے جو شرعاً ناجائز ہے تو اس کا فیصلہ پنچان قوم کرتے ہیں، مسجد پر اکٹھے ہوتے ہیں اور چند اشخاص ان میں سے مسجد کے اندر جا کر اس قصور وار کے بارے میں جرمانہ کا مشورہ کرتے ہیں اور باہر آ کر اس کو اور ساری قوم کو سناتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اے شخص یا تو ساری برادری کو کھانا کھلا، ورنہ تیرے اوپر سو روپیہ جرمانہ اور قوم سے خارج، اور یا صرف جرمانہ ہی جرمانہ کرتے ہیں، غرض سو اور پچاس روپیہ سے کم نہیں کرتے، (جو آج کل کے تقریباً پچاس ہزار سے کم نہ ہوگا) اب جو بیچارے غریب دو آنے کے مزدور ہوتے ہیں تو وہ بیچارے کئی کئی سال تک قوم سے باہر پڑے رہتے ہیں نہ ان کے پاس جرمانہ ہو، نہ وہ قوم میں داخل

ہوں اور اگر کبھی وہ غریب خالی ہاتھ جا کر قوم کے سامنے ہاتھ جوڑتے بھی ہیں تو ان کو یہی جواب ملتا ہے کہ جرمانہ لے کر آؤ، وہ بیچارے غریب مایوس ہو کر الٹے چلے جاتے ہیں اور پھر مجبور ہو کر اپنی جائیداد پر یا سامان پر نظر ڈالتے ہیں، یا تو اس کو رہن رکھتے ہیں یا بیچ ڈالتے ہیں اور یا سود پر لاتے ہیں اور پھر اس روپیہ کو لا کر قوم کا جرمانہ یا تو ادا کرتے ہیں یا ساری قوم کو کھلاتے ہیں اور نقد جرمانہ دیتے ہیں تو سردار لے کر اس روپیہ کو پھر مشورہ کرتے ہیں، تو پھر یہی صلاح قرار پاتی ہے کہ اس روپیہ کے برتن بنائے جائیں، غرض کبھی دیگ منگائی جاتی ہے اور کبھی طباق بنائے جاتے ہیں اور پھران برتنوں کو ساری قوم بیاہ شادی میں استعمال کرتی ہے اور جو بعض استعمال میں نہیں لاتے وہ یہ کہتے ہیں کہ ان برتنوں کو استعمال کرنا شریعت کے نزدیک برا ہے۔

اب علمائے دین ومفتیان شرع متین سے گذارش والتماس اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کو وہ کھانا کیسا اور جرمانہ مسلمانوں کو کرنا کیسا ہے اور پھر مسلمانوں کو وہ جرمانہ وصول کرنا کیسا ہے؟ اور پھر اس روپئے کے برتنوں کو استعمال میں لانا کیسا اور پھران میں جو کھانا پکایا جاتا ہے وہ کھانا کیسا؟ اور مکروہ تنزیہی ہے یا کہ مکروہ تحریمی یا حرام کس حد تک؟

الجواب: ایسا کھانا کھانا اور اس طرح جرمانہ کرنا یا اس کا وصول کرنا یا اس روپیہ کے برتنوں کا استعمال کرنا یہ سب حرام ہے (امداد الفتاویٰ جدید، کتاب الحدود، ص:۴۹۱، جلد ۵ جدید)۔

دوسرے تعزیر بالمال میں اس قدر شرعی مفاسد اور قباحتیں ہیں، بالفرض اگر جواز بھی ہوتا تب بھی مفاسد اور قبائح کی بنا پر عدم جواز ہی کا فتویٰ دیا جاتا، تعزیر بالمال کے چند مفاسد ملاحظہ ہوں:

مالی جرمانہ کے شرعی مفاسد اور پیش آنے والے نقصانات، حقائق اور واقعات کی روشنی میں:

(۱) تعزیر بالمال کے جواز کا فتویٰ دینے میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ یہ ائمہ مجتہدین کے مسلک اور ان کے بیان کردہ شرعی دلائل، اور فقہاء کرام کی تصریحات اور اکابر علماء وفقہاء کے فتاویٰ کے قطعاً خلاف ہے۔

(۲) مدرسۃ البنات کے ایک بڑے ادارہ کے متعلق معلوم ہوا (جہاں بہت سے اہل علم، اساتذہ مدارس کی بچیاں تعلیم حاصل کرتی تھیں) کہ وہاں تعزیر بالمال، یعنی مالی جرمانہ کی بڑی کثرت ہے، کسی عذر کی وجہ سے بچی پڑھنے نہیں آئی تو مالی جرمانہ، بیماری کی وجہ سے نہ آسکی تو مالی جرمانہ، چھٹی کے بعد ایک دو دن تاخیر سے آئی تو مالی جرمانہ، سبق نہ یاد ہو، یا درجہ کی غیر حاضری ہو تو مالی جرمانہ، اور ذمہ داران مدرسہ بعض فتووں کی رو سے اس کو جائز کہتے تھے اور قائلین جواز کے اسمائے گرامی بطور دلیل کے پیش کرتے تھے، لیکن اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ بڑی تعداد میں اساتذہ مدارس نے اپنی بچیوں کو وہاں سے ہٹا لیا کہ مالی جرمانوں کا اتنا بوجھ ہم برداشت نہیں کر سکتے، مالی جرمانہ کا نتیجہ حرمان علم۔

(۳) چند روز قبل انقلاب اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ لکھنؤ کے قریب ایک قصبہ میں بس چلانے والوں نے یونین بنائی ہوئی ہے کہ ہر بس والا اپنے وقت مقررہ پر اپنے مقام سے چل کر فلاں وقت تک اسٹیشن ضرور پہنچ جائے، درمیان میں ٹھہر کر زیادہ

سواری نہ بھرے، تاخیر کرنے اور تاخیر سے پہنچنے پر مثلاً ہر پانچ منٹ میں پچاس یا سو روپیہ جرمانہ، ایک گھنٹہ تاخیر سے پہنچنے پر چھ سو روپئے جرمانہ، یہ بس کی یونین والوں نے باہم طے کیا، اس کی وجہ سے بس والے سواری بھی لیتے ہیں اور بس بہت تیزی سے چلاتے ہیں تاکہ مالی جرمانہ عائد نہ ہونے پائے، اسی مالی جرمانہ سے بچنے کی وجہ سے بس کے ڈرائیور نے تیز گاڑی دوڑائی جس کے نتیجہ میں ایکسیڈنٹ ہوا، گاڑی بے قابو ہوگئی، درخت سے ٹکرائی، الٹ گئی، کئی لوگوں کی جانیں گئیں، بہت سے زخمی ہوئے، مالی جرمانہ کا نتیجہ موت اور زخمی ہوجانے کی شکل میں ظاہر ہوا۔

(۴) ہمارے فقہاء نے تعزیر بالمال کو ناجائز اس وجہ سے بھی قرار دیا ہے کہ اس میں طِیبِ خاطر کے بغیر دوسرے کے مال کا استعمال لازم آتا ہے، اور ظالموں کو ظلم وزیادتی کے مواقع کثرت سے ہاتھ آتے ہیں، جن لوگوں نے تعزیر بالمال کا معمول بنالیا ہے وہاں یہ دونوں باتیں کھلی آنکھوں نظر آتی ہیں۔

(۵) بعض برادری اور پنچایت والوں نے اپنے علم وفہم کے مطابق طے کر رکھا ہے کہ برادری کا اگر کوئی فرد فلاں فلاں جرم کرے گا مثلاً زنا کرے گا یا تین طلاق دے گا، تو اس کا حقہ پانی بند یا پھر اس کی پاداش میں اتنا جرمانہ ادا کرے، مجبور ہو کر وہ جرمانہ ادا کرتا ہے، پھر اسی جرمانہ میں لی ہوئی رقم سے دیگیں، شامیانے وغیرہ خریدے جاتے ہیں جو بیاہ شادی میں استعمال ہوتے ہیں، اور اس عمل کو معاشرہ اور برادری کی بڑی خدمت سمجھا جاتا اور بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے، ہمارے مفتیانِ کرام فرمائیں کہ کیا یہ مالی جرمانہ اور اس قسم سے لائے سامان کا استعمال جائز ہوسکتا ہے؟ یہ تو صریح ظلم ہے، حضرت تھانوی نے اس کو صریح ظلم اور حرام قرار دیا ہے۔

(۶) بعض دینی اداروں میں طلباء سے مالی جرمانہ میں لی ہوئی رقم کو دفتر میں جمع کیا گیا اور مدرسہ میں جمع شدہ دوسری رقم کے ساتھ ضم کر کے اسی سے اساتذہ کو تنخواہیں دی گئیں، اور بعض موقعوں میں مہمانوں کی ضیافت میں بھی وہ رقم استعمال کی گئی، اور بسا اوقات اسی رقم سے درسگاہوں میں پنکھے وغیرہ لگوائے گئے۔

(۷) بعض علاقوں میں دینی ذہن رکھنے والوں نے مالی جرمانہ میں لی گئی رقم کو مدرسہ ومسجد کے مصارف میں استعمال کیا۔

(۸) بعض عصری درسگاہوں، اسکولوں اور کالجوں میں مالی جرمانہ کی رقم وصول کر کے مٹھائیاں منگائیں اور سارے ٹیچروں نے بیٹھ کر کھائیں، یہ سب اُکل بالباطل کے دائرہ میں آتا ہے۔

(۹) بعض مدرسوں میں تعزیر بالمال کی عنوان سے لی گئی رقم سے طلباء کو انعامات تقسیم کئے گئے۔

(۱۰) بعض مدارس ومکاتب کے متعلق معلوم ہوا کہ مالی جرمانہ میں لی گئی رقم کو مہتمم مدرسہ یا نگراں صاحب نے اپنے ذاتی مصرف میں خرچ کیا، مدرسہ سے اس کا کوئی حساب نہیں۔

اس نوع کے واقعات بکثرت پیش آتے رہتے ہیں، قابل غور بات یہ ہے کہ تعزیر بالمال کو جائز کہنے کی صورت میں اس نوع کے مفاسد ومظالم اور شرعی قباحتیں پیش آسکتی ہیں، کیا ہمارے فقہاء وارباب افتاء ان حالات میں بھی تعزیر بالمال کے جواز کا فتویٰ

دیں گے؟

جب کہ ہمارے تمام فقہاء وارباب افتاء اور اکابر علماء سب کے سب یہ لکھتے چلے آرہے ہیں کہ ایسی رقم کو مالک کو واپس کرنا ضروری ہے، کسی دینی کام، مدرسہ ومسجد، اور رفاہی کاموں میں بھی صرف کرنا ناجائز، حرام ظلم وعدوان ہے، خطرہ یہ ہے کہ کہیں تعزیر بالمال کے جواز کا فتویٰ ظالموں کے حق میں اعانت علی الاثم والعدوان کا ذریعہ نہ بن جائے، اس لئے کسی بھی حیثیت سے اور مصالح کے پیش نظر بھی تعزیر بالمال کے جواز کا فتویٰ دینے کی گنجائش سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ مفاسد مصالح سے کہیں بڑھ کر ہیں، مفاسد ومصالح کے تعارض کے وقت تو مفاسد ہی کو ترجیح ہوتی ہے، کمافی الأشباہ۔

مولانا قمر الزماں صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مدرسہ کی شوریٰ میں جس کے سرپرست حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ تھے، میں بھی موجود تھا، شوریٰ میں یہ مسئلہ زیر غور تھا کہ مدرسہ کھلنے کے بعد ابتدائی سال میں ایک دن کی غیر حاضری سے پورے مہینہ کی یا ایام تعطیل کی تنخواہ جرمانہ کے طور پر وضع کرلی جائے، اہل شوریٰ جن میں اکثر حضرات اہل علم تھے سب نے اس کی مخالفت کی اور حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے فقہی نقطہ نظر سے اس کی مخالفت کی اور فرمایا:

’’جرمانہ کے طور پر یہ سزا کہ ایک دن کی تاخیر سے ایک ماہ کی تنخواہ نہ دی جائے ہرگز درست نہیں‘‘ واللہ اعلم۔

۷،۸- تعلیمی اداروں میں مختلف کوتاہیوں کی وجہ سے تعزیر بالمال کی اجازت نہیں دی جاسکتی:

الجواب: کسی بھی عمل کا جواز محض اس کے نافع ہونے پر نہیں، بلکہ ادلہ شرعیہ پر ہے، ائمہ مجتہدین اور فقہاء محققین نے ادلہ شرعیۃ کی روشنی میں جس چیز کا ناجائز ہونا فرمادیا تو اب محض اس کے نفع کو محسوس کر کے جائز نہیں قرار دیا جاسکتا، اس لئے تعزیر بالمال کے عدم جواز کو جب فقہاء مجتہدین نے صراحۃ بیان فرمادیا، تو محض اس کی نافعیت کی بناء پر ائمہ مجتہدین کے خلاف فتویٰ دینے کی جسارت نہیں کی جاسکتی۔

خصوصاً جب کہ تعزیر بالمال کی نافعیت کا دعویٰ بھی محل غور ہے، منافع سے زیادہ مفاسد ومضار بھی اس کے اندر پائے جاتے ہیں، جس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی، دوسرے ہاؤزنگ وغیرہ کی بعض صورتوں میں تو نام اس کا خواہ کچھ بھی رکھا جائے لیکن حقیقت کے لحاظ سے وہ سود ہے، کیونکہ اس پر سود کی تعریف صادق آتی ہے، اس کے جواز کا فتویٰ دینا سود کا دروازہ کھولنا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے تعزیر بالمال کے جواز کی رائے ظاہر فرمائی ہے، لیکن بینک سے قرض لینے کی صورت میں قرض کے ٹال مٹول کرنے اور وعدہ خلافی کا مجرم ہونے کی صورت میں تعزیر بالمال اور مالی جرمانہ کی رائے نہیں دیتے، کیونکہ نام اس کا گو تعزیر بالمال ہوگا، لیکن حقیقت کے لحاظ سے یہ سود ہی ہوگا، اس لئے مفتی صاحب مالی جرمانہ کے بجائے اصلاح کے لئے دوسری رائے دیتے ہیں، چنانچہ اپنے مقالہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

’’دائن کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مدیون کے وقت پر ادا نہ کرنے پر اپنے دین میں اضافہ کردے اس لئے کہ اس اضافہ کے

سود ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ فقہی مقالات ص ۱۲۱ / ج ۱ مقالہ'' قسطوں پر خرید وفروخت'')۔

۱۰، ۱۱- طلاق کے سلسلہ میں پائی جانے والی افراط وتفریط کی وجہ سے مالی جرمانہ مقرر کرنا:

سوال میں جن صورتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے سابقہ سوالات کے جواب کے ضمن میں ذکر کردہ دلائل کے پیشِ نظر ہرگز اس کی اجازت نہیں ہوسکتی، دوسری شرعی خرابی اس میں یہ بھی لازم آتی ہے کہ غیر واجب کو واجب شرعی قرار دینا یہ تو خود اصول شرع کے خلاف ہے کیونکہ یہ حق صرف شارع کا ہے، غیر واجب کو واجب قرار دینا تو غیر دین کو دین کہنے کے مرادف ہے، اور مقدمة الواجب واجبٌ، یا واجب لغیرہ کا بھی، یہاں کوئی موقع نہیں کہ اس تاویل سے اس کو واجب قرار دیا جائے، اس لئے قطعاً اس کی اجازت نہیں، واللہ اعلم۔

حکومتوں کے قوانین میں مالی جرمانہ لینے کی فی زمانناشرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟

ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک تعزیر بالمال، یعنی مالی جرمانہ کی شرعاً اجازت نہیں تو آج کل حکومتوں کے قوانین میں مختلف جرائم یا خلاف قانون کسی خطا کا مرتکب ہونے کی صورت میں مالی جرمانہ عائد کیا جاتا ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو اس سے بچنے کی کوشش کرنا چاہئے، اور ابتلاء کی صورت میں توبہ واستغفار بھی کرنا چاہئے، اور اگر درست ہے تو کس دلیل سے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حکومتوں کے قوانین میں مالی جرمانہ کی جو صورتیں عموماً رائج ہیں مثلاً خلاف قانون گاڑی چلانے کی صورت میں گاڑی کا چالان کردینا، اور مالی جرمانہ کے بعد گاڑی واپس مل جانا وغیرہ وغیرہ اس طرح کی مختلف صورتوں کا حکم تو کسی حدیث پاک سے صراحةً ثابت نہیں، نہ جواز نہ عدم جواز، اور ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبلؒ نے جن بعض صورتوں میں تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، وہ خاص وہ صورتیں ہیں جن میں نفس مال ہی میں جنایت وخیانت کا ارتکاب کیا گیا ہو تو اس کی پاداش میں اسی مال میں تعزیر کی جاتی ہے، (جس کو تعزیر فی المال سے تعبیر کرتے ہیں) مروّجہ صورتحال اور زیر بحث مسائل بالکل اس سے مختلف ہیں، جو مختلف جرائم کی بنا پر تعزیر بالمال سے متعلق ہیں، مالی جرمانہ کی اس نوع کی صورتیں ہمارے زمانہ کی حادث صورتیں ہیں جن میں ابتلائے عام ہے۔

غور وفکر کے بعد سمجھ میں یہ آتا ہے کہ مروّجہ مالی جرمانوں کے متعلق چوں کہ صراحةً کوئی حکم شریعت سے ثابت نہیں ہے، اس لئے اس کو مصالح مرسلہ کے دائرہ میں لانا چاہئے، جس کا حاصل یہی ہے کہ مصالح عامہ کے پیش نظر، یعنی جلب منفعت اور دفع مضرت کے خاطر کسی ایسی نئی صورت کو اختیار کرنا کہ شریعت نے صراحةً نہ تو اس کی اجازت دی ہو اور نہ ہی اس کی ممانعت کی ہو، جیسے مجرمین کے لئے جیل خانوں کا بنانا، حکومتوں کا نقود اور سکّوں کو خاص ہیئت سے ڈھالنا وغیرہ وغیرہ، اگر ضرورت اس کی داعی ہو اور واقعةً مصالح پر مبنی ہو یعنی جلب مصلحت ودفع مضرت کے لئے مفید ہو تو ایسی تمام صورتوں کو مصالح مرسلہ کے دائرہ میں لاکر فقہاء جائز قرار

دیتے ہیں، چنانچہ اصولیین نے تحریر فرمایا ہے:

”الأصل الخامس من الأدلة المقبولة المناسب المرسل ......ومناسب لم يشهد له الشرع لا بالاعتبار ولا بالإلغاء وهو المناسب المرسل ، اعتبر إن كانت المصلحة ضرورية ...... لأن الصحابة رضى الله عنهم قنعوا بمعرفة المصالح ...... بل كانوا يراعون المصالح بأن المقصد من الشرائع رعاية المصالح“(شرح المنهاج للبیضاوی فی علم الأصول،ص:۶۳۷،۶۵۷۔ج:۲)۔

شیخ عبدالوہاب خلاف اپنی کتاب ”علم اصول الفقہ“میں مصالح مرسلہ کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں:

”ومثالها المصلحة التى شرع لأجلها الصحابة اتخاذالسجون، أو ضرب النقود، ...... أو غير هذا من المصالح التى اقتضتها الضرورات، أو الحاجات أو التحسينات ولم تشرع أحكام لها، ولم يشهد شاهد شرعى باعتبارها أو إلغائها“(علم أصول الفقہ،ص:۸۴)۔

لیکن مصالح مرسلہ پر عمل کرنے کے کچھ شرائط بھی ہیں جن میں بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ مصلحت ایسی نہ ہو کہ شریعت نے اس کا اعتبار نہ کیا ہو یا اس کے خلاف شریعت میں کوئی حکم موجود ہو، شیخ عبدالوہاب خلاف مصالح مرسلہ کے معتبر ہونے کے شرائط کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”......ثالثها أن لا يعارض التشريع لهذه المصلحة حكماً أو مبدأً ثبت بالنص أو الإجماع، فلا يصح إعتبار المصلحة التى تقتضي مساواة الإبن والبنت فى الإرث،لأن هذه مصلحة ملغاة لمعارضتها نص القرآن“(علم أصول الفقہ،ص:۸۷)۔

زیر بحث مسئلہ میں تعزیر بالمال کی ممانعت کی ایسی کوئی نص نہیں جس میں تعزیر مالی کی مروجہ صورتوں کی نہی وارد ہوئی ہو، اور جن نصوص عامہ سے فقہاء نے اس کی ممانعت کو سمجھا ہے، مثلاً حدیث” ألا لا يحل مال امرى مسلم إلا بطيب نفس منه“ وہ اس نہی کے لئے خاص نہیں، بلکہ عام ہے جس میں تخصیص کی گنجائش ہے، یعنی عرف عام و مصلحت عامہ کی وجہ سے اس نص میں تخصیص کی جاسکتی ہے، جب کہ اس سے نص کا ترک لازم نہ آتا ہو، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے کہ عرف عام اگر کسی حدیث کے خلاف ہو تو ایسے عرف کا اعتبار نہ کیا جائے گا، البتہ اگر اس عرف عام سے نص کا ترک لازم نہ آئے بلکہ تخصیص نص کر دی جائے یعنی دوسرے مواقع اور دوسری صورتوں میں وہ معمول بہا ہو تو ایسی صورت میں تخصیص نص کرتے ہوئے عرف عام کا اعتبار کیا جائے گا، چنانچہ ”رسم المفتی“میں ہے:

”والحاصل أن العرف العام لا يعتبر إذا لزم منه ترک المنصوص وإنما يعتبر إذا لزم منه تخصيص النص ...... ألا ترى أنا جوزنا الاستصناع للتعامل ، والاستصناع بيع ما ليس عنده ، وأنه منهى عنه، وتجويز

الاستصناع بالتعامل تخصیص منا للنص الذی ورد فی النهی عن بیع ما لیس عند الإنسان ، لا ترک للنص أصلاً ، لأنا عملنا بالنص فی غیر الاستصناع" (رسم المفتی ص ۱۷۳، جدید مطبوعہ مکتبہ الاتحاد دیوبند) ۔

مذکورہ بالا تفصیل کے پیش نظر تعزیر بالمال کی ان صورتوں کو جو حکومتوں کی طرف سے مقرر کی گئی ہیں، ان کو بھی ہم مصالح مرسلہ کی بناء پر جائز کہہ سکتے ہیں، اور جو حدیثیں بظاہر اس کے خلاف ہوں ان میں فقہاء اصولیین کی تصریح کے مطابق تخصیص نص کی بھی گنجائش ہے، اسلئے حکومتوں کے مروجہ وہ قوانین جن میں مالی جرمانہ عائد کیا جاتا ہے شرعاً اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

اور عرف خاص میں چونکہ مخصِّص بننے کی صلاحیت نہیں، اس لئے برادریوں اور اداروں وغیرہ میں تعزیر بالمال کی مذکورہ نص کی بناء پر اب بھی ممانعت باقی رہے گی۔

☆☆☆

اسلام میں مالی تعزیر کا حکم

مفتی راشد حسین ندوی☆

تعزیر کے لغوی معنی:

تعزیر لغت میں "عزر" سے تفعیل کا صیغہ ہے، یہ اسماء اضداد میں سے ہے، چنانچہ اس کے ایک معنی ہیں؛ ضرب، حبس اور ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ کے ذریعہ تادیب کرنا، اور دوسرے معنی ہیں؛ مدد اور تعظیم واکرام کرنا، اس دوسرے معنی میں قرآن مجید میں بھی اس کا استعمال کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ﴾ (سورۂ أعراف: ۱۵۷) (اور اس کا ساتھ دیں گے اور اس کی مدد کریں گے)۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ﴾ (الفتح: ۹) (اور اس کی مدد کرو اور اس کا احترام کرو)۔

یہاں پہلے معنی یعنی "ضرب" وغیرہ کے ذریعہ تادیب کرنا مراد ہے:

"هو لغة: التأديب مطلقاً. الخ مع الحواشي" (شامی: ۳/ ۱۹۴، باب التعزیر)۔

"التعزير اسم مختص بالضرب الذى يضربه الإمام. الخ" (المجموع شرح المهذب تکملة للشیخ نجیب المطبعی: ۲۲/ ۲۱۱، باب التعزیر، دیکھئے: المعجم الوسیط)۔

تعزیر کے اصطلاحی معنی:

تعزیر کے اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے صاحب "الدر المختار" فرماتے ہیں: "هو تأديب دون الحد" (شامی: ۳/ ۱۹۴) (وہ حد سے کم درجہ کی جنایت پر بطور تادیب دی جانے والی سزا کو کہتے ہیں)۔

اسی سے ملتی جلتی تفصیلی تعریف شیخ نجیب نے بھی کی ہے (تکملة المجموع: ۲۲/ ۲۱۱)۔

۱- تعزیر بالمال کا مفہوم؟

فقہاء نے تعزیر کے کئی مراتب بیان فرمائے ہیں، کبھی تعزیر کڑی نگاہ ڈال لینے سے ہوجاتی ہے، کبھی ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت ہوتی ہے، کبھی ضرب وحبس کی ضرورت ہوتی ہے، جرم کی نوعیت اور جانی کی فطرت کے اعتبار سے اس میں تبدیلی ہوجاتی ہے،

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)۔

اسی طرح ایک قسم یہ بھی ہے کہ جانی کو مالی جرمانہ یا مالی نقصان پہنچا کر تادیب کی جائے، اسی کو" تعزیر بالمال" کہا جاتا ہے۔

تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال میں فرق:

ان دونوں کے درمیان کہیں صراحت سے فرق کی بحث اس کم علم کو نہیں مل سکی، لیکن متعلقہ بحث پر مطالعہ کے دوران اندازہ ہوا کہ ان دونوں کے درمیان عموم خصوص کا تعلق ہے، تعزیر بالمال عام ہے، اس میں مال لے کر تعزیر کرنا بھی شامل ہے، ساتھ ہی جانی کا مال جلا دینا، اس کے گھر میں آگ لگا دینا، کہیں ملنے والے حق سے محروم کر دینا اور چوری کیے ہوئے پھل سے کئی گنا زیادہ جرمانہ لگا دینا شامل ہے۔ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم کی تحریروں میں اسی عام مالی تعزیر کا ذکر ہے:

"وأما تغريم المال وهو العقوبة المالية، فشرعها في مواضع: منها: تحريق متاع الغال من الغنيمة، ومنها: حرمان سهمه، ومنها اضعاف الغرم على سارق الثمار المعلقة.الخ" (أعلام الموقعين: ۲/ ۱۱۷)۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: **"والتعزير بالعقوبات المالية مشروع أيضا في مواضع مخصوصة (الى) ومثل هدمه لمسجد ضرار ومثل تحريق موسى للعجل المتخذ الهاً.الخ"** (مجموع فتاوی ابن تیمیۃ: ۲۸/ ۱۰۹-۱۱۰)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے تعزیر مالی کی ان مختلف اقسام کا ذکر کیا ہے (دیکھئے؛ جدید فقہی مسائل: ۳/ ۲۴۵-۲۴۸)۔

علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم نے مالی عقوبات کی جن مختلف اقسام کا ذکر احادیث اور آثار کی روشنی میں کیا ہے، موٹے طور پر اس کی تین قسمیں کی جاسکتی ہیں: اتلاف، تغییر، تملیک، اتلاف میں تحریق اور ہدم جیسی چیزیں شامل ہیں، تغییر میں مصور پردہ کو تکیہ بنائے، جیسی چیزیں داخل ہیں اور تملیک میں اونٹ چرا کر کھالینے والے غلاموں کے آقا پر اونٹ کی قیمت کے ساتھ اس کی ڈبل قیمت اونٹ کے مالک کو دینے کا حکم اور اس جیسی مثالیں دی جاسکتی ہیں:

"تقسم العقوبات المالية عند ابن تيمية الى ثلاثة أقسام: الاتلاف والتغيير والتمليك.الخ" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ: ۷/ ۵۵۹۷)۔

اور تعزیر باخذ بالمال خاص ہے، اس میں صرف جرمانہ کے طور پر مال لینے کی شکل آتی ہے، مکان گرانے جلانے یا کسی حق سے محرومی اس کے مفہوم میں شامل نہیں ہے، یہی وہ خاص شکل ہے جس کے جواز کی نسبت امام ابو یوسف کی طرف کی گئی ہے اور بقیہ ائمہ کے نزدیک اس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے:

"(لا يأخذ المال في المذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز.اهـ" (شامی: ۳/ ۱۹۵-۱۹۶، ہندیۃ: ۲/ ۶۷، البحر الرائق: ۵/ ۴۱، فتح القدیر: ۵/ ۱۱۲-۱۱۳)۔

جب تعزیر بالمال کو عام اور تعزیر باخذ المال کو خاص مان لیا جائے تو تعزیر بالمال کے عموم میں تعزیر باخذ المال بھی خود بخود داخل ہوجائے گی، لیکن تعزیر باخذ المال بول کر تعزیر بالمال کی اقسام مراد نہیں لی جاسکیں گی، اس طرح علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم کے نزدیک تعزیر بالمال اپنی اقسام سمیت جائز ہوگی، جب کی امام ابو یوسف کی روایت صرف مالی جرمانہ پر محمول ہوگی، بقیہ اقسام اتلاف تحریق وغیرہ اس میں داخل نہیں ہوں گی، خواہ اس سے مراد صرف کچھ دن کے لیے مال روک لینا ہو، جیسا کہ اکثر مشائخ کی رائے ہے یا اس کو ضبط کر کے کسی مناسب مصرف میں لگادینا ہو جس کی اجازت ضرورت پڑنے پر بعض فقہاء نے دی ہے:

"وفی المجتبی: **لم یذکر کیفیة الأخذ وأری أن یأخذها فیمسکها، فإن أیس من توبته یصرفها إلی ما یری**" (شامی:۳/۱۹۶)۔

"**وأفاد فی البزازیة: أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به إمساک شئ من ماله عنه مدة لینزجر ثم یعیده الحاکم إلیه. الخ**" (ہندیہ:۲/۱۶۷، البحر الرائق:۵/۴۱، شامی:۳/۱۹۶)۔

رہا یہ سوال کہ اس فرق کی وجہ سے صورت مسئلہ پر کیا اثر پڑے گا؟ تو اس کے دو جواب ہیں؛

الف: اس فرق کی وجہ سے امام ابو یوسف کی اس روایت کو اختیار بھی کرلیا جائے تو تعزیر بالمال کی مختلف صورتوں میں سے صرف ایک شکل جائز ہوگی یعنی تعزیر باخذ المال، خواہ اس کی تشریح مکمل ضبطی سے کی جائے یا کچھ دنوں تک بطور ودیعت مال روکنے سے کی جائے، اس طرح امام ابو یوسف کی رائے اور علامہ ابن تیمیہ وابن القیم کے موقف میں خاصا فرق رہے گا۔

ب: تعزیر باخذ المال میں ابو یوسف اور طرفین کے درمیان اختلاف ہے، تعزیر بالمال کے متعلق یہاں عبارات خاموش ہیں، بظاہر اس کی بعض شکلیں بالاتفاق جائز ہیں، اس کی تعبیر صاحب "أحسن الفتاوی" نے تعزیر فی المال سے کی ہے، اور اس کے جواز کا اشارہ کیا ہے (دیکھئے؛ أحسن الفتاوی:۵/ ۵۶۲-۵۶۷)۔

۲-تعزیر مالی کے متعلق احناف کا مشہور قول؟

احناف کا مشہور اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ مالی تعزیر یعنی جرمانہ جائز نہیں ہے:

"**وعن أبی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما و باقی الأئمة لا یجوز**" (ردالمحتار شامی:۳/ ۱۹۵، فتح القدیر:۵/ ۱۱۲، البحر الرائق:۵/۴۱، ہندیة:۲/ ۱۶۷) (امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ سلطان کے لیے تعزیر باخذ المال جائز ہے، اور طرفین نیز بقیہ ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے)۔

صاحب "رد المحتار" نے تصریح کی ہے کہ مذہب مختار یہی ہے کہ تعزیر باخذ المال جائز نہیں ہے:

"**والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال**" (ردالمحتار:۳/۱۹۶)۔

۳-امام ابو یوسف تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں؟

اوپر عبارات نقل کی جاچکی ہیں کہ امام ابو یوسف سے تعزیر مالی کے جواز کا قول نقل کیا گیا ہے، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ یہ

ایک ضعیف روایت ہے، اور شرنبلالیہ اور شرح وہبانیہ کا حوالہ دیتے ہوئے نقل کیا ہے کہ اس روایت پر فتوی دینا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس پر فتوی دیا گیا تو ظالم حکام اس کا سہارا لے کر ناحق لوگوں کا مال لے کر کھانا شروع کر دیں گے:

"وظاهره أن ذلک روایة ضعیفة عن أبی یوسف، وقال فی الشر نبلالیة: ولا یفتی بهذا، لما فیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس فیأکلونه۔اهـ، ومثله فی شرح الوهبانیة عن ابن وهبان"(رد المحتار: ۳/۱۹۵-۱۹۶)۔

۴-مالی جرمانے کو جائز قرار دینے والے فقہاء احناف؟

فقہاء احناف میں سے بعض نے تعزیر مالی کو جائز قرار دیا ہے، اس کا اشارہ اس تعلیق سے ہوتا ہے جو "فتح القدیر" اور "البحر الرائق" میں خلاصہ کی عبارت پر کی گئی:

"وما فی الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزیر بأخذ المال ان رأی القاضی ذلک أو الوالی جاز، ومن ذلک رجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال" --- مبنی علی اختیار من قال ذلک من المشائخ کقول أبی یوسف"(فتح القدیر:۵/۱۱۲-۱۱۳، البحر الرائق: ۵/۴۱)(اور خلاصہ میں جو یہ منقول ہے کہ میں نے ایک ثقہ سے سنا ہے کہ قاضی یا والی اگر مناسب سمجھے تو تعزیر بالمال جائز ہے، اور اسی میں یہ بھی ہے کہ کوئی شخص جماعت سے نماز نہ پڑھتا ہو تو مال لے کر اس کی تعزیر جائز ہے،---تو یہ قول مشائخ میں سے جو حضرات امام ابو یوسف کے قول کے قائل ہیں ان کے قول کو اختیار کر لینے پر مبنی ہے)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بعض مشائخ نے امام ابو یوسف کا قول اختیار کر لیا تھا، اور صاحب خلاصہ جس ثقہ کا حوالہ دے رہے ہیں، انہوں نے ان مشائخ کے قول کو راجح قرار دے کر فتوی بھی دے دیا تھا۔

اسی طرح علامہ شامی نے صاحب "المجتبی" سے ان کی رائے اس طرح نقل کی ہے:

"وأری أن یأخذها فیمسکها، فان أیس من توبته یصرفها إلی ما یری"(شامی: ۳/۱۹۵-۱۹۶)(میری رائے یہ ہے کہ مال لے لے، اور اس کو روکے رکھے، اور اگر جانی کی توبہ سے مایوس ہوجائے تو اس کو جہاں مناسب سمجھے صرف کر دے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب "المجتبی" بھی اس رائے کو اختیار کرنے والوں میں شامل ہیں، اگر چہ صاحب "الدر" نے ان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تعزیر بالمال ابتدائے اسلام میں تھی پھر منسوخ کر دی گئی:

"وفی المجتبی: أنه کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ" (الدر المختار ۳/۱۹۵-۱۹۶)۔

لہٰذا یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ بالا رائے صرف امام ابو یوسف کے قول کی تشریح کرتے ہوئے ہو، خود ان کی اپنی رائے نہ ہو۔

فتاوی بزازیہ کے مصنف ابن بزاز کردری کی رائے بھی اس کے جواز کی ہے، فرماتے ہیں:

"والتعزير بأخذ المال أن المصلحة فيه جائزة، قال مولانا خاتمة المجتهدين مولانا ركن الدين ابو يحيىٰ الخوارزمی رحمه الله: معناه أن نأخذ ماله ونودعه، فإذا تاب نرده عليه كما عرف فی خيول البغاة وسلاحهم، وصوبه الإمام ظهير الدين التمرتاشی الخوارزمی.الخ" (فتاوی بزازیۃ علی ھامش الھندیۃ:۶/ ۴۲۷)

(اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو مال لے کر تعزیر جائز ہے، مولانا خاتمۃ المجتہدین رکن الدین ابویحییٰ خوارزمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کا مال لے لیں اور ودیعت کے طور پر رکھ لیں پھر جب وہ توبہ کرلے تو اسے لوٹا دیں، یہی حکم باغیوں کے گھوڑوں اوران کے ہتھیاوں کا بھی ہے، امام ظہیرالدین تمرتاشی خوارزمی نے اس کی تصویب کی ہے)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یہ تینوں حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں، اگر چہ ظاہری طور سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات مکمل طور سے ضبط کرنے کے قائل نہیں ہیں اوران کے نزدیک بعد میں مال لوٹا دیا جائے گا۔

مشہور حنفی فقیہ قاضی علاء الدین طرابلسی صاحب "معین الحکام" بھی تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں، انہوں نے علامہ ابن القیم کی رائے کی مکمل موافقت کی ہے اور نسخ کے دعوی کو باطل قرار دیا ہے، امام ابویوسف اور امام مالک کی طرف جواز کا قول منسوب کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ومن قال أن العقوبة منسوخة فقد غلط على مذاهب الأئمة قولا واستدلالاً، وليس بسهل دعوى نسخها والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصحح دعواهم" (أحسن الفتاوی:۵/ ۵۵۳،بحوالہ:معین الحکام،ص:۲۳۱،فقہ السنۃ:۳/ ۹۵-۹۶)۔

ماضی قریب کے فقہاء میں یہی رائے مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی بھی تھی جو اس سوال جواب سے ظاہر ہے:

"سوال: پنچوں میں دستور تھا کہ نامناسب کام کرنے والوں کو برادری سے خارج کردیتے، اوراسے جرمانہ لے کر برادری میں شریک کرلیتے، اور جرمانہ کے پیسے سے سب پنچ برادری مل کر شیرینی کھاتے تھے۔ تو اہل برادری سے کسی نامناسب حرکت کرنے کی وجہ سے جرمانہ لینا درست ہے یا نہیں؟ اور جرمانہ کے پیسوں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: تنبیہ کے لیے جرمانہ لینا جائز ہے" (فتاوی عبدالحی، باب القضاء، ص:۳۵۸-۳۵۹)۔

حضرت تھانویؒ نے بطور تعزیر جرمانہ لینے کو ناجائز قرار دیا ہے، لیکن حیلہ کرکے جرمانہ لینے کو درست قرار دیا ہے (امداد الفتاوی:۲/ ۵۴۰-۵۳۶-۵۴۳)۔

عصر حاضر کے دو نامور اور ماہر ترین فقہاء کا رجحان بھی اس کے جواز کی طرف ہے، ان میں سے ایک مولانا تقی عثمانی صاحب ہیں اور دوسرے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ہیں، مولانا عثمانی فرماتے ہیں:

"......لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر بھی کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی، عام طور سے فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

’’لا يحل مال امرئ مسلم الا بطيب نفس منه‘‘ (یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں)۔

لیکن یہ استدلال کمزور ہے، اس لیے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے، تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے، اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہٰذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہے، اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جارہا ہے، تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے، تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولی جائز ہوجانا چاہیے، چنانچہ بعض متاخرین فقہاء حنفیہ نے امام ابویوسف کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے۔‘‘ (درس ترمذی: ۵/ ۱۱۹، كتاب الحدود، باب ما جاء فى الغال ما يصنع به)۔

مولانا نے صراحت تو نہیں کی، لیکن جواز کی طرف ان کا رجحان صاف طور سے معلوم ہوتا ہے۔

اور مولانا خالد صاحب رحمانی تعزیر بالمال کے جواز پر دلالت کرنے والی کئی نصوص کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

’’اس وقت اسلام کے قانون حدود و تعزیرات کے فقدان کی وجہ سے بہت سے مسائل جو سماجی طور پر حل کیے جاتے ہیں، اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کر رہی ہیں، ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے، اور ریلوے بس ٹریفک وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے، راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت دی جانی چاہیے‘‘ (قاموس الفقہ: ۲/ ۴۷۹، نیز دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۳/ ۲۴۸)۔

۵- تعزیر بالمال کے متعلق ائمہ ثلاثہ کا مسلک؟

عام فقہی کتابوں میں ائمہ ثلاثہ کی طرف یہی قول منسوب کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک بھی تعزیر بالمال ناجائز ہے، چند عبارتیں ملاحظہ ہوں:

۱- کتب احناف میں ائمہ ثلاثہ کی طرف صراحت سے عدم جواز کی نسبت کی گئی ہے:

’’وعندهما وباقى الأئمة الثلاث لا يجوز‘‘ (طرفین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعزیر بالمال ناجائز ہے) (فتح القدیر: ۵/ ۱۱۲- ۱۱۳، البحر الرائق: ۵/ ۴۱، شامی: ۳/ ۱۹۵- ۱۹۶)۔

۲- ابن قدامہ فرماتے ہیں: ’’والتعزير يكون بالضرب والحبس والتوبيخ، ولا يجوز قطع شئ منه ولا جرحه ولا أخذ ماله، لأن الشرع لم يرد بشئ من ذلك عن أحد يقتدى به‘‘ (المغنی: ۱۰/ ۳۴۸) (تعزیر ضرب، حبس اور ڈانٹ ڈپٹ سے ہوگی، اور نہ تو جانی کا کوئی عضو کاٹنا جائز ہے نہ زخم لگانا، نہ اس کا مال لینا، اس لیے کہ جن کی پیروی کی جاتی ہے، ان میں سے کسی کے بھی واسطہ سے شریعت میں اس طرح کی کوئی چیز وارد نہیں ہوئی ہے)۔

۳-شہاب الدین رملی شافعی امام شافعی کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"**ولا يجوز على الجديد بأخذ المال**" (نھایۃ المحتاج الی شرح المنھاج:۸/ ۲۲)(امام شافعی کے قول جدید میں مال لے کر تعزیر جائز نہیں ہے)۔

ائمہ ثلاثہ کی طرف تعزیر بالمال کے جواز کی نسبت:

مذکورہ بالا عبارات میں صاف طور سے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعزیر بالمال کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، لیکن بعض کتابوں میں صاف طور سے ان کی طرف جواز کی بھی نسبت کی گئی ہے، علامہ ابن تیمیہ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

"**والتعزير بالمال مشروع أيضا في مواضع مخصوصة في مذهب مالك في المشهور عنه، ومذهب أحمد في مواضع بلا نزاع عنه، وفي مواضح فيها نزاع عنه والشافعي في قول، وان تنازعوا في تفصيل ذلك**" (فتاوی ابن تیمیۃ:۲۸/ ۱۰۹)(اور مالی سزاؤں کے ذریعہ بھی تعزیر امام مالک کی مشہور روایت میں مخصوص جگہوں پر، امام احمد کے یہاں کچھ مقامات پر بلا اختلاف اور کچھ مقامات میں اختلاف کے ساتھ اور ایک قول میں امام شافعی کے مسلک میں مشروع ہے)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے یہاں کسی نہ کسی شکل میں اس کا جواز موجود ہے۔

اور موسوعہ فقہیہ کے مطابق امام شافعی کے قول جدید میں تعزیر بالمال ناجائز ہے، قول قدیم میں جائز ہے(بحوالہ؛ حاشیۃ الشراملسی علی شرح المنہاج:۷/ ۱۷۴(الحسبۃ:۴۰)۔

اس کی تائید اس عبارت سے بھی ہورہی ہے جو"نهاية المحتاج"کے حوالہ سے ہم نے اوپر درج کی ہے۔

موسوعہ میں ابن فرحون کے حوالہ سے درج ہے کہ تعزیر بالمال امام مالک کے نزدیک جائز ہے(بحوالہ:حسبۃ:۴۰،تبصرۃ الحکام:۲/ ۳۶۷-۳۶۸)۔

اس کی تائید سید سابق کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے:

"**ويجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب أبي يوسف، وبه قال مالك**"(فقہ السنۃ:۳/ ۹۵)۔

البتہ موسوعہ میں کئی حوالوں سے امام احمد کے یہاں اس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے(کشاف القناع:۴/ ۷۴-۷۵،شرح المنتہی:۱۱۰، الحسبۃ:۴۰، الأحکام السلطانیۃ:۲۹۵،تفصیل کے لیے دیکھئے:موسوعہ فقہیہ اردو ترجمہ:۱۲/ ۳۱۲-۳۱۳، اصطلاح "تعزیر")۔

امام احمد کے قول کی تائید اوپر درج"المغنی" کی عبارت سے بھی ہورہی ہے۔

دونوں طرح کی عبارات پر غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہورہی ہے کہ امام مالک کے نزدیک تعزیر بالمال جائز ہے، اور وہی ان کا مفتی بہ قول ہے، جب کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے یہاں جواز کا قول مرجوح ہے، اس طرح ائمہ ثلاثہ کے یہاں راجح یا مرجوح طور پر جواز کا قول موجود ہے۔(جیسا کہ احناف کے یہاں بھی امام ابو یوسف کی ایک روایت جواز کی موجود ہے) علامہ وہبہ

زحیلیؒ لکھتے ہیں:

"لا يجوز التعزير بأخذ المال في الراجح عند الأئمة.الخ" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ: ۷/۵۵۹۶)(ائمہ کے قول راجح کے مطابق تعزیر باخذ المال ناجائز ہے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کا قول راجح بھی تعزیر بالمال کے عدم جواز کا ہے، لیکن اوپر ہم "فقہ السنۃ" اور "موسوعہ" کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ امام مالک کے یہاں قول راجح اس کے جواز کا ہے۔ واللہ اعلم

۶-کیا ضرورۃً تعزیر بالمال کے جواز کا فتوی دیا جاسکتا ہے؟

راقم کے خیال سے ضرورت کے تحت اس کا فتوی دیا جاسکتا ہے، اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

۱-ضرورت کے تحت ضعیف روایت پر فتوی دینے کو اہل اصول نے جائز قرار دیا ہے، اس کی بہت سی نظیریں بھی ملتی ہیں کہ اس اصول پر عمل کیا گیا، لہٰذا اس اصول کے پیش نظر امام ابو یوسف کے اس قول ضعیف کو اختیار کرنے کی گنجائش ہونی چاہیے، علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

"أما لو عمل بالضعيف لضرورة اقتضت ذلك فلا يمنع منه" (رسائل ابن عابدین: ۱/۴۹) (اگر ضرورت کے تقاضے سے ضعیف پر عمل کیا تو اس سے روکا نہیں جائے گا)۔

۲-ضرورت کے وقت مذہب غیر پر عمل جائز ہے، اس کی بھی کئی نظیریں موجود ہیں، لہٰذا اس اصل کو اختیار کرکے بھی فتوی دیا جاسکتا ہے، مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"ومن هذه الجهة ربما يجوز لمفتي مذهب واحد أن يختار قول المذهب الآخر.الخ" (اصول الافتاء: ۲۰۲) (اس جہت سے کسی مسلک کے مفتی کے لیے عمل یا فتوی دینے کے لیے دوسرے مسلک کا قول اختیار کرنا جائز ہے، بشرطیکہ خواہش نفس اور اتباع ھوی کے سبب یہ نہ کیا جارہا ہو)۔

پھر اس کی شرائط بھی تحریر کی ہیں۔

۳-اگر متبحر اور ماہر مفتی کو محسوس ہو کہ روایت ضعیفہ کے دلائل زیادہ قوی ہیں، تب بھی اس کو اختیار کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، بشرطیکہ مفتی کے اندر خواہ جزئی ہی طور پر سہی اجتہاد کی شرائط پائی جاتی ہوں:

"والثاني إذا كان المفتي من أهل الاجتهاد في المذهب ولو كان اجتهاده جزئيا، فإنه يرجح ما هو مرجوح في المذهب على أساس قوة دليله عنده، فيصير راجحا حسب رأيه" (أصول الافتاء: ۲۰۰)۔

آج اجتہاد کا خواہ انکار کیا جاتا ہو، لیکن اجتماعی اجتہاد کے اکثر لوگ قائل ہیں، لہٰذا فقہ اکیڈمی قائل ہوجائے اور دلائل کی بنیاد پر روایت ضعیفہ کو راجح قرار دے تو اس پر فتوی دیا جاسکتا ہے۔

قائلین جواز نے اس کے لیے کئی دلائل پیش کیے ہیں، ان کو بعض حضرات نے منسوخ قرار دیا ہے، لیکن واضح طور پر نسخ کی

کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جہاں تک "لا یحل" والی حدیث کا تعلق ہے، اس کا جواب مولانا تقی عثمانی صاحب کے قلم سے گزر چکا ہے (دیکھئے سوال:۴)۔

علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے تعزیر بالمال کے جواز پر کئی دلائل پیش فرمائے ہیں (دیکھئے: مجموع فتاوی ابن تیمیہ:۲۸/ ۱۱۰، أعلام الموقعین:۲/ ۱۱۷، جدید فقہی مسائل:۵/ ۲۴۵-۲۴۸)۔

ان دلائل میں سے دو کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

۱-"**قال النبي ﷺ: من أعطى ماله مؤتجرا فله أجرها، ومن منعها فانا أخذوها وشطر ماله، غرمة من غرمات ربنا عزوجل ليس لآل محمد منها شئ**" (أبوداؤد، باب زکاۃ السائمۃ:۱۵۷۵، نسائی، باب عقوبۃ مانع الزکاۃ: ۲۴۴۶) عن بھز بن حکیم عن أبیہ عن جدہ... (حضرت بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:...... جو ثواب کے لیے اپنا مال دے گا تو اسے ثواب ملے گا، جو نہیں دے گا تو ہم وہ مال اس کے نصف مال سمیت چھین لیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کے لازمی احکام میں سے ایک حکم ہے)۔

۲-عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے جب اونٹ چرا کر کھا لیا تھا تو حضرت عمر نے اونٹ کی قیمت اور قیمت کا دگنا جرمانہ حضرت عبدالرحمٰن پر عائد کیا تھا:

"**قم فأغرم لهم ثمان مائة درهم وفى رواية: لاغر منك غر ما يشق عليك فأغرمه مثلى قيمتها**" (مصنف عبدالرزاق:۱۰/ ۲۳۸-۲۳۹، حدیث:۱۸۹۷۷و۱۸۹۷۸)۔

جو لوگ مالی تعزیر کو منسوخ قرار دیتے ہیں ان کا رد کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"**ومن قال: إن العقوبات المالية منسوخ، فقد قال قولا بلا دليل. الخ**" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۸/ ۱۱۱)۔

(اور جو یہ کہے کہ مالی سزائیں منسوخ ہیں...... اس نے بغیر دلیل یہ بات کہی ہے، اور نبی کریم ﷺ سے کبھی بھی کوئی روایت ایسی نہیں آئی جو اس کا تقاضا کرتی ہو کہ آپ نے تمام مالی سزائیں منسوخ کر دی تھیں، بلکہ آپ کی موت کے بعد خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا بھی اس کو اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم محکم ہے منسوخ نہیں ہے)۔

اسی طرح کی بات سید سابق نے فقہ السنۃ میں "معین الحکام" کے حوالہ سے لکھی ہے (۳/ ۹۵-۹۶)۔

ان دلائل کی بنیاد پر یہ عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ خواہ انفرادی طور پر اس کے جواز کا فتوی دینا ممکن نہ ہو، لیکن اگر سیمینار میں اکٹھا ارباب فتوی اور اہل تحقیق اس پر متفق ہو جائیں تو اس اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ اس پر فتوی دینا جائز ہوگا، خاص طور سے اس وقت جب مولانا تقی عثمانی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا اسی طرف رجحان ہے۔

ان وجوہات کی بنیاد پر راقم کے نزدیک اس روایت پر ضرورت ثابت ہونے پر فتوی دیا جاسکتا ہے۔

۷-تعلیمی اداروں میں رائج جرمانہ کا حکم؟

احناف کا مفتی بہ قول تعزیر بالمال کے عدم جواز کا ہے، اس کے مطابق طلباء پر مالی جرمانہ عائد کرنا ناجائز ہے، البتہ اگر امام ابو یوسف کی روایت اختیار کرلی جائے تو اس کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے، اور سوال (۶) کے تحت آچکا ہے کہ راقم کا رجحان اس کے جواز کی طرف ہے۔

جن حضرات نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، ان کے یہاں بھی کچھ حیلوں کو اختیار کرکے اس کا جواز ہوسکتا ہے، ایک حیلہ بیان کرتے ہوئے حضرت تھانوی فرماتے ہیں:

''پس جرمانہ کے طور پر تو یہ لینا درست نہ ہوگا، البتہ اس کا اور طریق ہوسکتا ہے، وہ یہ کہ اس غیر حاضری پر اس طالب علم کو خارج قرار دیا جائے، اور آئندہ کو داخل کرنا بذمہ اہل مدرسہ واجب تو ہے نہیں، مباح ہے، مباح میں جو کہ متقوم ہو مال کی شرط لگانا جائز ہے، اور یہاں مدرسہ کے مکان سے انتفاع، مدرسین سے تعلیم یہ سب ایسے امور ہیں جن پر متولی کو اجرت لینا جائز ہے، پس اس اجرت میں وہ پیسے لے لیے جاویں، اور اس تقریر کی تصریح کردی جایا کرے، تاکہ عقد مبہم نہ رہے'' (امداد الفتاوی: ۲/ ۵۴۳، نیز ۵۴۰)۔

اور اگر کسی ادارہ میں ماہانہ فیس کا نظام ہے تو وہ ادارہ یہ حیلہ بھی کرسکتا ہے کہ جرمانہ کے بقدر فیس زیادہ مقرر کردے، حضرت تھانوی فرماتے ہیں:

''مگر تاویلش بدیں سامان تواند شد کہ دوران ماہ اجرت عمل بمقدار جرمانہ زائد مقرر گفتہ شود'' (امداد الفتاوی: ۲/ ۵۳۶)۔

ان تاویلات کے ساتھ جرمانہ کے عدم جواز کے فتوی کے باوجود بھی جرمانہ لیا جاسکتا ہے۔

۸-ہاؤزنگ سوسائٹیوں کا جرمانہ؟

اگر یہ سوسائٹیاں اور ادارے کچھ سہولیات دیتی ہیں، اور اس کے عوض ماہانہ رقم وصول کرتی ہیں، اور تاخیر کرنے پر جرمانہ عائد کردیتی ہیں، تو ان کا معاملہ بھی تعلیمی اداروں جیسا ہے جس کا جواب (۷) پر گزر چکا ہے، چنانچہ اگر مالی تعزیر کو جائز قرار دیا جائے تو اس طرح جرمانہ لینا درست ہوگا، ناجائز قرار دیا جائے تو اس طرح جرمانہ نہیں لے سکتے، البتہ حیلہ اختیار کرکے لے سکتے ہیں، ممبران سے کہہ دیا جائے کہ تاخیر سے ادائیگی کرنے پر اگلے ماہ کی فیس اتنی بڑھ کر رہا کرے گی، اور یہ مقدار اتنی بڑھا کر رکھ دی جائے جتنا جرمانہ لینا ہے، اس طرح تاخیر پر تعزیر بھی ہوجائے گی، اور یہ اشکال بھی نہیں ہوگا کہ اجرت کو مجہول رکھا گیا ہے، اس لیے کہ تاخیر کرنے پر گزشتہ ماہ کے بجائے اگلے ماہ کی اجرت بڑھا کر مقرر کی جارہی ہے، اور اس میں کوئی جہالت نہیں ہے۔

۹-پنچایتوں وغیرہ کا جرمانہ لینا؟

اگر تعزیر مالی کو جائز قرار دیا جائے، تب تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، جرائم کی روک تھام، ممبران کی اصلاح اور دباؤ ڈالنے کے لیے پنچایت وغیرہ کے لیے جرمانہ لینا جائز ہوگا، لیکن تعزیر مالی کو ناجائز قرار دینے کی صورت میں جرمانہ لینے کو جائز قرار دینا ممکن نہیں

ہے، الا یہ کہ اس طرح کا کوئی حیلہ کرنا ممکن ہو جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمہ اللہ نے پنچایت کے جرمانہ مقرر کرنے کو جائز قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: ''تنبیہ کے لیے جرمانہ لیا جاسکتا ہے'' (فتاویٰ عبدالحی: ۳۵۸)۔

ایک ضروری تنبیہ:

خواہ حیلہ سے جرمانہ کو جائز قرار دیا جائے یا تعزیر بالمال کو جائز قرار دے کر، اس کا جواز اسی وقت ہوگا جب واقعی کوئی قابل گرفت اور لائق مؤاخذہ کوتاہی متعلم یا جانی کی طرف سے ہوئی ہو، بلا وجہ جرمانہ لینا کسی صورت میں جائز نہیں ہوسکتا، بلا وجہ لیا گیا، تو درحقیقت ''**لا يطيب مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه**'' کا صحیح مصداق وہی ہوگا۔

۱۰- طلاق دینے پر تعزیر بالمال بشکل متعہ؟

قرآن مجید میں مطلقہ عورتوں کو متعہ دینے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿**وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِينَ**﴾ (البقرة: ۲۴۱) (اور تمام مطلقہ عورتوں کے لیے معروف طریقہ پر کچھ فائدہ پہنچانا پرہیزگاروں پر لازم ہے)۔

خاص طور سے جن عورتوں سے مہر مقرر کیے بغیر نکاح کیا گیا ہو اور دخول سے پہلے ہی طلاق کی نوبت آجائے تو ان کو متعہ دینے کا حکم مستقل طور سے بیان کیا گیا:

﴿**لاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاء مَا لَمْ تَمَسُّوهُنُّ أَوْ تَفْرِضُواْ لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدْرُهُ مَتَاعاً بِالْمَعْرُوفِ حَقّاً عَلَى الْمُحْسِنِينَ**﴾ (البقرة: ۲۳۶)۔

متعہ کی کے بارے میں فقہاء کا اختلاف دو جگہوں پر ہے، ایک اس کی فقہی حیثیت کے بارے میں، دوسرے اس کی مقدار کے بارے میں، اصل جواب سے پہلے اس اختلاف کا مختصر ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

متعہ کی فقہی حیثیت:

متعہ کی فقہی حیثیت کے بارے میں فقہاء کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول: احناف، حضرت سفیان ثوری، حسن بن صالح، امام احمد بن حنبل اور امام اوزاعی کے نزدیک جس عورت کا کوئی مہر مقرر نہیں کیا گیا، اور دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی تو اس کو متعہ دینا واجب ہے، اس کے علاوہ بقیہ تمام مطلقات کے لیے متعہ دینا مستحب ہے:

''**فإن أبا حنيفة وأبا يوسف ومحمدا و زفر قالوا: المتعة واجبة للتى طلقها قبل الدخول ولم يسم لها مهرا، وإن دخل بها فانه يمتعها ولا يجبر عليها وهو قول الثورى والحسن بن صالح والأوزاعى**'' (أحکام القرآن للجصاص: ۱/ ۲۴۸)۔

''**وظاهر المذهب أن المتعة لا تجب إلا للمفوضة التى لم يدخل بها إذا طلقت**'' (المغنی: ۸/ ۴۹، نیز

دیکھئے: ہدایہ، کتاب الطلاق، باب المہر: ۲/ ۳۲۶ طبع ہند)۔

دوسرا قول: امام مالک، ابن ابی لیلیٰ، ابوالزناد اور امام لیث کے نزدیک کسی بھی مطلقہ کے لیے متعہ واجب نہیں ہے، چاہے دے چاہے نہ دے:

"**وقال ابن أبي ليلى وأبو الزناد: المتعة ليست واجبة إن شاء فعل، وإن شاء لم يفعل ولا يجبر عليها ولم يفرقا بين المدخول بها، وبين من سمى لها وبين من لم يسم لها، وقال مالك والليث: لا يجبر أحد على المتعة سمى لها أو لم يسم لها**" (أحکام القرآن: ۱/ ۲۴۸)۔

تیسرا قول: امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کے نزدیک ہر مطلقہ کے لیے متعہ دینا واجب ہے، سوائے اس مطلقہ کے جس کا مہر مقرر کیا ہو اور دخول سے پہلے طلاق دے دی ہو، اسی طرح کی روایت حضرت علی، حضرت حسن بصری، سعید بن جبیر، ابوقلابہ، زہری، قتادہ، ضحاک اور ابوثور سے مروی ہے، ان حضرات سے مفوضہ کا استثناء بھی مروی نہیں ہے:

"**وقال الشافعي: المتعة واجبة لكل مطلقة ولكل زوجة إذا كان الفراق من قبله أو يتم به إلا التي سمى لها وطلق قبل الدخول**" (أحکام القرآن: ۱/ ۲۴۸)۔

"**ويجب على كل مسلم وحر وضدهما المطلقة ولو ذمية أو أمة قبل وطء متعة إن لم يجب لها شطر مهر، بأن فوضت ولم يفرض لها شئ. الخ**" (نہایۃ المحتاج لشھاب الدین الرملی: ۶/ ۳۶۴، کتاب الصداق فصل فی المتعۃ، وتحفۃ المحتاج لابن حجر الھیتمی: ۳/ ۲۹۳، نیز دیکھئے: ہدایہ: ۲/ ۳۲۶، والمغنی: ۸/ ۴۹)۔

جن حضرات نے متعہ کو تمام مطلقات کے لیے مستحب قرار دیا، ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں متعہ کو "متقین" اور "محسنین" پر حق یعنی لازم قرار دیا گیا، یہ اس کے استحباب کی علامت ہے، واجب ہوتا تو تمام لوگوں پر واجب ہوتا۔

دیگر مطلقات کے لیے احناف کی دلیل بھی یہی ہے، لیکن مفوضہ کے لیے واجب قرار دینے کی وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس کے لیے ﴿مَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ﴾ (سورۂ بقرہ: ۲۳۶) کا حکم الگ سے آیا ہے۔

اور شوافع نے ہر مطلقہ کے لیے وجوب کی دلیل اس طرح دی ہے کہ یہاں اگرچہ "**حقا على المتقين**" اور "**حقا على المحسنين**" وارد ہوا ہے، لیکن اس سے مراد صرف متقی اور محسن ہی نہیں ہیں، بلکہ تمام مکلفین مراد ہیں، جہاں تک اس عورت کا تعلق ہے جس کا مہر مقرر کیا گیا، اور دخول سے پہلے طلاق دے دی گئی تو اس کو نصف مہر بطور متعہ ہی کے دیا جا رہا ہے، لہٰذا مزید متعہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ان کی طرف سے وجوب متعہ کے لیے یہ دلیل بھی نقل کی گئی ہے کہ طلاق دے کر شوہر نے ذہنی طور پر عورت کو پریشانی میں ڈال دیا ہے، لہٰذا اس کے عوض کے طور پر متعہ واجب کرنا ضروری ہے، تاکہ اس کو راحت مل سکے:

"**لأن سبب ايجابها ايحاش الزوج لها**" (نہایۃ المحتاج: ۶/ ۳۶۴) (اس کو واجب کرنے کا سبب یہ ہے کہ شوہر

نے اس کو وحشت میں ڈالا ہے)۔

"لأنها وجبت صلة من الزوج؛ لأنه أوحشها بالفراق"(ہدایہ: ۲/۳۲۶-۳۲۷)(شوہر نے جدائی کا غم دے کر بیوی کو وحشت میں ڈال دیا ہے، متعہ اسی کے عوض کے طور پر واجب ہے)۔

احناف نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ طلاق دینے کا حق مرد کو شریعت نے دیا ہے، یہاں تک کہ دخول سے پہلے طلاق دینے کی اجازت دی گئی، ارشاد ہے:

﴿لاَ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاء مَا لَمْ تَمَسُّوهُنُّ أَوْ تَفْرِضُواْ لَهُنَّ فَرِيضَةً﴾(البقرۃ:۲۳۶)(اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو جن کو تم نے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور نہ ان کے لیے کوئی مہر متعین کیا طلاق دے دو)۔

اگرچہ حدیث شریف میں طلاق کو ابغض الحلال کہا گیا، لیکن اس حدیث سے بھی ہر حالت میں حلت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا خواہ طلاق کے سبب عورت وحشت ہی میں مبتلا کیوں نہ ہو رہی ہو، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شوہر نے کوئی جرم کیا ہے، اس نے تو صرف اس حق کا استعمال کیا ہے جو شریعت کی طرف سے اس کو ملا ہوا ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"وهو غير جان في الايحاش فلا تلحقه الغرامة به" (أیضا)(وحشت میں مبتلا کر کے اس نے کوئی جنایت نہیں کی ہے، لہٰذا اس کا جرمانہ اس پر نہیں لگے گا)۔

احناف کے دلائل مضبوط اور قوی ہیں، لیکن زمان ومکان کے بدلنے سے احکام میں تبدیلی ہونا عام بات ہے، اور یہاں زمان ومکان دونوں کی تبدیلی واقع ہو رہی ہے، عربوں کے یہاں طلاق اس زمانہ میں بالکل معیوب بات نہ تھی، نہ ہی اس سے خاندان بکھرتے تھے، طلاق کے بعد دوسری شادی اطمینان سے ہوجایا کرتی تھی، لیکن وہ عرب کا عرف تھا ہم عجم کی بات کر رہے ہیں، زمان بھی بدل چکا ہے، ان دونوں کی تبدیلی سے عرف بھی بدل گیا ہے، طلاق سے عورت کو سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے (خاص طور سے ہندوستان جیسے ممالک میں) بعض اوقات اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، پھر اسلام دشمن عناصر اپنا کھیل کھیلتے ہیں، اور آسانی کے ساتھ اس کو اپنا شکار بنا لیتے ہیں، اور اس کو ذریعہ بنا کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف محاذ قائم کر دیتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے ارباب حل وعقد خود اس مسئلہ پر غور کریں، اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اس صورت حال کو دور کرنے کے جتنے اسباب اختیار کرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے ان کو اختیار کریں، اگر عورت کو اس موقع پر کچھ دلا دیا جائے تو اس سے دو فائدے ہوں گے:

۱- ایک تو عورت کی کچھ اشک شوئی ہوجائے گی۔

۲- بھاری خرچ کے خوف سے ممکن ہے کہ طلاق کے اعداد وشمار میں کچھ کمی واقع ہو، اور یہ مالی بوجھ مردوں کو طلاق دینے سے پہلے کچھ سوچنے پر مجبور کرے۔

اس لیے اگر ہمارے بڑوں کا یہ خیال ہے کہ متعہ کے وجوب سے طلاق کی تباہ کاریوں کو دور کرنے میں مدد مل سکتی ہے تو میری رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی کا مسلک اختیار کیا جاسکتا ہے، اہل اصول نے ضرورت پڑنے پر دوسرا مسلک اختیار

کرنے کی اجازت دی ہے، اور ہر دور میں اس پر عمل بھی ہوا ہے، آخری دور میں حضرت تھانوی نے "الحیلة الناجزة" میں اس پر عمل کیا اور تمام علماء نے اس کو قبول کیا، ہم سوال (۶) کے تحت اس پر کچھ بحث کر چکے ہیں۔

متعہ کی مقدار:

متعہ کی مقدار کے سلسلہ میں احناف کے یہاں عام طور سے یہ ذکر ملتا ہے کہ یہ تین کپڑوں پر مشتمل ہوگا، کتابوں میں یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ اگر کسی جگہ اس سے زائد کپڑوں کا رواج ہو تو تین کپڑوں پر اضافہ کیا جا سکتا ہے، پھر ایک روایت یہ ہے کہ کپڑا دیتے وقت عورت کے حال کا اعتبار کیا جائے گا، دوسری روایت یہ ہے کہ مرد کے حال کا اعتبار کیا جائے گا، جب کہ تیسری روایت یہ ہے کہ دونوں کے حال کا اعتبار کیا جائے گا، ہندیہ میں تیسری روایت کو مفتی بہ لکھا گیا (ہدایہ: ۲/ ۳۲۵، فتح القدیر: ۳/ ۲۱۲، ہندیہ: ۱/ ۳۰۴)۔

لیکن یہ بات صراحت سے ملتی ہے کہ ان کپڑوں کی قیمت نصف مہر مثل سے زیادہ اور ۵ ر درہم سے کم نہ ہونی چاہیے:

"**ثم هي لا تزاد على نصف مهر مثلها ولا تنقص عن خمسة دراهم**" (ہدایہ ۲/ ۳۲۵)۔

اگر شوہر کپڑا دینے کے بجائے نقد رقم دینا چاہے تو عورت کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا:

"**ولو أعطاها قيمة، إلا ثواب دراهم أو دنانير تجبر على القبول**" (ہندیہ ۱/ ۳۰۴)۔

یہ تمام تفصیلات واجب متعہ کی ہیں، مستحب کو واجب قرار دیا جائے تو وہ بھی اسی حکم پر آ جائے گا، ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ مقدار کے سلسلہ میں احناف کے یہاں بھی نصف مہر مثل تک مقرر کرنے کی گنجائش ہے، اور جصاص رازی نے تو صراحت کی ہے کہ عرف کے مطابق اس کی مقدار متعین کی جا سکتی ہے:

"**ولم يقدر أصحابنا لها مقدارا معلوما لا يتجاوز به ولا يقصر عنه، وقالوا: هي على قدر المعتاد المتعارف في كل وقت**" (احکام القرآن: ۱/ ۴۳۴) (ہمارے اصحاب نے اس کی ایسی کوئی متعین مقدار مقرر نہیں کی ہے جس پر کمی بیشی نہ کی جا سکتی ہو، انہوں نے یہ کہا ہے کہ ہر زمانہ کے عرف وعادت کے مطابق اس کی مقدار ہو سکتی ہے)۔

اور اگر مقدار کے سلسلہ میں بھی شوافع کی رائے اختیار کی جائے تو ان کے یہاں تو مہر مثل کی مقدار تک دلانے کی گنجائش ہے، اور اگر مقدار مقرر کرنے میں اختلاف ہو جائے تو اس کی تقدیر قاضی کر سکتا ہے:

"**ويستحب أن لا تنقص عن ثلاثين درهما أو مساويها، ويسن أن لا تبلغ نصف مهر المثل، وإن بلغته أو جاوزت جاز لاطلاق الآية، قال البلقيني وغيره: ولا تزيد أى وجوبا على مهر المثل...**" (نهاية المحتاج، کتاب الصداق، فصل فی المتعة: ۶/ ۳۶۴) (مستحب یہ ہے کہ متعہ تیس درہم یا اس کے برابر قیمت سے کم نہ ہو، اور مسنون یہ ہے کہ نصف مہر تک نہ پہنچے، اگر نصف مہر مثل تک پہنچ جائے یا بڑھ جائے تو آیت کے اطلاق کی دلیل سے جائز ہوگا، بلقینی وغیرہ نے فرمایا ہے کہ متعہ وجوبی طور پر مہر مثل سے نہیں بڑھے گا)۔

”**فإن تنازعا، قدرها القاضی بنظره أی اجتهاده وإن زاد علی مهر المثل**“(تحفۃ المحتاج، کتاب الصداق، فصل فی المتعۃ: ۳/ ۲۹۴)(اگر میاں بیوی میں اختلاف ہوجائے تو قاضی اپنے اجتہاد سے اس کو مقرر کردے گا، خواہ وہ مہر مثل سے بڑھ جائے)۔

ان تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ احناف کے مسلک کے اعتبار سے بھی نصف مہر مثل تک متعہ دلایا جاسکتا ہے اور شوافع کے یہاں اس سے بھی زیادہ مقرر کرنے کی گنجائش موجود ہے، لہٰذا متعہ کے طور پر معقول رقم دلانے کی گنجائش ہے، جس میں بہتر یہ ہوگا کہ مہر مثل کا نصف دلایا جائے، لیکن اس پر اضافہ کی بھی ضرورت پڑنے پر گنجائش ہوگی۔

۱۱- دومہر پر نکاح؟

اگر نکاح کے وقت یا نکاح نامہ میں ہی اس طرح کی شرط لگادی جائے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا، اس لیے کہ اس شکل کو اختیار کرنے پر مذہب حنفی سے خروج کرکے مذہب شافعی اختیار کرنے کی بھی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس طرح کی شرط لگانا درحقیقت دومہروں پر نکاح کرنا ہے، جس کے بارے میں فقہاء نے مندرجہ ذیل تفصیلات لکھی ہیں:

”**وإذا تزوجها علی ألف علی أن لا یخرجها من البلدۃ أو علی أن لا یتزوج علیها أخری، فإن وفی بالشرط فلها المسمی، وإن تزوج علیها أخری أو أخرجها فلها مهر مثلها**“(ہدایہ مع الفتح: ۳/ ۲۳۱)۔

”**وإن تزوجها علی ألف ان أقام بها وعلی ألفین إن أخرجها، فان أقام بها فلها الألف وان أخرجها فلها مهر المثل لا یزاد علی الألفین ولا ینقص عن الألف، وهذا عند أبی حنیفۃ، وقالا: الشرطان جمیعا جائزان. الخ**“ (ھدایۃ مع الفتح: ۳/ ۲۳۱- ۲۳۲)(اگر عورت سے شادی اس شرط پر کی کہ اگر عورت کے ساتھ اقامت کرے گا تو مہر ایک ہزار ہوگی، اور اگر نکالے گا تو دو ہزار ہوگی، تو اگر اقامت اختیار کی تو عورت کو ایک ہزار ملیں گے اور اگر نکالے گا تو اسے مہر مثل ملے گا، جسے دو ہزار سے بڑھایا نہیں جائے گا، اور ایک ہزار سے گھٹایا نہیں جائے گا، یہ تفصیل امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے، اور صاحبین نے فرمایا: دونوں شرطیں جائز ہیں)۔

علامہ ابن الہمام صاحبین کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”**فلها الألف ان أقام بها والألفان ان أخرجها**“(فتح القدیر: ۳/ ۲۳۳، ردالمحتار: ۲/ ۳۷۴- ۳۷۵، بدایۃ المجتهد: ۲/ ۲۹)(چنانچہ اگر مقیم رہا تو عورت کو ایک ہزار ملیں گے اور اگر اسے نکالا تو دو ہزار ملیں گے)۔

لہٰذا اگر اس طرح لکھ دیا جائے کہ طلاق نہ دینے پر مہر اتنی ہوگی، اور بے جا طلاق دینے پر اس میں مزید اتنا اضافہ ہوگا، تو صاحبین کے نزدیک دونوں تسمیہ صحیح ہیں اور ان کے نزدیک بے جا طلاق دینے پر عورت اضافی طور پر مقرر کی ہوئی رقم کی مستحق ہوگی۔

اور جب کسی مسئلہ میں امام صاحب ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف ہوں تو صاحبین کا مسلک اختیار کرنے کی

گنجائش ہوتی ہے، علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

"وأما إذا خالفاه، واتفقا علی جواب واحد حتی صار هو فی جانب وهما فی جانب، فقیل: یرجح قوله أیضا...... وقیل: یتخیر المفتی، وقول السراجیة: "والأول أصح اذا لم یکن المفتی مجتهدا" یفید اختیار القول الثانی ان کان المفتی مجتهدا، ومعنی تخیره أن ینظر فی الدلیل فیفتی بما یظهر له، ولا یتعین علیه قول الامام وهذا الذی صححه فی الحاوی أیضا......الثالث وهو الأصح التفصیل بین المجتهد وغیره وبه جزم قاضی خان" (رسائل ابن عابدین: ۱/ ۲۷) (اور جب صاحبین امام صاحب کی مخالفت کریں، اور دونوں ایک جواب پر متفق ہوجائیں، یہاں تک امام صاحب ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف ہوں تو ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی امام صاحب کے قول کو ترجیح دی جائے گی......اور ایک قول یہ ہے کہ مفتی کو خیار ہوگا، اور سراجیہ کا قول کہ: ''پہلی رائے اس وقت اصح ہے جب مفتی مجتہد نہ ہو' اس بات کا فائدہ دے رہا ہے کہ مفتی مجتہد ہو تو دوسرا قول مختار ہے، اور مفتی کو خیار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دلیل پر غور کرے گا، اور جو ظاہر ہو اس پر فتوی دے گا، امام صاحب کا قول اختیار کرنا ضروری نہیں ہوگا، الحاوی میں اسی کی تصحیح کی گئی ہے......تیسرا قول مجتہد غیر مجتہد میں فرق کرنے کا ہے، قاضی خاں نے اسی پر جزم کیا ہے)۔

اس اعتبار سے آج امام صاحب کے قول ہی پر فتوی دینا لازم ہے، اس لیے کہ مجتہد مفتی ناپید ہیں، لیکن اگر ارباب فتوی اس پر متفق ہوجائیں کہ دلائل نیز زمانہ کے حالات کے اعتبار سے صاحبین کے قول پر فتوی دینا زیادہ بہتر مناسب اور فائدہ مند ہے، تو اجتماعی اجتہاد کے جواز کے پیش نظر اس پر فتوی دیا جاسکتا ہے۔

آج کی صورت حال سب پر واضح ہے، طلاق کے بے جا استعمال کے نتیجہ میں آج اسلام اور مسلمان باطل کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، بہت سی خواتین تنظیمیں کھل کر اپنے خبث باطن کا اظہار کررہی ہیں، مسلمان ناموں والی بہت سی خواتین بھی ان کا ساتھ دے رہی ہیں، اس ماحول میں، میں سمجھتا ہوں کہ صاحبین کے قول کو اختیار کرکے اور اس طرح کی شرائط نکاح نامہ میں لگا کے بے جا طلاقوں پر کچھ روک لگانا ممکن ہے، لہٰذا میرے خیال سے اس طرح کی تحریر لکھی جاسکتی ہے، اور اگر شوہر بے جا طلاق دے یا تین طلاق دے تو مزید نصف مہر بلکہ اس سے زیادہ (بے جا طلاق دینے پر جتنا بھی اضافہ کیا ہو) اس پر لازم کی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامیہ کی روشنی میں

مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی☆

۱- تعزیر بالمال کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ حکومت کسی جرم پر مجرم سے مالی جرمانہ وصول کرے اور اس کو بیت المال یا سرکاری خزانہ میں جمع کر دیا جائے، پھر اس کو رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کیا جائے، جیسا کہ آج کل ریلوے، بس، ٹریفک کے قانون کو توڑنے پر جرمانہ وصول کیا جاتا ہے۔

لیکن فقہاء کرام کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر بالمال چار طریقہ پر کی جاسکتی ہے: اخذ مال، اتلاف، تغییر اور تملیک کے ذریعہ۔

تعزیر بالمال کے اقسام:

تعزیر بالمال مال کو روک لینے یا تلف کر دینے یا اس کی شکل تبدیل کر دینے یا غیر کو اس کا مالک بنا دینے سے ہوتی ہے۔

(الف) تعزیر باخذ المال (مال کو اس کے مالک سے روک دینا):

وہ یہ ہے کہ قاضی مجرم کے مال میں سے کچھ کو زجر کے طور پر کچھ دن تک کے لئے لے لے، پھر جب اس کی توبہ ظاہر ہو جائے تو اسے واپس کر دے، اور اس کا مطلب اسے بیت المال کے لئے لینا نہیں ہے، اس لئے کہ کسی شخص کے مال کو کسی ایسے شرعی سبب کے بغیر لینا جائز نہیں ہے جو اس کا متقاضی ہو، اور اس کی تشریح ابویحییٰ خوارزمی نے بھی اسی طرح کی ہے اور اس کی نظیر باغیوں کے گھوڑوں اور ہتھیاروں میں کیا جانے والا عمل ہے، اس لئے کہ انہیں ایک مدت تک روکے رکھا جاتا ہے اور جب وہ توبہ کر لیتے ہیں تو ان کو واپس کر دیا جاتا ہے، اور امام ظہیر الدین تمرتاشی خوارزمی نے اس رائے کی تصویب کی ہے۔

رہی وہ صورت جب اس کی توبہ سے مایوسی ہو جائے تو حاکم کو اختیار ہوگا کہ اس مال کو جس میں مصلحت دیکھے اس میں صرف کرے۔

"أفاد في البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شيئ من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال، كما يتوهم الظلمة" (البحر الرائق: ۵/ ۴۴، ط:

☆ شیخ الحدیث ومہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات۔

دارالمعرفہ، بیروت)۔

"وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى" (ایضاً) و(شامی: ۶/ ۱۰۶، ط: زکریا)۔

(ب) اِتلاف:

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: اعیان اور صفات میں سے جو منکر (برائی کی چیزیں) ہوں ان کے محل کو ان کی تبعیت میں تلف کردینا جائز ہے، چنانچہ بتوں کی تصویریں منکر ہیں، لہذا اس کی اصل کا تلف کرنا جائز ہوگا اور اکثر فقہاء کے نزدیک آلاتِ لہو کا تلف کرنا جائز ہے، امام مالکؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور امام احمدؒ سے دو روایتوں میں مشہور روایت یہی ہے، اور اسی قبیل سے شراب کے ظروف بھی ہیں، ان کا توڑنا اور جلادینا جائز ہے، اور جس جگہ شراب بیچی جارہی ہو اس کا جلادینا جائز ہے، اور اس کے لئے شراب کی دکان جلانے سے متعلق حضرت عمرؓ کے فعل سے، نیز جس بستی میں شراب بیچی جارہی تھی اس کے جلانے کے بارے میں حضرت علیؓ کے فیصلہ سے استدلال کیا جاتا ہے، اور اس لئے بھی کہ فروخت کی جگہ ظروف کی طرح ہے، فرمایا: امام احمد اور امام مالک وغیرہ کے مذہب میں قول مشہور یہی ہے، اسی قبیل سے حضرت عمر کا فروخت کے لئے پانی کی ملاوٹ کئے ہوئے دودھ کا بہادینا ہے، اور اسی میں سے وہ بھی ہے جس کی بعض فقہاء رائے رکھتے ہیں، یعنی مصنوعات میں غیر خالص کو تلف کردیئے جانے کا جواز، جیسے گھٹیا بنائی والے کپڑوں میں ان کو پھاڑ کر اور جلا کر، اور نبی کریم ﷺ کے حکم سے عبد اللہ بن عمرؓ کا اپنے عصفر سے رنگے ہوئے کپڑوں کو جلاڈالنا۔

(ج) تغییر (تبدیلی کردینا):

تبدیلی کرکے تعزیر کرنے کی صورتوں میں سے نبی کریم ﷺ کی مسلمانوں کے درمیان جائز سانچوں جیسے دراہم و دینار کے توڑنے سے ممانعت ہے، الا یہ کہ ان سے کوئی حرج ہو، چانچہ اگر ایسا ہو تو ان کو توڑ دیا جائے گا، اور اس تصویر کے سلسلہ میں جو آپ ﷺ کے گھر میں تھی، اور اس پردہ کہ سلسلہ میں جس میں تصاویر تھیں، رسول اللہ ﷺ کا عمل، کیونکہ آپ ﷺ نے تصویر کا سر کاٹ دیا اور وہ درخت کی طرح ہوگئی، اور پردہ کو کاٹ کر دو ڈال دیئے جانے والے تکیے کی صورت میں بدل لیا جنہیں روندا جاتا ہے۔

اور اسی میں سے لہو کے آلات کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور بنائی ہوئی تصاویر کا تبدیل کردینا بھی ہے۔

(د) تملیک (مالک بنادینا):

تملیک کے ذریعہ تعزیر کی صورتوں میں سے اس شخص کے بارے میں جس نے درخت میں لٹکے ہوئے پھل کو اسے کھلیان میں لے جانے سے پہلے چرالیا تھا، سزا کے کوڑے لگانے اور جو کچھ لیا تھا اس کا دُگنا تاوان دینے اور اس شخص کے متعلق جس نے باڑے میں جانے سے پہلے مویشی چرالئے تھے، سزا کے کوڑے لگانے اور دُگنا تاوان دینے کا نبی کریم ﷺ کا فیصلہ ہے، نیز گم شدہ کو چھپادینے والے پر تاوان دُگنا کردینے کا حضرت عمرؓ کا فیصلہ ہے، علماء کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے، ان میں امام احمد وغیرہ ہیں اور اسی میں حضرت عمرؓ کا اعرابی کی اس اونٹنی کا تاوان دگنا کردینا ہے جس کو بھوکے غلاموں نے لے لیا تھا، کیونکہ آپ نے ان کے آقا پر

تاوان دُگنا کر دیا تھا، اور قطع ید کو ختم کر دیا تھا۔

"تقسيم العقوبات المالية فى رأي ابن تيمية إلى ثلاثة أقسام: الإتلاف، والتغيير، والتمليك .

(١) الإتلاف:هو إتلاف محل المنكرات من الأعيان والصفات تبعاً لها ، مثل إتلاف مادة الأصنام، بتكسير ها وتحريقها، وتحطيم آلات الملاهي عند أكثر الفقهاء ، وتكسير وتحريق أوعية الخمر، وتحريق الحانوت الذي يباع فيه الخمر، على المشهور في مذهب أحمد ومالك وغيرها، عملاً بما فعله عمر من تحريق حانوت خمار، وبما فعله علي من تحريق قرية كما يباع فيها الخمر؛ لأن مكان البيع مثل الأوعية.

ومثل إراقة عمر اللبن المخلوط بالماء للبيع، وبه أفتى طائفة من الفقهاء . ومثله إتلاف المغشوشات فى الصناعات كالثياب الرديئة النسج.

(٢) التغيير : قد تقتصر العقوبة المالية على تغيير الشيئ ، مثل نهي النبي ﷺ عن كسر العملة الجائزة بين المسلمين ، كالدراهم والدنانير، إلا إذا كان بها بأس ، فإذا كان بها بأس كسرت .

ومثل فعل النبي ﷺ فى التمثال الذي كان فى بيته، والستر الذي به تماثيل، إذ أمر بقطع رأس التمثال فصار كهيئة الشجرة، وبقطع الستر، فصار وسادتين يوطآن.

(٣) التمليك : مثل ما روى أبو داود وغيره من أهل السنن عن النبي ﷺ فى من سرق من الثمر المعلق ، قبل أن يؤويه إلى الجرين ، أن عليه جلدات نكال، وغرمه مرتين. وفيمن سرق من الماشية قبل أن تؤوي إلى المراح أن عليه جلدات نكال ، وغرمه مرتين ، وكذلک قضاء عمر بن الخطاب في الضالة المكتومة : أن يضعف غرمها على كاتمها، وقال بهذا طائفة من العلماء مثل احمد وغيره .

وأضعف عمر وغيره الغرم فى ناقط اعرابیّ ممالک جياع ، أضعف الغرم على سيّدهم ودرأ عنه القطع" (موسوعۃ الفقہ الإسلامی:۶/۱۹۱-۱۹۰، ط: دار الفکر، دمشق)۔

لہذا تعزیر بالمال اور باخذ المال کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، تعزیر بالمال عام ہے اور باخذ المال اس کی فرع ہے، تعزیر بالمال کے عام مفہوم میں یہ چاروں قسمیں داخل ہیں اور تعزیر باخذ المال خاص ہے اور ہماری بحث تعزیر باخذ المال ہی سے ہے، اس لئے آگے اسی کے احکام ذکر کئے جاتے ہیں:

۲- تعزیر بالمال سے متعلق حنفیہ کا معروف مذہب یہ ہی ہے کہ مال لے کر تعزیر جائز نہیں ہے، بحر الرائق میں ہے:

"والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال" (البحر:۵/۴۴، ط: دار المعرفۃ، بیروت، شامی:۶/۱۰۵، ط: زکریا، فتح القدیر:۵/۳۳۰، ط: زکریا)۔

اس لئے کہ یہ کسی سبب شرعی کے بغیر ایک مسلمان کا مال لے لینا ہے جو جائز نہیں ہے۔

"إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي" (شامی :۶/۱۰۶، ط: زکریا، البحر ۵/۴۴)۔

اس لئے کہ کسی مسلمان کا مال یا تو اس کی خوشی اور رضامندی سے لیا جاسکتا ہے یا پھر اس وقت جب کہ کوئی حق اس کے ذمہ ہو، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: " **لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل.**" (بقرة:۱۸۸)۔

اور تعزیر مالی میں نہ اس شخص کی رضامندی کو کوئی دخل ہے، اور نہ کوئی دلیل شرعی موجود ہے۔

۳- حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ نے تعزیر باخذ المال کی اجازت دی ہے:

"وقد قيل روى عن أبى يوسف ان التعزير من السلطان بأخذ المال جائز كذا فى الظهيرية" (البحر: ۵/۴۴، ط: دارالمعرفۃ: بیروت)۔

شامی میں ہے: **"قال في الفتح: وعن أبى يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقى الأئمة لا يجوز ومثله فى المعراج وظاهره أن ذلک رواية ضعيفة عن ابي يوسف"** (رد المحتار: ۶/۱۰۶، ط: زکریا)۔

علامہ شامی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسفؒ سے یہ روایت ضعیف ہے، ورنہ تو احناف کا معروف مذہب عدم جواز کا ہی ہے، اسی وجہ سے علامہ شامی آگے فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق فتوی نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ اس سے ظلم کا دروازہ کھل جائیگا، اور حاکم ناحق بھی لوگوں سے تعزیر کے نام پر مال لینا شروع کر دیں گے۔

"قال فى الشرنبلالية: ولا يفتى بهدا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس، فيأكلونه اهـ . ومثله فى شرح الوهبانية عن ابن وهبان" اور آگے فرماتے ہیں: **"والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (ايضا)"** (البحر: ۵/۴۴)۔

لہذا مفتی بہ قول تو یہ ہی ہے کہ تعزیر مالی جائز نہیں ہے۔

۴- فقہاء حنفیہ میں سے صاحب خلاصۃ الفتاوی شیخ طاہر بن عبدالرشید بخاریؒ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کی موافقت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اور حاکم مناسب سمجھے تو وہ تعزیر باخذ المال کر سکتا ہے، جیسے کوئی شخص نماز کی جماعت میں شریک نہ ہو تو مال لے کر اس کی تعزیر جائز ہے۔" **قال المصنفؒ وسمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضى أو الوالى جاز، ومن جملة ذلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال"** (خلاصۃ الفتاوی: ۴/۴۴۴، ط: المکتبۃ الاشرفیہ، دیوبند)۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ صاحب بحر الرائق نے بھی اس قول کو نقل کیا ہے؛ لیکن آگے وہ بھی لکھتے ہیں: " **والحاصل ان**

المذهب عدم التعزير بأخذ المال"(البحر:۵/ ۴۴)۔

اسی طرح قضاء کے موضوع پر ایک کتاب "معین الحکام" کے فاضل مصنف قاضی علاء الدین طرابلسی حنفی بھی اسی کے قائل ہیں، جس کو سید سابق نے فقہ السنہ میں نقل کیا ہے:

" **قال صاحب معين الحكام: ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط علىٰ مذاهب الأئمة نقلاً واستدلالاً، وليس بسهل دعوى نسخها والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصحح دعواهم** " (فقہ السنۃ:۲/ ۳۹۵، ط:المکتبۃ العصریۃ، بیروت، معین الحکام:۱۹۵، ط: دارالفکر)۔

(جن حضرات نے یہ بات کہی ہے کہ مالی سزا منسوخ ہے، انہوں نے ائمہ کے مذاہب کی بناء پر روایت اور استدلال دونوں اعتبار سے غلطی کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرنا آسان نہیں ہے، جو لوگ نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے پاس نہ سنت ہے اور نہ اجماع ہے جو ان کے دعویٰ کو صحیح قرار دے)۔

۵- ائمہ ثلاثہ کا بھی راجح مذہب تو تعزیر مالی کے عدم جواز کا ہی ہے۔ "**وعندهما وباقي الأئمة لايجوز**"(شامی: ۱۰۶/۶، ط: زکریا)۔

لیکن بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ جواز کے قائل ہیں، اسی طرح امام احمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کا بھی ایک قول جواز کا ہے، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم نے اس کو نقل کیا ہے۔

"**واثبت ابن تيمية وتلميذه ابن القيم أن التعزير بالعقوبات المالية مشروع فى مواضع مخصوصة فى مذهب احمد واحد قولى الشافعى** "(ایضاً)۔

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: "**وقد اختلف فيه الفقهاء :هل حكمه منسوخ او ثابت . والصواب أنه يختلف باختلاف المصالح، ويُرجَع فيه إلى اجتهاد الأئمة فى كل زمان ومكان بحسب المصلحة، إذ لا دليل على النسخ، وقد فعله الخلفاء الراشدون ومن بعدهم من الأئمة**"(اعلام الموقعین:۲/ ۸۶، ط: داراحیاء التراث، بیروت)۔

ان دونوں حضرات نے اس کے لئے رسول اکرم ﷺ کے فیصلوں سے استدلال کیا ہے، جیسے حرم مدینہ میں شکار کرنے والے شخص کے سلب (مذبوحہ جانور کی کھال، پائے اور آنتیں) کو اس کو پکڑنے والے شخص کے لئے آپ کا مباح کر دینا، اور آپ کا شراب کے مٹکوں کو توڑنے اور اس کے برتنوں کو چاک کرنے کا حکم دینا، اور آپ کا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو عصفر سے رنگے ہوئے دونوں کپڑوں کے جلا ڈالنے کا حکم دینا اور جو غیر حرز (غیر محفوظ) سے چوری کرے اور پھل اور کھجور کے شگوفہ میں سے ایسی چیز چوری کرے جس میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے اور گم شدہ کو چھپائے اس پر آپ کا تاوان دُگنا کر دینا۔

اور انہیں میں خلفاء راشدین کے بھی فیصلے ہیں، جیسے حضرت عمر اور حضرت علیؓ کا اس گھر کو جلا ڈالنے کا حکم دینا جس میں شراب بیچی جا رہی تھی، اور مانع زکاۃ کا نصف مال لے لینا، اور حضرت عمرؓ کا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے اس قصر کو جلانے کا حکم دینا

جس کوانہوں نے لوگوں سے چھپے رہنے کے مقصد سے تعمیر کرایا تھا، اوراس حکم کا نفاذ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کیا تھا۔

"وأثبت ابن تيمية وتلميذه ابن القيم أن التعزير بالعقوبات المالية مشروع فى مواضع مخصوصة.

كما دلت عليه سنة رسول الله ﷺ مثل أمره بمضاعفة غرم ما لا قطع فيه، من الثمر المعلّق والكثر (جمّار النخل) ، وأخذه شطر مال مانع الزكاة،عزمة من عزمات الرب تبارك وتعالى، ومثل تحريق عمر وعليؓ المكان الذى يباع فيه الخمر ، ونحوه كثير"(موسوعۃ الفقہ الإ سلامی:۶/۱۸۹،ط: دارالفکر،دمشق)۔

"عن سعدؓ أن رسول الله ﷺ قال: "من أخذ تموه يقطع من الشجر شيئاً يعني شجر حرم المدينة فلكم سلبه لا يعضد شجرها ولايقطع". قال: فرأى سعدؓ غلماناً يقطعون فأخذ متاعهم فانتهوا إلى مواليهم فأخبرو هم أن سعدًاؓ فعل كذا وكذا، فأتوه فقالوا: يا أبا إسحاق أن غلمانک أوموالیک أخذوا متاع غلماننا، قال: بل أنا أخذته، سمعت رسول الله ﷺ ، يقول: "من أخذتموه يقطع من شجر الحرم فلكم سلبه" ولكن سلوني من مالي ماشئتم "(رواہ بیہقی فی سننہ الکبری:۵/۱۹۹،باب ماورد فی سلب من قطع من شجر حرم المدینۃ،ط: بیروت)۔

فقہ السنہ میں ہے :**"ويجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب أبى يوسف، وبه قال مالک"**(فقہ السنہ : ۲/۳۹۵،ط:المکتبۃ العصریۃ، بیروت)۔

۶- ایسے حالات میں جب کہ جرائم اور معاصی سے روکنے کے لئے وعظ اور زبانی فہمائیش کافی نہ ہواور جسمانی سزا کا بھی موقع نہ ہوتب بھی تعزیر مالی کے جواز پرفتوی نہیں دینا چاہئے۔اس لئے کہ اس صورت میں ظالم بادشاہ لوگوں سے ناحق بھی تعزیر کے نام پر ان کا مال لینا شروع کردیں گے، جیسا کہ علامہ شامی کی عبارت پیچھے گذرچکی۔ **"ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس، فيأكلونه. الخ.."**(ردالمحتار:۶/۱۰۶،ط: زکریا)۔

اور امام ابویوسفؒ نے جوتعزیر بالمال کی اجازت دی ہے اس کی بھی توضیح یہ کی گئی ہے کہ جرمانہ محض وقتی طور پر ازراہ دھمکی لیا جائیگا، نہ سلطان لیگا، نہ بیت المال میں جمع کرے گا، بلکہ ایک مدت کے بعد واپس کردے گا۔

"وفى البحر حيث قال: وأفاد فى البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شيئ من ماله عند مدة لينزجر، ثم يعيده الحكام إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المالک كما يتوهمه الظلمه"(ایضًا)۔

لہذاامام ابو یوسفؒ کے مذہب کے مطابق بھی آج کل جوتعزیر مالی کا رواج ہے اس طرح لینا جائز نہ ہونا چاہئے، کیونکہ آج کل مال لے کر واپس نہیں کیا جاتا، اوراس صورت میں رشوت خوری کا بھی خطرہ ہے، جیسا کہ ہمارے ملک میں اس کا عام رواج ہوتا

جارہا ہے، کہ تعزیر مالی کے مقابلہ میں کم مال پر معاملہ رفع دفع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اسی وجہ سے اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، جیسا کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ''امداد الفتاوی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''علامہ شامی نے حاشیہ درمختار کی جلد ثالث، باب التعزیر میں تصریح کی ہے کہ صرف امام ابو یوسفؒ سے جرمانہ کے جواز کی روایت منقول ہے اور وہ بھی ضعیف، باقی اور علماء اور ائمہ کے نزدیک جائز نہیں اور جب روایت ضعیف ہے، قابل عمل نہیں ہوسکتی، اس کے علاوہ اُس روایت میں بھی صرف صاحب سلطنت یا سلطنت کو اجازت ہے، زمیندار بحیثیت زمینداری حاکم نہیں ہے، اس میں اور کاشتکار یا رعایا میں تعلق اجارہ واستیجار کا ہے اور پھر حاکم کے لیے بھی اس لیے جواز کا فتویٰ دینے کو منع کیا گیا کہ لوگوں کو ظلم کرنے کا بہانہ ہاتھ آجائے گا، عبارت علامہ کی یہ ہے:

"قال فی الفتح: وعن ابی یوسفؒ یجوز التعزیر للسطلان بأخذ المال وعندهما وباقی الأئمة لا یجوز، ومثله فی المعراج وظاهره أن ذلک روایة ضعیفة عن أبی یوسفؒ قال فی الشرنبلالیة: ولا یفتی بهذا لمافیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس، فیأکلونه "۔

اور آگے چل کر علامہ نے نقل کیا ہے کہ سلطان کو بھی صرف خزانہ کے عملہ کے جرمانہ کی اجازت ہے اور وہ بھی اس شرط سے کہ ملکی خزانہ میں داخل کردے اُس مقام کی عبارت یہ ہے:

"وسیذکر الشارح فی الکفالة من الطرسوسی أن مصادرة السلطان لأرباب الأموال لایجوز إلا لعمال بیت المال أی إذا کان یردها لبیت المال"۔

غرض اول تو سارے ائمہ عدم جواز کی طرف گئے ہیں، پھر ابو یوسفؒ سے بھی روایت ضعیف اور پھر وہ بھی خاص سلطان کے ساتھ اور اُس میں بھی تخصیص عاملین خزانہ کی پھر اُس میں شرط ادخال خزانہ کی، پس اس وقت رؤسا، وامراء میں جس جرمانہ کا رواج ہے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں (امداد الفتاوی: ۲/ ۵۴۴، ط: زکریا)۔

لیکن بعض متأخرین حنفیہ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، جیسے کہ مفتی تقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، تقریر ترمذی جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں: لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر بھی کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی، عام طور سے فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**لا یحل مال امرأ مسلم إلا بطیب نفسه منه**'' (مسند أحمد: ۱۵/ ۵۷، رقم الحدیث: ۲۰۵۷۳)۔

یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں، لیکن یہ استدلال کمزور ہے، اس لئے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہو تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے، اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، لیکن جان تو طیب سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہے اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہونچایا جارہا ہے تو یہ

سب کے نزدیک جائز ہے،تو پھر مال جوطیب نفس سے حلال ہوجا تا ہے، وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولیٰ جائز ہوجانا چاہئے، چنانچہ بعض متأخرین فقہاء حنفیہ نے امام ابویوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے (درس ترمذی:۵/ ۱۱۹، ط: فیصل، دیوبند)۔

اسی طرح مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ''قاموس الفقہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

اس وقت اسلام کے قانون قانون حدود وتعزیرات کے فقدان کی وجہ سے بہت سے مسائل جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کررہی ہیں، ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مالی جرمانہ کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے، راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے (قاموس الفقہ: ۲/ ۴۷۹، ط: نعیمیہ، دیوبند)۔

مولانا نے ''جدید فقہی مسائل'' میں بھی چند دلائل پیش فرمائے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنا مال اجر کی نیت سے دیگا، اس کے لئے اجر ہے، اور جو مال کی زکوۃ ادا ءنہ کریگا، تو میں زکوۃ بھی لوں گا اور اس کے مال میں سے کچھ حصہ بھی بطور تاوان لوں گا، جو میرے پروردگار کی جانب سے ہوگا، البتہ اس میں سے کچھ میری آل کے لئے حلال نہیں ہوگا۔

''عن بهز بن حكيم عن ابيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: في كل سائمة ابل، فی أربعين بنت لبون ، لا يفرق إبل عن حسابها. من أعطاها موتجرًا ، قال ابن العلاء : مؤتجراً بها فله أجرها ومن منعها، فانا آخذها وشطرماله عزمة من عزمات ربنا عزوجل ليس لآل محمد منها شيئ.'' (رواہ ابوداود: ۱/ ۲۲۱، باب في زكوة السائمة، وکذا رواه النسائي في باب عقوبة مانع الزكوة: ۱/ ۳۳۵)۔

(۲) عبدالرحمٰن بن حاطب ابن بلتعہ کے غلاموں نے ایک اونٹ چرا کر ذبح کردیا، جس کا چمڑا اور سر ان کے پاس پایا گیا، لوگ حضرت عمرؓ کے پاس معاملہ لائے، آپ نے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، پھر تھوڑی دیر سوچ کر غلاموں کو طلب فرمایا اور عبدالرحمٰنؓ سے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ تم ان سے کام بھی لیتے ہو اور ان کو بھوکا بھی رکھتے ہو اور بدسلوکی کرتے ہو، یہاں تک کہ اگر وہ کوئی حرام چیز بھی پالیں تو ان کے حق میں حلال ہوجائے، پھر اونٹ والے سے دریافت کیا کہ تم اونٹ کتنی قیمت میں دے سکتے تھے؟ اس نے کہا چار سو درہم میں، حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ سے فرمایا: تاوان کے ساتھ آٹھ سو روپئے ادا کرو۔

'' عن يحيى بن عبدالرحمن بن حاطب إن غلمة لأبيه عبدالرحمن بن حاطب سرقوا بعيراً فانتحروه. ....قم فاغرم لهم ثمان مائة درهم وفي رواية لأغرمنک غرماً يشق عليک، فاغرمه مثلى قيمتها'' (المصنف لعبدالرزاق: ۱۰/ ۲۳۹، رقم: ۱۸۹۷۸، ط: المجلس العلمی، بیروت) (المغنی: ۷/ ۵۹۷، ط: مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ)۔

یہ روایت اور اثر تاوان کے باب میں بالکل صریح ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تاوان وصول کرکے دوبارہ واپس

بھی نہیں کیا جائے گا (جدید فقہی مسائل: ۳/۲۴۶، ط: نعیمیہ، دیوبند)۔

مولانا آگے چل کر فرماتے ہیں: اس لئے اگر موجودہ زمانہ میں اور بالخصوص ہندوستان کے خصوصی حالات میں اس کو قبول کرلیا جائے تو امید ہے کہ بہت سے منکرات کے سدباب میں اس سے مدد ملے گی اور اس سے فائدہ ہوگا (ایضا: ۲۴۸)۔

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی اپنی کتاب ''اصول فقہ'' میں فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ اسے ناجائز کہتے ہیں، طرفین کے برخلاف امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ مصلحت متقاضی ہوتو جائز ہے.........راقم الحروف کے خیال میں امام ابو یوسف اور جوفقہاء مالی جرمانہ یا اتلاف کے ذریعہ تعزیر کے قائل ہیں ان کی رائے قابل ترجیح ہے، جیسا کہ حدیث وآثار میں ان کی متعدد مثالیں موجود ہیں (اسلامی فقہ: ۳/۲۸۰، تعزیراتی جرائم، ط: تاج کمپنی، دہلی)۔

اور آگے فرماتے ہیں: جن فقہاء نے اس کو ناجائز کہا، اس کی وجہ انہوں نے حکام کے ظلم کو قرار دیا ہے، تو انہوں نے یہ رائے مصلحت کی بنیاد پر دی ہے، اگر ظلم کا پہلو نہ رہے تو ان کی رائے بھی یہی ہوگی (ایضا: ۳/۲۸۱)۔

۷- تعلیمی اداروں میں طلبہ کی مختلف کوتاہیوں پر روک لگانے کے لئے جو مالی جرمانہ لیا جاتا ہے وہ طرفین کے مذہب کے مطابق جائز نہیں ہے، امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کیا جائے تب بھی لینا تو جائز ہوگا، لیکن جب طالب علم ان کوتاہیوں اور غفلتوں سے باز آجائے تو اس کو واپس کرنا ضروری ہوگا، ماضی قریب کے مفتیان کرام نے بھی اس کی اجازت نہیں دی ہے، جیسے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب ''کفایت المفتی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

مالی جرمانہ ناجائز ہے اور امام ابو یوسفؒ سے جو تعزیر بالمال کے جواز کی روایت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ مدت کے لئے اس کا مال روک لیا جائے اور جب انزجار کی امید ہو جائے تو اس کا مال واپس کردیا جائے (کفایت المفتی: ۲/۱۸۶، ط: زکریا)۔

مفتی محمود الحسن صاحبؒ ''فتاوی محمودیہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

مالی جرمانہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں، منسوخ ہے، اگر لیا ہو تو اس کی واپسی لازم ہے، انسداد جرائم کے لئے ارشاد، تذکیر، تزکیۂ باطن کی ضرورت ہے، تاکہ دل میں خوف ووحشت پیدا ہو، جنت ودوزخ کا استحضار، قبر، قیامت، حشر، حساب، کتاب، خدائے قہار کی عظمت اور اس کے انعامات کا مراقبہ لازم ہے، تاکہ اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کی رغبت ہو، ورنہ محض سختی سے اصلاح نہیں ہوتی، اگر ہوتی ہے تو عارضی ہوتی ہے (فتاوی محمودیہ: ۱۴/۱۴۰، ط: ڈابھیل)۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ بھی تحریر فرماتے ہیں:

تعزیر مالی یعنی جرمانہ تو حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں اور حدیث: ''لا يحل مال امرأ مسلم إلا بطيب نفسه منه'' اس کی مؤید بھی ہے، پس جرمانہ کے طور پر تو یہ لینا درست نہ ہوگا، البتہ اس کا اور طریقہ ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ اس غیر حاضری پر اس طالب علم کو خارج قرار دیا جائے، غیر حاضری کی سزا تو یہ ہو، اور آئندہ کو داخل کرنا بذمہ مدرسہ واجب تو ہے نہیں، مباح ہے اور مباح میں جو کہ متقوم ہو مال کی شرط لگانا جائز ہے، لہذا یہاں مدرسہ کے مکان سے انتفاع، مدرسین سے تعلیم یہ سب امور ایسے ہیں جن پر متولی کو اجرت

لینا جائز ہے پس اس اجرت میں وہ پیسے لے لئے جائے اور اس تقریر کی تصریح بھی کردی جایا کرے تا کہ عقد مبہم نہ رہے (امداد الفتاوی: ۲ / ۵۴۳، ط: زکریا)۔

لہذا تعلیمی اداروں میں بھی مالی جرمانہ لینا جائز نہ ہونا چاہئے، اس کی جگہ حضرت تھانویؒ نے جو حیلہ بیان کیا ہے، اسی طرح مفتی محمود الحسن صاحب نے جو طریقہ بیان کیا ہے اس پر عمل کرنا چاہئے۔

۸- تعلیمی اداروں کے علاوہ دوسرا کوئی ادارہ مثلاً ہاؤزنگ سوسائٹیاں وغیرہ بھی نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کا جو نظام بناتے ہیں یہ درست نہیں ہے، جیسا کہ ماقبل میں بہت سے حوالے گذر چکے ہیں۔

۹- برادریاں اور خاندانی پنچایتیں نیز کاروباری انجمنوں کے لئے بھی مال کا جرمانہ لینا جائز نہیں ہے، حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: مال کا جرمانہ ناجائز ہے، احکام شرعیہ کی پابندی کے لئے کوئی دوسری سزا ترک تعلقات وغیرہ کی جائے (فتاوی محمودیہ: ۱۴ / ۱۴۲، ط: ڈابھیل)۔

حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں: جرمانہ ہمارے امام صاحب کے مذہب میں حرام ہے، اس لئے رقم جائز نہیں، البتہ اگر سیاست کی ضرورت ہو تو اس امر کی اجازت ہے کہ اس سے کوئی مقدار مال کی لی جاوے اور چند روزہ تک اس کو اپنے پاس رکھ کر جب وہ خوب دق ہو جائے تو اس کو واپس کردی جائے، یہ بھی اس شخص کو جائز ہے، جس میں دو وصف ہوں، ایک حکومت واختیار رکھتا ہو تا کہ فتنہ نہ ہو، دوسرے معتمد ومتدین ہو کہ بعد چندے واپسی پر اطمینان ہو، ورنہ یہ بھی جائز نہیں (امداد الفتاوی: ۲ / ۵۴۱، ط: زکریا)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

پس یہ احمقانہ لینا اور اس کا مصارف مذکورہ میں یا کسی اور مصرف میں صرف کرنا جائز نہیں؛ بلکہ جن سے لیا ہے ان کو واپس دینا لازم ہے، ہاں ایسے لوگوں کے زجر اور ایسی باتوں کو بند کرنے کے لئے یہ جائز ہے کہ ایسے لوگوں کو پنچایت اور برادری سے خارج کردیا جائے اور جب تک وہ اس فعل سے توبہ نہ کریں ان کے ساتھ برادری کے تعلقات نہ رکھے جائیں (کفایۃ المفتی: ۲ / ۱۸۶-۱۸۵، ط: زکریا)۔

۱۰- مذہب اسلام میں نکاح کے ذریعہ جواز دواجی تعلق قائم ہوتا ہے، مذہب تعلیم دیتا ہے کہ میاں بیوی اس رشتہ کو عمر بھر برقرار رکھیں، محبت ویگانگت، صبر وضبط کے ساتھ ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کرتے رہیں، باہم کوئی تلخی پیدا ہونے نہ دیں، اگر کوئی تلخی کبھی پیدا ہو جائے تو اولاً خود باہم اس کو دور کرنے کی کوشش کریں، اور اگر باہم دور نہ کرسکیں تو جانبین سے ایک ایک حکم مقرر کر کے صلح ومصالحت کی راہ اختیار کریں، ان تمام کوششوں کے باوجود اگر تلخیاں دور نہ ہوں اور کشیدگی برابر بڑھتی رہے، اور قوی اندیشہ اس بات کا پیدا ہو جائے کہ ایک دوسرے کے حقوق کو ادا نہ کرسکیں گے اور خدا اور اس کے پاک رسول ﷺ کے حکموں کی ادائیگی نہ کرسکنے کی وجہ سے گنہگار ہونگے اور گنہگار رہیں گے، ایسے نازک موڑ پر مذہبِ اسلام نے طلاق کا قانون رکھا ہے، تا کہ بیوی آزاد ہو کر اپنی پسند کے مطابق دوسرا شوہر تلاش کرلے اور شوہر اپنی مرضی کے مطابق دوسری شریک حیات ڈھونڈھ لے، جن مذاہب میں طلاق کا قانون نہیں

ہےاس نازک موڑ پر انہیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اخبارات میں آئے دن عورتوں کے جلنے اور جلانے کی خبریں آتی رہتی ہیں۔

مذہب اسلام نے شوہر کو تین طلاقوں تک کا قانوناً اختیار دیا ہے، اگر شوہر شریعت مطہرہ کی دی ہوئی آسانیوں کو نظر انداز کر کے سارے اختیارات بیک وقت وبیک لفظ استعمال کر لیتا ہے تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اگرچہ شریعت اس کو ناپسند کرتی ہے۔

ارشادخداوندی ہے: ''**فاِنْ طَلَّقَها فلا تَحِلُّ لهٗ**'' (سورۂ بقرہ: ۲۳۰)، ناپسندیدہ ہونے کے باوجود اگر تیسری طلاق بھی دے ڈالی، تو اب علاقۂ نکاح قطعاً ختم ہو گیا۔

قرآن حکیم نے ناپسندیدگی کے باوجود اس تیسری طلاق کو مؤثر قرار دیا ہے اور طلاق دینے والے پر کوئی جُرمانہ عائد نہیں کیا ہے۔

نیز پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں تین طلاق بیک وقت اور بیک لفظ کے جتنے مقدمات آئے ہیں ناپسندیدگی اور اظہار غضب کے باوجود آپ نے ان طلاقوں کو نافذ العمل قرار دیا ہے، اور تین طلاق دینے والے پر کوئی جُرمانہ عائد نہیں کیا ہے۔

اس لئے کہ طلاق دینا شوہر کا حق ہے، جسے وہ نازک موڑ پر استعمال کر سکتا ہے، اور دئے ہوئے اختیارات کا استعمال کرنے والا مجرم نہیں ہوتا کہ اس پر کوئی تاوان اور جرمانہ عائد کیا جائے، اس لئے طلاق کو جُرم اور طلاق دینے والے کو مجرم تصور کرنا اور ان فاسد ذہنی تصورات کی بنیادوں پر شوہر پر کوئی مالی جرمانہ ومتعہ عائد کرنا مذہب اسلام کے قطعاً خلاف ہے۔

بیشک اسلام نے متاع کو طلاق وعدت کے بعد رخصتی کے وقت واجب قرار دیا ہے، مگر یہ حکم ہر قسم کی مطلقہ کے لئے نہیں ہے، کیونکہ کسی عورت کے نکاح پر رضامندی کا مطلب اپنے نفس کی سپردگی ہے، جس پر عوض اور بدل کا ہونا ضروری ہے، اسی کو شریعتِ اسلام میں مہر کہتے ہیں، اور مہر کا تذکرہ وتعیین عقد نکاح میں بوقت نکاح ہوا ہوگا یا نہیں، پھر طلاق ہاتھ لگانے سے پہلے دے دی گئی ہوگی یا بعد میں، اس طرح کل چار صورتیں بنتی ہیں۔

(۱) اگر عقد نکاح میں مہر مقرر ہوا اور شوہر نے ہاتھ لگایا ہے تو پُورا مہر دینا واجب ہوگا اور عدت کا نفقہ بھی۔

(۲) اور اگر عقد نکاح میں مہر مقرر ہوا اور خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق واقع ہوئی تو آدھا مہر واجب ہوگا، قول باری تعالیٰ ہے: ''**واِنْ طلّقْتُمُوهُنّ مِن قبلِ اَنْ تمسُّو هُنّ وقد فَرضْتُم لَهُنّ فرِيضةً فنِصفُ ما فَرَضْتُم**'' (سورة البقرة ، آيت نمبر: ۲۳۷) میں اسی مطلقہ کا حکم بیان کیا ہے۔

(۳) اور اگر بوقت نکاح مہر مقرر نہیں ہوا اور خلوتِ صحیحہ واقع ہوگئی، تو مہر مثل واجب ہوگا، خلوتِ صحیحہ سے مہر مؤکد ہو گیا، چونکہ عقد نکاح میں مہر کا تذکرہ نہیں آیا ہے، اس لئے مہر مثل دینا واجب ہوگا، مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ منکوحہ کے باپ کے گھرانے

میں اس جیسی لڑکی کا جومہر ہوگا وہ اسے دلوایا جائے گا۔

"فما استمتعتم به منهن فآتوهن اجورهنّ"(سورۃ النساء:۲۴)۔

(۴)اوراگر عقد نکاح میں مہر کا تذکرہ بھی نہیں آیا اور خلوتِ صحیحہ بھی نہیں ہوئی تو ایسی مطلقہ کے لئے مہر اور عدت کچھ بھی نہیں ہے، اس لئے شریعتِ اسلامیہ نے ایسی مطلقہ کے لئے متاع کو واجب قرار دیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

"لَا جُناح عليكم إنْ طَلَّقْتُمُ النِّساءَ مالم تمسُّوْ هُنّ اَو تفرِضُوا لهُنّ فرِيْضةً ومتِّعُوهُنّ على المُوسِعِ قدرُهٗ وعلى المُقْتِرِ قدرُهٗ متاعًا بالمَعرُوفِ حقًّا علَى الُمحسنِينَ "(سورۃ البقرۃ: آیت نمبر:۲۳۶)۔

اس میں صیغہ امر وجوب کے لئے ہے اور" حقًّا علَى الُمحسنِينَ " کا لفظ بھی وجوب اور تاکید پر دلالت کرتا ہے اور اس طرح بھی وضاحت ہوسکتی ہے کہ "مَتاعًا "تاکید ہے "مَتِّعُوهُنّ"کی اور "حقًّا " متاعًا کی صفت ہے، یعنی "مَتِّعُوهُنّ تمتيعًا بالمعروف متاعًا واجبًا عليهم "(تفسیر کبیر:۶/ ۱۴۰، ط: دار الکتب، طہران)۔

متاع کے سلسلہ کی دوسری آیت سورہ احزاب میں ہے، پیغمبر اسلام کی ازواج اوران کے خصوصی احکام وآداب کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشادِ خداوندی ہے:

"يـٰاَيُّها الَّذِين اٰمنوا اذا نكحتُمُ المُؤمناتِ ثُمّ طلّقْتمُو هُن من قبلِ اَن تمسُّوهُنّ فما لكم عَلَيْهِنَّ مِن عِدّةٍ تعتدُّونها فمتِّعُوْهُنّ وسَرِّحُوهُنّ سَراحًا جمِيلًا"(سورۂ احزاب: آیت نمبر:۴۹)۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر میل ملاپ سے پہلے طلاق دیدے تو ایسی عورتوں پر عدت کچھ نہیں ہے، ایسی عورتوں کو متاع دیکر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردو، تنبیہ: مہر تسلیم نفس کے مقابلہ میں ہے، مہر مقرر ہوا، ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق ہوگئی تو اس کا حکم ماقبل میں آچکا ہے کہ مقرر شدہ مہر کا آدھا واجب ہوگا، چونکہ تسلیم نفس نہیں پایا گیا، اس لئے نصف مہر کا وجوب یہ بھی علی سبیل المتعہ ہوگا، جیسا کہ تفسیر مظہری میں ہے:" فإن المهر في مقابلة البضع والبضع عَادَت إليها سالمًا فلَمْ يجِبْ نِصفُ المهر إلا على سبيل المتعة"(۱/ ۳۰۸، ط: ندوۃ المصنفین، دہلی)۔

اس لئے سورۂ احزاب کی آیت کا مطلب وہی ہوگا، جو آیت سورۃ بقرۃ کا مطلب ہے، دونوں آیتوں میں صرف اس قدر فرق ہے کہ آیت سورۃ بقرہ میں عدت کا تذکرہ نہیں ہے اور آیت احزاب میں اس کا بھی تذکرہ موجود ہے کہ ہاتھ لگانے سے پہلے جس عورت کو طلاق دی گئی اس کے لئے عدت نہیں ہے، متاع واجب ہے، آیت سورۃ بقرہ اور سورہ احزاب ان دونوں آیتوں میں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دینے پر شوہروں کو متاع کے دینے کا حکم دیا گیا ہے، صاحب" رُوح المعاني" نے: (ج:۲،ص:۱۶۰) پر لکھا ہے کہ" متاعًا بالمَعرُوفِ حقًّا علَى الُمحسنِين"(سورۂ بقرہ:۲۳۶)، نزول ہوا تو ایک شخص نے کہا کہ متاع احسان کرنے والوں پر واجب کیا گیا ہے، اگر میں احسان کرنا چاہوں گا تو متاع دے دونگا اور اگر احسان کرنا نہ چاہوں گا تو نہیں دوں گا، میرے احسان پر موقوف ہے، تو متاع کے سلسلہ کی تیسری آیت نازل ہوئی" ولِلْمُطلَّقَاتِ متاعٌ بِالمَعرُوفِ حقًّا علَى الُمتّقين"

(سورہ بقرہ:۲۴۱)،جس میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ جس عورت کا مہر مقرر نہیں ہوا اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق ہوگئی ایسی مطلقہ کے لئے متاع کچھ شوہروں کے احسان پر موقوف نہیں ہے، بلکہ ایسی عورتوں کا واجبی حق ہے ان لوگوں پر جو خدا کی بغاوت سے پرہیز کرنے والے ہیں،یعنی تمام مسلمانوں پر فرض وواجب ہے(التفسیر الکبیر:۲/۱۶۱،ط:دارالکتب،طہران)۔

''وَلِلْمُطَلَّقَاتِ''میں الف لام عہد کا ہوگا اور اس سے وہی عورتیں مراد ہوں گی جن کا مہر مقرر نہیں ہوا تھا اور معتبر تنہائی سے پہلے طلاق دے دی گئی،(روح المعانی:۲/۱۶۰،ط:دار التراث،القاہرہ)اور مکرر ذکر کرنا وجوب کی تاکید اور تصریح کیلئے ہے ''ہدایہ اولین،فتح القدیر،درمختار،شامی،فتاویٰ عالمگیری''،قانون وفقہ کی جتنی کتابیں ہیں جن سے احکام بتائے جاتے ہیں،سب میں یہ تصریح موجود ہے کہ بجز اس مطلقہ کے جس کا مہر مقرر نہیں ہوا اور معتبر تنہائی سے پہلے طلاق دے دی گئی اور کسی مطلقہ کیلئے متاع واجب نہیں ہے۔

''وهذه المتعة واجبة عند ابی حنيفة والشافعي واحمد، يعنی إذا طلق قبل المسيس، ولم يفرض لها مهر، وقال مالك :لا يجب بل هی مستحبة والأمر للندب'' (تفسیر مظہری:۱/۳۰۷،ط:ندوۃ المصنفین،دہلی)۔

حضرت امام شافعیؒ جو اکثر مطلقات کے لئے متعہ کو واجب قرار دیتے ہیں،فرماتے ہیں:''**لَا يُجبرُ الزَّوجُ علیٰ قدرٍ معلُومٍ**'' کسی متعین مقدار پر شوہر کو مجبور نہیں کیا جا سکتا،اگر کپڑا دے تو کم از کم اتنا دے جس کو وہ پہن کر نماز ادا کر سکے،اور تیس درہم دینے کو میں اچھا سمجھتا ہوں(ابن کثیر:۲/۳۷۶،ط:دارالاشاعت،دیوبند)۔

امام مالکؒ کے نزدیک متاع ہر مطلقہ کے لئے مستحب ہے،واجب نہیں ہے،حاکم متعہ پر مجبور نہیں کر سکتا،ہاں ترغیب اور تحریض کر سکتا ہے۔

''قال الباجي: اختلف العلماء فی المتعة ذهب مالك إلى أنها ليست مما يجبر عليها المطلق ولا يحكم بها عليه، قال مالك، إنها لحق على الزوج ولا يقضى بها على الزوج وليحرضه السلطان'' (اوجز المسالک:ص/۳۹۸،الجزء الرابع،ط:مکتبہ یحیویہ،سہارنپور)۔

مالکیہ کے نزدیک ''**مَتِّعُوهُنَّ**'' کا امر استحباب کے لئے ہے،اور''**حقًّا علَى الْمُحسنين**'' اور ''**حقًّا علَى الْمُتّقِيْن**'' کا مطلب ہے کہ جب خدا نے اس حکم کو متقین اور محسنین کے ساتھ خاص کیا اور''**حقًّا علَى الْمُؤمنين**''نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ یہ حکم بتقاضائے احسان اور بتقاضائے تقویٰ ہے جو مستحب ہوگا واجب نہیں ہوگا۔

'' قال مالك : المتعة مستحبة؛ لأنه تعالى قال:حقًّا على المحسنن، فخصهم لها، فيدل على أنها على سبيل الإحسان والفضل''(اوجز المسالک:۴/۳۹۷)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسی مطلقہ جس کا بوقت نکاح مہر بھی مقرر نہیں ہوا اور معتبر تنہائی سے پہلے طلاق دیدی گئی،اس کے لئے متعہ واجب ہے اور جس عورت کا مہر مقرر ہوا اور معتبر تنہائی سے پہلے مطلقہ ہوگئی،اس کے لئے مقررہ مہر کا نصف واجب ہے۔

”وتجب للمطلقة قبل الوط ء والخلوة عند معتبرها لم يسم لها فى النكاح تسمية صحيحة من كل وجه مهر ولا تزيد على نصف مهر المثل ولا تنقص عن خمسة دراهم، فان ساوت النصف فهى الواجبة وأن كان النصف أقل مها فالواجب الأقل إلا أن ينقص عن خمسة دراهم فيكمل لها الخمسة،فمعنى الآية على ما سمعت وكان الأمر للوجوب، فمتعوهن إن لم يكن مفروضا لهن فى النكاح وروى هذا عن ابن عباس، وأما المفروض لها فيه إذا طلقت قبل المس، فا لواجب لها نصف المفروض لا غير“ (روح المعانی:۵۱،الجزء الثانی والعشر ون، ط:ادارۃ المصطفائیہ، دیوبند)۔

صاحب تفسیر مظہری متاعًا بالمعروف کے تحت تحریر فرماتے ہیں: ”أی بالوجه الذی يستحسنه الشر ع لا بإكراه من الحاكم“، متاع حکم شرع کے مطابق جس کو شریعت نے مستحسن قرار دیا ہے دیا جائے، حاکم کسی کو مجبور نہیں کرسکتا (تفسیر مظہری:۱/۳۰۷)۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ متاع ہر قسم کی مطلقہ کے لئے واجب نہیں ہے، اس لئے ہر قسم کی مطلقہ کے لئے متاع کو قانونی درجہ نہیں دیا جاسکتا۔

ایک بات یہ ملحوظ خاطر رہے کہ علماء (متقدمین ومتأخرین) کے یہاں جہاں بھی لفظ نفقہ استعمال ہوا ہے اس سے نفقۂ شرعیہ مراد ہے، یعنی وہ نفقہ جو کہ شوہر پر زوجہ کیلئے واجب ہوتا ہے یا وہ نفقہ جو کہ اس شوہر پر مطلقہ کیلئے دوران عدت واجب ہوتا ہے ،جس نے اس کو طلاق دی ہو۔

لہذا قرآن کریم میں مطلقات کے متاع یا نفقہ کا جہاں کہیں بھی تذکرہ ہے وہ دوران عدت نفقہ کا تذکرہ ہے، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر (۲۴۱)، ” وللمُطلَّقَاتِ متاعٌ بِالمَعرُوفِ حقًّا علَى المُتّقِيْن . (سورۂ بقرہ:۲۴۱)“ کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”ويجب للمطلقت متاع بالمعروف، يعنى على الموسعِ قدرُهٗ وعلى المُقتَرِ قدرُهٗ حق ذلك حقًا على المتقينo عن الشرک . قيل المراد بمتاع فى هٰذه الآية نفقة ايام العدة، كما هو المراد فيما سبق من قوله تعالى : وَصِيّةٌ لِأَزواجِهِم متاعًا إلى الحَوْلِ “ (تفسیر مظہری:۱/۳۱۴، ط:ندوۃ المصنفین ،دہلی)۔

”اور مطلقٰت (مطلقہ عورتوں) کے لئے متاع (کچھ فائدہ پہنچانا) (مقرر) ہے قاعدہ کے مطابق ،یعنی صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق اور تنگدست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق، (اور یہ مقرر ہوا ہے اُن پر جو متقی ہیں یعنی شرک سے بچتے ہیں، اس بارے میں کہا گیا ہے کہ یہاں پر متاع (فائدہ پہنچانا) کا مطلب ایام عدت کا نفقہ ہے، جس طرح کہ اس سے قبل اللہ تعالی کے ارشاد میں مراد ہے، جو اس طرح ہے وہ وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے واسطے ایک سال تک منتفع ہونے کی (متاع کی)“۔

امام فخر الدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں:" **والقول الثانی ان المراد بھذہ المتعة النفقة والنفقة قد تسمّی متاعًا**........."(التفسیر الکبیر:۶/۱۶۱، ط: دارالکتب، طہران)۔

" دوسرا قول یہ ہے کہ اس فائدہ (متعہ) سے مراد نفقہ ہے اور (لفظ) نفقہ کو یہاں متاع کے نام سے پکارا گیا ہے۔"

نیز اکثر مفسرین نے متاع کی تفسیر نفقۂ عدت کے ساتھ کی ہے، صاحب رُوح المعانی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے، "**قیل: المراد بالمتاع نفقة إیام العدة**" یعنی متاع سے مراد عدّت کے زمانہ کا نفقہ ہے، (رُوح المعانی: ص:۱۶۰، جزو دوم، تفسیر کشاف: ص:۱/۱۴۷، ط: دارالمعرفہ، بیروت، تفسیر بیضاوی:۱/۱۲۹، ط: دارالکتب العلمیہ، بیروت) تفسیر کی ان تمام کتابوں میں جو اس وقت میرے زیر نظر ہیں، متاع کی ایک تفسیر نفقۂ عدت سے کی ہے، اگر اس تفسیر کے مطابق متاع سے مراد نفقۂ عدت لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جس طلاق میں عدت ہے، عدت گذارنے تک عدت کا نفقہ واجب ہے اور یہ مطلقات کا واجبی حق ہے، جو مسلمانوں پر واجب ہے، اور بعض مفسرین نے متاع کا ترجمہ مطلقاً فائدہ پہونچانا کرتے ہوئے یہ تشریح کی ہے کہ مطلقات سے اگر عام مطلقات کو مراد لیا جائے تو متاع سے بھی عام معنی مطلقاً فائدہ پہونچانا مراد ہوگا، یعنی بعض صورتوں میں مکمل مہر، اگر اس کی ادائیگی طلاق سے پہلے نہ کی گئی ہو، بعض صورتوں میں نصف مہر، بعض صورتوں میں مہر مثل اور بعض صورتوں میں جوڑا دینا واجب ہوگا (معارف القرآن ماخوذ از بیان القرآن: ص:۵۳۶، ط: ربانی بک ڈپو، دہلی)۔

اب رہا یہ سوال کہ علماء کے ایک طبقہ نے اوپر تحریر کردہ آیت (۲۴۱، سورۂ بقرہ) کے تحت لفظ "متاع" میں دوران عدت نفقہ کے علاوہ کچھ عارضی حسن سلوک کے بارے میں بھی اظہار رائے کیا ہے، تو اس سلسلہ میں ہمیں پہلے لفظ "متاع" کے معانی ومطالب پر غور کرنا ہوگا اور بعد میں اُن عارضی منافع پر گفتگو کرنا ہوگی، جو متاع کے تحت کچھ علماء نے بتائیں ہیں۔

لفظ "متاع" کا مطلب:

"متاع" جس کی جمع "اَمْتِعَة" اور جمع الجمع "اَمَاتِعُ واَمَا تِیع" آتی ہے کا مطلب ہے:" ہر وہ چیز جس سے تھوڑا فائدہ اٹھایا جائے، اور پھر فنا ہوجائے، اسی لئے کہا جاتا ہے:"**إنَّما الحیوٰةُ الدُّنیا متاع**" یعنی دنیا کی زندگی ایک عارضی فائدے کی چیز (متاع) ہے۔

مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول نقل کرتے ہیں" **وِلِلْمُطَلَّقَاتِ متاعٌ بِالمَعرُوفِ حقًّا علَی الْمُتقِیْن**" (سورۂ بقرہ:۲۴۱)، مطلقہ عورتوں کو متعہ یعنی فائدہ پہنچانا اس سے پہلی آیات میں بھی آچکا ہے مگر وہ صرف دو قسم کی مطلقات کے لئے تھا، جن کو صحبت وخلوت سے پہلے طلاق ہوگئی ہو، ایک کو فائدہ پہنچانا یہ تھا کہ جوڑا دیا جائے، دوسری کو فائدہ پہنچانا یہ تھا کہ آدھا مہر دیا جائے۔

اب وہ طلاق والیاں رہ گئیں جن کو صحبت یا خلوت کے بعد طلاق دی جاوے، سو ان میں جس کا مہر مقرر کیا گیا ہو اس کو فائدہ پہنچانا یہ ہے کہ پورا مہر دینا چاہئے، اور جس کا مہر مقرر نہ کیا جاوے اس کے لئے بعد دخول کے مہر مثل واجب ہے، یہ متاع بمعنی

مطلق فائدہ پہنچانا، اس تفصیل سے تو واجب ہے، اور اگر متاع سے مراد فائدہ خاص یعنی تحفہ یا جوڑا دینا ہی لیا جائے تو ایک مطلقہ کو دینا واجب ہے، جس کا ذکر ماقبل میں آچکا ہے اور باقی سب اقسام میں مستحب اور اگر متاع سے مراد نفقہ لیا جاوے تو جس طلاق میں عدت ہے اس میں عدت گذرنے تک واجب ہے، خواہ طلاق رجعی ہو یا بائن، غرض آیت اپنے الفاظ عامہ سے سب صورتوں کو شامل ہے اور قاعدہ سے مراد یہی تفصیل ہوجائے گی اور ہر صورت کے وجوب اور استحباب کا فرق دوسرے دلائل سے ثابت کیا جائے گا اور حقًّا کو واجب کے معنی میں نہ لیں گے اور ''علی'' الزام کے لئے نہ ہوگا بلکہ محض تاکید کے لئے ہوگا، گو درجۂ استحباب ہی صحیح (معارف القرآن: ۱/۵۳۶، ط: ربانی بک ڈپو، دہلی)۔

جہاں تک متعہ کی مقدار کا تعلق ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک متاع کا مصداق تین کپڑے ہیں، کرتا، دُوپٹہ ایک بڑی چادر، اگر مالدار ہو تو اپنی وسعت کے مطابق قیمتی کپڑا دے اور اگر مالدار نہ ہو تو اپنی حیثیت کے مطابق دیدے، جو نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہو اور پانچ درہم سے کم نہ ہو، علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ متاع میں تین کپڑے دینا حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، سعید ابن المسیب، حضرت عطاء اور امام شعبی سے بھی منقول ہے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی متاع اکثر مطلقات کے لئے واجب ہے، مگر ان کے نزدیک متاع سے مراد دو کپڑے ہیں جس میں نماز پڑھنی جائز اور درست ہو، لمبا کرتا اور ایک ڈوپٹہ۔

''**قال ابن همام وهذا التقدير مروى عن عائشة وابن عباس وسعيد بن المسيب وعطاء والشعبى وقال البغوى روى عن ابن عباس اعلاها خادم واوسطها ثلاثة أثواب درع وخمار وازارودون ذلک وقاية أو شيئ من الورق، وقال الشافعى فى أصح قوليه واحمد فى رواية: أنه مفوّض إلى اجتهاد الحاكم، وعن الشافعى أنه مقدر بما يقع عليه اسم المال قل وجل والمستحب عنده أن لا ينقص عن ثلاثين درهما . وفى رواية عن احمد: أنها مقدرة بكسوة يجوز فيها صلاتها، وذلک ثوبان درع وخمار**''(تفسیر مظہری: ۱/۳۰۷، ط: ندوۃ المصنفین، دہلی)۔

نیز فقہاء کرام نے فرمایا کہ متعہ کی مقدار کم از کم پانچ درہم ہے یعنی ایک مفلس مسلمان پر ادنی متعہ پانچ درہم واجب ہے اور متعہ بصورت ایک جوڑی کپڑا ہوگا، جس کا ثبوت روایات سے ملتا ہے، فقہ کی مشہور کتاب ''درمختار'' میں ہے: ''**وهى درع وخِمارٌ ومُلحفة .... وتعتبر المتعة بحالهما كالنفقة**'' (الدرالمختار: ۴/۲۴۵، ط: زکریا، دیوبند)۔

اور متعہ ایک کرتہ، ایک ڈوپٹہ (اوڑھنا)، ایک ازار ہے، مالدار کے لئے بڑھیا جوڑا واجب ہے، اپنی اپنی بساط کے مطابق، البتہ خواہ کوئی کتنا ہی مالدار ہو اس پر اس قدر قیمتی جوڑا واجب نہیں جو اس عورت کے آدھے مہر مثل سے زائد ہو، کیونکہ عورت کا حق آدھے مہر کا ہے؛ لیکن مہر مقرر نہیں ہے اور مہر مثل کے آدھے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس آدھے مہر کے بدلہ میں یہ متعہ ہے، اس لئے عورت کو اس کے حق سے زیادہ دینا شوہر پر واجب نہیں کیا گیا۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں: ”**وظاهر كلامهم ملاحظة الأمرين أى أنها لاتزاد على نصف مهر المثل ولا تنقصر عن خمسة دراهم مُعتبرة على جميع الأقوال كما هو صريح الأصل والمبسوط .**“ یعنی فقہاء کرام کے تمام اقوال، بموجب ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ متعہ میں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا معتبر ہے کہ متعہ آدھ مہر مثل سے زائد نہ ہو اور پانچ درہم سے کم نہ ہو (شامی: ج ر ۴، ص: ۲۴۵، ط: زکریا، دیوبند)۔

لیکن کسی حاکم کو یہ حق نہیں اگر چہ وہ حاکم مسلم ہو، عدالت اسلامی ہو کہ جس مطلقہ کے لئے یہ متعہ واجب ہے اس مطلقہ کے لئے اس کے نصف مہر مثل سے بھی زیادہ متعہ شوہر پر واجب کردے، اگر چہ شوہر مالدار ہو۔

چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: اگر متعہ اور نصف مہر مثل کی مقدار برابر ہے تو متعہ دینا واجب ہے، کیونکہ متعہ ہی از روئے کتاب اللہ ایک فریضہ ہے، اگر نصف مہر مثل کم ہے تو جو کم ہے وہ واجب ہوگا، اگر چہ شوہر غنی ہو، البتہ پانچ درہم سے بھی نصف مہر مثل کم ہو تو پانچ درہم کی مقدار پوری کی جائے گی (جو اقل مہر شرعی کی مقدار ہے)

حضرت تھانویؒ نے متعہ کی تفسیر ایک جوڑے کپڑے سے کی ہے، جو شوہر کی حیثیت کے مطابق ہوگا، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ نے آیت سورۂ احزاب میں ”**فَمَتِّعُوهُنّ وَسَرِّحُوهُنّ سَرَاحًا جَمِيلاً**“ (سورۂ احزاب: ۴۹) کا ترجمہ کیا ہے، سو ان کو کچھ فائدہ دو اور رخصت کرو بھلی طرح سے، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ فوائد میں تحریر فرماتے ہیں عرف اور حیثیت کے مطابق ایک جوڑا پوشاک دیکر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردو (معارف القرآن: ۷/ ۱۷۹، ط: ربانی بک ڈپو، دہلی)۔

متاع کی لغوی توضیحات اور حضرات مفسرین کی تفسیری تشریحات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ متاع سے مراد مطلقہ کو رخصت کرتے ہوئے اس کی دلداری اور دلجوئی کیلئے حسب حیثیت پوشاک، جوڑا یا کچھ نقد یا کوئی اور ضرورت کا سامان دے دینا ہے۔

نیز حضور اقدس ﷺ کا قولی ارشاد قرآن کریم کی قولی تفسیر ہے اور حضور اقدس ﷺ کا عملی ارشاد قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے، حضور اقدس ﷺ نے متاع کی تفسیر خود اپنے عمل سے فرمادی ہے، اس لئے اسی عملی تفسیر کو متاع کا مصداق سمجھنا چاہئے۔

بخاری شریف: جلد ثانی، کتاب الطلاق، ص: ۷۹۰ میں روایت موجود ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اُمیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا، جب آپ امیمہ کے قریب تشریف لے گئے تو امیمہ کی زبان سے یہ جملہ نکلا ”**اَعُوذُ بِاللهِ مِنك**“، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”**لقد عُذْتِ بِعَظِيمٍ**“، تو نے بڑے کی پناہ پکڑی، پھر آپ ﷺ نے امیمہ کو ”**الحقى بِاهْلِكِ**“ کہہ کہ طلاق دے دی۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ متاع کی آیت جو سورۂ احزاب میں ہے اسی موقعہ پر نازل ہوئی ہے، اور اللہ نے آپ ﷺ کو متاع دینے کا حکم فرمایا، لیکن خطاب ایمان والوں کو فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ یہ حکم پیغمبر کے ساتھ خاص نہیں ہے؛

بلکہ تمام مسلمانوں پر یہی حکم ہے، پھر اسی آیت پر عمل کرتے ہوئے حضور اقدس ﷺ نے ایک جوڑا دے کر رخصت فرمایا، لہذا حضور ﷺ کے عمل سے متاع کی تفسیر سامنے آگئی کہ طلاق کے بعد مطلقہ کو رخصت کرتے ہوئے دلجوئی کے جوڑے پر متاع کا اطلاق ہوتا ہے، کوئی عارف ہو یا غیر عارف ہر ایک کو سمجھ لینا چاہئے کہ حضور ﷺ کی اس عملی تفسیر کے بعد لفظ متاع میں کھینچا تانی کرنا اور اپنی رائے سے کوئی اور معنیٰ پہنانا درست نہیں ہوگا۔

حضرات غور فرمایئے، ان مطلقہ عورتوں کے لئے جن کے لئے شریعت میں متعہ واجب ہی نہیں ہے ان کیلئے کوئی حاکم بڑی مقدار واجب کرنا چاہے تو اسلامی قانون میں اس کی گنجائش کہاں ہے؟ اور اس کا یہ فیصلہ اسلامی قانون کے موافق کیسے ہوسکتا ہے؟

۱۱- ان جملہ اقوال وتشریحات سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ متاع کا مفہوم دراہم یا دنانیر نقد رقم بالکل نہیں ہے، بلکہ وہ چیزیں مراد ہیں جو روزمرّہ کے استعمال کی ہیں اور حضرت حسنؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے بارہ میں جو نقد رقم دینے کا تذکرہ ہے وہ حکم شرعی نہیں ہے بلکہ تبرع اور احسان ہے اور تبرعات میں انسان مختار ہوتا ہے، اسے نہ لازم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اُسے حکم وجوبی مان کر قانونی شکل دی جاسکتی ہے، لہذا نکاح کے وقت اور نکاح نامہ میں آدمی کو اس کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔

☆☆☆

تعزیر مالی کا شرعی حکم اور بعض متعلقہ مسائل

مولانا اختر امام عادل قاسمی☆

اسلام میں انسداد جرائم کے لئے حدود و تعزیرات کا نظام ہے، مخصوص جرائم پر جو مقررہ سزائیں ہیں، ان کو حدود کہا جاتا ہے، مثلاً زنا کی سزا رجم یا حد مقرر ہے، قتل کی سزا قصاص یا دیت وغیرہ مقرر ہے۔

تعزیرات– مفہوم اور حدود:

اور جن جرائم کی سزائیں شریعت نے مقرر نہیں کی ہیں، بلکہ ان کو حکام کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، اور حکام جرم کی نوعیت، مقام اور مجرم کے حالات کے لحاظ سے سزائیں تجویز کرتے ہیں، ان کو تعزیرات کہتے ہیں، دیکھئے فقہاء کی عبارات:

”التعزیر هو عقوبة غیر مقدرة شرعاً، تجب فی کل معصیة لیس فیها حد ولا کفارة “(المبسوط للسرخسی ۹/۵۹، طبع دار احیاء التراث العربی، فتح القدیر ۹/۱۱۹، طبع میمنیہ بیروت، قلیوبی علی شرح المنہاج ۴/۳۰۵، اعلام الموقعین ۲/۱۱۸ طبع دار الجیل، بیروت، زاد المحتاج بشرح المنہاج ۴/۲۶۵، طبع المکتبۃ العصریہ، بیروت، کشاف القناع ۴/۲۷ طبع مطبعہ الشرقیہ قاہرہ، الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۲۲۴ مطبعہ السعادہ)۔

”یَخْتَلِفُ ذلک بِاخْتِلَافِ الْأَشْخَاصِ، فَلَا مَعْنَی لِتَقْدِیرِهِ مع حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِدُونِهِ، فَیَکُونُ مُفَوَّضًا إلَی رَأْیِ الْقَاضِي یُقِیمُهُ بِقَدْرِ ما یَرَی الْمَصْلَحَةَ فیه علی ما بَیَّنَّا تَفَاصِیلَهُ وَعَلَیْهِ مَشَایِخُنَا“(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۳/۲۱۰ باب الخلع فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی، ناشر دار الکتب الاسلامی، قاہرہ)۔

”قال ابن شاس: الجنایات الموجبات للحد سبعة وما عدا هذه الجنایات ومقدماتها، فیوجب التعزیر، وهو موکول إلی اجتهاد الإمام “(التاج والاکلیل لمختصر خلیل ۶/۳۱۹، محمد بن یوسف بن ابی القاسم العبدری ابوعبداللہ، ناشر دار الفکر، بیروت)۔

”والتعزیر لا یختص بالسوط والید والحبس، وإنما ذلک موکول إلی إجتهاد الحاکم “(تبصرة الحکام ۲/۲۰۱)۔

☆ بانی و مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف بہار۔

تعزیرات کی دو قسمیں ہیں:

۱-تعزیرات جسمانی: جن میں جسم کے کسی حصہ کو تکلیف پہونچائی جائے، ان کے جواز میں علماء اسلام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۲-دوسری قسم ہے تعزیرات مالی، یعنی مجرم کو مالی اعتبار سے زیر بار کیا جائے، اس کی بھی تین شکلیں ہیں:

۱-جس مال یا مقام سے جرم کا تعلق ہو اس کو ضبط یا ضائع کر دیا جائے، مثلاً خراب دودھ یا تیل کو ضبط یا تلف کر دینا، شراب خانہ یا قمار خانہ کو تباہ کر دیا جانا، بت، موسیقی اور آلات لہو، شراب کے برتن اور مشکیزے توڑ دینا، زندیقوں اور ملحدوں کی کتابیں، مخرب الاخلاق فلمیں، تصاویر اور مجسمے ضائع کر دینا وغیرہ۔

اس صورت کے جواز میں بھی فقہاء مختلف الرائے نہیں ہیں، حنفیہ کے یہاں مفتیٰ بہ قول کے مطابق آلات فساد کو توڑ دینا موجب ضمان نہیں ہے:

”وَعَلَه هذا الِاخْتِلَافِ بَيْعُ النَّرْدِ وَالشِّطْرَنْجِ وَعَلى هذا الِاخْتِلَافِ الضَّمَانُ على من أَتْلَفَهَا فَعِنْدَهُ يَضْمَنُ وَعِنْدَهُمَا لَا كَذَا في الْبَدَائِعِ وَلَكِنَّ الْفَتْوَى في الضَّمَانِ على وقولهما ((قولهما))) كما سَيَأْتِي في الْغَصْبِ وَمَحَلُّهُ ما إذَا كَسَرَهَا غَيْرُ الْقَاضِي وَالْمُحْتَسِبِ أَمَّا هُمَا فَلَا ضَمَانَ اتِّفَاقًا “(البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۶/۲۷، زین الدین ابن نجیم، ناشر دار المعرفہ مکان النشر بیروت)۔

شوافع کا بھی یہی خیال ہے:”وَالْأَصْنَامُ) وَالصُّلْبَانُ (وَآلَاتُ الْمَلَاهِي) ؟الطُّنْبُورِ (لَا يَجِبُ فِي إبْطَالِهَا شَيْءٌ)؛ لِأَنَّ مَنْفَعَتَهَا مُحَرَّمَةٌ لَا تُقَابَلُ بِشَيْءٍ، وَقَضِيَّةُ التَّعْلِيلِ كَمَا قَالَ الْإِسْنَوِيُّ: إنَّ مَا جَازَ مِنْ آلَاتِ اللَّهْوِ كَالدُّفِّ يَجِبُ الْأَرْشُ عَلَى كَاسِرِهِ وَفِي أَوَانِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِلَافٌ مَبْنِيٌّ عَلى حِلِّ الِاتِّخَاذِ، (وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا لَا تُكْسَرُ الْكَسْرَ الْفَاحِشَ)، لِإِمْكَانِ إزَالَةِ الْهَيْئَةِ الْمُحَرَّمَةِ مَعَ بَقَاءِ بَعْضِ الْمَالِيَّةِ.نَعَمْ لِلْإِمَامِ ذَلِکَ زَجْرًا وَتَأْدِيبًا عَلَى مَا قَالَهُ الْغَزَالِيُّ فِي إنَاءِ الْخَمْرِ بَلْ أَوْلَى“(مغنی المحتاج الی معرفۃ الالفاظ المنہاج ۹/۱۴۸، المؤلف: محمد بن احمد الخطیب الشربینی)۔

حنابلہ بھی اسی پر فتویٰ دے رہے ہیں:”فهذه الآلات إذا ثبت تحريمها؛ فإنها لا حرمة لها، فإذا أتلفت فإنه لا ضمان على متلفها إذا أتلف ما يكون به الغناء“ (شرح زاد المستقنع ۷/۲۳۳، مولف: محمد بن محمد المختار الشنقیطی)۔

۲-دوسری شکل یہ ہے کہ متعلقہ چیز کو ضائع کرنے کے بجائے شکل بدل دی جائے، مثلاً جعلی کرنسی توڑنا، اور تصاویر والے پردوں کو پھاڑ کر تکیے وغیرہ بنا لینا، اس کی بھی حسب موقعہ اجازت ہے۔

مالی تعزیرات کا حکم:

۳-تیسری شکل یہ ہے کہ جرم پر الگ سے کوئی مالی جرمانہ عائد کیا جائے، تاکہ مالی دباؤ سے مجبور ہو کر مجرم اپنے جرم سے

باز رہے، اور شاید توفیق توبہ بھی نصیب ہو، اس صورت کا جواز ائمہ مجتہدین کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے، اکثر فقہاء کی رائے عدم جواز کی ہے:

حنفیہ-اختلاف آراء:

حنفیہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ جائز نہیں ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کی رائے یہی ہے، اور مذہب میں اسی کو قول مفتیٰ بہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کی تشریح:

البتہ حضرت امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر حاکم مصلحت محسوس کرے تو اس کی گنجائش ہے، مگر اس قول کو مذہب میں ضعیف اور غیر مفتیٰ بہ قرار دیا گیا ہے۔

☆ نیز امام ابو یوسف کے قول کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ حاکم مال لے کر اپنے پاس محفوظ رکھے گا، یہ نہیں کہ وہ سرکاری بیت المال میں جمع کرے گا، اور اس کو استعمال کرے گا، بلکہ وہ مال صاحب مال کی ملک میں باقی رہے گا، صرف سزا کے طور پر اس کو ضبط کیا جائے گا تا آنکہ مجرم اپنی غلطی پر نادم ہو، اور جرم سے کنارہ کش ہوجائے، جب حاکم کو یقین آجائے کہ مجرم نے سلامتی کا راستہ اختیار کرلیا ہے تو اس کا مال واپس کرنا واجب ہوگا، البتہ یہاں اس شق کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر مجرم اس کے باوجود اپنے جرم سے باز نہ آئے، تو وہ مال قابل واپسی نہیں ہوگا، بلکہ سرکاری خزانہ میں جمع ہوکر عام مفادات میں استعمال کیا جائے گا۔

"ولم يذكر محمد التعزير بأخذ المال، وقد قيل: روي عن أبي يوسف أن التعزير من السلطان بأخذ المال جائز كذا في الظهيرية، وفي الخلاصة سمعت، عن ثقة: أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلک أو الوالى جاز ومن جملة ذلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال اه وأفاد في البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شيء من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ اه والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال" (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۵/ ۴۴، ناشر دار المعرفة مکان النشر بیروت)۔

"مطلب في التعزير بأخذ المال قوله(لا بأخذ مال في المذهب) قال في الفتح وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز اه ومثله في المعراج وظاهره أن ذلک رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه اه ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان قوله(وفيه الخ) أي في البحر حيث قال وأفاد في البزازية

أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شيء من ماله عنه مدة لیترجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ ورأى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى، وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ اه والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال"(حاشیہ ردالمحتارعلی الدرالمختارشرح تنویرالابصارفقہ ابوحنیفہ ۴/ ۶۲،طبع بیروت)۔

"وبقي التعزير بالشتم وأخذ المال، فأما التعزير بالشتم فهو مشروع بعد أن لا يكون قذفا كما في البحر عن المجتبى، وأما بالمال فصفته أن يحبسه عن صاحبه مدة لينزجر، ثم يعيده إليه كما في البحر عن البزازية اه، ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه" (دررالحکام شرح غررالاحکام لماخسرو ۲/ ۷۵طبع داراحیاءالکتب العربیہ)۔

تعزیر بالمال اورتعزیر باخذ المال کامفہوم:

حضرت امام ابویوسف کے اس قول کی تشریح کی روشنی میں تعزیر بالمال اورتعزیر باخذ المال کاالگ الگ مفہوم سامنے آتاہے،تعزیر بالمال کا مطلب یہ ہے کہ کسی جرم کی سزاکے طور پر مالی جرمانہ وصول کیاجائے اوروہ صاحب حق کے حوالے کیاجائے،یہ مالک کوقابل واپسی نہیں ہوتا۔

اورتعزیر باخذ المال کا مطلب یہ ہوگا کہ مجرم کامال ضبط کرکے حاکم اپنے قبضے میں رکھ لے،اوراس وقت تک اس کوواپس نہ کرے جب تک کہ توبہ نہ کرلے اورجرم سے باز نہ آجائے،توبہ کے بعد یہ مال قابل واپسی ہوگا،اورحاکم کے قبضے میں آجانے کے باوجوداس مال پر مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی،البتہ اگرمجرم اپنے جرم سے توبہ نہ کرے تواس صورت میں فقہاء نے حاکم کواختیاردیاہے کہ اس مال کوواپس نہ کرے بلکہ عام انسانی مفادات میں خرچ کردے۔

لیکن اس طرح مال اورنتیجہ کےلحاظ سےتعزیر بالمال اورتعزیر باخذ المال میں کوئی فرق نہیں رہا،سوائے اس صورت کے کہ جب مجرم کوتوبہ کی توفیق میسر ہوجائے،مگروہ صورت نادربھی ہےاورانتظارطلب بھی،نیز مال کی واپسی میں حکام کی بےاعتدالیوں کابھی اندیشہ ہے۔

اسی لئے بعدکےجن فقہاءنےتعزیرات مالی کےمسئلے میں طرفین کے بجائے حضرت امام ابویوسفؒ کےقول کوترجیح دی ہے ان کے یہاں قابل استرداداورناقابل استردادکی تفصیل نہیں ملتی،ان حضرات نےعلی الاطلاق امام ابویوسفؒ کےقول کی بنیادپرتعزیر بالمال کی اجازت دی ہے،اس کامطلب ہے کہ ان کے ذہنوں میں تعزیر بالمال اورتعزیر باخذ المال کا مجوزہ فرق نہیں ہے،اوروہ قول امام ابویوسفؒ کوتعزیر بالمال ہی کےمعنی میں لیتے ہیں۔

علاوہ ہماری کتابوں کی فقہی تعبیرات نیز دوسرے مسالک کی کتب فقہیہ میں بھی تعزیر بالمال اورتعزیر باخذ المال کومترادف

اور ہم معنیٰ ہی استعمال کیا گیا ہے، کہیں وہ تفصیل نہیں ملتی جو ہمارے بعض مصنفین نے امام ابو یوسف کی قول کی توجیہ وتشریح کے ضمن میں پیش فرمائی ہے۔

مالی تعزیر کے جواز کی رائے:

ممتاز حنفی فقیہ علامہ علی ابن خلیل طرابلسی نے اپنی مشہور کتاب معین الحکام میں امام ابو یوسفؒ کے قول کی بنیاد پر تعزیر مالی کو جائز قرار دیا ہے، اور عام کتابوں میں جو تعزیز مالی کے نسخ کی بات لکھی گئی ہے، اس کو مسترد کر دیا ہے:

”**یجوز التعزیر بأخذ المال وهو مذهب أبي یوسف وبه قال مالک، ومن قال: إن العقوبة المالیة منسوخة فقد غلط علی مذاهب الأئمة نقدا واستدلالا ولیس بسهل دعوی نسخها**“ (معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الأحکام ۲/۴۴۹)۔

مالکیہ-اصل مذہب :

تعزیرات مالیہ کے سلسلے میں حنفیہ کی طرح مالکیہ کا اصل مذہب بھی یہی ہے کہ نا جائز ہے، علامہ صاویؒ اور دسوقی وغیرہ نے یہی نقل کیا ہے:

”**وأما التعزیربأخذ المال فلا یجوز إجماعا وما روی عن الإمام أبی یوسف صاحب أبی حنیفة من جواز التعزیر للسلطان بأخذ المال، فمعناه کما قال البرادغی من أئمة الحنفیة أن یمسک المال عنه مدة لیترجر، ثم یعیده إلیه، لا أنه یأخذ لنفسه أو لبیت المال کما یتوهمه الظلمة، إذ لایجوز أخذ مال بغیر سبب شرعی وفي نظم العملیات:(ولم تجز عقوبة بالمال أو فیه عن قول من الأقوال**“(بلغة السالک لأقرب المسالک ۴/۲۶۸)۔

”**ولا یجوز التعزیر بأخذ المال إجماعا وما روي عن الإمام أبي یوسف صاحب أبي حنیفة من أنه جوز للسلطان التعزیر بأخذ المال فمعناه کما قال البزازي من أئمة الحنفیة أن یمسک المال عنه مدة لیترنجر(لیترجر)ثم یعیده إلیه لا أنه یأخذه لنفسه أو لبیت المال کما یتوهمه الظلمة، إذ لا یجوز أخذ مال مسلم بغیر سبب شرعي أي کشراء أو هبة**“(حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/۲۶۸)۔

☆**قال الدسوقي المالکي في حاشیته:”(قوله: وتصدق بما غش) أي جوازا لا وجوبا خلافا لعبق لما یذکره المصنف آخرا من قوله، ولو کثر فإن هذا قول مالک والتصدق عنده جائز لا واجب وما ذکره المصنف من التصدق هو المشهور وقیل: یراق اللبن ونحوه من المائعات وتحرق الملاحف والثیاب الردیئة النسج قاله ابن العطار وأفتی به ابن عتاب وقیل: إنها تقطع خرقا خرقا وتعطی للمساکین وقیل: لا یحل الأدب بمال امرء مسلم، فلا یتصدق به علیه ولا یراق اللبن، ونحوه، ولا تحرق الثیاب ولا تقطع الثیاب**

ويتصدق بها، وإنما يؤدب الغاش بالضرب حكه هذه الأقوال ابن سهل، قال ابن ناجي: واعلم أن هذا الخلاف إنما هو في نفس المغشوش هل يجوز الأدب فيه أم لا، وأما لو زنى رجل مثلا فلا قائل فيما علمت أنه يؤدب بالمال، وإنما يؤدب بالحد وما يفعله الولاة من أخذ المالفلا شک في عدم جوازه، وقال الونشريسي: أما العقوبة بالمال فقد نص العلماء على أنها لا تجوز وفتوى البرزلي بتحليل المغرم لم يزل الشيوخ يعدونها من الخطأ "(الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۳/۴۶ طبع دار الفکر)۔

بعض مالکیہ کے یہاں جواز کی رائے:

لیکن مشہور مالکی فقیہ علامہ ابن فرحون نے مالکیہ کا مسلک جواز کا نقل کیا ہے اور تعزیر مالی کی کئی مثالیں بھی پیش کی ہیں جو خود حضرت امام مالکؒ سے منقول ہیں، مثلاً امام مالکؒ نے فتویٰ دیا کہ ملاوٹ والے دودھ یا مشک کو صدقہ کردیا جائیگا، تاکہ ملاوٹ کرنے والے کو سبق ملے، یا کوئی بدکردار شخص اپنے پڑوسیوں کو تنگ کرے تو اس کا مکان فروخت کردیا جائے گا، اور دوسری جگہ منتقل ہونے کا حکم دیا جائے گا، یہ مالی اور جسمانی دونوں لحاظ سے سزا ہے، وغیرہ۔

"وَالتَّعْزِيرُ بِالْمَالِ: قَالَ بِهِ الْمَالِكِيَّةُ فِيهِ، وَلَهُمْ تَفْصِيلٌ ذَكَرْتُ مِنْهُ فِي كِتَابِ الْحِسْبَةِ طَرَفًا، فَمِنْ ذَلِكَ سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ اللَّبَنِ الْمَغْشُوشِ أَيُهْرَاقُ؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنْ أَرَى أَنْ يُتَصَدَّقَ بِهِ إِذَا كَانَ هُوَ الَّذِي غَشَّهُ.وَقَالَ فِي الزَّعْفَرَانِ وَالْمِسْكِ الْمَغْشُوشِ مِثْلَ ذَلِكَ قَلِيلًا أَوْ كَثِيرًا، وَخَالَفَهُ ابْنُ الْقَاسِمِ فِي الْكَثِيرِ.وَقَالَ يُبَاعُ الْمِسْكُ وَالزَّعْفَرَانُ عَلَى مَنْ لَا يُغَشُّ بِهِ وَيُتَصَدَّقُ بِالثَّمَنِ أَدَبًا لِلْغَاشِّ"

" مَسْأَلَةٌ: وَالْفَاسِقُ إِذَا آذَى جَارَهُ وَلَمْ يَنْتَهِ، تُبَاعُ عَلَيْهِ دَارُهُ وهُوَ عُقُوبَةٌ فِي الْمَالِ وَالْبَدَنِ.مَسْأَلَةٌ: وَمَنْ مَثَّلَ بِأَمَتِهِ عَتَقَتْ عَلَيْهِ وَذَلِكَ عُقُوبَةٌ بِالْمَالِ"۔(تبصرۃ الحکام فی أصول الأقضیۃ ومناہج الأحکام ۲۴۷/۵)۔

بعض علماء نے اسی کو مالکیہ کا قول مشہور قرار دیا ہے، جیسا کہ فتاویٰ ابن تیمیہ اور موسوعہ فقہیہ (کویت) سے ظاہر ہوتا ہے، ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"ومذهب مالک وأحمد وغيرهما: أن العقوبات المالية كالبدنية، تنقسم إلى ما يوافق الشرع وإلى ما يخالفه، وليست العقوبة المالية منسوخة عندهما "(الحسبۃ لابن تیمیہ ص ۷۵)۔

"موسوعہ" کی عبارت ہے:

"أمافي مذهب مالک في المشهور عنه، فقد قال ابن فرحون: التعزير بأخذ المال قال به المالكية"(الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۲۷۰/۱۲)۔

شافعیہ-اختلاف اقوال:

تعزیر بالمال کے سلسلہ میں امام شافعیؒ سے دو قول منقول ہیں، ایک قول عدم جواز کا ہے اور یہ امام شافعیؒ کا قول جدید ہے،

دوسرا قول جواز کا ہے اور یہ ان کا قول قدیم ہے، الموسوعۃ الفقہیۃ میں علامہ شبراملسی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے:

"وقال الشبراملسي: ولا يجوز على الجديد بأخذ المال .يعني لا يجوز التعزير بأخذ المال في مذهب الشافعي الجديد، وفي المذهب القديم: يجوز "(موسوعہ فقہیہ کویت ۱۲/ ۲۷۰)۔

"وَلَا يَجُوزُ عَلَى الْجَدِيدِ بِأَخْذِ الْمَالِ "(حاشیہ قلیوبی وعمیرہ ۱۵/ ۳۰۴)۔

"کتاب الأم" میں ہے:"قال الإمام الشافعيؒ: "لا يعاقب رجل في ماله، وإنما يعاقب في بدنه، وإنما جعل الله الحدود على الأبدان، وكذلك العقوبات، فأما على الأموال فلا عقوبة عليها"(الأم للشافعی ۴/ ۲۶۵ طبع دار المعرفہ)۔

علامہ نوویؒ تحریر فرماتے ہیں:"هذا مذهبه الجديد و هو المفتى به .وهذا في غير أخذ سلب من اصطاد في حرم المدينة؛ لأن المفتى به فيه مذهبه القديم.قال النوويؒ:"ولا بأس بتسويد وجهه والمناداة عليه ويحرم حلق لحيته وأخذ ماله"(المجموع شرح المہذب ۲۰/ ۱۲۵ دار الفکر)۔

حنابلہ-اختلاف آراء:

حنابلہ کے نزدیک تعزیز بالمال قطعی جائز نہیں، اس لئے کہ شریعت میں اس کا دور دور تک ثبوت نہیں ہے، نیز اصل واجب تادیب اور تنبیہ ہے اور اتلاف سے یہ مقصد پورا نہیں ہوتا، مذہب حنبلی کی تمام کتابوں میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ موجود ہے:

"والتعزير يكون بالضرب والحبس والتوبيخ؟ ولا يجوز قطع شيء منه ولا جرحه ولا أخذ ماله؛ لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلك عن أحد يقتدى به؛ ولأن الواجب أدب والتأديب لا يكون بالاتلاف " (المغنی فی فقہ الإمام احمد بن حنبل الشیبانی ۱۰/ ۳۲۴، کشاف القناع عن متن الإقناع ۲۰/ ۴۸۹)۔

علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ کی رائے:

لیکن دبستان حنبلی کے دو نامور فقیہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے، بلکہ ان لوگوں کی تغلیط کی ہے جو علی الاطلاق عدم جواز کی نسبت امام احمد بن حنبلؒ یا امام مالک کی طرف کرتے ہیں، علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک علی الاطلاق مالی سزاؤں کو ناجائز کہنا درست نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کا عمل تعزیر بالمال پر رہا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا جواز منسوخ نہیں ہوا ہے۔

"ومن قال:إن العقوبات المالية منسوخة، وأطلق ذلك عن أصحاب مالك وأحمد، فقد غلط على مذهبهما، ومن قال مطلقاً من أى مذهب كان، فقد قال قولاً بلا دليل، ولم يجئ عن النبى ﷺ شئ قط يقتضى أنه حرام جميع العقوبات المالية؛ بل أخذ الخلفاء الراشدين وأكابر أصحابه بذلك بعد موته دليل على أن ذلك محكم غير منسوخ"(فتاوی ابن تیمیہ ۲۸/ ۱۱۱)۔

’’وادعى قوم أن العقوبات المالية منسوخة ولا حجة معهم في ذلک أصلا، كما أن البدن إذا قام بالفجور أقيم عليه الحد، وإن كان قد يتلف بإقامة الحد كذلک الذي قام به صنعة الفجور مثل الصنم يجوز إتلافه وتحريقه كما حرق رسول الله ﷺ الأصنام وكذلک من صنع صنعة محرمة في طعام أو لباس أو نحو ذلک‘‘(مختصر الفتاوی المصریۃ لابن تیمیہ ۱/۳۴۱)۔

نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں:

علامہ ابن قیمؒ نے تو یہاں تک دعویٰ کر دیا ہے کہ تعزیز مالی کے نسخ پر کتاب وسنت اور اجماع امت سے کوئی دلیل موجود نہیں ہے، محض ایک خیال کو دلیل سمجھ لیا گیا ہے:

’’وهذه قضايا صحيحة معروفة وليس بسهل دعوى نسخها،ومن قال: إن العقوبات المالية منسوخة وأطلق ذلک فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا، فأكثر هذه المسائل سائغ في مذهب أحمد وغيره وكثير منها سائغ عند مالک وفعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته ﷺ مبطل أيضا لدعوى نسخها، والمدعون للنسخ ليس معهم كتاب ولا سنة ولا إجماع يصحح دعواهم، إلا أن يقول أحدهم مذهب أصحابنا عدم جوازها فمذهب أصحابه عيار على القبول والرد، وإذا ارتفع عن هذه الطبقة ادعى أنها منسوخة بالإجماع، وهذا غلط أيضا، فإن الأمة لم تجمع على نسخها، ومحال أن ينسخ الإجماع السنة، ولكن لو ثبت الإجماع لكان دليلا على نص ناسخ‘‘(الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ لابن قیم ۲۲/۱۹)۔

تنقیح وتجزیہ:

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر فقہاء عدم جواز کی طرف گئے ہیں۔

☆ دراصل ان ائمہ کے ذہن میں یہ ہے کہ مالی جرمانہ مسئلہ کا حل نہیں ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ مجرم کے پاس مال ہی نہ ہوتو وہ مالی جرمانہ کہاں سے ادا کرے گا، اور اگر مجرم بہت زیادہ مالدار ہوا تو جرمانہ ادا کرنا اس کے لئے کچھ مشکل نہ ہوگا، لیکن اس سے اس کے آئندہ جرم پر قابو پانا ضروری نہیں، اس لئے کہ جرمانہ دینے کے بعد مجرم میں احساس ندامت کے بجائے اکثر اپنے بچ جانے کا احساس فتح پیدا ہوتا ہے، اور جرم کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے، مالی جرمانہ زیادہ سے زیادہ متوسط درجہ (مڈل کلاس) کے لوگوں کیلئے مفید ہوسکتا ہے، جو جرمانہ کی ادائیگی کے بعد مالی دباؤ محسوس کریں اور آئندہ جرم کے ارتکاب کی جرأت نہ کریں۔

☆ دوسری خرابی یہ ہے کہ مالی جرمانہ عائد کرنے کی صورت میں کبھی بدکردار اور ظالم افسروں کیلئے ظلم اور ناجائز لوٹ کھسوٹ کا دروازہ کھل سکتا ہے، نیز معاشرہ میں رشوت کے جراثیم بھی جنم لے سکتے ہیں۔

قانون تعزیر کا مقصد یہ ہے کہ سزا ایسی ہو جو سب کے لئے قابل عمل ہو، اور آئندہ انسداد جرم کے حق میں بھی مفید ہو۔

☆ عدم جواز کے قائلین کی طرف سے یہ دلیل بھی پیش کی گئی ہے کہ کتاب وسنت میں مالی جرمانہ کے جواز پر کوئی دلیل

موجود نہیں ہے، اس لئے مالی جرمانہ وصول کرنا کسی کے مال کو بلا سبب شرعی ہڑپ کرنے کے مترادف ہوگا۔ قرآن وحدیث کی کئی نصوص میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

"ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقا من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون" (سورۂ بقرہ:۱۸۸)۔

"يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما" (سورۂ نساء:۲۹)۔

☆ارشادات نبویہ ﷺ ہیں:

"وقال النبي ﷺ: لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه" (مسند امام احمد ۳۴/۳۹۹، رقم:۲۰۶۹۵)۔

"عن عمرو بن يثربي، قال: شهدت رسول الله ﷺ في حجة الوداع بمنى فسمعته يقول: لا يحل لامرء من مال أخيه شئ إلا ما طابت به نفسه، فقلت حينئذ: يا رسول الله ﷺ أرأيت إن لقيت غنم ابن عم لي فأخذت منها شاة فاجتزرتها أعلى في ذلك شيء؟ قال: إن لقيتها نعجة تحمل شفرة وأزنادا فلا تمسها" (قال الزیلعی فی نصب الرایہ: اسنادہ جید) (سنن دارقطنی ۳/ ۲۳ ۴، طبع مؤسسۃ الرسالۃ مسند احمد بن حنبل:۲۰۶۹۵)۔

(حضرت عمرو بن یثربی ضمری سے مروی ہے کہ میں نبی ﷺ کے اس خطبے میں شریک تھا جو نبی ﷺ نے میدان منیٰ میں دیا تھا آپ نے منجملہ دیگر باتوں کے اس خطبے میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ اپنے دل کی خوشی سے اس کی اجازت نہ دے میں نے یہ سن کر بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ یہ بتائیے کہ اگر مجھے اپنے چچازاد بھائی کا ریوڑ ملے اور میں اس میں سے ایک بکری لے کر چلا جاؤں تو کیا اس میں مجھے گناہ ہوگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اگر تمہیں ایسی بھیڑ ملے جو چھری اور چقماق کا تحمل کر سکتی ہو تو اسے ہاتھ بھی نہ لگانا)۔

مگر ان روایات سے استدلال کمزور ہے اس لئے کہ ان میں اس مسلمان کا مال لینے سے منع کیا گیا ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہوا ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جا سکتی ہے اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جا سکتی ہے، اس لیے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے لیکن اس کی جان طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہٰذا جب کسی مسلمان نے جرم کیا اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جائے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔ تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے وہ جرم کے ارتکاب میں بطریق اولیٰ جائز ہو جانا چاہیے۔

☆ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ مالی جرمانہ کا جواز منسوخ ہو چکا ہے اور اس پر اجماع ہے:

"قال الطحاوی: فكانت العقوبات جارية فيما ذكر في هذه الآثار على ما ذكر فيها حتى نسخ ذلك بتحريم الربا فعاد الأمر إلى أن لا يؤخذ ممن أخذ شيئا إلا مثل ما اخذوإن العقوبات لا تجب في

الأموال بانتهاک الحرمات التي هي غير أموال، فحديث سلمة–عندنا–كان في الوقت الأول فكان الحكم على من زنى بجارية امرأته مستكرها لها، عليه أن تعتق عقوبة له فى فعله، ويغرم مثلها لا مرأته، وإن كانت طاوعته الزمها جارية زانية والزمه مكانها جارية طاهرة ولم تعتق هى بطواعيتها اياه، وفرق فى ذلک، بينما اذا كانت مطاوعة له، وبينما إذا كانت مستكرهة ثم نسخ ذلک فردت الأمور إلى أن لا يعاقب احد بانتهاک حرمة لم يأخذ فيها مالا بأن يغرم مالا، ووجبت عليه العقوبة التي أوجب الله على سائر الزناة، فثبت بما ذكرنا ماروى النعمان ونسخ ما روى سلمة بن المحبق"(شرح معانی الآ ثار ۱۴۶/۳ طبع عالم الکتب)۔

"قال البنانیؒ فی حاشيته: وهل يكون التعزير بأخذ المال في معصية لا تعلق لها بالمال أم لا الخ–يدل على قصوره ما ذكره ابن رشد في رسم مساجد القبائل من سماع ابن القاسم من كتاب الحدود في القذف ونصه مالک لا يرى العقوبات في الأموال، وإنما كان ذلک في أول الإسلام من ذلک ما روي عن النبیﷺ في مانع الزكاة أنها تؤخذ منه وشطر نكال وما روي عنه عليه الصلاة والسلام إن سلب من أخذ وهو يصيد فى الحرام لمن أخذه كان ذلک كله فى أول الإسلام وحكم به عمر بن الخطاب ثم انعقد الإجماع على أن ذلک لا يجب وعادت العقوبات على الجرائم فى الأبدان" (شرح الزرقانی علی مختصر الخلیل وحاشیۃ البنانی ۲۰۱/۸ طبع دارالکتب العلمیۃ)۔

☆قال ابن رشدؒ:"وقول ابن القاسم في أنه لا يتصدق من ذلک على الغاش إلا بالشيء اليسير أحسن من قول مالک؛ لأن الصدقة بذلک من العقوبات في الأموال،والعقوبات في الأموال أمر كان في أول الإسلام، من ذلک ما روي عن النبي – عَلَيْهِ السَّلَامُ – في مانع الزكاة: »إنما آخذها منه وشطر ماله غرمة من غرمات ربنا« وما روي عنه فيه »حريسة الجبل أن فيها غرامة مثليها وجلدات نكال« وما روي عنه من » أن من أخذ بصيد في حرم المدينة شيئا، فلمن أخذه سلبه، ومن مثل هذا كثير، ثم نسخ ذلک كله بالإجماع على أن ذلک لا يجب، وعادت العقوبات في الأبدان، فكان قول ابن القاسم أولى بالصواب استحسانا، والقياس أن لا يتصدق من ذلک بقليل ولا كثير، وبالله التوفيق"۔

مگر بہت سے علماء کو اس سے اتفاق نہیں ہے،اس لئے کہ خلفاء راشدین اورصحابہ کا تعامل اس تصورنسخ کے خلاف ہے جیسا کہ آگے آرہاہے۔

تعزیر مالی کے جواز کے دلائل:

تعزیر بالمال کے جواز کے قائلین گوکہ تعداد میں کم ہیں،لیکن ان کی دلیلوں میں بھی بڑا دم ہے،مثلاً:

☆کوئی ایسی صریح دلیل موجودنہیں ہے جس میں مالی سزاؤں کی ممانعت کی گئی ہو۔

☆ بلکہ متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض جرائم پر عہد نبوت میں بھی مالی سزائیں دی جاتی تھیں، مثلاً حضرت بہز بن حکیم کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نیارشاد فرمایا جو زکوٰۃ ادانہیں کرے گا اس سے زکوٰۃ کے علاوہ بھی وصول کیا جائے گا:

"عن بهز بن حكيم ، عن أبيه عن جده قال: سمعت نبي الله ﷺ يقول: في كل إبل سائمة، في كل أربعين ابنة لبون لا تفرق إبل عن حسابها من أعطاها مؤتجرا فله أجرها، ومن منعها فإنا آخذوها منه وشطر إبله عزمة من عزمات ربنا لا يحل لآل محمد منها شيء قال المحقق ارناؤوط إسناده حسن" (سنن ابی داؤد ۳/۲۶، مسند امام احمد بن حنبل ۳۳/۲۲۰، حدیث نمبر ۲۰۰۱۶)۔

☆ علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ اس موقف کے بہت مضبوط وکیل ہیں، ان دونوں نے مشترکہ طور پر عہد نبوت اور عہد خلفاء راشدین کے کئی واقعات سے مالی جرمانہ کے جواز پر استدلال کیا ہے، مثلاً:

☆ رسول اللہ ﷺ نے حرم مدینہ میں شکار کرنیوالے کا شکار ضبط کر لینے کی اجازت دی۔

☆ شراب کے مٹکے اور ظروف توڑ دینے کا حکم فرمایا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو زرد کپڑے جلا دینے کا حکم فرمایا۔

☆ خیبر کے دن ان ہانڈیوں کو توڑ دینے کا حکم فرمایا جن میں گھریلو گدھوں کے گوشت پکائے گئے تھے۔

☆ عہد نبوت میں آپ ﷺ کے حکم سے مسجد ضرار منہدم کی گئی۔

☆ مال غنیمت میں خیانت کرنیوالے کا مال نذر آتش کیا گیا۔

☆ درختوں کے پھل وغیرہ کی چوری کرنیوالے پر تاوان کی دگنی رقم مقرر کی گئی۔

☆ گم شدہ چیز چھپانیوالے پر مالی تاوان زائد عائد کیا گیا۔

☆ سونے کی انگوٹھی استعمال کرنیوالے کی انگوٹھی پھینک دی گئی۔

☆ حضور ﷺ نے مسجد کی نماز باجماعت چھوڑنے والوں کے مکانات بھی جلانے کا ارادہ فرمالیا تھا، لیکن پھر عورتوں اور بچوں کی وجہ سے ارادہ ترک فرمادیا۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو جلوا دیا تھا بنی اسرائیل جس کی عبادت کرنے لگے تھے۔

☆ حضرت عمر بن الخطابؓ نے وہ مکان اور حضرت علی نے وہ بستی نذر آتش کرادی تھی جہاں شراب کا کاروبار ہوتا تھا۔

☆ حضرت سعد بن وقاصؓ نے ایک محل (دارالامارت) تعمیر فرما کر دربان مقرر کیا تھا، امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے وہ محل نذر آتش فرمادیا، اس حکم کی تنفیذ حضرت محمد بن مسلمہ کے ذریعہ کرائی گئی۔

☆ جس دودھ میں ملاوٹ کی خبر ملتی حضرت عمر فاروقؓ اس کو زمین پر پھینکوا دیتے تھے۔

☆ حضرت عمر نیز کوٰۃ ادا نہ کرنیوالوں کا مال ضبط کر لینے کا فرمان جاری کیا تھا۔

☆ حضرت یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب سے روایت ہے کہ حاطب کے غلاموں نے مزینہ کے ایک آدمی کی اونٹنی چرا کر ذبح کر لی۔ یہ مقدمہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کثیر بن صلت کو حکم دیا کہ ان کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے خیال میں تم لوگ انہیں بھوکا رکھتے ہو۔ مزید غور وفکر کے بعد آپؓ نے فرمایا: خدا کی قسم میں تمہیں اتنا تاوان کر دوں گا کہ تم تنگی محسوس کرو گے۔ پھر مزنی سے فرمایا کہ تمہاری اونٹنی کی قیمت کیا ہوگی؟ مزنی نے کہا کہ خدا کی قسم میں چار سو درہم میں بھی بیچنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اسے آٹھ سو (۸۰۰) درہم دو۔

☆ حضرت سعد نے زیادتی کرنے والے غلام کو ضبط فرما لیا، اور اس کے مالکان کو واپس نہیں کیا:

عہد نبوت سے عہد صحابہ تک کے یہ تمام واقعات بلاشبہ مالی سزاؤں سے متعلق ہیں، اگر مالی سزا کا حکم منسوخ ہو چکا ہوتا تو خلفاء راشدین کو اس کی خبر کیوں نہیں تھی۔ اس سے اس دعوائے اجماع کی حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے جو بعض علماء کی جانب سے پیش کیا گیا ہے۔

☆ جہاں تک حکام کی بدعنوانیوں کا سوال ہے تو یہ محض اندیشے ہیں، ان کے تدارک کیلئے مضبوط نظام العمل بنایا جا سکتا ہے، اور ان اندیشوں سے بچا جا سکتا ہے۔

ترجیح اور وجوہ ترجیح:

ان مضبوط دلائل کے پیش نظر جمہور کے مقابلے میں شرذمہ قلیلہ کا مسلک موجودہ حالات میں مجھے زیادہ لائق ترجیح محسوس ہوتا ہے، اور اس کی کئی وجوہ ہیں:

☆ یہ تصور خلاف واقعہ ہے کہ مالی سزا اسلام کے مزاج کے خلاف ہے، اگر مالی سزائیں اسلام کے مزاج کے خلاف ہوتیں تو مختلف صورتوں میں دیت یا مالی کفارات کا حکم صادر نہ کیا جاتا، جب حدود اور کفارات کی صورتوں میں مالی سزائیں موجود ہیں تو تعزیرات میں مالی سزا کی گنجائش کیوں ممکن نہیں، فرق صرف تعین اور عدم تعین کا ہے، نفس سزا میں کوئی تفاوت نہیں ہے، دیت وکفارات کی آیات کریمہ ملاحظہ کریں:

”وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلاَّ خَطَئًا وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَئًا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلاَّ أَن يَصَّدَّقُواْ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَه اهلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّهِ وَكَانَ اللّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا“. (سورۂ نساء: ۹۲)۔

”لاَ يُؤَاخِذُكُمُ اللّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُواْ أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ .“ (مائدہ: ۸۹)۔

” وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌO فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ“(مجادلۃ ۳،۴)۔

☆ دوسری بات یہ ہے کہ تعزیز کا تعلق جب حاکم کی صوابدید سے ہے تو اس سے مالی عقوبات کے استثنا کے کوئی معنیٰ نہیں ،بعض صورتوں میں مجرم کیلئے مالی سزائیں جتنی مؤثر ہوتی ہیں ،غیر مالی سزاؤں کا وہ اثر نہیں ہوتا۔جس طرح کہ زانی کے متعلق حکم ہے کہ اگر حاکم مناسب سمجھے تو بطور تعزیر اس کو جلاوطن کرسکتا ہے۔غور کیجئے تو جلاوطنی کا مالی نقصانات سے بھی گہرا تعلق ہے۔

☆ آج کے دور میں مختلف معاملات میں مالی تعزیرات کا رواج اتنا عام ہوگیا ہے کہ اس سے بچنا بہت مشکل ہے،اسلامی قانون میں عرف اور تعامل کی بڑی اہمیت ہے،اور اس کو ترک کرنے میں جو حرج ہوسکتا ہے اس کے لئے یہ رفع حرج بھی معیار بن سکتا ہے۔

☆ نیز ضرورت وحاجت کے وقت فقہاء نے دوسرے مذہب یا اپنے ہی مذہب کے قول ضعیف پر عمل اور فتویٰ کی اجازت دی ہے،اس میں کسی اختلاف نہیں ہے۔

☆ اسی طرح فقہاء کا اتفاق ہے کہ تعزیرات کے معیار میں زمان ومکان کے لحاظ سے فرق ہوسکتا ہے،اس دور میں مالی جرمانہ(پلانٹی)کو جس طرح ہر مسئلے میں بنیاد مان لیا گیا ہے،اس کا تقاضا ہے کہ قدیم معیار ترک کرکے تعزیر کے نئے معیار(یعنی تعزیر مالی)کو اختیار کیا جائے۔

”قال القرافی: إن التعزیر یختلف بإختلاف الإعصار والأمصار، فرب تعزیر فی بلاد یکون إکراما فی بلد أخر کقلع الطیلسان بمصر تعزیر وفی الشام إکرام“۔

☆ دلائل سے قطع نظر عصر حاضر میں جسمانی سزاؤں کا اختیار صرف حکومتوں کے ہاتھ میں ہے،حکومت کی اجازت کے بغیر کسی کو جسمانی سزا دینا غیر قانونی اور باعث فتنہ ہے،ایسی صورت میں مالی تعزیرات کے علاوہ کوئی دوسری صورت باقی نہیں رہ جاتی، لہٰذا بصورت مجبوری حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

اور چونکہ تعزیرات میں حدود کی طرح حاکم کی اجازت شرط نہیں ہے، بلکہ عام آدمی بھی قانون تعزیرات سے استفادہ کرسکتا ہے،اس لحاظ سے موجودہ دور میں تعزیرات مالیہ کو نافذ کرنا غیر شرعی نہیں ہوگا۔

”وَقَالَ التُّمُرْتَاشِيُّ: يَجُوزُ التَّعْزِيرُ الَّذِي يَجِبُ حَقًّا لِلّٰهِ تَعَالَى لِكُلِّ أَحَدٍ بِعِلَّةِ النِّيَابَةِ عَنْ اللّٰهِ وَسُئِلَ أَبُو جَعْفَرٍ الْهِنْدُوَانِيُّ عَمَّنْ وَجَدَ رَجُلًا مَعَ امْرَأَةٍ أَيَحِلُّ لَهُ قَتْلُهُ؟ قَالَ: إنْ كَانَ يَعْلَمُ أَنَّهُ يَنْزَجِرُ عَنْ الزِّنَا بِالصِّيَاحِ وَالضَّرْبِ بِمَا دُونَ السِّلَاحِ لَا يَقْتُلُهُ.وَإِنْ عَلِمَ أَنَّهُ لَا يَنْزَجِرُ إلَّا بِالْقَتْلِ حَلَّ لَهُ قَتْلُهُ، وَإِنْ طَاوَعَتْهُ الْمَرْأَةُ يَحِلُّ قَتْلُهَا أَيْضًا.وَهَذَا تَنْصِيصٌ عَلَى أَنَّ الضَّرْبَ تَعْزِيرٌ يَمْلِكُهُ الْإِنْسَانُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُحْتَسِبًا، وَصَرَّحَ فِي الْمُنْتَقَى بِذَلِكَ،

وَهَذَا لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ إِزَالَةِ الْمُنْكَرِ بِالْيَدِ.وَالشَّارِعُ وَلّى كُلَّ أَحَدٍ ذٰلِكَ حَيْثُ قَالَ } مَنْ رَأى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ ''(شرح فتح القدیر ۴/۳۴۶)۔

☆ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ چونکہ خود قاضی ، بلکہ قاضی القضاۃ تھے اوران چیزوں کا عملی تجربہ بھی رکھتے تھے،اس لئے ان کا قول دلائل کے ماسوا تجربات اور واقعیت پر بھی مبنی ہے،اور چونکہ تعزیرات کا تعلق زیادہ تر محکمہ قضا سے ہے،اس لئے ان میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح حاصل ہونی چاہئے۔

برصغیر کے اکثر اکابر مفتیان جمہور فقہاء کے قول کے مطابق عدم جواز کے قائل ہیں،لیکن بعض ممتا علماء جواز کی رائے بھی رکھتے ہیں،مثلاً حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ،اور حضرت علامہ مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ وغیرہ۔

اس تفصیلی اصولی گفتگو کے بعد (جس میں سوالنامہ کے ۱تا۶ سوالات کے جوابات بھی آگئے ہیں)اس ضمن میں اٹھنے والے کئی دیگر سوالات کے جوابات بآسانی دیئے جاسکتے ہیں:

۷- آج کل تعلیمی اداروں میں طلبہ کی مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ کا عام رواج ہو چکا ہے اوراس کا نفع بھی محسوس کیا جاتا ہے،اگر واقعتاً اس کے بغیر تعلیمی مقاصد پورے ہونے میں دشواری ہو،تو مالی جرمانہ کی گنجائش ہے۔

۸- تعلیمی اداروں کے علاوہ بھی بہت سے ادارے نظم وضبط کو درست رکھنے کیلئے مالی جرمانہ کا نظام بناتے ہیں،مثلاً ہاؤزنگ سوسائیٹیاں وغیرہ،تاکہ لوگ مقررہ وقت پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا کردیا کریں،اگر یہ اعتدال کے ساتھ ہواوراس کی فی الواقع ضرورت ہوتواس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۹- برادریاں اور خاندانی پنچایتیں نیز کاروباری انجمنیں بھی دباؤ اور اصلاح کی غرض سے اس قسم کا نظام بناتی ہیں،پنچایتی نظام میں اکثر بے اعتدالی اور ظلم وزیادتی کی شکایتیں بھی ملتی ہیں،لیکن اگر علماء کی نگرانی اور مناسب حدود میں اس قسم کے فیصلے کئے جائیں تو گنجائش ہوگی۔

۱۰- طلاق کے بارے میں جوافراط وتفریط پائی جاتی ہے اورجس سے بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں،ان کو قابو میں کرنے کیلئے ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ طلاق کی جن صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک متعہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے،ایسی صورتوں میں متعہ کوواجب قرار دیا جائے اور بصورت نقد اس کی ایک معقول حد مقرر کی جائے یا یہ کہ طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کیا جائے۔

اس مسئلے سے اتفاق کرنا میرے لئے مشکل ہے،اس لئے کہ اس سوال میں یک طرفہ طور پر طے کرلیا گیا ہے کہ ازدواجی زندگی کی ناخوشگواری میں جس کا آخری نتیجہ طلاق ہے، ہمیشہ مرد ہی کی زیادتی ہوتی ہے، جب کہ یہ محض مفروضہ ہے، زیادتیاں دونوں طرف سے ہوتی ہیں،کم وبیش،اس لئے یک طرفہ طور پر پہلے سے ہی مرد کو مجرم فرض کرکے اس پر مالی جرمانہ کیوں عائد کردیا جائے، جب کہ واقعہ کی تحقیقات کے بعد کبھی معاملہ برعکس بھی ہوسکتا ہے۔

علاوہ ازیں طلاق اصولی طور پر قابل معاوضہ چیز نہیں ہے، صرف مخصوص حالات میں اس کی اجازت دی گئی ہے، متعہ یا مہر زائد کو باقاعدہ واجب کردینے کے بعد اس کی تجارت اور غلط ڈیلنگ بھی شروع ہوسکتی ہے، اس لئے اس باب میں میرے نزدیک جو نظام قبل سے رائج چلا آرہا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے، اپنی حالت پر برقرار رکھا جائے، مردوں کی جانب سے اس قسم کے سوالات اکثر تجربات سے نہیں، بلکہ نسوانی مرعوبیت کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔

۱۱- مزید نصف مہر یا متعہ کو لازم کرنے کے لئے کیا ایسا کیا جاسکتا ہے کہ نکاح اور نکاح نامہ میں آدمی کو اس کا پابند بنادیا جائے کہ اگر بیجا طور پر طلاق دی گئی یا تین طلاق ایک ساتھ دی گئی تو متعہ کے طور پر یا مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینی ہوگی۔

اس سوال کا جواب بھی وہی ہے جو سوال نمبر ۱۰ کا ہے، اس سوال میں بھی نکاح سے قبل ہی یہ طے کرلیا گیا ہے کہ طلاق کے معاملہ میں یک طرفہ مجرم مرد ہی ہوتا ہے، شریعت نے عورت کو طلاق کا اختیار نہیں دیا اس لئے کہ عورتیں جذباتی ہوتی ہیں اور ایقاع طلاق کے مسئلہ میں وہ اعتدال کو قائم نہیں رکھ سکتی ہیں، قدرت کی اس تقسیم اور عورتوں کی فطری نفسیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرد کی طرف سے طلاق وشقاق کے باب میں جو بے اعتدالیاں سرزد ہوتی ہیں، ان میں اکثر بڑا حصہ عورت کا بھی ہوتا ہے، مگر وہ مظلومیت کی داستان اور اپنے آنسوؤں کے ذریعہ مرد کو ظالم ثابت کردیتی ہیں، یہ بھی اس کی فنکاری کا حصہ ہوتا ہے، اس لئے قبل از وقت مرد کو نکاح ہوتے ہی مجرم کی صف میں کھڑا کردینا سخت بے انصافی ہے۔

☆ نیز یہ قلب موضوع بھی ہے، اس لئے کہ شریعت کے مطابق نکاح کی بنا پر مرد کو حقیقی قوامیت اور عظمت ملنی چاہئے، مگر اس معاملہ کی بنا پر مرد نکاح کے ذریعہ ایک مجرم کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے، جو موضوع نکاح کے برعکس ہے، بعض مخصوص حالات میں جن میں کسی خاص شخص کا پس منظر اسی لائق ہو اور اندیشے مضبوط ہوں تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، جیسا کہ بعض فقہی جزئیات سے سمجھ میں آتا ہے، لیکن اس کو دائمی قانون بنا کر نافذ کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی☆

تعزیر کی لغوی وشرعی تعریف:

تعزیر باب تفعیل سے ہے؛ جو عَزَّرَ کا مصدر ہے؛ جو ماخوذ ہے عَزْر سے، جس کا معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں، اس کو تعزیر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ سزا مجرم کو جرم کے ارتکاب سے، یا دوبارہ جرم کرنے سے روکتی ہے، اور اس کا ایک معنی مدد کرنے کا بھی آتا ہے، اہل عرب کہتے ہیں "عَزَّرَ اَخاہُ" جب کوئی شخص اپنے بھائی کی مدد کرے، اس لیے کہ جب کوئی شخص کسی کی مدد کرتا ہے؛ تو دشمن کو تکلیف پہنچانے سے روکتا ہے، اور اس کا معنی تعظیم وتوقیر اور تادیب کا بھی آتا ہے۔

اور اصطلاح شرع میں تعزیر ان جرائم پر دی جانے والی سزاؤں کو کہتے ہیں؛ جن پر شرعاً کوئی حد یا کفارہ متعین نہ ہو، خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں، یا حقوق العباد سے، "الموسوعۃ الفقہیۃ" میں ہے:

"التعزير لغة:مصدر عزّر من العزر،وهو الرد والمنع،ويقال:عزر أخاه بمعنى نصره،لأنه منع عدوه من أن يؤذيه،ويقال:عزرته بمعنى وقرته،وأيضا:أدبته،فهو من أسماء الأضداد،وسميت العقوبة تعزيرا؛لأن من شأنها أن تدفع الجانی وترده عن ارتكاب الجرائم،أو العودة إليها،وفى الإصطلاح:هو عقوبة غير مقدرة شرعا،تجب حقا لله أو لآدمی فی كل معصية ليس فيها حدولا كفارة غالبا" (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۲/ ۲۵۴، مادہ:تعزیر)۔

مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنھاج (مؤلفہ:الامام شمس الدین محمد بن الخطیب الشربینیؒ) میں تعزیر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"فصل فی التعزير:وهو لغة:ألتاديب،وأصله من العزر،وهو المنع،ومنه قوله تعالى﴿وتعزروه﴾ (الفتح: ۹)أی تدفعواالعدو عنه وتمنعوه....وشرعا:تأديب على ذنب لاحد فيه ولا كفارة.....سواء أكانت حقا لله تعالى أم لآدمی،وسواء أكانت من مقدمات مافيه حد..... أم لا" (مغنی المحتاج:۶/ ۶۵۹، ۶۶۰)۔

☆ صدر مفتی دارالافتاء، معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ۔

سزاؤں کے اعتبار سے جرائم ومعاصی کے انواع:

تعزیر کی شرعی تعریف میں جوالفاظ(تأديب على ذنب لا حد فيه ولا كفارة) آئے ہیں؛ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جرائم ومعاصی تین طرح کے ہوتے ہیں:

ایک وہ جرائم ومعاصی ہیں: جن کی سزا کتاب وسنت میں متعین ومقرر ہے، جیسے: زنا، چوری، شراب نوشی وغیرہ، ان کی سزا مقرر ہے؛ جس کو حد کہتے ہیں۔

دوسری قسم کے وہ جرائم ومعاصی ہیں؛ جن کی سزا قرآن وسنت میں مقرر ومتعین نہیں ہے؛ لیکن ان میں کفارہ واجب ہے، جیسے رمضان میں روزہ رکھ کر جان بوجھ کر توڑ دینا، یا قسم کھا کر اس کو پورا نہ کرنا۔

اور تیسری قسم کے وہ جرائم ہیں؛ جن پر نہ تو حد مقرر ہے اور نہ ہی کفارہ، بلکہ حاکم اور قاضی کی صوابدید پر ہے کہ جو مناسب سزا ہو وہ دے، اسی کو تعزیر کہتے ہیں، جیسے کسی اجنبی عورت کو بوسہ لینا، مردار، خون اور خنزیر کھانا، شرمگاہ کے علاوہ میں مباشرت، بقدر نصاب سے کم مال کی چوری، جھوٹی گواہی وغیرہ، یہ اور ان جیسے جرائم پر نہ تو حد ہے اور نہ ہی کفارہ، بلکہ تعزیر ہے۔

علامہ ابن القیمؒ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''اِعلام الموقعین'' میں رقمطراز ہیں''فإن المعاصي ثلاثة أنواع:نوع فيه الحد ولا كفارة فيه،ونوع فيه الكفارة ولا حد فيه،ونوع لا حد فيه ولا كفارة،فالأول:كالسرقة والشرب والزنا والقذف،والثاني:كالوطء في نهار رمضان، والوطء في الإحرام،والثالث:كوطء الأمة المشتركة بينه و بين غيره،وقبلة الأجنبية والخلوة بها،ودخول الحمام بغير مئزر، وأكل الميتة والدم ولحم الخنزير، ونحو ذلك''(اعلام الموقعین:۲/۹۹)۔

''التنبيه في الفقه الشافعي''میں ہے:''ومن أتى معصية لا حد فيها ولا كفارة،كالمباشرة المحرمة فيما دون الفرج،والسرقة ما دون النصاب،والقذف بغير الزنا،والجناية بما لايوجب القصاص،والشهادة بالزور،وما أشبهه من المعاصي،عزر على حسب ما يراه السلطان غير أنه لا يبلغ به أدنى الحدود، فإن رأى ترك التعزير جاز''(التنبیہ فی الفقہ الشافعی، کتاب الحدود، باب التعزیر:۲۵۵)۔

حقوق کے اعتبار سے جرائم کی تقسیم:

تعزیر کی شرعی تعریف سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ بنیادی طور پر جرائم دوطرح کے ہیں:

ایک وہ جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہو، جیسے حنفیہ کے نزدیک جان بوجھ کر نماز چھوڑ دینا، سود لینا، راستے میں گندی چیز پھینک دینا، وغیرہ۔

اور دوسرے وہ جرائم ہیں؛ جن کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہوں، جیسے شرم گاہ کے علاوہ حصہ سے کسی اجنبیہ سے مباشرت، بقدر نصاب سے کم مال کی چوری، امانت میں خیانت، رشوت، یا زنا کے علاوہ کسی چیز کی تہمت، کسی کو برا بھلا کہنا، کسی کو بلاوجہ

مارنا، کسی کو کسی بھی طریقہ سے تکلیف پہنچانا، جیسے کسی کو یہ کہنا کہ یا فاسق! یا خبیث! یا سارق! یا فاجر! یا کافر! یا آکل الربا! یا شارب الخمر!۔اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے سے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجھہ سے پوچھا گیا،تو آپ نے فرمایا: کہ یہ فواحش میں سے ہیں،ان میں تعزیر ہے،کوئی حد نہیں ہے۔

''سواء أكانت الجناية على حق الله تعالى،كالأكل فى نهار رمضان بغير عذر،وترك الصلوة فى رأى الحنفية،والربا،وطرح النجاسة فى طريق الناس،ونحوها،أم على حق العباد،كمباشرة الأجنبية فيما دون الفرج،وسرقة مادون النصاب۔أو السرقة من غير حرز،وخيانة الأمانة، والرشوة،أو القذف بغير الزنى من أنواع السب،والضرب، والإيذاء بأى وجه،مثل أن يقول الرجل لآخر:يا فاسق!يا خبيث!يا سارق!يا فاجر!يا كافر!يا آكل الربا!يا شارب الخمر!ونحوها،سئل على كرم الله وجهه عن قول الرجل للرجل:يا فاسق!يا خبيث!،قال:هن فواحش،فيهن التعزير،وليس فيهن حد''(الفقہ الاسلامی وادلتہ:۶/۱۸۵)۔

''فتاوی قاضی خان''میں ہے:''رجل قال لصالح:يا فاسق!يا فاجر!يا خبيث!يا خنزير!يا حمار!يا لص!يا كافر!يا زنديق!يا مقبوح!يا ابن القَحبة!يا ابن قرطبان!يا من يعمل عمل قوم لوط!يا لُوطى!او قال:انت تلعب بالصبيان،يا آكل الربا!يا شارب الخمر!و هو برئ منه۔يا ديوث!يا مخنث!يا خائن!يا ماوى الزوانى!أو يا مأوى اللصوص! ذكر الناطفىؒ أن عليه التعزير فى هذه الألفاظ''(فتاوی قاضی خان،فصل فیما یوجب التعزیر ومالا یوجب: ۳/۳۵۳)۔

حداورتعزیر میں فرق:

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہے کہ حد میں سزا مقرر ومتعین ہوتی ہے،اورتعزیر میں سزا مقرر نہیں ہوتی،اب اسی ذیل میں یہ بحث بھی آتی ہے کہ حداورتعزیر میں کیا فرق ہے؟

فقہاء کرام نے ان دونوں میں تین طرح سے فرق کیا ہے:

۱۔ان دونوں میں ایک فرق یہ ہے کہ حد میں سزا مقرر ہے اوراس کا نفاذ تمام لوگوں پر یکساں ہوتا ہے،لوگوں کی حیثیت عرفی سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے،جبکہ تعزیر میں عوام وخواص،شرفاء اورسفہاء کے اعتبار سے فرق پڑسکتا ہے۔

۲۔دوسرا فرق یہ ہے کہ حد میں نہ تو قاضی اور حاکم کے لیے معاف کرنا جائز ہے،اور نہ ہی اس میں کسی کی سفارش درست ہے،جب کہ تعزیر میں قاضی حالات اورمصلحت کے پیش نظر معاف بھی کرسکتا ہے،اورکسی کی سفارش بھی جائز ودرست ہے۔

۳۔تیسرا فرق یہ ہے کہ تعزیر میں اگر مجرم کا انتقال ہوجائے؛توشوافع کے نزدیک قاضی ضامن ہوگا،اوردوسرے فقہاء کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا،جبکہ حد میں بالاتفاق قاضی ضامن نہیں ہوگا۔

''كتاب الفقه على المذاهب الأربعة'' میں ہے:''و هو مخالف للحدود من ثلاثة أوجه:

ألأول:أنه يختلف بإختلاف الناس،فتعزير ذوى الهيئات أخف من تعزير عامة الناس،مع أنهم يستوون في الحدود مع الناس،لا فرق بين عربي و قرشي،فالكل أمام الحدود سواء۔

ألثاني:أنه تجوز فيه الشفاعة والعفو،ولو بعد وصوله إلى الحاكم،بخلاف الحدود،فإنه لا تجوز فيها الشفاعة،إذا ما وصل الأمر إلى الحاكم۔

ألثالث:الحنفية والمالكية والحنابلة قالوا:إن التألف بالتعزير غير مضمون مثل الحدود،لأنه مامور به،الشافعية قالوا:إن التألف بالتعزير مضمون ،بخلاف الحدود،فإنها غير مضمونة''(کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ،القسم الثالث،باب التعزیر:۵/۳۴۹)۔

محل کے اعتبار سے تعزیر کی تقسیم:

تعزیر کے ذیل میں یہ بحث بھی اہمیت کی حامل ہے کہ محل کے اعتبار سے تعزیر کی کتنی قسمیں ہیں؟یعنی کیا کیا تعزیر ہوسکتی ہے؟غور وفکر کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بنیادی طور پر محل کے اعتبار سے تعزیر کی دو قسمیں ہیں:۱۔جسمانی تعزیر،۲۔مالی تعزیر،یعنی جسمانی اور مالی اعتبار سے مجرم کو نقصان پہنچا کر مجبور کیا جائے کہ وہ جرم کے ارتکاب سے یا دوبارہ جرم کرنے سے باز رہے۔

جسمانی تعزیر:

جسمانی تعزیر کا مطلب یہ ہے کہ مجرم کو جسمانی طور پر ایسی سزا دی جائے کہ وہ جرم سے باز آئے،اور آئندہ اس طرح کا جرم نہ کرسکے۔ اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں،مثلا:قید وبند،ڈانٹ ڈپٹ کرکے،کان رگڑ کے،چیخ اور چلا کر،مار پیٹ کرکے،یا سخت کلامی کے ذریعہ مجرم کو جرم سے رک جانے پر مجبور کیا جائے۔

''عنایہ شرح ھدایہ''میں ہے:''**إعلم أن التعزير قد يكون بالحبس،وقد يكون بالصفع وتعريك الأذن،وقد يكون بالكلام العنيف،وقد يكون بالضرب،وقد يكون بنظر القاضي إليه بوجه عبوس''**(عنایہ علی ھامش شرح فتح القدیر۔فصل فی التعزیر:۵/۳۲۹)۔

علامہ ابن ہمام نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب'' شرح فتح القدیر''میں لکھا ہے کہ تعزیر کے مختلف مراتب ودرجات ہیں:

۱۔اشراف الاشراف؛یعنی علماء وغیرہ کی تعزیر،ان کے لیے قاضی کا یہ کہہ دینا کافی ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ ایسا اور ایسا کرتے یا کہتے ہیں۔

۲۔اشراف جیسے امراء وغیرہ کی تعزیر،ان کو قاضی کی عدالت میں پہنچا دینا اور ان کو فریق مخالف بنا دینا کافی ہے۔

۳۔درمیانی لوگوں کی تعزیر،ان کو قاضی کی عدالت میں لے جانا،اور قید وبند اور جیل رسید کرا دینا کافی ہوتا ہے۔

۴۔گھٹیا لوگوں کی تعزیر،مذکورہ بالا طریقوں کے علاوہ مار پیٹ کی بھی ضرورت پڑتی ہے،کوڑے بھی لگانے پڑتے ہیں۔

''شرح فتح القدیر''میں ہے:''**و في الشافي:ألتعزير على مراتب:تعزير أشراف الأشراف وهم العلماء**

والعلوية بالإعلام،وهو أن يقول له القاضي:بلغني أنک تفعل كذا و كذافينزجر به،وتعزير الأشراف:وهم الأمراء والدها قين بالإعلام والجر إلى باب القاضي والخصومة في ذلک،وتعزير الأوساط: وهم السوقة بالجر والحبس،وتعزير الأخسة بهذا كله وبالضرب"(شرح فتح القدیر،فصل فی التعزیر:۵/۳۳۰)۔

جسمانی تعزیر کی حد:

جسمانی تعزیر کے ذیل میں یہ بحث بھی آتی ہے کہ اس کی حد کیا ہونی چاہیے؟اس سلسلہ میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں:۱۹/۳۹/۱۹اور ۷۹ رکوڑے تک کے اقوال ملتے ہیں،لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ تعزیر امام اور قاضی کی صوابدید پر ہے،وہ حالات کے پیش نظر سخت سے سخت سزا تجویز کرسکتا ہے،اور یہ سزا حد سے بھی پار کرسکتی ہے،لواطت کی سزا قتل،آگ میں جلاڈالنا،پہاڑ وغیرہ سے گراکر پتھر برسانا،جس سے وہ ہلاک ہوجائے،اس کے اوپر دیوار وغیرہ گراکر ہلاک کردینا،سخت بدبودار جگہ میں رکھنا،اور سخت سزا دیکر قید میں رکھنا،یہاں تک کہ وہ توبہ کرلے،یا اس کا انتقال ہوجائے منقول ہے۔

''شرح فتح القدیر''میں ہے:"**وذكر التمرتاشي عن السرخسي أنه ليس فيه شيئ مقدّر،بل مفوض الى أى القاضي،لأن المقصود منه الزجر،وأحوال الناس مختلفة فيه،فمنهم من ينزجر بالصيحة،ومنهم من يحتاج إلى اللطمة، والى الضرب،ومنهم من يحتاج إلى الحبس**"(شرح فتح القدیر،فصل فی التعزیر:۵/۳۳۰)۔

علامہ ابن ہمام نے شرح فتح القدیر میں عہد فاروقی کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

معن ابن زائدہ نامی ایک شخص نے بیت المال کی ایک جعلی مہر بنوالی،اور بیت المال کے خازن سے کچھ مال حاصل کرلیا،جب اس کی خبر حضرت عمر کو ہوئی؛توانھوں نے اس کو سو کوڑے لگوائے اور قید کردیا،جب اس کے سلسلہ میں دوبارہ اور سہ بارہ سفارش کی گئی؛تومزید سو سو کوڑے لگوائے اور شہر بدر کردیا۔اس سے ظاہر ہے کہ حاکم وقت حالات کے پیش نظر جو مناسب سزا تجویز کرنا چاہے کرسکتا ہے،حتی کہ حد سے بھی زائد سزا دے سکتا ہے۔

"**لما روى أن معن بن زائدة عمل خاتما على نقش خاتم بيت المال،ثم جاء به لصاحب بيت المال،فأخذ منه مالا،فبلغ عمر ذلک،فضربه مائة و حبسه،فكلم فيه فضربه مائة أخرى،فكلم فيه فضربه مائة ونفاه**"(شرح فتح القدیر،فصل فی التعزیر:۵/۳۳۴)۔

جسمانی تعزیر کا ثبوت:

جسمانی تعزیر کا ثبوت کتاب وسنت سے بھی ہے،اور اجماع سے بھی۔

جسمانی تعزیر کا ثبوت قرآن سے:

میاں بیوی میں جب اختلاف ہوجائے تو پہلا مرحلہ یہ ہے کہ شوہر اس کو کتاب وسنت کی روشنی میں از خود سمجھائے،یا کسی بڑے کے ذریعہ پردہ کے پیچھے سے سمجھانے کی کوشش کرے،یہ طریقہ مؤثر نہ ہو تو دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ بستر الگ کردے،اگر یہ طریقہ

بھی کارگر ثابت نہ ہو؛تو تیسرا مرحلہ تنبیہ اور مار پیٹ کا ہے،لیکن چہرہ پر نہ مارے اور ایسی پٹائی نہ کرے؛جس سے ہاتھ وغیرہ ٹوٹ جائے، یا زخم لگ جائے،جس کو''ضرب مبرح'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

''**واللاتی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن،فإن أطعنکم فلا تبغوا علیهن سبیلا**''(النساء:۳۴)مذکورہ بالا آیت کریمہ سے جسمانی تعزیر کا ثبوت ملتا ہے۔

جسمانی تعزیر کا ثبوت حدیث سے:

حدیث میں ہے کہ تمہاری اولاد سات سال کی ہوجائے؛تو نماز کا حکم دو،اور جب دس سال کی ہوجائے؛تو نماز چھوڑنے پر مارو۔

''**مروا أولادکم بالصلوة وهم أبناء سبع سنین،واضربوهم علیها وهم أبناء عشر،وفرقوا بینهم فی المضاجع**''(ابوداؤد،متی یؤ مر الغلام بالصلوۃ،ص:۴۹۵)دس سال کی عمر میں نماز چھوڑنے پر مارنا؛یہ جسمانی تعزیر ہے۔

جسمانی تعزیر کا ثبوت اجماع سے:

علامہ ابن ہمام نے شرح فتح القدیر میں مذکورہ روایت اوراس طرح کی دوسری روایتوں کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

''**فهذا دلیل شرعیة التعزیر،وأجمع علیه الصحابة**''(شرح فتح القدیر،فصل فی التعزیر:۳۲۹/۵)،یہ تعزیر کی مشروعیت کی دلیل ہے اوراس پر صحابہ کا اجماع ہے۔

جسمانی تعزیر ہندستان جیسے ملک میں:

لیکن تعزیر کا یہ اختیار کس کو ہے؟ ہندستان جیسے ملک میں جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے،کیا پنچائت کے لوگ یا عام لوگ مجرم کو جسمانی تعزیر دے سکتے ہیں؟ یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔۔۔۔اوپر کے بیان سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ صحیح قول کے مطابق تعزیری سزا حاکم اور قاضی کی صوابدید پر ہے،وہ حالات کے پیش نظر جیسی سزا تجویز کرنا چاہے کرسکتا ہے،عام لوگوں کو یہ اختیار نہیں ہے،ہندستان جیسے ملک میں اگر پنچائت کے لوگ یا عام لوگ جسمانی سزا دینے لگیں تو پھر قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہوگا،اور اصلاح کے بجائے مزید فساد اور فتنہ پیدا ہوگا،خود سزا دینے والوں کو بھی سزا سے دوچار ہونا ہوگا،اور ممکن ہے کہ جیل کی ہوا کھانی پڑے۔

سماجی بائیکاٹ:

البتہ ہندستان جیسے ملک میں اگر لوگ مجرم کا سماجی بائیکاٹ کرنا چاہیں،اور یہ بائیکاٹ مفید بھی ہو،تو اس کی گنجائش نظر آتی ہے،اس میں قانونی گرفت نہیں ہے،البتہ سماجی بائیکاٹ میں مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنا، یا نماز جنازہ میں شریک نہ ہونا، یا کسی کو شریک نہ ہونے دینا؛صحیح نہیں ہے،قرآن کریم میں اس شخص کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا گیا ہے جو لوگوں کو مساجد میں نماز پڑھنے اور دیگر ذکر واذکار سے روکدے،اور نماز جنازہ تو ایک مسلمان کا ایک مسلمان پر حق ہے۔

حضرت کعب ابن مالکؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کا غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے پچاس دنوں تک بائیکاٹ کیا گیا تھا،لیکن پھر بھی ان کو مسجد میں آنے سے نہیں روکا گیا،حضرت کعب ابن مالکؓ کہتے ہیں:

"واما أنا فكنت أخرج فأشهد الصلوة مع المسلمين،وأطوف فى الأسواق ولا يكلمنى احد.....فلبثت بعد ذلک عشر ليال،حتى كملت لنا خمسون ليلة من حين نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كلامنا" (بخاری شریف،کتاب المغازی،باب غزوۃ تبوک:۲/۶۳۵)۔

اس سے سماجی بائیکاٹ کا ثبوت ملتا ہے،لیکن عام طور سے لوگوں میں نا اتفاقی کی وجہ سے بائیکاٹ برقرار نہیں رہتا ہے،اور اس طرح مفید ثابت نہیں ہو پاتا ہے،یہی وجہ ہے کہ جرائم بڑھتے جا رہے ہیں،اوران جرائم کی روک تھام کے لیے عوامی سطح پر کوئی مؤثر طریقہ سامنے نظر نہیں آتا ہے۔

مالی تعزیرات:

جب عوامی سطح پر جسمانی تعزیر ممکن نہیں ہے اور سماجی بائیکاٹ مؤثر نہیں ہے؛تو کیا حالات کے پیش نظر مالی جرمانہ کی اجازت ہوگی؟ یہ ایک معرکۃ الآراء اور اہم بحث ہے،جو علماء اور فقہاء کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے،اور حالیہ فقہی سمینار کا ایک اہم موضوع ہے۔

مالی تعزیرات کی تین صورتیں ہیں،اور تینوں کے احکام جداگانہ ہیں،ان میں سے دو صورتیں متفقہ طور پر جائز ہیں اور ایک صورت میں اختلاف ہے،وہ تینوں صورتیں درج ذیل ہیں:

۱۔جس مال کے ساتھ معصیت قائم ہو،اس پورے مال کو توڑ پھوڑ کر یا جلا کر ختم کر دیا جائے،مثلاً شراب کو بہا دیا جائے،شراب کے مٹکہ کو توڑ دیا جائے،یا آلات موسیقی کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیا جائے وغیرہ۔

۲۔جو معصیت کی جگہ ہے،اس کو ختم کر دیا جائے،اس میں کسی طرح کی ایسی تبدیلی کر دی جائے کہ معصیت نظر نہ آئے،مثلاً کسی کپڑے پر تصویر ہو؛تو اس تصویر کو ختم کر دیا جائے،یا اس کو پھاڑ کر ٹکڑے کر دیئے جائیں،پورے کپڑے کو برباد نہ کیا جائے۔

۳۔خود اس مال کے ساتھ کسی طرح کی کوئی معصیت قائم نہ ہو،بلکہ کسی دوسرے جرم پر مالی تاوان لیا جائے تاکہ مجرم اپنے جرم سے باز آجائے،یا اس تاوان کی وجہ سے دوسرے لوگ اس طرح کا جرم نہ کر سکیں۔

پہلی صورت:

پہلی صورت جب کہ جس مال کے ساتھ معصیت قائم ہے؛خود اس کو توڑ پھوڑ کر یا جلا کر ختم کر دیا جائے؛تو شرعاً جائز ودرست ہے،البتہ مال ضائع کرنے والے پر اس کا تاوان ہوگا یا نہیں؟

اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر حاکم نے یا اس کے حکم سے کسی دوسرے شخص نے ضائع کیا ہے؛تو تاوان نہیں آئے گا،اور اگر

کسی نے حاکم کی اجازت کے بغیر ضائع کیا ہے؛ تو اس پر اس مال کا تاوان ہوگا۔

اگر مدارس اور دیگر اداروں کے ذمہ داروں نے یہ اعلان کر دیا کہ ہمارے ادارے میں آلات موسیقی نہیں استعمال کرنا ہے، ریڈیو اور موبائل کا استعمال ممنوع ہے، پھر بھی کسی طالب علم نے استعمال کیا، تو چون کہ ذمہ دارانِ ادارہ طلبہ کے حق میں حاکم کے درجہ میں ہیں، اس لیے وہ اگر ضائع کر دیں، تو ان پر بھی تاوان نہیں عائد ہوگا۔ بلکہ بعض کتب فقہ اور شروح حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر حاکم بھی اس طرح کی مالی تعزیر دے سکتا ہے، اس پر تاوان نہیں ہوگا۔

مالی تعزیر کی اس صورت پر کتاب وسنت سے بے شمار دلائل موجود ہیں، ان کا احاطہ باعث طوالت ہے، ان میں سے چند دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ قرآن کریم سورۂ توبہ پارہ ۱۱ر میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ منافقین نے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے ایک مسجد کی تعمیر کی، جس کو ''مسجد ضرار'' کے نام سے جانا جاتا ہے، اللہ رب العزت نے منافقین کے ناپاک ارادے اور اغراض پر بذریعۂ وحی حضور اکرم ﷺ کو مطلع کر دیا، آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کی ایک جماعت کو بھیج کر پوری مسجد منہدم کروادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعزیر باہلاک المال جائز ودرست ہے۔

''والذين اتخذوا مسجدا ضرارا وكفرا و تفريقا بين المؤمنين وإرصادا لمن حارب الله ورسوله من قبل، وليحلفن إن أردنا إلا الحسنى، والله يشهد إنهم لكاذبون'' (التوبۃ:۱۰۷)۔

۲۔ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے: وہ کہتے ہیں کہ میرے بدن پر زرد رنگ سے رنگے ہوئے دو کپڑے تھے، حضور اکرم ﷺ نے دیکھ کر فرمایا کہ: کیا تمہاری ماں نے اس کے پہننے کا حکم دیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ: ان دونوں کو دھل دیتا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ان دونوں کو جلا ڈالو۔

''عن عبد الله بن عمروؓ قال: راى النبى ﷺ عليَّ ثوبين معصفرين، فقال: امک امرتک بهذا؟ قلت: اغسلهما، قال: لا، بل احرقهما'' (مسلم شریف، باب النھی عن لبس الرجل الثوب المعصفر :۲ر ۱۹۳)۔

۳۔ ابوداؤد شریف میں حضرت عمر فاروقؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: مال غنیمت میں چوری کرنے والے کے سامان کو جلا ڈالو اور اس کو مارو۔

''عن عمر بن الخطابؓ عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: اذا وجدتم الرجل قد غلّ، فأحرقوا متاعه واضربوه'' (ابوداؤد: ۲ر ۳۷۱)۔

۴۔ حضرت ابوطلحہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں نے اپنی پرورش میں رہنے والے یتیم بچوں کے لیے شراب خریدی ہے، کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: شراب کو بہادو اور مٹکوں کو توڑ دو۔

''عن أبى طلحةؓ أنه قال: يا نبى الله! إنى اشتريت خمرا لأيتام فى حجرى، قال: أهرق الخمر وأكسر

الدنان"(ترمذی شریف، باب ماجاء فی بیع الخمر والنھی عن ذلک:۱/۲۴۲)۔

۵۔اسی طریقہ سے جب خیبر فتح ہواتو صحابۂ کرام گدھوں کا گوشت پکانے لگے،حضور اکرم ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ: یہ آگ کیسی جل رہی ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ: گدھے کا گوشت پکایا جارہا ہے،آپ ﷺ نے فرمایا کہ:"**أھرقوھا وأکسروھا**"(گوشت کو گرادواور ہانڈیوں کو توڑدو)(مسلم شریف، باب تحریم اکل لحم الحمر الانسیۃ:۲/۱۴۹)۔

یہ اور اس طرح کی دیگر آیات وروایات اور آثار صحابہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ"تعزیر باہلاک المال"یعنی جس مال کے ساتھ معصیت قائم ہو؛اس کو ختم کردینا جائز ودرست ہے۔

البتہ اس میں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس میں تو مال کا ضیاع ہے؛ جو شرعا ممنوع ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مال ضائع کرنا ممنوع ہے؛جس میں کوئی حکمت اور فائدہ نہ ہو،اگر کوئی فائدہ ہو؛تو وہ ممنوع نہیں ہے،جیسے بندوق کی گولی چلاکر، یا تیر پھینک کرنشانہ لگانا جائز ودرست ہے، حالانکہ اس میں بھی مال کا ضیاع ہے،لیکن اس میں ایک حکمت اور فائدہ ہے۔

دوسری صورت:

دوسری صورت یہ ہے کہ پورے مال کو ضائع نہ کیا جائے، بلکہ معصیت کی جگہ کو ختم کردیا جائے، یا اس میں کوئی ایسی تبدیلی کردی جائے کہ اس کی حرمت اور ممانعت ختم ہوجائے؛ یہ شرعا جائز ودرست ہے،جیسا کہ روایات میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب ایک غزوہ سے واپس آئے؛تو حضرت عائشہؓ کے دروازے پر ایک پردہ لٹکا ہوا تھا،آپ ﷺ نے اس کو ناپسند کرتے ہوئے اس کو لے کر دوٹکڑا کردیا،حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے اس کو لے کر دو تکیہ بنادیا جس میں سے ایک پر آپ ﷺ نے ٹیک لگایا(بخاری ۲/۸۸۰،مسلم ۲/۲۰۰)۔

علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے اس پردے پر تصویریں تھیں،اس لیے آپ ﷺ نے اس کو پھاڑ ڈالا۔

علامہ نوویؒ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حرام تصاویر کو پھاڑ دینا اور منکر کو بدل ڈالنا شرعا جائز ودرست ہے۔

"**وقال العلامة النووی:أتلف الصورة اللتی فیه...فیستدل به لتغییر المنکر بالیدوھتک الصور المحرمة،والغضب عند رؤیة المنکر وأنه یجوز إتخاذ الوسائد**"(شرح نووی:۲/۲۰۰)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب"الفقہ الاسلامی وادلتہ"میں اس طرح منکر کو بدل ڈالنے،آلات لہو ولعب کو توڑنے، پھاڑنے اور حرام تصاویر کو بدل ڈالنے پر علماء کا اتفاق ذکر کیا ہے:

"**وھکذا إتفق العلماء علی إزالة و تغییر کل ماکان من العین أو التالیف المحرم،مثل تفکیک آلات الملاھی،وتغییر صورة المصورة**"(الفقہ الاسلامی وادلتہ:۶/۱۹۱)۔

تیسری صورت:

تیسری صورت یہ ہے کہ خود مال کے ساتھ معصیت قائم نہ ہو، بلکہ کسی جرم میں مجرم سے مال لیا جائے، یہ صورت مختلف فیہ ہے،اس میں بنیادی طور پر دو اقوال پائے جاتے ہیں: عدم جواز اور جواز۔

قول عدم جواز:

حنفیہ میں سے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ عدم جواز کے قائل ہیں، اور کتب فقہ حنفی میں یہی قول راجح اور مفتی بہ ہے،شوافع کا قول جدید، مالکیہ کا ایک قول اور حنابلہ کا مذہب بھی عدم جواز کا ہے۔

قول جواز:

حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ کا قول،شوافع کا قول قدیم اور صاحب الموسوعۃ الفقہیہ کے بیان کے مطابق مالکیہ کا مشہور قول جواز کا ہے، اور حنابلہ میں سے علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیمؒ بھی جواز کے قائل ہیں۔

’’ألأصل فی مذهب أبی حنيفة:أن التعزير بأخذ المال غير جائز،فأبوحنية و محمد لا يجيزانه،بل إن محمدا لم يذكره فی كتاب من كتبه،أما أبويوسف فقد روی عنه:أن التعزير بأخذ المال من الجانی جائز إن رؤيت فيه مصلحة‘‘

’’وقال الشبراملسی:ولا يجوز علی الجديد بأخذالمال،يعنی لا يجوز التعزير بأخذ المال فی مذهب الشافعی الجديد،وفی المذهب القديم:يجوز‘‘

’’أما فی مذهب مالک فی المشهور عنه:فقد قال إبن فرحون:ألتعزير بأخذ المال قال به المالكية۔وقد ذكر مواضع مخصوصة يعزر فيها بالمال،وذلک فی قوله:سئل مالک عن اللبن المغشوش أيُراق؟قال:لا،ولكن أری أن يتصدق به،إذا كان هو الذی غشه۔وقال فی الزعفران والمسک المغشوش مثل ذلک،سواء كان ذلک قليلا أو كثيرا۔وخالفه ابن القاسم فی الكثير،وقال:يباع المسک والزعفران علی مايغش به،ويتصدق بالثمن أدبا للغاش‘‘

’’وافتی ابن القطان الأندلسی فی الملاحف الرديئة النسج بأن تحرق،وأفتی ابن عتاب:بتقطيعها والصدقة بها خرقا‘‘

’’وعند الحنابة يحرم التعزير بأخذ المال أو إتلافه،لان الشرع لم يرد بشيئ من ذلک عمن يقتدی به۔وخالف ابن تيميه وابن القيم:فقالا:إن التعزير بالمال سائغ إتلافا وأخذا‘‘(الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ،مادہ: التعزیر:۱۲/۲۷۰،۲۷۱)۔

امام ابو یوسف کے قول جواز کا مطلب:

امام ابو یوسفؒ جو تعزیر بالمال کے قائل ہیں، ان کے قول کا مطلب عام طور سے کتب فقہ حنفی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حاکم مجرم سے مال ایک مدت تک کے لیے لے گا، اور جب اس سے توبہ کی امید ہو جائے گی، تو اس کا مال اس کو واپس کر دے گا، حاکم خود اپنے لیے نہیں لے گا، اور نہ ہی بیت المال کے لیے؛ اس لیے کہ کسی بھی مسلمان کے لیے دوسرے کا مال بغیر کسی سبب شرعی کے لینا جائز نہیں ہے:

”**ومعنى التعزير بأخذ المال على القول به: إمساك شيئ من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه، أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة. إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي**“ (الفتاوی الھندیہ، فصل فی التعزیر: ۱۸۱/۲)۔

لیکن امام ابو یوسفؒ کے قول جواز کا یہ مطلب سمجھ سے بالاتر ہے، اس لیے کہ:

۱۔ اگر یہی مطلب ہے؛ تو پھر طرفین اور امام ابو یوسف کے مابین اختلاف کہاں رہا؟ دونوں قول کا خلاصہ تو عدم جواز ہی نکلا۔

۲۔ حاکم مجرم سے مالی جرمانہ لے گا اور توبہ کی امید ہونے پر واپس کر دے گا، لیکن اگر توبہ کی امید نہ ہو؛ تو کیا کرے گا؟

کتب فقہ حنفی میں یہ صراحت موجود ہے کہ جب توبہ کی امید نہ ہو؛ تو حاکم اپنی صوابدید کے مطابق جہاں مناسب سمجھے گا صرف کرے گا۔

”**وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى مايرى**“ (البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر: ۶۸/۵) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام ابو یوسف کے یہاں مالی جرمانہ جائز ہے، اور ہر حال میں اس کو واپس کرنا ضروری نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے البحر الرائق میں خلاصہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: اگر قاضی یا والی مالی جرمانہ لگانا چاہے؛ تو لگا سکتا ہے، منجملہ ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی شخص نماز باجماعت نہ پڑھے؛ تو اس سے مالی جرمانہ لینا جائز ہے۔

”**وفي الخلاصة: سمعت عن ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلك أو الوالي جاز، ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال**“ (البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر ۶۸/۵)۔

محقق ابن ہمامؒ نے ”شرح فتح القدیر“ میں لکھا ہے کہ: خلاصہ میں مالی جرمانہ کے جواز کی جو بات کہی گئی ہے، وہ مشائخ میں سے ان حضرات کے قول کی بنیاد پر ہے، جو مالی جرمانہ کو جائز کہتے ہیں، جیسے امام ابو یوسفؒ۔

”**ومافي الخلاصة: سمعت عن ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلك أو الوالي جاز، ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال مبني على إختيار من قال بذلك من المشايخ**

كقول أبي يوسف"(شرح فتح القدیر:۵/ ۳۳۰)۔

اس سے پورے طور پر یہ بات واضح ہوگئی کہ امام ابویوسف کے نزدیک قاضی یا والی مصلحت سمجھے تو مالی جرمانہ لے سکتا ہے،اوراس پراس کی واپسی لازم نہیں ہے۔

۳۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جوحضرات مالی جرمانہ کے عدم جواز کے قائل ہیں اوران پراس کا غلبہ ہے؛انھوں نے امام ابویوسف کےقول جواز کوطرفین (امام ابوحنیفہ اورامام محمد) کےقول عدم جواز کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے، تاکہ یہ ثابت ہوجائے کہ حنفیہ میں سے کسی کا بھی عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

عدم جواز کے قائلین کے دلائل:

جوحضرات مالی جرمانہ کےعدم جواز کے قائل ہیں؛ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

ا۔ابتداء اسلام میں مالی جرمانہ لینا جائز تھا،بعد میں منسوخ ہوگیا،جن روایات سے مالی جرمانہ کا ثبوت ملتا ہے؛وہ ابتداء اسلام پرمحمول ہیں:

"وفي شرح الآثار:التعزير بالمال كان في إبتداء الإسلام،ثم نسخ"(البحر الرائق،کتاب الحدود،فصل فی التعزیر:۵/ ۶۸)۔

۲۔کتاب وسنت سے یہ ثابت ہے کہ کسی کا مال،بلاکسی سبب شرعی کے غلط طریقہ سے لینااوراس کواپنے استعمال میں لانا ممنوع اورحرام ہے،اور یہاں کوئی سبب شرعی نہیں ہے،البتہ اگرکوئی شخص اپنی خوشدلی ورضامندی سے کسی کواپنا کوئی مال دیدے یا کوئی سبب شرعی (بیع،ہبہ،وصیت،وراثت) پایاجائے،تو پھراستعمال جائز ہوگا،اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"يآيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم"(النساء:۲۹)۔

"ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقا من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون"(البقرۃ:۱۸۸)۔

حضوراکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پرفرمایا:تمہارے خون،تمہارے مال اورتمہاری عزت وآبروتمہارے لیے محترم ہیں،جیسا کہ تمہارا یہ دن،تمہارا یہ شہر،اورتمہارا یہ مہینہ محترم ہے۔

"فإن دمائكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في شهركم هذا"(بخاری شریف،باب الخطبۃ ایام منی:۱/ ۲۳۴)

دوسری روایت ہے:"لا يحل مال إمرئ مسلم إلا بطيب نفس منه" (مسند احمد،بیہقی)۔

مذکورہ بالا آیات وروایات سے یہ روز روشن کی طرح واضح ہے کہ بلاکسی کی خوشدلی،اوربغیرکسی سبب شرعی کے،کسی کا مال

حلال نہیں ہے۔

۳۔اگر مالی جرمانہ کو جائز قرار دیا جائے، تو ظالموں کے لیے کسی کا مال ظلما لینے کا دروازہ کھل جائے گا، اور ظالم لوگ دوسروں کا مال معمولی معمولی جرم پر ہڑپ لیں گے، جو خلاف شرع ہوگا۔

مانعین کے دلائل پر ایک نظر:

جو حضرات مالی جرمانہ کو جائز سمجھتے ہیں، وہ مانعین کی پہلی دلیل کا جواب یہ دیتے ہیں: کہ نسخ کا دعوی کہ ابتداء اسلام میں مالی جرمانہ جائز تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا؛ غلط اور بلا دلیل ہے۔ خلفاء راشدین اور ان کے بعد اکابر صحابہ اور ائمۂ کرام نے حضور اکرم ﷺ کے بعد مالی جرمانہ لیا ہے، اگر یہ حکم منسوخ ہوتا؛ تو یہ حضرات اس کے خلاف کیوں کرتے ؟

علامہ ابن قیمؒ اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں کہ: فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ مالی جرمانہ کا حکم منسوخ ہے، یا باقی ہے؟ صحیح یہ ہے کہ یہ حکم مصالح کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے، اور ہر زمانہ اور ہر جگہ میں مصالح کے پیش نظر، ائمہ کے اجتہاد پر موقوف رہتا ہے، اس لیے کہ نسخ کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور ان کے بعد ائمۂ کرام نے اس کو کیا ہے۔

’’ولهذا اختلف الفقهاء فيه،هل حكمه منسوخ أو ثابت؟والصواب أنه يختلف بإختلاف المصالح،ويرجع فيه إلى إجتهاد الأئمة فى كل زمان ومكان بحسب المصلحة؛إذ لا دليل على النسخ،وقد فعله الخلفاء الراشدون ومن بعدهم من الائمة‘‘(اعلام الموقعین:۲/ ۹۸)۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: جس نے بھی امام مالک یا امام احمد بن حنبل یا کسی بھی مذہب کے مطابق مطلقاً مالی جرمانہ کے منسوخ ہونے کی بات کہی؛ اس نے غلط اور بلا دلیل کہا، حضور اکرم ﷺ سے کوئی بھی روایت ایسی نہیں ملتی ہے؛ جو تمام مالی سزاؤں کو حرام قرار دے، بلکہ آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا عمل اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے، بلکہ ابھی بھی باقی ہے۔

’’ومن قال:ان العقوبات المالية منسوخة،وأطلق ذلک عن أصحاب مالک وأحمد؛فقد غلط على مذهبهما،ومن قاله مطلقا من أى مذهب كان؛فقد قال قولا بلا دليل،ولم يجئ عن النبى صلى الله عليه وسلم شيئ قط يقتضى أنه حرم جميع العقوبات المالية،بل اَخْذُ الخلفاءِ الراشدين وأكابر اصحابه بذلک بعد موته؛دليلٌ على أن ذلک محكم غير منسوخ‘‘(فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ،فصل فی التعزیر بالعقوبات المالیۃ ۲۸/ ۱۱۱)۔

اسی طرح ایک حنفی عالم علامہ علاء الدین طرابلسیؒ نے ’’معین الحکام‘‘ میں نسخ کے دعوی کو غلط قرار دیا ہے، نقلا بھی اور استدلا بھی، اور یہ کہا ہے کہ نسخ کا دعوی آسان نہیں ہے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا عمل نسخ کے دعوی کو باطل قرار دیتا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ نسخ کا دعوی کرنے والوں کے پاس نہ کوئی حدیث ہے اور نہ ہی اجماع، جو ان کے دعوی کو صحیح قرار دے۔

”من قال:إن العقوبة المالية منسوخة؛فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا،وليس بسهل دعوى نسخها،وفعلُ الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته ﷺ مبطل لدعوى نسخِها،والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصحح دعواهم“ (معین الحکام،فصل فی التعزیر:۲۷۰)۔

نیز نسخ کا دعوی اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ نسخ کے لیے تاریخ کا علم ضروری ہے،اور یہاں تاریخ کا کوئی علم نہیں ہے۔

دوسری دلیل کا جواب:

مالی جرمانہ کو جائز قرار دینے والے حضرات، مانعین کی دوسری دلیل کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مذکورہ آیات وروایات میں کسی کا مال بلاوجہ شرعی غلط طریقے سے کھانے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے،اور یہاں وجہ شرعی ہے کہ مجرم کو جرم سے روکنا مقصود ہے،اور اس کو لے کر خود حاکم یا قاضی نہیں کھا رہا ہے، بلکہ مجرم کو جرم سے روکنے کے مقصد سے مالی جرمانہ لے کر قاضی یا حاکم جہاں مصلحت سمجھتا ہے؛ وہاں صرف کرتا ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: ”اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے؛ جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو،لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے،تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے،اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے“ (تقریر ترمذی:۲/۱۱۹)۔

تیسری دلیل کا جواب:

مانعین کی تیسری دلیل (کہ اس سے ظلم کا دروازہ کھل جائے گا) کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہاں پر مالی جرمانہ کے کا جواز ایک مصلحت کے پیش نظر ہے،اگر کہیں ظلم کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ نہ ہو،اور مالی جرمانہ لینے والے حکام یا دیگر حضرات ظالم نہ ہوں جرم کے بقدر نیک نیتی اور عدل وانصاف کے ساتھ مالی تاوان لیں،تو پھر جواز میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب نوراللہ مرقدہ اپنی کتاب اسلامی فقہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”جن فقہاء نے اس کو ناجائز کہا ہے،اس کی وجہ انھوں نے حکام کے ظلم کو قرار دیا ہے،انھوں نے یہ رائے مصلحت کی بنیاد پر دی ہے،اگر ظلم کا پہلو نہ ہو،تو ان کی رائے بھی یہی ہوگی“ (اسلامی فقہ: ۳/۲۸۱)۔

مجوزین کے دلائل:

جو حضرات مالی جرمانہ کو جائز قرار دیتے ہیں،ان کے دلائل بھی بے شمار ہیں،اس کے دلائل قرآن کریم،احادیث نبویہ،اجماع صحابہ اور قیاس سب سے ہے۔

قرآن سے مالی جرمانہ کا ثبوت:

قرآن کریم میں حضرت موسی علیہ السلام کے قصہ میں یہ مذکور ہے کہ انھوں نے سامری کو (جس نے سونے کا بچھڑا بنا کر

عبادت کے لیے پیش کیا تھا،اور بنی اسرائیل سے یہ کہا تھا کہ یہ تمہارا بھی معبود ہے،اور حضرت موسی کا بھی معبود ہے) جرم میں دو سزائیں دی تھیں:ایک یہ کہ تم زندگی بھر یہ کہتا رہے گا کہ مجھے مت چھیڑو۔"**فإن لک فی الحیاۃ أن تقول لا مساس**"(سورۃ طہ:۹۷)،اور دوسری سزا کہ یہ تم نے جو زیورات سے بچھڑا بنایا تھا اس کو ہم جلا کر دریا میں بکھیر دیں گے۔"**لنحرقنه ثم لننسفنه فی الیم نسفا**"(سورۃ طہ:۹۷)۔چنانچہ حضرت موسی نے اس کو جلا کر سمندر میں ڈال دیا۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:"**وقال القتادۃ:إستحال العجل من الذهب لحما ودما،فحرقه بالنار،ثم ألقاه أی رماده فی البحر**"(تفسیر ابن کثیر:۹/ ۳۶۴،نیز دیکھئے:الجامع لاحکام القرآن:۱۱/۱۶۱)۔

مذکورہ بالا آیت اور اس کی تفسیر سے گرچہ یہ حکم معلوم ہوا کہ جس مال کے ساتھ معصیت قائم تھی،اس کو جلا کر ختم کر دیا،لیکن کم از کم یہ تو ضرور معلوم ہوا کہ کسی مجرم کو مالی نقصان پہنچا کر جرم سے روکا جا سکتا ہے،اور یہ حکم گرچہ امم سابقہ کے لیے ہے،لیکن چونکہ قرآن کریم نے اس کو بیان کر کے اس پر کوئی نکیر نہیں کی ہے،اس لیے اس امت کے لیے بھی یہ حکم قابل استدلال رہے گا۔

احادیث سے مالی جرمانہ کا ثبوت:

مالی جرمانی کو جائز قرار دینے والے حضرات نے احادیث مبارکہ سے بھی استدلال کیا ہے،اس ذیل میں بہت سی روایات ذکر کی جاتی ہیں،ان میں سے چند روایات درج ذیل ہیں:

۱۔ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ:حضرت سعد بن وقاصؓ نے ایک شخص کو حرم مدینہ (جس کو حضور اکرم ﷺ نے حرم قرار دیا) میں شکار کرتے ہوئے پکڑا،اور اس کا کپڑا وغیرہ لے لیا،پھر اس کے مالک آئے اور ان سے بات کی،حضرت سعدؓ نے فرمایا:کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:کہ جس شخص کو حرم مدینہ میں شکار کرتے ہوئے پاؤ؛اس کا سامان لے لو،میں اس میں سے کچھ بھی واپس نہیں کر سکتا ہوں۔

"**عن سلیمان بن ابی عبد اللہ قال:رأیت سعد بن ابی وقاص أخذ رجلا یصید فی حرم المدینةالذی حرم رسول اللہ ﷺ فسلبه ثیابه،فجاء موالیه وکلمه فیه،فقال:إن رسول اللہ ﷺ حرم هذا الحرم وقال:"من وجد أحدا یصید فیه؛فلیسلبه".ولا أرد علیکم طعمة أطعمنیها رسول اللہ ﷺ وقال:إن شئتم دفعت إلیکم ثمنه**"(ابوداؤد،کتاب المناسک:۱/ ۲۷۸)۔

بیہقی نے اپنی سنن کبری میں جو روایت ذکر کی ہے،اس میں یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:کہ جس شخص کو حرم مدینہ کے درختوں میں سے کسی درخت کو کاٹتے ہوئے دیکھو،تو تمہارے لیے اس کا سامان ہوگا،حرم مدینہ کا درخت نہ اکھاڑا جائے گا اور نہ ہی کاٹا جائے گا،حضرت سعد نے کچھ غلاموں کو حرم مدینہ کا درخت کاٹتے ہوئے دیکھا؛تو ان کا سامان چھین لیا،پھر وہ لوگ اپنے مالک کے پاس گئے اور ان کو واقعہ کی خبر دی،کہ حضرت سعد نے ایسا ایسا کیا ہے،پھر وہی تفصیل ہے جو ابوداؤد شریف کی روایت میں مذکور ہوئی۔(سنن بیہقی:۵/ ۱۹۹)،دونوں روایتوں میں فرق یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی روایت میں ایک شخص کا ذکر ہے،جو حرم مدینہ میں

شکار کر رہا تھا، اور سنن بیہقی کی روایت میں چند غلاموں کا ذکر ہے، جو حرم مدینہ کا درخت کاٹ رہے تھے۔

اس روایت میں حرم مدینہ کا درخت کاٹنے والوں یا اس میں شکار کرنے والوں کا سامان لے لینا اور ان کو نہ دینا؛ یہ مالی جرمانہ کی واضح دلیل ہے۔

جو حضرات مالی جرمانہ کو ناجائز کہتے ہیں، وہ اس طرح کی روایات کو ابتدائے اسلام پر محمول کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اب یہ حکم منسوخ ہے، لیکن اس سے پہلے یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ نسخ کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے، نیز نسخ کے لیے تاریخ کا علم ضروری ہے، جو یہاں مفقود ہے۔

۲۔ دوسری روایت بخاری شریف میں ہے کہ: '' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: میری خواہش ہوتی ہے کہ میں لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، اور اذان کے بعد کسی کو نماز پڑھانے کے لیے کہوں، اور جاکر ان گھروں میں آگ لگادوں، جس میں لوگ رہتے ہیں اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے مسجد نہیں آتے ہیں۔

''عن ابی ھریرہؓ ان رسول اللہ ﷺ قال: والذی نفسی بیدہ لقد ھممت أن آمر بحطب لیحطب، ثم آمر باالصلوۃ فیؤذن لھا، ثم آمر رجلا فیؤم الناس، ثم أخالف إلی رجال فأحرق علیھم بیوتھم'' (بخاری شریف، باب وجوب صلاۃ الجماعۃ: ۱/ ۸۹)۔

آپ ﷺ کا ان کے گھروں میں آگ لگانے کا پختہ ارادہ اس بات کی دلیل ہے کہ مجرم کو مالی نقصان پہنچایا جاسکتا ہے، آپ ﷺ نے یہ عمل اس لیے نہیں کیا کہ ان گھروں میں عورتیں بھی ہوتی ہیں اور بچے بھی، اگر ان گھروں میں آگ لگادی جائے تو غیر مجرم کو بھی نقصان ہوگا، جو صحیح نہیں ہے۔

جو حضرات مالی جرمانہ کو ناجائز کہتے ہیں، وہ اس روایت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے صرف ارادہ فرمایا، آگ تو نہیں لگائی، اس لئے اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

لیکن مجوزین یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ جائز نہ ہوتا؛ تو آپ ﷺ ارادہ ہی نہیں فرماتے، ناجائز اور خلاف شرع امور کا ارادہ نہیں کرسکتے ہیں۔

۳۔ تیسری روایت ابوداؤد شریف میں ہے کہ: '' آپ ﷺ نے گمشدہ اونٹ کے پانے والے کو جس نے چھپا کر رکھا تھا، اور اس کا اعلان نہیں کرایا تھا، اور نہ ہی کسی کو گواہ بنایا تھا؛ مجرم قرار دیا، اور اس پر اونٹ کی قیمت اور اسی کے مثل مزید لازم قرار دیا''۔

''إن النبی ﷺ قال: ضالۃ الإبل المکتومۃ غرامتھا و مثلھا معھا'' (ابوداؤد شریف، کتاب اللقطۃ: ۱/ ۲۴۱)۔

۴۔ چوتھی روایت بھی ابوداؤد میں ہے کہ: '' آپ ﷺ سے اس پھل کے متعلق پوچھا گیا، جو درخت میں لگا ہوا ہو کہ اگر کوئی شخص اس کو توڑ کر کھالے تو کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر توڑنے والا ضرورت مند ہو اور چھپا کر نہ لے جائے بلکہ توڑ کر

کھالے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے، اور جو شخص توڑ کر لیکر چلا جائے، تو اس پر اس کی ڈبل قیمت لازم ہوگی، اور سزا بھی دی جائے گی۔

"عن رسول الله ﷺ أنه سئل عن الثمر المعلق،فقال:من أصاب بفيه من ذی حاجة غير متخذ خُبنةً؛فلا شيئ عليه،ومن خرج بشيئ منه فعليه غرامة مثليه والعقوبة"(ابوداؤدشریف،کتاب اللقطۃ:۲۴۰)۔

مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے مالی جرمانہ لینے کا ثبوت ملتا ہے۔

مانعین حضرات مذکورہ بالا دونوں روایتوں کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے، یا تہدید وتشدید پر محمول ہے، تاکہ مجرم اپنی حرکت سے باز آجائے، لیکن بلا دلیل نسخ یا تہدید وتشدید پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔

۵۔ پانچویں روایت جس سے مجوزین نے استدلال کیا ہے، نسائی شریف میں ہے کہ:

" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص زکوۃ ثواب سمجھ کر ادا کرے گا، اس کو ثواب ملے گا، اور جو شخص دینے سے انکار کرے گا، اس سے زکوۃ اور مزید کچھ اونٹ لوں گا۔(چون کہ اونٹ ہی کی زکوۃ کی بحث چل رہی ہے)۔

"من أعطاهامؤتجرافله أجرها،ومن أبى فانا آخذوها،وشطر إبله عَزمة من عزمات ربنا،لا يحل لآل محمد منها شيئ"(نسائی شریف، باب عقوبۃ مانع الزکاۃ:۱/۲۶۱)۔

ابوداؤدشریف کی روایت میں "شطر ابله" کی جگہ، "شطر ماله" ہے، یعنی اس کے مال کا نصف حصہ لوں گا۔

مانعین اس روایت کا دوجواب دیتے ہیں: ایک یہ کہ یہ منسوخ ہے، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ راوی سے وہم ہوگیا ہے، اصل "شُطِّرَ مالُهُ" ہے، یعنی اس کے مال کو دو حصوں میں کردیا جائے گا، اور صدقہ وصول کرنے والا ان دونوں میں سے جو بہتر ہوگا اس کو سزاءً لے لیگا، ظاہر سی بات ہے کہ نسخ کا دعوی اور روایت کا مذکورہ مطلب بلا دلیل ہے، روایت کے الفاظ سے اور مذکورہ مطلب سے کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا ہے، نیز اگر مذکورہ مطلب صحیح مانا جائے؛ تو بھی دونوں حصوں میں سے بہتر لینا، یہ بھی ایک طرح سے مالی جرمانہ ہے۔

علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن القیم نے مذکورہ بالا روایات کے علاوہ خلفاء راشدین کے فیصلوں سے بھی مالی جرمانہ کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

"الموسوعۃ الفقہیہ" میں ہے:"ومنها أقضية الخلفاء الراشدين،مثل أمر عمرؓ وعلیؓ بتحريق المكان الذی يباع فيها الخمر،وأخذ شطر مال مانع الزكاة،وأمر عمر بتحريق قصر سعد بن أبی وقاصؓ الذی بناه،حتى يحتجب فيه عن الناس،وقد نفذ هذا الأمر محمد بن مسلمةؓ"(الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۱۲/۲۷۱)۔

اجماع سے مالی جرمانہ کا ثبوت:

مالی جرمانہ کو جائز قرار دینے والے حضرات نے کتاب وسنت اور آثار صحابہ کے علاوہ اجماع صحابہ سے بھی استدلال کیا ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ خلفاء راشدین نے مجرم سے مالی جرمانہ لیا اور صحابہ میں سے کسی نے نکیر نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ اس پر

صحابہ کا اجماع تھا۔

دکتور احمد محمد سعید السعدی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:"الإجماع:قالوا:إن صحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم شهدوا تعزير الخلفاء الراشدين في مواضع شتى للعاصين بعقوبات مالية وما أنكروا شيئًا من ذلك،فكان إجماعا"(حکم التعزیر بالمال:۲۹۶)۔

لیکن مالی جرمانہ کے جواز پر صحابہ کے اجماع کا دعوی سمجھ میں نہیں آتا ہے،اس لیے کہ اگر صحابہ کا اجماع ہوتا؛تو پھر جمہور فقہاء خصوصاً ائمہ اربعہ صحیح اقوال کے مطابق مالی جرمانہ کے عدم جوا کے قائل کیوں ہوتے؟

قیاس سے مالی جرمانہ کا ثبوت:

مجوزین مالی جرمانہ کے جواز کی عقلی دلیل یہ دیتے ہیں کہ:

الف۔شریعت مطہرہ میں مالی جرمانہ کی نظیر موجود ہے،جیسے:قسم کھا کر اس کے توڑنے کا کفارہ،قتل خطا کا کفارہ،اسی طرح کفارۂ ظہار،یہ سب مالی تعزیرات کی نظیر ہیں،ان پر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی جرم پر مالی تعزیر جائز ہو۔

ب۔دوسری دلیل یہ ہے کہ مالی تعزیرات کی مشروعیت کا مقصد مجرم کو جرم سے روکنا ہے،اگر کہیں پر جسمانی تعزیر متعذر ہو،تو پھر مالی تعزیر کے سوا کون سا راستہ رہ جاتا ہے؟اس کا بھی تقاضا ہے کہ مالی تعزیر کو جائز قرار دیا جائے۔

قول راجح اور وجہ ترجیح:

مالی تعزیرات کے جواز اور عدم جواز سے متعلق علماء اور فقہاء کی دو رائیں سامنے آئیں:

جمہور فقہاء خصوصا متقدمین کی رائے عدم جواز کی ہے،جبکہ متأخرین فقہاء جواز کے قائل ہیں،ان میں سے کون سی رائے راجح اور قابل عمل ہے؟ مذکورہ بالا بحثوں کی روشنی میں،حالات کے پیش نظر خاص طور سے ہندستان جیسے ملک میں متأخرین کی رائے جواز والی راجح معلوم ہوتی ہے،اس پر عمل کرنے کی گنجائش نظر آتی ہے،اس لیے کہ:

الف۔مانعین کے پاس عدم جواز کی کوئی صریح دلیل موجود نہیں ہے،ان کے پاس جو دلائل ہیں،مجوزین کی طرف سے ان کے معقول جوابات بھی ہیں،جو مذکور ہوئے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب" تقریر ترمذی"میں لکھتے ہیں:"لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی"(تقریر ترمذی:۲/۱۱۸)۔

ب۔دونوں رایوں پر غور کیا جائے کہ اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟اور ان رایوں کے پیچھے مصالح شرعیہ کیا ہیں؟تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ متقدمین کے زمانہ میں اسلامی حکومت کا نظام مستحکم تھا،مجرم پر شرعی حدود نافذ ہوتے تھے،اس میں کسی طرح کی کوئی دشواری نہیں تھی،جن جرائم میں کوئی حد یا کفارہ نہیں؛ان میں جسمانی تعزیر سے مجرم کی تنبیہ ہوجاتی تھی،اور وہ جرم سے باز آجاتا تھا،اس لیے ان حضرات نے جسمانی تعزیر کو کافی سمجھا،اور مالی تعزیر کی ضرورت نہیں سمجھی،بلکہ اس کو ظلم کا دروازہ کھلنے کا ذریعہ سمجھا۔

اور متأخرین فقہاء کے زمانہ میں شرعی حدود کے نفاذ اور جسمانی تعزیرات کے اجراء کا نظام حکومتی سطح پر مستحکم نہیں تھا، ان حضرات نے یہ سمجھا کہ اگر مالی تعزیرات کو جائز نہ قرار دیا جائے، تو پھر مجرم کو جرم سے روکنے کی کوئی صورت نہیں رہ جائے گی، اور اس کے کچھ حدود وقیود متعین کر دیئے جائیں تو ظلم کے دروازے بھی نہیں کھلیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ موجودہ محقق علماء میں سے مفتی تقی عثمانی صاحب، اور مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی بھی جواز کے قائل ہیں، اور ان حضرات نے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے، ہندستان جیسے ملک میں متأخرین کی رائے انسب اور اقرب الی الفقہ معلوم ہوتی ہے۔

ج۔ اگر مال کا مالک اپنی خوشدلی سے کسی کو اپنے مال کے استعمال کی اجازت دیدے؛ تو اس کے لیے وہ مال حلال ہو جائے گا، اور اس کا استعمال درست ہوگا، لیکن اگر کوئی شخص خوشدلی سے اپنی جان کی اجازت دیدے؛ تو جان حلال نہیں ہوگی، نیز اپنی جان بچانے کے لیے اپنا مال لگانے کا حکم ہے، لیکن اپنے مال کو بچانے کے لیے اپنی جان گنوانے کا حکم نہیں ہے، یعنی اگر کسی کی جان جارہی ہو، اور وہ اپنا مال دے کر اپنی جان بچالے، تو اس کی اجازت ہے، لیکن اگر کسی کا مال جارہا ہو، اور وہ یہ کہے کہ میری جان لےلو اور میرا مال چھوڑ دو، تو اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جان کی اہمیت مال کے مقابلے میں زیادہ ہے، اور جرم کو روکنے کے لیے جسم کو نقصان پہنچانا؛ بالاتفاق جائز ہے، تو جرم کو روکنے کے لیے مال کو نقصان پہنچانا؛ بدرجۂ اولی جائز ہونا چاہیے۔

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''اس لیے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوگی، لہذا! جب کسی مسلمان نے جرم کیا ہے، پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جارہا ہے؛ تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے، تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے، وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بدرجۂ اولی حلال ہونا چاہیے (تقریر ترمذی: ۲/۱۱۹)۔

د۔ تعزیرات کی مشروعیت کا مقصد خود مجرم اور دوسروں کو بھی جرم سے روکنا ہے، خواہ جسمانی تعزیر کے ذریعہ ہو یا مالی تعزیر کے ذریعہ، کہیں پر اگر جسمانی تعزیر ممکن نہ ہو، تو پھر جرم کو روکنے کے لیے ایک ہی شکل رہ جاتی ہے کہ مجرم پر مالی تاوان عائد کیا جائے، اگر مالی تاوان کو بھی ناجائز قرار دیا جائے تو پھر جرم کو روکنے کی کیا شکل ہوگی؟

ھ۔ ہندستان جیسے ملک میں جب کہ اسلام کے قانون حدود وتعزیرات کا فقدان پایا جاتا ہے، اور یہاں پر کسی کو جسمانی سزا دینا قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے، اس میں بہت زیادہ فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے، بلکہ سزا دینے والے خود بھی سزا کے مستحق ہو سکتے ہیں، نیز سماجی بائیکاٹ کا طریقہ بھی زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوتا ہے، تو اب منکرات اور جرائم کی روک تھام کے لیے، مالی تعزیرات کے سوا کوئی راستہ نہیں رہ جاتا ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب رقمطراز ہیں: ''اس وقت اسلام کے قانون حدود وتعزیرات کے فقدان کی وجہ سے بہت سے مسائل سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں، اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کر رہی ہیں، ان کے لیے اس کے سوا

کوئی چارۂ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بہت زیادہ کثرت ہوگئی ہے، اور ریلوے، بس، ٹریفک وغیرہ میں اس کا تعامل ہے، راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت دی جانی چاہیے (قاموس الفقہ: تعزیر: ۹ ۷ ۴)۔

و۔ نیز حالات اور ضرورت کے پیش نظر قول مرجوح پر فتوی دینے اور عمل کرنے کی گنجائش ہے، شرح عقود رسم المفتی میں ہے:

''وفی المعراج عن فخر الأئمة: لو افتی بشيئ من هذه الأقوال فی مواضع الضرورة طلبا للتيسير كان حسنا'' (شرح عقود رسم المفتی: ۱۸۰)، لہذا اگر قول جواز کو قول مرجوح بھی مان لیں، تو حالات اور ضرورت کے پیش نظر اس پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

راقم الحروف کا رجحان:

خلاصۂ کلام یہ کہ حالات اور ضرورت کے پیش نظر ہندستان جیسے ملک میں مالی تعزیرات کے قول جواز کو اختیار کیا جا سکتا ہے، یہ قول انسب اور اقرب الی الفقہ معلوم ہوتا ہے، لیکن ہر کس و ناکس یا ہر ادارہ اور ہر جماعت کے لیے مطلقاً ہر حال میں اس کے جواز کا فتوی دینا خطرہ سے خالی نہیں ہے، اور یقیناً اس میں ظلم کا دروازہ کھلے گا، اس لیے راقم الحروف کا رجحان یہ ہے کہ:

الف۔ پہلے مرحلہ میں اگر جسمانی تعزیر کے ذریعہ جرائم کا روکنا ممکن ہو، اور کسی طرح کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، تو جسمانی تعزیر پر ہی اکتفاء کیا جائے، مالی جرمانہ عائد نہ کیا جائے۔

ب۔ اگر جسمانی تعزیر ممکن نہ ہو، اور سماجک بائیکاٹ مؤثر ہو، یعنی اس کے ذریعہ مجرم کو جرم سے روکا جا سکتا ہو، تو سماجک بائیکاٹ پر عمل کیا جائے، اور اس کے ذریعہ جرائم کو روکنے کی کوشش کی جائے۔

ج۔ اگر سماجی بائیکاٹ بھی مؤثر نظر نہ آئے، تو پھر مالی تاوان کے ذریعہ جرائم کو روکا جا سکتا ہے، لیکن اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ مالی جرمانہ مقرر کرنے والے حضرات خدا ترس، اور پابند شرع ہوں، جو نیک نیتی اور عدل وانصاف کے ساتھ محض اصلاح کی غرض سے مالی جرمانہ عائد کریں، ان کی نیت میں فساد نہ ہو، اور مجرم سے کسی طرح کے انتقام کا جذبہ نہ ہو، نیز تاوان جرم کے بقدر ہو، اگر ان میں کچھ علماء بھی ہوں؛ تو زیادہ بہتر ہے۔

د۔ مالی جرمانہ لینے کے بعد اگر مجرم سے توبہ کی امید ہو جائے، اور وہ جرم سے باز آجائے، تو اس سے لیا ہوا مال اس کو واپس کر دیا جائے، اور اگر وہ اپنے جرم سے باز نہ آئے، اور توبہ سے مایوسی ہو جائے؛ تو باہمی مشورہ سے اس مال کو رفاہ عامہ کے کاموں پر صرف کر سکتے ہیں۔

تعلیمی اداروں میں طلبہ سے مالی جرمانہ لینے کا حکم:

تعلیمی اداروں میں طلبہ کی مختلف کوتاہیوں یا غلطیوں پر جو مالی جرمانہ لیا جاتا ہے، اگر غور کیا جائے تو وہ حقیقت میں مالی جرمانہ نہیں ہے، بلکہ تعلیمی ادارے جو طلبہ کو مختلف قسم کی سہولتیں دیتے ہیں، مثلاً کھانے کی سہولت، تعلیم کی سہولت، رہائش کی سہولت، اور

روشنی وغیرہ کی سہولت، جس کا معاوضہ عموماً طلبہ سے نہیں لیتے ہیں، طلبہ کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر اپنی سہولتوں کو کچھ دنوں کے لیے روک کر طلبہ سے ان سہولتوں کا معاوضہ لیتے ہیں، اور یہ شرعا جائز و درست ہے، اس کو مالی جرمانہ کی فہرست میں شامل نہیں کیا جاسکتا ہے، اور اگر مالی جرمانہ مان بھی لیا جائے، تو اصلاح کی غرض سے اس کی گنجائش ہوگی۔

غیر تعلیمی اداروں کے لیے مالی جرمانہ لینے کا حکم:

غیر تعلیمی ادارے مثلاً ہاؤزنگ سوسائٹیاں غیرہ، نظم وضبط کو درست رکھنے کے لیے مالی جرمانہ کا نظام بناتے ہیں، تاکہ لوگ طے شدہ مطلوبہ رقم وقت پر ادا کردیا کریں، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وقت پر مطلوبہ رقم ادا کرنے کے لیے ان کے پاس مالی جرمانہ کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو، تو اس کی گنجائش ہوگی۔

برادریوں، خاندانی پنچائتوں اور کاروباری انجمنوں کے لیے مالی جرمانہ لینے کا حکم:

برادریاں، خاندانی پنچائتیں اور کاروباری انجمنیں اصلاح کی غرض سے مالی جرمانہ کا جو نظام بناتی ہیں، ان کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر ان کے پاس اصلاح کے لیے نہ تو جسمانی تعزیر ممکن ہو، اور نہ ہی سماجی بائیکاٹ مؤثر ہو، بلکہ اصلاح کا صرف ایک ہی طریقہ مالی جرمانہ کا رہ گیا ہو، تو ان کے لیے مالی جرمانہ لینے کی گنجائش ہوگی، بشرطیکہ جرمانہ نیک نیتی اور عدل وانصاف کے ساتھ محض اصلاح کی غرض سے لیں، اور جرمانہ بقدر جرم ہو، اور جرمانہ لینے والے لوگ صاحب تقوی اور پابند شرع ہوں، ان میں کسی طرح کے انتقام کا جذبہ نہ ہو، اور جرمانہ لینے کے بعد مجرم سے اگر توبہ کی امید ہوجائے؛ تو جرمانہ کی رقم اس کو واپس کردیں، اور اگر توبہ کی امید نہ ہو؛ تو باہمی مشورہ سے رفاہ عامہ کے کاموں پر صرف کردیں، اس سلسہ میں اگر مجرم سے بھی مشورہ لے لیں؛ تو بہتر ہوگا۔

بے جا طلاق دینے پر متعہ یا نصف مہر واجب کرنے کا حکم:

طلاق کے سلسلے میں افراط وتفریط کی وجہ سے جو خرابیاں پیدا ہورہی ہیں، ان کو قابو میں کرنے کے لیے حنفیہ کے نزدیک جن صورتوں میں متعہ واجب نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے، ان صورتوں میں بطور سزا متعہ کو واجب قرار دینا، یا طے شدہ مہر کے علاوہ نصف مہر لازم کرنا؛ قطعاً صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ شریعت میں جو احکام استحباب کے درجہ میں ہیں؛ ان کو واجب کرنے کا اختیار کسی کو بھی نہیں ہے، اگر کوئی شخص ان کو واجب قرار دیدے؛ تو اس کا حکم شرعاً رد اور باطل ہوگا، نیز اگر فقہی سمینار کا یہ اجلاس اس طرح کا فیصلہ کرتا ہے؛ تو پھر حکومت وقت کو طلاق کے بے جا استعمال پر سزا کا قانون بنانے میں بڑی مدد ملے گی، اور حکومت کے لیے یہ اجلاس جواز فراہم کردے گا، اور پھر کسی ادارہ کے لیے کچھ کہنے یا واویلا مچانے کا حق نہیں ہوگا، اس لیے ہرگز اس کی اجازت نہ دی جائے۔

نکاح نامہ میں بے جا طور پر طلاق دینے، یا ایک ساتھ تین طلاق دینے کی صورت میں متعہ کے طور پر یا مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینے کی شرط لگانے کا حکم:

نکاح کے وقت یا نکاح نامہ میں یہ شرط لگادی جائے کہ بے جا طور پر طلاق دینے یا ایک ساتھ تین طلاق دینے کی صورت

میں متعہ کے طور پر، یا مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینی ہوگی،تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح کی شرط معتبر ہوگی اور بے جا طور پر طلاق دینے یا ایک ساتھ تین طلاق دینے کی صورت میں مہر کے علاوہ مزید نصف مہر واجب ہوگا؟

اس سلسلہ میں راقم الحروف کا رجحان یہ ہے کہ متعہ یا نصف مہر کا لفظ استعمال نہ کیا جائے، بلکہ یہ شرط لگائی جائے کہ ابھی مہر مثلاً تیس ہزار روپئے ہے، اگر بے جا طور پر طلاق دی، یا ایک ساتھ تین طلاق دی؛تو مہر پچاس ہزار روپئے ہوں گے،تو شرعاً اس کی گنجائش ہوگی،اس لیے کہ:

الف۔مہر کی مشروعیت کا مقصد طلاق کے بے جا استعمال سے بچنا ہے،جیسا کہ کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے(دیکھئے: بدائع الصنائع، باب المہر :۳/ ۴۵۳)،اور جب مہر کی مشروعیت کا مقصد طلاق کے بے جا استعمال سے بچنا ہے؛تو بوقت نکاح یا نکاح نامہ میں طلاق کے بے جا استعمال، یا ایک ساتھ تین طلاق دینے پر مہر کی زیادتی کی شرط لگانا؛ شرعاً جائز ودرست ہونا چاہئے۔

ب۔کتب فقہ میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ اگر بوقت نکاح مہر اس طرح طے پائے کہ اگر شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا؛تو مہر ایک ہزار روپئے،اور اگر باہر لے گیا؛تو مہر دو ہزار روپئے ہوں گے،اس صورت میں اگر اس نے شرط پوری کر دی،تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر ایک ہزار روپئے دینا ہوگا،اور شرط پوری نہیں کی؛تو مہر مثل لازم ہوگا،جو ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زائد نہ ہو،اور صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم ہوگا(ہدایہ علی ھامش شرح فتح القدیر، باب المہر :۲/ ۳۵۰،۳۵۱)۔

اس زمانہ میں جب کہ طلاق کا بے جا استعمال اور تین طلاق کی کثرت ہے،جس کے نتیجے میں بیوی اور اس کے بچے بے سہارا دردر کی ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں،ان حالات میں تین طلاق کے انسداد کے لیے صاحبین کے قول کو اختیار کرتے ہوئے، مذکورہ دونوں شرطوں کو جائز اور واجب العمل قرار دیا جائے؛تو جائز اور مقاصد شرع کے موافق ہوگا،جیسا کہ بہت سے مسائل میں حالات وضرورت اور عرف کی بنیاد پر صاحبین کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، مذکورہ جزئیہ سے مذکورہ مسئلہ پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

جرمانے کے طور پر مہر میں زیادتی کا مسئلہ

مفتی محمد سلمان پالنپوری قاسمی☆

۱-تعزیر بالمال کا مفہوم:

تعزیر ''عزر'' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ''رکنے'' کے ہیں، سزا کے ذریعہ چونکہ گناہ اور معصیت سے روکا جاتا ہے اور وہ انسانی سماج کی جرائم پیشہ عناصر کی دست درازیوں سے حفاظت کرتا ہے، اس لئے اس کو تعزیر کہتے ہیں۔

فقہ کی اصطلاح میں تعزیر ان جرائم پر دی جانے والی سزاؤں کو کہتے ہیں جن کے لئے کتاب وسنت میں سزائیں متعین و مقرر نہ ہوں (قاموس الفقہ ۲ / ۴۷۷)۔

تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کے درمیان فرق:

۱-تعزیر بالمال: اسلامی حکومت اور اسلام کے قانون حدود وتعزیرات کے فقدان کی وجہ سے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو نہ صرف ہندوستان بلکہ اکثر مسلم اکثریت ممالک میں بھی پیچیدہ اور دشوار ہوگئے ہیں، مثلاً طلاق کا بے جا استعمال مطالبہ جہیز، منشیات کا استعمال، زنا وغیرہ وغیرہ...... مسلمانوں کی مقامی انجمنیں، ادارے اور تنظیمیں اس کے سدباب کے لئے کھڑی ہوتی ہیں، اور جرمانے وغیرہ مقرر کرتی ہیں، اگر کوئی شخص اس قسم کے منکرات وفواحش میں مبتلا ہو تو اس سے بطور جرمانہ کے مال وصول کرے اور اس مال کو ذمہ دار اپنی صوابدید سے کسی کار خیر میں صرف کردے، اس کو کتب فقہ میں تعزیر بالمال سے بیان کیا گیا ہے۔

۲-تعزیر باخذ المال: اگر کوئی شخص کسی منکر کا عادی ہوجائے تو ذمہ دار بطور جرمانہ کے اس سے مال وصول کرے اور اپنے پاس محفوظ رکھے جب وہ شخص اس منکر سے توبہ کرلے تو اسے اس کا مال واپس کردے، اس کو کتب فقہ میں تعزیر بأخذ المال سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کو تعزیر بامساک المال بھی کہہ سکتے ہیں۔

علامہ شامیؒ کی رائے یہ ہے کہ ذمہ دار ایسے شخص سے بطور جرمانہ کے مال وصول کرے اگر وہ توبہ کرلے تو اسے اس کا مال واپس کردے اور اگر اس کی توبہ سے مایوسی ہوجائے تو وہ اپنی صوابدید سے مال کسی کار خیر میں صرف کردے۔

''وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شئ من ماله عنه مدة لينزجر،

☆ مدرسہ جامعہ خلیلیہ، ماہی، گجرات۔

ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة......وأرى ان يأخذها فيمسكها، فان أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى"(شامی ۶/۷۷)۔

نیز ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ "الفقہ الاسلامی والادلتہ" میں تحریر فرماتے ہیں: "**روى عن أبى يوسفؒ أنه يجوز للسلطان التعزير بأخذ المال، ومعنى التعزير بأخذ المال على القول عند من يجيزه، هو إمساك شئ من مال الجانى عنه مدة، لينزجر عا اقترفه ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهم الظلمة،إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعى.**

قال ابن عابدين:وأرى أن يأخذ الحاكم، مال الجانى فيمسكه عنده، فان أيس من توبته يصرفه إلى ما يرى من المصلحة"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۵۵۹۶)۔

۲-تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب:

تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب یہ ہے کہ نا جائز ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، بعض فقہاء نے امام ابو یوسفؒ کے قول کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے کہ "دراصل یہ جرمانہ وقتی طور پر بطور تنبیہ عائد کیا جائے، نہ بادشاہ خود لے سکتا ہے، اور نہ قاضی اور نہ بیت المال میں جمع کیا جا سکتا ہے، بلکہ محفوظ رکھا جائے گا اور جرم سے باز آنے پر واپس کیا جائے گا (فتاوی دارالعلوم زکریا ۴/۵۷۴)۔

"**قوله(لابأخذ المال فى المزهب) قال فى الفتح وعن ابى يوسفؒ يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقى الأئمة لا يجوز......وافاد فى البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به امساك شئ من مالم عنه مدة لينزجر، ثم يعيده، الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة"**(ردالمحتار ۶/۷۶)۔

۳-تعزیر بالمال کی بابت جواز کا قول اور اس کی فقہی حیثیت:

ائمہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعزیر بالمال جائز ہے، جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے: "**وعن ابى يوسفؒ يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال"**(ردالمحتار ۶/۷۶)۔

امام ابو یوسفؒ کے جواز کے قول کی فقہی حیثیت کو جاننے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قائلین جواز وعدم جواز کے دلائل نقل کئے جائیں اور پھر ان کا تجزیہ اور موازنہ کیا جائے تو امید ہے کہ مسئلہ اچھی طرح نکھر کر سامنے آ جائے گا۔

مانعین تعزیر مالی کے دلائل اور ان کے جوابات:

مانعین جواز عام طور پر تین دلائل سے استدلال کرتے ہیں......۱-مالی جرمانہ کو جائز رکھنے میں ظلما مال لینے کا دروازہ کھل جائے گا، جس کا خلاف شریعت ہونا ظاہر ہے۔

''قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا (أي التعزير بأخذ المال)لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس، فيأكلونه'' (ردالمحتار ۶/ ۷۶) (صاحب شرنبلالی نے فرمایا کہ مالی جرمانہ کے جواز کا فتوی نہیں دینا چاہئے کیونکہ اس سے ظالم لوگوں کے لئے عوام کے اموال پر قبضہ جمانے کا دروازہ کھل جائے گا)۔

۲-مالی جرمانہ ابتداء اسلام میں جائز تھا، بعد میں منسوخ ہوگیا...... ''وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كا ن في ابتداء الإسلام ثم نسخ'' (ردالمحتار ۶/ ۷۷)۔

۳-حدیث شریف میں ہے: ''لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفسه'' (رواہ مسلم)۔

تعزیر بالمال اس حدیث کے بالکل خلاف ہے (مستفاد: فتاوی دارالعلوم زکریا ۴/ ۵۸۰)۔

پہلی دلیل کا جواب:

مانعین جواز کی پہلی دلیل یہ ہے کہ...... مالی جرمانہ کے جواز کے فتوی سے ظالموں کے لئے لوگوں کے مال پر ناجائز قبضہ جمانے کا دروازہ کھل جائے گا، اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا نورمحمد صاحب (اپنی کتاب الجہاد ماض الی یوم القیامۃ) میں تحریر فرماتے ہیں: ''اس دلیل میں اتنا وزن نہیں ہے اس لئے کہ تمام فقہاء احناف اس پر متفق ہیں کہ بعض جرائم کی پاداش میں تعزیر کے تحت مجرم کا قتل کرنا نہ صرف جائز بلکہ باعث ثواب ہے، ''وجميع الكبائر والعونة والسعاة يباح قتل الكل ويثاب قاتلهم، انتهى وافتى الناصحي بوجوب قتل كل موذ'' (درمختار مع الشامی ۶/ ۸۰/ ۷) (تمام کبائر گناہ اور ظلم وفساد میں معاون مجرموں کو ایسے جرائم میں قتل کرنا جائز اور باعث ثواب ہے، اور علامہ ناصحیؒ نے تو ایسے جرائم پیشہ کا قتل واجب بتایا ہے، جنہوں نے مسلمانوں کو ضرر رسانی کا عمل اپنایا ہو)۔

واضح رہے کہ انسان کی جان بہ نسبت اس کے مال کے بہت قیمتی اور محترم ہے اگر تعزیر اکھل جائے گا اور ظالم حکمرانوں کو سیاسی مخالفین کے قتل کا ایک حربہ ہاتھ آجائے گا تو پھر اس خدشہ کو مالی تعزیر میں عدم جواز کے لئے کس طرح بنیاد بنایا جاسکتا ہے، جبکہ مال کا درجہ بہ نسبت جان کے کمتر ہے (الجہاد ماضی الی یوم القیامۃ/ص ۹۲)۔

نیز جن فقہاء نے تعزیر مالی کو حکام کے ظلم کی علت کی بناء پر ناجائز کہا ہے یہ رائے انہوں نے مصلحت کی بنیاد پر قائم کی ہے، لہذا اگر ظلم کا پہلو نہ ہو، بلکہ کسی مصلحت کی وجہ سے مال پر قبضہ کرلیا جائے تو ان کے نزدیک بھی جائز ہوگا، جیسا کہ حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے اسلامی فقہ میں تحریر فرمایا ہے:

''جن فقہاء نے اس کو ناجائز کہا ہے اس کی وجہ انہوں نے حکام کے ظلم کو قرار دیا ہے اور انہوں نے یہ رائے مصلحت کی بنیاد پر دی ہے اگر ظلم کا پہلو نہ ہو تو ان کے رائے بھی یہی (جواز کی) ہوگی'' (اسلامی فقہ ۳/ ۲۸۱)۔

دوسری دلیل کا جواب:

مانعین جواز کی دوسری دلیل یہ ہے کہ مالی جرمانہ کا جواز ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہوگیا، لیکن واقعات سے ثابت

ہوتا ہے کہ دعویٰ نسخ غلط ہے، جیسا کہ شامی میں مذکور ہے "وعن عمرؓ انه احرق بيت الخمار، وعن الصفار الزاهدی الا مر بتخريب دار الفاسق" (حضرت عمر فاروقؓ نے ایک شراب خانہ جلا ڈالا، اور علامہ صفار الزاہدی سے منقول ہے کہ فاسق کا گھر تباہ کرنے کا حکم دیا جائے گا) (فتاویٰ شامی ۶/۸۰)۔

نیز مصنف عبد الرزاق ایک روایت مذکور ہے جو تاوان کے باب بالکل صریح ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تاوان وصول کر کے دوبارہ واپس بھی نہیں کیا جائے گا...... "عن يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب أن غلمة لأبيه عبد الرحمن بن حاطب سرقوا بعيرا فانتحروه فوجد عندهم جلده ورأسه فرفع أمرهم إلى عمر بن الخطابؓ فأمر بقطعهم فمكثوا ساعة وما نرى إلا أن قد فرغ من قطعهم، ثم قال عمرؓ: على بهم، ثم قال لعبد الرحمن: والله إنى لأراک تستعملهم ثم تجيعهم وتسئ إليهم حتى لووجدوا ما حرم الله عليهم لحل لهم، ثم قال لصاحب البعير: كم كنت تعطى لبعيرک؟ قال اربع مأة درهم، قال لعبد الرحمن: فاغرم لهم ثمان مأة درهم" (مصنف عبد الرزاق ۱/۹/۲۳۹/۱۸۹۷۸ بحوالہ فتاویٰ دار العلوم زکریا ۴/۵۷۵) (حضرت عبد بن حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے ایک اونٹ چرا کر ذبح کر دیا جس کا چمڑا اور سر ان کے پاس پایا گیا، لوگ حضرت عمرؓ کے پاس معاملہ لائے۔ آپ ﷺ نے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، پھر تھوڑی دیر سوچ کر غلاموں کو طلب فرمایا اور حضرت عبد الرحمٰن سے کہا: میں دیکھتا ہوں کہ تم ان سے کام بھی لیتے ہو ان کو بھوکا بھی رکھتے ہو اور بدسلوکی بھی کرتے ہو، یہاں تک کہ اگر وہ کوئی حرام چیز بھی پالیں تو ان کے حق میں حلال ہو جائے، پھر اونٹ والے سے دریافت کیا کہ تم اونٹ کتنے قیمت دے سکتے تھے؟ اس نے کہا چار سو دو درہم میں، حضرت عمرؓ نے حضرت عبد الرحمٰن سے فرمایا: تاوان کے ساتھ آٹھ سو روپئے ادا کرو)۔

خلاصہ کلام گھر جلانا یا گرا کر تباہ کرنا یقیناً مالی نقصان دینا ہے اگر مجرم کو مالی نقصان سے سزا دینا منسوخ ہوتا تو حضرت عمرؓ شراب کی فیکٹری یا شرابی کا گھر کیوں کر جلائے جبکہ حضور ﷺ کی وفات پر نسخ کا دروازہ بند ہو چکا تھا، اور یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ کو نسخ کا علم نہ ہوا ہوگا خود فریبی ہوگی، جبکہ حضرت عمرؓ پر سر عام مجمع صحابہ میں یہ سزا دی ہے۔

نیز جن فقہاء نے مالی جرمانہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ منسوخ شدہ حکم کا فتویٰ دیں (الجہاد ماض الی یوم القیامۃ/ص ۹۴)۔

نیز علاء الدین طرابلسیؒ نے بھی معین الحکام میں دعویٰ نسخ غلط قرار دیا ہے...... "ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذهب الأئمة نقلا واستدلالا، وليس بسهل دعوى نسخها، فعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته ﷺ مبطل لدعو نسخها، والمدیون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصحح دعواهم" (معین الحکام/ص ۱۹۵، بحوالہ فتاویٰ دار العلوم زکریا ۴/۵۸۱)۔

دکتور وہبہ الزحیلی تحریر فرماتے ہیں: "وقد اختلف الفقهاء فيه هل حكمه، منسوخ او ثابت؟ والصواب انه،

یختلف المصلحة، إذ لا دلیل علی النسخ وقد فعله الخلفاء الراشدون، ومن بعدهم من الأئمة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۵۵۹۹)۔

نیز حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ سابق مدرس دارالعلوم دیوبند، سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامی تعلیم الدین ڈابھیل نے بھی معین القضاۃ والمفتین میں معین الحکام کے حوالہ سے تعزیر بالمال کا جواز نقل فرمایا ہے اور منسوخ ہونے کی بات سے اتفاق نہیں فرمایا (معین القضاۃ والمفتین رص ۷۰ بحوالہ فتاوی دارالعلوم زکریا ۴/۵۷۸)۔

تیسری دلیل کا جواب:

مانعین جواز کی تیسری دلیل یہ ہے کہ "مالی جرمانہ کا جواز لایحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفسہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے"۔

مفتی تقی عثمانی صاحب اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اس حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں، اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہے پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جارہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولی حلال ہونا چاہئے (تقریر ترمذی ۲/۱۱۸، بحوالہ فتاوی دارالعلوم زکریا ۴/۵۸۲)۔

نیز تعزیر بالمال اور تعزیر بالقتل میں کسی کے مال وجان میں تصرف بغیر دلیل شرعی کے نہیں ہے بلکہ دلیل شرعی کی بنیاد پر ہے، جیسا فتاوی شامی میں مذکور ہے......"**لأنه (التعزیر) من باب إزالة المنکر والشارع ولی کل أحد بذلک حیث قال ﷺ من رأی منکم منکرا فلیغیره، بیده، فإن لم یستطع فبلسانه**" (ردالمحتار ۶/۸۱) (تعزیری سزائیں منکرات کو ہٹانے کے زمرے سے ہیں اور شریعت نے ہر ایک مسلمان کو اس کا اختیار دیا ہے، جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ تم میں سے جس نے برائی دیکھی تو اسے چاہئے کہ اس کو طاقت کے ذریعہ ختم کردے اور اگر طاقت نہ ہو تو زبان کے ذریعہ اس کو ختم کردے (الجہاد ماض الی یوم القیامۃ رص ۹۳)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: تعزیر بالمال کے عدم جواز پر کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی، چنانچہ بعض متاخرین حنفیہ نے امام ابویوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے (تقریر ترمذی ۲/۱۱۸، بحوالہ فتاوی زکریا ۴/۵۷۸)۔

مذکورہ بالا تفصیلی سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ امام ابویوسفؒ کا قول دلائل کے اعتبار سے مضبوط اور موجودہ حالات کے پیش نسب ہے۔

۴-فقہاءحنفیہ میں تعزیر بالمال کے جواز کا فتوی:

امام ابو یوسفؒ سے مالی جرمانہ کے جواز کا جو قول منقول ہے اس کو متعدد فقہاء نے راجح قرار دیا ہے اور اس کی موافقت میں فتوی بھی دیا ہے، جن میں چند فتاوی ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱-علاء الدین طرابلسیؒ تحریر فرماتے ہیں:"**يجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب أبي يوسف، وبه قال مالك**"(معین الحکام رص ۱۹۵ بحوالہ فتاوی دارالعلوم زکریا ۴ر ۵۷۷)۔

۲-علامہ ابن نجیم مصریؒ تحریر فرماتے ہیں:"**وفي الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال له**"(البحر الرائق ۵ر ۴۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)۔

۳-فتاوی بزازیہ میں ہے:"**والتعزير بأخذ المال أن المصلحة فيه جائزة......قالوا ومن جملته من لا يحضره الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال**"(البزازیۃ علی ہامش العالمگیری ۶ر ۴۲۷)۔

۴-نیز علامہ عبدالحئی ابوالحسنات نے مجموع الفتاوی ۲ر ۱۸۱ کتاب القضاء میں حسب ذیل سوال وجواب ذکر فرمایا ہے:

سوال: کیا فرماتے علماء دین اس مسئلہ میں پنچوں میں دستور تھا کہ جو شخص کوئی کام ناشائستہ کرتا تھا اس کو برادری سے خارج کردیتے تھے اور اس سے جرمانہ لے کر برادری میں شریک کرتے تھے اور اس جرمانہ کو لے کر سب پنچ برداری مل کر شیرینی وغیرہ کھالیتے تھے، پس یہ جرمانہ لینا اہل برادری سے بہ سبب کار ناشائستہ کرنے کے درست ہے یا نہیں؟ اور جرمانہ کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

ہوالمصوب: یہ جرمانہ لینا واسطے تنبیہ کے درست ہے، واللہ اعلم (الجہاد ماض الی یوم القیامۃ رص ۹۶)۔

۵-حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ نے بھی معین القضاۃ والمفتین میں معین الحکام کے حوالہ سے تعزیر بالمال کا جواز نقل فرمایا ہے، اور منسوخ ہونے کی بات سے اتفاق نہیں فرمایا (معین القضاۃ والمفتین ص ۷۰، بحوالہ فتاوی دارالعلوم ۴ر ۵۷۸)۔

۵-تعزیر بالمال کی بابت مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال:

تعزیر بالمال کی بابت ائمہ ثلاثہ کا راجح قول عدم جواز کا ہے گو مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کی طرف اس کے جواز کی نسبت بھی کی گئی ہے، جیسا کہ اس سلسلہ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:"تعزیر کے باب میں ایک اہم مسئلہ تعزیر مالی کا ہے، ائمہ اربعہ کا راجح مسلک یہی ہے کہ مالی تاوان وجرمانہ جائز نہیں ہے، گو مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کی طرف اس کے جواز کی نسبت بھی کی گئی ہے، سلف صالحین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیمؒ نے پوری وضاحت کے ساتھ تعزیر مالی کے جائز ہونے کی وکالت کی ہے، ماضی قریب کے اہل علم میں سے شیخ سید سابق نے معین الحکام کے مصنف علاؤالدین طرابلسی سے بھی یہی نقل کیا ہے (قاموس الفقہ ۲ر ۴۷۹)۔

"**لا يجوز التعزير بأخذ المال في الراجح عند الأئمة لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس**

فیأکلونه واثبت ابن تیمیہؒ وتلمیذه، ابن القیمؒ ان التعزیر بالعقوبات المالیة مشروع فی مواضع مخصوصة فی مذهب مالکؒ فی المشهور عنه ومذهب احمد واحد قولی الشافعیؒ"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۵۵۹۶)۔

"**قال فی الفتح: وعن ابی یوسفؒ یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقی الأئمة لا یجوز**"(ردالمحتار ۶/۷۶)۔

سلف صالحین میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اوران کے شاگرد رشید ابن قیمؒ نے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعزیر مالی کا جواز نقل فرمایا ہے:

"**واثبت ابن تیمیه وتلمیذه ابن القیم أن التعزیر بالعوبات المالیة مشروع فی مواضع مخصوصة فی مذهب مالک فی المشهور عنه، ومذهب احمد واحد قولی الشافعی**"(فقہ اسلامی وادلتہ ۷/۵۵۹۶)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب نے بھی امام احمدؒ کے مذہب میں تعزیر مالی کے جواز کی گنجائش نقل فرمائی ہے۔

اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ تعزیر بالمال ناجائز ہے، صرف جسمانی سزا کے ذریعہ تعزیر کرنا جائز ہے، البتہ امام احمد بن حنبلؒ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دا ہے (درس ترمذی ۲/۱۱۸، بحوالہ فتاوی دارالعلوم زکریا ۴/۵۷۸)۔

صاحب فقہ السنہ نے بھی امام مالکؒ کے مذہب میں تعزیر مالی کا جواز نقل فرمایا ہے،"**ویجوز التعزیر بأخذ المال وهومذهب ابی یوسف، وبه قال مالک**"(فقہ السنہ ۳/۶۵)۔

۶- کیا ضرورۃ تعزیر بالمال کے جواز کا فتوی دیا جاسکتا ہے؟

موجودہ حالات میں جبکہ جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے وعظ اور زبانی فہمائش کافی نہ ہو اور جسمانی سزا کا بھی کوئی موقع نہ ہو تو ضرورۃ امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق تعزیر بالمال کے جواز کا فتوی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جیسا کہ اس سلسلہ میں مولانا مجیب اللہ ندوی "اسلامی فقہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

۱- امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ اسے ناجائز کہتے ہیں، طرفین کے برخلاف امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ مصلحت متقاضی ہو تو جائز ہے، راقم الحروف کے خیال میں امام ابو یوسفؒ اور جو فقہاء مالی جرمانہ یا اتلاف کے ذریعہ تعزیر کے قائل ہیں ان کی رائے سے قابل ترجیح ہے جیسا کہ حدیث وآثار میں ان کی متعدد مثالیں موجود ہیں (اسلامی فقہ ۳/۲۸۰)۔

۲- نیز ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں: جن فقہاء نے اس کو ناجائز کہا ہے اس کی وجہ انہوں نے حکام کے ظلم کو قرار دیا ہے، انہوں نے یہ رائے مصلحت کی بنیاد پر دی ہے اگر ظلم کا پہلو نہ ہو تو ان کی رائے بھی یہی اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ "قاموس الفقہ" میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: اس وقت اسلام کے قانون حدود وتعزیرات کے فقدان کی وجہ سے مسائل جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کررہی ہیں ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں یوں بھی عملا اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے اور

ریلوے پس ٹریفک وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے، راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت ہونی چاہئے (قاموس الفقہ ۲/۲۷۹)۔

بے جا طلاق دینے پر جرمانہ عائد کرنا:

طلاق دیتے وقت مطلقہ کو جو چیزیں دی جانی چاہئے ان میں سے ایک ''متاع'' ہے، یعنی رخصتانہ کے طور پر عورت کو کچھ دے کر رخصت کرنا، اس کی کم سے کم حد ایک جوڑا اچھا کپڑا لیکن زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے، پیغمبر اسلام ﷺ کے نواسے حضرت حسینؓ نے اپنی بیوی کو متاع کے طور پر ایک ہزار دینار دیئے تھے (۲۰/دینار ۸۷.۵ گرام سونے کے برابر ہوتا ہے اس سے ایک ہزار دینار کی قیمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے) اگرچہ اکثر فقہاء کے نزدیک سوائے اس عورت کے جس کا مہر نکاح کے وقت طے نہ پایا ہو اور شوہر و بیوی کی تنہائی سے قبل ہی طلاق کی نوبت آ گئی ہو، دوسری مطلقہ عورتوں کو متاع دینا مستحب ہے، لیکن امام مالکؒ کے نزدیک تمام عورتوں کے لئے متاع واجب ہے، لہذا طلاق کے بارے میں جو افراط وتفریط پائی جاتی ہے اور جس سے بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، ان کو قابو میں کرنے کے لئے اگر ضرورت محسوس ہو کہ بے جا طور پر طلاق دینے والوں پر بطور جرمانہ کے متعہ کو واجب قرار دیا جائے، اور بصورت نقد اس کی ایک معقول حد مقرر کی جائے، یا یہ کے طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کیا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

۱۱- بے جا طلاق دینے پر نکاح نامہ میں جرمانہ کی شرط لگانا:

عقد نکاح کے وقت لگائی جانے والی شرطیں عام طور پر تین قسموں پر منقسم ہوتی ہیں:

پہلی قسم: ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر پر لازم ہوگا۔

دوسری قسم: نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ لازم نہ ہوگا۔

تیسری قسم: نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو نمبر ۱ اور نمبر ۲ میں سے کسی کے تحت نہ آتی ہو، اور اس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ اگر شوہر اس کو بے جا طور پر طلاق دے گا یا ایک ساتھ تین طلاق دے گا تو اس کے ذمہ طے شدہ مہر کے علاوہ زائد نصف مہر دینی لازم ہوگی یا بطور جرمانہ کے ایک متعینہ خطیر رقم ادا کرنی ہوگی۔

مذکورہ بالا شرائط کے احکام:

پہلی قسم: ایسی شرطیں جو انہیں حقوق وفرائض کو مؤکد کرتی ہوں جن کو شریعت نے نکاح کی وجہ سے لازمی طور پر واجب قرار دیا ہے وہ بالاتفاق معتبر ہیں، اور فریقین پر ان کا ایفاء واجب ہے کیونکہ یہ بجائے خود نکاح کے مقاصد میں ہیں اور شریعت نے ان کو واجب قرار دیا ہے نکاح کے وقت شرط کے طور پر ان کا تذکرہ محض احکام شریعت پر عمل اور اپنے فرائض وواجبات کی ادائیگی کے عہد کی تجدید وتوثیق ہے۔

دوسری قسم: ایسی شرطیں جو نکاح صحیح ہونے کی شرطوں میں سے کسی شرط کو ساقط کر دیتی ہوں یا نکاح کے واجب احکام میں سے کسی حکم میں تغیر وتبدیلی کو مستلزم ہوں، ایسی شرطیں بالاتفاق غیر معتبر ہیں، امام بخاریؒ نے ایسی شرطوں کی ممانعت پر مستقل عنوان ''باب الشروط التی لاتحل فی النکاح'' قائم فرمایا ہے۔

تیسری قسم: وہ شرطیں جن سے عورت کو نفع پہنچتا ہو اور شریعت نے نہ ان کو واجب قرار دیا ہو اور نہ ان سے منع کیا ہو، گویا ان شرطوں کو مان کر مرد اپنے بعض ایسے حقوق سے دستبردار ہو جاتا ہے جن سے دستبردار ہونے کا اس کو اختیار ہے یا اپنے اوپر کوئی ایسی چیز لازم کر رہا ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں اس پر لازم نہ تھی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ اگر شوہر نے اس کو بے جا طور پر طلاق دی یا ایک ساتھ تین طلاقیں دی تو اس پر لازم ہوگا کہ بیوی کو ایک متعینہ خطیر رقم یا متعینہ مہر کے علاوہ زائد نصف مہر دے۔

اگر ایسی شرطوں کے ساتھ نکاح کیا گیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا اس پر تو اتفاق ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ شرطیں معتبر ہوں گی یا نہیں؟ اور ان کی تکمیل واجب ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین میں سے مثبتین اور منکرین کی ایک قابل لحاظ تعداد ہے۔

منکرین اور ان کے دلائل:

جو حضرات ایسی شرطوں کو غیر معتبر خیال کرتے ہیں ان میں سے صحابہ میں سے حضرت علیؓ کا نام نامی ہے، نیز یہی رائے سعید بن المسیبؒ، حسن بصریؒ، طاؤس، ابراہیم نخعیؒ، ابن شہاب، زہریؒ، عطاءؒ، ایاز بن معاویہؒ، ہشام بن ہبیرہؒ، ابن سیرینؒ اور سفیان ثوریؒ کی ہے، ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا نقطہ نظر بھی یہی ہے، فقہاء مالکیہ ایسی شرطوں کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرد کے لئے ان کی ایفاء واجب تو نہیں ہے لیکن مستحب ضروری ہے، ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

۱-''**کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل**'' (جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے) اور ظاہر ہے کہ نکاح کے ساتھ اس قسم کی شرطیں کتاب اللہ میں مذکور نہیں ہیں (بخاری ۱/۳۷۷)۔

۲-ایسی شرطیں تقاضائے عقد کے خلاف ہیں۔

۳-ایک خاتون جس سے شوہر نے مکان دینے کا وعدہ کیا تھا جب ان کی بابت حضرت علیؓ سے سوال کیا گیا تو فرمایا کہ اللہ کی شرط بیوی کی شرط سے مقدم ہے، ''**شرط اللہ قبل شرطھا**'' (مصنف ابن ابی شیبہ ۶/۲۲۷)۔

مثبتین اوران کے دلائل:

جن حضرات کے نزدیک ایسی شرطیں معتبر ہیں اور شوہر پران کو پورا کرنا واجب ہے، ان کی فہرست بھی خاص طویل ہے، صحابہ کرام میں سے حضرت عمرؓ اور عمرو بن عاصؓ کا یہی نقطہ نظر تھا، بعد کے اہل علم میں قاضی شریحؒ، ابوالشعثاءؒ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، اسحاقؒ، اوزاعیؒ، ابن شبرمہؒ کا یہی قول ہے، علامہ بغویؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف بھی اس کی نسبت کی ہے، امام بخاریؒ اور امام ابوداؤدؒ اور دیگر محدثین کا رجحان بھی اسی کی طرف معلوم ہوتا ہے، ائمہ مجتہدین میں سے یہی رائے امام احمد بن حنبلؒ کی ہے۔

ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱-اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**یایها الذین آمنوا أوفوا بالعقود**" (سورۂ مائدہ:۱) (اے ایمان والو! وعدوں کو پورا کرو)۔

امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے اس آیت کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مجاہدؒ، ابن جریجؒ، ابوعبیدہؒ اور متعدد لوگوں سے نقل کیا ہے کہ عقود سے مراد عہود ہے یعنی معاہدات اور وعدے ہیں، ظاہر ہے کہ نکاح کے وقت طے پانے والی جائز شرطیں بھی عہد کے قبیل سے ہیں۔

خود ابوبکر جصاصؒ آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں: "**وکذلک کل شرط شرطه، إنسان علی نفسه فی شئ یعمله، فی المستقبل فهو عقد**" (مستقبل میں کئے جانے والی افعال کی بابت اپنے آپ پر انسان جو بھی شرط عائد کرلے وہ عقد ہے)۔

پھر آگے اس بار پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت کا تقاضا کیا ہے؟ "**وهو عموم فی إیجاب الوفاء بجمیع ما یشترط الإنسان علی نفسه مالم تقم دلالة تخصیصه**" (انسان اپنے آپ پر جو شرطیں منظور کرلے یہ آیت ان تمام کی بابت ایفاء اور تکمیل کو واجب قرار دیتی ہے سوائے اس کے کہ کوئی ایسی دلیل موجود ہو جو اس میں تخصیص کا تقاضا کرتی ہو۔

۲-عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**أحق ماأوفیتم من الشروط أن توفوا به ماستحللتم به الفروج**" (بخاری شریف مع الفتح ۹/۲۱۷) (سب سے زیادہ قابل ایفاء شرطیں وہ ہیں جن کے ذریعہ تم عصمتوں کو حلال کرتے ہو) عام طور سے محدثین نے اس سے اسی قسم کی شرطیں سمجھی ہیں۔

۳-ابن ابی شیبہ نے مختصراً اور بخاری نے تعلیقاً نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن غنم کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر تھا، حضرت عمرؓ کے پاس ایک مقدمہ آیا جس میں شوہر اور بیوی کے درمیان یہ شرط طے شدہ تھی کہ شوہر اس کو اس کے میکے ہی میں رکھے گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ شرط پوری کی جائے، اس کے شوہر نے کہا کہ اگر اس طرح کا فیصلہ ہو تو عورت جب بھی شوہر سے علاحدہ ہونا چاہے علاحدہ ہوجائیگی، حضرت عمرؓ نے فرمایا: "**المسلمون عندما شرطهم عند مقاطع حدودهم**" (مصنف ابن عبدالرزاق ۶/۲۲۷)۔

۴- یہی رائے حضرت عمرؓ کے علاوہ متعدد صحابہ کرام مثلاً سعد بن ابی وقاصؓ، معاویہؓ، عمرؓ بن عاص کی بھی ہے، نیز حضرت عمرؓ کا فیصلہ اس وقت ہوا ہے جب صحابہ کی بڑی جماعت مدینہ میں موجود تھی اور کسی کا اس فیصلہ میں اختلاف کرنا منقول نہیں ہے۔

۵- یہ ایسی شرطیں ہیں جو مقاصد نکاح سے مانع نہیں ہے، بلکہ اس سے ایک جائز مقصد و منفعت متعلق ہے جیسے سماج اور معاشرہ میں طلاق کے بارے میں پائی جانے والی افراط وتفریط کی روک تھام، لہذا ان شرطوں کا ایفاء لازم ہوجانا چاہئے۔

فریقین کے دلائل پر ایک نظر:

فریقین نے اپنے موقف پر ان مختلف دلائل سے استدلال کیا ہے لیکن اصل استدلال دونوں ہی فریقوں کا حدیث نبوی ہے، ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث کے عموم کو ملحوظ رکھا ہے "**كل شرط ليس فی كتاب الله فهو باطل ولو كان مأة شرط**" اور حنابلہ نے نکاح سے متعلق اس خصوصی ارشاد کو پیش نظر رکھا ہے "**أحق الشروط أن يوفى به ما استحللتوبه الفروج**"۔

۱- حافظ ابن رشد بلند پایہ مالکی فقہاء میں سے ہیں اور مصنف مزاج بھی ہیں مگر ان کا رجحان حنابلہ کی طرف ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں: "**والحديثان صحيحان أخرجهما البخارى ومسلم إلا أن المشهور عند الأصوليين القضاء بالخصوص على العموم وهو لزوم الشرط وهو ظاهر ما وقع فى العتيبة، وإن كان المشهور خلاف ذلک**" (بدایۃ المجتہد ۲/۵۹)۔

(دونوں حدیثیں صحیح ہیں جن کی بخاری ومسلم نے تخریج کی ہے لیکن علماء اصول کے نزدیک یہ بات معروف ہے کہ خاص کے ذریعہ عام کی تخصیص کی جائے گی، اور زیر بحث مسئلہ میں خصوص یہی ہے کہ شرط کی تکمیل لازمی ہو، "عتیبہ" (فقہ مالکی کی ایک اہم کتاب) میں جو کہا گیا ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہے گو قول مشہور اس کے خلاف ہے)۔

۲- جس حدیث میں نکاح کے وقت متعینہ شرطوں کو وفا کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے متعلق جمہور کا خیال ہے کہ اس سے کوئی اضافہ شرط مراد نہیں ہے، بلکہ نکاح کی بنیاد پر عائد ہونے والے فرائض وواجبات کی تاکید مقصود ہے، لیکن حدیث کے الفاظ میں بظاہر اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ کتب حدیث میں اس کا کوئی پس منظر ہی منقول ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی یہ مراد متعین کی جاسکے، چنانچہ ائمہ ثلاثہ کے مقلدین میں سے جنہوں نے بھی معروضی انداز پر اس حدیث میں غور وفکر کیا ہے انہوں نے حنابلہ کے نقطہ نظر کو حدیث سے زیادہ قریب محسوس کیا ہے جیسا کہ ابن رشد مالکی کی صراحت اوپر ذکر کی گئی، نیز شوافع میں سے ابن دقیق العیدؒ جو حدیث وفقہ میں بڑا مقام رکھتے ہیں انہوں نے بھی جمہور کی طرف سے حدیث کی اس تشریح پر بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے۔

"**قد استشكل ابن دقيق العيد حمل الحديث على الشروط التى مقتضيات النكاح قال تلک الأمور لا تؤثر الشروط فى ايجابها فلا تشتد الحاجة إلى تعليق الحكم باشتراطها وسياق الحديث يقتضى خلاف ذلک؛ لأن لفظ "احق الشروط" يقتضى أن يكون بعض الشروط يقتضى الوفاء و بعضها اشداقتضاء ا والشروط هى من مقتضى العقد مستوية فى وجوب الوفاء بها**" (فتح الباری ۹/۲۱۸)۔

(جو شرطیں خود ہی مقتضیات عقد میں سے ہیں، انہیں کو اس حدیث کا مصداق قرار دینے پر ابن دقیق العید کو اشکال ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب ان امور کے واجب قرار دیئے جانے میں ان شرطوں کو لگانا مؤثر نہیں ہے تو پھر ان شرطوں کے لگانے پر حکم کو متعلق کرنے کی کوئی حاجت نہیں، حدیث کا سیاق بھی اس سے مختلف بات کا متقاضی ہے، کیونکہ ''احق الشروط'' کی تعبیر ظاہر کرتی ہے کہ بعض شرطیں قابل ایفاء ہیں اور بعض زیادہ قابل ایفاء ہیں، اور جو شرطیں واجبات عقد میں سے ہیں وہ لازم الایفاء ہونے میں برابر ہیں)۔

''**کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل**'' سے کس قسم کی شرطیں مراد ہیں؟ ان کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جس کے پس منظر میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے، واقعہ یہ ہے کہ بریرہؓ نامی ایک باندی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے مالکان نے ان کو مکاتب بنادیا تھا، انہوں نے ام المومنین سے درخواست کی کہ بدل کتابت کی ادائیگی میں ان کی مدد کی جائے، ام المؤمنین نے فرمایا کہ اس کے بجائے میں چاہوں گی کہ تم کو تمہارے مالکان سے خریدلوں اور خود آزاد کرلو اس طرح تمہارا ولاء مجھ کو حاصل ہو، مالکان نے کہا کہ ہم فروخت کردیں اور ام المؤمنین آزاد کردیں مگر حق ولاء ہمارے لئے محفوظ رہے گا، ظاہر ہے ان کی یہ بات شریعت کی روح کے خلاف تھی، شریعت میں نسب کی طرح ولاء کو بھی ایک فطری علاقہ اور ناقابل تبدیل حق قرار دیا گیا ہے، جیسے زید کا بیٹا معاہدہ کے ذریعہ عمرو کا بیٹا نہیں بن سکتا، اسی طرح جس کو زید نے آزاد کیا وہ کسی معاہدہ اور شرط کی بنا پر عمرو کا مولی نہیں ہوسکتا ہے، ان کے اس نامعقول مطالبہ اور شرط پر آپ ﷺ نے برہمی ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا:

''**مابال أقوام یشترطون شروطا لیس فی کتاب اللہ، من اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ فلیس له، وإن اشترط مأة مرة**'' (بخاری شریف ۱/ ۶۵) (کچھ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، جو ایسی شرطیں لگائے کہ وہ کتاب اللہ میں موجود نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں، گو ایک سو شرطیں لگادے)۔

اس واقعاتی پس منظر سے صاف ظاہر ہے کہ ''لیس فی کتاب اللہ'' سے ایسی شرط مراد ہے جو شرعا اس معاملہ کی روح ومقصد اور بنیادی مزاج ہی کے مغائر ہو، جیسے نکاح میں زن وشو میں سے کسی ایک سے جنسی تعلقات میں تعاون میں انکار کی شرط، شوہر کی طرف سے نفقہ نہ دینے کی شرط، مہر کے انکار کی شرط، کہ یہ سب نکاح کے اساسی واجبات میں سے ہیں۔

رہ گئے وہ حقوق جو معاملہ کے لوازم میں سے نہ ہوں اور مباحات کے قبیل سے ہوں ان میں کسی فریق کا بذریعہ معاہدہ اپنے کسی حق سے دستبردار ہوجانا یا کسی فریق کے قصور وار ہونے کی صورت میں رضامندی سے اپنے اوپر مالی جرمانہ ثابت کرنا تحریم حلال کے قبیل سے نہیں ہے، غور کیجئے کہ طلاق اصولی طور سے مرد کا حق ہے اور وہ تنہا اس کے استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے بیوی اپنے طور پر علاحدگی کا فیصلہ نہیں کرسکتی، لیکن فقہاء نے تفویض طلاق کی صورت میں اس کی گنجائش رکھی ہے کہ وہ اپنے اختیار میں بیوی کو بھی شریک کرلیں، اسی طرح خرید وفروخت کے معاملہ میں رہن اور کفالت کی گنجائش رکھی گئی ہے، بقول ابن قدامہؒ کے یہ بھی اسی قسم کی شرطوں میں سے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی شرطوں کا مقصد معاملہ کے کمزور فریق کا اپنے لئے تحفظ حاصل کرلینا ہوتا ہے، مذکورہ بالا تفصیل

سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شرائط ومعاہدات کے معاملہ میں اسلام کے عمومی مزاج ومذاق خصوصیت سے نکاح کے بارے میں طے شدہ شرائط ومعاہدات کی ہدایت پر بحیثیت خلیفہ کے حضرت عمرؓ کا فیصلہ، اور بظاہر صحابہ کا اس پر سکوت، اسی قسم کا قاضی شریح کا فیصلہ اور متعدد صحابہ کرام کا اس رائے سے اتفاق وہ امور ہیں جن سے حنابلہ کا مذہب نسبۃً زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔

نیز اسی قسم کا ایک سوال وجواب فتاوی دارالعلوم زکریا میں بھی مذکور ہے:

سوال: میاں بیوی آپس میں معاہدہ کرلے کہ اگر شوہر نے بے یا بلا وجہ شرعی تین طلاق دے دی تو شوہر پر یہ لازم اور ضروری ہے کہ بیوی کو مکان دے یا گاڑی دے یا بری رقم دے کر رہا کرے، تو کیا بنگاہ شریعت اس طرح معاہدہ کرنے کی گنجائش ہوگی یا نہیں۔

جواب: اگر شوہر کو طلاق کے بے جا استعمال سے روکنے کے لئے بوقت عقد نکاح کسی ایسے معاہدہ کا پابند کیا جائے کہ جس کے مطابق وہ عورت کو جلد بلا قصور طلاق دیدے تو بطور متعہ ایک خطیر رقم کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم قرار دی گئی ہو تو یہ صورت غالبا اوفق بالقرآن بھی ہوگی، جیسا کہ ارشاد باری ہے: ”**وللمطلقات متاع بالمعروف حقا على المتقين**“(بقرہ:۲۴۱) (اور طلاق شدہ عورتوں کے لئے معروف طریقہ پر متعہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے)، اگرچہ حسب تصریحات فقہاء متعہ کی یہ صورت صرف مستحب کے درجہ میں ہے تاہم معاہدہ کے بعد اس کا لازم الوفاء ہونا ارشاد نبوی ﷺ کے عین موافق ہوگا، بخاری شریف میں ہے: ”**عن عقبة بن عامرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: أحق ما أوفيتم من الشروط أن توفوا به ما استحللتوبه الفروج**“ (رواہ بخاری ۲/۷۷۴، ۴۹۵۷، باب الشروط فی النکاح، فیصل)۔

وعدہ کو پورا کرنا بعض صورتوں میں لازم ہوتا ہے جبکہ وعدہ عقد میں ہو، ملاحظہ فرمائیں۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے: ”**وإن ذكر البيع من غير شرط، ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة جاز البيع ويلزمه الوفاء بالوعد؛ لأن المواعدة قد تكون لازمة لحاجة الناس**“ (قاضی خان علی ہامش الہندیہ ۲/۱۶۵)۔

نیز یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح عقد بیع میں وعدہ پورا کرنا لازم ہے اسی طرح عقد نکاح میں بھی مصلحت کی وجہ سے لازم الوفاء قرار دے سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو شرح سیر کبیر میں ہے: ”**فان شرطوا في أمان الرسل ألا يأخذ عاشر المسلمين منهم شيئا، فإن كانوا يعاملون رسلنا بمثل هذا، فينبغي للمسلمين أن يشترطوا لهم هذا، ويوفوا به؛ لأن هذا شرط موافق لحكم الشرع يجب الوفاء به**“ (شرح سیر کبیر ۵/۱۷۹۰)۔

نیز آیت کریمہ ”**وأوفوا بعهد الله**“ (النحل:۹۱) کے تحت علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ”**لفظ عام لجميع ما يعقد باللسان ويلتزمه الإنسان من بيع وصلة أو موافقة في أمر موافق للديانة**“ (الجامع لاحکام القرآن ۱/۱۱۱، فتاوی دارالعلوم زکریا ۴/۶۱)۔

یہ تو اس مسئلہ کے متعلق ایک فقہی و استدلالی بحث تھی، لیکن اصل قابل فکر بات یہ ہے کہ ہندوستان میں جہالت و ناخواندگی، احکام شریعت سے ناآگہی حد سے زیادہ ہے جس کی بنا پر طلاق کا استعمال باوجود بہت سے سماجی مفاسد کے غالباً اب بھی مسلم سماج میں بہت نہیں، لیکن اس طرح کے جتنے واقعات سامنے آتے ہیں اگر ان کا سروے کیا جائے تو شاید اس کا نتیجہ یہی نکلے کہ ۸۰ فیصد طلاق کے واقعات بیجا ہوتے ہیں۔

لہذا اس کی روک تھام کے لئے ایسے ناخدا ترسوں اور ناعاقبت اندیشوں کے لئے ہم درہ فاروقی کا نظم نہیں کر سکتے تو کم سے کم ممکن حد تک شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے کوئی ایسی قید و بند لگائیں کہ اس قسم کی مظلوم عورتوں کے لئے کوئی راہ نجات نکل آئے، اور ایک حد تک ہم اس مسئلہ میں امام احمدؒ کے نقطہ نظر سے فائدہ اٹھا کر یہ فتوی دیں کہ نکاح کے وقت اگر نکاح نامہ میں ہی یہ شرط لگا دی جائے کہ اگر شوہر نے بیجا طور پر طلاق دی یا تین طلاقیں ایک ساتھ دے دی تو بطور جرمانہ کے اوپر ایک خطیر رقم لازم ہوگی یا متعینہ مہر کے علاوہ زائد نصف مہر بطور جرمانہ کے دینی ہوگی اور شوہر بخوشی اس پر راضی ہو اور بطور وعدہ کے اس شرط کا ایفاء اپنے اوپر لازم کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ شرط معتبر ہے اور اس شرط کا ایفاء واجب ہے (مستفاد از اسلام اور جدید معاشرتی مسائل ۲۷ تا ۴۵)۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت کی روشنی میں

مولانا خورشید انور اعظمی☆

شریعت اسلامی نے معاشرے میں پیدا ہونے والے جرائم کے سد باب اور غلط حرکتوں کی روک تھام کے لئے ایک جامع قانون بنایا ہے، کچھ تو شرعی حدود ہیں جو مخصوص جرائم کے لئے مقرر ہیں اور جہاں حدود متعین نہیں ہیں وہاں تعزیر کا مستحکم نظام قائم ہے، تا کہ ایک پاکیزہ معاشرے کی تشکیل ہو سکے، اور سخت تادیبی کارروائی کے ذریعہ مجرمانہ ذہنیت کا اس طرح قلع قمع کیا جا سکے کہ ایک مجرم دوبارہ ارتکاب جرم کی ہمت نہ کر سکے، علماء نے تعزیر کے بنیادی معنی ومفہوم کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

’’التعزير: المنع، وسمي التأديب الذي دون الحد: تعزيرا‘‘، لأنه يمنع الجاني من معاودة الذنب‘‘ (معجم لغۃ الفقہاء 1/136– لسان العرب 4/562) (تعزیر کے معنی منع ہے، حد کے علاوہ تادیبی کارروائی کو تعزیر کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ مجرم کو دوبارہ ارتکاب جرم سے روک دیتی ہے)۔

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں: ’’وَضَابِطُ التَّعْزِيرِ: كُلُّ مَعْصِيَةٍ لَيْسَ فِيهَا حَدٌّ مُقَرَّرٌ فَفِيهِ التَّعْزِيرُ‘‘ (الاشباہ والنظائر 1/157) (تعزیر کا ضابطہ یہ ہے کہ جس معصیت میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے اس میں تعزیر ہے)۔

تعزیر کبھی زدوکوب اور قید وبند کے ذریعہ جسمانی سزا کے طور پر کی جاتی ہے اور کبھی زجر وتوبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کر زبان سے کی جاتی ہے یہ حاکم وذمہ دار کی صوابدید پر ہے کہ مجرم کے حالات وکیفیات کے پیش نظر بتقاضائے مصلحت، تعزیر کی کون سی صورت اختیار کرے، ’’فتاوی ہندیہ‘‘ میں ہے:

’’ التَّعْزِيرُ قَدْ يَكُونُ بِالْحَبْسِ وَقَدْ يَكُونُ بِالصَّفْعِ وَتَعْرِكِ الْأُذُنِ وَقَدْ يَكُونُ بِالْكَلَامِ الْعَنِيفِ وَقَدْ يَكُونُ بِالضَّرْبِ وَقَدْ يَكُونُ بِنَظَرِ الْقَاضِي إلَيْهِ بِنَظَرٍ عَبُوسٍ كَذَا فِي النّهَايَةِ‘‘ (ہندیہ 2/167) (تعزیر کبھی قید کر کے ہوتی ہے، کبھی تھپڑ مارنے اور کان اینٹھنے سے ہوتی ہے، کبھی سخت کلامی کے ذریعہ ہوتی ہے، کبھی مارنے پیٹنے سے ہوتی ہے اور کبھی مجرم کی طرف قاضی کے ترش روئی کے ساتھ دیکھنے سے ہوتی ہے)۔

زبانی اور جسمانی تعزیر پر فقہاء کا اتفاق ہے، لیکن کسی مجرم کی تعزیر وتادیب کیلئے اس پر مال عائد کرنے کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابو یوسف اس کو جائز اور امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام شافعی، امام مالک، اور امام احمد اسے ناجائز قرار دیتے

☆ صدر مدرس جامعہ مظہر العلوم بنارس۔

ہیں، علامہ زیلعی لکھتے ہیں:

''(قَوْلُهُ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ التَّعْزِيرَ بِأَخْذِ الْأَمْوَالِ جَائِزٌ لِلْإِمَامِ) وَعِنْدَهُمَا وَالشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ وَأَحْمَدُ لَا يَجُوزُ بِأَخْذِ الْمَالِ''(تبیین الحقائق 3/208)(امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ حاکم کے لئے مال لے کر تعزیر کرنا جائز ہے اور حضرات طرفین، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک مال لے کر جائز نہیں ہے)۔

ا- تعزیر بالمال کا مفہوم:

علامہ ابن تیمیہؒ کے نزدیک عقوبات مالیہ کی تین قسمیں ہیں: اتلاف، تغییر، تملیک (الحسبۃ: 52) جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک تعزیر بالمال کے جواز کا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ حاکم وذمہ دار شخص کسی سیاس کی مجرمانہ حرکت کے سبب بطور سزا کے کچھ مال وصول کرلے، تاکہ وہ مال کے دباؤ میں اپنی غلط حرکتوں سے باز آئے، اور جب باز آجائے تو بعد میں وہ رقم واپس کردے، کتب فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے:

''أَنَّ مَعْنَى التَّعْزِيرِ بِأَخْذِ الْمَالِ عَلَى الْقَوْلِ بِهِ إِمْسَاكُ شَيْءٍ مِنْ مَالِهِ عَنْهُ مُدَّةً لِيَنْزَجِرَ ثُمَّ يُعِيدُهُ الْحَاكِمُ إِلَيْهِ لَا أَنْ يَأْخُذَهُ الْحَاكِمُ لِنَفْسِهِ أَوْ لِبَيْتِ الْمَالِ كَمَا يَتَوَهَّمُهُ الظَّلَمَةُ، إِذْ لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَخْذُ مَالِ أَحَدٍ بِغَيْرِ سَبَبٍ شَرْعِيٍّ''(البحر الرائق 5/44- فتاوی ہندیہ 2/167)- ردالمحتار: 4/61)(مال لے کر تعزیر کرنے کے قول کی بنا پر اس کا مطلب یہ ہے کہ مجرم کے کچھ مال کو اس سے ایک مدت کے لئے روک لیا جائے تاکہ وہ باز آجائے پھر حاکم اس کے پاس لوٹا دے، نہ حاکم اسے اپنے لئے لیا ورنہ بیت المال کے لئے جیسا کہ ظالم حکمرانوں کی سوچ ہوتی ہے اس لئے کہ کسی مسلمان کے لئے کسی سبب شرعی کے بغیر کسی کا مال لینا جائز نہیں ہے)۔

بظاہر تعزیر بالمال میں عموم اور تعزیر باخذ المال میں خصوص معلوم ہوتا ہے، تاہم استعمالات فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں جہاں تعزیر بالمال بولا جاتا ہے اس سے مراد تعزیر باخذ المال ہوتا ہے، جیسا کہ ''درر الحکام'' میں تعزیر بالمال کی وہی تشریح ہے جو تعزیر باخذ المال کی ہے:

''وَأَمَّا بِالْمَالِ فَصِفَتُهُ أَنْ يَحْبِسَهُ عَنْ صَاحِبِهِ مُدَّةً لِيَنْزَجِرَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِلَيْهِ كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنْ الْبَزَّازِيَّةِ اه وَلَا يُفْتَى بِهَذَا لِمَا فِيهِ مِنْ تَسْلِيطِ الظَّلَمَةِ عَلَى أَخْذِ مَالِ النَّاسِ، فَيَأْكُلُونَهُ''(درر الحکام شرح غرر الاحکام 2/75) (تعزیر بالمال کی صورت یہ ہے کہ مجرم سے ایک مدت کے لئے مال روک لیا جائے، تاکہ وہ باز آجائے، پھر اسے اس کے پاس لوٹا دیا جائے، ''البحر الرائق'' میں ''البزازیہ'' کے حوالے سے اسی طرح موجود ہے، اس پر فتوی نہیں دیا جائے گا، اس وجہ سے کہ اس طرح ظالموں کو لوگوں کے مال لینے کا اختیار ہو جائے گا اور وہ اسے کھانا شروع کردیں گے)۔

البتہ کتب مالکیہ میں عقوبۃ فی المال اور عقوبۃ بالمال کے درمیان فرق کیا گیا ہے، منح الجلیل کی مندرجہ ذیل عبارت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے:

”وَالْخِلَافُ فِي طَرْحِ الْمَغْشُوشِ وَالتَّصَدُّقِ بِهِ وَحَرْقِ الْمَلَاحِفِ الرَّدِيئَةِ النَّسْجِ .وَشِبْهُ ذٰلِکَ إِنَّمَا هُوَ مِنْ بَابِ الْعُقُوبَةِ فِي الْمَالِ لَا مِنْ الْعُقُوبَةِ بِهِ“(منح الجلیل شرح مختصر خلیل5 /533)۔

(ملاوٹ کے مال کے پھینک دینے،اس کے صدقہ کرنے اور خراب بنی ہوئی چادروں کے جلا دینے میں اختلاف ہے،اس طرح کی چیزیں عقوبۃ فی المال کے باب سے ہیں نہ کہ عقوبۃ بالمال کے)

۲-تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب:

علماء احناف کے یہاں تعزیر بالمال جائز نہیں ہے اور یہی ان کا معروف مذہب ہے،علامہ ابن عابدین شامی نے تحریر فرمایا:”وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمَذْهَبَ عَدَمُ التَّعْزِيرِ بِأَخْذِ الْمَالِ“ (ردالمحتار4 /62 – البحر الرائق5 /44)(حاصل یہ کہ مذہب،مال لے کر تعزیر کے عدم جواز کا ہے)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ،مفتی کفایت اللہؒ،مفتی عزیز الرحمٰن صاحب،مفتی محمود حسن صاحب،مفتی رشید احمد صاحب اور مفتی احمد خانپوری صاحب وغیرہ نے اسی معروف مذہب کے مطابق فتوی دیا ہے(امداد الفتاوی2 /563 ،کفایت المفتی2 /165 -فتاوی دارالعلوم12 /252-فتاوی محمودیہ14 /140-احسن الفتاوی5 /541-محمود الفتاوی:5 /536)۔

مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاوی میں ”تحریر المقال فی التعزیر بالمال“ کے عنوان سے ایک بہت ہی جامع، مدلل اور مبسوط مقالہ تحریر فرمایا ہے،جس میں اس مسئلہ کے تمام گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور کتاب وسنت اور مذاہب اربعہ کی روشنی میں اس کے عدم جواز کو ثابت کیا ہے،یہ مقالہ اس تعلق سے نہایت اہم،مفید اور لائق مطالعہ ہے۔

۳-تعزیر بالمال کی بابت ائمہ حنفیہ میں جواز کا قول اور اس کی حیثیت:

فقہاء حنفیہ کے نزدیک تعزیر بالمال ناجائز ہے،صرف امام ابو یوسف اس کے جواز کے قائل ہیں،فتح القدیر میں ہے:

”وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ يَجُوزُ التَّعْزِيرُ لِلسُّلْطَانِ بِأَخْذِ الْمَالِ .وَعِنْدَهُمَا وَبَاقِي الْأَئِمَّةِ لَا يَجُوزُ“(فتح القدیر5 /345)(امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ بادشاہ کے لئے مال لے کر تعزیر کرنا جائز ہے اور حضرات طرفین اور بقیہ ائمہ کے یہاں جائز نہیں ہے)۔

احناف کے یہاں یہ قول ضعیف ہے،اور اس پر فتوی نہیں دیا جاتا ہے اس لئے کہ اس کے جائز قرار دینے کی صورت میں اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ ظالم حکمرانوں کو دوسروں کے مالوں کو لے لینے کا قانونی جواز فراہم ہوجائے گا،”ردالمحتار“میں ہے:

” وَظَاهِرُهُ أَنَّ ذٰلِکَ رِوَايَةٌ ضَعِيفَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ .قَالَ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ: وَلَا يُفْتَى بِهٰذَا لِمَا فِيهِ مِنْ تَسْلِيطِ الظَّلَمَةِ عَلَى أَخْذِ مَالِ النَّاسِ فَيَأْكُلُونَهُ“(ردالمحتار4 /61)(اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ امام ابو یوسف سے مروی ضعیف روایت ہے،”شرنبلالیہ“میں ہے کہ اس پر فتوی نہیں دیا جائے گا اس وجہ سے کہ اس طرح ظالموں کو لوگوں کے مال لینے کا اختیار ہوجائے گا اور اسے کھانا شروع کردیں گے)۔

۴-بعض فقہاء حنفیہ کا امام ابو یوسف کے قول کے موافق فتوی:

فقہاء حنفیہ میں علامہ طرابلسی حنفی (متوفی:844) نے امام ابو یوسف کے قول کے موافق فتوی دیا ہے، اور اپنے موقف کو بہت شدومد کے ساتھ پیش کیا ہے، لکھتے ہیں:

"يَجُوزُ التَّعْزِيرُ بِأَخْذِ الْمَالِ وهُوَ مَذْهَبُ أَبِي يُوسُفَ وَبهِ قَالَ مَالكٌ، وَمَنْ قَالَ: إنَّ الْعُقُوبَةَ الْمَالِيّةَ مَنْسُوخَةٌ فَقَدْ غَلِطَ عَلَى مَذَاهِبِ الْأَئِمّةِ نَقْلًا وَاسْتِدْلَالًا وَلَيْسَ بِسَهْلٍ دَعْوى نَسْخِهَا. وَفِعْلُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَاكَابِرِ الصَّحَابَةِ لَهَا بَعْدَ مَوْتِهِ – ﷺ – مُبْطِلٌ لِدَعْوَى نَسْخِهَا، وَالْمُدَّعُونَ لِلنَّسْخِ لَيْسَ مَعَهُمْ سُنّةٌ وَلَا إجْمَاعٌ يُصَحِّحُ دَعْوَاهُمْ، إلَّا أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمْ: مَذْهَبُ أَصْحَابِنَا لَا يُجَوِّزُ، فَمَذْهَبُ أَصْحَابِهِ عِنْدَهُ عيَارٌ عَلَى الْقَبُولِ وَالرَّدّ" (معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الأحکام:1/195) (مال لے کر تعزیر کرنا جائز ہے، یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے اور یہی قول امام مالک کا بھی ہے، جس نے یہ کہا کہ مالی سزا منسوخ ہے اس نے ائمہ اربعہ کی جانب از روئے نقل واستدلال غلط بات کا انتساب کیا اور نسخ کا دعوی آسان نہیں ہے، نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا مالی سزا دینا دعوی نسخ کو باطل کرتا ہے، مدعیان نسخ کے پاس نہ کوئی سنت ہے اور نہ اجماع جس سے ان کا دعوی درست ہو سکے، سوائے اس بات کے کہ ان میں سے کوئی شخص یہ کہے کہ ہمارے اصحاب اسے جائز قرار نہیں دیتے، ان کے اصحاب کا مذہب ہی ان کے نزدیک رد وقبول کا معیا رہے)۔

اسی موقف کی جانب مفتی تقی عثمانی، اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا بھی رجحان ہے (درس ترمذی:5/118-قاموس الفقہ:2/479) ان حضرات کے علاوہ کسی اور حنفی فقیہ کا اس کے مطابق فتوی یا اس کی جانب رجحان راقم کی نگاہ سے نہیں گذرا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء احناف کا عمومی رجحان وفتوی تعزیر بالمال کے عدم جواز کا ہے۔

۵-مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال:

ائمہ اربعہ کے یہاں راجح مذہب عدم جواز کا ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"لا يجوز التعزير بأخذ المال في الراجح عند الأئمة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ:7/519) (ائمہ کا راجح مذہب، مال لے کر تعزیر کے عدم جواز کا ہے)

یہ بات گذر چکی ہے کہ ائمہ احناف کا معروف مذہب تعزیر بالمال کے عدم جواز کا ہے، اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے اقوال پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے یہاں بھی تعزیر بالمال جائز نہیں ہے۔

مالکیہ کا مذہب:

فقہاء مالکیہ میں علامہ صاوی اور علامہ دسوقی نے اس کے عدم جواز پر اجماع کی بات کہی ہے اور امام ابو یوسف کے قول جواز کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

" وَأَمَّا التَّعْزِيرُ بِأَخْذِ الْمَالِ فَلَا يَجُوزُ إِجْمَاعًا، وَمَا رُوِيَ عَنْ الْإِمَامِ أَبِي يُوسُفَ صَاحِبِ أَبِي حَنِيفَةَ مِنْ جَوَازِ التَّعْزِيرِ لِلسُّلْطَانِ بِأَخْذِ الْمَالِ فَمَعْنَاهُ كَمَا قَالَ الْبَرَادِعِيُّ مِنْ أَئِمَّةِ الْحَنَفِيَّةِ أَنْ يُمْسِكَ الْمَالَ عِنْدَهُ مُدَّةً لِيَنْزَجِرَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِلَيْهِ لَا أَنَّهُ يَأْخُذُهُ لِنَفْسِهِ أَوْ لِبَيْتِ الْمَالِ كَمَا يَتَوَهَّمُهُ الظَّلَمَةُ، إِذْ لَا يَجُوزُ أَخْذُ مَالِ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ سَبَبٍ شَرْعِيٍّ"(حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر:4/505-،حاشیۃ الشرح الکبیر:4/355)۔

(رہا مال لے کر تعزیر کرنا تو بالاجماع جائز نہیں ہے اور جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف سے بادشاہ کے لئے مال لے کر تعزیر کے جواز کی روایت ہے تو ائمہ حنفیہ میں سے امام برادعی کے بقول اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک مدت تک مجرم کا مال اپنے پاس روک لے، تاکہ وہ باز آجائے، پھر اسے واپس کردے، نہ یہ کہ اس مال کو اپنے لئے یا بیت المال کے لئے لے لے، جیسا کہ ظالم حکمرانوں کی سوچ ہوتی ہے، اس لئے کہ سبب شرعی کے بغیر کسی مسلمان کا مال لینا جائز نہیں ہے)۔

مالکیہ کا راجح مذہب یہی ہے، اور جن حضرات نے اس کے خلاف کوئی بات کہی ہے علماء مالکیہ نے اسے غلط جانا ہے، چنانچہ کتب مالکیہ میں بصراحت موجود ہے کہ کبھی بھی علامہ برزلی کے جواز کے فتوی کو بنظر استحسان نہیں دیکھا گیا، علامہ ونشریسی نے کہا:

" وَقَالَ الْوَنْشَرِيسِيُّ: أَمَّا الْعُقُوبَةُ بِالْمَالِ فَقَدْ نَصَّ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّهَا لَا تَجُوزُ وَفَتْوَى الْبُرْزُلِيِّ بِتَحْلِيلِ الْمُغْرَمِ لَمْ يَزَلْ الشُّيُوخُ يَعُدُّونَهَا مِنْ الْخَطَأِ"(حاشیہ دسوقی:3/46-حاشیہ صاوی:3/71)(ونشریسی نے کہا: رہی مالی سزا تو علماء نے صراحت کی ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، اور مشائخ نے تاوان کے جواز کے تعلق سے علامہ برزلی کے فتوی کو ہمیشہ غلط جانا ہے)۔

شافعیہ کا مذہب:

امام شافعی کا قول قدیم تعزیر بالمال کے جواز کا ضرور ہے مگر ان کا قول جدید اس کے عدم جواز کا ہے، جسے آپ نے ''کتاب الأم'' میں بصراحت تحریر فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

'' لَا يُعَاقَبُ رَجُلٌ فِي مَالِهِ وَإِنَّمَا يُعَاقَبُ فِي بَدَنِهِ وَإِنَّمَا جَعَلَ اللّٰهُ الْحُدُودَ عَلَى الْأَبْدَانِ وَكَذٰلِكَ الْعُقُوبَاتُ فَأَمَّا عَلَى الْأَمْوَالِ فَلَا عُقُوبَةَ عَلَيْهَا(الأم:4/365)(کسی آدمی کو مالی سزا نہیں دی جائے گی، صرف اسے جسمانی سزا دی جائے گی، اللہ تعالی نے صرف بدن پر حدود جاری کی ہے، لہذا عقوبات کا بھی یہی معاملہ ہوگا، رہے اموال تو ان پر عقوبہ نہیں ہوگی)۔

دوسری جگہ آپ نے مضبوط دلائل کی روشنی میں اس مسئلے کی وضاحت فرماتے ہوئے مالی سزا کے عدم جواز کی صراحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:''لَا تُضَعَّفُ الْغَرَامَةُ عَلَى أَحَدٍ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا الْعُقُوبَةُ فِي الْأَبْدَانِ لَا فِي الْأَمْوَالِ ''(الام: 6/214)(کسی شخص پر کسی چیز میں تاوان دوگنا نہیں کیا جائے گا عقوبہ تو بدن میں ہوگی نہ کہ مال میں)۔

اہل علم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ امام شافعی کے قول جدید کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے قول قدیم سے

رجوع کرلیا ہے، امام الحرمین علامہ جوینی لکھتے ہیں:

"فقد وضح من مُقْتَضى كَلامه أنه بذكرِهِ الْجَدِيد رَجَعَ عَن الْقَدِيم" (التلخیص فی اصول الفقہ :3/417) (امام شافعی کے مقتضاء کلام سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے قول جدید ذکر کرکے قول قدیم سے رجوع کرلیا ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ امام شافعی کے قول جدید پر عمل کیا جاتا ہے، شرح مختصر الروضہ میں ہے:

"الْعَمَلُ مِنْ مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ عَلَى الْقَوْلِ الْجَدِيدِ، وَهُوَ الَّذِي قَالَهُ بِمِصْرَ، وَصَنَّفَ فِيهِ الْكُتُبَ كَالْأُمِّ وَنَحْوِهِ" (شرح مختصر الروضہ:3/626) (امام شافعی کے مذہب میں عمل قول جدید پر ہوتا ہے جسے انہوں نے مصر میں کہا ہے اور اس سلسلے میں کتاب الام وغیرہ جیسی کتابیں تصنیف کی ہیں)۔

حنابلہ کا مذہب:

علامہ ابن قدامہ "المغنی" میں مالی تعزیر کے عدم جواز کی صراحت کی ہے لکھتے ہیں:

"وَالتَّعْزِيرُ يَكُونُ بِالضَّرْبِ وَالْحَبْسِ وَالتَّوْبِيخِ .وَلَا يَجُوزُ قَطْعُ شَيْءٍ مِنْهُ وَلَا جَرْحُهُ، وَلَا أَخْذُ مَالِهِ؛ لِأَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يَرِدْ بِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ عَنْ أَحَدٍ يُقْتَدَى بِهِ؛ وَلِأَنَّ الْوَاجِبَ أَدَبٌ، وَالتَّأْدِيبُ لَا يَكُونُ بِالْإِتْلَافِ" (المغنی:9/178) (تعزیر مارنے، قید کرنے اور زجر و توبیخ سے ہوتی ہے، اس کے کسی حصے کا کاٹنا، زخمی کرنا اور اس کا مال لینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ شریعت ان میں سے کسی کے ساتھ کسی بھی قابل اقتداء شخصیت سے مروی ہو کر وارد نہیں ہوئی ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ واجب ادب دینا ہے، جو نقصان کرنے سے نہیں ہوگا)۔

علامہ بہوتی حنبلی تحریر کرتے ہیں:

"(وَلَا يَجُوزُ قَطْعُ شَيْءٍ مِنْهُ) أَيْ مِمَّنْ وَجَبَ عَلَيْهِ التَّعْزِيرُ (وَلَا جَرْحُهُ وَلَا أَخْذُ شَيْءٍ مِنْ مَالِهِ) لِأَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يَرِدْ بِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ عَنْ أَحَدٍ يُقْتَدَى بِهِ وَلِأَنَّ الْوَاجِبَ أَدَبٌ وَالْأَدَبُ لَا يَكُونُ بِالْإِتْلَافِ" (کشاف القناع عن متن الاقناع:6/124) (جس پر تعزیر واجب ہے اس کے کسی حصے کا کاٹنا، زخمی کرنا، اور اس کا مال لینا جائز نہیں ہے اس وجہ سے کہ شریعت ان میں سے کسی کے ساتھ کسی بھی قابل اقتداء شخصیت سے مروی ہو کر وارد نہیں ہوئی ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ واجب ادب ہے، اور ادب نقصان کرنے سے نہیں ہوگا)۔

اکابر علماء حنابلہ کی مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا راجح مذہب تعزیر بالمال کے عدم جواز کا ہے، علماء حنابلہ میں علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم تعزیر بالمال کیجواز کے قائل ہیں، اور ان حضرات نے اس تعلق سے بہت ساری دلیلیں فراہم کی ہیں، مگر پہلی بات تو یہ ہے کہ فقہ حنبلی میں ابن قدامہ کا مقام ومرتبہ ابن تیمیہ اور ابن قیم سے بہت بلند ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کی پیش کردہ دلیلیں تعزیر فی المال سے تعلق رکھتی ہیں نہ کہ تعزیر بالمال سے، جیسا کہ مفتی رشید احمد صاحب کے تفصیلی مقالہ سے واضح ہوتا ہے، مذاہب اربعہ کی مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ جمہور فقہاء کے یہاں تعزیر بالمال ناجائز ہے، اور انہوں

نے اس موقف کو کتاب وسنت کی روشنی میں اختیار کیا ہے،جیسا کہ مولانا ظفر احمد تھانوی لکھتے ہیں:

”ترکه الجمهور للقرآن والسنة، أما القرآن فقوله تعالى:”فاعتدوا عليه بمثل مااعتدى عليكم، وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به“ أما السنة، فانه عليه السلام قضى بالضمان بالمثل“(اعلاء السنن:11/733)

(جمہور نے تعزیر بالمال کو قرآن وسنت کے سبب ترک کیا ہے،اللہ تعالی کا ارشاد ہے: سو جو شخص تم پر زیادتی کرے تو اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے،اور اگر تم بدلہ لینے لگو تو اسی جیسا بدلہ لو جیسا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا،رہی سنت تو آپ ﷺ نے ضمان بالمثل کا فیصلہ کیا ہے)۔

۶-قول ضعیف اور مذہب غیر پر فتوی دینا:

یہ سچ ہے کہ شدید ضرورت کے وقت قول ضعیف کو اپناتے ہوئے جواز کے قول پر فتوی دینا درست ہوتا ہے اور بعض دفعہ مذہب غیر کے اختیار کرنیکی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے،مگر تعزیر بالمال کو جائز قرار دینے کی ایسی شدید ضروت نظر نہیں آتی کہ مذہب غیر پر فتوی دیا جائے،جبکہ اس کو جائز قرار دینے کی صورت میں ظالمانہ طور پر دوسروں کا مال لینے کا راستہ کھلتا ہے یہی نہیں، بلکہ بعض دفعہ اس کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ضرورت کم جلب منفعت زیادہ ہے،البتہ زیر بحث مسئلے میں زیادہ سے زیادہ اتنی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ شدید ضرورت کے تحت امام ابو یوسف کے قول ضعیف کو اختیار کرتے ہوئے وقتی طور پر سزاء مال لے لیا جائے اور بعد میں اسے واپس کر دیا جائے۔

۷-طلبہ پر مالی جرمانہ عائد کرنا:

آج کل تعلیمی اداروں میں طلبہ کی مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ کا عام رواج ہوتا جا رہا ہے جو بظاہر مفید معلوم ہوتا ہے،لیکن یہ درست نہیں ہے،اس لئے کہ کسی کے مال کو اس کی مرضی کے بغیر لینے کی شریعت میں جازت نہیں ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”لَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ مِنْ مَالِ أَخِيهِ شَيْءٌ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ“(شرح معانی الآثار:7/252)(کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا کچھ بھی مال بغیر اس کی رضامندی کے جائز نہیں ہے)۔

طلبہ سے مالی جرمانہ لینے کے سلسلے میں حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

تعزیر مالی یعنی مالی جرمانہ تو حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے،اور حدیث:” لايحل مال امرء مسلم إلابطيب نفس منه“اس کی مؤید بھی ہے،پس جرمانہ کے طور پر تو یہ لینا درست نہ ہوگا(امداد الفتاوی:2/563)۔

حضرت تھانویؒ نے اس مسئلے کا حل بھی بتایا ہے، لکھتے ہیں:

البتہ اس کا اور طریق ہوسکتا ہے،وہ یہ کہ اس غیر حاضری پر اس طالب علم کو خارج قرار دیا جائے،غیر حاضری کی سزا تو یہ ہو اور آئندہ کو داخل کرنا بذمہ اہل مدرسہ واجب تو ہے نہیں،مباح ہے،مباح میں جو کہ متقوم ہو مال کی شرط لگانا جائز ہے،اور یہاں مدرسہ

کے مکان سے، انتفاع مدرسین سے، تعلیم یہ سب امور ایسے ہیں جن پر متولی کو اجرت لینا جائز پس اس اجرت میں وہ پیسے لے لئے جاویں اور اس تقریر کی تصریح کردی جایا کرے تاکہ عقد مبہم نہ رہے(امداد الفتاوی:2/563)۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت تھانوی سے دریافت کیا گیا کہ طلبہ اگر کوئی غلطی مثلا غیر حاضری وغیرہ کرتے ہیں تو ان پر حسب قانون انگریزی جرمانہ عائد کیا جاتا ہے تو یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا:

”بلاتأویل جائز نیست عند الحنفیه مگر تاویلش بدیں ساں تواند شد که در ان ماه اجرت عمل بمقدار جرمانه زائد مقرر گفته شود“(امداد الفتاوی:2/556)(حنفیہ کے یہاں بلا تاویل جائز نہیں ہے، مگر اس کی تاویل اس طرح کی جاسکتی ہے کہ اس مہینہ میں اجرت عمل جرمانہ کے بقدر زائد مقرر کردی جائے)۔

جب طلبہ کی کوتاہیوں اور غلطیوں کی روک تھام کے لئے زجر وتوبیخ کے علاوہ ان کا کھانا بند کرنے، شرکت امتحان سے روک دینے، سرپرست کے ذریعہ ان پر دباؤ بنانے، اور افہام وتفہیم کے سارے راستے بند ہوجانے کی صورت میں اخراج کردینے کی شکلیں موجود ہیں تو تعزیر مالی عائد کرنا کیسے درست ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ طلبہ سے مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے، البتہ اگر ناگزیر صورت حال میں ایسا کرلیا جائے کہ وقتی طور پر مالی جرمانہ ان سے وصول کرلیا جائے تاکہ وہ سنبھل جائیں اور اپنی کوتاہیوں سے باز آجائیں اور بعد میں ان سے لی گئی رقم واپس کردی جائے تو امام ابویوسف کے قول پر عمل کرتے ہوئے ایک حد تک اس کی گنجائش نکلتی ہے ورنہ جائز نہیں ہے،”فتاوی ہندیہ“میں ہے:

”وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَجُوزُ التَّعْزِيرُ لِلسُّلْطَانِ بِأَخْذِ الْمَالِ وَعِنْدَهُمَا وَبَاقِي الْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ لَا يَجُوزُ كَذَا فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ .وَمَعْنَى التَّعْزِيرُ بِأَخْذِ الْمَالِ عَلَى الْقَوْلِ بِهِ إمْسَاكُ شَيْءٍ مِنْ مَالِهِ عِنْدَهُ مُدَّةً لِيَنْزَجِرَ، ثُمَّ يُعِيدَهُ الْحَاكِمُ إلَيْهِ، لَا أَنْ يَأْخُذَهُ الْحَاكِمُ لِنَفْسِهِ أَوْ لِبَيْتِ الْمَالِ كَمَا يَتَوَهَّمُهُ الظَّلَمَةُ، إذْ لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ مِنْ الْمُسْلِمِينَ أَخْذُ مَالِ أَحَدٍ بِغَيْرِ سَبَبٍ شَرْعِيٍّ “(البحر الرائق:5/68-فتاوی ہندیہ:2/167)۔

(امام ابویوسف سے روایت ہے کہ بادشاہ کے لئے مال لے کر تعزیر کرنا جائز ہے اور حضرات طرفین اور بقیہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، فتح القدیر میں اسی طرح ہے، اور مال لے کر تعزیر کے جواز کے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کچھ مال کو ایک مدت کے لئے اپنے پاس روک لے تاکہ وہ باز آجائے پھر حاکم اسے واپس لوٹا دے، نہ یہ کہ اسے اپنے لئے یا بیت المال کے لئے لے لے، جیسا کہ ظالم حکمرانوں کی سوچ ہوتی ہے اس لئے کہ کسی مسلمان کے لئے کسی کا مال بغیر کسی سبب شرعی کے لینا جائز نہیں ہے)۔

۸-کسی ادارے کا نظم وضبط کی درستگی کے لئے مالی جرمانہ کا نظام بنانا:

اگر کوئی ادارہ اپنے نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کا نظام بنائے، تاکہ لوگ مقررہ وقت پر مطلوبہ رقم ادا کردیا کریں تو یہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مال وقت کے عوض میں لیا جارہا ہے جو شرعا ناجائز ہے،”عنایہ“میں ہے:

''وَذٰلِکَ اعْتِیَاضٌ عَنْ الْأَجَلِ وَهُوَ حَرَامٌ ''(العنایۃ:8/427)(یہ وقت کا عوض لینا ہے اور وہ حرام ہے)۔

''بدائع الصنائع'' میں ہے:''(أَمَّا) فَسَادُ الشَّرْطِ؛ فَلِأَنَّهُ اعْتِیَاضٌ عَنْ الْأَجَلِ وَأَنَّهُ لَا یَجُوزُ؛ لِأَنَّ الْأَجَلَ لَیْسَ بِمَالٍ فَلَا یَجُوزُ الِاعْتِیَاضُ عَنْهُ''(بدائع الصنائع:5/215)(شرط کا فساد اس وجہ سے ہے کہ یہ وقت کا عوض لینا ہے اور یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ وقت مال نہیں ہے اس لئے اس کا عوض لینا جائز نہیں ہے)۔

''البنایہ شرح ہدایہ'' میں ہے:''وذلک اعتیاض عن الأجل وهو حرام) ش: ألا ترى أن ربا النساء حرام لشبهة مبادلة المال بالأجل، فلأن تحرم حقیقة أولى''(البنایۃ:10/26)(یہ وقت کا عوض لینا ہے اور یہ حرام ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ربا النسیہ محض اس لئے حرام ہے کہ اس میں وقت کے عوض مال کے تبادلہ کا شبہ ہے، پھر جب حقیقتاً ایسا ہو تو بدرجہ اولی حرام ہوگا)۔

علامہ سرخسی لکھتے ہیں:''أن البیع الحلال مقابلة مال متقوم بمال متقوم فالفضل الخالي عن العوض إذا دخل في البیع کان ضد ما یقتضیه البیع فکان حراما شرعا''(المبسوط:12/109)(حلال بیع یہ ہے کہ مال متقوم کیمقابلہ میں مال متقوم ہو، لہذا عوض سے خالی زیادتی جب بیع میں داخل ہوگی تو مقتضاء بیع کے خلاف ہوگی جس کی وجہ سے شرعا حرام ہوگی)۔

دیکھا جائے تو اس طرح کے مالی جرمانہ کی شرط لگانا شرط فاسد ہے جو مقتضاء عقد کے خلاف ہے اور درست نہیں ہے علامہ ابن عابدین شامی ایک موقع پر لکھتے ہیں:

''وَحَقِیقَةُ الشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ هِيَ زِیَادَةُ مَا لَا یَقْتَضِیهِ الْعَقْدُ وَلَا یُلَائِمُهُ فَیَکُونُ فِیهِ فَضْلٌ خَالٍ عَنْ الْعِوَضِ وهُوَ الرِّبَا بِعَیْنِهِ(ردالمحتار:5/169)(شروط فاسدہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایسی چیز کی زیادتی ہو جو مقتضاء عقد کے خلاف اور اس کے لئے غیر موزوں ہو، پس اس میں وہ زیادتی بھی ہوگی جو عوض سے خالی ہو اور یہی ربوا ہے)۔

۹-برادریوں اور خاندانی پنچایتوں کا تعزیر مالی کرنا:

اگر کوئی برادری اور خاندانی پنچایت نیز کاروباری انجمن دباؤ اور صلاح کی غرض سے مالی جرمانہ کا نظام بنائے، تو یہ درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے مال غیر کو جبراً وصول کرنے کا راستہ کھلتا ہے، جو شرعاً درست نہیں ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

'' لَا یَحِلُّ لِامْرِءٍ مِنْ مَالِ أَخِیهِ شَيْءٌ إِلَّا بِطِیبِ نَفْسٍ مِنْهُ''(شرح معانی الآثار:7/252)(کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا کچھ بھی مال بغیر اس کی رضامندی کے جائز نہیں ہے)۔

پھر یہ بھی مشاہدے میں ہے کہ عموماً اس طریقہ کار میں کمزور آدمی جبر وتشدد کا شکار ہو جاتا ہے اور طاقتور آدمی اس سے بچ نکلتا ہے، جس سے دوسرے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے برادرانہ تعزیر مالی سے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں بہت واضح طور پر اس کی حرمت کی بات کہی ہے:''ایسا کھانا اور اس طرح جرمانہ کرنا یا اس کا وصول کرنا یا اس روپیہ کے برتنوں کا استعمال کرنا سب حرام ہے''(امدادالفتاوی:2/558)۔

۱۰-متعہ مستحب کو واجب قرار دینا:

طلاق کے تعلق سے پائے جانی والی افراط وتفریط اوراس سے پیدا ہونے والی مشکلات پر قابو پانے کے لئے جن صورتوں میں حنفیہ کے یہاں متعہ مستحب ہے، اس کو واجب قرار دینا درست نہیں ہے، اس لئے کہ غیر واجب کو واجب قرار دے کر کسی کے مال کا لینا مال غیر میں اس کی رضامندی کے بغیر تصرف کرنا ہے جو صحیح نہیں ہے، نبی اکرم ﷺ گرامی ہے:

"لَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ مِنْ مَالِ أَخِيكَ شَيْءٌ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ" (شرح معانی الآثار:7/252) (کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا کچھ بھی مال بغیراس کی رضامندی کے جائز نہیں ہے)۔

فقہاء نے کسی سبب شرعی کے بغیر کسی کے مال کو لینے اوراس کی مرضی کے بغیراس میں تصرف کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے:

"**لا يجوز لاحد ان يتصرف في ملك الغير بغير إذنه،ولايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلاسبب شرعي**" (قواعدالفقہ :110) (کسی کے لئے دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ کسی کے لئے بلاسبب شرعی کسی کا مال لینا جائز ہے)۔

مذکورہ حدیث اوراس کی روشنی میں وضع کردہ فقہی قواعد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ متعہ مستحب کو واجب قرار دینا درست نہیں ہے اس لئے کہ اس میں الزام مالا یلزم لازم آ رہا ہے اور شوہر پر ایسا مال واجب کیا جارہا ہے جس کی ادائیگی اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔

۱۱-نکاح کے وقت نکاح نامہ میں آدمی کو کسی بات کا پابند بنانا:

اگر کسی شخص کو نکاح کے وقت نکاح نامہ میں اس بات کا پابند بنادیا جائے کہ اگر وہ بیجا طور پر طلاق دے گا یا تین طلاق ایک ساتھ دے گا تو اسے متعہ کے طور پر یا مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینی ہوگی، تو ایسا کرنا درست ہے، اس لئے کہ عقد میں اس طرح کی باتوں کا پابند بنانا مقتضاء عقد کے مناسب ہے کہ اس سے عقد نکاح میں پائیداری آتی ہے، لہذا عقد میں مناسب عقد شرطوں کا لگانا درست ہوگا، علامہ نووی نے "**أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج**" کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"قَالَ الشَّافِعِيُّ وَأَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ إِنَّ هَذَا مَحْمُولٌ عَلَى شُرُوطٍ لَا تُنَافِي مُقْتَضَى النِّكَاحِ بَلْ تَكُونُ مِنْ مُقْتَضَيَاتِهِ وَمَقَاصِدِهِ كَاشْتِرَاطِ الْعِشْرَةِ بِالْمَعْرُوفِ وَالْإِنْفَاقِ عَلَيْهَا وَكِسْوَتِهَا وَسُكْنَاهَا بِالْمَعْرُوفِ وَأَنَّهُ لَا يُقَصِّرُ فِي شَيْءٍ مِنْ حُقُوقِهَا وَيَقْسِمُ لَهَا كَغَيْرِهَا وَأَنَّهَا لَا تَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَلَا تَنْشِزُ عَلَيْهِ وَلَا تَصُومُ تَطَوُّعًا بِغَيْرِ إِذْنِهِ وَلَا تَأْذَنُ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَلَا تَتَصَرَّفُ فِي مَتَاعِهِ إِلَّا بِرِضَاهُ وَنَحْوِ ذَلِكَ" (شرح النووی علی مسلم:9/202)۔

امام شافعی اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ ان شرطوں پر محمول ہے جو مقتضاء نکاح کے منافی نہ ہوں، بلکہ وہ نکاح کے مقاصد ولوازم میں سے ہوں، جیسے رواج کے مطابق زندگی بسر کرنے، اس پر خرچ کرنے، اوراس کے لباس وسکنی کی شرط لگانا اور یہ کہ شوہر اس

کے کسی حق میں کمی نہیں کرے گا اور دوسری بیویوں کی طرح اس کی باری رکھے گا، اور عورت اس کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر باہر نہیں جائے گی اور نہ اس کی حکم عدولی کرے گی اور نہ اس کی مرضی کے بغیر اس کے سامان میں تصرف کرے گی اور اس کے مثل ''الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' میں ہے:

''فالشروط التي يقتضيها العقد، كأن يشترط خلوها من الموانع الشرعية، فإنه صحيح نافذ بطبيعته،وأما الشروط التي لا يقتضيها العقد تلغو ولا يعمل بها، ويصح العقد'' (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ:4/80) (جو شرطیں مقتضاء عقد کے موافق ہوں مثلا یہ کہ وہ شرعی موانع سے خالی ہوں تو وہ یقینی طور پر صحیح اور نافذ ہوں گی اور جو شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہوں تو وہ لغو اور ناقبل عمل ہوں گی اور عقد صحیح ہوگا)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:'' (نكحها على أن أمرها بيدها صح) قوله صح، مقيد بما إذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على أن أمري بيدى أطلق نفسي كلما أريد أو على أني طالق فقال الزوج قبلت'' (ردالمحتار3/329) (آدمی نے عورت سے اس بات پر نکاح کیا کہ اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے تو درست ہے، نکاح کی یہ درستگی اس بات کے ساتھ مقید ہے کہ عورت ابتدا کرے اور کہے کہ میں نے اپنی شادی تم سے اس بات پر کی ہے کہ مرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہے کہ میں جب چاہوں اپنے کو طلاق دیدوں یا یہ کہ مجھے طلاق اور شوہر نے کہا کہ میں نے قبول کیا)۔

اور آدمی کو چاہئے کہ اپنے کئے ہوئے وعدہ کا پابند رہے، پابندی عہد کی شریعت میں کافی تاکید آئی ہوئی ہے، ارشاد خداوندی ہے:''وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كانَ مَسْؤُلاً'' (الاسراء:34) (اور عہد کو پورا کرو بیشک عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:''يَا أَيّها الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ'' (المائدہ:1) (اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو)۔

علامہ جصاص رازی اس آیت کے ذیل میں رقم طراز ہیں:''وهُوَ عُمُومٌ فِي إيجَابِ الْوَفَاءِ بِجَمِيعِ مَا يَشْرِطُ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ مَا لَمْ تَقُمْ دلالة تُخَصِّصُهُ'' (احکام القرآن:3/286) (یہ ان تمام شرطوں کے پورا کرنے کے واجب قرار دینے کے سلسلے میں عام ہے جن کا انسان نے اپنے کو پابند بنا رکھا ہے، جب تک کہ ان کو خاص کرنے والی کوئی دلیل موجود نہ ہو)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ شوہر کو بوقت نکاح، مناسب عقد باتوں کا پابند بنانا شرعا صحیح اور درست ہے۔

☆☆☆

تعزیر بالمال کتاب وسنت اور تشریحات فقہاء کی روشنی میں

مفتی محمد عثمان بستوی☆

ا-تعزیر بالمال کا مفہوم:

حضرات فقہاء کے کلام سے تعزیر بالمال کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ مجرم کی اصلاح اور جرائم کے سد باب کے لئے وقتی یا دائمی طور پر اس کا اتنا مال ضبط کرلینا جو اس کی اصلاح کے لئے مفید ومعین ہو، ''التعزیر مشروع لردع الجانی وزجره وإصلاحه وتهذیبه، ومعنی الزجر منع الجانی من معاودة الجریمة ومنع غیره من ارتکابها''(موسوعہ/۲۵۶)، ''التعزیر بالمال یکون بحسبه أو باتلافه وبتغییر صورته أو بتملیکه للغیر''(موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۱)۔

ب-تعزیر بالمال وباخذ المال کے درمیان فرق:

تعزیر بالمال اور باخذ المال کے درمیان تضاد نہیں ہے کہ فرق کی حاجت ہو، البتہ ان کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، چنانچہ تعزیر بالمال میں باخذ المال وحبس المال وتملیک المال للغیر نیز اتلاف مال وتغییر مال سب داخل ہیں، یعنی تعزیر بالمال عام ہے اور باخذ المال اس کا ایک فرد ہے، لہذا جب تعزیر باخذ المال ہوگی تو اس صورت میں تعزیر بالمال بہر حال پائی جائے گی، کیونکہ ہر عام اپنے خاص کے تحت پایا جاتا ہے عام کا خاص سے انفکاک ممکن نہیں، لیکن تعزیر بالمال کی صورت میں تعزیر باخذ المال کا پایا جانا لازم وضروری نہیں ہے، ایسا ممکن ہے کہ تعزیر بالمال تو موجود ہو لیکن باخذ المال کا تحقق نہ ہو، مثلاً اتلاف مال وتغییر مال کی صورت میں تعزیر بالمال تو ہے، لیکن تعزیر باخذ المال نہیں۔

''التغییر بالمال یکون بحسبه، او بإتلافه أو بتغییر صورته أو بتملیکه للغیر''(موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۱)۔

''وأما تعزیر المال وهو العقوبة المالیة فشرعها فی مواضع، منها: تحریق متاع الغال من الغنیمة، ومنها: حرمان سهمه، ومنها: اضعاف الغرم علی سرق الثمار المعلقة، ومنها: إضعافه علی کاتم الضالة الملتقطة، ومنها: أخذ شطر مال مانع الزکوة ومنها: غرمه ﷺ علی تحریق دور من لا یصلی فی الجماعة''(اعلام الموقعین ۲/۱۱۷)، علامہ ابن القیمؒ نے اپنی اس عبارت میں تعزیرات مالیہ کی مختلف شکلیں بیان کی ہیں مثلاً مال

☆ ریاض العلوم گورینی، جونپور۔

غنیمت میں خیانت کرنے والے کے مال کو جلا دینا اور اس کے حصہ سے محروم کر دینا اور پھلوں کی چوری کرنے والے پر دوگنا قیمت لازم کرنا اسی طرح سے لقطہ کو چھپانے والے پر دوگنا قیمت کا تاوان لازم کرنا یا زکوۃ روکنے والے پر دوگنا مال لازم کر دینا وغیرہ سب تعزیرات مالیہ کی قبیل سے ہیں، جس سے یہ معلوم ہوا کہ تعزیرات مالی میں عموم ہے اور تعزیر باخذ المال اس کا ایک فرد ہے۔

ج-سوال کا مقصد:

سوال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصد سوال تعزیر بالمال و باخذ المال کے درمیان فرق کی وضاحت کرنا نہیں ہے بلکہ تعزیر بحبس المال اور تعزیر باخذ المال کے درمیان فرق معلوم کرنا ہے، لہذا ذیل میں ان دونوں کے درمیان فرق کو واضح کر دیا جاتا ہے۔

تعزیر بحبس المال:

مجرم کے مال کو وقتی اور عارضی طور پر اس کی اصلاح کے ظاہر ہونے تک محبوس کر لینا یہ تعزیر بحبس المال ہے، مثلاً باغیوں کا اسلحہ ضبط کر لینا اور بغاوت سے توبہ کر لینے کے بعد واپس لوٹا دینا یہ تعزیر بحبس المال کی صورت ہے۔

"**وهو أن يمسک القاضی شيئا من مال الجانی مدة زجراً له، ثم يعيده له عند ماتظهرتوبته وليس معناه أخذه لبيت المال، لأنه لا يجوز أخذ مال انسان بغير سبب شرعي يقتضی ذلک ونظيره ما يفعل فی خيول البغاة وسلاحهم، فانها تحبس عنهم مدة وتعادإليهم إذا تابوا**" (موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۱)۔

تعزیر باخذ المال:

مجرم کا مال ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دینا یا فقراء پر صرف کر دینے کو تعزیر باخذ المال سے تعبیر کیا جاتا ہے، "**افتی فريق من العلماء بأن يتصدق بالطعام المغشوش، وفی هذا إتلاف له، وكره فريق الإتلاف، وقالوا بالتصدق به......لأن فی ذلک عقاباللجانی، بإتلافه عليه ونفعا للمساكين بالاعطاء لهم**" (موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۲)۔

د-فرق بین التعزیر باخذ المال وبحبس المال اور اس پر مرتب ہونے والا حکم:

تعزیر بالمال کا عدم جواز ائمہ اربعہ کے مذہب میں منقول ہے، اور تعزیر بالمال سے مراد ان حضرات کے یہاں تعزیر باخذ المال ہے، کیونکہ اس صورت میں کسی سبب شرعی کے بغیر دوسرے کا مال لینا پایا جاتا ہے، اور شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**لا يحل للرجل أن يأخذ عصا أخيه بغير طيب نفس، وذلک لشدة حرم رسول الله ﷺ مال المسلم على المسلم**" (رواہ احمد، الفتح الربانی ۱۵/۱۴۰، مشکوۃ/۲۵۵)۔

"**وقال النبی ﷺ: ألا لا تظلموا ألا لايحل مال إلا بطيب نفسه منه، والتعزير بالمال جائز عند ابی يوسف وعندهما وعند الأئمة الثلاثة رحمهم الله تعالى لا يجوز**" (فتح القدیر، اعلاء السنن ۱۱/۵۰۹، بحوالہ احسن الفتاوی ۵/۵۴۸)۔

فرق کا اثر:

جمہور کے خلاف حضرت امام ابو یوسفؒ سے تعزیر بالمال کا جواز منقول ہے، جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے نیز نصوص ظاہرہ کے معارض ہونے کی بناء پر بھی حضرت امام ابو یوسف کے قول کے تاویل کی ضرور محسوس کی گئی اس لئے حضرات فقہاء نے ان کے قول کی تاویل کر کے تطبیق اور رفع تعارض کی کوشش کی ہے اور وہ تاویل تحبس المال سے کی ہے، اور جب تعزیر بالمال تحبس المال پر محمول کریں گے تو ایسی صورت میں نصوص سے تعارض ختم ہوجائے گا، نیز دیگر اءمہ کے مسلک کے مطابق بھی گنجائش پیدا ہوجائے گی، کیونکہ انسان کو وقتی طور پر اپنے مال سے انتفاع کو روک دینا شرعا جائز ہے اور تعزیر بالمال کی تاویل تحبس المال سے علامہ شامی وغیرہ نے کی ہے، ”أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به إمساک شئ من ماله عنه مدة لینزجر ثم یعیده الحاکم إلیه، لا أن یاخذه الحاکم لنفسه أو لبیت المال کما یتوهم الظلمة، إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی“ (شامی ۱۰۶/۶)۔

حاصل یہ ہے کہ اگر تعزیر بالمال کو تحبس المال پر محمول کیا جائے تو اس کی گنجائش حضرات فقہاء کے اقوال کے مطابق نکل سکتی ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول جواز کی تاویل تحبس المال ہی سے کی گئی ہے، تاکہ تعارض مرتفع ہوجائے، لیکن اگر تعزیر بالمال کو باخذ المال پر محمول کیا جائے تو حضرت امام ابو یوسفؒ سمیت جمہور فقہاء کے مذہب راجح کے مطابق عدم جواز کا حکم عائد ہوگا، نیز نصوص سے تعارض بھی معلوم ہوتا ہے، اس لئے تاویل کی ضرورت متحقق ہوگئی۔

”وهو أن یمسک القاضی شیئا من مال الجانی مدة زجرا له، ثم یعیده له عندما تظهر توبته، ولیس معناه أخذه لبیت المال؛لأنه لا یجوز أخذ مال إنسان بغیر سبب شرعی یقتضی ذلک، وفسره علی هذا الوجه أبویحیی الخوارزمی، وصوب هذا الرأی الإمام ظهیر الدین التمرتاشی الخوارزمی“ (موسوعہ فقہیہ ۲۷۱/۱۲)۔

۲-تعزیر بالمال سے متعلق حنفیہ کا مذہب:

فقہاء حنفیہ کا اصل مذہب تعزیر بالمال کے عدم جواز کا ہے، البتہ ایک روایت امام ابو یوسف سے جواز کی منقول ہے، لیکن اس کو قول ضعیف کہا گیا ہے، یا اس کو تعزیر تحبس المال پر محمول کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ تعزیر باخذ المال مذہب حنفیہ میں جائز نہیں، اسی وجہ سے حضرت امام محمدؒ نے اپنی کسی کتاب میں بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے، ”الأصل فی مذهب أبي حنیفة أن التعزیر بأخذ المال غیرجائز فأبوحنیفة ومحمد لا یجیزانه: بل أن محمد الم یذکره في کتاب من کتبه، أما أبویوسف فقد روي عنه أن التعزیر بأخذ المال من الجاني جائز إن رؤیت فیه مصلحة“ (موسوعہ فقہیہ ۲۷۰/۱۲)، علامہ ابن ہمام نے بھی حضرات طرفین اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب تعزیر بالمال کے عدم جواز کا نقل کیا ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے جواز کی روایت نقل کی ہے، ”عن أبی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما، وباقی الأئمة الثلاثة لا یجوز“ (فتح القدیر ۳۵۴/۵)۔

۳- حضرت امام ابو یوسفؒ کی تعزیر بالمال سے متعلق جواز کی ایک روایت کتب فقہیہ میں مذکور ہے، جس کو ''صاحب بحر'' نے ''قد قیل'' سے نقل کیا ہے، جو اس کے ضعف کی طرف مشیر ہے، اور صاحب خلاصہ نے ''**سمعت عن ثقة التعزیر بأخذ المال**...... **جاز**'' سے تعزیر بالمال کے جواز کو بیان کیا ہے، اور صاحب ''فتح القدیر'' نے تعزیر بالمال کے جواز کے بارے میں یہ فرمایا کہ یہ ان مشائخ کے قول پر مبنی ہے جو اس کے جواز کے قائل ہیں، مثلاً حضرت امام ابو یوسفؒ نے ثقہ کو مجہول رکھا اور اس کے مصداق کی کوئی صراحت نہیں کی اسی طرح سے صاحب ''فتح القدیر'' نے مشائخ کے مصداق کی کوئی وضاحت نہیں کی اس لئے تعیین کے ساتھ یہ صراحت مشکل ہے کہ فقہاء احناف میں سے کن حضرات نے تعزیر باخذ المال کو جائز کہا ہے کیونکہ کتب فقہیہ میں مجوزین کو ثقہ ومشائخ وغیرہ سے تعبیر کیا ان کے اسماء کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا، اس لئے قائلین جواز کی تعیین دشوار ہے، البتہ صاحب خلاصہ طاہر بن احمد بن عبدالرشید سرخسی اور صاحب ظہیر یہ علامہ ظہیر الدین ابوبکر محمد بخاری حنفی اور صاحب مجتبی کے جو اقوال بحر، فتح القدیر، شامی وغیرہ میں مذکور ہیں، ان سے تعزیر باخذ المال کا جواز معلوم ہوتا ہے، چنانچہ بحر میں منقول ہے:''**وكذا فى الظهيرية، وفى الخلاصة: سمعت عن ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضى ذلك أو الوالى جاز، ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال**''(بحر الرائق ۴۱/۵)۔

''**يجوز تعزيره بأخذ المال مبنى على اختيار من قال بذلك من المشائخ لقول أبى يوسف**''(فتح القدیر ۳۴۵/۵)۔

''**وفى المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها فإن ايس من يوبته يصرفه إلى ما يرى**''(البحر الرائق ۱/۵، شامی ۱۰۶/۶)۔

حاصل یہ ہے کہ مجتبی ظہیر یہ خلاصہ کی عبارتوں سے تعزیر باخذ المال کا جواز معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا عبارات میں صراحت کے ساتھ موجود ہے، اور بظاہر ان سب کا مدار حضرت امام ابو یوسفؒ والی روایت پر ہے، اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کچھ فقہاء کرام نے حضرات امام ابو یوسفؒ والی روایت سے تعزیر بالمال کے جواز کو تسلیم کیا ہے اور جن لوگوں نے جواز کو منسوخ مانا ہے ان میں مذکورہ بالا حضرات داخل نہیں ہیں اس لئے نہ تو جواز متفق علیہ ہے اور نہ ہی عدم جواز البتہ عدم جواز والا قول راجح ہے، چنانچہ علامہ شامی نے امام ابو یوسفؒ والی روایت کو روایت ضعیفہ کہا ہے اور شرنبلالی نے اس کو غیر مفتی بہ کہا''**وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبى يوسف قال فى الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس، فيأكلونه**''(شامی ۱۰۶/۶)، اور شرح الآثار میں مذکور ہے، کہ ابتداء اسلام میں تعزیر بالمال کا جواز تھا پھر منسوخ ہوگیا''**وفى شرح الآثار: التعزير بالمال كان فى ابتداء الإسلام ثم نسخ**''(البحر الرائق ۴۰/۵)، اور علامہ ابن نجیم مصری صاحب بحر الرائق کے کلام سے بھی عدم جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، چنانچہ بطور خلاصہ کے صاحب بحر فرماتے ہیں''**والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال**''(البحر الرائق ۴۱/۵)۔

تفصیل مذکور میں اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تعزیر باخذ المال اصل مذہب حنفی میں ناجائز ہے، یہی راجح اور مفتی بہ ہے، اس کے برعکس ایک روایت حضرت امام ابویوسفؒ سے تعزیر باخذ المال کے جواز کی منقول ہے، لیکن اولا یہ روایت مرجوح اور ضعیف ہے، نیز تعزیر بالمال کی کیفیت کوی کوئی صراحت صاحب مذہب سے منقول نہیں، نیز اس کی کیفیت اور معنی کے بیان میں اختلاف واضطراب بھی پایا جاتا ہے، اگر بعض فقہاء کے کلام سے تعزیر باخذ المال امام ابویوسف کے قول کا مطلب نقل کیا گیا ہے، تو اس کے برعکس حضرت امام ابویوسفؒ کے قول کا مطلب تعزیر بحبس المال بھی بیان کیا گیا ہے، چنانچہ علامہ شامی نے بزازیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، "**وأفاد في البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شئ من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال، كما يتوهم الظلمة، إذلا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي**" (شامی ۱۰۶/۶)، تو جب حضرت امام ابویوسفؒ والی روایت کا مطلب متعین نہیں، بلکہ حضرات فقہاء کے یہاں اس کے مطلب میں اختلاف موجود ہے تو اس سے تعزیر باخذ المال کے جواز پر استدلال بہت کمزور ہے، نیز یہ روایت خود مرجوح ہونے کی وجہ سے غیر مفتی بہ ہے، اس لئے یہ بات متحقق ہوجاتی ہے کہ مذہب حنفی میں تعزیر باخذ المال جائز نہیں، البتہ حضرت امام ابویوسفؒ کی روایت ضعیفہ کا ایک مطلب تعزیر باخذ المال بیان کیا گیا ہے، اور یہ مطلب بھی متفق علیہ نہیں مختلف فیہ ہے، اس لئے جواز پر استدلال محل نظر ہے۔

۴- تعزیر باخذ الما کے جواز وعدم جواز پر بڑی تفصیلی گفتگو مفتی رشید احمد صاحبؒ نے اپنی کتاب 'احسن الفتاوی' کی پانچویں جلد میں "تحریر المقال فی التعزیر بالمال" کے عنوان سے کی ہے، جس میں حضرت نے تمام متداولہ کتب احادیث، کتب فقہیہ سے عبارات نقل کی ہیں، اور بندہ نے بھی متداولہ کتب فقہیہ کی طرف مراجعت کی تو کسی فقیہ کا فتوی جواز کے سلسلے میں نظر سے نہیں گزرا غالبا اسی بنیاد پر ہندیہ وغیرہ میں عدم جواز کے قول کو اختیار کیا گیا ہے، البتہ چند فقہاء کرام کے اسماء جواز کے سلسلے میں مذکور ہیں، جیسا کہ پہلے نقل کردیا گیا ہے، بزازیہ میں منقول ہے: "**قالوا: من جملته من لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال**" (بزازیہ ص ۴۲۷، ہندیہ)، اس عبارت میں "قالوا" کے مصداق کون سے فقہاء ہیں کچھ پتہ نہیں اور تاتارخانیہ میں بھی خلاصۃ الفتاوی کے حوالہ سے یہ عبارت مذکور ہے لیکن اس میں "قالوا" کا ذکر نہیں (تاتارخانیہ ۴۰۲/۶)، اور صاحب فتح القدیر نے صاحب خلاصہ کے حوالہ سے "**سمعت من ثقة: أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلك أو الوالي جاز**" نقل کیا ہے، اس میں ثقہ کی کوئی وضاحت نہیں ہے (فتح القدیر ۳۴۵/۵)۔

یہی حال دیگر کتب فقہیہ کا ہے کہ اس سلسلے میں بس امام ابویوسفؒ کی ایک روایت اور اس روایت کا ایک مطلب تعزیر باخذ المال کے جواز کا بیان کیا گیا ہے، لیکن ایک تو اس روایت کی تضعیف کی گئی ہے، نیز قائلین جواز نے ان فقہاء کے اسماء کا ذکر نہیں کیا جنہوں نے اس کا فتوی وغیرہ دیا ہے، بس صیغہ مجہول پر اکتفاء کیا گیا، لہذا بندہ اس سے قاصر ہے کہ تعزیر بالمال کا فتوی دینے والے حضرات فقہاء کے اسماء کی تعیین کرسکے، اس لئے کہ کسی فقیہ کا فتوی نظر سے نہیں گزرا بس صاحب خلاصہ، صاحب ظہیریہ، صاحب مجتبی

وغیرہ کے اقوال ملتے ہیں، اور اس میں بھی تاویل کی ہی گنجائش ہے، جو حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول میں کی جاتی ہے۔

مفتی رشید صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’خلاصۃ الفتاوی‘‘ میں جواد بلا تفصیل منقول ہے، اس کے جوابات یہ ہیں:

۱-اس میں ہے: ’’سمعت من ثقة‘‘ قائل مجہول ہے، ۲-اس کی بنا وہی روایت ضعیفہ جو حضرت امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے، جس کا مطلب ’’یمسکها مدة لینزجر تم یعیده الحاکم‘‘ بیان کیا گیا ہے (احسن الفتاوی ۵/۵۵۸)۔

۵- ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالی کے بیان مذاہب میں اختلاف پایا جاتا ہے، بعض علماء نے ائمہ ثلاثہ اور مذہب حنفی، یعنی ائمہ اربعہ کا مذہب عدم جواز نقل کیا ہے، مثلاً صاحب ’’فتح القدیر‘‘ فرماتے ہیں: ’’عن أبی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما، وباقی الأئمة الثلاثة لایجوز‘‘ (فتح القدیر ۵/۳۴۵)، اور کچھ حضرات نے حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم جواز اور قول جدید عدم جواز نقل کیا ہے، ’’قال العلامة النووی الشافعیؒ: ویحرم حلق لحیته وأخذ ماله‘‘ (تکملۃ المجموع ۲۰/۱۲۵)، ’’ولا یجوز علی الجدید لأخذ المال‘‘ (حاشیہ علی نہایۃ المحتاج ۸/۱۹)، اور امام مالکؒ کا مذہب مشہور جواز نقل کیا گیا ہے اور دوسرا قول عدم جواز کا بھی مذکور ہے، ’’أما فی مذهب مالک فی المشهور عنه فقد قال ابن الفرحون: التعزیر بأخذ المال قال به المالکیة‘‘ (موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۰)، ’’قال العلامة الدسوقی: لا یجوز التعزیر بأخذ المال إجماعا‘‘، تو حاصل یہ نکلا کہ مالکیہ اور شوافع کے مذہب میں اختلاف ہے جواز وعدم جواز دونوں قول مذکور ہے، البتہ حضرات امام احمد بن حنبلؒ، حضرت امام صاحب کی طرف سے تعزیر بالمال کو ناجائز مانتے ہیں، ’’وعند الحنابلة یحرم التعزیر بأخذ المال أو اتلافه؛ لأن الشرع لم یرد بشیٔ من ذلک عمن یقتدی به‘‘ (موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۰)، لیکن علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم جواز کے قائل ہیں۔

تو خلاصہ بحث یہ ہے کہ حنابلہ اور احناف کے یہاں تعزیر بالمال جائز نہیں، البتہ احناف میں سے امام ابو یوسفؒ اور حنابلہ میں سے علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کے نزدیک تعزیر بالمال جائز ہے اور مالکیہ اور شوافع سے دونوں اقوال منقول ہیں، جواز وعدم جواز اس لئے قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں مذہب میں ناجائز وحرام ہے، اور فلاں میں جائز۔

تعزیر بالمال سے متعلق چند فقہاء عصر کی آراء:

۱-مفتی رشید احمد صاحبؒ نے تعزیر مالی سے متعلق ایک مفصل رسال تحریر المقال فی التعزیر بالمال کے نام سے تحریر فرمایا ہے، جس میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور عبارات فقہیہ کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں تعزیر بالمال جائز نہیں اور جن روایتوں سے تعزیر بالمال کا ثبوت ہوتا ہے اس کو منسوخ مانا ہے اور کچھ روایتوں کو تعزیر فی المال پر محمول کیا ہے، لیکن تعزیر بالمال کو ناجائز کہا ہے (تفصیل کے لئے احسن الفتاوی ر ص ۵۴۲، ۵۶۷)۔

۲-مفتی محمد تقی عثمانی نے تعزیر بالمال سے متعلق دو جگہ کلام کیا ہے، ایک قسطوں پر خرید وفروخت کے ضمن میں بحث کی ہے، اس ضمن میں حضرت نے عنوان لگایا ہے اداء دین میں ٹال مٹول کے نقصان کا عوض مقرر کرنا پھر اس سلسلے میں معاصرین فقہاء کا

اختلاف اور جواب وغیرہ نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ اسی وجہ سے حضور ﷺ مدیون مماطل کے بارے میں تو یہ فرمایا: ”لی الواجد یحل عقوبته وعرضه“، لیکن یہ نہیں فرمایا کہ ”یحل ماله“، اس کے علاوہ فقہاء کے یہاں تعزیر بالمال کے جواز وعدم جواز کے بارے میں تو اختلاف رہا ہے، لیکن فقہاء ومحدثین میں سے کسی نے لفظ عقوبت کی تفسیر مالی معاوضہ سے نہیں کی اگر کوئی فقیہ عقوبت کی تفسیر مالی معاوضہ سے کرتا بھی تو یہ مالی معاوضہ لازم کرنے کا اختیار عدالت کو ملتا خود دائن کو نہ ملتا اگر شرعی سزاؤں کے نفاذ کا اختیار عدالت کے بجائے لوگوں کو سپرد کر دیا جائے تو اس سے لاقانونیت اور بدنظمی پیدا ہوگی جس کا نہ عقلا جواز ہے نہ شرعا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳/ ۱۲۸)، پھر اس کے نیچے فرماتے ہیں کہ اگر یمنٹ پر مدیون سے دستخط لیتے وقت اس پر یہ لازم کر دیا جائے کہ مالی واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی اور تاخیر کرنے کی صورت میں وہ دین کے تناسب سے ایک معین رقم خیراتی کاموں میں بطور تبرع صرف کرے گا اور یہ رقم وہ پہلے بینک کو ادا کرے گا، پھر بینک اس کی طرف سے نیابتا خیراتی کاموں میں لگا دے گا، لہذا دین کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں مدیون وہ رقم بینک کو ادا کرے گا، البتہ یہ رقم نہ تو بینک کی ملکیت ہوگی نہ ہی اس کی آمدنی اور منافع کا حصل ہوگی، بلکہ خیراتی کاموں میں صرف کرنے کے لئے بطور امانت اس کے پاس محفوظ رہے گی...... مماطل بذریعہ معاہدہ اپنے ذمہ اس تبرع کا جو التزام کرے گا جہاں تک اس کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے تو شرعی اعتبار سے یہ التزام تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے، اور بعض فقہاء مالکیہ کے نزدیک اس تبرع کی ادائیگی قضاء بھی اس پر لازم ہوگی، مالکیہ کے نزدیک اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ اگر یہ التزام علی وجہ القربۃ ہو تو بالاتفاق اس کی ادائیگی ملتزم پر قضاء لازم ہو جاتی ہے، اور اگر یہ التزام علی وجہ القربۃ نہ ہو، بلکہ علی وجہ الیمین ہو اور ایسے امر پر اسے معلق کیا جائے جس سے ملتزم کو خود رکنا مقصود ہو تو اس صورت میں قضاء اس کے لازم ہونے میں اختلاف ہے، بعض فقہاء کے نزدیک قضاء لازم نہیں ہوگی، جبکہ دوسرے فقہاء نے اس سے اختلاف کیا ہے، ان کے نزدیک قضاء لازم ہے، چنانچہ علامہ حطابؒ نے اپنی کتاب ”تحریر الکلام فی مسائل الالتزام“ میں تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔

”أما إذا التزم المدعی علیه للمدعی أنه إن لم یوفه حقه فی وقت کذا فله علیه کذا وکذا فهذا لا یختلف فی بطلانه؛ لأنه صریح الربا، وسواء کان الشئ الملتزم به من جنس الدین أو غیره وسواء کان شیئا معینا أو منفعة: وأما إذا التزم أنه إن لم یوفه حقه فی وقت کذا فعلیه کذا وکذا لفلان أو صدقة لمساکین فهذا هو محل الخلاف المعقود له هذا الباب فالمشهور أنه لا یقتضی به کما تقدم، وقال ابن دینار یقضی به“ (تحریر الکلام/ص ۱۷۶)۔

اگر مدعی علیہ نے مدعی کے لئے یہ التزام کر لیا کہ اگر اس نے اس کا دین فلاں وقت تک ادا نہیں کیا تو اس کے ذمے فلان چیز مدعی کے لئے لازم ہو جائے گی، صریح ربا ہونے کی وجہ سے یہ صورت باطل اور ناجائز ہے، جو چیز اپنے اوپر لازم کی ہے چاہے وہ دین کی جنس میں سے ہو یا نہ ہو، اور چاہے وہ کوئی معین چیز ہو یا منفعت ہو...... اور اگر مدعی علیہ نے یہ التزام کر لیا کہ اگر فلاں وقت پر تمہارا دین ادا نہیں کیا تو اس صورت میں فلاں چیز فلاں شخص کو دینی لازم ہوگی، یا فلاں چیز مساکین کو صدقہ دوں گا، یہ صورت فقہاء کے

نزدیک محل اختلاف ہے، اور مشہور قول یہ ہے کہ اس کی ادائیگی قضاء لازم نہیں ہوگی، البتہ علامہ ابن دینارؒ فرماتے ہیں کہ یہ قضاء بھی لازم ہے......اس سے پہلے ایک جگہ علامہ حطابؒ تحریر فرما چکے ہیں: "**وحكاية الباجى الاتفاق على عدم اللزوم فيما إذا كان على وجه اليمين غير مسلمة لوجود الخلاف فى ذلک كما تقدم، وكما سيأتى**" (ص۱۶۹)، تحریر الکلام علامہ باجیؒ نے اگرچہ اتفاق نقل کیا کہ علی وجہ الیمین التزام کی صورت میں قضاء لزوم نہیں ہوتا، مگر یہ نقل قابل تسلیم نہیں، کیونکہ قضاء لازم ہونے یا نہ ہونے میں علماء کا اختلاف موجود ہے، جیسا کہ پیچھے گذر چکا اور آئندہ آنے والا ہے۔

علامہ حطابؒ نے اگرچہ قضاء عدم لزوم کے قول کو ترجیح دی ہے، لیکن اس بحث کے آخر میں وہ خود فرماتے ہیں کہ "**إذا قلنا ان الالتزام المعلق على فعل الملتزم الذى على وجه اليمين: لا يقضى به على المشهور: فاعلم أن هذا مالم يحكم بصحة الالتزام المذكور حاكم، وأما إذا حكم حاكم بصحته أو بلزومه فقد تعين الحكم به لأن الحاكم إذا حكم بقول لزم العمل به وارتفع الخلاف**" (تحریر الکلام للحطاب ص ۱۸۵)۔

اگرچہ ہم نے یہ کہا کہ ملتزم جب اپنے کسی فعل پر علی وجہ الیمین التزام کرلے تو قضاء وہ لازم نہیں، جیسا کہ مشہور مذہب یہی ہے، مگر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ اس وقت تک ہے جب تک کسی حاکم نے التزام مذکورہ کے بارے میں فیصلہ جاری نہ کیا ہو، لیکن اگر کسی حاکم نے اس التزام کے صحیح ہونے، یا اس کے لازم ہونے پر فیصلہ دے دیا ہو، تو اس صورت میں وہ التزام درست ہوجائے گا، اس لئے کہ جب حاکم کسی بات کا فیصلہ کردے تو اس پر عمل کرنا لازم ہوجاتا ہے، اور اختلاف بھی ختم ہوجاتا ہے۔

بہرحال: یہ حکم بعض فقہاء مالکیہ کے قول کے مطابق ہے، جہاں تک حنفیہ کا تعلق ہے ان کے نزدیک وعدہ قضاء لازم نہیں ہوتا، لیکن فقہاء حنفیہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ بعض وعدے ایسے ہیں جو لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے لازم ہوجاتے ہیں، لہذا اس قول کی بنیاد پر میرے خیال میں ٹال مٹول کے سد باب کے لئے اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے مجوزہ تبرع کو لازم قرار دینے کی گنجائش ہے۔

چنانچہ امام ابوبکر جصاصؒ آیت کریمہ "**لم تقولون مالاتفعلون**" کے تحت فرماتے ہیں: "**يحتج به فى أن كل من ألزم نفسه قربة أوعبادة واجب على نفسه عقد الزمة الوفاء به، إذترک الوفاء به يوجب أن يكون قائلا مالا يفعل وقد ذم الله فاعل ذلک، وهذا فيما لم يكن معصية، فأما المعصية فإن إيجابها فى القول لا يلزمه الوفاء بها، وقال النبى ﷺ: لانذر فى معصية، وكفارته كفارة يمين، وإنما يلزم ذلک فيما عقده على نفسه مما يتقرب به إلى الله عز و جل، ومثل النذور، وفى حقوق الآدميين العقود التى يعتقدونها**" (احکام القرآن ۳/ ۴۴۲)، اس عبارت میں "**أوجب على نفسه عقدا**" کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص آئندہ کوئی عقد کرنے کا وعدہ کرتو وہ لازم ہوجاتا ہے، "**ولو ذكرا البيع بلا شرط، ثم ذكرا الشرط على وجه العدة جاز البيع ولزم الوفاء بالوعد إذ المواعيد قد تكون لازمة، فيجعل لازما لحاجة الناس**" (ردالمحتار ۷/ ۲۸۱)، "**المواعيد بصور**

التعالیق تکون لازمة، لأنه یظهر فیها حینئذ معنی الالتزام والتعهد"(المجلۃ الاحکام العدلیۃ المادۃ ۸۴)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب کی دوسری رائے یہ ہے کہ متاخرین حنفیہ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر بھی کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی، عام طور پر فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**لا یحل مال امری مسلم إلا بطیب نفسه منه**" (یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں) لیکن یہ استدلال کمزور ہے، اس لئے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے، اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، لیکن جان وطیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہے اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جارہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے، تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولی جائز ہوجانا چاہئے، چنانچہ بعض متأخرین فقہاء حنفیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے "**فأما الضروری فهو ما تقوم علیه حیاة الناس ولا بدمنه لا ستقامة مصالحهم والأمور الضروریة للناس بهذا المعنی ترجع إلی حفظ خمسة أشیاء: الدین والنفس والعقل والعرض والمال فحظ کل منها ضروری للناس**" (علم اصول الفقہ للخلاف ص۲۲۱)، "**وبحفظ ماله استعانة علی إقامة تلک الوجوه الأربعة**" (موافقات ۲/۱۷۷)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تعزیر مالی کے سلسلہ میں جو کچھ فرماتے ہیں اس کو بطور خلاصہ نقل کیا جاتا ہے، "معین الحکام" کے حوالہ سے لکھتے ہیں: "**ومن قال: إن العقوبة المالیة منسوخة فقد غلط علی مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا ولیس بسهل دعوی نسخها والمدعون للنسخ لیس معهم سنة ولا إجماع یصحح دعواهم، أن التعزیر بأخذ المال إن رأی القاضی أو الوالی جاز، ومن جملة ذلک رجل لایحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال له**" (فقہ السنۃ ۲/۵۹۲)، حاصل یہ ہے کہ مولانا کی رائے میں تعزیر باخذ المال جائز ہے، جیسا کہ عبارات بالا سے واضح ہے (البحر الرائق ۴/۴۱)۔

علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیمؒ کا مذہب اور دلائل:

دونوں حضرات تعزیر باخذ المال کو جائز قرار دیتے ہیں، استدلال میں درج ذیل روایات کو ذکر کیا ہے، اختصار کے پیش نظر صرف روایات کو نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

۱- "**عن سعد بن ابی وقاصؓ انه أخذ سلب رجل قتل صیدا بالمدینة، وقال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: من رأی رجلا یصطاد فی المدینة فلیسلبه، فلا أرد علیکم طعمة اطعمنیها رسول الله ﷺ ولکن إذا شئتم دفعت إلیکم ثمنه**" (خلاصۃ البدر المنیر)۔

۲-"عن أبی طلحة أنه قال: یا رسول الله! إنی اشتریت خمرا لایتام فی حجری، قال: اھرق الخمر وأکسر الدنان"(عارضۃ الاحوذی)۔

۳-"عن عبد الله بن عمرو بن العاص رأی رسول الله ﷺ علي ثوبین معصفرین، فقال أأمک أمرتک بهذا قلت: اغسلھما، قال بل: احرقھما"(مسلم ۲/۱۹۳)۔

۴-"عن عد الله بن عمرو بن العاص عن رسول الله ﷺ سئل عن الشمر المعلق فقال من احباب بفیه من ذی حاجة غیر متخذ خبنة فلا شئ علیه ومن خرج بشئ منه فعلیه غرامةمثلیه والعقوبة ومن سرق شیئا منه بعد أن یؤویه الجزین فبلغ ثمن المجن فعلیه القطع ومن سرق دون ذلک فعلیه غرامة مثله والعقوبة " (نسائی شریف)۔

۵-"عن محمد بن یحیی ابن حبان ان عبد ازرق ودیا من حائط رجل فغرسه فی حائط سیده، فخرج صاحب الودي یلتمس ودیه فوجده فاستعدی علی العبد مروان بن الحکم فسجن مروان العبد واراد قطع یده فانطلق سید العبد إلی رافع بن خدیج فساله عن ذلک فاخبره أنه سمع رسول الله ﷺیقول: لا قطع فی ثمر ولا کثر" (التمہید)۔

۶-"عن عمر بن الخطاب وعلیؓ انھما أمرا بتحریق المکان الذی یبا ع فیه الخمر"(مجموع الفتاوی)۔

۷-"عن بهز بن حکیم قال حدثنی ابی عن جدی قال: سمعت النبی ﷺ فی کل إبل سائمة فی کل اربعین ابنة لبون لا یفرق إبل عن حسابها، من أعطاها مؤتجرا فله أجرها، ومن منعها فإنا أخذوها وشطرا بله عزمة من عزمات ربنا لا یحل لأل محمد منها شئ" (المعجم الکبیر ۱۹/۴۱۰)۔

تعزیر بالمال کا جواز:

مذکورہ بالا روایات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا صید حرم کو سلب کرنے کا حکم دینا، حضرت ابوطلحہؓ کو شراب بہانے اور برتن توڑنے کا حکم دینا، عبداللہ بن عمروؓ کو کپڑے جلانے کا حکم دینا، ثمر معلق کے سرقہ پر مثل اور مثلین کا لازم کرنا، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا شراب خانے کو جلانے کا حکم دینا، آپ ﷺ کا مانعین زکوۃ سے متعدد زکوۃ کے علاوہ ایک اضافہ مقدار لینے کا اعلان کرنا، یہ ساری باتیں تعزیر باخذ المال کے جواز پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ مذکورہ صورتوں میں مال کا حق سے زائد مقدار میں لینا یا بغیر حق مالی کے سلب کر لینا یا مال کو تلف کرنا یہ سب جرم کی پاداش میں اختیار کیا گیا ہے، لہذا ان کا بغیر مالی حق کے لینا تعزیر بالمال کے جواز پر صراحۃ دلالت کرتا ہے۔

فکر ونظر:

تعزیر باخذ المال کو جائز کہنے والے حضرات کے دلائل میں تین چیزیں قابل توجہ اور قابل غور ہیں: ذکر کردہ روایات سے

آپ ﷺ اور حضرات صحابہ وغیرہ کا جرم کی صورت میں بطور تاوان مال لینے کی صراحت موجود ہے۔

۲-اس کے علاوہ تمام فقہاء کا مسلک یہ موجود ہے کہ اگر کسی جگہ یا کسی چیز سے معصیت قائم اور متعلق ہو تو اس چیز کو تلف کر دینا معصیت کے مٹانے کے لئے شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ احراق وغیرہ کسی جاندار چیز کا نہ ہو، تو جب جرم کو روکنے کے لئے مال کے اتلاف کی اجازت احادیث اور کتب فقہیہ سے ثابت ہے تو معصیت کے روکنے کے لئے مال کو ضبط کر لینا بدرجہ اولی جائز ہونا چاہئے کیونکہ اتلاف میں اضاعت مال ہے اور اخذ میں اتلاف نہیں، بلکہ کسی کے کام میں صرف کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اتلاف کی قباحت و شناعت ضبط سے بڑھی ہوئی ہے، تو جب اشد کی اجازت ہے تو اسکی بدرجہ اولی اجازت ہونی چاہئے۔

۳-تعزیر بالتعذیب یعنی اعضاء اور جسم کو تکلیف پہنچانے قید میں ڈالنے اور قتل کرنے تک کی اجازت ہے تو مال کا درجہ اس سے کمتر ہے، تو جب جسم اور آبرو جرم کی وجہ سے مباح ہوجاتے ہیں تو مال بدرجہ اولی جرم کی بنا پر مباح ہوجائے گا، نیز مال کا مقصد ہی جان و آبرو کی حفاظت ہے، تو جب جان و آبرو خطرے میں ہوں تو مال کے ذریعہ سے اس کو محفوظ رکھنے کی بدرجہ اولی اجازت ہونی چاہئے۔

"**فأما الضروری: فهو ما تقوم عليه حياة الناس ولا بدمنه لاستقامة مصالحهم، وإذا فقد اختل نظام حياتهم، ولم تستقم مصالحهم وعمت فيهم النوضى والمفاسد، والأمور الضرورية للناس بهذا المعنى ترجع إلى حفظ خمسة اشياء الدين، والنفس، والعقل والعرض والمال ...... كل منها ضروری للناس**" (علم اصول الفقہ للخلاف/ص۲۲۱)، "**ومجموع الضروريات خمسة، وهى حفظ الدين والنفس والنسل والمال والعقل وقالوا انها مراعاة فى كل ملة**" (موافقات ۲/۱۰)، علامہ شاطبیؒ نے امور ضروریہ خمسہ میں سے...... اصل کے درجہ میں رکھا ہے اور مال کو امور اربعہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہونے کی وجہ سے ضروری قرار دیا ہے، "**وبحفظ ماله استعانة على إقامة تلك الوجوه الأربعة**"، نوٹ: بہت سے اصولیین نے نسل کی جگہ عرض کو رکھا ہے معلوم یہ ہوا کہ دونوں کا مقصد ایک ہے (موافقات ۸/۱۷۷)۔

ایک اہم اشکال اور اس کا حل:

جواز سے متعلق ذکر کردہ دلائل کے ہوتے ہوئے حضرات فقہاء میں سے جمہور کا راجح مذہب تعزیر باخذ المال کے عدم جواز کا کیوں ہے؟ ایک بہت بڑا اشکال ہے جس کے حل کی ضرورت ہے، اگر یہ مسئلہ حضرات فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہوتا تو پھر تعارض ادلہ پر محمول کر کے جواب آسان ہوتا، لیکن جمہور فقہاء کا ناجائز کہنا بہت اہمیت رکھتا ہے، اس لئے اس گوشہ پر خاص توجہ کی ضرورت بہرحال ہے، حضرات فقہاء نے اپنے کلام میں کوئی ایسی بات ذکر نہیں کی جس کی وجہ سے بآسانی اس خلجان کو دور کیا جاسکے، اس لئے عدم جواز کے دلائل میں غور کر کے اس کا حل نکالنے کی ضرورت ہے۔

عدم جواز کے دلائل میں درج ذیل امور ذکر کئے جاتے ہیں:

۱-"**فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتديتم وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم**" (سورۃ

نحل:۱۲٦)،اورسرقہ کی صورت میں اگر مال موجود ہوتوصرف مال واپس لوٹا دینے کا حکم ہے اور اگر ضائع ہوگیا ہوتو زیادہ سے زیادہ اس کے مثل صوری یا مثل قیمی کی واپسی ہے، اسی طرح مال مغصوب میں ضمان بالصور المثلی یا بالصور المعنوی کا حکم ہے، کسی بھی فقیہ نے جرم کی بنا پر زیادہ مال لینے کی اجازت نہیں دی ہے، نیز ”لا یحل مال امرء مسلم إلا بطیب نفسه “ موجود ہے، ان دلائل سے تعزیر باخذ المال کے عدم جواز پر استدلال کیا جاتا ہے، اور جواز والی روایات کو منسوخ مانا گیا ہے (تفصیل کے لئے اعلاء السنن ۱/ ٦۸۸ وغیرہ ملاحظہ ہوں)۔

”**وقال الشافعي في الجديد: لا يؤخذ منه إا الزكوة لا غير، وجعل هذا الحديث منسوخا، وقال كان ذلک حيث كانت العقوبات في المال ثم نسحت، ومذهب عامة الفقهاء أن لا واجب على متلف الشي أكثر من مثله أو قيمته**“(نہایہ ۲/ ۳۷۳)۔

اشکال کا حل وجواب:

اشکال کے جواب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مانعین جواز کے دلائل پر بھی ایک نظر ڈالی لی جائے، مانعین نے جو آیات ذکر کی ہیں تو اگر اس میں غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان آیات میں عموم نہیں، اگر عموم ہوتا تو حرم وسزا میں ہمیشہ مساوات ومناسبت کا لحاظ ضروری ہونا سلطان اور حاکم کو اس میں اختیار نہ ہوتا، جبکہ تعزیرات میں حاکم کو اختیار ہوتا ہے وہ اپنی صوابدید کے مطابق جس طرح کی تعزیر چاہے متعین کرے اس کے پیش نظر صرف جرائم کا سدباب ہوتا، نہ کہ جرم وسزا میں مساوات میں مماثلت قائم کرنا، اس سے معلوم ہوا کہ جرم وسزا میں مساوات لازم نہیں، لہذا یہ آیات اپنے عموم پر باقی نہیں، نیز حدقذف اور حدسرقہ میں مماثلت کا فقدان ظاہر ہے جس کی تفصیل اہم علم سے مخفی نہیں، اس لئے ان آیات سے جرم وسزا میں مماثلت کو ثابت کر کے تعزیر بالمال کو ناجائز کہنا ممکن نہیں، اور مانعین کی طرف سے جو نسخ کی بات کہی جاتی ہے وہ بھی بچند وجوہ محل نظر ہے۔

۱- نسخ کے لئے ناسخ کی تاریخ کا معلوم ہونا لازم ہے جو ثابت نہیں۔

۲- نسخ کا دعوی صاحب مذہب کی طرف سے نہیں کیا گیا ہے، بلکہ صاحب مذہب کی طرف سے سکوت ہے اسی لئے امام محمدؒ نے اپنی کتاب میں اس کے جواز اور عدم جواز کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، تو سکوت سے نہ جواز پر استدلال کیا جاسکتا ہے نہ ہی نسخ پر، نیز اتلاف والی روایات کو جب صحیح ثابت غیر منسوخ مانا جاتا ہے تو باخذ المال بیت المال اور للفقراء کا جواز دلالۃ النص بطیقہ اولیت ثابت ہوتا ہے، اس لئے نسخ متعین نہیں، نیز بہت سے فقہاء نے تعزیر باخذ المال کے جواز کو مانا ہے تو اگر نسخ متعین ہوتا تو قائلین جواز کا وجود نہ ہوتا، البتہ مدیون یا جن کے ذمہ مالی حقوق ہوں اور ان کی طرف سے زیادتی پائی جائے تو تعزیر بالمال سے ربا اور شبہ ربا کا دروازہ کھل سکتا ہے، اسی لئے حضرات فقہاء نے غصب وسرقہ میں صرف مال مثل کی واپسی کو لازم قرار دیا اور زیادتی کو منع کیا، لہذا اس مسئلہ سے بھی تعزیر باخذ المال کے عدم جواز پر آسانی استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس صورت میں جرمانہ وصول کرنا اور زائد مال لینا (ربا اور شبہ ربا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ممانعت ہوگی)، لہذا جہاں تعزیر باخذ المال میں کسی معصیت کا تحقق نہ ہو تو اس کے عدم جواز کو

ثابت نہیں کیا جاسکتا تو پھر فقہاء نے تعزیر باخذ المال کو ناجائز کیوں کہا اس کو حل کرنے کے لئے صاحب درمختار اور ردالمحتار اور علامہ محمد جعفر سندھی کی عبارتوں میں غور کیا جائے تو آسانی اس کا حل نکل آیا۔

حل:

ان فقہاء کرام کی عبارتوں میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر باخذ المال فی نفسہ جائز ہے اور حضرات فقہاء نے عدم جواز کا قول سد اللباب اختیار کیا تھا کہ سلاطین جن کے اوپر تقوی، دیانت کے علاوہ کوئی قانون نہیں ہوتا جو ان کو بیجا اور بغیر جرم کے دوسروں کا مال لینے سے روک سکے، اور جب فقہاء نے یہ دیکھا کہ جب لوگوں کے دلوں سے تقوی اور دیانت بالکل ختم ہوگیا، اور مال کی حرص بڑھ گئی اور اس کا خطرہ پیدا ہوگیا کہ لوگوں کے مال بغیر جرم کے بھی لے لئے جائیں گے اور مال کو لینے کے بعد ان کے مصرف میں صرف کرنے کے بجائے ذاتی خواہشات میں صرف کیا جانے لگے گا اور جرم کے بغیر بھی مال غصب کیا جانے لگے گا، ان سب خرابیوں سے بچنے کے لئے حضرات فقہاء نے عدم جواز کا فتوی دیا اور جو جواز کے دلائل تھے جن سے فی نفسہ جواز ثابت ہو رہا تھا ان کے بارے میں فرمایا: ”هذا من ما يعلم ويكتم“ اور ذیل میں چند اقتباسات نقل کردیئے جاتے ہیں، تاکہ مسئلہ بے غبار ہوجائے۔

۱-”ذكر الطرطوسي في مولف له أن مصادرة السلطان لأرباب الأموال لاتجوز إلا لعمال بيت المال، مستدلا بأن عمرؓ صادر ابا هريرةؓ اه، وذلك حين استعمله على البحرين، ثم عزله وأخذ منه اثنى عشر الفا، ثم دعاه للعمل فأبى......ويلحق بهم كتبة الأوقاف ونظارها إذا توسعوا وتعاطوا أنواع اللهو و بناء الإمكان فللحاكم أخذ الأموال عنهم وعزلهم، فإن عرف خيانتهم في وقف معين رد المال إليه، وإلا وضعه في بيت المال“ (ردالمحتار ۷/ ۶۲۵-۶۲۶)۔

۲-”قال السيد الحموي: هذا مما يعلم ويكتم ولا تجوز الفتوى به؛ لأنه يكون ذريعة إلى مالا يجوز، وذلك؛ لأن حكام زماننا لو افتوا بهذا وصادروا من ذكر لا يردون الأموال إلى الأوقاف وإن علمت أعيانها ولا لبيت المال، بل يصرفونها فيما لا يليق ذكره فليكن هذا على ذكر منك“ (ردالمحتار ۷/۶۲۶)۔

۳-”قال العلامة المخدوم محمد جعفر السنديؒ سداً للباب: إن رواية جواز التعزير بأخذ المال ينبغي أن لا يطلع عليه سلاطين زماننا؛ لأنهم بعد الإطلاع قد يجاوزون حد الأخذ بالحق إلى التعدي بالباطل“ (......بحوالہ احسن الفتاوی ۵/ ۵۵۳)۔

عبارات مذکورہ میں صاف وضاحت کے ساتھ تعزیر باخذ المال کی دلیل کو ذکر کرنے کے بعد فتوی سے ممانعت کی وجہ بھی بڑی وضاحت سے بیان کردی گئی ہے، کہ بے لگام حکام وسلاطین فتوی کو لوگوں کا مال غصب کرنے اور اپنے عیش وعشرت کا سامان فراہم کرنے کے ذریعہ بنالیں گے، اس حکمت کے پیش نظر متقدمین اسلاف نے تعزیر باخذ المال کے مسئلہ کو ”هذا من ما يعلم

ویکتم ولا تجوز به الفتوی" میں شامل کردیا۔

۶- زمانہ موجودہ میں تعزیر باخذ المال کا سرکاری اور غیر سرکاری طور پر ایسا عموم رواج ہے جس کی ضرورت سے انکار کرنا حقیقت سے آنکھیں بند کرنا ہی کہلائے گا، عرف ورواج کے ساتھ ساتھ زمانہ کا مزاج بھی اس کا عادی اور متقاضی ہے، نیز دلائل کے اعتبار سے گنجائش بھی موجود ہے، لہذا التعزیر باخذ المال والے اقوال پر فتوی دینا گرچہ قول مرجوح اور دوسرے ائمہ کے اقوال کے مطابق ہے، جائز ہے، اسی وجہ سے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے تعزیر بأخذ المال کے جواز کو اختیار کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی تو مال جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولی جائز ہونا چاہئے، چنانچہ بعض متاخرین فقہاء حنفیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے (درس ترمذی ملخصا ۵/۱۱۹)۔

ایک ضروری تنبیہ:

تعزیر کے جواز کے لئے ایک ضروری اور اہم شرط یہ ہے کہ تعزیر بذات خود معصیت پر مشتمل نہ ہو اسی لئے حلق لحیہ وغیرہ سے تعزیر کرنا جائز نہیں، لہذا التعزیر باخذ المال میں بھی اس شرط کو ملحوظ رکھنا لازم ہے کہ تعزیر باخذ المال ربا، ظلم، غصب پر مشتمل نہ ہو، لہذا مدیون جو دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرے اس سے مالی جرمانہ وصول کر کے اپنے مصرف میں خرچ کرنا ربا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ہرگز جائز نہ ہوگا (حاشیہ فقہ البیوع ۱/۶۰۸)۔

اس لئے مالی زیادتی پر تعزیر باخذ المال میں لئے جانے والے مال کو ذاتی مصرف میں خرچ کرنے کی اجازت نہ ہوگی، بلکہ اس کو عوامی ضروریات یا فقراء وغیرہ کے مصارف میں خرچ کرنا لازم ہوگا، جیسا کہ روایات وغیرہ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۷- تعلیمی اداروں میں مالی جرمانہ کی شرعی تاویل بھی ممکن ہے، اس لئے اگر تعزیر بالمال کو متقدمین فقہاء کے مطابق ناجائز ہی کہا جائے تو بھی مدارس میں مالی جرمانہ کی گنجائش نکلتی ہے، کیونکہ تعلیمی اداروں کی طرف سے بہت سی ایسی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں جس کا کوئی عوض نہیں ہوتا تو مالی جرمانہ اس کا عوض اور بدل بن کر جائز ہوگا اور اگر ادارہ کی طرف سے تمام سہولیات کا عوض لیا جاتا ہے تو جب ضابطہ مقرر ہوگیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جرم کی صورت میں عوض میں اضافہ کردیا جائے گا تو گویا کہ عقد اجارہ میں تردید پائی گئی کہ اگر جرم نہ صادر ہو تو اجرت اتنی اور اگر جرم صادر ہوگیا تو اجرت اتنی بڑھا کر دینی ہوگی اور جب طلبہ نے اس کو منظور کیا تو معاہدہ کے مطابق یہ جرمانہ وصول کرلینا جائز ہے، کیونکہ حضرات فقراء متاخرین نے تردید اجرت کو جائز کہا ہے اور جیسا کہ صاحبین کا یہی مذہب ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بلا تاویل (مالی جرمانہ از متعلمین) جائز نیست عند الحنفیۃ مگر تاویلش بدیں شان تو اندشید کہ دراں ماہ اجرت عمل بمقدار جرمانہ زائد مقرر گفتہ شود (امداد الفتاوی ۲/۵۳۶)۔

"یجوز أن یتضمن عقد الاستصناع شرطا جزائیا بمقتضی ما اتفق علیه العاقد إن مالم تكن هناک

ظروف قاهرة......قياسا على الإجارة حيث يجوز عندجمع من الفقهاء أن يقول المستاجر للخياط: إن خطته اليوم فبدرهم، وان خطته غدا فنصف درهم، هذا جائز عند ابى يوسف ومحمد وعند احمد فى رواية، ولا يجوز عند مالک والشافعی رحمهم الله تعالى، ويجب أجر المثل، وقال ابوحنيفة ؒ: إن خاطه اليوم فله درهم وإن خاطه غدا لا يزاد على درهم ولا ينقص عن نصف درهم، وافتى شيخ مشائخنا التهانوى رحمه الله بقول ابى يوسف و محمدؒ ،ولا شک أن الحاجة داعية إلى مثل هذا الشرط " (فقہ البیوع ۱/ ۶۰۸ تا ۶۱۰)۔

۸- تعلیمی اداروں کے علاوہ دوسرے ادارے مثلاً ہاؤسنگ سوسائٹیاں وغیرہ کی طرف سے لیا جانے والا جرمانہ کی بھی تاویل کی جاسکتی ہے، اس طرح سے کہ ان اداروں کی طرف سے اگر متعلقہ افراد کو کوئی سروس اور خدمت وغیرہ فراہم کی جاتی ہو تو جس کا سالانہ یا ماہانہ کوئی عوض متعین ہو تو یہ عوض اس کی اجرت بنے گا اور وقت پر عدم ادائیگی کی صورت میں جرمانہ کے نام سے جو بڑھا کر لیا جائے گا وہ بھی اسی خدمت کا عوض شمار ہوگا، کیونکہ جب جرمانہ کا ضابطہ متعین کر دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص وقت مقررہ پر اجرت ادا کرے گا اس کی اجرت متعین مقدار بنے گی اور جو شخص وقت پر اجرت ادا نہ کرے تو اس کی اجرت میں جرمانہ کو شامل کر کے اجرت متعین کی گئی تو حاصل یہ بنا کہ نقد اجرت اتنی اور ادھار اجرت اتنی اور نقد اور ادھار اجرت میں فرق رکھنا شرعاً جائز ہے، جیسے کہ نقد اور ادھار ثمن کے درمیان فرق رکھنا جائز ہے، البتہ بیع میں مجلس عقد کے اندر ایک کو متعین کر لینا ضروری ہے، تردید جائز نہیں، لیکن عقد اجارہ میں مجلس عقد میں ایک کو متعین کر لینا لازم وضروری نہیں، بلکہ ادائیگی کے وقت ان دونوں میں سے جس کی اختیار کرے گا وہ متعین ہو جائے گا اس کے جواز پر جہالت اجرت کا اشکال ہوتا ہے، لیکن یہ جہالت یسیرہ ہے، فاحشہ نہیں، نیز عرف اور ابتلاء عام کی وجہ سے یہ جہالت مفضی الی النزاع بھی نہیں اور جو جہالت مفضی الی النزاع نہ ہو تو وہ جائز ہے، اور اس مسئلہ کی نظیر فیصد کے اعتبار سے اجرت کی تعیین اور پرائیویٹ فنڈ والا مسئلہ بھی بن سکتا ہے، لیکن اس کے جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ وقت پر ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں جرمانہ کی جو رقم متعین کی جائے وہ مزید تاخیر کے ساتھ بڑھتی نہ رہے، اگر تاخیر کے اعتبار سے جرمانہ بھی بڑھتا رہے، پھر یہ شکل جائز نہیں، چنانچہ معاشی مسائل میں ہے کہ ایک شرط نہایت ضروری ہے اس کے بغیر معاملہ شریعت کے مطابق نہیں رہے گا، وہ یہ ہے کہ سروس چارج کی جو رقم آپس میں طے کی جائے وہ بل کی ادائیگی کی مدت سے منسلک نہیں ہوگی، یعنی سروس چارج بل کی میچوریٹی سے ریلیٹیڈ نہیں ہوگا، گویا بل کی ادائیگی کی مدت میں اضافہ سے سروس چارج میں اضافہ نہیں کیا جائے گا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳/ ۲۱۰)۔

"أما إذا التزم المدعى عليه للمدعى أنه إن لم يوفه حقه فى وقت كذا فعليه كذا وكذا، فهذا لا يختلف فى بطلانه؛ لأنه صريح الرباء وسواء كان الشئ الملتزم به من جنس الدين أو غيره، وسواء كان شيئا معينا أو منفعة" (تحریر الکلام للحطاب/ص ۱۷۶)۔

لیکن اگر جرمانہ کو اجرت کا جز قرار دیا جائے تو اس کی گنجائش ہے اور اجرت میں بعد والے مہینہ کی جو اجرت ہوتی ہے، بقدر

جرمانہ اضافہ مانا جائے گا گویا کہ اس نے معاملہ اس طرح کیا ہے کہ اگر فلاں تاریخ تک اجرت ادا کر دی گئی تو اتنی مقدار ہوگی اور اگر فلاں تاریخ تک ادائیگی نہیں پائی گئی تو بعد والے مہینہ کی اجرت اتنی بڑھا کر دینی ہوگی، اس طرح سے معاملہ کی گنجائش نکل آتی ہے، چنانچہ امداد الفتاوی میں ہے (تعزیر بالمال) بلا تاویل جائز نیست عند الحنفیہ مگر تاویلش بدیں شان تواند شید کہ دوران ماہ اجرت عمل بمقدار جرمانہ زائد مقرر گفتہ شود (امداد الفتاوی ۲/ ۵۳۶)، تو حاصل یہ نکلا کہ سوسائٹیوں کا جرمانہ وصول کرنا اگر اس طرح ہو کہ وقت پر عدم ادائیگی کی صورت میں وقت کے بڑھنے کے ساتھ جرمانہ بڑھتا رہے تو یہ ربا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، جیسا کہ صراحت سے گذر چکا، البتہ اگر وقت پر ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں جرمانہ کی ایک مقدار متعین کر دی جائے اور جو وقت کے بڑھنے سے بڑھے نہ تو اس کو اگلے ماہ کی اجرت میں اضافہ مان کر کے شریعت کے ضابطہ پر منطبق کیا جاسکتا ہے اور جواز کی شکل نکل سکتی ہے، تفصیل کے لئے (امداد الفتاوی ۲/ ۵۳۶، ۵۴۰، ۵۴۳ وغیرہ دیکھا جاسکتا ہے)۔

۸- حضرات فقہاء نے تعزیر باخذ المال کو سلطان اور حکام کی قید سے مقید کیا ہے، ''**روی عن أبی یوسف أن التعزیر من السلطان بأخذ المال جائز**'' (عنایہ ۴/ ۲۱۲، بنایہ ۳/ ۲۸۷)، لہذا تعزیر بالمال کا اصل حق و اختیار حکام کی ہے، غیر حاکم کو تعزیر بالمال کا اختیار نہیں کیونکہ غیر حاکم کی طرف سے تعزیر بالمال سے اصلاح کی بجائے فساد کا دروازہ کھلنے کا شدید خطرہ موجود رہتا ہے، تو تعزیر کا مقصد فوت ہوجائے گا، اس لئے حضرات فقہاء نے اس کا اختیار صرف صاحب اقتدار حضرات کو دیا ہے تاکہ مقصد حاصل ہوسکے، چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: مالی معاوضہ لازم کرنے کا اختیار عدالت کو ہوتا ہے خود دائن کو یہ اختیار نہیں ملتا آج دائن جس مالی معاوضہ کا مطالبہ عدالت کے کسی فیصلہ کے بغیر خود کر رہا ہے یہ اس سزا پر کیسے مطبق ہوسکتی ہے، اگر شرعی سزاؤں کے نفاذ کا اختیار عدالت کے بجائے لوگوں کے سپرد کر دیا جائے تو اس سے لاقانونیت اور بدنظمی پیدا ہوگی جس کا نہ عقلا کوئی جواز ہے نہ شرعا (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۳/ ۱۲۱)، اس لئے حضرات فقہاء نے تعزیر بالمال کو حکام کے ساتھ خاص رکھا ہے۔

پنچائیتی نظام کے تحت تعزیر:

تعزیر کا مقصد جرائم کا سد باب اور مجرم کی اصلاح ہوتی ہے اور یہ مقصد انفرادی طور پر حاصل کرنا تو ممکن نہیں لیکن اجتماعی نظام کے تحت اس مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے، لہذا جب ارباب حل وعقد اور حکام جرائم کے سد باب کی طرف توجہ نہ دیں اور عامۃ الناس اور پنچائیتی نظام کے ذریعہ اگر جرائم کی روک تھام ممکن ہو تو برادریوں، انجمنوں، خاندانی پنچائیتی نظام کے تحت تعزیر بالمال کا ضابطہ بنانے میں شرعا کوئی حرج نہیں اور دیگر تعزیرات کی طرح سے تعزیر بالمال کا بھی حق و اختیار ہوگا، البتہ حدود وقصاص کا جاری کرنا ان کے اختیار میں نہیں، غیر حاکم کے لئے تعزیر کے جواز وعدم جواز پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اقامت تعزیر میں عامۃ الناس حکام کے قائم مقام ہیں اور اس کا ثبوت حضرات فقہاء کے کلام میں موجود ہے، مفتی صاحب نے اس مسئلہ پر عربی زبان میں ''الحاق'' کے نام سے ایک تحریر ''احسن الفتاوی'' میں اپنے رسالہ ''الحکم الحقانی فی قتل الزانی'' کے اخیر میں شامل کیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: احسن الفتاوی ۵/ ۵۳۸ تا ۵۴۰)۔

تعزیر کے لئے اہل اقتدار کی شرط انتظام کو قائم کرنے اور فتنہ وفساد کو روکنے کے لئے لگائی گئی ہے، اور امور انتظامیہ میں مسلمانوں کی جماعت پنچائتی نظام حاکم وقاضی کے قائم مقام ہوسکتا ہے، اسی لئے حضرات فقہاء نے جمعہ اور اوقات کے باب میں عامۃ المسلمین کو قاضی وحاکم کے قائم مقام رکھا گیا ہے کیونکہ ان امور میں حاکم کی شرط فی نفسہ صرف انتظام کو قائم کرنے اور اوقاف کی حفاظت کرنے کے لئے لگائی جاتی ہے، لہذا جس طرح سے جمعہ اوقاف وغیرہ میں مسلمانوں کی جماعت پنچائتی نظام وغیرہ قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے اسی طرح سے باب تعزیر میں بھی قاضی کے قائم مقام ہوجائے گا۔

"حاصله أن أهل المسجد لواتفقوا على نصب رجل متوليا يصالح المسجد فعند المتقدمين يصح ولكن الأفضل كونه بإذن القاضي، ثم اتفق المتاخرون أن الأفضل أن لا يعلموا القاضي في زماننا لما عرف من طمع القضاة في أموال الأوقاف، وكذلك إذا كان الواقف أرباب معلومين يحمى عددهم إذا نصبوا متوليا دهم من اهل الصلاح" (ردالمحتار ۶/ ۶۳۴)، سلطان کا اشتراط معلل ہے، قطع تنازع کے ساتھ پس اگر عامہ مسلمین مل کر کسی پر اتفاق کرلیں گو وہ حاکم نہ ہو تو کافی ہے، البتہ امام کے ہوتے ہوئے عامہ کا مقرر کرلینا کافی نہیں، **"اشتراط السلطان؛ لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع المنازعة في التقديم فلا بدتتميما لأمرها"** (بنایہ، امداد الفتاوی ص......)۔

۹- خلاف شرع طلاق کے رائج طریقے یقیناً قابل تعزیر جرم ہیں اور تعزیر کے لئے تعزیر مالی کی بھی گنجائش ہے، کیونکہ یہ تعزیر مالی ربا وشبہ ربا ظلم اور غصب پر مشتمل نہیں ہوگی، لہذا تعزیر مالی کی بھی اجازت ہے، لیکن تعزیر کے لئے ایک دوسری شرط یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے شریعت کا کوئی حکم تبدیل نہیں کیا جاسکتا، یعنی اگر کوئی چیز شریعت میں واجب نہ ہو تو اس کو واجب نہیں کیا جاسکتا، جس طرح سے جو چیز حرام نہ ہو اسے حرام نہیں کیا جاسکتا، حاصل یہ کہ تحریم حلال یا تحلیل حرام کا اختیار کسی کو نہیں، البتہ وقتی یا عارضی طور پر کسی مصلحت سے کسی چیز کو لازم اور کسی چیز کو منع کیا جاسکتا ہے، لہذا جن صورتوں میں متعہ کسی بھی فقیہ کے نزدیک واجب نہ ہو اس صورت میں متعہ کو لازم وواجب قرار دینا محل نظر ہے، مثلاً فرقت کے اسباب عورت کی طرف سے پائے گئے ہوں تو متعہ کسی کے نزدیک نہیں، تو اس صورت میں متعہ دلانا خلاف شریعت ہوگا، لیکن جن صورتوں میں متعہ کے وجوب اور عدم وجوب میں اختلاف ہو تو اس میں مصالح کے پیش نظر وجوب کے قول کو اختیار کرنے کی اجازت ہوگی، چنانچہ جب مہر متعین ہو اور خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دے دی جائے تو حنفیہ کے یہاں متعہ مستحب ہے، واجب نہیں، البتہ شوافع کے یہاں متعہ واجب ہوگا، **"قال الحنفية: تكون المتعة مستحبة للمطلقة المدخول بها سواء سمى لها مهراً ولم يسم، وقال الشافعية: تجب المتعة للمطلقة ونحوها الموطوءة في الأظهر الجديد"** (موسوعہ فقہیہ ۳۶/ ۹۵)، لہذا شافعیہ کے مذہب کے مطابق مذکورہ صورت میں متعہ واجب کیا جاسکتا ہے، یعنی قاضی اگر متعہ دلانے کو مناسب سمجھے تو متعہ دینے کا حکم کرسکتا ہے اور متعہ کی مقدار کے سلسلہ میں شافعیہ کا مذہب یہی ہے، کہ قاضی زوجین کے حال کو ملحوظ رکھ کر متعہ کی مقدار متعین کرے گا۔

"فذهب الشافعية إلى أنه يعتبر في تقدير القاضي المتعة حال الزوجين كليهما" (موسوعہ

فقہیہ ۳۶/۹۶)۔

تفسیر مذکور کی روشنی میں سوال نمبر ۱۰ کا جواب یہ ہوگا کہ خلاف شرعی طلاق دینے کی صورت میں قاضی اگر مصلحت اور مناسب سمجھے تو مہر کے علاوہ متعہ کے طور پر زوجین کی حالت کوملحوظ رکھ کر مزید کچھ رقم متعین کردے، اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے، لیکن مہر کے علاوہ مزید نصف مہر متعین کی جائے، شافعیہ کے مذہب کے مطابق درست نہیں اور حنفیہ کے مذہب کے مطابق متعہ کی مقدار نصف مہر تک ہوسکتی ہے، اس لئے مہر کے علاوہ مزید نصف مہر بطور متعہ دلایا جاسکتا ہے، لیکن حنفیہ کے مذہب کے مطابق لازم اور واجب قرار نہیں دیا جاسکتا، لہذا اگر شافعیہ کے مذہب کے مطابق متعہ کے وجوب کا اور حنفیہ کے مذہب کے مطابق مزید نصف مہر کا فیصلہ کیا جائے تو تلفیق کی صورت بنتی ہے، اس لئے اس کی اجازت تو نہیں ہوسکتی، البتہ شافعیہ کے قول کے مطابق وجوب اور مقدار دونوں میں شافعیہ ہی کا قول اختیار کیا جائے یا پھر حنفیہ کے استحباب والے قول پر عمل کرتے ہوئے مزید نصف مہر دینے کی ترغیب دی جائے۔

۱۱- اس سوال کے تحت جو شکل درج کی گئی ہے وہ حضرات صاحبین کے مذہب کے مطابق جواز کے دائرہ میں آتی ہے، کیونکہ حضرات صاحبین کے نزدیک جس طرح اجرت کی تردید صحیح ہے اسی طرح مہر کی بھی تردید صحیح ہے، لہذا جب عقد نکاح کے وقت معاملہ اس طرح سے طے ہو کہ اگر بے جا طلاق دی گئی یا اکٹھے تین طلاقیں دی گئیں تو نصف مہر کے ساتھ مزید نصف مہر دینی ہوگی، اس کا حاصل یہ نکلا کہ طلاق دینے کی صورت میں مہر دوگنا دینی پڑیگی، اور اگر طلاق نہیں ہوئی تو مہر اس کا نصف ہوگی مثلاً یہ کہا جائے کہ اگر طلاق دیا تو مہر دو ہزار اور اگر طلاق نہیں دیا تو مہر ایک ہزار ہوگی، اب اگر طلاق دے دی جائے تو مہر مثل کی مستحق ہوگی، جو دو ہزار سے زائد نہ ہوگی، اور صاحبین کے نزدیک مہر دو ہزار لازم ہوگی۔

"نکحها بالف على أن لا يخرجها من البلد أو لا يتزوج عليها أو نكحها على ألف إن أقام بها، وعلى ألفين إن أخرجها، فان وفى وامام فلها الالف والافمهر المثل، ولكن لا يزاد على الألفين ولا ينقص عن الف لاتفاقهما على ذلک، ولو طلقها قبل الدخول تنصف المسمى فى المسئلتين لسقوط الشرط وقالا: الشرطان صحيحان" (ردالمحتار ۴/ ۲۶۳ تا ۲۶۵)۔

اب اگر طلاق نہیں دی گئی تو بالاتفاق ایک ہزار ملے گی اور اگر طلاق بعد الخلوۃ دی گئی تو صاحبینؒ کے نزدیک دو ہزار مہر لازم ہوگی اور حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک مہر مثل اور اگر طلاق قبل الخلوۃ دی گئی ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک مہر مثل کے بجائے نعل مسمی کا نصف لازم ہوگا، اور صاحبین کے مذہب کے مطابق اکثر مسمی کا نصف لازم ہوگا، کیونکہ ان کے نزدیک دونوں تعیین صحیح اور درست ہے، لہذا مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق سوال میں جو شکل درج ہے، وہ حضرات صاحبین کے مذہب کے مطابق ضابطہ شرعیہ کے دائرہ میں داخل ہو جاتی ہے، لہذا اس کو عمل میں لانا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا جائز ہوگا، کیونکہ اجرت کی تردید میں صاحبین کے مذہب کو مفتی بہ کہا گیا ہے، اسی طرح سے ضرورت کی بنا پر اس باب میں بھی صاحبین کے مذہب پر فتوی دینے کی اجازت ہوگی۔

’’ولو تزوج امرأة على ألف إن لم يكن له امرأة، وعلى ألفين إن كانت له امرأة أو تزوجها على ألف إن لم يخرجها من بلدها وعلى ألفين إن أخرجها من بلدها......وقال ابويوسف و محمد الشرطان جائزان وقال زفر؛ الشرطان فاسدان، وهذه وديعة مسألة مشهورة فى الاجارات وهو أن يدفع رجل ثوبا إلى الخياط فيقول، إن خيطته اليوم فلك درهم، وإن خيطته غدا فلک نصف درهم‘‘(*بدائع الصنائع* ۲/۵۷۶)۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی☆

۱- تعزیر بالمال وتعزیر بأ خذ المال کا مفہوم:

تعزیر مالی بیان کرتے ہوئے کتب فقہیہ میں تعزیر بالمال اور تعزیر بأ خذ المال دونوں طرح کی تعبیر پائی جاتی ہے، ناچیز سمجھتا ہے کہ دونوں ہی عبارت ایک ہی سیاق میں آئی ہوئی ہیں، لہذا دونوں کا مفہوم ومراد بھی ایک ہی ہوگا اور وہ ہے سلطان یا قاضی کو حق ہے کہ کسی مجرم کے مال کو وقتی طور پر اپنے قبضہ میں رکھ لے اور جب تک سچی توبہ کا ظہور نہ ہو اس وقت تک اس کو حوالہ نہ کرے، اور اگر موت تک توبہ نہ کر سکے تو موت کے بعد اس کے ورثہ کو وہ مال تقسیم کرنے کے لئے دے دے، دیکھئے ''بزازیہ'' وغیرہ کی عبارت اس طرح ہے:

''وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شئ من ماله عنده مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة......وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ'' (البحر الرائق ۴۱/۵، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر طبع رشیدیہ پاکستان، ردالمحتار ۱۹۶/۳، باب التعزیر طبع رشیدیہ پاکستان) (''بزازیہ'' میں ہے کہ تعزیر بأ خذ المال کا مطلب اس کا قائل ہونے کی صورت میں یہ ہے کہ کچھ مال تھوڑے دنوں کے لئے اپنے پاس زجرا روک لے پھر حاکم اس کو واپس کردے، یہ مطلب نہیں ہے کہ حاکم اس کو اپنے لئے یا بیت المال کے لئے لے گا، جیسا کہ ظالم سلاطین سمجھتے ہیں......شرح الآثار میں ہے کہ تعزیر بالمال ابتدائے اسلام میں تھی پھر منسوخ ہوگئی)۔

اس میں علی القول بہ اور ''شرح الآثار'' کی عبارت خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ دونوں ایک ہی سیاق کی عبارت ہے، یہی عبارت ''حاشیہ چلپی علی العنایہ'' میں اس طرح موجود ہے: **''والتعزير بأخذ المال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ''** (ہامش الفتح ۲۱۲/۴)۔

امام ابو یوسفؒ کی طرف کبھی تعزیر بالمال اور کبھی تعزیر بأ خذ المال کا جواز منسوب ہے، **''نقل العلامة جلال الدين الخوارزميؒ أيضا جواز التعزير بالمال عن أبي يوسف''** (الکفایۃ ہامش فتح القدیر ۱۱۳/۵)۔

☆ استاذ حدیث وفقہ جامعہ حسینیہ، کا یم کلم، کیرالا۔

"عن أبی یوسف: یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال"(البنایہ ۲۸/۳ ۷)۔

اسی طرح جن حدیثوں میں احراق البیوت، احراق متاع الغال، مال زکاۃ لیتے وقت نصف کا اضافہ وغیرہ مذکور ہیں ان کی تاویل منسوخ سے کی گئی (دیکھئے: احسن الفتاوی ۵/ ۵۴۲-۵۶۷)۔

اس لئے دونوں عبارت کا مطلب ایک ہی ہے، البتہ یہاں احتمال یہ بھی ہے کہ دونوں کا مطلب الگ الگ ہو اس کا قرینہ بھی پایا جاتا ہے اس، اس لحاظ سے تعزیر بالمال کا مطلب ہوگا" مالی جرمانہ" یعنی بطور جرمانہ مجرم پر کچھ مال عائد کیا جائے جو کار خیر میں قاضی وحاکم کی صوابدید کے مطابق خرچ کیا جائے، اور تعزیر بأخذ المال کا مطلب یہ ہوگا، کچھ مال پر قابضانہ تسلط ہو جو بعد انزجار قابل واپسی ہوگا، اس کا قرینہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف کی طرف ہی یہ رائے منسوب ہے، مگر بحر وشامی وغیرہ مختلف کتابوں میں اس کی تاویل کی گئی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی رائے کا مطلب مالی جرمانہ نہیں بلکہ صرف "متسلطانہ قبضہ" ہے، جیسا کہ رہن میں شئ مرہون پر ہوتا ہے تا کہ انزجار کا باعث بن سکے، جبکہ امام ابو یوسفؒ کی رائے کا دوسرا مطلب بھی وہ ہوسکتا ہے جس کو ہم" مالی جرمانہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔

بہر حال اگر دونوں کا مفہوم الگ الگ ہو تو پھر مسئلہ میں فرق پڑے گا کہ مالی جرمانہ ومالی تعزیر جس میں مال سے مجرم کی ملکیت ختم ہو کہ" جہات خیر" کی ملکیت موہومہ ثابت ہوجائے یہ تو جائز نہیں ہوگا، لیکن مجرم کی ملکیت باقی رہے صرف قبضہ بدل جائے تو غالباً کسی کو اختلاف نہ ہو۔

۲، ۳-تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا مسلک اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کا قول ضعیف:

حنفیہ مالی تعزیر کو جائز نہیں سمجھتے ہیں، یہی ظاہر الروایۃ ہے اور مفتی بہ بھی، صرف امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ تعزیر مالی جائز ہے، مگر ان کا قول ضعیف ہے،"لا یأخذ مال في المذهب قال في الفتح: وعن أبي یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا یجوز، ومثله في المعراج، وظاهره أن ذلک روایة ضعیفة عن أبي یوسف، قال في الشرنبلالیة: ولا یفتی بهذا لما فیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس فیأکلونه، ومثله في شرح الوهبانیة عن ابن وهبان"(ردالمحتار ۳/ ۱۹۵ کتاب الحدود، باب التعزیر)۔

(مذہب ظاہر میں مال نہیں لیا جائے گا، فتح میں ہے: امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ سلطان کے لئے مال لینا جائز ہے، طرفین اور باقی ائمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، معراج میں ہے: ظاہری یہی ہے کہ امام ابو یوسف سے ضعیف روایت ہے،" شرنبلالیہ" میں ہے: اس پر فتوی نہیں دینا چاہئے، اس لئے کہ اس میں ظالموں کو لوگوں کے مال پر مسلط کرنا ہے پس وہ ہڑپ کرلیں گے، اسی طرح شرح الوہبانیہ میں ابن وہبان سے مروی ہے)۔

" بحر" میں "وقد قیل: روي عن أبي یوسف" سے امام ابو یوسفؒ کا قول بیان کیا گیا ہے جو کہ مرجوح ہونے کی طرف شبہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کا قول مالی تعزیر کی بابت ہے مگر وہ قول مرجوح وضعیف ہے بلکہ بتصریح شرنبلالی اس پر فتوی نہیں چاہئے۔

۴-فقہاء حنفیہ کے یہاں فتوی:

فقہائے احناف کی بابت عام خیال تو یہی ہے کہ کسی حنفی فقیہ نے مالی جرمانہ کو جائز قرار نہیں دیا ہے جو قول امام ابو یوسف سے منقول ہے وہ ضعیف ومرجوح ہے، ضعیف ومرجوح قول پر فتوی نہیں ہوتا ہے؛ ''**مذهب الحنفية المنع عن المرجوح حتى لنفسه لكون المرجوح صار منسوكا وهو معنى مامر من قول العلامة قاسم أن المرجوح في مقابلة الراجح بمنزلة العدم**'' (شرح عقود رسم المفتی ر ص ۱۸۷، زکریا دیوبند) (حنفیہ کا مذہب مرجوح سے منع کا ہے خواہ اپنے لئے ہی ہو، اس لئے کہ مرجوح منسوخ ہے یہی وہ مفہوم ہے جو علامہ قاسم کے حوالہ سے گزرا کہ راجح کے مقابلہ میں مرجوح معدوم کے درجہ میں ہے)۔

لیکن ایسا لگتا ہے کہ بعض فقہاء احناف نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو امساک والی تشریح کے ساتھ قبول کیا ہے، تو بعض نے بغیر کسی تفصیل کے مالی تعزیر کے جواز کا فتوی دیا ہے، ''بزازیہ'' میں امام کردری رحمہ اللہ سے مطلقا جواز منقول ہے، جبکہ خوارزمی سے امساک والی تشریح کے ساتھ جواز منقول ہے۔

''**والتعزير بأخذ المال أن المصلحة فيه جائزة، قال مولانا خاتمة المجتهدين ركن الدين أبو يحيى الخوارزمي معناه: أن نأخذ ماله ونودعه فإذا تاب نرده عليه**'' (بزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶ر۴۲۷ کتاب الحدود) (تعزیر مالی مصلحت کے وقت جائز ہے، علامہ خوارزمی نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کے مال کو بطور امانت لیں گے پس جب تائب ہو جائے تو واپس کر دیں گے)۔

صاحب معین الحکام قاضی علاء الدین طرابلسی بھی جواز کا فتوی دیتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے قول کی پرزور تائید کرتے ہیں ''**يجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب أبي يوسف وبه قال مالك، ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الأمة رحهم الله نقلا واستدلالا، وليس بسهل دعوى نسخها، وفعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موتهم ﷺ مبطل لدعوى نسخها**'' (معین الحکام ر ص ۲۳۱ بحوالہ احسن الفتاوی ۵ر۵۵۴)۔

(مالی تعزیر جائز ہے، یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے، اسی کے قائل امام مالک بھی ہیں، جن لوگوں نے یہ بات کہی کہ مالی سزا منسوخ ہے انہوں نے ائمہ مذاہب کے بارے میں، نقلا واستدلالا غلطی کی، نسخ کا دعوی صحیح نہیں ہے، خلفائے راشدین، اکابر صحابہ کا عمل آپ ﷺ کے بعد دعوی نسخ کا باطل کرنے والا ہے)۔

لہذا یہ کہنا شاید بے جا ہوگا کہ احناف نے مطلقا امام ابو یوسف کے قول کو نظر انداز نہیں کر دیا ہے اور کسی نے اس کو قبول نہیں کیا ہے۔

۵-دیگر ائمہ کے یہاں مالی سزا:

فقہاء ثلاثہ کے یہاں بھی عام رجحان عدم جواز کا ہے، چنانچہ فقہ شافعی میں قول جدید کے مطابق جائز نہیں ہے، ہاں قول قدیم میں جائز ہے، صاحب موسوعہ فقہیہ لکھتے ہیں: ''**قال الشبراملسي: لا يجوز على الجديد بأكذ المال يعني: لا يجوز**

التعزير بأخذ المال في مذهب الشافعي الجديد، وفي المذهب القديم لايجوز"(موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۰)(شبراملسی نے کہا: قول جدید میں مالی سزا جائز نہیں ہے، یعنی مذہب شافعی کے قول جدید میں جائز نہیں ہے، مگر قول قدیم میں جائز ہے)۔

تکملۃ المجموع (۲۰/۱۳۵) حواشی شروانی (۹/۱۷۹) میں بھی یہ تفصیل موجود ہے، فقہائے مالکیہ کا بھی عمومی رجحان ہر چند کہ عدم جواز کا ہے، مگر بعض حضرات کی رائے جواز کی بھی ہے، "قال ابن فرحون: التعزير بأخز المال قال به المالكية وقد ذكر مواضع مخصوصة يعزر فيها بالمال" (موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۰)(ابن فرحون نے کہا: مالی تعزیر کے قائل مالکیہ ہیں، اور مختلف مواقع کا تذکرہ کیا ہے جہاں مالی تعزیر نافذ کی گئی ہے)۔

علامہ دسوقی نے عدم جواز پر اجماع نقل کیا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول کی وہی تاویل کی ہے جو بزازیہ میں موجود ہے (دیکھئے: حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/۳۵۵)۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: "فيه جواز العقوبة بالمال بحسب الظاهر، واستدل به قوم من القائلين بذلك من المالكية وعزا ذلك أيضا إلى مالك" (عمدۃ عینی ۵/۱۶۴)(اس میں مالی سزا کا بظاہر جواز معلوم ہو رہا ہے مالکیہ میں سے ایک جماعت جو کہ اس کی قائل ہیں انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے، امام مالک کی طرف بھی اس کو منسوب کیا ہے)۔

حنابلہ کے یہاں بھی عدم جواز ہی مفتی بہ ہے، مگر ابن القیم اور ابن تیمیہ نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے، "عند الحنابلة يحرم التعزير بأخذ المال أو اتلافه؛ لأن الشر ع لم يرد بشئ من ذلك عمن يقتدى به، و خالف ابن تيمية وابن القيم فقالا: إن التعزير بالمال سائغ إتلافا وأخذا" (موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۱)(حنابلہ کے نزدیک مال پر قبضہ کر کے یا اس کو ہلاک کر کے تعزیر حرام ہے، اس لئے کہ اس سلسلہ میں کچھ بھی ایسے لوگوں سے وارد نہیں ہے جن کی اقتداء کی جاتی ہے، ابن تیمیہ وابن القیم نے مخالفت کی ہے، ان دونوں حضرات نے فرمایا: تعزیر بالمال جائز ہے اتلافا بھی اور اخذا بھی)۔

"حرم تعزير بحلق لحيته وقطع طرف وجرح، وكذا بأخذ مال وإتلافا خلافا للشيخ" (غایۃ المنتہی فی الجمع بین الإقناع والمنتہی لمرعی بن یوسف الحنبلی ۳/۳۳۴)(ڈاڑھی مونڈ کر، کوئی عضو کاٹ کر، اور مجروح کر کے تعزیر حرام ہے، اسی طرح مال لے کر اور اس کو ضائع کر کے حرام ہے شیخ (ابن تیمیہ) کا اختلاف ہے)۔

اس تفصیل سے دو باتیں معلوم ہو رہی ہیں: ۱- عمومی رجحان ہر مسلک میں عدم جواز ہی کا ہے، ۲- مگر ہر مسلک میں کچھ نہ کچھ سراغ جواز کا بھی خواہ وہ ضعیف قول ہو، یا قدیم، صاحب مذہب کا ہو یا ان کے متبعین میں سے کسی اہم شخصیت کا، بہر حال کچھ نہ کچھ جواز کا پہلو بھی ہے۔

۶- موجودہ وقت میں کیا جواز کا فتوی مناسب رہے گا؟

امت کی بڑی جماعت بلکہ جمہور تعزیر مالی کا انکار کرتا ہے اس کے کچھ وجوہات واسباب ہیں:

قرآن کریم کی متعدد آیات میں باطل طریقے پر کسی کا مال کھانے سے منع کیا گیا ہے، "ولا تأكلوا أموالكم بينكم

بالباطل"(باطل طریقے سے مال مت کھاؤ) تعزیر مالی میں حکام کے پاس مال پہنچ جائے گا، بظاہر اس کی کوئی شرعی وجہ نہیں ہوگی، تو باطل طریقے سے مال کو حاصل کرنا۔

۲-حدیثوں میں بغیر دوسرے کی رضا اس کا مال لینا حرام کیا گیا ہے "**لایحل لا مرأ من مال أخیه إلا ما طابت به نفسه**"(کسی بھی انسان کا مال بغیر اس کے طیب نفس جائز نہیں ہے)، جیسے الفاظ میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

۳-اگر تعزیر مالی جائز ہوگی تو ظالم حکمرانوں کو دوسرے کے مال کو ہڑپنے کا موقع ہاتھ آئے گا، شرنبلالیہ کے حوالہ سے پیچھے آیا ہے۔

"**لا یفتی بهذا لما فیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس، فیاکلونه**" (ردالمحتار ۳/ ۱۹۵ باب التعزیر)(اس پر اس لئے فتوی نہیں دیا جائے گا کہ ظالم حکمرانوں کو لوگوں کے مال لینے کا موقع ملے گا بس وہ خود کھالیں گے۔

۴-جن آیات واحادیث میں تعزیر بالمال کا شبہ ہوتا ہے وہ سب کے سب ابتدائے اسلام کے نصوص ہیں جو بعد میں منسوخ ہوگئے، علامہ عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی ودوسرے شارحین حدیث نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے؛ یا پھر وہ کاروائیاں محض زجر مبالغہ پر محمول ہیں حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مگر آج جو صورت حال ہے وہ پہلے سے مختلف ہے، ان سزاؤں کا اصل مقصد حنفیہ کے یہاں خاص طور پر زجر یعنی تازیانہ عبرت اور جرائم کے سد باب کے ایک قوی ذریعہ کے طور پر ہے، مگر اکثر ممالک میں یا تو یہ سزائیں جاری نہیں یا پھر مختلف شرائط کی وجہ سے ختم ہونے کے درجے ہیں، جس کی وجہ سے گناہوں پر جرأت بڑھ رہی ہے، نئے نئے طریقے گناہوں کو انجام دینے کے لئے ایجاد ہورہے ہیں اس لئے کہ خوف فردا کا تصور تو کب کا رخصت ہو چکا تھا، خوف امروز بھی جاتا رہا، کسی بھی قسم کی ذلت ورسوائی کا خطرہ و اندیشہ باقی نہیں رہا، ہندوستان جیسے ممالک میں بالفعل حدود وقصاص نافذ نہیں کر سکتے ہیں، کم از کم تعزیرات تو نافذ کرنے کی اجازت ہونی چاہئے تھی، لیکن تعزیری سزائیں اکثر لسانی وبدنی ہیں جن کو جاری کرنا بھی آسان نہیں، بلکہ بڑی مصیبت کو دعوت دینا ہے، کیس ومقدمہ کے بعد تو اور بھی حال دگرگوں ہوسکتی ہے، اگر ایسی جگہوں پر مالی جرمانہ کی اجازت ہو تو حالات پر قابو پانا کسی قدر ممکن ہوسکتا ہے، جہاں تک بات ان نصوص کی ہے جن میں صاحب مال کی رضا کے بغیر اس کے مال کو چھیڑنے سے منع کیا گیا ہے، ان سب نصوص کا محل وہ صورتیں ہوسکتی ہیں جن میں دوسرے کے مال کو اپنی ذات کے لئے لینا ہو، اگر اس کا تدارک اس طرح کردیا جائے کہ جرمانہ کا جو بھی اثاثہ ہوا اپنی ذات یا بیت المال کے لئے نہ ہو بلکہ خود مجرم کے نفع کے لئے ہو اور اس طرح کے اس کو جہات صدقات میں خرچ کردیا جائے تا کہ اس کا ثواب اسی کو پہنچے، نیز اس طرح فتنہ وفساد اور گناہ ومصیبت کی نحوست میں کمی پیدا ہو، ناچیز سمجھتا ہے ان نصوص کی مخالفت نہیں ہوگی۔

مختلف مواقع پر مالی جرمانہ کا ذکر شرعی نصوص میں موجود بھی ہے، حیض کی حالت میں کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع کرلے تو حکم ہے کہ کچھ مال صدقہ کرے۔

”عن ابن عباس عن النبی ﷺ في الذي يأتي امرأته وهي حائض ، قال؛ يتصدق بدينار أو بنصف دينار“(ابوداؤد ا/ ۲۹۵، کتاب النکاح، باب فی کفارة من أتی حائضا) (جو اپنی بیوی سے حالت حیض میں جماع کرے تو وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے)۔

ظاہر ہے کہ اس صدقہ سے اس کا گناہ معاف تو نہیں ہوگا، لیکن اس سے اس کو گناہ کرنے کی جرأت میں یقیناً کمی واقع ہوگی، بعض وقاعات زمانہ نبوی میں بھی ایسے ملتے ہیں جن سے تعزیر مالی کی یک گونہ تائید ہوتی ہے:

”عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده قال؛ سمعت النبي ﷺ يقول في كل إبل سائمة، في كل أربعين ابنة لبون لايفرق ابن عن حسابها، من أعطاها مؤتجرا فله أجرها ومن أبى فأنا آخذها وشطر إبله عزمة من عزمات ربنا، لا يحل لآل محمد ﷺ منها شئ“ (نسائی ا/ ۲٦۱ کتاب الزکاۃ، باب عقوبۃ مانع الزکاۃ)۔

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چرنے والے اونٹ میں سے ہر چالیس میں ایک بنت لبون ہے، اونٹ کا حساب الگ الگ نہیں کیا جائے گا، جس نے اجر کی نیت سے دیا اس کے لئے اجر ہے، اور جس نے انکار کیا تو میں اس سے وہ مقدار بھی لوں گا اور کچھ اورا ونٹ بھی، یہ ہمارے رب کی طرف سے بطور تاوان ہے، وہ آل محمد کے لئے کچھ بھی حلال نہیں ہے)۔

اسی حدیث کی بنا پر امام شافعی کا قول قدیم یہ تھا کہ ایسے نادہندہ لوگوں سے بطور تاوان کچھ اونٹ لئے جائیں گے، غالباً امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے (زہر الربی علی ہامش النسائی)۔

بعض شارحین نے حدیث کے ایک راوی کی تغلیط کی ہے، چنانچہ انہوں نے کہا: اصل یہ تھا کہ اس کے مال کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور پھر عامل کو کہا جائے گا کہ جو اچھا مال ہے اس سے لے لو، حالانکہ ساعی کو خیر الاموال کے بجائے اوسط الأموال لینے کا حکم ہے، یہ جو ہوگا بطور عقوبت ہوگا۔

اولاً تو جب روایت سے ایک لفظ ثابت ہے، اس کو توڑ مروڑ کر راوی کے تئیں اس طرح شکوک وشبہات پیدا کرنا ہی غیر مناسب معلوم ہوتا ہے، اسی لئے جمہور ائمہ نے اس کو زجر پر یا ابتدائے زمان پر محمول کیا ہے بالفرض اگر تنصیف مال کی بات تسلیم کر ہی لی جائے تو بھی اس سے یک گونہ اس کا ثبوت تو ہوتا ہے کہ مالی تعزیر کے طور پر اچھے مال لئے جاسکتے ہیں۔

۲-”عن عمر بن الخطاب عن النبی ﷺ قال: إذا وجدتم الرجل قد غل فأحرقوا متاعه واضربوه، قال: فوجد نا في متاعه مصحفا فسأل سالما عنه، فقال: بعه وتصدق بثمنه“(ابوداؤد ۲/ ۳۷ کتاب الجہاد، باب عقوبۃ الغال)۔

(جب تم دیکھو کہ کسی نے غنیمت میں خیانت کی تو اس کے سامان کو جلا دو، اور اس کو مارو، راوی کہتے ہیں: ہم نے غلول کرنے والے کے سامان میں مصحف پایا تو حضرت سالم سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: اس کو بیچ دو اور اس کی قیمت صدقہ کردو)۔

اس حدیث کو بھی جمہور زجر وتوبیخ پر محمول فرماتے ہیں، یا منسوخ ہونے پر، یا پھر اس میں ایک راوی صالح بن محمد ہے جس کی کارستانی کی وجہ سے تحریق بالنار کا اضافہ مانتے ہیں، خود امام بخاری کا رجحان بھی یہی ہے کہ ابن عمر کی روایات میں تحریق کا ذکر نہیں ہے، جیسا کہ انہوں نے اپنی صحیح میں اس پر زور دیا ہے۔

مگر اس کے برخلاف حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ قرآن اور جاندار حیوان کو نہیں جلایا جائے گا، اس کے علاوہ دیگر اشیاء جلا دی جائیں گی (مرقاۃ المفاتیح ۱۸۷/۷) سالم فقیہ مدینہ ہیں وہ تو قرآن کو جلانے کی بات نہیں خرتے ہیں البتہ بیچ کر قیمت کو صدقہ کرنے کی بات فرماتے ہیں:

۳-"عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: والذي نفسي بيده لقد هممت أن آمر بحطب ليحطب ثم آمر بالصلاة فيوذن لها ثم آمر رجلاً فيؤم الناس ثم أخالف إلى رجال فأحرق عليهم بيوتهم" (بخاری ۸۹/۱ کتاب الصلاۃ، باب وجوب صلاۃ الجماعۃ)۔

(حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے ارادہ کیا کہ لکڑی جمع کرنے کا حکم کروں، پھر نماز کی اقامت کا حکم کرو، چنانچہ اذان دی جائے پھر میں کسی کو حکم کروں کہ امامت کرے، اس کے بعد میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جنھوں نے نماز میں شرکت نہیں کی ہے اور ان کو ان کے گھروں سمیت جلادوں)۔

یہ بھی جمہور کے نزدیک یا تو منسوخ ہے، یا زجر وتوبیخ پر محمول ہے، حافظ نے ایک اور توجیہ کی ہے کہ یہ من باب مالا یتم الواجب إلا بہ کی قبیل سے ہے، کیونکہ ان کو سزا دینا ان کے گھروں کو جلانے پر منحصر ہے۔

آج کی صورت حال کی بابت بھی کہا جاسکتا ہے کہ اب سزا دینے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی ہے، کیونکہ بدنی ولسانی سزا بہت سے فتنوں کے دروازوں کو کھولنے والی ہے، اب صرف مالی تعزیر بچ گئی ہے اگر اس کو نافذ کیا جائے تو سماج پاکیزہ ومقدس بن سکے گا۔

اس کے علاوہ اور بھی واقعات ہیں جو دور نبوی میں پیش آئے جن سے استینا س میں کیا جاسکتا ہے، ہر چند کہ جمہور علماء امت نے ان تمام کو زجر وتوبیخ پر محمول کیا ہے یا منسوخ مانا ہے، لیکن کچھ مقتدر شخصیات ایسی بھی ہیں جنھوں نے منسوخ ماننے کے بجائے معمول بہا قرار دیا ہے اور زجر وتوبیخ پر محمول کرنے کے بجائے حقیقت پر محمول کیا ہے، چنانچہ دور فاروقی میں حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا: حاطب کے غلام نے مزینہ کے ایک شخص کی ایک اونٹنی چرالی، حضرت عمرؓ نے کثیر بن الصلت کو ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور اونٹ والے سے کہا اس کی قیمت کیا تھی؛ اس نے چار سو درہم بتایا، حضرت عمرؓ نے آٹھ سو درہم دلوائے (مصنف عبدالرزاق ۲۳۹/۱۰)۔

اسی طرح کا قصہ دور عثمانی میں بھی پیش آیا، حضرت عثمان غنی نے ثلث زائد کر کے دلوادیا (محلی ۳۲۴/۱۱)، حضرت عمرؓ کے اثر کے متعلق تو علامہ عثمانی نے اعلاء السنن میں کہہ دیا: یحیی بن عبدالرحمٰن جو کہ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کا سماع حضرت عمر سے نہیں ہے، لیکن حضرت عثمانؓ کے اثر کو بہر حال علل وشذوذ سے پاک گردانا ہے (اعلاء السنن ۵۰۹/۱۱)۔

اس سے اتنی بات تو معلوم ہو رہی ہے کہ احادیث مرفوعہ کے متعلق جمہور کا یہ خیال کہ منسوخ ہیں متفق علیہ نہیں ہے، فقیہ مدینہ حضرت سالم کا قول بھی گذر چکا ہے کہ انہوں نے مصحف کو بیع کروا کر قیمت صدقہ کروا دیا۔

حضرت سعد بن ابیوقاص کا قصہ تو اس بابت اور بھی دلچسپ ہے:

"إن سعدا وجد عبيدا من عبيد المدينة يقطعون من شجر المدينة فأخذ متاعهم، قال: يعني مواليهم سمعت رسول الله ﷺ ينهى أن يقطع من شجر المدينة شئ ، وقال: من قطع منه شيئا فلمن أخذه سلبه" (ابوداؤد ا/ ۲۷۹، کتاب المناسک، باب تحریم المدینہ)۔

حضرت وعید نے مدینہ کے کچھ غلاموں کو دیکھا کہ مدینہ کے درختوں کو کاٹ رہے ہیں پس انہوں نے ان کے سامان کو لے لیا اور ان کے آقاؤں سے کہا: میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قطع شجر سے منع فرما رہے تھے، اور فرمایا کہ جس نے اس کے کسی درخت کو کاٹا تو جس نے پکڑ لیا اس کے لئے اس کا سلب ہے)۔

حضرت سعد نے بھی اس حدیث کو حقیقت پر محمول کر کے عملی اقدام کیا، اور اس کے کپڑے کو لے لیا، اس لئے علامہ ابن القیم وغیرہ نے منسوخ ہونے کا سرے سے انکار کر دیا ہے، ابن فرحون مالکی لکھتے ہیں: **'ليس بسهل دعوى نسخها وفعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته ﷺ مبطل لدعوى نسخها'** (تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام ۳/ ۳۵۳، الفصل الحادی عشر فی الزواجر الشرعیۃ) (نسخ کا دعوی آسان نہیں ہے، خلفائے راشدین، نیز اکابر صحابہ کا عمل اللہ کے رسول ﷺ کے بعد دعوی نسخ کو باطل کرنے والا ہے)۔

جہاں تک بات ظالم حکمرانوں کے اس میں غلط تصرف کرنے کی ہے تو اس کو بھی اس طرح حل کیا جا سکتا ہے کہ قاضی شریعت یا جماعت المسلمین و شرعی پنچائت جس میں کم از کم ایک عالم کی شمولیت لازم ہو کے فیصلہ سے مالی جرمانہ کی تعیین ہو، کیونکہ تعزیر کا معاملہ افراد سے متعلق نہیں ہے، بلکہ قاضی و حاکم سے متعلق ہے، اور ویسے بھی آخر کے دور میں حدود کے قائم مقام ہوں گے، نیز وہ مال کسی کار خیر میں صرف ہو جس کا ثواب اس محرم کو ملے اس حصول ثواب سے ذہن و دماغ میں انقلاب بھی آئے گا اور اس کے اثرات بھی اچھے مرتب ہوں گے۔

بالخصوص جبکہ فقہ حنفی میں قول مرجوح وقول ضعیف ہی سہی مگر مالی جرمانہ کا قول موجود ہے بوقت جرورت تو خروج عن المذہب کی بھی اجازت ہے، اسی طرح قول مرجوح پر بھی کاربند ہونے اور فتوی دینے کی اجازت ہے، اس لئے اس ناچیز کی رائے میں مالی جرمانہ کا نفاذ بتقاضائے مصلحت و ضرورت بہت مناسب رہے گا۔

۷-تعلیمی اداروں میں مالی جرمانہ:

تعلیمی اداروں میں جو مختلف غفلتوں پر روک تھام کے لئے مالی جرمانے عائد کئے جاتے ہیں ان سے نفع بھی محسوس کیا جا رہا ہے وہ اصل مسلک کے لحاظ سے تو جائز نہیں ہے، حضرت تھانویؒ نے اس کی ایک شکل یہ لکھی ہے کہ ایسی کوتاہی کی وجہ سے جس میں

مدرسہ کی قانون شکنی ہوتی ہے اس کا اخراج کر دیا جائے، پھر داخلہ کی فیس کے طور پر انتظامیہ جتنی رقم چاہیں لے سکتی ہے، مگر اب جبکہ اس کے علاوہ نظام کو درست کرنے کی کوئی شکل نہیں ہے تو اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ بے غیر داخلہ ختم ہوئے بھی جرمانہ کے نام پر انتظامیہ مال لے، لیکن ضروری ہے کہ اس جرمانہ کا مصرف کار خیر ہو جس کا ثواب جرمانہ ادا کرنے والے کو پہنچتا رہے، محض اپنی ذاتی ضرورت یا مدرسہ کی جمع پونجی میں اضافہ کے لئے نہ ہو، جمہور نے مالی جرمانہ سے جن وجوہات کی وجہ سے منع فرمایا ہے ان میں ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کو اگر جائز کر دیا جائے تو مختلف قسم کے حکام لوگوں کے مال پر مختلف بہانوں سے قبضہ کرنا شروع کر دیں گے، اس لئے اسکول کے مسلم منتظمین کو چاہئے کہ ایسے جرمانے سے کوئی رفاہی فنڈ کا شعبہ قائم کرے اور اس کے تحت ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کا اہتمام کریں، ان پیسوں کسی اور ذاتی مصرف میں خرچ نہ کریں اگر ایسا نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ مشاہدہ میں آ رہا ہے تو پھر مالی جرمانہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔

۸-مختلف اداروں کا محض نظم وضبط ٹھیک رکھنے کے لئے مالی جرمانہ:

نظم وضبط کو ٹھیک رکھنے کے لئے مختلف غیر تعلیمی ادارے مثلاً ہاؤسنگ سوسائٹی وغیرہ مالی جرمانہ عائد کرتی ہے، نظم وضبط کا ٹھیک رکھنا اس ناچیز کے خیال میں اس جرمانہ پر منحصر نہیں ہے، نیز سوسائٹیوں کے منتظمین بھی اس کو محض اپنی خواہشات کی تکمیل میں خرچ کرتے ہیں، اس لئے اس کے جواز میں تردد ہے، نیز آج تو پیسے کی فراوانی ہے لوگ جرمانہ ادا کر کے نظم وضبط کو خراب کرتے رہیں گے، ذمہ داران سوسائٹی کو تو محض پیسے سے سروکار ہے۔

۹-برادریاں وپنچائتیں جو جرمانے لاگو کرتی ہیں ان کا حکم:

مالی جرمانہ فقہ اسلامی کی رو سے خلاف اصل ہے، حضرت امام ابو یوسف کے قول کے مطابق بوقت ضرورت اجازت ہے مگر اس کے لئے بنیادی طور پر دو شرطیں ہیں:

۱-وہ جرمانے صحیح مصرف میں خرچ ہوں جو مجرم کے لئے ثواب کا باعث ہو، ۲-جرمانہ جس جماعت کی طرف سے نافذ کیا جا رہا ہو وہ فی نفسہ شریعت کی نگاہ میں معتبر و قابل اعتماد ہو، وہ قاضی و حاکم یا پھر ان کی غیر موجودگی میں جماعت المسلمین وشرعی پنچائتیں ہیں، شرعی پنچائتیوں کے لئے بھی لازم ہے کہ اس میں کم از کم ایک عالم ہو یا کسی معتمد عالم پر اس جماعت کی ساری کارروائیوں کا انحصار ہو، اگر برادریاں ایسی ہیں اور پنچائت کا مدار جاہلوں و مالداروں پر نہیں، بلکہ کسی معتبر عالم پر ہے تو یقیناً ان کو جرائم کے سد باب کے لئے اجازت ہے کہ مالی جرمانہ لازم کر دے اور اس کو کسی کار خیر میں صدقہ جاریہ میں لگا دے یا مناسب سمجھے تو بعد میں اسی مجرم کو واپس کر دے حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ کا فتوی اس بابت کچھ اس طرح ہے:

اگر اس اطراف کے قاضی، سید پیر، مولوی شرعی قاضی اور والی کا تسلط اور حکم رکھتے ہیں تو ان کے لئے صرف امام ابو یوسف کے نزدیک تعزیر باخذ المال جائز ہے، شرعی طور پر بشرطیکہ مرتکب فعل شنیع کا مال اس کے توبہ کرنے کے بعد واپس کر دیں یا اگر وہ توبہ نہ کرے تو وہ مال اپنے کام میں نہ لاویں، بلکہ صرف مصرف خیر میں خرچ کر دیں (فتاوی محمودیہ ۳۳۱/۲۰ بترتیب جدید)۔

۱۰-طلاق کے معاملہ میں افراط وتفریط سے بچنے کے لئے متعہ یا مزید نصف مہر کو واجب قرار دینا:

ایک مجلس میں تین طلاق دینا گناہ کا کام ہے اور ہر گناہ کے کام پر تعزیر ہوتی ہے، "**أن الحاصل وجوبه بإجماع الأمة لكل مرتكب معصية ليس فيها حد مقدر كنظر محرم ومس محرم وخلوة محرمة وأكل ربا ظاهر، قلت: وهذا الكلية غير منعكسة؛ لأنه قد يكون في معصية فيها حد كزناغير المحصن، فإنه يجلد حدا وللإمام نفيه سياسية وتعزيرا**" (ردالمحتار ۱۹۹/۳، باب التعزیر طبع رشیدیہ پاکستان) (خلاصہ یہ کہ امت کا اجماع ہے کہ تعزیر ہر مرتکب معصیت کے لئے واجب ہے جس میں کوئی مقرر حد نہ ہو، جیسے حرام عورت کو دیکھنا، چھونا، تنہائی اختیار کرنا اور سود کھانا، میں کہتا ہوں اس سے اس کا عکس مراد نہیں ہے، اس لئے کہ جس معصیت میں حد ہوتی ہے اس میں بھی تعزیر ہوتی ہے، جیسے غیر محصن نے زنا کیا واس پر بطور حد کوڑے برسائے جائیں گے، اور امام کو حق ہے کہ بطور سیاست وتعزیر اس کو جلاوطن کردے)۔

حضرت عمرؓ کے زمانے کا واقعہ حضرت انسؓ نے نقل کیا ہے: "**عن انس أن عمر كان إذا أتي برجل طلق امرأته ثلاثا أوجع ظهره**" (اخرجہ سعید بن منصور سندہ صحیح کما فی فتح الباری اعلاء السنن ۱۴۸/۱۱) (حضرت عمر کے پاس جب ایسے شخص کو لایا گیا جس نے تین طلاق دی تھی تو اس کی پیٹھ پر کوڑے مارے)، لہذا بطور تعزیر مالی جرمانہ بھی ایسے طلاق دینے والے پر نافذ کیا جاسکتا ہے، جس نے تین طلاق دے کر معصیت کا ارتکاب کیا ہو جس کے نفاذ کا حق قاضی یا اس کے قائم مقام شرعی پنچایت وغیرہ کو ہوگا، نیز یہ مشکل امر ہے بھی نہیں۔

جہاں تک متعہ کے وجوب مسئلہ ہے تو متعہ حضرت امام شافعیؒ کے یہاں واجب ہے، بھی، بوقت ضرورت خروج عن المذہب کی اجازت ہوتی ہے، چونکہ متعہ وتعزیر میں بنیادی فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ تعزیر ایک سزا ہے جس کا مقصد زجر وعبرت ہے۔

"**وليس فيه تقدير بل هو مفوض إلى رأي القاضي وعليه مشائخنا زيلعي؛ لأن المقصود منه الزجر، وأحوال الناس فيه مختلفة بحر**" (الدرالمختار ۱۹۶/۳ باب التعزیر) (تعزیر کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ وہ قاضی کی رائے پر منحصر ہے یہی ہمارے مشائخ کی رائے ہے اس لئے کہ اس سے مقصود زجر ہے، اس بابت لوگوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں)۔

لیکن متعہ محض تالیف قلب کے لئے ہوتا ہے جس صورت میں مہر مثل کا وجوب ممکن نہیں ہوتا ہے وہاں متعہ واجب ہوتا ہے دوسری صورت میں صرف مستحب ہوتا ہے، چنانچہ عورت غیر مدخول بہا ہو اور مہر بھی بوقت نکاح متعین نہ ہوئی ہو اور طلاق ہوجائے تو اصل میں مہر مثل کا نصف واجب ہونا چاہئے لیکن اس صورت میں متعہ واجب ہوتا ہے، لیکن جس صورت میں مہر خود واجب الاداء ہوتو متعہ شوہر کی طرف سے محض فضل واحسان ہوتا ہے جس کو واجب قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

"**لنا أن المتعة خلف عن مهر المثل في المفوضة، لأنه سقط مهر المثل ووجبت المتعة والعقد يوجب العوض فكان خلفا والخلف لا بجامع الأصل ولا شيئا منه، فلا تجب مع وجوب شئ من المهر وهو غير جان فى الإيحاش فلا تلحقه الغرامة به فكان من باب الفضل**" (ہدایہ ۳۲۷/۲ باب المہر) (ہماری دلیل یہ ہے کہ

متعہ مہر مثل کا بدل ہے اس مطلقہ میں جس کی مہر متعین نہ ہو، اس لئے کہ مہر مثل ساقط ہوگئی اور متعہ واجب ہوا عقد نکاح چونکہ عوض کو واجب کرتا ہے پس متعہ بدل ہوگیا اور بدل مکمل یا کچھ اصل کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، پس مہر کے وجوب کے ساتھ متعہ واجب نہیں ہوگا، نیز وہ وحشت ڈالنے میں مجرم بھی نہیں ہے پس یہ جرمانہ نہیں ہوگا لہذا فضل کے باب سے ہوگا)۔

چونکہ متعہ مہر کا بدل ہے اس لئے مہر کے ساتھ اجتماع ممکن نہیں ہے، لہذا متعہ کی حیثیت تبرع کو تبدیل کر کے عقوبت بنادینا اس ناچیز کی نگاہ میں مناسب نہیں، ہاں جرمانہ کے طور پر مناسب انداز میں برادری کے لوگ اور شرعی پنچایت یا قاضی جو رقم چاہے متعین کر کے واجب الاداء کر سکتے ہیں۔

ایک بات اور ذہن میں آتی ہے کہ متعہ کی مقدار واقعتا متعین نہیں ہے، حضرت حماد نصف مہر مثل بھی متعین کردیتے تھے (احکام القرآن ۱/۶۰۶)، مگر اتنی بات قرآنی نصوص سے ثبوت ہے کہ متعہ کے نفاذ میں زوجین کے حال کی رعایت کو ضرور ملحوظ رکھا گیا ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے: **"متعوهن على الموسع قدره وعلى المقترقدره متاعا بالمعروف"** (سورۂ بقرہ: ۲۳۶) (مطلقات کو متعہ دو، وسعت والے پر اس کے بقدر اور تنگ دست پر اس کے بقدر معروف طریقے پر متعہ دینا ہے)، لہذا زوجین کی رعایت کے بغیر اس کی تعیین نہیں کی جائے گی، ہر مسمی پیش نظر مطلقا نہیں ہوتی ہے۔

۱۱- جرمانہ کے طور پر نکاح کے وقت ہی لکھوالینا زیادہ بہتر ہے:

البتہ یہ صورت زیادہ بہتر ہے کہ جس وقت نکاح ہو رہا ہے، صلب عقد میں ایک معاہدہ نامہ تیار ہوجائے کہ بے جا طلاق دینے یا تین طلاق کا اقدام کرنے پر اتنی رقم بطور تاوان دینی ہوگی، بوقت نکاح جو شرطیں ہوتی ہیں ان کی تین نوعیتیں ہوتی ہیں:

۱- ایک شرط وہ ہوتی ہے جو شریعت کی نگاہ میں ممنوع ہوتی ہے وہ شرط غیر معتبر سمجھی جاتی ہے، **"كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل"** (بخاری ۱/۳۷۷ کتاب الشروط)، جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے)۔

۲- ایسی شرطیں جو مقاصد نکاح کو موکد کرتی ہوں ایسی شرطوں کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے، تمام ہی فقہاء کا اتفاق ہے جیسے یہ شرط لگائی جائے کہ نفقہ ادا کرتا رہے گا، مہر بھی فوراً ادا کردے گا وغیرہ وغیرہ۔

۳- تیسری قدم ان شرطوں کی ہوتی ہے جو فی نفسہ نہ تو ممنوع ہیں اور نہ ہی مامور بہ بلکہ اصل کے لحاظ سے جائز ومباح ہیں، مثلاً کسی خاص شہر میں رہنے کی شرط نہ تو شریعت نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ ہی منع کیا ہے، ان کے حکم کی بابت فقہاء کی رائے مختلف ہیں، فقہاء کی بڑی جماعت اس شرط کو کالعدم قرار دیتی ہے حنفیہ و مالکیہ کا مسلک بھی یہی ہے، مالکیہ کے یہاں مکروہ ہونے کے باوجود اس کا ایفاء مستحب ہے، لیکن امام احمد اور بہت سے محدثین وعلماء کی رائے یہ ہے کہ ان شرطوں کا ایفاء بھی لازم ہے، **"يأيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود"** (سورۂ مائدہ:۱)، میں داخل ہوگی، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: **"أحق ما أوفيتم من الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج"** (بخاری ۲/۷۷۴ کتاب النکاح، باب الشروط فی النکاح) (وہ شرطیں ایفاء کی زیادہ مستحق ہیں جن کی وجہ سے تم فروج کو حلال کرتے ہو)۔

اکیڈمی کا سمینار بھی اس موضوع پر ہو چکا ہے، مکمل بحث وتمحیص کے بعد جو تجویز مرتب ہوئی اس میں بھی تیسری قسم کی شرط کا ایفاء ضروری قرار دیا گیا ہے، نکاح کے وقت ایسی باتوں کی شرط لگائی جائے کہ شریعت نے ان کو نہ لازم واجب قرار دیا ہے اور نہ اس سے منع کیا ہے تو ایسی شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے (نئے مسائل اور اکیڈمی کے فیصلے رص ۱۰۵)۔

بوقت نکاح طلاق کی صورت میں مالی جرمانہ کی شرط ناچیز سمجھتا ہے کہ ان شرطوں میں سے ہے جو مقاصد نکاح کو موکد کرتے ہیں یا کم ازکم مقاصد نکاح کو موکد کرتے ہیں یا کم ازکم مقاصد نکاح کے لئے ملائم ومناسب تو ضرور ہیں، نکاح میں اصل یہ ہے کہ دوام و بقاء ہو اس کا ختم ہونا اور طلاق کا واقع ہونا اس کے مقصدیت کو فوت کرتا ہے، اس لئے ایسی شرطوں کے لگانے میں، جبکہ قید بے جا طلاق یا تین طلاق کی ہو عین مقاصد کے موافق ہے، نیز جب شرط ہو جائے گی تو اس کا ایفاء شوہر کے اقرار وقبول کر لینے کے بعد اور بھی مؤکد ہو جائے گا۔

☆☆☆

تعزیر بالمال

مولانا رحمت اللہ ندوی☆

تعزیر بالمال کا مفہوم:

’’تعزیر بأخذ المال‘‘ کا مطلب اور مفہوم ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں:’’روي عن أبي يوسف: أنه يجوز للسلطان التعزير بأخذ المال، ومعنى التعزير بأخذ المال على قول من يجيزه؛ هو إمساك شيء من مالي الجاني عنه مدة، لينزجر عما اقترفقه، ثم عيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال، كما يتوهم الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

قال ابن عابدين: وأرى أن يأخذ الحاكم مالي الجاني ، فيمسكه عنده، فإن أيس من توبته،يصرفه إلى ما يرى من المصلحة‘‘(الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/۵۵۹۶،نیز معاشرتی مسائل،دین فطرت کی روشنی میں رص ۲۰۸-۲۰۹)۔

(امام ابویوسفؒ سے سلطان کے لئے’’تعزیر بأخذ المال‘‘ کا جواز منقول ہے،اور جائز قرار دینے والے حضرات کے بقول اس کا مطلب یہ ہے کہ جنایت کے مرتکب کے مال سے کچھ ایک مدت تک روک لیا جائے،تاکہ وہ ارتکاب کردہ گناہ سے باز آجائے،پھر حاکم اس کا مال اسے واپس کردے،یہ مطلب نہیں ہے کہ حاکم اپنے یا بیت المال کے لئے رکھ لے،جیسا کہ ظالموں کو وہم وخیال ہوتا ہے،کیونکہ کسی مسلمان کے لئے بغیر کسی شرعی سبب کے کسی شخص کا مال لینا جائز نہیں۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: میری رائے یہ ہے کہ حاکم جرم کے مرتکب شخص کا مال لے لے اور اپنے پاس روک کر رکھے،اگر اس کی توبہ سے ناامید ہوجائے تو اس کو جہاں مصلحت سمجھے خرچ کردے)۔

ترکی کے ڈاکٹر احمد محمد سعید السعدی لکھتے ہیں:’’جب تعزیر ایسی عقوبت ہے جو حاکم کے اجتہاد اور اس کی صوابدید پر ہے اور مال نام ہے اس چیز کا جس پر ملکیت ہو،تو تعزیر بالمال کیسے ہوگا؟اور اس کی کیفیت کیا ہوگی؟

تعزیر بالمال یہ ہے کہ حاکم یا اس کا نائب کسی مجرم ونافرمان کو اس کے ایسے جرم اور گناہ جس میں نہ کوئی حد ہو اور نہ کفارہ، اس جرم کی ایسی سزا دے جس کی زد اس کی ملکیت پر پڑے،خواہ اس کو چھین لے یا ضائع کردے یا تبدیل کردے، یا روک لے(حکم التعزیر بالمال(رسالۃ ماجستر)رص ۵)۔

☆ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

مالی تعزیر میں فقہاء کا نقطہ نظر:

☆ حنفیہ میں حضرات طرفین (امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ) تعزیر بأخذ المال کو ناجائز قرار دیتے ہیں، امام ابو یوسفؒ سے مجرم سے مالی لینا از روئے مصلحت جائز ہے۔

☆ امام شافعیؒ کا قدیم مذہب جواز اور جدید مذہب عدم جواز کا ہے۔

☆ امام مالک کا مشہور مذہب بقول علامہ ابن فرحون جواز کا ہے، انہوں نے وہ خاص مقامات بھی ذکر کئے ہیں جن میں مال سے تعزیر ہوسکتی ہے، مثلاً دودھ، مشک اور زعفران میں ملاوٹ۔

☆ حنابلہ کے نزدیک تعزیر باخذ المال یا مال تلف کر کے تعزیر حرام ہے، اس کے برخلاف رائے اختیار کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے تعزیر بالمال کو درست اور خوشگوار بتایا ہے، خواہ ضائع کر کے یا لے کر (ان التعزیر بالمال سائغ اتلافا وأخذا) (موسوعہ فقہیہ ۱۲/ ۲۷۰-۲۷۱)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ائمہ اربعہ کا راجح مسلک یہی ہے کہ مالی تاوان و جرمانہ جائز نہیں ہے، گو مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کی طرف اس کے جواز کی نسبت بھی کی گئی ہے، سلف صالحین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیمؒ نے پوری وضاحت کے ساتھ تعزیر مالی کے جائز ہونے کی وکالت کی ہے، ماضی قریب کے اہل علم میں شیخ سید سابق نے ''معین الاحکام'' کے مصنف علاء الدین طرابلسی سے بھی نقل کیا ہے کہ: ''**من قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذهب الأئمة نقلا واستدلالا، وليس بسهل دعوى نسخها والمدعون للنسخ ليس معهم سنة وإجماع يصحح دعواهم**'' (قاموس الفقہ ۲/ ۴۷۹، بحوالہ فقہ السنۃ ۲/ ۹۳-۵۹۲) (جن حضرات نے یہ بات کہی ہے کہ مالی سزا منسوخ ہے، انہوں نے ائمہ کے مذہب کی بابت روایت اور استدلال، ہر دو اعتبار سے غلطی کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کے منسوخ ہونے کا دعوی آسان نہیں ہے، جو لوگ نسخ کا دعوی کرتے ہیں، ان کے پاس نہ سنت ہے اور نہ اجماع ہے، جو ان کے دعوی کو صحیح قرار دے)۔

مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب کا کہنا ہے کہ مالی سزا دینا اب مشروع نہیں ہے۔

اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں: یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ تعزیر بالمال کا جواز صرف امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے، وہ بھی بروایت ضعیف، لیکن جمہور علماء کے نزدیک مالی سزا منسوخ ہوگئی ہے، اس لئے اب علماء مالی تعزیر کا فتوی نہیں دیتے (اور دینا بھی نہیں چاہئے) (معاشری مسائل، دین فطرت کی روشنی میں ص ۲۰۸)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں: صرف امام ابو یوسفؒ سے جرمانہ کے جواز کی روایت منقول ہے اور وہ بھی ضعیف، باقی اور علماء اور ائمہ کے نزدیک جائز نہیں اور جب روایت ضعیف ہے، قابل عمل نہیں ہوسکتی (امداد الفتاوی ۲/ ۵۴۴)۔

دلائل اور ترجیح:

جواز کے قائلین میں سرفہرست امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم ہیں، مالی تعزیر کے جواز پر ان دونوں حضرات کا استدلال

رسول اللہ ﷺ کا اقضیہ (فیصلے) ہیں، جیسے آپ کا حرم مدنی میں شکار کرتے ہوئے پکڑے جانے والے شخص کا آلہ شکار چھیننے کو مباح قرار دینا، شراب کے مٹکے توڑنے اور برتنوں کو پھوڑنے کا حکم دینا، حضرت عبداللہ بن عمرو کو دونوں معصفر کپڑوں کو جلانے کا حکم دینا، مال غیر محفوظ کی چوری کرنے والے یا گمشدہ سامان کو چھپانے والے کا جرمانہ اور تاوان دوگنا کر دینا وغیرہ۔

اسی طرح خلفاء راشدین کے فیصلے مثلاً: حضرت عمرؓ وعلی کا شراب فروخت ہونے کی جگہ کو جلانے کا حکم دینا، مانع زکوۃ کا آدھا مال لے لینا، حضرت عمرؓ کا حضرت سعد بن وقاصؓ کے اس محل کو جلانے کا حکم دینا جو انہوں نے لوگوں سے روپوش رہنے کے لئے تعمیر کیا تھا، اس حکم کا نفاذ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کیا (موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۱)۔

علامہ ابن قیم جوزیؒ فرماتے ہیں: ہر معصیت جس میں کوئی حد نہ ہو، جرم کے بڑے اور چھوٹے اور مجرم کے شر اور عدم شر کے اعتبار سے تعزیر کی مشروعیت پر علماء کا اتفاق ہے۔

"اتفق العلماء على أن التعزير مشروع في كل معصية ليس فيها حد، بحسب الجناية فى العظم والصغر، وحسب الجانى فى الشر وعدمه" (تبصرۃ الحکام ۲/ ۲۲۳)۔

علامہ موصوف عقوبت مالیہ کو منسوخ قرار دینے والوں کو مذاہب اربعہ پر نقل واستدلال کے لحاظ سے غلط قرار دیتے ہیں، اور نسخ کا دعوی تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور اکابرین صحابہ کا اس پر عمل نسخ کے دعوی کو کالعدم کر دیتا ہے، اور نسخ کے دعویداروں کے ساتھ نہ کتاب وسنت ہے اور نہ اجماع، جو ان کے دعوی کی تصدیق وتصحیح کرے، ہاں! اگر کوئی یہ کہے کہ ہمارے اصحاب کا مذہب عدم جواز ہے تو اس کے اصحاب کا مذہب اس کے یہاں قبول اور رد کا معیار ہوسکتا ہے۔

"من قال: إن العقوبة المالية منسوخة، فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلاً واستدلالا، وليس بمسلم دعواه نسخها، وفعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته ﷺ مبطل لدعوى النسخ، والمدعون للنسخ ليس معهم كتاب ولا سنة ولا إجماع يصحح دعواهم،إلا أن يقول أحدهم: مذهب أصحابنا لا يجوز، فمذهب أصحابه عنده عيار على القبول والرد" (تبصرۃ الحکام ۲/ ۳۰۲-۳۰۳)۔

امام ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں: **"التعزيرات المالية، مشروع أيضا، فى مواضع مخصوصة، في مذهب مالك فى المشهد عنه، ومزهب أحمد، في مواضع بلا نزاع عنه، وفى مواضع فيها نزاع عنه، والشافعي في قول، وإن تنازعوا في تفصيل ذلک، كما دلت عليه سنة رسول الله ﷺ فى مثل إباحته، سلب الذى يصطاد فى حرم المنية لمن وجده"** (الحسبۃ فی الاسلام ۹۳-۹۵)۔

(تعزیرات مالکیہ بھی مخصوص مقامات پر مشروع ہے، امام مالکؒ کے مشہور مذہب میں یہی ہے، امام احمد کے مذہب میں بعض مقامات میں بلا اختلاف اور بعض مقامات میں اختلاف کے ساتھ مشروع ہے، امام شافعی کے ایک قول میں جواز ہے اگرچہ اس کی تفصیل میں شوافع کا اختلاف ہے، اس کی اباحت میں رسول اللہ ﷺ کا طریقہ دلیل ہے، کہ حرم مدنی میں شکار کرتے ہوئے پائے جانیوالا کا سامان چھین لیا جائے۔

آگے بہت سی مثالیں ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمائیں: "وهذه القضايا كلها، صحيحة معروفة عند أهل العلم بذلك، ونظائرها متعددة" (ایضا: ۹۵) (یہ تمام قضایا اہل علم کے نزدیک صحیح اور مشہور ہیں، اور ان کی متعدد نظیریں ہیں)۔

آگے عقوبت مالیہ کو منسوخ کہنے والوں کی خوب خبر لی ہے، اور اس قول کو بلا دلیل بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ حضور سے کوئی ایسی چیز ثابت نہیں جو عقوبات مالکیہ کی حرمت کی متقاضی ہو۔

خلفاء راشدین کا عمل، دلیل محکم ہے، اس کی عمومی شکلیں امام احمد وامام مالک اور ان کے اصحاب سے مصرح ومنقول ہیں جبکہ بعض صورتیں امام شافعی سے ثابت ہیں، ان تک حدیث پہنچنے کے اعتبار سے۔

"ومن قال: إن العقوبات المالية منسوخة، وأطلق ذلك عن أصحاب مالك وأحمد، فقد غلط في مذهبهما، ومن قاله مطلقا من أي مذهب كان، فقد قال قولا بلا دليل، ولم يجي عن النبي ﷺ شئ قط يقتضي أنه حرم جميع العقوبات المالية، بل أخذ الخلفاء الراشدين، وأكابر الصحابة بذلك بعد موته، دليل على أن ذلك محكم غير منسوخ، وعامة هذه الصور منصوصة عن أحمد ومالك وأصحابه، وبعضها قول عند الشافعي باعتبار ما بلغه من الحديث" (الحسبة في الاسلام/ ۹۵، مزید تفصیل کے لئے/ص ۹۶، ۹۷ دیکھیں)۔

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسلمان کا مال قابل احترام ہے، اور بلا سبب جواز لینا اور ہاتھ لگانا درست نہیں، جائز اسباب میں معاوضہ لینا، یا مثل یا قیمت کا ضامن بنانا ہے، جبکہ مال غیر کے ساتھ زیادتی یا اتلاف ہو، انہیں اسباب جواز میں یہ ہے کہ جب اپنے ذمہ مقرر مالی حق کی جیسے: دین کی ادائیگی جب اس کا وقت آ گیا ہو، اور اپنی مرضی واختیار سے ادا نہ کرے بلکہ اس سے باز رہے تو ایسی صورت میں اس کی مرضی کے بغیر قانون یا سلطان کی قوت سے مال یا حق لیا جائے گا۔

معصیت یا ممنوع چیزوں کے ارتکاب کو اخذ مال کے جواز کا سبب سمجھنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، جیسے ٹریفک یا سڑک کے نظام اور ضابطہ کی خلاف ورزی کی صورت میں ملک یا بلدیہ یا کسی شخص کی مصلحت کے پیش نظر انسان کی مرضی کے بغیر مالی لیا جاتا ہے (تفصیل کے لئے ڈاکٹر علی ابوالبصل کا مقالہ "عقوبۃ التعزیر بأخذ المال" دیکھیں)۔

اختلاف کے اسباب:

اس مسئلہ میں اختلاف کے اسباب حسب ذیل ہیں:

الف- دلائل کا ظنی ہونا، جن میں احتمال ہے، رائے کی گنجائش اور اجتہاد بالرای کا میدان وسیع ہے۔

ب- دلائل کا تعارض، اور ان میں جمع وتطبیق کی کیفیت میں فقہاء کے نقطہائے نظر کا اختلاف۔

ج- قاعدۃ الذرائع کی تطبیق کی انتہاء میں اختلاف، اصل قاعدہ تو متفق علیہ ہے، لیکن اس کی تطبیق کی انتہاء مختلف فیہ ہے، لہذا جن کی رائے تعزیر مالی میں ظالم حکمرانوں کا لوگوں کے اموال پر تسلط اور ناحق ضبطی پر آمادہ کرنا ہے تو ان کے یہاں یہ سد ذریعہ کے طور پر ضروری ہے، انہوں نے تعزیر بأخذ المال کی سزا کی ممانعت کا قول اختیار کیا ہے۔

لیکن جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تسلیط نادر اور قلیل ہے، اس کا کوئی اثر نہیں، کیونکہ حکمراں عادل ہیں، اور شرعا مصلحت معتبرہ سے ان کے تصرفات متعلق ہیں، انہوں نے جواز کا قول اختیار کیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: ڈاکٹر علی ابوالبصل کا مقالہ)۔

مانعین کے جواز کے دلائل:

تعزیر باًخذ المال میں مانعین جواز کے چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں، واضح رہے کہ عدم جواز کی یہ رائے جمہور کی طرف منسوب ہے اور ان میں ائمہ اربعہ اور زیدیہ ہیں، ان حضرات کے مستدلات یہ ہیں:

۱-"**لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل......وأنتم تعلمون**" (بقرہ:۱۸۸)، اسی سے ملتی جلتی آیت سورۂ نساء:۲۹ ہے، اور وجہ استدلال یہ ہے کہ ان آیات میں صاف اشارہ ہے کہ انسان کا مال بغیر جائز سبب کے لینا جائز نہیں، اس لئے کہ وہ مال باطل اور حرام ہے اور ناحق کھانا ہے۔

ب-"**إن دماء کم وأموالكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا، في بلدكم هذا**"، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظلم وزیادتی اور قہر کے ساتھ مسلمان کا مال لینا حرام ہے۔

ج-"**ليس فى المال حق سوى الزكاة**"، حدیث اپنے عموم کی وجہ سے تعزیر باًخذ المال کی عقوبت پر بھی مشتمل ہے۔

د-اجماع صحابہ-حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوۃ سے جنگ کی، لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان سے عقوبت کے طور پر مال لیا ہو، یہ تعزیر باًخذ المال کے عدم جواز پر اجماع ہوا۔

ھ-عقلی دلائل: ۱-ظالم حکمرانوں کے لوگوں کے مالوں پر تسلط دینا، ۲-یہ سزا، حصول مقصود میں ناکام ہے، کیونکہ مالدار کو یہ سزا نہیں روک سکے گی، اس لئے قاعدہ شرعی: "**كل تصرف تقاعد عن تحصيل مقصوده فهو باطل**" اور اصول: "**أصل النظر في مآلات الأفعال معتبر مقصود شرعا**" (ایضا تلخیصا)۔

مجوزین کے دلائل:

مجوزین، جن میں حنفیہ میں امام ابو یوسف، مالکیہ میں علامہ ابن فرحون، اور حنابلہ میں امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم ہیں، پچھلے اوراق میں کچھ دلائل آچکے ہیں، چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

الف-حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشرکین کے بتوں کو پاش پاش کرنا، یہ منکر کو ختم کرنے کے لئے زجرا تلافا ہے، "**فجعلهم جذاذا إلا كبيرا لهم لعلهم إليه يرجعون**" (سورۂ انبیاء:۵۸)۔

ب-حضرت موسی علیہ السلام کا اس بچھڑے کو جلا دینا جسے یہود نے سونے سے اپنے لئے معبود بنالیا تھا، "**وانظر إلى إلهك الذي ظللت عليه ألفا لنحرقنه، ثم لننسفنه في اليم نسفا**"۔

ج-رسول اللہ ﷺ کا یہود بنونضیر کی کھجوروں اور درختوں کا محاصرہ کے دوران کاٹنے کا حکم دینا اور تائید میں وحی

آنا،"ماقطعتم من لينة أو تركتموها قائمة على أصولها فبإذن الله"(سورۂ حشر:۵)۔

ھ-حضور علیہ السلام کا یوم خیبر کو گدھوں کے گوشت کی ہانڈیوں کو توڑنے کا حکم دینا، اگرچہ عمل نہیں ہوا لیکن حکم دینا جواز کی دلیل ہے(ملاحظہ ہو مقالہ شیخ عبدالعزیز العمیقان، (رسالہ ماجستر) بعنوان "التعزیرات المالیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ")۔

و-اجماع صحابہ اس طور پر کہ ان سے بہت سے مسائل میں مالی تعزیر ثابت ہے اور کسی نے نکیر نہیں کی۔

ز-عقلی دلیل: دوسبب سے مصلحت کا تقاضا مالی تعزیر کا ہے: ۱- جرائم میں تعدد وتنوع کے لحاظ سے تعزیری عقوبت میں تنوع وتعدد، ۲-تعزیری عقوبت کا مقصد ہے، مخالف کی زجر واصلاح، اور سوسائٹی کے امن کی حفاظت، اور یہ نگہبانی زمینی حقائق پر ہے، اس لئے مالی تعزیر عالمی عرف بن گیا ہے(مزید دلائل وتفصیلات کے لئے ڈاکٹر علی ابو البصل کا مقالہ "عقوبۃ التعزیر بأخذ المال" دیکھیں)۔

ادلہ مانعین کا مناقشہ:

ڈاکٹر علی ابوالبصل نے اپنے مقالہ میں مانعین جواز کے دلائل پر نقاش کرتے ہوئے مندرجہ ذیل پہلوا جاگر کئے ہیں:

الف-ان کا استدلال عمومی ادلہ سے قوی ہے لیکن وہ عام استدلال ہے، جبکہ ہر عام کی دلیل مخصص بھی ہوتی ہے اور کتاب و سنت اور اجماع صحابہ کے صحیح دلائل سے تخصیص ثابت ہے۔

ب-حدیث "ليس في المال سوى الزكاة" صحیح نہیں، حدیث منقطع ہے۔

ج-اجماع سے استدلال بھی درست نہیں، کیونکہ یہ محض دعوی ہے، جو کسی دلیل پر قائم نہیں، اس کے برعکس صحابہ کا قولاً وعملاً اجماع ثابت ہے۔

د-عقلی استدلال بھی درست نہیں، کیونکہ اس سے دیگر تعزیری عقوبات کا کالعدم ہونا لازم آتا ہے، اس لئے کہ انجام ایک ہے، بلکہ قید یا کوڑے کی سزا میں انجام بہت سخت ہوتا ہے، کیونکہ اس میں حکمرانوں کو لوگوں کی عزت وآزادی پر مسلط کرنا ہوتا ہے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں، اس سے لازم وملزوم کا بطلان ثابت ہوگیا۔

ھ-نسخ کا قول صحیح نہیں، دلیل نسخ کمزور ہے۔

ادلہ قائلین کا مناقشہ:

قائلین جواز کے ادلہ کا مناقشہ کرتے ہوئے ان کے استدلال کو مندرجہ ذیل اسباب سے درست نہیں قرار دیا ہے:

۱-دلائل کی کمزوری، ۲-ان میں تاویل کا احتمال، تاویل سے ادلہ کو ان کے ظاہری مفہوم سے پھیرنا جائز ہے، جو مفہوم اصول شریعت سے متعارض ہو۔ ۳-نسخ کا احتمال۔

ترجیح:

ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک متأخرین حنابلہ کی رائے راجح ہے، اور اسباب ترجیح یہ ہیں:

۱-مسئلہ میں وارد دلائل کا مجموعی طور پر صحیح ہونا۔

۲-مال تعزیر کا قول، مقتضائے مصلحت ہونا، کیونکہ تعزیری عقوبات، مصلحت وعرف پر قائم ہیں، اور تسلط و بالا دستی مسلم حاکم یا اس کے قائم مقام کو حاصل ہے اور زمان ومکان کی تبدیلی سے عرف ومصلحت تبدیل ہوجاتی ہے اور آج کل مالی تعزیر انٹرنیشنل عرف بن گئی ہے۔

۳-اصول شریعت اور مالی تعزیر کے مابین کوئی تعارض نہیں پایا جاتا، کیونکہ مال عقوبت کے طور پر کیا جاتا ہے اور اس کا تعیین بالا دستی رکھنے والا حاکم مصلحت کے تقاضے کے مطابق کرے گا۔

۴-دلائل میں جمع وتطبیق، بعض دلائل کو مہمل اور معطل کرنے سے زیادہ بہتر ہے کہ ان میں تطبیق دی جائے۔

۵-جمہور علماء نے جو مالی تعزیر کے قائلین جواز پر احتمالات پیش کئے ہیں، شرعی لحاظ سے ان کی کوئی قیمت نہیں کیونکہ وہ کسی دلیل پر قائم نہ ہونے کی وجہ سے فی نفسہ کمزور ہیں۔

۶-تعزیر بالمال حضور ﷺ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کی طرف سے پیش آچکا ہے، اور اس سے بڑھ کر جواز کی دلیل نہیں ہوسکتی۔

ڈاکٹر احمد محمد سعید السعدی نے اس مسئلہ سے متعلق چند وضاحتیں مثلاً: یہ عقوبت امام کی رائے اور صوابدید پر ہے، نصوص سے اس کی مشروعیت ثابت ہے، حاکم ضرورت ہوگی تبھی نافذ کرے گا، وضعی قوانین کے شارحین نے اسے قید سے ہلکا مانا ہے اور ثانوی سزا قرار دی ہے، یہ اصل سزا نہیں، ان وضاحتوں کے بعد لکھتے ہیں:

"بعد هذا أقول: إن أدلة مشروعية التعزير بالمال أدلة قوية لم تستطيعون المخالفين إسقاطها، ولذا ينبغي القول بجواز التعزير بالمال مع ملاحظة ما قدمت من اختلاف القول بأصول المشروعية عن القول بوجوب التعزير أو لزوم تقنينه في كل آن وحين" (حکم التعزیر بالمال للدکتور احمد محمد سعید السعدی ص ۲۰)۔

اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ تعزیر بالمال کی شروعیت کے ادلہ قوی ہیں، ان کو مخالفین کا اعتراض ساقط نہیں کرسکتا، اس لئے تعزیر بالمال کے جواز کا قول مناسب ہے، اس کے ساتھ کہ ہر وقت اور لمحہ قانون سازی کے لزوم یا تعزیر کے وجوب کے قول کی طرف سے اصل مشروعیت کا اختلاف بھی پیش نظر ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب جواز کی رائے اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تعزیر بالمال کے عدم جواز پر مجھے کوئی صریح دلیل نہیں ملی، **"لا يحل ما امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه"** سے عدم جواز پر استدلال کمزور ہے کیونکہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو جسمانی سزا کی طرح مالی سزا بھی دی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولی جائز ہوجانا چاہئے (درس ترمذی ۵/ ۱۱۸-۱۱۹)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں: اس وقت اسلام کے قانون حدود وتعزیرات کے فقدان کی وجہ سے بہت سے مسائل جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کررہی ہیں، ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے، اور ریلوے، بس، ٹریفک وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے، راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے (قاموس الفقہ ۲/ ۴۷۹)۔

ناچیز کی رائے بھی مالی تعزیر کے جواز کی ہے، جب کی جرم اور مجرم کا لحاظ کیا جائے، عدل برقرار رکھا جائے، مالی جرمانہ کی زد خود مرتکب جرم پر پڑے، قاضی ابو یوسفؒ کی رائے کو کمزور قرار دینا محل نظر ہے، کیونکہ وہ عباسی خلیفہ ہارون رشید کے عہد حکومت میں قاضی القضاۃ تھے، اور تعزیر کا قضا سے گہرا تعلق ہے، اسی طرح جب تعزیر عقوبت بدنیہ ضرب، حبس، زجر حتی کہ بعض کے نزدیک قتل کی شکل میں ہوسکتی ہے جو کہ اعلی درجہ ہے تو عقوبت مالیہ کی صورت میں کیوں نہیں ہوسکتی جو کہ اسہل واہون ہے۔

پھر جواز کے قائلین میں مولانا ظفر احمد عثانی (اعلاء السنن ۱۱/ ۸۸)، علامہ عبد الحیٔ فرنگی محلیؒ (مجموعۃ الفتاوی ۳/ ۵۳)، مولانا مجیب اللہ ندویؒ (اسلامی فقہ ۳/ ۲۸۱)، وغیرہم بھی ہیں، امارت شرعیہ کا فتوی بھی یہی ہے۔

ڈاکٹر احمد محمد سعید السعدی (ترکی) نے مخالفین حکم اور مرتکبین معصیت کی مالی سرزنش کو دو شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے: ۱- یہ عقوبت اور سزا ہی زیادہ سودمند، مناسب اور عدل وانصاف سے قریب تر ہو، ۲- اور یہ سزا جرم کی مقدار اور اس کی طبیعت کے مطابق ہو (حکم التعزیر بالمال: ۱)۔

یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ تعزیر بالمال کی کئی قسمیں ہیں: مال روک لینا، ضائع کردینا، اس کی شکل تبدیل کردینا، دوسرے کو اس کا مالک بنادینا (موسوعہ فقہیہ ۱۲/ ۲۷۳، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۵۵۹۷ تا ۵۵۹۹)۔

مدارس کے طلبہ سے جرمانہ:

غیر حاضری یا دیر حاضری یا کسی ضابطہ کی خلاف ورزی پر اہل مدارس کا طلبہ سے مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ جرم کا ارتکاب طالب علم کرتا ہے، اور مالی بوجھ والدین یا گارجین پر پڑتا ہے، کرے کوئی اور بھرے کوئی۔

مشاہدہ یہ ہے کہ مالی جرمانہ امیر اور فقیر طلبہ میں امتیاز پیدا کردیتا ہے، مالدار طالب علم کے لئے سزا نہیں ہوتی، وہ دے کر بچ جاتا ہے اور غریب طالب علم جھیل جاتا ہے، اور بسا اوقات یہ مالی جرمانہ اس کے لئے ناقابل تحمل ہوتا ہے، اس سزا کے بجائے ارباب مدارس کو کوئی دوسری طریقہ تلاش کرنا چاہئے، حضرت تھانویؒ نے طلبہ کے لئے جرمانہ کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اس کی ایک جائز شکل لکھی ہے وہ یہ ہے کہ: غیر حاضر طالب علم سے مالی جرمانہ کی جائز شکل یہ ہوسکتی ہے کہ اس کا نام کارج کردیا جائے، غیر حاضری کی سزا تو یہ ہوا اور آئندہ داخل کرنا بذمہ اہل مدرسہ واجب تو ہے نہیں، مباح ہے۔

مباح میں جو کہ متقوم ہو مالی کی شرط لگانا جائز ہے...... اس کی تصریح کردی جائے تاکہ عقد مبہم نہ رہے (امداد الفتاوی

۲/ ۵۴۳)، ایک متبادل یہ ہوسکتا ہے کہ ایک ماہ یا اس سے کم کھانے یا رہائش یا اساتذہ کے پڑھانے کی اجرت مقرر کردی جائے۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:"بلا تأويل جائز نيست عند الحنفيه مكر تاويلش بدين سان تواند شد كه دراں ماه اجرت عمل بمقدار جرمانه زائد مقرر گفته شود"(ایضا/ ۵۳٦)۔

اہل مدارس کا غیر حاضری پر جرمانہ کو تعلیمی فیس قرار دینا فہم سے بالاتر ہے، کیونکہ جب طالب علم نے اس مدت میں تعلیم ہی حاصل نہیں کی تو پھر فیس کیسی؟ ہاں اگر جرمانہ کے نام رقم لے کر رکھ لی جائے، تاکہ طالب علم قانون کی خلاف ورزی سے باز رہے اور بعد میں اس کو لوٹا دی جائے تو اس کی گنجائش ہے (محمود الفتاوی ۵/ ۵۳٦، نیز ۴/ ۵۹۵، فتاوی قاسمیہ ۱۷/ ۱۵۱ تا ۱۵۴)۔

نظم وضبط باقی رکھنے کے لئے جرمانہ:

تعلیمی اداروں کے علاوہ دیگر ادارے جیسے ہاؤسنگ سوئٹیاں وغیرہ نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے جرمانہ کا نظام بناتے ہیں، اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ مقررہ وقت پر ادائیگی کردیں، اس صورت کو اس وقت جائز قرار دیا جاسکتا ہے، جبکہ یہ ضابطہ حکومت یا عدالت کی اجازت سے ہو یا کم از کم ٹکراؤ نہ ہو، جرمانہ کی مقدار نا قابل برداشت حد تک نہ ہو، عدل وانصاف کو ملحوظ رکھا گیا ہو، اس نظام سے رشوت کا دروازہ نہ کھلتا ہو، یا وہ سود کی شکل نہ اختیار کرے، تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ اس کا فائدہ زیادہ اور نقصان کم ہے۔

برادری کا جرمانہ:

بغرض اصلاح اور دباؤ ڈالنے کے لئے برادریاں اور خاندانی پنچائتیں، نیز کاروباری انجمنیں مالی جرمانہ کا جو نظام بناتی ہیں، علامہ ابن بازؒ کے نزدیک برادری کے اتفاق سے جائز ہے، کیونکہ تعزیر بالمال شریعت میں معروف امر ہے، برادری کا معین رقم سے جرمانہ عائد کرنے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ حکومت کی اجازت ہو اور حکومت یا عدالت سے ٹکراؤ کی صورت نہ بنے، بلکہ حمایت واجازت ہو، لیکن بہتر ہے کہ دباؤ ڈالنے کے لئے تو رقم لے لی جائے، پھر اصلاح حال اور توبہ کے بعد واپس کردی جائے، یہ بھی واضح رہے کہ جرمانہ کی مقدار تکلیف مالا یطاق نہ ہو، معاشی حالت اور ذریعہ آمدنی کی رعایت رکھ کر مقرر کی جائے۔

ہندوستان جیسے ممالک، جہاں اسلامی نظام قائم نہیں، وہاں کے لئے عمدہ صورت سماجی بائیکاٹ کی سزا ہے، میرے خیال سے یہ زیادہ مؤثر سزا ثابت ہوگی، البتہ اس سزا میں یہ ملحوظ رہے کہ بائیکاٹ کی کوئی مدت متعین ہو، عدل وانصاف کا پہلو ہمیشہ مدنظر رہے، اور یہ سزا صرف انہیں برائیوں پر ہو جو شرعاً حرام ہیں، غزوہ تبوک میں نفیر عام کے باوجود حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت ہلال بن امیہؓ اور حضرت مرارہ بن ربیعؓ کے شریک نہ ہونے پر پچاس دن تک ان کا معاشرتی مقاطعہ (بائیکاٹ) کیا گیا تھا، ایک مسئلہ کے ذیل میں مفتی رشید احمدؒ نے لکھا ہے:"حکومت کی طرف سے غفلت کی صورت میں برادری کی طرف سے مقاطعہ کی تعزیر مناسب ہے"(احسن الفتاوی ۵/ ۱۹۵)۔

ظالمانہ طلاق پر جرمانہ:

طلاق کے غلط طریقے، اس کی بے جا استعمال کی کثرت اور معاشرہ کے بگاڑ کی صورت کے پیش نظر مولانا برہان الدین

سنبھلی صاحب لکھتے ہیں کہ علماء کے مشورے سے ایک قابل تعزیر جرم بھی قرار دیا جاسکتا ہے......اور فیصلہ کرنے والی اتھارٹی کی صوابدید پر یہ چھوڑ دیا جائے کہ وہ جس قسم کی سزا بھی مناسب سمجھے دے سکے، جو زبان زجر وتوبیخ بھی ہوسکتی ہے اور قید و بند بھی، کوڑے لگانا بھی ہوسکتی ہے اور مالی جرمانہ بھی، غرضیکہ افراد واشخاص، حالات وزمانہ کے تغیر، نیز اس بنا پر کہ کسی سے ارتکاب جرم بار بار ہوا، یا پہلی بار ہوا، اسی قسم کے حالات میں فرق سے سزا نرم بھی ہوسکتی ہے اور سخت بھی (معاشرتی مسائل رص ۲۰۶)۔

ڈاکٹر عبد الرحمٰن العمرانی نے اپنی کتاب ''الاجتہاد الفقہی المعاصر فی أحکام الأسرۃ''اس مسئلہ میں دو نقطہ نظر ذکر کئے ہیں: ۱-معاوضہ لینے کا جواز، ۲-عدم جواز۔

پہلی رائے کے حاملین میں ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی، استاد علال فاسی، ڈاکٹر محمد سلام مذکور، ڈاکٹر احمد الخمیلشی، اور خدیجہ صبار ہیں، بعض عرب پرسنل لاز، اور شامی اور دیگر پرسنل لاز کا یہی فیصلہ ہے (المرأۃ بین الفقہ والقانون رص ۱۴۶، النقد الذاتی رص ۲۹۷)۔

ان حضرات کے دلائل ظالمانہ طلاق پر معاوضہ اور مالی ہرجانہ یہ ہیں:

الف-اسلام نے ظلم کو حرام کیا ہے: ''الظلم ظلمات یوم القیامۃ'' (بخاری: ۲۴۴۷، مسلم: ۲۵۷۸)۔

نیز حدیث قدسی ہے: **''یا عبادي إنی حرمت الظلم علی نفسي وجعلته بینکم محرما فلا تظالموا''** (مسلم: ۲۵۷۷)۔

معلوم ہوا کہ اسلامی شریعت نے عدل کی دعوت دی ہے اور ظلم سے منع کیا ہے، مسلمانوں کی موجودہ حقیقی حال عورت کے لئے سنگین نتائج وانجام کا سبب بنتا ہے۔

ب-قیاس سے استدلال: جس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے: ۱-مطلقہ کے متعہ پر قیاس: کہ اللہ تعالی نے بعض مطلقات کے لئے متعہ واجب کیا ہے اور بعض دیگر مطلقات کو متعہ دئے جانے کی ترغیب دی ہے، ۲-اس دلیل کا ذکر ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے بھی کیا ہے (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷ر۵۳۲)۔

قیاس کی دوسری بنیاد مال غیر کو تلف کرنا، شریعت کا حکم یہ ہے کہ مال غیر کو تلف اور ضائع کرنے والا، اس کا ضامن ہوگا (الاجتہاد الفقہی المعاصر رص ۴۸۳ کا حاشیہ نمبر ۴)۔

بعض کا رجحان یہ ہے کہ جب مال غیر کو تلف کرنے کے معاوضہ کا حکم لگانا درست ہے اگر چہ وہ تھوڑا ہی ہو، تو کیا یہ معقول بات نہیں کہ ہم عورت کی زندگی تباہ کرنے اور اس کا سکون قلب غارت کرنے والے پر معاوضہ کا حکم لگائیں **''إذا ساغ لنا أن نحکم علیه بتعویض ما یتلف من مال غیره ولو قلیلا، ألیس من المنطق المعقول أن نحکم علیه بتعویض ما یتلفه من حیاۃ المرأۃ وراحة قلبها''** (الاجتہاد الفقہی المعاصر رص ۴۸۴)۔

واضح رہے کہ معاوضہ کے قائلین، حکم کی علت پر متفق نہیں ہیں، سور یا عدالتوں نے دو چیزوں کو موجب مانا ہے:

۱-شوہر کا ظلم: اور اسکی پہچان اس سبب سے ہوگی جس کی وجہ سے طلاق دی۔

۲- قاضی پر طلاق سے مطلقہ کو ضرر لاحق ہونے کی حقیقت کا آشکارا ہونا، گویا وہ ظالمانہ طلاق موجب عوض ہے جو عورت کو فقر وفاقہ اور محتاجگی سے دوچار کردے۔

مطلب یہ ہوا کہ اگر ضرر لاحق نہ ہو تو معاوضہ کے مطالبہ کا حق عورت کو نہیں ہے۔

ج- فقہی قاعدہ ''الضرر یزال'' اور حدیث ''لاضرر ولاضرار''۔

شریعت کا عام ضابطہ ہے کہ کسی کے عمل سے نقصان اور ضرر میں مبتلا ہونے والے کو حق ہے کہ وہ لاحق ہونے والے ضرر کے معاوضہ کا مطالبہ کرے، اور ضرر پہنچانے والا ضامن ہوگا خواہ اسکا عمد شامل نہ ہو، ''**وتقرر الشريعة في قواعدها العامة أن من حق المتضرر بفعل آخر أن يطالبه بتعويض عن ذلك الضرر، والمباشر للضرر ضامن، وإن لم يتعمد**'' (الاجتہاد الفقہی المعاصر: ۴۸۴)۔

د- ولی امر کو مباح کے مقید کرنے کا حق:

شریعت نے ولی امر کو اس کا حق دیا ہے کہ وہ مباح کو مقید کرے، بدسلوکی کرنے والے پر سزا یا جزا لازم کرے۔

عدم جواز کے قائلین:

شیخ ابوزہرہ نے اکثر مصری عدالتوں کی رائے طلاق معاوضہ نہ دلانے کا فیصلہ، ذکر کیا ہے۔ ان کی خود یہی رائے ہے، وہ صراحت کرتے ہیں: ''**حكم صحيح يتفق مع المبادئ الإسلامية**'' (یہ صحیح اور درست فیصلہ ہے، اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ ہے) (ڈاکٹر احمد الخملیش نے اس پر شیخ کا تعاقب کیا ہے)۔

لیکن معاوضہ کے قائلین نے اس فیصلہ کی علت ''**الأصل في الطلاق الإباحة**'' بیان کیا ہے، حالانکہ جمہور فقہاء کے نزدیک اصل حظر وممانعت ہے۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن عمرانی نے قائلین معاوضہ کے دلائل کا رد کیا ہے، اس کا اختصار آگے آرہا ہے، انہوں نے اصولی طور پر عورت کو شوہر کے غلط تصرف سے بچانے کا یہ فکرہ مغربہ قرار دیا ہے، اور یورپین عدالتوں نے اس کا پہلے فیصلہ دیا، پھر ادلہ قائلین کا جائزہ اس طرح لیا ہے:

جائزہ:

ا- یہ کہنا کہ ظلم اسلام میں حرام ہے، اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ ظلم کوئی ایمرجنسی معاملہ ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اللہ نے جب طلاق مشروع کیا ہے تو اسے یہ معلوم ہے کہ کچھ لوگ اس کا غلط استعمال بھی کریں گے، جس سے عورت کو ضرر لاحق ہوگا۔

عدل تو زندگی کے تمام امور میں پسندیدہ اور مطلوب ہے، عدل وے ناواقف کو اس کی دعوت دی جاسکتی ہے نہ کہ عدل کا مطالبہ کیا جائے، جب شارع نے پہلی بار ہی عدل پر مبنی احکام وضع کئے ہیں اور ظلم کی نفی کی ہے تو پھر اس کا کیا مطلب؟

ب- مال غیر کے تلف کرنے والے پر قیاس کرکے شوہر کو ضامن بنانا کہ اس نے بیوی کا حق ضائع کیا ہے، یہ قیاس درست

نہیں، کیونکہ طلاق نص سے ثابت ہے، اور قرآن وحدیث میں معاوضہ کی صراحت نہیں، پھر ممکن ہے وہ عورت شادی کرلے اور ضرر کی تلافی ہوجائے، البتہ مدخول بہا کے لئے شوہر سے خلع کرنا عورت کی رضامندی سے عوض کے بالمقابل مشروع ہے۔

اسی طرح متعہ مطلقہ پر قیاس بھی درست نہیں کیونکہ متعہ اصلا مطلقات کے لئے مشروع ہے۔

ج-رفع ضرر کے قاعدہ سے استدلال درست نہیں، کیونکہ شارع نے رفع ضرر پر طلاق کے منصوص احکام رکھے ہیں (الاجتہاد الفقہی المعاصر ص ۴۸۸ تا ۴۹۰)۔

اسباب طلاق میں ایک سبب ظلم ہے، یعنی بغیر کسی معقول سبب کے طلاق دینا، لیکن اس کو ثابت کرنا مشکل ہے، طلاق ہمیشہ مثبت وسائل کے تابع نہیں ہوتی، "فإن کرھتموھن فعسی أن تکرھوا شیئا......الخ" (سورۂ نساء:۱۹) اسی طرح عورت بغیر کسی ظاہری سبب کے خلع لے تو اس کی اجازت ہے، ہاں اگر یہ مشہور ہوجائے کہ کوئی شخص باکرہ عورت سے شادی کرنے کے لئے طلاق دے رہا ہے تو اسے زجر اور تنبیہ کرنا مناسب ہے (ایضا:۴۹۰-۴۹۱)۔

ظالمانہ طلاق پر مالی ہرجانہ سے حسب ذیل اشکالات ہوتے ہیں:

۱-یہ تمام مطلقات کو شامل ہے خواہ مدخول ہوں یا غیر مدخول بہا، جبکہ یہ معلوم ہے کہ غیر مدخول بہا کو طلاق عموما زوجین کی غلط فہمی کے سبب ہوتی ہے، لہذا عام طور پر طلاق، متوقع مفسدہ کو روکنے کے لئے ہوتی ہے، طلاق قبل الدخول میں عورت نصف مہر کی مستحق ہے، حالانکہ اس نے کچھ نہیں کھویا، پھر وہ اپنے طلاق کا معاوضہ کس حق کی بنا پر لے رہی ہے؟

۲-یہ کاروائی اور قانون غیر ظالمانہ طلاق دینے پر بھی قدغن لگادے گا۔

۳-اللہ تعالی نے مطلقہ کے جو حقوق واجب کئے ہیں، ان کا استحضار نہیں رہے گا۔ فقہاء عورت کے جن حقوق پر متفق ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ معتدہ رجعیہ کو نفقہ ملے گا، اور نفقہ میں اس کی خوراک، پوشاک، رہائش اور متعہ داخل ہے، خواہ شوہر نے اسے طلاق صحیح دیا ہو یا غلط (الاجتہاد الفقہی المعاصر ۴۹۱ تا ۴۹۵)۔

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی مرحوم ظالمانہ طلاق پر جو بغیر کسی معقول سبب کے ہو، معاوضہ دلانے کے نہ صرف قائل بلکہ داعی اور وکیل ہیں، ان کا ماننا ہے کہ بسا اوقات عورت نادار یا اتنی بوڑھی ہوتی ہے کہ دوسری شادی کی امید نہیں ہوتی، تو ایسی صورت میں بلا شوہر رہنے سے اس کا خرچ کون برداشت کرے گا، اور ضرر کی تلافی کیسے ہوگی؟

اللہ تعالی نے بعض مطلقات کے لئے متعہ کا حکم دیا ہے اور بعض کے لئے اس کی ترغیب دی ہے، اور متعہ کی کوئی مقدار اور حد متعین نہیں، قرآن میں "بالمعروف" سے مقید کیا ہے، اس میں شہر، زمانہ، عرف، اور مرد وعورت کی حالت اور ضرر کی مقدار کا اندازہ کر کے متعہ کا تعین ہوگا، تاکہ مطلقہ کا رنج والم ہلکا ہو، اور متعہ کو درہم اور نقد کی شکل میں متعین کرنا بھی جائز ہے۔

ڈاکٹر موصوف یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلام کے عادلانہ نظام اور منصفانہ اصول نے عورت کو مجبور محض بنا کر سنگ دل اور ظالم شوہر کے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کیا ہے، بلکہ عورت کو شادی کے وقت طلاق اپنے اختیار میں رکھنے کی شرط لگانے کا حق دیا ہے، اور اس کو

یہ سہولت بھی دی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے چھٹکارہ حاصل کرلے اور طلاق لینے سے شوہر کولاحق ہونے والے مالی خسارہ کا معاوضہ اپنے ذمہ لے، اور یہ ''خلع'' یا ''مخالعۃ'' کا راستہ ہے، جس طرح اسلام نے عورت کو فسخ وتفریق کا حق دیا(المرأۃ بین الفقہ والقانون رص ۱۴۶-۱۴۷)۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی☆

۱-تعزیر بالمال کا مفہوم؟

تعزیر بالمال کا مفہوم فقہاء نے مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے:

تعزیر کا مفہوم (۱) ''هوتاديب دون الحد''(حد شرعی سے کم درجہ کی سزا کے ذریعہ تنبیہ وتادیب کرنا) (ابن نجیمؒ، البحر الرائق ۵/۶۷ زکریا دیوبند)۔

(۲) ''وفی الإصطلاح هوعقوبةٌ غیرمقدرة شرعاً. تجب حقاًللّٰه أولآدمی فی کل معصيةٍ ليس فیهاحدولاكفارة غالباً''۔ (الموسوعة الفقهية الكويتيه ص۲۵۴/ج۱۲۔بحواله المبسوط للسرخی ۳۶/۹ فتح القدير ۷/ ۱۱۹ طبع الميمنية۔وكشاف القناع ۷۲/۴۔المطبعة الشرقيه بالقاهره۔ والاحكام السلطانيه للماوردی ص۲۲۴۔مطبعة السعاده۔ ونهاية المحتاج ۷/۲۷ وقليوبی ۲۰۵/۴)(فقہی اصطلاح میں تعزیر شرعی طور پر غیر متعین سزا جاری کرنے کا نام ہے جو حق اللہ یا حق الانسان کی خاطر ہر ایسی معصیت میں واجب ہے جس میں حد وقصاص یا کفارہ لازم نہ ہو۔زیادہ تر یہی مفہوم مراد ہوتا ہے)۔

لیکن کبھی غیر معصیت میں بھی تعزیر کا حکم جاری ہوتا ہے۔

'' والتاديب للاولاداوللزوجة عندهم تعزيراً. لدفعهٖ وردهٖ عن فعل القبائح ويكون التعزير بالقول وبالتأنيب ويكون بالضرب والحبس ويكون بالغرامة المالية حسب مايقتصنيه حال الفاعل ومايراهُ الحاكم من المصلحة للجانی''(الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص۳۰۶/ج۵ عثمان اینڈ کمپنی دیوبند)(اولاد اور بیوی کی تادیب وتنبیہ فقہاء کے نزدیک تعزیر ہے تاکہ وہ فعل قبیح کے ارتکاب سے رک سکیں تعزیر قول وتوبہ کرانے سے بھی ہوتی ہے اور کبھی مار پیٹ اور قید ومالی جرمانہ سے بھی ہوتی ہے جو مجرم کے حسب حال ہو یا حاکم جو کچھ بھی مجرم کی مصلحت کے مطابق مناسب سمجھتا ہے)۔

''قال القليوبی: هذه الظابطة للغالب فقد يشرع التعزير ولامعصية كتأديب طفل وكافر۔ وكمن يكتسب بالة لهو لامعصية فيها''(حاشیہ الموسوعۃ الفقہیہ ۲۱/ ۲۵۴)(علامہ قلیوبی کہتے ہیں کہ تعزیر کا تعلق زیادہ تر ارتکاب معصیۃ

☆ شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ یوپی۔

وجرم سے روکنے کے لئے ہوتا ہے،لیکن کبھی بلا فعل معصیت پر بھی تعزیر ہوتی ہے، جیسے کسی بچے اور کافر کو تنبیہ کرنا یا کسی ایسے سامان لہو سے کمانا جس میں معصیت نہ ہو)۔

بہر حال یہ عمومی تعزیر کا مفہوم ہے جو کثیر الجہات اور مختلف الحیثیات ہے۔

تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کا مفہوم:

فقہاء کرام کی عبارتوں سے ''تعزیر بالمال'' اور'' تعزیر باخذ المال'' کا مفہوم بلا فرق ایک ہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی نقل کرتے ہیں:

''**وفی ''شرح الآثار'': التعزیر بالمال۔کان فی ابتداء الإسلام ثم نسخ۔ والحاصل أن المذهب عدم التعزیر ''بأخذالمال''**(ردالمحتار۔کتاب الحدود مطلب فی التعزیز باخذ المال ص۱۰۶/ج۶ زکریا دیوبند)(شرح الآثار میں ہے کہ'' تعزیر بالمال'' ابتداء اسلام میں جائز تھا پھر بعد میں منسوخ کردیا گیا۔اور خلاصہ یہ ہے کہ اصل مذہب میں '' تعزیر باخذ المال'' جائز نہیں ہے)۔

عام طور پر فقہاء نے دونوں جملوں کو ایک ہی معنی میں '' العقوبۃ المالیہ اور الغرامۃ المالیۃ'' سے تعبیر کیا ہے۔لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کی عبارت سے '' تعزیر بالمال'' اور'' تعزیر باخذ المال'' میں فرق معلوم ہوتا ہے۔

''**وخالف ابن تیمیه وابن القیم فقالا:إن''التعزیربالمال''سائغ اتلافاًوآخذاً''**(الموسوعۃ الفقہیہ ص۲۷۱/ج۱۲۔بحوالہ کشاف القناع ص۴۷-۵۷/ج۴- وشرح المنتہی علی ہامشہ ص۱۱۰۔والحسبۃ ص۴۰-والاحکام السلطانیہ لابی یعلی ص۲۹۵) (اور ابن تیمیہ اور ابن القیم نے عدم جواز کی مخالفت کی ہے ان دونوں حضرات نے کہا کہ مالی جرمانہ کثیر الوقوع ہے مال کو ضائع کرکے ہو یا مال کو لے کر ہو)۔

امام احمد بن حنبل کی عبارت میں بھی ''**یحرم التعزیر بأخذالمال أو اتلافه**'' ہے(الموسوعہ الفقہیہ ۱۲/۲۷۱)۔

تعزیر بالمال اور باخذ المال میں فرق:

ان تینوں فقہاء کی مذکورہ بالا عبارت میں واقع'' اتلافاو آخذاً''اور''بأخذالمال أو اتلافه'' سے پتہ چلتا ہے کہ مالی جرمانہ میں اتلافِ مال الگ حکم ہے اور اخذِ مال علیحدہ حکم ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ'' اتلافِ مال کا حکم تعزیر میں ماخوذ شخص کے قیمتی سامان کو ضائع کرنا یا اس کے مال کے کچھ حصے کو ہلاک و برباد کردینا تعزیر بالمال ہے اور مجرم شخص کے مال سے بطور جرمانہ کچھ لے لینا تعزیر باخذ المال ہے۔اور اس فرق کا اثر حکم پر بھی پڑتا ہے۔

تعزیر بالمال و باخذ المال کے فرق سے حکم پر اثر:

پہلی صورت تعزیر باتلاف مال کا جواز فقہاء احناف سے بھی منقول ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ اس حکم کا تعلق صرف مال خبیث کے ضیاع و اتلاف سے ہو جس کا مال محترم ہونا ساقط ہوگیا ہو، بلکہ مالِ محترم اور حلال مال سے بھی تعلق ہے جو مفاد عامہ کے لئے

خلل انداز ہو رہا ہو مندرجۂ ذیل عبارت میں اس حکم کو ملاحظہ کیا جائے۔

''وقال العلامه طاهربن عبدالرشيد رحمهٔ الله تعالى بعدذكر جواز إحراق بيت الخمار وتخريب دارالفساق وكسردنان الخمروشق زقاقهاواتلاف المعازف، وفى فتاوى النسفى: المستحب إذانهى القطان عن وضع القطن على طريق العامة، فلم يمتنع فأوقدالمستحب النار على قطنه وأحرقه يضمن، إلاإذاعلم فساداً فى ذالک ورأى المصلحة فى إحراقه. وكذاقال العلامه المخدوم محمد جعفرالسندى رحمهٔ الله تعالىٰ'' (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۴۷ ر ج ۴۔ احسن الفتاوی ص ۵۶۴ ر ج ۵ المتانہ ص ۵۵۰، ۵۵۳ وایضاً) (اور علامہ طاہر بن عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ نے شراب خانے اور فساق کے گھر کو جلا دینے اور شراب کے مٹکے کو توڑ دینے اور شراب کی تھیلی کو پھاڑ دینے اور گانے بجانے کے آلات کو برباد کر دینے کے جواز کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ: فتاویٰ نسفی میں ہے کہ اگر چیکنگ افسر (محتسب) نے روئی فروش کو عام راستے میں روئی ڈالنے کو منع کیا اور وہ شخص باز نہیں آیا تو محتسب نے اس کی روئی کو آگ لگا کر جلا دیا تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ لیکن اگر محتسب نے یہ محسوس کر کے یہ کام کیا کہ اس سے عام لوگوں کو پریشانی کا سامنا ہوگا اور اس کے جلا دینے میں مصلحت سمجھی تو کوئی ضمان نہیں)۔

یہی بات علامہ مخدوم محمد جعفر سندھیؒ نے بھی کہی ہے۔

ایک ضروری وضاحت:

یہاں یہ واضح رہے کہ اس صورت مسئلہ کو تضمین قرار دے کر تعزیر بالمال کا انکار کرنا، جیسا کہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ خالص تحکم اور اپنی غیر حقیقی رائے کو زبردستی دوسرے پر تھوپنے کی کوشش ہے۔ کیونکہ تعزیر بالمال کی بعض صورتیں تعزیر سے متعلق ہونے کے ساتھ تضمین سے بھی جڑ جاتی ہیں۔ اور دونوں حکموں کے ایک ساتھ پائے جانے میں کوئی باہمی تضاد نہیں ہے کہ ایک کے اقرار سے دوسرے کا انکار لازم آتا ہو۔ غور طلب ہے کہ جب محتسب نے مصلحت عامہ کی رعایت یا حکم شریعت کے تحفظ اور اس کی خلاف ورزی کرنے کی سزا کے طور پر یا مرتکب فعل قبیح کو اس کی عادت وحرکت سے باز رکھنے کے لئے اتلاف مال کا اقدام کیا ہے تو اس کو اصطلاح فقہ میں تعزیر بالمال کے علاوہ اور کیا کہا جائے گا۔ تضمین کا مسئلہ تو اس وقت پیدا ہوگا جب اس کام کو اس نے اپنی من مانی اور انا کی تسکین کے لئے کیا ہو۔ بہر حال تضمین یہاں اصل مسئلہ نہیں، بلکہ امر لاحق ہے جو بعد میں شامل ہوا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

''(وقوله قالا)هذاالاختلاف فى الضمان دون إباحة اتلاف المعازف (أى يباح اتلاف المعازف من غير خلاف)........وإلالم يضمن اتفاقا؛ لأنه لولم يكسرها لعادإلى فعله القبيح'' (درمختار ص ۱۴۹ ر ج ۵) (صاحبین کا اختلاف ضمان کے بارے میں ہے نہ کہ گانے بجانے کے سامان کو اتلاف کرنے میں۔ کیونکہ اتلاف تو بالاتفاق جائز ہے، کیونکہ اتلاف نہ کرنے سے وہ شخص پھر اسی فعل قبیح کی طرف لوٹ جائے گا)۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ تعزیز بالمال کی مذکورہ بالاصورتیں سارے فقہاء کی عبارتوں میں مصرح ہیں۔اورعندالاحناف ان کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تعزیر باخذ المال:

اسی عنوان سے ائمہ اربعہ اورخصوصی طور پرفقہاءاحناف نے باستثناء امام ابویوسفؒ وغیرہ ''مالی جرمانہ'' کو ناجائز اورحرام قرار دیا ہے۔کیونکہ لفظ ''اخذ'' سے دوسرے کامال بزورو زبردستی لے لینے کی طرف اشارہ نکلتا ہے۔مالی جرمانہ کے ناجائز ہونے پرجن آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ سے استدلال کیا جاتا ہے وہ غالباً اس نکتہ ''اخذ'' سے تعلق رکھتی ہیں۔ورنہ یہاں بھی کچھ بحث ونظر کی گنجائش موجود ہے۔

۲-مالی جرمانہ کے بارے میں حنفیہ کا مذہب:

اگراوپر ذکر کردہ فرق کوملحوظ رکھا جائے توحنفیہ کامعروف مذہب جواز کا ہے اوراگرفرق کونظرانداز کردیا جائے تو پھر حنفیہ کا معروف مذہب عدم جواز کا ہے،البتہ دلائل کے تجزیے سے مذہبِ اول ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔

۳-تعزیر بالمال کی بابت ائمہ حنفیہ میں کیا کسی کا قول جواز کا ہےاوراس کی کیا حیثیت ہے؟

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے تعزیر بالمال کا جواز منقول ہے،لیکن زیادہ تر فقہاء احناف نے اس کوقول ضعیف قرار دے کرعدم جواز کا ہی فتوی دیا ہے۔تاہم کچھ فقہاء نے امام ابویوسف کا قول بھی اختیار کیا ہے۔اوراس سلسلے میں ان کی اپنی دلیلیں بھی ہیں جوقابل توجہ ہیں اوراگرتعزیر بالمال کا وہی مفہوم معتبر مانا جائے جس کا ذکراوپر ہو چکا ہے تو پھراکثرفقہاءاحناف کے نزدیک جواز ہی راجح ہےاوراسی پرفتوی بھی دیا گیا ہے۔

۴-کیافقہاءحنفیہ میں کسی کا فتویٰ اس قول کے موافق ہے؟

تعزیر بالمال اتلافا کے جواز کا فتویٰ بہت سے فقہاء سے منقول ہے:علامہ علاتی،علامہ ابن عابدین شامی،امام کردری،فقیہ ابوبکر بلخی،علامہ بزاز،علامہ طحطاوی،علامہ حموی،علامہ برجندی،علامہ ابن نجیم،علامہ طاہر بن عبدالرشید،علامہ مخدوم ابوجعفرسندھی وغیرہ۔

فقہاء کے اقوال کتب فقہ کے متون وشروح اور فتاویٰ کی کتابوں میں موجود ہیں(تفصیل کے لئے دیکھیے:ردالمختار ص۱۸۶رج۳ مجمع الانھرص۶۰۷رج۲۔خلاصۃ الفتاویٰ ص۳۳۷رج۴۔التاتانیہ ص۵۵۰-۵۵۳۔فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ ص۴۳۰رج۶۔طحطاوی علی الدرص۴۱۱وغیرہ)۔

بحث ونظر:

یہاں قابل ذکر یہ بھی ہے کہ تعزیر باتلاف الاموال کے جواز کومولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہٗ اللہ نے بھی تسلیم کیا ہے

لیکن انہوں نے اس جواز کو اپنی طبع زاد اصطلاح ''تعزیر فی المال'' سے جوڑا ہے۔ حالانکہ اس اصطلاح کا کتب فقہ میں کہیں وجود نہیں۔ یہ نہ کوئی فقہی اصطلاح ہے نہ شرعی اور نہ بحث ونظر کے اعتبار سے اس کا کوئی جواز ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مال محلِ تعزیر نہیں بلکہ ذریعۂ تعزیر ہے اس واسطے فقہاء متاخرین ومتقدمین نے اس کو تعزیر بالمال کے ذیل میں رکھا ہے۔ اگر اس کو اس عنوان سے نکال کر اپنی الگ اصطلاح ''تعزیر فی المال'' میں داخل کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ تعزیر اس قابل ہلاکت مال رکھنے والے شخص کی نہیں ہورہی ہے۔ بلکہ خود مال کی ہورہی ہے، جبکہ مال میں قبولِ تعزیر کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ پھر اس نئی اصطلاح سے پچھلے فقہاء پر لاعلمی اور جہالت کا الزام آئے گا جو تعزیر بالمال کی جگہ ''تعزیر فی المال'' کی اصطلاح سے ناواقف رہے۔ اور جن مسائل کا تعلق ''تعزیر فی المال'' سے تھا ان کو اپنی جہالت کے سبب ''تعزیر بالمال'' سے وابستہ کردیا۔

تعزیر باخذ المال کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ:

جہاں تک تعزیر باخذ المال کے جواز وعدم جواز کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ائمہ اربعہ عدم جواز کے قائل نظر آتے ہیں۔ لیکن امام ابو یوسف اور حنفیہ میں علامہ علاء الدین طرابلسی صاحب ''معین الاحکام'' اور علامہ زاہدی صاحب ''المجتبیٰ'' امام کردری، مولانا رکن الدین ابو یحییٰ خوارزمی امام ظہیر الدین التمر تاشی جواز کے قائل ہیں۔

'' **والتعزیر بأخذالمال إن کانت المصلحة فیه جائزة...ومن جملته من لا یحضر الجماعة یجوز تعزیرهٔ بأخذالمال**'' (الزازمہ علی ہامش الہندیہ ص ۴۲۷ رج ۴) (صاحب معین الاحکام کے مطابق خود امام مالک اور مالکیہ میں محمد بن عبداللہ قرشی......حنابلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قول قدیم میں، ظاہریہ میں ابو محمد بن حزم صاحب المحلیٰ، جواز کے قائل ہیں) (المحلی ص ۳۲۴ رج ۱۱)۔

واضح رہے کہ علاء الدین طرابلسی، علامہ زاہدی، ابن تیمیہ، ابن القیم پر حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ لدھیانوی کی تنقید خود قابل تنفیذ ہے اور مذکورہ قائلین جواز کی دلیلیں اتنی پختہ ہیں کہ نقد ونظر کے بعد انہیں رد کرنا آسان نہیں۔ یہ مقالہ اس کی اجازت نہیں دیتا ورنہ آئینہ دکھایا جاسکتا تھا۔

۵- ائمہ ثلاثہ یا مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال اس بابت کیا ہیں؟ کیا ان مذاہب میں اس بابت کچھ گنجائش منقول ہے؟

تعزیر باخذ المال کے سلسلے میں ائمہ اربعہ ان کے اکثر اہل مذہب کے نقل کے مطابق عدم جواز کے قائل ہیں۔ تاہم ائمہ اربعہ کے بعض جلیل القدر مقلدین ائمہ وفقہا اس کے جواز پر دلائل کے ساتھ اصرار کرتے ہیں۔ اگر تعزیر باخذ المال کے یہ معنی مراد لئے جائیں کہ حاکم وقاضی یا قوم کا ذمہ دار سربراہ مال لے کر اپنے پاس امانت رکھ لے اور مجرم شخص جس سے مالی جرمانہ وصول کیا گیا ہے اپنے فعل بد سے تائب ہوجائے تو اسے واپس کردے۔ یا توبہ سے پہلے مرجائے تو اس کے ورثاء کو لوٹا دیا جائے اور توبہ سے مایوسی ہوجائے تو رفاہ عام میں خرچ کردیا جائے تو اس صورت میں غالباً کسی امام وفقیہ کا کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ اور اگر حاکمِ وقت بیت المال

(سرکاری خزانے) میں جو رفاہ عام کا ادارہ ہوتا ہے اس رقم کو جمع کردے بشرطیکہ وہ ظالمانہ کاروائی کے طور پر ایسا نہ کرے۔ تو اس تعزیر مالی کے جواز کی گنجائش اکثر فقہاء نے بیان کی ہے کیونکہ عدم جواز کی بنیاد بلاسبب شرعی کسی کا مال ہڑپ لینے پر ہے اور اس صورت میں وہ مفقود ہے اور بنیاد شرعی برائے جواز اخذ مال یہاں موجود ہے اور وہ ہے: ''**جز رعن المعاصی وتقویة مفاد العامة وتجنیب المعاشرة عن المنکرات الشرعیة وتحفیظ حقوق اللّٰہ تعالیٰ والإنسان وصیانتہٗ عن الشروالفساد، وقیام واجبات المدنیة**''۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی تعزیر بالمال کی بعض صورتوں میں تاویل کے ساتھ اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اور حاکم وقت کے لئے رفاہِ عام میں خرچ کرنے کا رجحان ظاہر کیا ہے (امداد المفتمین ص ۴۸۹، ۵۰۱، ۵۰۲ رج ۵ زکریا دیوبند)۔

۶- کیا موجودہ دور میں جرائم سے روکنے کے لئے مالی جرمانہ کے جواز کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے؟

یہ سیکولر ڈیموکریسی یعنی غیر مذہبی جمہوریت کا زمانہ ہے شخصی حکمرانی کا دور نہیں اس دور کی حکومتوں میں مالی جرمانہ کے فیصلے کورٹ اور عدالت سے ہوا کرتے ہیں اور اس جرمانہ کی رقم کو حکمران شخص یا حکمران جماعت براہ راست اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لا سکتی بلکہ اس کے مصارف کا تعین بھی سرکاری عدالت ہی کرتی ہے۔ اور جرمانے کے مال سے شخص واحد یا جماعت کے مفاد کا تعلق نہیں ہوتا بلکہ سرکاری قوانین کے مطابق وہ سرکاری خزانے کا حصہ ہوتا ہے جو رفاہِ عام میں خرچ ہوتا ہے ایسی صورت حال میں دینی، سماجی و اخلاقی نظم وضبط قائم رکھنے کے لئے، مالی جرمانہ وصول کرنے کی گنجائش نکلتی ہے۔ اور فقہاء کی تصریح کے مطابق حاکم، سلطان، اولوالامر، قاضی یا حکومت نے جس شخص کو یہ ذمہ داری سپرد کی ہو کے لئے شریعت میں مالی جرمانہ وصول کرنے کا جواز بیان کیا گیا ہے۔ کتب حدیث آثار وقضایا صحابہ اور کتب فقہ سب میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ بہت سے حوالے پیچھے صفحات میں نقل کئے جا چکے ہیں۔ کچھ یہاں بھی صاحب ''معین الاحکام'' کی عبارت میں دیکھئے:

''قال صاحب معین الحکام'' ومنھا:أمرہٗ علیہ الصلوٰۃ السلام بکسردنان الخمر وشق ظروفھاومنھا:أمررسول اللّٰہ ﷺ یوم خیبربکسرالقدور التی طبخ فیھا لحم الحمرالاھلیة ثم استاذنوہ فی غسلھافاذن لھم فدل علی جواز الامرین: لأن العقوبة بالکسرلم تکن واجبةً، ومنھا:تحریق عمررضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ المکان الذی یباع فیہ الخمر۔ ومنھا:تحریق عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قصر سعد بن ابی وقاص رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ لمااحتجب فیہ عن الرعیة وصار یحکم فی دارہٖ۔ومنھامصادرة عمررضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عمالہٗ بأخذ شطرأموالھم فقسمھا بینھم وبین المسلمین۔ومنھا:إن عمررضی اللّٰہ تعالی عنہ لماوجدمع السائل من الطعام فوق کفایتہٖ وھویسآل۔اخذ مامعہٗ من الطعام وأطعمہٗ أھل الصدقة وغیر ذالک۔ ممایکثرتعدادہٗ۔وھذاہٖ قضایاصحیحة معروفة۔ قال ابن القیّم الجوزیة: وأکثرھٰذہٖ المسائل سائغة فی مذھب احمد رحمہٗ اللّٰہ تعالی'' (معین الحکام ص ۲۳۲۔ احسن الفتاویٰ ص ۵۶۵ رج ۵) (صاحب ''معین الحکام'' نے کہا کہ (۱) انہیں

دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کے مٹکے کو توڑ دینے اور شراب کی تھیلیوں کو پھاڑ دینے کا حکم دیا۔(۲) انہیں میں سے یہ دلیل بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے موقع پر جن ہانڈیوں میں گھریلو گدھوں کا گوشت پکایا گیا تھا انہیں توڑ دینے کا حکم دیا۔ پھر بعد میں لوگوں کو انہیں دھو کر استعمال کی اجازت مرحمت فرمادی۔ پس اس سے دو باتوں کا جواز معلوم ہوا۔ اس لئے کہ دیگچوں کو توڑنے کی سزا کا حکم واجب نہیں تھا۔(۳) انہیں میں سے یہ بھی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس مکان کو جلا دینے کا حکم دیا جس میں شراب فروخت کی جاتی تھی۔(۴) انہیں میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اس محل کو جلا دینے کا حکم دیا جس میں وہ پبلک سے چھپ کر بیٹھ جاتے تھے اور اپنے گھر میں ان کے فیصلے کرتے تھے۔(۵) اور انہیں میں سے یہ بھی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری کارندوں کے آدھے، مال کو چھین کر اُنہیں عُمال اور عام مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔(۶) اور انہیں میں سے یہ بھی ہے کہ عمر رضی اللہ نے ایک بھکاری کے پاس جب اس کی ضرورت کے لئے طعام سے زاید پایا اور وہ پھر بھی بھیک مانگ رہا تھا۔ تو اس کے پاس جو کچھ کھانا تھا اسے لے کر صدقہ کے اونٹوں کو کھلوا دیا وغیرہ وغیرہ۔ دلائل کثیر تعداد میں ہیں اور یہ سارے فیصلے صحیح اور مشہور ہیں۔ علامہ ابن القیم جوزی کہتے ہیں کہ اس قسم کے اکثر مسائل امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب میں جائز ہیں)۔

فتویٰ میں حالات زمانہ کی رعایت:

حضرات فقہاء نے دورِ ماضی کے حکام کے ظالمانہ رویہ کے پیش نظر عدم جواز کا فتویٰ دیا تھا: "**ولا یفتی بهذا لمافیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس فیأکلونه**" (ردالمحتار ۶/۱۰۶، فتح القدیر ۵/۳۳۰، فتاویٰ ہندیہ ۲/۱۶۷) (اور امام ابو یوسف کے قول پر جواز کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ اس بہانہ سے ظالم حکمراں لوگوں کے مال کو چھین کر حرام خوری کرنے لگیں گے)۔

اور آج کے حالات بالکل دوسرے ہیں۔ یہاں ووٹ کے ذریعہ حکمراں منتخب ہوتے ہیں اور پورا قانونی ادارہ موجود ہوتا ہے جس کے ذریعہ خود حکمرانوں پر تعزیر جاری کی جاتی ہے۔ اور ان کی مالی حرام خوری پر سخت احکام نافذ کئے جاتے ہیں، لہٰذا مالی جرمانہ سے وہ براست کچھ کھا نہیں سکتے۔ اس لئے اب عدم جواز کا فتویٰ بھی برقرار نہیں رہنا چاہئے۔

مالی جرمانہ کے جواز میں جن فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ: "**ثم إنما یردهٗ الیه إذا تاب۔ فإن أیس من توبته یصرفهٗ الإمام إلی مایری**" (ردالمحتار ۴/۶۱، النہرالفائق ۳/۱۶۵، البحرالرائق ۵/۶۸) (جرمانہ کے مال کی واپسی اس وقت کی جائے گی جب ماخوذ شخص توبہ کرے اور اگر توبہ سے مایوسی پیدا ہو جائے تو امام اپنی صوابدید کے مطابق جہاں مناسب سمجھے خرچ کر دے)۔

حضرت تھانویؒ نے اپنے فتوی میں لکھا: "اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں وہ مال اس کو ملا نہیں۔ پورا خوف (ماخوذ ہونے کا) حاصل ہے مگر یہ سب سلطان کے لئے ہے" (امداد المفتیین ۵/۵۰۷)، یہ دونوں باتیں خود جواز کی طرف مشیر ہیں ورنہ تاویل کی ضرورت کیا تھی۔

دورِ حاضر کے حالات کا تقاضا:

موجود دور کے حالات یہ ہیں کہ زبانی مہائش اور تادیب ارتکاب جرم سے روکنے میں مؤثر ثابت نہیں ہو رہی ہے اور

حکومت کے قانونی دائرے میں جسمانی سزا دینا بھی ممکن نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ماں باپ بھی اپنی اولاد کی تادیب وسرزنش نہیں کر سکتے۔ ورنہ قانونی گرفت میں آ جائیں گے ایسی صورتِ حال میں مالی جرمانہ کے جواز کی گنجائش نکالنا ایک ضرورت بن چکی ہے۔ اور فقہاء نے حالات کی تبدیلی اور ضرورت کے پیش نظر نہ صرف خود اپنے امام فقہ کے قول ضعیف پر عمل کی گنجائش نکالی ہے، بلکہ دوسرے فقہی مذاہب کے امام کے قول پر عمل کرنے کا فتویٰ صادر کیا ہے، بلکہ اس پر حنفی فقہاء نے اتفاق کیا ہے، لہٰذا زیر بحث مسئلہ میں بھی مالی جرمانہ کے جواز کا فتویٰ دیا جائے تو اس کی پوری گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ مندرجۂ ذیل فقہی جزئیہ میں اس کی نظیر موجود ہے۔

''استدل الشافعی رحمہُ اللّٰہ بحدیث الباب علی مذھبہٖ فی أن الدائن إن ظفر بشیٔ من مال المدیون المماطل جازلہٗ استیفاء دینہٖ من ذالک المال۔سواء کان المال من جنس حقہٖ أوغیرہ..........غیران المتأخرین من الحنفیہ افتوافی ھذہِ المسئلۃ بمذھب الشافعی''(تکملہ فتح الملہم کتاب الاقضیہ باب قضیۃ الہند۔ ص ۵۷۸/ج ۲/دارالعلوم کراچی)(امام شافعی نے حدیث باب سے اپنے اس مذہب پر استدلال کیا ہے کہ قرضہ خواہ (دائن) ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے والے قرضہ دار (مدیون مماطل) کے کچھ مال سے اپنا قرض وصول کر لینے میں کامیاب ہو جائے تو وہ اس کے مال سے بقدر قرض وصول کر سکتا ہے خواہ اس کا مال قرض مال کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے متاخرین حنفیہ نے اس مسئلہ میں امام شافعی کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے)۔

''وقال القھستانی وفیہ إیماء إلی أن لہ أن یأخذمن خلاف جنسہٖ عندالمجانسۃ فی المالیہ۔وھذاأوسع فیحوزالأخذبہ وإن لم یکن مذھبنا فإن الانسان یعذر فی العمل بہٖ عند الضرورۃ۔ کمافی الزاھدی...... والفتویٰ الیوم علی جوازالأخذ عند القدرۃ من أی مال کان لاسیّمافی دیارنالمداومتھم للعقوق''(ردالمحتار۔ مطلب یعذر بالعمل بمذھب الغیر عندالضرورۃ ۴/۹۵،سعید کمپنی الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۲۷/۱۶، دارالکتب العلمیۃ بیروت)(علامہ قہستانی فرماتے ہیں کہ مذکورہ فتوی میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرض مال کے خلاف جنس مال سے بھی جب کہ وہ مالیت میں برابر ہو قرض خواہ کو اپنا قرض وصول کر لینے کی گنجائش ہے۔ اور اسی میں وسعت بھی ہے، لہٰذا اس طرح کی وصولی جائز ہے اگرچہ وہ ہمارا مذہب نہیں ہے، کیونکہ انسان ضرورت کے وقت مذہب غیر پر عمل کرنے میں معذور ہے، جیسا کہ'' زاہدی'' میں ہے۔ اور آج کے حالات میں فتوی اسی پر ہے کہ کسی بھی مالِ مدیون پر قدرت ہو جائے تو قرض وصول کر لینا جائز ہے۔ خاص طور پر ہمارے علاقے میں جہاں ادائے حقوق میں عقوق (نادہندگی) کی عادت لوگوں میں دائمی بن چکی ہے)۔

یہاں قابل غور ہے کہ جب تعزیر باخذ المال کے مسئلہ میں خود امام ابو یوسف کا قولِ جواز منقول ہے اور عدم جواز کی جو علت پچھلے دور میں تھی وہ بھی آج کے حالات میں باقی نہیں رہی تو پھر قولِ جواز پر فتوی دینے میں کیا حرج ہے۔

۷-تعلیمی اداروں میں مالی جرمانہ؟

مالی جرمانہ کے جواز پر بہت سے فقہاء احناف کے اقوال پچھلے صفحات میں نقل کئے جا چکے ہیں مسئلہ اگرچہ مختلف فیہ ہے مگر

حالات زمانہ کی رعایت سے جواز کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تاویل کے ساتھ جائز رکھا ہے۔اسے اختیار کر لینے میں احتیاط ہے۔

سوال:- اگر طلباء سے کوئی غلطی مثلاً غیر حاضری وغیرہ سرزد ہوجائے تو انگریزی قانون کے مطابق جرمانہ کیا جاتا ہے یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

جواب:- حنفیہ کے نزدیک بلا تادیل جائز نہیں ہے مگر اس صورت میں یہ تادیل ہوسکتی ہے کہ اس مہینہ میں جرمانہ کی مقدار کے برابر عمل کی اجرت زائد مقرر کردی جائے (امداد المفتیین ص ۴۸۹ ر ج ۵ زکریا دیوبند)۔

اسی مسئلہ سے متعلق دوسری جگہ لکھتے ہیں:

سوال:- ایک مدرسہ میں قاعدہ ہے کہ جب کوئی طالب علم وہاں داخل ہوتا ہے تو مہتمم مدرسہ اس کے وارث سے یا اس سے کہتا ہے کہ یہ بچہ یا تم اگر غیر حاضر ہوگے یا کوئی تقصیر کروگے تو تم کو آدھ آنہ یا زیادہ حسبِ قواعد مدرسہ علاوہ وظیفہ معہودہ کے بطریق جرمانہ دینا ہوگا اور یہ اس واسطے ہے کہ تم خود حاضر ہونے یا اپنے بچہ کے حاضر کرنے میں غفلت نہ کرو۔اور یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ یہ زر جرمانہ ہم خود نہیں کھاسکتے بلکہ بچوں کے حوائج مثلاً فرش وغیرہ میں صرف کردیتے ہیں۔اس ذرا سی قید پر فائدہ مرتب ہوتا ہے کہ بچے غیر حاضر نہیں ہوتے مگر بضرورت اور باجازت اور تعلیم و تعلم کا کام چستی و چالاکی سے ہوتا ہے۔اس قاعدہ میں کوئی قباحت شرعیہ ہے یا نہیں؟

جواب:- تعزیر مالی یعنی جرمانہ تو حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں اور حدیث: ''**لایحل مال امرئ مسلم إلابطیب نفس منه**'' اس کی موید بھی ہے۔پس جرمانہ کے طور پر تو یہ لینا درست نہ ہوگا۔البتہ اس کا ایک اور طریقہ ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ اس غیر حاضری پر اس طالب علم کو خارج قرار دیا جائے۔غیر حاضری کی سزا تو یہ ہوا اور آئندہ کو داخل کرنا بذمہ اہل مدرسہ واجب تو ہے نہیں مباح ہے۔مباح میں جو کہ متقوم ہو مال کی شرط لگانا جائز ہے اور یہاں مدرسہ کے مکان سے انتفاع، مدرسین سے تعلیم، یہ سب امور ایسے ہیں جن پر متولی کو اجرت لینا جائز ہے۔پس اس اجرت میں وہ پیسے لے لئے جایں اور اس تقریر کی تصریح کردی جایا کرے تاکہ عقد مبہم نہ رہے (امداد المفتیین ص ۵۰۳-۵۰۴ ر ج ۵ جدید مطول حاشیہ مفتی شبیر احمد صاحب زکریا دیوبند)۔

مگر ظاہر ہے کہ یہ تادیل دینی مدرسوں میں تو چل سکتی ہے۔سرکاری اسکولوں، اداروں اور خود مسلم نیم سرکاری یا غیر سرکاری تعلیم گاہوں میں نہیں چل سکتی اس لئے یہاں توسع پر عمل کی گنجائش ہونی چاہئے۔

۸-عام اداروں میں مالی جرمانہ کا حکم:

حضرت تھانویؒ کا موقف یہاں بھی عدم جواز کا ہے، لیکن یہاں بھی ایک حیلۂ جواز نقل فرمایا ہے:

''مگر ضرورت کے سبب ایک حیلہ سے اس میں ایک خاص گنجائش ہوسکتی ہے وہ یہ کہ فقہاء نے دو مختلف صورتوں میں دو مختلف اجرتیں مقرر کرنے کو جائز لکھا ہے۔سو اگر یوں کہہ لیا جاوے کہ اگر ٹھیک ٹھیک موافق معاہدہ کے کام کرتا ہے اور نوکری بھی

اگر چھوڑی تو موافق معاہدہ کے چھوڑی تب تو تمہاری اجرت تمام ایام کی اس حساب سے ہوگی مثلاً دس روپیہ ماہوار ہوگی۔تو حاصل وہی نکل آیا اور قواعد پر منطبق ہوگا۔احتیاطاً دوسرے علماء سے بھی تحقیق فرمالیجئے (امداد المفتیین ص ۴۹۷ ر ج ۵)۔

”وصح ترديدالاجربترديدالعَمل فى الثوب نوعاً وزمانافى الأول۔ وفى الدكان والبيت والدابة مسافةً وحملا“ (البحر الرائق ص ۵۲-۵۶ ر ج ۵ زکریا دیوبند)۔

کاروباری ادارے اور ہاؤسنگ سوسائٹیوں کے لئے دوطرفہ معاہدہ کرنا، جیسا کہ حیلۂ جواز میں بتایا گیا ہے آسان طریقۂ عمل ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔اور اس حیلہ سے مالی جرمانہ کا مقصد بھی پورا ہوجاتا ہے اس لئے مالی جرمانہ سے بچنا ہی مناسب ہے۔

۹-کیا پنچایتیں، انجمنیں انتظامی مصلحت سے مالی جرمانہ لگاسکتی ہیں؟

جن حضرات فقہاء کے نزدیک مالی جرمانہ ناجائز ہے وہ ہر صورت میں ناجائز ہے خواہ فیصلہ حاکم وسلطان کی طرف سے ہو یا برادریوں اور خاندانی پنچایتوں یا کاروباری انجمنوں کی جانب سے ہو۔البتہ جن ائمہ وفقہاء کے یہاں اس کا جواز ہے وہ حسب مصلحت اور حسب حالاتِ زمانہ، پنچایت انجمن اور برادری کے فیصلہ پر بھی لاگو ہے۔

”وقال العلامة المخدوم محمد جعفرالسندى رحمهُ اللّٰه تعالى: ولم يذكرمحمد رحمهُ اللّٰه تعالىٰ التعزيربأخذالمال، وقد قيل: روى عن ابى يوسف رحمهُ اللّٰه تعالى أن التعزير من السلطان بأخذالمال جائز۔فى المحيط؛ وقدروى عن ابى يوسفؒ الزجروالتعزير من السلطان جائز إن رأى المصلحة، وكذاجاز للقاضى؛ لأنه كالوالى۔وفى معنى أولى الأمرالإمام۔والقاضى،والمحتسب“ (التتانۃ ص ۵۴۵) (علامہ مخدوم محمد جعفر سندھیؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ نے تو تعزیر بالمال کا ذکر نہیں کیا۔لیکن یہ کہا گیا ہے کہ امام ابو یوسف سے روایت کی گئی ہے کہ بادشاہ کی طرف سے تعزیر اور تنبیہ جائز ہے اگر وہ اس میں مصلحت سمجھتا ہے۔اسی طرح قاضی کے لئے بھی اس لئے کہ وہ حاکم ہی کی طرح ہے۔اولوالامر (صاحبِ اختیار) کے معنی میں امام، قاضی اور منکرات کو چیک کرنے کا ذمہ دار بھی داخل ہے)۔

اسی لئے ماضی وحال کے فقہاء نے منکرات کو روکنے میں پنچایت اور برادری کے شوشل بائیکاٹ یا معاشرتی مقاطعہ کے فیصلے کا اختیار تسلیم کیا ہے اور اس پر اتفاق ہے۔اختلاف مالی جرمانہ میں ہے۔

”فتاویٰ دار العلوم“ میں ہے:

سوال-(۶۸۰۱) قومی پنچایت میں یہ قانون سرپنچ اور دیگر اشخاص نے مقرر کیا کہ جس شخص سے کوئی خطا سرزد ہو تو اس کی سزا روپیہ کا جرمانہ ہوگی لہٰذا یہ جرمانہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً- مال کا جرمانہ ناجائز ہے۔(۲) احکام شرعیہ کی پابندی کے لئے کوئی دوسری سزا ترک تعلقات وغیرہ کی دی جائے (فتاویٰ دار العلوم ص ۱۴۲ ر ج ۱۴ شیخ الاسلام دیوبند)۔

''احسن الفتاویٰ''میں ہے: پنچایت تادیب وتنبیہ کے لئے تمام شہادت اور قرائن وآثار قویہ کی بناء پر بھی معاشرتی مقاطعہ کا فیصلہ کرسکتی ہے۔اگرچہ شرعی نصاب شہادت موجود نہ ہو(احسن الفتاویٰ ص ۵۱۲ ر ج ۵)۔

''امداد المفتیین ''میں ہے:اگر حکام ملکی اس زمین دار کو باضابطہ ایسے اختیارات دے دیں مثلاً اس کے دیہات کا آنریری مجسٹریٹ بنادیں اور ایسے معاملات کے فیصلے کا صریحاً اختیار دے دیں تو اس کو بھی وہی حکم کرنے کا حق ہوگا جو حکام کو ہوتا ہے (امداد المفتیین ص ۵۰۶ ر ج ۵)۔

خلاصۂ بحث یہ کہ برادریوں، پنچایتوں اور انجمنوں کو تعزیری فیصلے کا باتفاق فقہاء اختیار ہے البتہ تعزیر مالی میں اختلاف ہے۔مگر ہمارے نزدیک جواز راجح ہے، جیسا کہ حالات حاضرہ کا تقاضا ہے اور فقہاء کے فتاویٰ اس سلسلے میں نقل کئے جاچکے ہیں۔

کثیر المطالعہ فقیہ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی فرماتے ہیں:''تنبیہ کے لئے یہ جرمانہ لینا جائز ہے''(فارسی سے ترجمہ)(فتاویٰ عبدالحیٔ ص ۸ ۴ ر ج ۳ زیر حاشیہ فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۴۳-۱۴۴)۔

مگراس مالی جرمانہ کو مجرم کے تائب ہونے تک بطور امانت محفوظ رکھا جائے اور توبہ کے بعد اسے واپس کردیا جائے۔توبہ نہ کرے یا توبہ سے مایوسی ہوجائے تو حسب مصلحت وضرورت مفاد عامہ میں خرچ کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

۱۰-کیا طلاق روکنے کے لئے مزید نصف مہر یا متعہ واجب کرسکتے ہیں؟

سورۃ بقرہ کی آیت ۲۳۶ اور آیت ۲۴۱ میں متعہ کو بیان کیا گیا ہے۔آیت ۲۳۶ میں ارشادِ ربانی ہے:

''لَاجُنَاحَ عَلَیکُم اِن طَلَّقتُم النّساءَ مَالَم تمسُّوهنَّ اَوْتَفرِضوالَهُنَّ فَرِیضَةً۔ومَتِّعُوهُنَّ عَلَی الُموسِعِ قَدْرَهٗ وعلی الُمُقترقَدْرُهٗ۔ مَتَاعاًبالُمعرُوفِ حقًّاعَلی المحسنین۔''(سورۂ بقرہ:۲۳۶)(کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو۔اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو ان کے لئے کچھ مہر۔اور ان کو کچھ خرچ دو۔مقدور والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اس کے موافق۔جو کچھ خرچ کہ قاعدے کے موافق ہے۔لازم ہے نیکی کرنے والوں پر)۔

یہاں غور کیا جائے کہ مطلقہ کی چار صورتوں میں سے اُس صورت کا بیان ہے جب نہ مہر مقرر ہو نہ ہمبستری ہوئی ہو۔یہ قرآنی قانونِ طلاق اور ضابطہ طلاق کا بیان ہے۔اور اس میں نفی جناح یعنی کسی گناہ، حرج، اور تھانویؒ ترجمہ کے مطابق کچھ(مہر کا) مواخذہ نہ ہونا بیان ہوا ہے۔پھر حکم متعہ کو موکد کرنے کے لئے بصیغۂ امر''مَتِّعُوهُنَّ''سے وجوب حکم کو ارشاد فرمایا گیا ہے۔کیونکہ یہ متعہ درحقیقت غیر مقرر مہر کا بدل ہے اور زن وشوئی کے عدم تعلق کے باوجود طلاق سے رشتۂ نکاح سے وابستگی کی انسیت ٹوٹ جانے پر جو وحشت لاحق ہوئی ہے اس کو متعہ کی شکل میں دور کرنے کی ربانی حکمت ہے۔پھر اس قانون میں متعہ کی قدر کا تعین شوہر کے معاشی حالات کے اعتبار سے بالمعروف کی قید کے ساتھ کیا گیا ہے۔جس کے معنی خوش معاملگی اور حاکم کی زبردستی کے بغیر قاعدہ کے مطابق بیان کئے گئے ہیں۔

ایسی حالت میں طلاق کی افراط وتفریط اور اس کو روکنے کی کوشش کے طور پر متعہ کی ایک معقول حد مقرر کرنا یا گراں بار نقد کی

تعیین کرنا جس کے دباؤ اور اثر سے شوہر طلاق دینے سے باز آجائے۔نفی جناح کو جناح (گناہ) کے معنی میں کردنیا اور متعہ کے خدائی عدمِ تعین کو تعین سے بدل دینا لازم آئے گا جو قرآن کے مطلوب حکم کے خلاف ہوگا۔آگے حکم ربانی: ''قَدْفَرَضْتُمْ لهن فریضةً فَنِصْفُ مَافَرَضْتُمْ''(سورۂ بقرہ:۲۳۷)میں طے شدہ نصف مہر کے علاوہ مزید نصف مہر کو لازم کردینا جبکہ قرآن نے اسی آیت میں اسے محض ''فضل'' قرار دیا ہے جو شوہر کے اختیار پر موقوف ہے۔لہٰذا اس کو لازم قرار دینا حکم ربانی کے خلاف ہے۔

اب دوسری آیت ۲۴۱ پر بھی غور کیا جائے:

''وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بالمعروف حَقّاً عَلَی الْمُتَّقِیْنِ''(سورۂ بقرہ:۲۴۱)(اور طلاق شدہ عورتوں کو کچھ فائدہ بخش سامان دینا خوش معاملگی کے ساتھ پرہیز گاروں پر لازم ہے)۔

اس میں اگر پچھلی آیت میں مذکور غیر مدخول بہا مطلقہ کے حکم کا بیان ہو تو یہ آیت حکم سابق کی محض تائید و تاکید کے لئے ہوگی اور اگر مدخول بہا مطلقہ کا بیان ہو جو دوسری آیتوں میں تعین مہر کی صورت میں پوری مہر اور عدم تعیین کی صورت میں مہر مثل کے بیان پر مشتمل ہے۔اس میں کسی قسم کے اضافی مقدار کو لازم کرنا حاکم یا مفتی کی زبردستی ہوگی جو''معروف'' کے خلاف ہے اور''متقین'' پر خدا کے طے کردہ'' کامل مہر'' یا''مہر مثل'' کے حکم سے تجاوز کرنا ہے۔

حضرت تھانوی نے''بیان القرآن'' میں لکھا ہے:اور قاعدہ (معروف) سے مراد یہی تفصیل ہو جائے گی۔اور ہر صورت کے وجوب اور استحباب کا فرق دوسرے دلائل سے ثابت کیا جائے گا اور''حقا'' کو واجب کے معنی میں نہ لیں گے اور علیٰ الزام کے لئے نہ ہوگا بلکہ محض تاکید کے لئے......ہوگا گو درجہ استحباب ہی سہی (معارف القرآن ۲۳۹/ج ۱ اشرف دیوبند)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ متعہ میں کسی اضافی مقدار کو لازم کرنے کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

۱۱-بوقت نکاح طلاق کو روکنے کے مقصد سے مزید نصف مہر یا متعہ لازم کرنے کا حکم:

یہ اشتراط فی النکاح سے متعلق مسئلہ ہے، اور اس صورت مسئلہ کو قرآن کے مطابق نکاح کے وقت بطور شرط شامل نہیں کیا جاسکتا۔کیوں کہ اس سے تغیر حکم اللہ لازم آئے گا۔

''ماکان من شرط لیس فی کتاب اللّٰہ فھو باطل''(صحیح بخاری ۱/۳۷۷ باب اشروط فی الولاء)(جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے)۔

وضاحت:

واضح رہے کہ جہاں مہر طے شدہ ہے وہاں مہر سے زاید متعہ ایک تحفہ، عطیہ، ہدیہ، دلداری کا ذریعہ اور باہمی خوش معاملگی اور طلاق شدہ عورت سے اظہار ہمدردی ہے۔اس کا مہر سے کوئی لازمی تعلق نہیں ہے اور جہاں مہر طے نہیں ہے وہاں متعہ مہر غیر مسمی اور قبل الدخول طلاق میں واجب ہے اور مقدار کا تعین شوہر کے اختیار پر موقوف ہے۔اور اس میں کسی اضافی رقم کو بوقت نکاح بطور شرط متعہ میں لازم کرنا حکم قرآنی سے مطابقت نہیں رکھتا۔اسی طرح مہر مسمی وطلاق قبل الدخول کی صورت میں صرف نصف مسمیٰ کا وجوب

ہے نصف ثانی محض تبرع اور فضل ہے، لہٰذا اس کی ادائیگی کو بوقت نکاح شرط لگا کر لازم کرنا حکم قرآنی سے تجاوز کرنا ہے جس کا جواز نظر نہیں آتا۔

البتہ بوقت نکاح یہ شرط لگائی جاسکتی ہے کہ طلاق نہ دینے کی صورت میں مہر کی یہ مقدار اور طلاق دینے کی صورت میں یہ مقدار زبانی اقرار اور نکاح نامہ میں تحریر کے ذریعہ طے کرلیا جائے بشرطیکہ طلاق بعدالدخول ہوتو اس کے جواز کی گنجائش ہے۔اس کی نظیر یہ جزئیہ بن سکتی ہے:

"وقالا:الشرطان جائزان حتی کان لهاالالف إن أقام بها۔والألفان إن أخرجها"(البحرالرائق ۲۸۲/۳ زکریا دیوبند)(صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں جائز ہیں یہاں تک کہ شوہر اگر شہر میں اس کے ساتھ رہائش رکھےتو ایک ہزار مہر اور شہر سے باہر رکھےتو دو ہزار یہ دونوں شرطیں جائز ہیں)۔

لیکن عدم مسمیٰ اور طلاق بعدالدخول کی صورت میں یہ مہرمثل سے زاید نہیں ہونی چاہئے ورنہ یہ بھی ناجائز ہوگی (حوالۂ سابق)۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

مولانا نورالحق رحمانی ☆

۱-تعزیر بالمال کا مفہوم کیا ہے؟

جن جرائم کی سزائیں شریعت نے مقرر کردی ہیں ان کے لئے اصطلاح میں حدود کا لفظ استعمال ہوتا ہے، حدود میں حدزنا، حدسرقہ، حدقذف اور حدشرب خمر داخل ہے اور قتل عمد کی صورت میں قصاص کا حکم ہے، اگر کوئی شخص کسی ایسے جرم کا مرتکب ہو جس کی سزا شریعت کی طرف سے مقرر نہیں ہے تو اس کے لئے تعزیر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، یعنی ایسے مجرم کے ساتھ تادیبی کارروائی کی جائے گی اور یہ سزا قاضی، حاکم، حکومت کے ارباب حل وعقل اور ذمہ داروں کی صوابدید پر موقوف ہے، تاکہ وہ مجرم کے حالات اور جرم کی نوعیت کو دیکھ کر کوئی مناسب سزا تجویز کریں یہ سزا زبانی فہمائش اور زجر وتوبیخ بھی ہوسکتی ہے اور مار پیٹ اور حبس وقید بھی اور مالی تاوان بھی۔

''معجم لغۃ الفقہاء'' میں ہے: تعزیر:'' **المنع ویسمی التأدیب الذی دون الحد تعزیرا، لأنہ یمنع الجانی من معاودۃ الذنب**''۔

'' **مایقدرہ القاضی من العقوبۃ علی جریمۃ لم یرد فی الشرع عقوبۃمقدرۃ علیھا**''(۲/۱۱۷)۔

لغت میں تعزیر کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں، اور وہ تادیبی کارراوئی جو حد سے کم ہوا سے تعزیر کہا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ مجرم کو دوبارہ جرم کرنے سے روکتی ہے، اصطلاح شریعت میں کسی ایسے جرم کی سزا کو تعزیر کہا جاتا ہے جس کی سزا شریعت میں مقرر نہیں ہے، قاضی یا حاکم اپنی صوابدید کے مطابق اس کی سزا تجویز کرتا ہے اور تعزیر بالمال کا مطلب ہوا مالی سزا، یعنی حدود کے علاوہ کسی جرم پر کوئی مالی سزا مقرر کی جائے تاکہ مجرم کو اس سے عبرت ہو اور وہ دوبارہ اس غلطی کا مرتکب نہ ہو۔

علامہ ابن القیمؒ لکھتے ہیں :''**وأما التعزیر ففی کل معصیۃ لا حد فیھا ولاکفارۃ** '' (اعلام المؤقعین ۲/۱۱۷) (تعزیر ہر ایسی معصیت پر ہے جس میں نہ حد ہے، نہ کفارہ)۔

عام طور پر تو تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال'' ایک ہی مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے، البتہ کہیں کہیں اخذ مال کے ساتھ اتلاف مال اور اہلاک مال کی تعبیر استعمال کی گئی ہے، مثلاً'' الموسوعۃ الفقہیہ'' میں ہے :''**وعندالحنابلۃ یحرم التعزیر بأخذ**

☆ استاذ المعہد العالی للتدریب فی الافتاء والقضاء امارت شرعیہ پٹنہ۔

المال أو اتلافه"(۱۷۲)اس صورت میں تعزیراً بأخذ المال کا مطلب مالی تاوان عائد کرنا اور مجرم کے مال کو لے لینا ہے اور اتلاف مال یا اہلاک مال کا مطلب اس کے مال کو ہلاک کر دینا اور ضائع کر دینا ہے، جیسا کہ ملاوٹ والے دودھ، گھی اور شہد وغیرہ کو بہا دینا'' یا مال کی صورت تبدیل کر دینا، جیسے آلات لہو کو توڑ دینا جائز ہے۔

اور صورت مسئلہ میں اس فرق کی وجہ سے یہ اثر پڑے گا کہ جو لوگ مالی تعزیر کو بالکلیہ جائز کہتے ہیں ان کے نزدیک مجرم کے مال کو لے لینا یا اسے ہلاک کر دینا یا اس کی صورت تبدیل کر دینا سب جائز ہے، لیکن جو حضرات تعزیر مالی کے قائل نہیں ہیں جیسے حنفیہ میں سے طرفین تو ان کے نزدیک اس کے مال پر قبضہ کرنا اور اسے لے لینا جائز نہیں ہے، البتہ مال کو ضائع کر دینا یا اس کی صورت تبدیل کر دینا جیسے آلات لہو کو توڑ دینا جائز ہے۔

۲-تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب کیا ہے؟

تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب عدم جواز کا ہے۔

"**الأصل فی مذهب أبی حنیفة أن التعزیر بأخذ المال غیر جائز،فأبوحنیفة ومحمد لایجیزانه،بل أن محمدا لم یذکره فی کتاب من کتبه**"(الموسوعۃ الفقھیہ ج ۱۲ ص ۲۷۰)(امام ابوحنفیہؒ کے مذہب میں اصل یہ ہے کہ تعزیر مالی ناجائز ہے، امام ابوحنفیہ اور امام محمد رحمہا اللہ اسے جائز قرار نہیں دیتے ہیں بلکہ امام محمدؒ نے اپنی کسی کتاب میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے)۔

۳-تعزیر بالمال کی بابت ائمہ حنفیہ میں کسی کا قول جواز کا ہے اور اس کی کیا حیثیت ہے؟

تعزیر مالی کے سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ اور علامہ ابن نجیم مصری کا قول جواز کا ہے، بشرطیکہ اس میں مصلحت ہو، اور دلائل کی رو سے یہی قول راجح ہے اور متاخرین حنفیہ میں سے بہت سے حضرات نے اسی کے مطابق فتوی دیا ہے۔

"**أما ابویوسف فقد روی عنه :أن التعزیر بأخذ المال من الجانی جائزاِنْ رؤیت فیه مصلحة**"(الموسوعۃ الفقھیۃ ج ۱۲ ص ۲۷۰)۔

ابوحنیفہ ثانی علامہ ابن نجیم مصری تحریر فرماتے ہیں:

"**وفی الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزیر بأخذ المال إن رای القاضی ذالک أو الوالی جاز، ومن جملة ذلک رجل لایحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال له**"(البحر الرائق ج ۴ ص ۴۱۔فصل فی التعزیر)(خلاصہ الفتاوی میں ہے: میں نے ایک ثقہ سے سنا کہ قاضی یا والی اگر مناسب سمجھے تو مالی تعزیر جائز ہے اور اسی کے من جملہ یہ ہے کہ کوئی شخص اگر نماز کی جماعت میں نہ آتا ہو تو مال لے کر اس کی تعزیر جائز ہے)۔

بعینہ یہی بات (فتاوی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الھندیہ ج ۶ ص ۴۲۷ کتاب الحدود۔ اور فتاوی تاتارخانیہ ج ۵ ص ۱۴۰، کتاب الحدود، التعزیر) میں بھی ہے، صاحب ''معین الحکام'' علامہ علاء الدین طرابلسیؒ نے بھی تعزیر مالی کو جائز کہا ہے۔

ماضی قریب کے محقق علماء اور موجودہ ارباب افتاء میں مولانا اشرف علی تھانوی،مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بانی امارت شرعیہ،مفتی تقی عثمانی ،ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ،مولانا مجیب اللہ ندویؒ،مولانا خالد سیف اللہ رحمانی،مفتی رضاء الحق صاحب فتاوی دارالعلوم زکریا افریقہ وغیرہ تعزیر مالی کے جواز کے قائل ہیں۔

۵-ائمہ ثلاثہ یا مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال اس بابت میں کیا ہے؟ کیا ان مذاہب میں اس بابت کچھ گنجائش منقول ہے؟

امام مالک اور مذہب مالکی کا مشہور قول تعزیر مالی کے جواز کا ہے۔

’’**أما فی مذهب مالك فی المشهور عنه فقد قال ابن فرحون: التعزير بأخذ المال قال به المالكية، وقد ذكر مواضع مخصوصة يعزر فيها بالمال**‘‘(الموسوعۃ الفقھیہ ۱۲/ ۲۷۰)۔

امام شافعیؒ کے قول قدیم کی رو سے مالی تعزیر جائز ہے،اور قول جدید کی رو سے جائز نہیں ہے۔

’’**لايجوز التعزير بأخذ المال فی مذهب الشافعی الجديد ،وفی المذهب القديم يجوز**‘‘ (الموسوعۃ الفقھیہ ۱۲/ ۲۷۰)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی شافعی مرحوم نے اپنی مشہور تصنیف الفقہ الاسلامی وأدلتہ‘ میں دلائل کی روشنی میں تعزیر مالی کو جائز قرار دیا ہے اور اس کے منسوخ ہونے کے دعوی کی تردید کی ہے اور خلفاء راشدین اور بعد کے ائمہ کرام کے عمل سے اس کو ثابت کیا ہے، بنیاد ان کے نزدیک ہر ملک اور ہر دور کی مصلحت ہے۔

’’**والصواب أنه يختلف باختلاف المصالح ويرجع فيه إلى اجتهاد والأئمة فی كل زمان ومكان بحسب المصلحة إذ لادليل على النسخ، وقد فعله الخلفاء الراشدون ومن بعدهم من الأئمة**‘‘(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۲۰۵)۔

امام احمد بن حنبل کے سلسلے میں دونوں قسم کے اقوال مروی ہیں،مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب تقریر ترمذی میں لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے،حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے،لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی---چنانچہ بعض متاخرین حنفیہ نے امام ابو یوسف کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے(تقریر ترمذی ۲/ ۱۱۸)۔

لیکن ’’الموسوعۃ الفقھیہ ‘‘میں حنابلہ کی طرف تعزیر بالمال یا اتلاف مال کے عدم جواز کے قول کو منسوب کیا گیا ہے---’’**وعندالحنابله يحرم التعزير بأخذ المال أو اتلافه؛ لأن الشرع لم يرد بشئی من ذلك عمن يقتدى به**‘‘(الموسوعۃ الفقھیہ ۱۲/ ۲۷۱)۔

لیکن علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن القیمؒ نے امام احمد اور امام مالک کی طرف اس نسبت کو غلط قرار دیا

ہے،اور فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ سے کوئی ایسی چیز منقول نہیں ہے جس کی رو سے مالی سزائیں ممنوع قرار پاتی ہوں، بلکہ خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا آپ ﷺ کے بعد اس پر عمل اس کی دلیل ہے کہ مالی تعزیر محکم ہے، منسوخ نہیں ہے۔

"ومن قال:إن العقوبات المالية منسوخة وأطلق عن اصحاب مالک واحمد فقد غلط على مذهبهما، ومن قاله مطلقا من اى مذهب كان: فقد قال قولا بلا دليل،ولم يجيئى عن النبى صلى الله عليه وسلم شيئى قط يقتضى أنه حرم جميع العقوبات المالية، بل أخذ الخلفاء الراشدين وأكابر أصحابه بذلک بعد موته دليل على أن ذلک محكم غير منسوخ "(مجموع فتاوی شیخ الاسلام ج ۲۸ ص ۱۱۱)۔

بہرحال مذہب حنابلہ کے سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ ہی کے قول راجح قرار دیا جائے گا۔

۶-قول ضعیف اور مذہب غیر پر فتوی:

ایسی ہی ضرورت کی بنا پر متاخرین حنفیہ اور بہت سے معاصر علماء واصحاب افتاء نے تعزیر مالی کی اجازت دی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے بہت سے فیصلے اور آپ کے بعد خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا عمل اس کے جواز کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حرم مدینہ میں شکار کرنے اور اس کا درخت کاٹنے سے منع فرمایا اور جو شخص اس جرم کا مرتکب ہو اس کی مالی تعزیر کرنے اور سامان چھین لینے کا حکم دیا، اور صحابی رسول حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حرم مدنی میں شکار کرنے والے سے اس کے کپڑے چھین لئے اور حرم مدنی کے درخت کاٹنے والے سے اس کا سامان لے لیا۔

"عن سليمان بن ابى عبدالله قال: رايت سعد بن ابى وقاص أخذ رجلا يصيد فى حرم المدينة الذى حرمه رسول الله ﷺ فسلبه ثيابه" (السنن الکبری للبیھقی ج ۵ ص ۱۹۹)

"عن سعد ان رسول الله ﷺ قال: من أخذ تموه بقطع الشجر شيئا يعنى شجر حرم المدينة فلكم سلبه ،لايعضد شجرها ولايقطع، قال: فرأى سعد غلمانا يقطعون فأخذ متاعهم "(السنن الکبری للبیھقی ۵/ ۱۹۹)۔

منافقین نے جو مسجد ضرار تعمیر کی تھی، اسلام کے خلاف سازش کرنے کے لئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو بھیج کر اسے جلوا دیا، یہ تعزیر باھلاک المال ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر وعمر کو حکم دیا کہ مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کے سامان جلا ڈالو، اور ان کی پٹائی بھی کرو: **"حرقوا متاع الغال واضربوه"**(ابوداؤد عن عمرو بن شعیب ۲/ ۳۷۱)۔

موسوعہ میں اس کی اور بھی کچھ مثالیں سنت نبوی اور خلفاء راشدین کے فیصلے سے نقل کی گئی ہیں، ملاحظہ ہو:

ان دونوں حضرات (ابن تیمیہ اور ابن القیم) نے اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں سے استدلال کیا ہے، جیسے حرم مدینہ میں شکار کرنے والے شخص کے سلب (سامان) کو اس کے پکڑنے والے شخص کے لئے آپ کا مباح کر دینا اور آپ کا شراب کے مٹکوں کو توڑنے اور اس کے برتنوں کو چاک کرنے کا حکم دینا اور آپ کا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عصفر سے رنگے ہوئے دونوں کپڑوں کو

جلا ڈالنے کا حکم دینا اور جو غیر محفوظ جگہ سے چوری کرے اور پھل، کھجور کے شگوفہ میں سے ایسی چیز چوری کرنے پر جس میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے اور گم شدہ چیز کو چھپائے، اس پر آپ کا تاوان دگنا کر دینا۔

اور انہیں میں خلفاء راشدین کے بھی فیصلے ہیں، جیسے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا اس گھر کو جلا ڈالنے کا حکم دینا جس میں شراب بیچی جا رہی تھی اور مانع زکوۃ کا نصف مال لے لینا اور حضرت عمرؓ کا حضرت سعد بن ابی وقاص کے اس محل کو جلانے کا حکم دینا جس کو انہوں نے لوگوں سے چھپے رہنے کے مقصد سے تعمیر کرایا تھا اور اس حکم کا نفاذ محمد بن مسلمہ نے کیا تھا (موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۱)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تحریر فرماتے ہیں: عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے ایک اونٹ چرا کر ذبح کر دیا تھا، جس کا چمڑا اور سر ان کے پاس پایا گیا، لوگ حضرت عمرؓ کے پاس معاملہ لائے، آپ نے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، پھر تھوڑی دیر سوچ کر غلاموں کو طلب فرمایا اور عبدالرحمٰن سے کہا: میں کہتا ہوں کہ تم ان سے کام بھی لیتے ہو اور ان کو بھوکا بھی رکھتے ہو، اور بدسلوکی کرتے ہو، یہاں تک کہ اگر وہ کوئی حرام چیز بھی پا لیں تو ان کے حق میں حلال ہو جائے، پھر اونٹ والے سے دریافت کیا کہ تم اونٹ کتنی قیمت میں دے سکتے ہو؟ اس نے کہا چار سو درہم ہیں، حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن سے فرمایا! تاوان کے ساتھ آٹھ سو درہم ادا کرو: ''**قم فاغرم لهم ثمان مائة درهم، وفي رواية لاغرمنك غرما يشق عليك فاغرمه مثلي قيمتها**'' (مصنف عبدالرزاق)۔

یہ روایت اور اثر مالی تاوان کے باب میں بالکل صریح ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تاوان وصول کر کے دوبارہ واپس بھی نہیں کیا جائے گا (جدید فقہی مسائل ۳/۲۴۶)۔

کچھ فقہی کتابوں کے کچھ اقتباسات ائمہ وفقہاء کے قول کے ذیل میں گذر چکے ہیں ایک دو اقتباسات مزید نقل کر کے اس بحث کو ہم ختم کرتے ہیں۔ صاحب ''معین الحکام'' علامہ علاء الدین طرابلسی تحریر فرماتے ہیں:

''**يجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب ابى يوسف، وبه قال مالك، ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذهب الأئمة نقلا واستدلالا وليس بسهل دعوى نسخها،فعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته صلى الله عليه وسلم مبطل لدعوى نسخها،والمدعون للنسخ ليس معهم سنة والإجماع يصح دعواهم**'' (معین الحکام ۱۹۵ فصل فی التعزیر)۔

(مال لے کر تعزیر جائز ہے، یہ امام ابو یوسفؒ کا مذہب ہے اور امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مالی سزا منسوخ ہے وہ غلط کہتے ہیں۔ ائمہ مذہب کے نقل کرنے و اور اس سے استدلال کرنے میں ان سے غلطی ہوئی ہے، مالی تاوان کے نسخ کا دعوی آسان نہیں ہے، خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نسخ کے دعوی کو باطل کرتا ہے، نسخ کا دعوی کرنے والوں کے پاس نہ سنت رسول سے دلیل ہے اور نہ اجماع سے، جو ان کے دعوی کو صحیح قرار دے۔

آخری اقتباس علامہ ابن القیم جوزی کی کتاب ''اعلام الموقعین'' سے ہے: ''**أما تعزير المال ، وهو العقوبة المالية**

فی مواضع، منها: تحریق متاع الغال من الغنیمة، ومنها: حرمان سهمه، ومنها: اضعاف الغرم علی سارق الثمار المعلقة، ومنها: اضعافه علی کاتم الضالة الملتقطة ومنها: أخذ شطر مال مانع الزکاة ،ومنها:غرمه صلی الله علیه وسلم علی تحریق دور من لایصلی فی الجماعة لولاما منعه من انفاذه ماغرم علیه من کون الذریة والنساء فیها، فتتعدی العقوبة إلی غیر الجانی وذلک لایجوز ''(جلد ۲ صفہ ۱۱۷، فصل فی تعزیر المال)۔

(بہرحال مالی تاوان عائد کرنے کی سزا چند مقامات میں ہے، ان میں سے ایک مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے سامان کو جلانا ہے اور اسے اس کے حصے سے محروم کرنا ہے، اور لٹکے ہوئے پھلوں کی چوری کرنے والے پر ڈبل تاوان عائد کرنا ہے، اور گم شدہ اور لقطہ کے مال کو چھپانے والے پر دوگنا تاوان عائد کرنا ہے اور زکوۃ روکنے والے کا آدھا مال لے لینا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا یہ عزم کرنا ہے کہ جولوگ جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے مسجد نہیں آتے ان کے گھروں کو جلا دیں اور اگر اس ارادے سے مانع نہ ہوتا تو آپ اسے نافذ کرتے اور رکاوٹ اولاد اور عورتوں کا گھر میں ہونا ہے کہ یہ سزا مجرم کے علاوہ تک متعدی ہوگی اور یہ جائز نہیں)۔

مذکورہ بالا اقتباسات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مالی تعزیر سنت نبوی اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے عمل سے بے غبار طریقے پر ثابت ہے اور اس کے منسوخ ہونے کا دعوی غلط ہے، بہت سے فقہاء حنفیہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے، لہذا ضرورت ہے کہ موجودہ حالات میں ہندوستان جیسے ملک میں سماجی اور خاندانی زندگی میں جرائم کی روک تھام اور زیادتی کے سد باب کے لئے مالی تعزیر کی اجازت دی جائے اور جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے تحریر فرمایا ہے:''اگر موجودہ زمانے میں اور بالخصوص ہندوستان کے خصوصی حالات میں اس کو (مالی تعزیر کو) قبول کرلیا جائے تو امید ہے کہ بہت سے منکرات کے سد باب میں اس مدد ملے گی اور فائدہ ہوگا''۔

۷-کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ:

اوپر احادیث وآثار اور فقہاء کرام کے اجتہادات اور علماء سلف کے اقوال کی روشنی میں تعلیمی اداروں میں طلبہ کی اصلاح اور اس کی لاپرواہیوں اور کوتاہیوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ کا عام رواج ہے، اور اس کا نفع بھی محسوس ہورہا ہے، تو اس ضرورت کے لئے بھی مالی تعزیر کی گنجائش ہوگی اور اولاد کی اصلاح اور انہیں نماز کا عادی بنانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ اگر دس سال کی عمر میں وہ نماز میں کوتاہی کریں تو انہیں مار کر نماز کا عادی بنایا جائے۔ مفتی محمد بن صالح عثیمن سعودی ریاض الصالحین کی شرح میں اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''وفی هذاالحدیث اشارة إلی أن ماذهب إلیه بعض المتأخرین من یدعون أنهم أصحاب تربیة من أن الصغار لایضربون فی المدارس إذا اهملو،ففی هذاالحدیث الرد علیهم، وهو دلیل علی بطلان فکرتهم، وإنها غیرصحیحة، لأن بعض الصغار لاینفعهم الکلام فی الغالب، ولکن الضرب ینفعهم أکثر، فلو أنهم ترکوا بدون

ضرب لضیعوا الواجب علیهم وفرطوا فی الدروس واهملوا، فلابد من ضربهم لیعتادوا النظام" (۱/۶۸۶)۔

(شیخ عثیمن نے اس عبارت میں ایسے معلم اور مربی پر تنقید کی ہے جن کا دعوی یہ ہے کہ چھوٹے بچے اگر مدارس میں لاپرواہی کریں تو انہیں مارا نہیں جائے، شیخ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ایسے لوگوں پر رد ہے، اور وہ ان کے فکر کے باطل اور غیر صحیح ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ بعض کی اصلاح زبانی فہمائش سے نہیں ہوتی ہے اور بالعموم انہیں جسمانی سزا سے ہی فائدہ ہوتا ہے، اس لئے اگر انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے تو ضروری کاموں کو ضائع کردیں گے اور اسباق میں کوتاہی اور لاپرواہی کریں گے، اس لئے انہیں نظام کا عادی بنانے کے لئے مارنا ضروری ہے)۔

لیکن مار پیٹ کی سزا ابتدائی مرحلے میں ہوگی یعنی پرائمری درجات اور مڈل کلاس تک، لیکن ہائی اسکول اور کالج وغیرہ میں جسمانی سزاؤں کا رواج نہیں ہے اور قانونا بھی ممنوع ہے، لہذا اس مرحلے میں مالی جرمانے کا جو عام رواج ہے اور اس کا نفع بھی محسوس کیا جاتا ہے، مذکورہ احادیث سے اس کے جواز پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

۸-ادارے میں نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ:

ایسی سوسائٹیاں جو ادارے کے نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کا نظام بناتی ہیں، تاکہ لوگ مقررہ وقت پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا کردیا کریں، اس کا حکم بھی جواز ہی کا ہونا چاہئے، اس لئے کہ مقصد اصلاح اور ادارہ کے نظام کی درستگی ہے اور لوگوں کو اصول اور ضابطے اور اپنے معاہدے کا پابند بنانا ہے، اوفقہ میں اس کی ایک نظیر ملتی ہے کہ اگر ایک شخص ایک سامان کو نقد کم قیمت پر فروخت کرے اور قسطوار چند ماہ یا سال کی مدت میں اس سے زیادہ قیمت پر فروخت کرے تو ایسا کرنا جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی سوسائٹی سے کوئی فلیٹ خریدے اور کم مدت میں قیمت کی ادائیگی کی صورت اسے کم رقم دینی پڑے اور زیادہ مدت میں قیمت کی ادائیگی کی صورت میں اسے زیادہ رقم ادا کرنی پڑے تو اپنے معاہدے کی رو سے وہ اس کا پابند ہوگا اور ایسے جواز کے دائرہ میں آنا چاہئے، بشرطیکہ یہ بات پہلے طے ہوجائے کہ معاملہ کس طرح ہوگا۔

۹-اصلاح کی غرض سے خاندان اور برادری کا مالی جرمانہ وصول کرنا:

مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں اس کا حکم بھی جواز ہی کا ہونا چاہئے۔

۱۰-طلاق بے جا پر قابو پانے کے لئے مالی جرمانہ:

مطلقہ عورتوں کی چار قسمیں ہیں

اولا: "**مطلقة مدخول بها، مسمی لها المهر**" (وہ مطلقہ جس سے وطی کی گئی ہو اور اس کا مہر مقرر ہو) اسے پورا مہر دیا جائے اور عدت کا نفقہ، اور اس کے لئے متعہ مستحب ہے۔

ثانیا: "**مطلقة غیر مدخول بها، ولا مسمی لها المهر**" (جس سے وطی نہ کی گئی ہو اور نہ اس کا مہر مقرر کیا گیا ہو، صرف اس کے لئے متعہ واجب ہے، حنفیہ کے نزدیک۔

ثالثا: ’’مطلقة غير مدخول بها،وقد فرض لها المهر‘‘(جس سے وطی نہ کی گئی لیکن مہر مقرر رہوا ہو) اس کے لئے نصف مہر ہے، لیکن اس کے لئے عدت نہیں ہے۔

رابعا:’’ مطلقة مدخول بها، وغير مفروض لها المهر‘‘(جس سے وطی کی گئی ہو،لیکن اس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو)،اس کے لئے مہر مثل ہے اوراس پر عدت بھی ہے،اس کے لئے متعہ مستحب ہے۔

امام ابوبکر رازی جصاص لکھتے ہیں:’’أما فقهاء الأمصار۔فإن أباحنفية وأبايوسف ومحمد أو زفر قالوا: المتعة واجبة للتى طلقها قبل الدخول، ولم يسم لها مهرا‘‘(احکام القرآن للجصاص ج۱ص۵۱۹) یعنی فقہاء امصار میں سے حنفیہ ابوحنیفہ،ابو یوسف، محمد اور زفر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ متعہ اس مطلقہ کے لئے واجب ہے جسے وطی سے قبل طلاق دی گئی ہو اوراس کے لئے مہر مقرر نہ کیا گیا ہو۔

’’روائع البیان‘‘میں ہے:’’قد اختلف الفقهاء هل المتعة واجبة لكل مطلقة ؟ ،فذهب الحسن البصرى إلى أنها واجبة لكل مطلقة للعموم فى قوله تعالىٰ (وللمطلقات متا ع بالمعروف حقا على المتقين) وقال مالک: إنها مستحبة للجميع وليست واجبة ، لقوله تعالىٰ (حقا على المتقين)و(حقا على المحسنين) ولوكانت واجبة لا طلقها على الخلق أجمعين۔

وذهب الجمهور(الحنفية والشافعية والحنابلة)الى أنها واجبة للمطلقة التى لم يفرض لها مهر، وأما التى فرض لها مهر فتكون المتعة لها مستحبة، وهذا مروى عن ابن عمر وابن عباس وعلى وغيرهم ولعله يكون الأرجح جمعا بين الأدلة‘‘(ج۱ص۳۵۵۔۳۵۴)۔

فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا متعہ ہر مطلقہ کے لئے واجب ہے؟ تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ ہر مطلقہ کے لئے واجب ہے،اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے قول (للمطلقات متا ع بالمعروف حقا على المتقين) میں عموم ہے اورامام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام مطلقات کے لئے مستحب ہے، واجب نہیں ہے،اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (حقا على المتقين)و (حقا على المحسنين) اگر واجب ہوتا تو متقین ومحسنین کی تخصیص نہ ہوتی ، بلکہ اللہ نے مطلقا کہا ہوتا۔

اب سوال یہ ہے کہ متعہ کیا ہے اورس کی کیا مقدار فقہاء نے ذکر کی ہے؟

’’المتعة : ما يدفعه الزوج من مال أو كسوة أو متا ع لزوجته المطلقة، عونا لها وإكراما، ودفعا لوحشة الطلاق الذى وقع عليها، وتقديرها مفوض إلى الاجتها،

قال مالک : ليس للمتعة عندنا حد معروف فى قليلها ولاكثيرها، وقال الشافعي: المستحب على الموسع خادم، وعلى المتوسط ثلاثون درهما، وعلى المقتر مقنعة۔وقال ابوحنفية: أقلهادر ع وخمارو ملحقة ،ولاتزاد على نصف المهر ،وقال احمد:هى در ع وخمار بقدر، تجزئ فيه الصلاة، ونقل عنه انه قال: هى

بقدر يسار الزوج وإعساره(على الموسع قدره وعلى المقتر قدره) وهي مقدرة باجتهاد الحاكم ولعل هذا الرائ الأخير أرجح ،والله اعلم"(روائع البیان ۱/ ۲۵۵)۔

متعہ وہ مال یا کپڑا یا سامان ہے جو شوہر اپنی مطلقہ بیوی کو مدد کے طور پر اور اس کے اکرام کے لئے اور طلاق کی اس وحشت کو دور کرنے کے لئے دیتا جو اس پر واقع ہوئی ہے، اور اس کی تعیین اجتہاد پر مبنی ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ متعہ کے لئے ہمارے نزدیک قلیل یا کثیر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مالدار پر ایک خادم دینا مستحب ہے، اور متوسط درجہ کے آدمی پر تیس درھم اور تنگ دست پر ایک بڑی چادر۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کی کم سے کم مقدار ایک کرتا، دوپٹہ اور بڑی چادر ہے، متعہ کی مقدار نصف مہر سے زیادہ نہیں ہوگی۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ متعہ ایک کرتا اور دوپٹہ اتنی مقدار مین کہ جس سے نماز جائز ہوجائے اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ شوہر کی خوشحالی اور تنگ دستی کے لحاظ سے ہوگا، اور یہ حاکم کے اجتہاد پر موقوف ہے، یہی آخری رائے زیادہ راجح ہے۔

طلاق کے سلسلے میں پائی جانے والی افراد وتفریط کے نتیجے میں جو خرابیاں پیدا ہورہی ہے ان کے سدباب کے لئے جن صورتوں میں متعہ واجب نہیں ان صورتوں میں متعہ کو واجب قرار دینا اور اس کو نصف مہر تک لے جانا مناسب معلوم نہیں ہوتا، جن صورتوں میں اللہ تعالیٰ نے متعہ کو اجب نہیں کیا اسے ہم کیوں واجب قرار دیں؟ متعہ کی مشروعیت جس مقصد کے تحت ہوئی ہے مناسب یہ ہے کہ اسے وہیں تک محدود رکھا جائے، طلاق کا بیجا استعمال سنت کے خلاف طلاق دینا یا ایک ساتھ تین طلاق دینا شرعا جرم ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کتاب اللہ کے ساتھ کھلوار کرنا قرار دیا ہے، اس لئے اس جرم کی بنیاد پر مالی تعزیر کی جاسکتی ہے، یہ اختیار قاضی کو بھی ہے، اسی طرح برادری اور خاندانی، پنچایتوں کے ذریعہ بھی مالی تاوان عائد کیا جاسکتا ہے، مفاسد کی روک تھام کے لئے متعہ کا سہارا لینا اور جن صورتوں میں متعہ مستحب ہے ان صورتوں میں اسے واجب اور لازم قرار دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

۱۱- مزید نصف مہر یا متعہ لازم کرنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**المسلمون على شروطهم الا شرطا أحل حراما أوحرم حلالا**"(مشکوۃ ص ۲۵۲)۔

مسلمانوں پر اپنی شرطوں کی پابندی ضروری ہے، الا یہ کہ کوئی ایسی شرط ہو جو کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام کردے۔

اسی طرح فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ اگر نکاح کے وقت اس طرح مہر طے ہو کہ اگر شوہر بیوی کو اس کے میکے میں رکھے گا تو مہر ایک ہزار اور اگر وہ بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے جائے گا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا، اس صورت میں صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں درست قرار پاتی ہیں، اور دونوں صورتوں میں متعین کردہ مہر لازم ہوتا ہے، اس مسئلہ کی روشنی میں سوال نامہ میں مذکور صورت کا حکم واضح ہوتا ہے، یعنی اگر عقد کے وقت اس طرح کی شرط لگادی جائے اور فریقین اس کو قبول کرلیں تو اس کے تقاضے کے مطابق عمل کیا جائے گا، یہ صورت طلاق کے بے جا استعمال کو روکنے میں کسی حد تک موثر ہوسکتی ہے۔ لیکن دوسری طرف اس

بات کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اسلام نے نکاح کو آسان کیا ہے، اس لئے عندالعقد ایسی شرطیں عائد کرنا جس سے نکاح مشکل ہوجائے اوراس کے نتیجے میں نوجوان لوگ نکاح کی پابندی سے آزادرہ کرغلط طریقے پرخواہش پوری کریں اور مسلم لڑکیوں کے نکاح کا مسئلہ مزید پیچیدہ ہوجائے ،محل نظر ہے۔آج جبکہ فحاشی اور بے حیائی کا وسیع پیمانے پرر واج ہے اور ہم جنسی جیسے لعنتی فعل کو بھی قانونی جواز عطا کیا جارہا ہے، جسے تمام مذاہب میں جرم قرار دیا گیا ہے،اس صورت میں نکاح کی راہ میں شرائط کے ذریعہ رکاوٹ کھڑی کرنا اوراسے مشکل بنانا قابل غور ہے،ضرورت ہے کہ مسئلہ کے دونوں پہلوؤں پرنظر رکھا جائے اور جوصورت مصلحت سے قریب ہواس پر عمل کیا جائے۔

☆☆☆

تعلیمی اداروں اور ہاؤسنگ سوسائٹیز میں رائج مالی جرمانے

مولانا محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی ☆

شریعت اسلامی نے اپنے ماننے والوں کو جن پانچ بنیادی مقاصد شریعت کی حفاظت کا حکم دیا ہے، وہ یہ ہیں: دین، نفس، نسل، عقل اور مال، اِن کی حفاظت کا فرمان جاری کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کو حرام قرار دیا، اور اگر کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ ظالم ومجرم کہلائے گا اور وہ قابل سرزنش وتادیب ہوگا۔

شریعت اسلامی نے معاشرہ کو فتنہ وفساد، ظلم وزیادتی اور جرائم سے پاک رکھنے کے لئے اور ان کے سد باب کے طور پر سزاؤں کا ایک ایسا مضبوط اور مستحکم نظام بنایا ہے کہ جہاں ایک طرف یہ اسلام کا نظامِ تعزیر مجرمین کے لئے زجر وتوبیخ ثابت ہو کہ وہ دوبارہ جرائم کا ارتکاب نہ کریں تو دوسری طرف دوسروں کے لئے عبرت کا سامان بنے کہ وہ جرائم ومعاصی کے قریب نہ پھٹکیں؛ تاکہ ایک پاک صاف صالح معاشرہ کا وجود عمل میں آئے، جس میں لوگ امن وسکون کی زندگی گذار سکیں، صاف وشفاف پاکیزہ ماحول میں ایک دوسرے کے ساتھ شیر وشکر ہو کر رہ سکیں اور خود بھی سکون واطمینان کی ٹھنڈی سانس لیں اور سلامتی کے ساتھ جینے اور دوسروں کو بھی سکون واطمینان کی ٹھنڈی سانس لینے دیں اور ان کو بھی راحت کی زندگی بخشیں اور سلامتی کے ساتھ جینے کا موقع دیں۔

اسلام نے سزاؤں کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے: ایک حدود اور قصاص جن کا متعین جرائم سے تعلق ہے اور جن کی سزائیں بھی مقرر ہیں، دوسرے وہ تعزیر وتادیب اور سزائیں ہیں جن کا تعلق ایسے جرائم وجنایات، ناپسندیدہ امور اور خلاف ورزیوں سے ہے، جن کا تعلق حقوق اللہ یا حقوق العباد سے ہے، جن میں حدود وقصاص اور کفارہ واجب نہیں ہوتے ہیں، دوسرے الفاظ میں جن کی سزائیں شریعت اسلامی میں مقرر نہیں ہیں، قوم وملت کے ذمہ داران خلیفہ، حاکم، قاضی وغیرہ کی صوابدید پر موقوف ہے، وہ ملک وملت، قوم ورعیت، زمانے وحالات، جرائم ومجرمین اور مصالح مقاصد کے لحاظ سے سزائیں تجویز کریں گے، خواہ سزا جسمانی تنبیہ کی شکل میں جیسے پٹائی وغیرہ ہو یا زبانی فہمائش یا مالی جرمانہ کی شکل میں ہو۔

اس سلسلہ میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ ہندوستان اور اس جیسے ممالک میں صرف حکومت ہی جسمانی تعزیر کر سکتی ہے، سماجی طور پر جرائم کو روکنے کے لئے ایسی تعزیر کرنا ممکن نہیں ہے، اور اگر کسی نے ایسا کیا تو یہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف عمل ہوگا اور حکومت کی نگاہ میں ایک جرم کہلائے گا، جبکہ یہ حقیقت ہے کہ زندگی میں بعض مرتبہ ایسے مراحل آتے ہیں جن میں زیادتی

☆ استاذ، جامعہ اسلامیہ کیرالا۔

کرنے والے فریق کی سرزنش کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، اگر بروقت ان کی تنبیہ وفہمائش نہیں ہوئی تو ان کی حوصلہ افزائی ہوگی اور جرم میں مزید جری بنتا چلا جائے گا، جو کسی بھی حال میں بہتر نہیں ہے، نیز اگر کوئی دوسرا فریق عدالت میں چلا گیا تو پھر طویل مقدمہ بازی کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، جس میں مسلمانوں کے پیسے بھی خرچ ہوتے ہیں، وقت بھی ضائع ہوتا ہے، نیز انصاف بھی جلدی نہیں ملتا ہے، اور بعض اوقات اس کی وجہ سے شریعت اسلامی کی بدنامی کا راستہ بھی کھلتا ہے۔ اس پس منظر میں ضرورت ہے کہ قرآن وحدیث کی تعلیمات، فقہاء کرام کے اجتہادات اور موجودہ حالات کے تناظر میں تعزیر مالی کے مسئلہ پر غور وفکر کیا جائے، اس سلسلہ میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں جو اسلامی فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی طرف سے تیار کئے گئے ہیں، وہ سوالات اور ان کے جوابات پیش خدمت ہیں:

۱- تعزیر بالمال کا مفہوم کیا ہے؟

تعزیر مالی سے مراد وہ مالی تعزیر وتادیب اور سزائیں ہیں جو مجرمین کے مملوکہ مال میں واجب ہوتی ہیں جن کا تعلق ایسے جرائم وجنایات، ناپسندیدہ امور اور خلاف ورزیوں سے ہے، جن کا تعلق حقوق اللہ یا حقوق العباد سے ہے، جن میں حدود وقصاص اور کفارہ واجب نہیں ہوتے ہیں، یا واجب ہوتے تو ہیں لیکن اتفاق سے ان کی شرطیں پوری نہ ہونے کی وجہ سے ان کا نفاذ ناممکن ہو، دوسرے الفاظ میں جن کی سزائیں شریعت اسلامی میں مقرر نہیں ہیں، قوم وملت کے ذمہ داران خلیفہ، حاکم، قاضی وغیرہ کی صوابدید پر موقوف ہے، وہ ملک وملت، قوم ورعیت، زمانے وحالات، جرائم ومجرمین اور مصالح ومقاصد کے لحاظ سے سزائیں تجویز کرنے کے مکلّف ہیں (دیکھئے: فتح القدیر: ۷/ ۱۱۹، کشاف القناع: ۴/ ۷۲، الأحکام السلطانیۃ للماوردی، ص: ۲۲۴، نہایۃ المحتاج: ۷/ ۷۲، قلیوبی ۴/ ۲۰۵، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: ۱۲/ ۲۵۶، وزارۃ الأوقاف والشؤون الإسلامیۃ بالکویت (۱۴۲۷ھ)۔

تعزیر بالمال اور تعزیر بأخذ المال کے درمیان فرق:

جہاں تک تعزیر بالمال اور تعزیر بأخذ المال کے درمیان فرق کی بات ہے تو مذاہب اربعہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے؛ کیونکہ دونوں تعزیر مالی کے مفہوم پر دلالت کرتے ہیں؛ تاہم فقہاء کی بعض تعبیرات اور عبارتوں کی روشنی میں فرق کیا جاسکتا ہے، اور وہ یہ ہے: تعزیر بالمال عام ہے اور تعزیر بأخذ المال خاص ہے، یعنی تعزیر مالی کی جتنی بھی صورتیں ہوں گی، سب پر تعزیر بالمال کا اطلاق ہوگا، اور تعزیر بأخذ المال کا اطلاق صرف اس صورت پر ہوگا جس میں حاکم یا قاضی مجرم پر جرم کی پاداش میں اس سے مال وصول کرے، خواہ اس مال کو کچھ دنوں تک اپنے پاس رکھے، جب وہ مجرم اپنی نافرمانی پر پشیمان ہونے لگے، جس کے نتیجہ میں وہ تائب ہوجائے اور اس کی توبہ کے اثرات اس پر مرتب ہوجائیں تو قاضی اس کا مال اسے واپس کردے، یا بیت المال میں جمع کرادے، یا رفاہی کاموں میں خرچ کردے، یا صدقہ کردے یا بعض صورتوں میں اس سے مال لے کر اس کے فریق مخالف کو اس کے نقصان کے تدارک کے طور پر دیدے بشرطیکہ یہ قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کے نقصان کی تلافی کے قبیل سے نہ ہو ورنہ وہ سود ہوجائے گا، اور سود کا لینا دینا حرام ہے، جیسا کہ آگے کی سطروں سے دونوں کے درمیان مزید فرق واضح ہوگا۔

دونوں کے درمیان فرق کا اثر:

دونوں کے درمیان مذکورہ بالا فرق کی وجہ سے صورت مسئلہ پر فرق یہ پڑے گا کہ جب قاضی یا حاکم یا اس کے قائم مقام ذمہ دار مجرم پر اس کے جرم یا کسی معصیت پر مالی جرمانہ اس طور پر عائد کرے کہ اس سے مال لینے کے بجائے اس کے مال کو تلف کردے، یا اس میں کوئی ایسی تبدیلی پیدا کرے جس کی وجہ سے اس سے معصیت ختم ہوجائے، یہ دونوں صورتیں تعزیر بالمال کے زمرے میں تو آئیں گی لیکن ان پر تعزیر بأخذ المال کا اطلاق نہیں ہوگا۔

پہلی صورت کی مثال: لہو ولعب کے آلات جیسے بانسری، ڈھولک اور ہرمونیم توڑ دیئے جائیں، اسی طرح شراب کے مٹکے پھوڑ دیئے جائیں، اس کو فقہ کی اصطلاح میں تعزیر مالی بصورت اتلاف کہا جاتا ہے، اس صورت کے جواز کی صراحت بہت سے فقہاء احناف (دیکھئے: ہدایہ ۳/ ۳۸۸، تکملۃ البحر الرائق: ۳/ ۱۲۵، ویکون، أی التعزیر بالھجوم علی بیت المفسدین, وبالإخراج عن الدار، بہدمہا، کسر دنان الخمر. (الدر المختار ورد المحتار: ۶۵، ۴/ ۶۴) اور مالکیہ نے کی ہے (دبستان فقہ مالکی کے مشہور فقیہ ابن فرحون مالکیؒ کا بیان ہے: ’’ **وَالتَّعْزِيرُ بِالْمَالِ: قَالَ بِهِ الْمَالِكِيَّةُ ...وَالْفَاسِقُ إِذَا آذَى جَارَهُ وَلَمْ يَنْتَهِ، تُبَاعُ عَلَيْهِ دَارُهُ وَهُوَ عُقُوبَةٌ فِي الْمَالِ وَالْبَدَنِ...وَمَنْ مَثَّلَ بِأَمَتِهِ عَتَقَتْ عَلَيْهِ وَذَلِكَ عُقُوبَةٌ بِالْمَالِ...وأفتى أحد علمائنا وهو ابن القطان الأندلسي** ‘‘(تبصرۃ الحکام ۲/ ۲۹۳، ۲۹۴)، حنابلہ کے یہاں بھی راجح قول جواز کا ہے ہے: ’’ **والتعزير بالمال سائغ إتلافا وأخذا، وهو جارٍ على أصل أحمد** ‘‘(الحسبۃ فی الإسلام لابن تیمیۃ، ص: ۳۱)، شافعیہ کے یہاں اس کی کوئی صراحت نہیں ملی سوائے اس کے کہ امام شافعیؒ کا ایک قدیم قول ہے کہ تعزیر مالی جائز ہے، اس قول کو علامہ ابن اخوۃؒ نے اختیار کیا اور اس کو راجح قرار دیا (دیکھئے: معالم القربۃ فی طلب الحسبۃ، ص: ۱۹۴- ۱۹۵)، اس کے علاوہ مشہور تابعی امام حسنؒ اور امام اوزاعیؒ نے بھی تعزیر مالی اتلاف کی صورت کو جائز قرار دیا ہے (معالم السنن للخطابی: ۲/ ۲۶۰)۔

دوسری صورت کی مثال: جاندار کی مورتیاں اور تصویریں، ان کے سر کو کاٹ کو الگ کردیئے جائیں، اس کو فقہ کی اصطلاح میں تعزیر مالی بصورت تغییر کہا جاتا ہے (الحسبۃ فی الإسلام لابن تیمیہ، ص: ۵۱)۔

۲-تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا مشہور مذہب:

تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا مشہور مذہب عدم جواز کا ہے؛ چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری کا بیان ہے: ’’ **والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال** ‘‘(البحر الرائق: ۵/ ۴۴، ردالمحتار: ۴/ ۶۲) حاصل بحث یہ ہے کہ تعزیر کے طور پر مال لینے کی بابت حنفی مذہب عدم جواز ہے، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے (دیکھئے: الفتاوی البزازیۃ مع الہندیۃ: ۶/ ۴۵۷، تبیین الحقائق: ۳/ ۲۰۸، ردالمحتار ۳/ ۱۸۴)۔

۳-تعزیر بالمال کے بارے میں حنفی مذہب میں جواز کا قول:

ہاں، تعزیر بالمال کی بابت ائمہ حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ کا قول جواز کا ہے، کتب فقہ حنفی کی کئی کتابوں میں امام ابو یوسفؒ

سے جواز کا قول منقول ہے:"وعن أبی یوسف أن التعزیر بأخذ المال جائز للإمام "(تبیین الحقائق للزیلعی:۳/ ۱۰۸، البحرالرائق لابن نجیم المصری:۵/ ۴۴)۔ جہاں تک اس قول کی حیثیت کی بات ہے تو علامہ ابن نجیم مصریؒ نے قیل کے لفظ سے نقل کیا ہے جس کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ لفظ قول ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے، نیز اوپر حنفیہ کا راجح قول المذہب کے لفظ سے نقل کیا گیا ہے، جو کہ الفاظ ترجیح میں سے ہے۔

۴-حنفیہ کے یہاں جواز قول کے پرفتوی:

ہاں ،بعض فقہاء احناف نے امام ابویوسفؒ کے قولِ جواز پرفتوی دیا ہے؛ چنانچہ امام افتخار الدین طاہر بن احمد بخاری (ت:۵۴۲ھ مطابق ۱۱۴۷ء) کا بیان ہے:

" أن التعزیر بأخذ المال إن رأی القاضی ذلک أو الوالی جاز، ومن جملة ذلک رجل لایحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال"(البحرالرائق:۵/ ۴۴)

اگر قاضی یا حاکم کو مال لے کر تعزیر وسرزنش میں مصلحت ومفاد نظر آئے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے،اسی قبیل سے یہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص نماز کی جماعت میں حاضر نہیں ہوتا ہے تو اس کی سرزنش اخذ مال کے ذریعہ کرنی درست ہے۔

علامہ محمد بن شہاب بزار کردری خوارزمی (ت:۸۲۷ھ) رقمطراز ہیں:

"والتعزیر بأخذ المال أن المصلحة فیه جائزة"(الفتاوی البزازیة مع الہندیة، کتاب الحدود:۶/ ۴۲۷)۔

مال لے کر تعزیر کرنے میں اگر مصلحت ہے تو ایسا کرنا درست ہے۔

اور علامہ علاء الدین طرابلسی (ت:۸۴۴ھ) کہتے ہیں:یجوز التعزیر بأخذ المال مال لے کر تعزیر کرنا صحیح ہے (معین،ص:۱۹۵،الحکام فصل فی التعزیر،ط: دارالفکر)۔

۵-ائمہ ثلاثہ یا مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال اس بابت کیا ہیں؟

اس بارے میں ان مذاہب ثلاثہ میں گنجائش ہے،ملاحظ ہو:

دبستان فقہ مالکی کے مشہور فقیہ ابن فرحون مالکیؒ کا بیان ہے:"وَالتَّعْزِیرُ بِالْمَالِ: قَالَ بِهِ الْمَالِکِیَّةُ "(ور مال کے ذریعہ تعزیر کے قائل مالکیہ ہیں)(تبصرة الحکام:۲/ ۲۹۳)،نیز وہ رقمطراز ہیں:

" وَالْفَاسِقُ إذَا آذَی جَارَهُ وَلَمْ یَنْتَهِ، تُبَاعُ عَلَیْهِ دَارُهُ وَهُوَ عُقُوبَةٌ فِی الْمَالِ وَالْبَدَنِ...وَمَنْ مَثَّلَ بِأَمَتِهِ عَتَقَتْ عَلَیْهِ وَذَلِکَ عُقُوبَةٌ بِالْمَالِ"(تبصرة الحکام:۲ / ۲۹۴)۔

فاسق جب اپنے پڑوس کو تکلیف پہونچائے اور وہ تکلیف پہونچانے سے باز نہ آئے تو اس کے خلاف اس کا گھر بیچ دیا جائے گا، یہ مالی اور بدنی دونوں سزائیں ہوئیں ...اور جس نے اپنی باندی کو مثلہ کیا،تو وہ آزاد ہوگئی اور وہ اس کی ملکیت سے نکل گئی، اور یہ مال کے ذریعہ تعزیر ہوئی۔

اسی طرح علامہ ابن قطان اندلسی جو کہ مالکیؒ ہیں ، انہوں نے تعزیر بالمال کے جواز کا فتوی دیا ہے (تبصرۃ الحکام ۲/ ۲۹۳)۔

شافعیہ کے یہاں اس کی کوئی صراحت نہیں ملی سوائے اس کے کہ امام شافعیؒ کا ایک قدیم قول ہے کہ تعزیر مالی جائز ہے (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: ۱۲/ ۲۷۰، تہذیب السنن لابن القیم: ۴/ ۳۱۸)، اس قول کو علامہ ابن اخوۃؒ نے اختیار کیا اور اس کو راجح قرار دیا (دیکھئے: معالم القربۃ فی طلب الحسبۃ، ص: ۱۹۴-۱۹۵)۔

دبستان فقہ حنبلی کے مایہ ناز فقہاء اور ترجمان علامہ ابن قدامہ، علامہ ابن رجبؒ، ممتاز فقیہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ حنبلیؒ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیمؒ نے تعزیر بالمال یعنی مال کے ذریعہ تعزیر کرنے کو جائز قرار دیا ہے، مزید شیخ الاسلام ابن تیمیہ حنبلیؒ نے اس کے جواز کو امام احمدؒ کے مذہب کی اصل کے موافق بتایا ہے؛ چنانچہ ان کا بیان ہے:

"والتعزير بالمال سائغ إتلافا وأخذا، وهو جار على أصل أحمد؛ لأنه لم يختلف أصحابه أن العقوبات فی الأموال غير منسوخة كلها .ومعنى قوله (جارعلى أصل أحمد) أى: موافق لأصل مذهب الإمام أحمد وليس مرويا عنه" (الاختیارات الفقہیۃ، ص: ۵۱۷، ۵۱۶، الحسبۃ فی الإسلام، ص: ۳۱)۔

تعزیر بالمال بصورت اتلاف اور لینے دونوں جائز ہیں، یہ امام احمدؒ کے اصل کے مطابق ہے؛ کیونکہ امام احمدؒ کے اصحاب نے اختلاف نہیں کیا کہ مالوں کے ذریعہ سزائیں سب کے سب منسوخ ہیں، اور (جارعلی أصل أحمد) کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ امام احمدؒ کے مذہب کی اصل کے موافق ہے، ان سے راست منقول نہیں ہے۔

ایک موقع سے علامہ ابن قدامہ لکھا ہے: **"وَإِنْ سَرَقَ مِنْ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ، فَعَلَيْهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ .وَبِهِ قَالَ إِسْحَاقُ؛ لِلْخَبَرِ الْمَذْكُورِ"** (المغنی لابن قدامہ ۹/ ۱۱۹)۔

اور اگر کسی نے درخت میں لگے پھلوں میں سے چوری کی تو اس پر اس کا دوگنا مالی تاوان لازم ہوگا، اسی کے قائل امام اسحاق بن راہویہ بھی ہیں؛ کیونکہ اوپر حدیث گذر چکی ہے۔

علامہ ابن رجبؒ نے دو فقہی مسائل ذکر کئے ہیں، جس سے تعزیر مالی کے جواز پر روشنی پڑتی ہے، وہ لکھتے ہیں: **"من سرق من غير حرز فإنه يتضاعف عليه الغرم لو قلع الأعورعين الصحيح فإنه لايقتص منه وتلزمه الدية كاملة"** (القواعد فی الفقہ الإسلامی، ص: ۳۱۲، ۳۱۱) (کسی نے غیر محفوظ جگہ سے چوری کی تو اس پر اس کا ڈبل مالی تاوان لازم ہوگا۔ اگر کسی کانا نے صحیح آنکھ والے کی آنکھ پھوڑ دی تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ اس پر پوری دیت لازم ہوگی)۔

علامہ ابن قیمؒ کا بیان ہے کہ تعزیر مالی امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے مذہب میں اور ایک قول کے مطابق شافعیہ کے یہاں بھی مشروع و جائز ہے (الطرق الحکمیۃ، ص: ۳۰۸)۔ مزید انہوں نے لکھا ہے: جہاں تک تعزیر مالی کی بات ہے تو یہ مختلف موقعوں اور جگہوں پر مشروع و جائز ہے (إعلام الموقعین عن رب العالمین: ۲/ ۶۷)۔

اس کے علاوہ مشہور تابعی امام حسنؒ اور امام اوزاعیؒ نے تعزیر مالی اتلاف کی صورت کو جائز قرار دیا ہے (معالم السنن للخطابی: ۲/ ۲۶۰)، جبکہ علامہ شوکانیؒ نے تعزیر مالی کے جواز کی بابت آل بیت کا مذہب بلا اختلاف نقل کیا ہے، نیز اس قول کی نسبت امام یحییٰؒ اور ھادیہ زیدیؒ کی طرف بھی کی ہے (نیل الأوطار للشوکانی: ۱۸۰، ۴/ ۱۳۹)۔

۶-شدید ضرورت کے وقت قول ضعیف پر فتوی:

زیر بحث مسئلہ تعزیر مالی میں حنفی مذہب میں راجح قول اور مفتی بہ مذہب عدم جواز اور ضعیف قول جواز کا ہے؛ تاہم جواز کا قول مختلف دلائل و براہین اور دوسرے فقہاء کے قول سے مؤیَّد ہے جیسا کہ پیچھے بات تفصیل سے آچکی ہے۔اور ضرورت کے مواقع میں مذہب کے قول ضعیف اور مذہب غیر پر فتوی دینا اور عمل کرنا جمہور فقاء کے نزدیک جائز ہے، بشرطیکہ نص شرعی صریح کے خلاف نہ ہو اور قول راجح اور ضعیف کے درمیان تطبیق ممکن نہ ہو؛ پس ایسے حالات میں جبکہ جرائم و معاصی سے روکنے کے لئے وعظ اور زبانی فہمائش کافی نہ ہو اور جسمانی سزا کا بھی کوئی موقع نہ ہو تو ضرورۃً قول ضعیف تعزیر مالی کے جواز پر فتوی دیا جاسکتا ہے۔

۷-طلباء کی مختلف کوتاہیوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ:

آج کل تعلیمی اداروں میں طلباء کی مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ لگانا بغیر کسی کراہت کے شرعًا درست ہے؛ البتہ یہ رقم طلباء کے مصالح و مفاد پر خرچ کی جائے گی، جیسے قرآن، حدیث، تقریری اور تحریری وغیرہ انعامی مقابلوں میں، یا اپنے درجوں میں پوزیشن لانے والے طلباء کو نقد رقم یا اس سے کتابیں وغیرہ خرید کر انعام کے طور پر دی جائیں گی، اسی طرح یہ رقم طلباء کے کھانے کی مد میں، فقراء و مساکین، مجبور اور ضرورتمندوں کی شادی بیاہ یا محتاج بیمار وغیرہ لوگوں پر خرچ کی جاسکتی ہے، واضح رہے کہ تعلیمی ادارے والے اس رقم کو اساتذہ اور عملہ وغیرہ کی تنخواہوں یا ان کے چائے پانی اور کھانے پینے پر خرچ نہیں کرسکتے، ہاں اگر ان میں کوئی مصرف زکاۃ ہو تو اس کو یہ رقم دی جاسکتی ہے، اسی طرح تعمیری کاموں پر خرچ نہیں کرسکتے؛ کیونکہ تعلیمی اداروں کے ذمہ داران تعزیری مالی کی رقم کے مالک نہیں ہیں بلکہ وہ اس کے امین ہیں، نیز رسول اللہ ﷺ نے مالی تعزیری کے بارے میں صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا: "لايحل لآل محمد منها" (نسائی، حدیث: ۲۴۴۴، ۲۴۴۹، ابوداود، زکاۃ، حدیث: ۱۵۷۵، مستدرک حاکم، زکاۃ: ۱/ ۵۲۲، حدیث: ۱۴۴۸، امام حاکمؒ کا بیان ہے: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اس کے تخریج نہیں کی، اور حافظ ذہبیؒ نے حکم حدیث میں ان کی موافقت کی ہے)۔اس حدیث پاک سے وجہ استدلال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ذات کو بحیثیت حاکم اور اپنے اہل خاندان کو اتہام سے بچنے کے لئے مستثنی فرمایا، یا پھر یہ صدقہ واجبہ کے حکم میں ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اپنی ذات کو اور اپنے اہل خاندان کو مستثنی فرمایا یا؛ کیونکہ واجب صدقہ آپ ﷺ اور آپ کے خاندان کے لئے حلال نہیں ہے۔

نیز جن فقہاء نے تعزیر مالی کو جائز قرار دیا ہے، ان کے نزدیک اس کا مصرف بیت المال ہے یا خیر و بھلائی کا راستہ (فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء: ۱/ ۲۲۵)، بروایت فقیہ ابن قاسمؒ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ صدقہ کردیا جائے گا، یہی مالکیہ کا

مشہور مذہب ہے (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: ۱۲/ ۲۷۲)۔حنفی مذہب کے مشہور ترجمان علامہ ابن نجیمؒ نے لکھا ہے کہ قاضی جب مجرم کی توبہ سے مایوس ہوجائے تو وہ جہاں مناسب سمجھے خرچ کرسکتا ہے (البحرالرائق: ۵/ ۴۴،مجمع الأنہر:۱/ ۶۰۹)،اور ظاہر ہے کہ حاکم وقاضی کا تصرف عوام و رعیت کے مفاد ومصالح سے جڑا ہوا ہے وہ اپنے تصرف میں آزاد نہیں ہیں (الأشباہ والنظائر لابن نجیم المصری:۱۲۵،۱/ ۱۲۳)،اور عوام کے مفاد ومصالح میں سے ان میں کے فقراء ومساکین، مجبور اور ضرورتمندوں کی شادی بیاہ یا محتاج بیمار وغیرہ لوگوں پر صدقہ کرنا ہے، اسی طرح اگر قاضی چاہے تو دوسرے کار خیر کی راہوں میں بھی خرچ کرسکتا ہے، جیسا کہ حدیث بالا میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مالکیہ اور حنفیہ کے درمیان کوئی خاص اختلاف معلوم نہیں ہوتا ہے۔

۸-تعلیمی اداروں کے علاوہ ہاؤسنگ سوسائٹیاں وغیرہ کا نظام مالی جرمانہ:

ہاؤسنگ سوسائٹیاں اور اس جیسے اداروں کا نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے لوگوں سے مقررہ وقت پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا نہ کرنے پر مالی جرمانہ وصول کرنا شرعاً درست نہیں ہے؛ کیونکہ یہ صورت عقد بیع کی ہے، جس میں مکان کی قیمت پوری ادھار ہوتی ہے یا اس کی ادائیگی بالاقساط ہوتی ہے، اور ادائیگی کی ایک آخری تاریخ مقرر ہوتی ہے، اس تاریخ تک بہرحال پوری قیمت ادا ہوجانا ضروری ہوتا ہے، اس آخری مقررہ تاریخ سے تاخیر کی صورت میں خریدار مدیون پر مالی جرمانہ لگایا جاتا ہے، اور ہر وہ صورت جس میں ثمن ادھار ہو اور مقررہ وقت کے اندر عدم ادائیگی کی صورت میں اس پر مالی جرمانہ لگانا سود ہے؛ اس لئے کہ یہ زائد رقم بلاعوض ہے، اور اگر پوری قیمت یا باقیماندہ قیمت کی ادائیگی کے لئے دوبارہ آگے کوئی نئی تاریخ مقرر ہوتی ہے کہ فلاں تاریخ تک ادا ہونا ہے اور پہلا مقررہ وقت سے تاخیر کی وجہ سے اتنی زائد رقم جرمانہ کے طور پر تم پر عائد کیا جاتی ہے، ایسی صورت میں زائد رقم بلاعوض اور مدت کے عوض ہوئی، اور یہ زمانہ جاہلیت کے سود کی صورتوں میں ایک صورت ہے جس کو فقہ کی اصطلاح میں ربا النسیئہ کہا جاتا ہے، نیز واضح رہے کہ مالی جرمانہ کے نام پر یہ زائد رقم دینے کی شرط عقد کے شروع میں معاملہ کرتے وقت صلب عقد میں لگائی گ ء ہو یا بعد میں درمیانِ مدت یا ادائیگی کی مدت پوری ہونے کے بعد ادائیگی سے قاصر ہوتے وقت یا ادائیگی سے گریز کرتے وقت لگائی گئی ہو، اسی طرح خواہ خریدار مدیون خواہ مالدار ہو یا غریب تنگدست، دوسرے الفاظ میں خریدار مدیون تنگدستی کی وجہ سے ثمن دین ادا کرنے سے قاصر ہو یا حقیقت میں تنگدستی نہ ہو بلکہ مصنوعی ہو اور شرارت کی وجہ سے ٹال مٹول کررہا ہو (دیکھئے: فتح القدیر للشوکانی:۱/ ۳۸۰، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۴/ ۲۰۲)۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا صورت کو مالی جرمانہ، یا دین کی ادائیگی میں تاخیر کا جرمانہ، یا دین کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے نقصانات کی تلافی کا معاوضہ، یا تاخیر کی مدت کے دوران نفع سے محرومی کے تدارک کا معاوضہ، یا مقررہ وقت پر دین کی ادائیگی میں تاخیر کا مالی جرمانہ، یا مقررہ وقت پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا نہ کرنے پر تعزیر مالی، یا اسی طرح کے دوسرے نام دینے سے اصل حقیقت نہیں بدلتی اور نہ ہی اس کا حکم کا بدلتا ہے؛ کیونکہ عقود ومعاملات میں اعتبار مقاصد ومعانی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ ومبانی کا العبرۃ فی العقود للمعانی لاللألفاظ (غمز عیون البصائر للحموی:۲/ ۱۶۸)، العبرۃ فی العقود للمقاصد والمعانی لاللألفاظ والمبانی (شرح القواعد الفقہیۃ للشیخ

محمد أحمد الزرقا: ص، ۵۵، الوجیز فی إیضاح قواعد الفقہ للدکتور محمد صدقی الغزی: ۱ / ۸۷)۔

اور مذاہب اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دیون میں اضافہ حرام جاہلی سود ہے اور یہ حرام ہے، اس میں مالدار مدیون شرارت سے عمداً ٹال مٹول کرنے والے اور تنگدست مدیون حقیقت میں تنگدستی کی وجہ سے ٹال مٹول کرنے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اسی طرح اس میں اضافہ کی شرط خواہ عقد کے شروع میں معاملہ کرتے وقت صلب عقد میں لگائی گ ء ہو یا بعد میں درمیانِ مدت یا ادائیگی کی مدت پوری ہونے کے بعد ادائیگی سے قاصر ہوتے وقت یا ادائیگی سے گریز کرتے وقت لگائی گئی ہو (دیکھئے: المبسوط للسرخسی: ۱۸ / ۳۲، فتح القدیر: ۵ / ۲۷۳، البحر الرائق: ۴ / ۴۰۴، المنتقی: ۵ / ۶۶، المقدمات لابن رشد: ۲ / ۸، مفاتیح الغیب للفخر الرازی: ۷ / ۵۷، مجموع الفتاوی: ۲۹ / ۴۳۹، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۳ / ۳۴۸)۔ بیع بالاقساط کی بابت اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی تجاویز میں لکھا ہے کہ اگر مدیون خریدار اقساط کی ادائیگی میں طے شدہ مقررہ وقت سے تاخیر کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس پر مالی جرمانہ لگانا درست نہیں ہے، اس میں مزید صراحت ہے کہ دین پر کسی بھی طرح کا اضافہ کا الزام خواہ شرط سابق کی بناء پر ہو یا بغیر شرط کے جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ حرام سود ہے (مجلۃ المجمع الفقہی الإسلامی، العدد: ۱۳، ص: ۱۳۱)۔

ہاؤسنگ سوسائٹیاں اور اس جیسے اداروں کا نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے لوگوں سے مقررہ وقت پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا نہ کرنے پر مالی جرمانہ وصول کرنا زمانہ جاہلیت میں رائج سود کی ایک شکل ہے جس کو ربا النسیئہ کہا جاتا ہے، اس کی حرمت پر بہت ساری دلیلیں ہیں ان میں سے چند اہم دلیلیں درج ذیل ہیں جن سے زیر بحث صورت مسئلہ کے حکم پر واضح روشنی پڑتی ہے، ملاحظہ ہو:

پہلی دلیل قرآن پاک سے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ**" [آل عمران: ۱۳۰] اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ، جس کو (سود در سود کے ذریعہ) کئی گنا کر دیتے ہو، اللہ سے ڈرتے رہو؛ تاکہ تم کامیاب ہو۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ خرید وفروخت کا معاملہ ادھار کیا کرتے تھے، جب رقم ادا کرنے کا آپس میں طے شدہ مقررہ وقت آ جاتا تو وہ لوگ طے شدہ مقررہ ثمن کی ادائیگی کی مدت میں تاخیر کرتے ہوئے مقررہ ثمن میں بھی اضافہ کرتے تھے، تو اللہ تعالی نے اس معاملہ کو سود کا معاملہ قرار دیتے ہوئے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۴ / ۲۰۲)۔ الدر المنثور للسیوطی: ۲ / ۳۱۳)، نیز غور وفکر کا مقام ہے کہ اس آیت کریمہ میں مالدار مدیون شرارت سے عمداً ٹال مٹول کرنے والے ور تنگدست مدیون حقیقت میں تنگدستی کی وجہ سے ٹال مٹول کرنے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، اور نہ ہی اِس میں حرمت کے لئے اِس بات کی صراحت ہے کہ اضافہ کی شرط عقد کے شروع میں معاملہ کرتے وقت صلب عقد میں لگائی گ ء ہو یا بعد میں درمیانِ مدت یا ادائیگی کی مدت پوری ہونے کے بعد ادائیگی سے قاصر ہوتے وقت یا ادائیگی سے گریز کرتے وقت لگائی گئی ہو؛ بلکہ آیت کا حکم ِحرمت عام ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کے اِس ارشاد میں بھی اِس بات کی طرف اشارہ موجود ہے: "**أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً**" (آل عمران: ۱۳۰) (سود در سود کے ذریعہ) کئی گنا کر دیتے ہو ...۔ یعنی سود در سود لینے کا طریقہ عربوں کے یہاں جو مروج تھا اس کا یہاں

ذکر ہے کہ وہ اصل رقم پر تو سود لیتے ہی تھے؛ لیکن اگر وقت پر رقم ادا نہ ہو پائی تو اصل رقم کے علاوہ بقایا سود پر بھی سود لیا کرتے تھے، مہلت دیتے جاتے اور سود در سود کا معاملہ کرتے جاتے، اس طرح سود اصل رقم سے بھی کئی گنا زیادہ ہو جاتا، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اگر سود پر سود نہ لیا جائے اور اصل بقایا پر اکہرا سود لیا جائے تو وہ جائز ہے (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۴/ ۲۰۲، فتح القدیر للشوکانی: ۱/ ۳۸۰)؛ کیونکہ قرآن نے خود دوسری جگہ مطلق سود کی حرمت کا اعلان کیا ہے: "وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" (البقرۃ: ۲۷۵) (اور اللہ نے تجارت کو حلال رکھا اور سود کو حرام)۔

دوسری دلیل حضرت جابر بن عبداللہؓ کی حدیث ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: زمانہ جاہلیت کا سود روندا جاتا ہے، سب سے پہلے میں اپنے سود حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے سود کو (اپنے پیروں تلے) روندتا ہوں (مسلم، باب فی حجۃ النبی ﷺ، حدیث: ۱۲۱۸ / ۱۴۷، ابوداود، حدیث: ۱۹۰۵)۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث پاک میں زمانہ جاہلیت میں مروج سود کے طریقہ کی حرمت کا ذکر ہے، وہ دیون میں مدت کے مقابلہ میں سود لیا کرتے تھے، موجودہ ہاؤسنگ سوسائٹیاں اور اس جیسے اداروں کا نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے لوگوں سے مقررہ وقت پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا نہ کرنے پر مالی جرمانہ وصول کرنا زمانہ جاہلیت میں مذکورہ بالا رائج سود کے طریقہ کے مشابہ ہے؛ کیونکہ دونوں جگہوں پر مدت کے مقابلہ میں اضافہ رقم لینے کا ذکر ہے، نیز واضح رہے کہ حدیث میں مالدار مدیون شرارت سے عمداً ٹال مٹول کرنے والے اور تنگدست مدیون حقیقت میں تنگدستی کی وجہ سے ٹال مٹول کرنے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، اور نہ ہی اس میں حرمت کے لئے اِس بات کی صراحت ہے کہ اضافہ کی شرط عقد کے شروع میں معاملہ کرتے وقت صلب عقد میں لگائی گئی ہو یا بعد میں درمیانِ مدت یا ادائیگی کی مدت پوری ہونے کے بعد ادائیگی سے قاصر ہوتے وقت یا ادائیگی سے گریز کرتے وقت لگائی گئی ہو۔

دلائل سے جب یہ بات ثابت ہوگء کہ موجودہ ہاؤسنگ سوسائٹیاں اور اس جیسے اداروں کا نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے لوگوں سے مقررہ وقت پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا نہ کرنے پر مالی جرمانہ وصول کرنا ربا النسیئۃ ہے، اور یہ حرام ہے؛ پس اس کا لینا اور دینا حرام ہوگا اور اس کا کھانا ناجائز طریقہ پر غیر کا مال کھانا ہوگا، جس سے قرآن نے بڑی سختی سے منع کیا ہے: "وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" [البقرۃ: ۱۸۸] (اور ناحق طریقہ پر ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ) "وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ" [النساء: ۱۶۱] (وہ سود لیا کرتے تھے؛ حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا، اور ناحق طریقہ پر لوگوں کے مال کھا لیا کرتے تھے)۔

جہاں تک رہی بات کہ نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کا نظام بنایا جاتا ہے؛ تاکہ لوگ مقررہ وقت پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا کر دیا کریں ورنہ لوگ ٹال مٹول کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں پورا نظام متاثر ہوتا ہے، سود حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ لوگوں کو طے شدہ مقررہ وقت پر مطلوبہ رقم ادا کروانا مقصود ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ اوپر بات آ چکی ہے کہ نام بدلنے سے حکم نہیں بدلتا ہے، یہ مالی جرمانہ کی صورت زمانہ جاہلیت میں مروج ربا النسیئہ کی صورت سے مشابہ ہے، اور اصول یہ کہ مقصد کے ساتھ حصول مقصد کا ذریعہ بھی درست ہونا ضروری ہے، یہاں زیر بحث مسئلہ میں ایک فریق کو ضرر سے بچانا یا نظام کو بدنظمی کے ضرر سے بچانا مقصد ہے، یقیناً یہ اچھی بات ہے، لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے جو طریقہ وذریعہ اختیار کیا جاتا ہے وہ درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے بنیادی حکم سود سے متصادم ہے، گویا دوسرے الفاظ میں شریعت اسلامیہ کے مفاد ومصلحت حرمت سود سے متعارض ہے، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ شریعت اسلامیہ کے مفاد ومصلحت حرمتِ سود کو ترجیح حاصل ہوگی؛ کیونکہ حرمتِ سود قطعی ہے اور دائن کی مصلحت ظنی و وہمی ہے، تو مصلحت شرع اقوی ہوا اور تعارض کے وقت اقوی کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ دیکھئے! اللہ تعالی نے مختلف مقامات پر حلال پاکیزہ مال کھانے کا حکم فرمایا (دیکھئے: [البقرۃ:۲:۱۷۲،۵۷، المائدۃ:۵:۴]، اس کے بعد اللہ تعالی نے جائز حلال وطیب مال کو ناجائز طریقہ سے کھانے سے روکا، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ'' [البقرۃ:۱۸۸] (اور ناحق طریقہ پر ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ اور نہ (رشوت کے طور پر) مال حاکموں تک پہنچاؤ؛ تاکہ جانتے بوجھتے لوگوں کا کچھ مال ظلم کے ساتھ کھا جاؤ)، ''وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ'' [النساء:۱۶۱] وہ سود لیا کرتے تھے؛ حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا، اور ناحق طریقہ پر لوگوں کے مال کھالیا کرتے تھے، غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالی نے جائز حلال وطیب مال کو حاصل کرنے کے لئے جہاں ناجائز طریقے سے روکا وہیں اس کے متبادل جائز طریقے تجارت - جس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، جس کی تفصیل کے لئے کتب حدیث اور فقہ اسلامی کی طرف مراجعت فرمائیں - کی طرف رہنمائی فرمایا، بلکہ اس کا اعلان اور حکم فرمایا: ''وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا'' [البقرۃ:۲۷۵] (اور اللہ نے تجارت کو حلال رکھا اور سود کو حرام)۔

اصولی طور پر واضح رہے کہ تعزیر مالی کو جن فقہاء نے جائز قرار دیا ہے، انہوں نے مطلق جائز قرار نہیں دیا ہے؛ بلکہ یہ جواز اِس بات سے مقید ہے کہ وہ اللہ تعالی کی حرام کردہ چیزوں سے متصادم نہ ہو، اللہ تعالی کی حرام کردہ چیزیں اللہ کی حدود کہلاتی ہیں [البقرۃ:۲۳۰، ۲۲۹، ۱۸۷، النساء:۱۳، المجادلۃ:۴، الطلاق:۱]، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ: '' إن التعزير لايختص بنوع معين، وإنما يرجع فيه إلى اجتهاد الحاكم فی نوعه وقدره إذا لم يتعد حدود الله '' (یعنی تعزیر کسی خاص قسم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، اس کی تعیین حاکم کے اجتہاد پر ہے، وہ اس کی نوعیت اور مقدار اس طور پر طے کرے گا کہ وہ اللہ تعالی کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرے)۔

۹- پنچایتوں اور کاروباری انجمنوں کا نظامِ تعزیر مالی:

دلائل سے اوپر بات آ چکی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ صورت یا ہر وہ نظام تعزیر مالی جس میں طے شدہ مطلوبہ رقم کی ادائیگی میں تاخیر کی بناء پر مالی جرمانہ عائد کیا جائے تو وہ سود ہے؛ کیونکہ وہ (تاخیر کا) مالی جرمانہ طے شدہ مطلوبہ رقم سے زائد ہوگی، جو

بلاعوض ہوگی ، یا اگر ادائیگی کے لئے آگے کی کوئی اورنئی تاریخ مقرر ہوتی ہے کہ فلاں تاریخ تک ادا ہونا ہے اور پہلا مقررہ وقت سے تاخیر کی وجہ سے اتنی زائد رقم جرمانہ کے طور پر عائد کیا جاتا ہے،تو ایسی صورت میں زائد رقم بلاعوض اور مدت کے عوض ہوئی ،اور یہ زمانہ جاہلیت کے سود کی صورتوں میں ایک صورت ہے جس کو فقہ کی اصطلاح میں ربا النسیئہ کہا جاتا ہے۔ نیز واضح رہے کہ مالی جرمانہ کے نام پر یہ زائد رقم دینے کی شرط عقد کے شروع میں معاملہ کرتے وقت صلب عقد میں لگائی گ ء ہو یا بعد میں درمیانِ مدت یا ادائیگی کی مدت پوری ہونے کے بعد ادائیگی سے قاصر ہوتے وقت یا ادائیگی سے گریز کرتے وقت لگائی گئی ہو،اسی طرح سامنے والا فریق ثانی مدیون خواہ مالدار ہو یا غریب تنگدست، دوسرے الفاظ میں سامنے والا فریق ثانی مدیون تنگدستی کی وجہ سے طے شدہ مطلوبہ رقم دین ادا کرنے سے قاصر ہو یا حقیقت میں تنگدستی نہ ہو بلکہ مصنوعی ہو اور شرارت کی وجہ سے ٹال مٹول کررہا ہو،اس سے حکم یعنی سود ہونے اور اس کے حرام ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا (دیکھئے: فتح القدیر للشوکانی: ۱ / ۳۸۰، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۴ / ۲۰۲)؛ لہذا برادریوں اور خاندانی پنچایتوں نیز کاروباری انجمنوں کا عمل دباؤ اور اصلاح کی غرض سے اس قسم کا نظام شرعًا درست نہیں ہوگا اور مالی جرمانہ سود کے حکم میں ہونے کی وجہ سے حرام ہوگا۔

برادریوں اور خاندانی پنچایتوں نیز کاروباری انجمنوں کا دباؤ اور اصلاح کی غرض سے نظام تعزیر مالی اس طور پر ہو کہ اگر کسی نے خلاف شرع عمل کیا، یا میرے نظام اوقات کی پابندی نہیں کی ،وقت پر مٹنگ میں حاضر نہیں ہوا، یا مٹنگ سے غیر حاضر رہا، یا آپس میں کسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور وہ جھگڑا برادری وخاندانی پنچایت یا گاؤں کی پنچایت، یا وہاں قائم برائے اصلاح انجمن کے پاس آیا ہو، حالات اور مسئلہ کی نوعیت کچھ ایسی ہو کہ ظالم فریق پر مالی جرمانی لگانے کی ضرورت محسوس ہورہی ہو تو زیادتی کرنے والے فریق کی سرزنش کے طور پر مالی جرمانا لگانا درست ہوگا۔اور یہ پنچایت وغیرہ قاضی کے درجہ میں ہوگا، اگر اس علاقہ میں دارالقضاء ہو تو وہاں کے قاضی کے ذریعہ کے اس کا نفاذ عمل میں لایا جائے؛ کیونکہ حاکم، اس کے نائب اور قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے (بدائع الصنائع للکاسانی: ۲ / ۳۱۶، النہر الفائق شرح کنز الدقائق: ۳ / ۱۷۲، منحۃ الخالق علی البحر الرائق للعلامۃ ابن عابدین الشامی: ۶ / ۱۶۶)؛ اسی وجہ سے اصلا تعزیر مالی لگانے کا اختیار حاکم اور قاضی کو ہی ہے (الذخیرۃ للقرافی: ۱۲ / ۱۱۹) اور اگر مجبوری ہو کہ اس علاقہ میں دار القضاء قائم نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ پنچایت دارالقضاء کی نیابت کرتے ہوئے مالی جرمانہ نافذ کرسکتی ہے۔اس مسئلہ کے نظیر فقہ حنفی کی کتابوں یہ ملتی ہے کہ اگر ایک شخص نماز کی جماعت میں حاضر نہیں ہوتا ہے تو اس پر مالی جرمانا لگانا درست ہے۔''**أن رجلا لا یحضر الجماعة یجوز تعزیرہ بأخذ المال**'' (البحر الرائق لابن نجیم المصری: ۵ / ۴۴)۔

۱۰- اس سوال کے کئی شقیں ہیں؛ اس لئے تمام شقوں کے الگ الگ جوابات درج ذیل سطروں میں تمہیدی وضاحت کے ساتھ سپرد قرطاس کئے جارہے ہیں، ملاحظہ ہو:

طلاق دینے کا اختیار مرد کو ہے، اللہ تعالی نے جس طرح مرد اور عورت کے جسمانی ساخت کو یکساں نہیں بنایا اسی طرح ان دونوں کی فطرتوں اور صلاحیتوں کو بھی مساوی نہیں بنایا، ان دونوں کی طبیعتوں میں بھی ایک حد تک تفاوت رکھا ہے، ان دونوں کے

جذبات واحساسات اور حساسیت میں بھی فرق ملحوظ رکھا ہے،اسی طرح ان دونوں کے بول چال،آواز،نقل وحرکت،انداز گفتگو اور مختلف چیزوں میں نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے،یہ اللہ تعالی کی قدرت کا کھلا ہوا کرشمہ ہے جو ہم اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور عقل وشعور سے ادراک کررہے ہیں،ان سب کا کھلا ہوا مطلب یہ نکلتا ہے کہ احکام الہی میں بھی کچھ نہ کچھ دونوں کے درمیان فرق ہونا چاہئے ،فرق ہی میں توازن اور اعتدال قائم رہ سکتا ہے نہ کہ مساوات میں،اسی توازن کو قائم رکھنے کے لئے اسلام نے مردوں پر ذمہ داریاں زیادہ رکھیں اور عورتوں پر کم،جب ایسی بات ہے تو معقول بات ہے کہ عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کے حقوق زیادہ ہوں ،اسلام نے اسی معقولیت کے پیش نظر ذمہ داری کے بقدر استحقاق کا اصول بنایا،اگر اسلام ایسا نہیں کرتا تو ظلم ہوتا اور اسلام کا دعوی کہ یہ دین فطرت ہے غلط ثابت ہوتا؛چنانچہ اللہ تعالی نے اپنے کلام پاک میں اس کا خیال رکھتے ہوئے عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کے زائد حقوق کی طرف اشارہ فرمایا:

"وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِی عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ"[البقرۃ:۲۲۸]۔

(عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں،ایسے ہی مردوں پر عورتوں کے حقوق بھی ہیں،ہاں!البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے،اور اللہ غالب اور حکمت والے ہیں)۔

"الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِم"[النساء:۳۴]

(مرد عورتوں پر نگراں ہیں؛اس لئے کہ اللہ ہی نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے،اور اس لئے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں)۔

مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت کے قبیل سے یہ ہے کہ عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کو طلاق دینے کا اختیار دیا گیا،اسی وجہ سے قرآن وحدیث میں جہاں بھی طلاق دینے کا ذکر آیا ہے وہاں طلاق دینے کی نسبت مرد کی طرف کی گئی ہے،ان مقامات میں سے چند یہ ہیں:

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ"[الأحزاب:۴۹]۔

(اے مسلمانو!جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو،پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی ان کو طلاق دے)۔

"يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ"[الطلاق:۱]۔

(اے پیغمبر!جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو ان کی عدت کے لحاظ سے طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو،اور اللہ سے ڈرتے رہو،جو تمہارے پروردگار ہیں)۔

معلوم ہوا کہ طلاق مردوں کا حق اور ان کا حصہ ہے،اور عدت گذارنا عورتوں کے لئے ہے اور وہ ان کا حصہ ہے۔

جہاں تک حدیث پاک کا تعلق ہے تو حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عصمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"إنما الطلاق لمن أخذ بالساق "(ابن ماجہ،باب طلاق العبد،حدیث:۲۰۸۱،دارقطنی حدیث:۳۹۹۳،السنن الکبری

للبیہقی، حدیث:۱۵۱۷۹، مجمع الزوائد للہیثمی، رواہ الطبرانی، باب لا طلاق قبل نکاح، حدیث:۷۷۵۸) یعنی طلاق دینے کا حق شوہر کو ہے جس نے عورت کی پنڈلی کو پکڑا، اور ظاہر ہے کہ عورت کی پنڈلی کو پکڑنے کا حق یا حلال اس کے لئے ہے جس نے اس سے شادی کی ہو، اور وہ اس کا شوہر ہے۔ حضرت عمر بن خطاب فاروقؓ نے فرمایا: طلاق دینے کا حق اس کو ہے جس کے لئے (عورت کی) شرمگاہ حلال ہے (رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ)۔

جب عقل ونقل دونوں اعتبار سے ثابت ہوگیا کہ طلاق دینے کا مالک مرد ہے نہ کہ عورت، اور مشرق سے مغرب تک کسی بھی مہذب معاشرہ میں بھی عورت کو طلاق دینے کا حق نہیں دیا گیا ہے (مسلم پرسنل لا اور بعض غلط فہمیاں از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ص:۴۴)، اور ایسا کیوں نہ ہو؟ اس لئے کہ مرد کو حقِ طلاق دینے میں بالواسطہ طور پر عورتوں کی زندگی کا تحفظ ہے؛ کیونکہ طلاق ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور دونوں کے درمیان شدید نفرت کے وقت اس سے خلاصی کی ایک صورت ہے، اگر ایسی صورت میں قانونی طور پر مرد کو طلاق کا حق حاصل نہ ہو تو وہ اس نفرت کے ماحول سے نکلنے کے لئے غیر قانونی راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوگا، اور وہ آخر کار عورت کی جان لے گا، اس کو کسی بہانے قتل کرے گا، یا اس کو زندہ جلائے گا، یا اس کو اتنا ہراساں کرے گا کہ وہ اپنے آپ کو ہلاک اور خودکشی کر کے ہمیشہ کی نیند سوجائے۔

طلاق پر مالی جرمانہ:

اور یہ بات بھی از راہ شرع وعقل معقول ہے کہ جو شخص جس چیز کا مالک وحقدار ہوتا ہے وہ کسی کے دباؤ کے بغیر اس میں تصرف کرنے کا اختیار وحق رکھتا ہے اور وہ اس میں تصرف کرنے میں آزاد ہوتا ہے، اس کو اپنے تصرف میں کسی چیز کا پابند بنانا اس کے اختیار وحق کو سلب کرنا ہوگا اور اس کی آزادیٔ تصرف میں بے جا مداخلت ہوگی؛ اس لئے اگر وہ اپنے بیوی کو طلاق دیتا ہے تو محض طلاق دینا جرم تصور نہیں کیا جاسکتا اور اس کی بنیاد پر اس کو مجرم سمجھ کر اس کو مستحق سزا سمجھنا قرین انصاف نہیں ہوگا، ہاں! اگر معاملہ دارالقضاء میں قاضی کے پاس پہنچتا ہے، یا اس کے قائم مقام شرعی پنچایت میں مسئلہ آتا ہے اور تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ عورت مظلوم ہے اور مرد ظالم ہے، اس نے بغیر کسی معقول مجبوری اور بغیر کسی شرعی سبب وعذر کے طلاق دی ہے، تو اس پر مالی جرمانہ لگانا درست ہوگا؛ اس لئے کہ اس سے ایک معصیت سرزد ہوئی، اور وہ بھی ایسی معصیت جس کا ضرر متعدی ہے، یعنی اس کے وجہ سے بیچاری مطلقہ عورت کو مختلف نوع کے مشکلات ومصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

واضح رہے کہ بغیر کسی شرعی سبب وعذر کے طلاق دینا معصیت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے شوہر کو عورت کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین کی ہے، اس کے ساتھ حسن معاشرت اور بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرنے کے لئے کہا ہے، اس کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنے کی نصیحت کی، اس کی خوبیوں پر نگاہ رکھنے اور اس کی کج روی اور خطاؤں سے درگذر کرنے کا حکم دیا؛ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ" تو بھلے طریقہ پر روک رکھنا ہے [البقرة:۲۲۹]، "فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ" (تو بہتر طریقہ پر ان کو روک رکھو)[البقرة:۲۳۱] "وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ

كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا"(اوران کے ساتھ اچھی طرح گذر بسر کرو، اگر وہ تم کو نہیں بھاتی ہیں، تو ہوسکتا ہے کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ نے اسی میں بہت سی خوبیاں رکھی ہوں [النساء:۹۱]،"وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي...أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّه"[الأحزاب:۳۷](اور جب آپ اس شخص کو ... کہہ رہے تھے کہ، تم اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو اور اللہ سے ڈرو)۔

بغیر کسی شرعی سبب و وجہ کے عورت کو طلاق دینا جہاں ایک گناہ کبیرہ ہے، وہیں اس کو ضرر پہنچانا، ایک بڑی آزمائش میں ڈالنا، ناخوشگوار زندگی اور تنگی کی طرف زبردستی ڈھکیلنا اور بغیر کسی غلطی کے ایک کڑوی زندگی گذارنے پر مجبور کرنا اور بڑی مصیبت و مشقت سے دوچار کرنا ہے، اور ایسا کرنا شوہر پر حرام ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالی نے شوہر کو ایسا کرنے سے سختی سے روکا ہے، ارشاد فرمایا :"الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ"[البقرۃ:۲۲۹] یہ طلاق دو بار تک ہے، اس کے بعد یا تو بھلے طریقہ پر روک رکھنا ہے یا اچھے سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، کوئی تیسرا اختیار نہیں ہے اور وہ ضرر و تکلیف پہونچانا، یہ شوہر پر حرام ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالی نے صاف لفظوں میں بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا:"فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ"[البقرۃ:۲۳۱] تو یا تو بہتر طریقہ پر ان کو روک رکھو یا بھلے طریقہ پر چھوڑ دو، محض ان کو نقصان پہنچانے کے ارادہ سے کہ تم زیادتی کرتے رہو ان کو نہ روکو، جو ایسا کرتا ہے، وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتا ہے، اور نیز ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:"أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ"[الطلاق:۶](اور طلاق دی ہوئی عورتوں کو جہاں تم رہتے ہو، وہیں اپنی گنجائش کے مطابق رہائش کی جگہ دو، ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ پہونچاؤ)۔

رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کرنے کے لئے مختلف موقعوں پر اور مختلف انداز میں اور مختلف عنوانوں سے اور مختلف الفاظ وتعبیر میں ارشاد فرمایا اور وصیت فرمائی (دیکھئے: مسلم، حدیث: ۲۳۲۳ ۱۰، ۶۸ ۱۴ ۵۹، بخاری، ادب، حدیث: ۶۲۱۱، نکاح، باب الوصاۃ بالنساء، حدیث: ۵۸۱۵، ترمذی، رضاع، باب فی حق المرأۃ علی زوجہا، حدیث: ۶۲۱۱، وفی الباب عن عائشۃ وابن عباس، وحدیث أبی ہریرۃ حدیث حسن صحیح، ابن ماجہ، نکاح، باب حسن معاشرۃ النساء، حدیث: ۱۹۷۸)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہوگیا کہ بلا وجہ شرعی طلاق دینا ایک معصیت ہے اور ارتکاب معصیت پر سزا دینی درست ہے؛ البتہ یہ سزا دینے کا اختیار قاضی یا اس کے قائم مقام لوگوں کو ہے جیسا کہ پیچھے بات آچکی ہے، ہندوستان اور اس جیسے جمہوری ممالک میں قید اور پٹائی کی سزا مسلم قاضی اور اس کے قائم مقام لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے؛ اس لئے وہ مالی جرمانہ ہی لگا سکتے ہیں، بہر حال ان کے لئے مالی جرمانہ لگانا درست ہے؛ البتہ مالی جرمانہ لگانے میں درج ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱- پہلے سے مالی تعزیر کی مقدار مقرر نہ ہو؛ بلکہ قاضی شوہر کے ظلم وجور اور اس کی زیادتی کے جائزہ کے بعد جو مناسب سمجھے گا طے کرے گا؛ کیونکہ جرم ومعصیت اور ظلم وجور اپنے شدت وخفت کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے ہیں، اور قاضی یا ان کے قائم مقام

لوگوں کے ذمہ داری ہے کہ وہ جرم اور مجرم کی مالی حالت وپوزیشن اور سماجی منصب وحیثیت کی رعایت کے ساتھ مالی تعزیر مقرر کرے؛ کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ''وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِين'' [البقرۃ:۲۳۶] اوران کو رخصتانہ ادا کردو،خوش حال پر اس کی حیثیت کے مطابق رخصتانہ ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے بہ قدر، بھلے طریقہ پر رخصتانہ ادا کردینا چاہئے ، یہ نیکی کرنے والوں پر لازم ہے۔''وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ'' [البقرۃ:۲۴۱] اور مطلقہ عورتوں کے لئے روج کے مطابق متاع (رخصتانہ) ہے، یہ (حق تلفی سے) بچنے والوں پر مقرر ہے۔ پہلے سے مقرر کی صورت میں کسی ایک فریق کے ساتھ زیادتی کا قوی امکان ہے، اسلام کا اصول وقانون ہے کہ کسی فریق کے ساتھ ہونے والا ظلم وضرر کو دور ضرور کیا جائے؛ لیکن دوسرے فریق کو نقصان پہونچا کر نہیں؛ چنانچہ اللہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لاضرر ولاضرار'' (ابن ماجہ، الأحکام، باب من بنی فی حقه مایضر بجاره، حدیث:۲۳۴۰،۲۳۴۱، الموطأ للإمام مالک، باب الأقضیة فی المرافق، حدیث:۲۲۶)، اوراسی حدیث کی بناء پر فقہی قاعدہ ہے:''الضرر لا یزال بالضرر '' (الأشباہ والنظائر لابن نجیم المصری:۱/۸۹)۔

۲- مالی تعزیر عدل وانصاف سے قریب ہو،کسی ایک فریق کے ساتھ زیادتی نہ ہو،جیسا کہ اوپر ذکر کردہ حدیث اور فقہی قاعدہ کا تقاضا ہے؛ کیونکہ تعزیر مالی کا مقصد شوہر ظالم کو آئندہ ظلم سے روکنا اور دوسروں کے لئے عبرت کا سامان ہونا ہے کہ وہ ایسا اقدام کرنے سے باز رہیں(دیکھئے :إعلام الموقعین عن رب العالمین:۲/۷۵، قلیوبی ۴/۲۰۵، المغنی لابن قدامة: ۸/۳۲۴،۳۲۶، الاختیارات الفقهیة من فتاوی ابن تیمیة للبعلی ص:۲۰۲، رد المحتار:۳/۱۷۷، البحر الرائق:۵/۴۴، جواهر الاکلیل:۲/۲۹۶، تبصرة الحکام لابن فرحون المالکی:۱/۱۳۱، ۲/۲۸۹، الموسوعة الفقهیة الکویتیة:۱۲/۲۵۶، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامیة بالکویت(۱۴۲۷ھ)۔

تعزیر کے طور پر متعہ کا وجوب یا مزید نصف مہر کا لزوم:

جہاں تک ہندوستان کے حالات وظروف کے پیش نظر کہ طلاق کی جن صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک متعہ واجب نہیں ہے؛ بلکہ صرف مستحب ہے، ایسی صورتوں میں متعہ کو واجب قرار دینے اور بصورت نقد اس کی ایک معقول حد مقرر کرنے ، یا یہ کہ طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کرنے کی بات ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ اس میں بھی اوپر ذکر کردہ شرطیں ملحوظ رہیں گی ،یعنی پہلے سے متعہ کی مقدار اور نوعیت مقرر نہ ہو؛ بلکہ قاضی شوہر کے ظلم وجور اور اس کی زیادتی کے جائزہ کے بعد جو مناسب سمجھے گا طے کرے گا ''وإنما یرجع إلى اجتهاد الحاکم في نوعه وقدره ''(الاختیارات الفقهیة من فتاوی ابن تیمیة للبعلی ،ص:۲۰۲،مزید ملاحظہ ہو : إعلام الموقعین عن رب العالمین:۲ /۷۵، البحر الرائق:۵/۴۴، ۔ الدر المختار ورد المحتار:۴/۶۲)۔اسی طرح طے شدہ مہر کے علاوہ مزید اصل مہر میں قاضی تعزیر کے طور پر جتنا اضافہ کرنا مناسب سمجھے گا اتنا اضافہ کرے گا ،عقد نکاح کے وقت یا بعد میں متعین نصف مہر کا اضافہ مقرر کرنا درست نہیں، حسب ضرورت جرم اور مجرم شوہر کی مالی حالت

و پوزیشن کے اعتبار سے اس سے زیادہ بھی مقرر کرسکتا ہے اور اس سے کم بھی کرسکتا ہے (اس کی دلیل اور وجہ اوپر گذر چکی ہے)۔

۱۱- بیجا طور پر طلاق کی صورت میں پیشگی تعزیر کے طور پر متعہ کا وجوب یا مزید نصف مہر کا لزوم:

اوپر بات آ چکی ہے کہ پہلے سے تعزیر مالی مقرر نہ ہو؛ پس عقد نکاح ابتدائی میں نکاح کے وقت اور نکاح نامہ میں آدمی کو پابند بنادینا کہ اگر بیجا طور پر طلاق دی گئی تو متعہ کے طور پر یا مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینی ہوگی۔ درست نہیں ہوگا؛ بلکہ بیجا طور پر طلاق دینے کا واقعہ پیش آنے کے بعد قاضی یا اس کے قائم مقام لوگ متعہ اور اس کی مقدار یا مزید نصف مہر یا اس سے کم وبیش مقرر کرے گا، جیسا کہ اوپر تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے۔ واضح رہے کہ اس میں ایک یا دو یا تین طلاق کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

کیا تین طلاق دینا جرم ہے؟

اب رہی بات تین طلاق ایک ساتھ دی گئی تو متعہ کے طور پر یا مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینی ہوگی؟ کی شرط عقد نکاح کے وقت اور نکاح نامہ میں لکھا جانا؛ تا کہ اگر خدانخواستہ تین طلاق دینے کا واقعہ پیش آ ہی گیا تو شوہر مالی جرمانہ بصورت نقد یا متعہ یا مہر میں اضافہ کی شکل میں قاضی یا ان کے قائم مقام شرعی پنچایت وغیرہ کے سامنے عورت کو ادا کرے گا، محل نظر معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ سوال نامہ کے سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ تین طلاق دینا بہر حال اور بہر صورت ایک جرم ہے، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے؛ بلکہ اس کا حال بھی ایک اور دو طلاق کی طرح ہے، یعنی جس طرح ایک طلاق اور دو طلاق کا وقوع شوہر کی طرف سے بجا اور بیجا دونوں طریقے پر ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح تین طلاق دینا بھی جس طرح ظلم وتعدی پر مبنی ہوسکتا ہے اسی طرح بجا طور پر بھی ہوسکتا ہے، اس کا تجربہ قضاۃ حضرات کو خوب ہوگا؛ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ نفس طلاق-خواہ وہ ایک ہو یا دو یا تین- ناپسندیدہ اور مبغوض شی ہونے کے باوجود ناگزیر ضرورت ہے؛ اس لئے کہ جس حدیث شریف میں طلاق کو جائز ناپسندیدہ و مبغوض شی قرار دیا گیا ہے (ابوداود، کتاب الطلاق: ۱/ ۲۹۶، حدیث: ۲۱۷۸، ابن ماجہ، حدیث: ۲۰۱۸، دارقطنی: ۴/ ۲۳)، اس میں ایک دو یا تین کی کوئی تفریق نہیں ہے، اسی وجہ سے امام سرخسیؒ نے لکھا ہے: "إیقاع الطلاق مباح وإن کان مبغضا فی الآصل عند عامة العلماء" (المبسوط للسرخسی: ۶/ ۳)۔ یعنی طلاق دینا مباح ہے گوکہ اصل میں اکثر علماء کے نزدیک مبغوض ہے۔

حالات کے اعتبار سے کبھی جس طرح ایک کے بجائے دو دینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے اسی طرح کبھی ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے مرد تین طلاق دینے پر مجبور ہو جاتا ہے، جس طرح جسم میں کبھی چھوٹے آپریشن سے کام چل جاتا ہے اور کبھی بڑا آپریشن کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے، ڈاکٹر اور مریض بھی نہیں چاہتا ہے کہ بڑا آپریشن ہو؛ لیکن کیا کیا جائے، مرض اتنا سنگین ہے، کہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے، جیسے عورت کی زچگی کا مسئلہ ہے، اس میں کبھی بچہ کی پیدائش نارمل معمول کے مطابق ہوتی ہے، کبھی چھوٹے آپریشن کے ذریعہ ہوتی ہے اور کبھی بڑے آپریشن، یعنی پیٹ چاک کرنا پڑتا ہے تب بچہ کی پیدائش عمل میں آتی ہے، اگر بروقت پیٹ چاک نہیں کیا گیا تو عورت اور بچہ دونوں کی جانیں خطرے میں پڑ جاتی ہیں، تو کیا اس میں ڈاکٹر کو مجرم قرار دیا جائے گا یا محسن مانا جائے گا؟ جواب ظاہر ہے کہ ڈاکٹر کو محسن تسلیم کیا جائے گا۔ اسی طرح زوجین کے درمیان کبھی اس طرح کے سنگین حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ مرد نہ

چاہتے ہوئے بھی تین دینے پر مجبور ہوجاتا ہے جیسے عورت ہی اگر تین طلاق کے مطالبہ پر مصر ہو،اس میں شوہر کی طرف سے اس حد تک نفرت پیدا ہوچکی ہواور شوہر سے اتنا زیادہ دکھی اور نالاں ہو کہ وہ تین طلاق ہی چاہتی ہو؛ تاکہ بعد میں کسی طرح کی رجعت کی گنجائش باقی نہ رہے، ورنہ وہ خودکشی کرلے گی،تو ایسی صورت حال میں اگر مرد تین طلاق دیتا ہےتو وہ مجرم نہیں ہےاور نہ وہ قابل تعزیر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وقوع طلاق کے بعد،خواہ ایک طلاق کا واقعہ ہو، یا دوطلاق کا واقعہ ہو، یا تین طلاق کا واقعہ ہو، قاضی یا اس کے مقام لوگ تحقیق حال کے بعد فیصلہ کریں گے،اگر شوہر خاطی اور ظالم ہےاس نے ناروا طلاق دی ہےتو اس پر مناسب حال، یعنی طلاق دینے والا شوہر کی مالی حالت اوراس کے جرم کے اعتبار سےتعزیر مالی عائد کی جائے گی ،اور اگر مرد شوہر خاطی ثابت نہیں ہوسکا تواس پرتعزیر مالی عائد نہیں کی جائے گی۔

☆☆☆

تعزیر بالمال کا مفہوم اور حکم شرعی

مفتی عبدالرزاق قاسمی☆

تعزیر مالی کا مفہوم:

انسان کی ایک فطرت غلطی کرنے کی ہے، جس پر اسے سزا بھی ملتی ہے، خلاف ورزی پر جو سزا دی جاتی ہے، اس کی دو قسمیں ہیں:

۱- ایک وہ، جو متعین ہو، جیسے: روزہ اور قسم توڑنے کا کفارہ۔

۲- دوسرا وہ، جو متعین نہ ہو، ایسی خلاف ورزی پر حکومت مصلحت کو دیکھتے ہوئے کوئی بھی سزا تجویز کرسکتی ہے، اسی کو فقہ کی کتابوں میں ''تعزیر'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔'' **التعزیر هو عقوبة غیر مقدرة شرعاً، تجب فی کل معصیة لیس فیها حد ولا کفارة**'' (المبسوط للسرخسی: 9/45، ط: داراحیاء التراث العربی، بیروت، إعلام الموقعین: ۲/۱۱۸، ط: دارالجیل، بیروت) '' تعزیر شریعت کی طرف سے غیر متعینہ سزا ہے، جو ایسی برائیوں کے لئے ہوتی ہے، جس میں حد اور کفارہ نہ ہو''۔

اب ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ تعزیر کے طور پر کس طرح کی سزائیں دی جاسکتی ہیں؟ اس سلسلہ میں اصل تو یہی ہے کہ حاکم وقت حالات کو دیکھتے ہوئے، جس طرح کی سزا مناسب سمجھے تجویز کرلے: ''**والتعزیر لا یختص بالسوط والید والحبس، وإنما ذلک موکول إلی إجتهاد الحاکم**''(تبصرۃ الحکام: ۲/۲۰۱)تعزیر کوڑے، ہاتھ سے مارنا اور قید کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے؛ بلکہ یہ حاکم کے اجتہاد پر موقوف ہے۔

چنانچہ حاکم مار بھی سکتا ہے، کوڑے بھی لگوا سکتا ہے، قید بھی کرسکتا ہے اور صرف ڈانٹ ڈپٹ کر چھوڑ بھی سکتا ہے، یعنی جیسی مصلحت دیکھے، ویسی ہی کارروائی کرے۔

آج کل بہت ساری خلاف ورزیوں کی صورت میں خود حکومت کی طرف سے بھی اور دوسرے اداروں کی طرف سے بھی مالی جرمانہ کی سزا طے کی جاتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ شرعی نقطہ نظر سے درست ہے؟ آیئے اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے نقاط نظر معلوم کرتے چلیں۔

☆ خادم الافتاء والحدیث، جامعہ اسلامیہ، جامع مسجد امروہہ۔

مالکیہ کی رائے:

مالی تعزیر کے سلسلہ میں امام مالکؒ کا اصل مذہب یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے، علامہ صاوی مالکیؒ لکھتے ہیں: ''تعزیر مالی کا لینا بالاجماع ناجائز ہے''۔ " و أما التعزير بأخذ المال، فلا يجوز إجماعاً"(بلغۃ السالک 4/268)۔

لیکن قضاء کے موضوع پر ممتاز مالکی مصنف علامہ ابن فرحون کی کتاب ''تبصرۃ الحکام'' میں تعزیر کا جواز نقل کیا گیا ہے:

''والتعزير بالمال، قال به المالكية''(تبصرۃ الحکام:۲/۲۰۳ ط:دارالکتب العلمیۃ، بیروت)۔

بعض لوگوں نے اسی قول کو مشہور قرار دیا ہے(دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیۃ:۱۲/۲۷۰، لفظ: تعزیر، نیز دیکھئے: فتاویٰ ابن تیمیہ:۲۸/۱۱۰)۔

شوافع کی رائے:

تعزیر بالمال کے سلسلہ میں امام شافعیؒ سے دو قول منقول ہیں، ایک قول عدم جواز کا ہے اور یہ امام شافعیؒ کا قول جدید ہے، دوسرا قول جواز کا ہے اور یہ ان کا قول قدیم ہے، علامہ شبراملی لکھتے ہیں:''لا يجوز التعزير بأخذ المال فى مذهب الشافعي الجديد، وفى المذهب القديم: يجوز''۔''امام شافعیؒ کے مسلک جدید کے مطابق تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، جبکہ ان کا قول قدیم جواز کا ہے''(حاشیۃ الشبراملی علی شرح المنہاج:۷/۱۷۴)۔

''قال الإمام الشافعيؒ: " لا يعاقب رجل في ماله، وإنما يعاقب في بدنه، وإنما جعل الله الحدود على الأبدان، وكذلك العقوبات، فأما على الأموال فلا عقوبة عليها''(الأم للشافعي، 4/265، ط: دارالمعرفۃ)۔

قال النوويؒ:" ولا بأس بتسويد وجهه والمناداة عليه، ويحرم حلق لحيته وأخذ ماله "(المجموع شرح المہذب، 20/125، دارالفکر)۔

حنابلہ کی رائے:

امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک تعزیر بالمال کے قطعی عدم جواز کا ہے، علامہ ابن قدامہؒ تحریر فرماتے ہیں:''ولا يجوز قطع شيء منه ولا جرحه، ولا أخذ ماله، لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلك عن أحد يقتدى به، ولأن الواجب أدب، والتأديب لايكون بالإتلاف''۔''تعزیر میں زخم لگانا یا کسی عضو کا کاٹنا جائز نہیں، اسی طرح مال لینا بھی جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ کسی ثقہ شخص سے ثابت نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ واجب تادیب اور تنبیہ ہے اور اتلاف سے تادیب ممکن نہیں ہے''(المغنی:۱۲/۵۲۶، الروض المربع:۸/۴۳۸، الإنصاف مع المقنع:۲۶/۴۶۴، المعتمد فی فقہ الإمام احمد:۲/۴۲۱)۔

''قال ابن قدامة الحنبليؒ:"والتعزير يكون بالضرب والحبس والتوبيخ .ولا يجوز قطع شيء منه ولا جرحه، ولا أخذ ماله؛ لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلك عن أحد يقتدى به؛ ولأن الواجب أدب، والتأديب لا يكون بالإتلاف ".(المغنی، 9/178، ط: مکتبۃ القاہرۃ)۔

’’قال البهوتي الحنبليؒ: "ويحرم تعزير بحلق لحية وقطع طرف وجرح لأنه مثله (و) يحرم تعزير (بأخذ مال أو إتلافه) لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلک عمن يقتدى به"(شرح منتهي الإرادات،3/366، ط: عالم الکتب)۔

تاہم علامہ ابن تیمیہؒ اوران کے شاگردرشید علامہ ابن قیم جوزیؒ نے پوری قوت سے اس کی مخالفت کی ہے اوران لوگوں پر سخت تنقید کی ہے، جن لوگوں نے امام احمدؒ اورامام مالکؒ کی طرف تعزیر مالی کے عدم جواز کونقل کیا ہے، علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

’’ومن قال: إن العقوبات المالية منسوخة، وأطلق ذلک عن أصحاب مالک وأحمد، فقد غلط على مذهبهما، ومن قال مطلقاً من أى مذهب کان، فقد قال قولاً بلا دليل، ولم يجيء عن النبیﷺ شيء قط يقتضى أنه حرام جميع العقوبات المالية؛ بل أخذ الخلفاء الراشدين وأکابر أصحابه بذلک بعد موته دليل على أن ذلک محکم غير منسوخ‘‘۔

’’جن لوگوں نے یہ کہا کہ مالی سزائیں منسوخ ہیں اور مطلق اصحاب مالک واحمد کی طرف اس کی نسبت کی ہے، ان لوگوں نے ان کے مذہب کی طرف غلط نسبت کی ہے اور جن لوگوں نے مطلقاً یہ بات کہہ دی کہ کسی بھی مذہب میں مالی سزا جائز نہیں ہے، ان لوگوں کی یہ بات بالکل بلا دلیل ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ سے کوئی ایسی بات ثابت نہیں ہے، جو اس بات کا تقاضہ کرتی ہو کہ تمام مالی سزائیں حرام ہیں؛ بلکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا اس (مالی تعزیر) پر عمل رہا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غیر منسوخ ہے‘‘(فتاویٰ ابن تیمیہ:۲۸/۱۱۱)۔

علامہ ابن قیمؒ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جو لوگ تعزیر مالی کے نسخ اور عدم جواز کے قائل ہیں، دراصل ان کا مذہب کسی یقینی دلیل کی بنیاد پر نہیں؛ بلکہ قبول اور رد کے اندازہ پر قائم ہے:’’ المدعون للنسخ ليس معهم کتاب ولا سنة، ولا إجماع يصح دعواهم، إلا أن يقول أحدهم، مذهب أصحابنا عدم جوازها، فمذهب أصحابه عيار على القبول والرد‘‘۔’’جو لوگ نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے ساتھ نہ کتاب ہے، نہ ہی سنت اور نہ اجماع سے ہی ان کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے، پھر بھی ان میں سے ہر ایک یہی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب عدم جواز کا ہے، چنانچہ ان کے اصحاب کا مذہب قبول ورد کے اندازہ پر قائم ہے‘‘(جامع الفقہ لِابن القیم:۶/۵۰-۵۴۹، ترتیب، یسریٰ السید محمد، ط: دارالصفاء، بیروت)۔

حنفیہ کی رائے:

تعزیر مالی کے سلسلہ میں احناف کا راجح مسلک عدم جواز ہی کا ہے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: ’’والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال‘‘۔’’ حاصل یہ ہے کہ صحیح مذہب تعزیر میں مال کا نہ لینا ہے‘‘(ردالمحتار:۶/۱۰۶، البحرالرائق:۵/۶۸)۔

لیکن علامہ ابن ہمامؒ نے نقل کیا ہے کہ امام ابویوسفؒ تعزیر مالی کے جواز کے قائل تھے، " وعن أبي يوسف: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال" امام ابویوسفؒ سے مروی ہے کہ سلطان کے لئے تعزیراً مال کا لینا جائز اور درست ہے‘‘(فتح

القدیر:۵/۱۱۲، نیز دیکھئے: تاتارخانیہ:۵/۱۴۰۰، البحر الرائق:۵/۶۸، بنایہ شرح ہدایہ:۶/۳۹۱)۔

البتہ امام ابو یوسفؒ کے اس قول کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ بطور زجر کے ایک مدت تک حاکم اسکے مال کو اپنے پاس رکھے گا، پھر واپس کردے گا:''أن معنی التعزیر بأخذ المال، إمساک شیء من ماله عنه مدة لینزجر، ثم یعیده الحاکم إلیه''(البحر الرائق:۵/۶۸، نیز دیکھئے: بزازیۃ مع الہندیۃ:۶/۴۲۷، ردالمحتار:۶/۱۰۶)۔

صاحبِ ''خلاصۃ الفتاویٰ'' نے امام ابو یوسفؒ کے قول جواز اور طرفین کے قول عدم جواز کے درمیان یوں تطبیق دی ہے کہ اگر قاضی یا والی مناسب سمجھے تو تعزیراً مال لینا جائز ہے:''التعزیر بأخذ المال، إن رأی القاضی أو الوالی جاز:'' ''تعزیراً مال کا لینا اس وقت جائز ہے، جب قاضی یا والی اس کو بہتر سمجھے'' (تاتارخانیہ:۵/۱۴۰)۔

مذکورہ بالا فقہی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ:

۱-امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، امام شافعیؒ (قول جدید کے مطابق) اور امام احمد بن حنبلؒ تعزیر مالی کے عدم جواز کے قائل ہیں، تاہم علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے امام احمدؒ کے مسلک کے مطابق احادیث وآثار سے بہت ساری ایسی مثالوں کی تخریج کی ہے، جن سے تعزیر مالی کا جواز نکلتا ہے۔

۲-امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ (قول قدیم کے مطابق) اور امام مالکؒ (مشہور قول کے مطابق) تعزیر مالی کے جواز کے قائل ہیں۔

متاخرین میں سے علامہ شمس الحق افغانیؒ نے اس مسلک کو اختیار کیا ہے:'' قال: "یجوز التعزیر بأخذ المال وهو مذهب أبي یوسف وبه قال مالک، ومن قال: إن العقوبة المالیة منسوخة فقد غلط وفعل الخلفاء الراشدین وأکابر الصحابة لها بعد موته -ﷺ- مبطل لدعوی نسخها، والمدعون للنسخ لیس معهم سنة ولا إجماع"(معین القضاۃ والمفتین،1/70، ط: میر محمد کتب خانہ)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا رجحان بھی اسی جانب معلوم ہوتا ہے، فرماتے ہیں:''اس وقت اسلام کے قانونی حدود وتعزیرات کے فقدان کی وجہ سے بہت سے مسائل، جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کررہی ہیں، ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے اور ریلوے، ٹریفک، بس وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے؛ اس لئے راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت ہونی چاہئے'' (قاموس الفقہ: ۲/۴۷۹، لفظ: تعزیر، نیز تفصیل کے لئے: جدید فقہی مسائل:۳/۲۴۹-۲۴۴)۔

مجوزین کے دلائل:

۱-نبی کریم ﷺ نے زکوۃ ادا نہ کرنے والوں سے مالی جرمانہ لینے کا عزم کیا تھا:'' عن بهز بن حکیم، عن أبیه عن

جده أن رسول الله – ﷺ – قال: "في كل سائمة إبل في أربعين بنت لبون، لا تفرق إبل عن حسابها، من أعطاها مؤتجرا – قال ابن العلاء: مؤتجرا بها – فله أجرها، ومن منعها، فإنا آخذوها وشطر ماله، عزمة من عزمات ربنا عز وجل، ليس لآل محمد منها شيء" (قال المحقق ارنؤوط: إسناده حسن). (سنن ابي داود، 3/26، ط: دارالرسالۃ العالمیۃ)۔

۲-نیز حرم مدینہ میں شکار کرنے والے کے مال واسباب کو ہر اس شخص کے لیے حلال قرار دیا تھا جو اس کو پالے:" عن عامر بن سعد، أن سعدا ركب إلى قصره بالعقيق، فوجد عبدا يقطع شجرا، أو يخبطه، فسلبه، فلما رجع سعد، جاء ه اهل العبد فكلموه أن يرد على غلامهم – أو عليهم – ما أخذ من غلامهم، فقال: »معاذ الله أن أرد شيئا نفلنيه رسول الله ﷺ، وأبى أن يرد عليهم" (صحیح مسلم،2/993،داراحیاءالتراث العربی)۔

۳-عبدالرحمان بن حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے غلاموں نے ایک اونٹ چُرایا تھا۔ اس قصہ میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمان رضی اللہ پر مالی جرمانہ نافذ کیا تھا: "عن يحي بن عبد الرحمن بن حاطب ,أن غلمة لأبيه عبد الرحمن بن حاطب سرقوا بعيرا ,فانتحروه,فوجد عندهم جلده، ورأسه ,فرفع أمرهم إلى عمر بن الخطاب »فأمر بقطعهم ,«فمكثوا ساعة ,وما نرى إلا أن قد فرغ من قطعهم ,ثم قال عمر: »علي بهم ,«ثم قال لعبد الرحمن: »والله إني لأراک تستعملهم ,ثم تجيعهم ,وتسيء إليهم ,حتى لو وجدوا ما حرم الله عليهم ,لحل لهم ,«ثم قال لصاحب البعير: »كم كنت تعطى لبعيرک؟« قال: أربع مائة درهم ,قال لعبد الرحمن: »قم فاغرم لهم ثمان مائة درهم".« (مصنف عبدالرزاق،10/239،المجلس العلمی الھند)۔

۴-مختلف جرائم پر نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدینؓ نے مال کو ہلاک کرنے کے احکامات دیے:" وقد جاء ت السنة عن رسول الله –ﷺ– وعن أصحابه بذلک في مواضع:

منها: إباحته –ﷺ– سلب الذي يصطاد في حرم المدينة لمن وجده۔

ومثل: أمره – ﷺ – بكسر دنان الخمر وشق ظروفها.

ومثل: أمره لعبد الله بن عمرو بأن يحرق الثوبين المعصفرين.

ومثل: أمره – ﷺ– يوم خيبر – بكسر القدور التي طبخ فيها لحم الحمر الإنسية، ثم استأذنوه في غسلها، فأذن لهم .فدل على جواز الأمرين، لأن العقوبة بالكسر لم تكن واجبة۔

ومثل: هدمه مسجد الضرار.

ومثل: تحريق متا ع الغال.

ومثل: حرمان السلب الّذي أساء على نائبه۔

ومثل: إضعاف الغرم على سارق ما لا قطع فيه من الثمر والكَثَر.

ومثل: إضعاف الغرم على كاتم الضالة۔

ومثل: أخذه شطر مال مانع الزكاة، عزمة من عزمات الرب تبارک وتعالی.

ومثل: أمره لابس خاتم الذهب بطرحه، فطرحه، فلم يعرض له أحد.

ومثل: تحريق موسى عليه السلام العجل وإلقاء برادته في اليم.

ومثل: قطع نخيل اليهود، إغاظة لهم.

ومثل: تحريق عمرؓ وعليؓ المكان الَّذي يباع فيه الخمر.

ومثل: تحريق عمر قصر سعد بن أبي وقاص، لما احتجب فيه عن الرعية.

وهذه قضايا صحيحة معروفة، وليس يسهل دعوى نسخها (الطرق الحکمیۃ،2/689،ط:دارعالم الفوائد).

۵-دیت، کفارات، عقر ومتعہ فی النکاح بھی تعزیرات مالی کے نظائر ہیں (جدید فقہی مسائل،3/150،ط:زمزم پبلشرز).

۶-امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ کا یہ مسلک ہے۔:" قال الطرابلسيؒ: "يجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب أبي يوسف وبه قال مالک، ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا وليس بسهل دعوى نسخها .وفعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته –ﷺ– مبطل لدعوى نسخها، والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصحح دعواهم، إلا أن يقول أحدهم: مذهب أصحابنا لا يجوز، فمذهب أصحابه عنده عيار على القبول والرد" (معین الحکام،1/195،ط:دارالفکر)۔

مانعین کے دلائل:

۱-وہ آیات جن میں مسلمان کا مال اس کی رضا کے بغیر لینے سے روکا گیا ہے:"ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقا من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون"(سورۂ بقرہ:۱۸۸)،"يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم" (سورۂ نساء:۲۹)۔

۲-وہ روایات جن میں مال مسلم کو حرام قرار دیا گیا ہے: "عن عمرو بن يثربي ,قال: شهدت رسول اللهﷺ في حجة الوداع بمنى فسمعته يقول: »لا يحل لامرء من مال أخيه شيء إلا ما طابت به نفسه «فقلت حينئذ: يا رسول اللهﷺ أرأيت إن لقيت غنم ابن عم لي فأخذت منها شاة فاجتزرتها أعلي في ذلک شيء؟ ,قال: » إن لقيتها نعجة تحمل شفرة وأزنادا فلا تمسها".« (قال الزيلعي في نصب الرایہ: اسنادہ جید) (سنن الدارقطنی، 3/423،ط:مؤسسۃ الرسالۃ)۔

۳-ائمہ کرام کے صحیح اقوال کے مطابق ائمہ اربعہؒ وصاحبینؒ کے نزدیک تعزیر مالی جائز نہیں ہے۔

راجح قول:

ہماری رائے کے مطابق عدمِ جواز کا قول راجح ہے۔ جہاں تک مجوزین کے دلائل مذکورہ بالا کا تعلق ہے تو ان سب کا جواب دیا گیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

جواب دلیل ا:

امام طحاویؒ اور ابن رشدؒ نے تعزیر مالی کو ابتداء اسلام کا عمل اور منسوخ قرار دیا ہے۔: قال الطحاوي: "فكانت العقوبات جارية فيما ذكر في هذه الآثار على ما ذكر فيها حتى نسخ ذلک بتحريم الربا ,فعاد الأمر إلى أن لا يؤخذ ممن أخذ شيئا إلا مثل ما أخذ،وإن العقوبات لا تجب في الأموال بانتهاک الحرمات التي هي غير أموال . فحديث سلمة – عندنا –كان في الوقت الأول فكان الحكم على من زنى بجارية امرأته مستكرها لها ,عليه أن تعتق عقوبة له في فعله ويغرم مثلها لامرأته .وإن كانت طاوعته ألزمها جارية زانية وألزمه مكانها جارية طاهرة ولم تعتق هي بطواعيتها إياه .وفرق في ذلک ,بينما إذا كانت مطاوعة له ,وبينما إذا كانت مستكرهة ثم نسخ ذلک فردت الأمور إلى أن لا يعاقب أحد بانتهاک حرمة لم يأخذ فيها مالا، بأن يغرم مالا ,ووجبت عليه العقوبة التي أوجب الله على سائر الزناة .فثبت بما ذكرنا ما روى النعمان ونسخ ما روى سلمة بن المحبق".(شرح معانی الآثار،3/146،ط:عالم الکتب)۔

قال ابن رشد: "وقول ابن القاسم في أنه لا يتصدق من ذلک على الغاش إلا بالشيء اليسير أحسن من قول مالک؛ لأن الصدقة بذلک من العقوبات في الأموال،والعقوبات في الأموال أمر كان في أول الإسلام، من ذلک ما روي عن النبي – ﷺ– في مانع الزكاة: »إنما آخذها منه وشطر ماله عزمة من عزمات ربنا«، وما روي عنه فيه: »حريسة الجبل أن فيها غرامة مثليها وجلدات نكال«، وما روي عنه من »أن من أخذ بصيد في حرم المدينة شيئا، فلمن أخذه سلبه» ومن مثل هذا كثير، ثم نسخ ذلک كله بالإجماع على أن ذلک لا يجب، وعادت العقوبات في الأبدان، فكان قول ابن القاسم أولى بالصواب استحسانا، والقياس أن لا يتصدق من ذلک بقليل ولا كثير، وبالله التوفيق ". (البیان والتحصیل،9/320،ط:دارالغرب الإ سلامي)۔

تعزیر باخذ المال کے حوالے سے ان کا قول قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیوں کہ حرمت اموال مؤمنین والی روایت حجۃ الوداع کے موقع کی ہے اور ظاہر یہی ہے کہ عدم اداءِ زکاۃ وغیرہ پر جرمانہ کے حکم اس سے پہلے کا ہے۔لیکن اگر انہیں غیر منسوخ تسلیم کرلیا جائے تو بھی یہ اخبار آحاد اور آثار ہیں جن سے حضرات احنافؒ کے اصول کے مطابق آیات قرآنی کے عموم میں تخصیص درست نہیں ہے۔

قال العلامة علاء الدين البخاريؒ: "قوله (العام الذي لم يثبت خصوصه) يعني العام من الكتاب

والسنة المتواترة لا يحتمل الخصوص أي لا يجوز تخصيصه بخبر الواحد والقياس، لأنهما ظنيان، فلا يجوز تخصيص القطعي بهما، لأن التخصيص بطريق المعارضة والظني لا يعارض القطعي هذا أي ما ذكرنا من عدم جواز التخصيص بهما هو المشهور من مذهب علمائناونقل ذلک عن أبي بكر الجصاص وعيسى بن أبان وهو قول أكثر أصحاب أبي حنيفة وهو قول بعض أصحاب الشافعي أيضا وهو قول أبي بكر وعمر وعبد الله بن عباس وعائشةؓ – – فإن أبا بكر جمع الصحابة وأمرهم بأن يردوا كل حديث مخالف للكتاب وعمرؓ – رد حديث فاطمة بنت قيس في المبتوته أنها لا تستحق النفقة، وقال: لا نترک كتاب الله بقول امرأة لا ندري أصدقت أم كذبت وردت عائشةؓ – حديث تعذيب الميت ببكاء أهله وتلت قوله سبحانه :"ولا تزر وازرة وزر أخرى"(الأنعام: 164) أوردهذا كله الجصاص ذكره أبو اليسر في أصوله (واختاره القاضي الشهيد) يعني الحاكم أبا الفضل محمد بن محمد بن أحمد السلمي المروزي صاحب المختصر هكذا ذكر في بعض الشروح وظني أنه أراد به القاضي الشهيد أبا نصر الحسن بن أحمد بن المحسن بن أحمد بن علي الخالدي المروزي لأنه هو المعروف بالقاضي الشهيد، فأما أبو الفضل فمعروف بالحاكم الشهيد" (کشف الأسرار شرح اصول البزدوي،1/294،دار الكتاب الاسلامی)۔

نیز ان پر ان خاص حالات کے علاوہ جرمانہ مالی کو قیاس کرنا خلاف قاعدہ ثابتہ ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔" قال عبد العلي اللكنويؒ: "فصل: في شرائط القياس......وكذا الإخراج عن قاعدة عامة......ومنه ترخص المسافر، فإن العلة المرخصة الشقة، و لم تعتبر في غيره و إن كان فوقه في المشقة كالأعمال الشاقة، فإذا لم تعتبر في غيره كان الحكم مختصاً به...". (فواتح الرحموت،2/302،ط:دار الکتب العلمیۃ)۔

جواب دلیل ۲:

یہ اثر صریح ہے لیکن آیات واحادیث کے عموم کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔

جواب دلیل ۳:

آلہ جرم یا سبب جرم کو ہلاک کرنا مالی جرمانہ کے تحت نہیں آتا نہ اس پر مالی جرمانہ کو قیاس کرنا درست ہے۔

جواب دلیل ۴:

یہ تمام احکام خلاف قیاس ہیں اس لیے ان پر مالی جرمانہ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، نیز اس صورت میں یہ قیاس عموم نصوص کے خلاف ہوجائے گا جو کہ درست نہیں۔

جواب دلیل ۵:

امام مالکؒ کا مسلک صحیح قول اور مالکیہ کی نقول کے مطابق تعزیر مالی کے عدم جواز کا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے قول کے

بارے میں دوجوابات دیے گئے ہیں:

الف۔علامہ شامیؒ نے اسے ضعیف روایت قرار دیا ہے۔"مطلب في التعزير بأخذ المال:(قوله لا بأخذ مال في المذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ الما، وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز، اه ومثله في المعراج، وظاهره أن ذلک رواية ضعيفة عن أبي يوسف، قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه اه ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان (قوله وفيه الخ) أي في ابحر، حيث قال: وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شيء من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعى،وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى، وفى شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ"(الدرالمختاروحاشیۃ ابن عابدین،4/61،ط:دارالفکر)۔

ب۔"بزازیہ،مجتبیٰ اور مجمع الانہر"میں اس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ حاکم مجرم سے مال لے کر اپنے پاس رکھ لے اور جب مجرم توبہ کر لے اور جرم ترک کر دے تو اسے واپس کر دے۔ یہ مطلب کئی علماء نے ان سے آگے نقل کیا ہے،"وفي المجتبى لم يذكر كيفية الأخذ وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى، وفي شرح الآثار:التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ"(الدرالمختاروحاشیہ ابن عابدین،4/61،ط:دارالفکر)۔

"وأفاد في البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شيء من ماله عنه مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لای جوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى، وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ، اه والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال"(البحر الرائق شرح کنز الدقائق،5/44، ط: دار الکتب الاسلامی)۔

"وما في (الخلاصة) سمعت من ثقة أنه يكون بأخذ المال أيضا إن رأى القاضي ذلک، ومن جملة ذلک من لا يحضر الجماعة مبني على اختيار من قال بذلک لقول أبي يوسف فإنه رأى عنه أنه يجوز للسلطان التعزير بأخذ المال كذا في (الفتح)، ومعناه كما قال البزازي: إمساكه عنده مدة لينزجر ثم يعيده إليه، لا أنه يأخذ لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز أخذ مال مسلم بغير سبب شرعي انتهى .ثم إنما يرده إليه إذا تاب فإن آيس من توبته صرفه الإمام إلا ما يرى .وفي شرح الآثار: التعزير بأخذ

المال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ، كذا في (المجتبى) وعندهما وباقي الأئمة الثلاثة لا يجوز التعزير به"(النہرالفائق شرح کنزالدقائق،3/156،ط:دارالکتب العلمیۃ)۔

"**وفي البحر ولا يكون التعزير بأخذ المال من الجاني في المذهب لكن في الخلاصة سمعت عن ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلك، أو الوالي جاز، ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال ولم يذكر كيفية الأخذ وأرى أن يؤخذ فيمسك مدة للزجر ثم يعيده لا أن يأخذه لنفسه أو لبيت المال، فإن آيس من توبته يصرف إلى ما يرى**"(مجمع الانھر،1/609،داراحیاءالتراث العربی)۔

مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ مالی تعزیر جاری نہ کی جائے، کیونکہ یہ:

۱-عموم آیات وروایات کے خلاف ہے۔

۲-ائمہ اربعہ اور مذاہب مشہورہ میں سے کسی کے قول سے اس کو تائید حاصل نہیں ہے۔

۳-ظالم حکمرانوں کے لیے ظلم کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔اس بات پر اگرچہ یہ اشکال کیا گیا ہے کہ "ظلم تو تعزیر کی دیگر قسموں کے ذریعے بھی ہوسکتا ہے" لیکن یہ اشکال درست نہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ تعزیر بالضرب وغیرہ کا اطلاق اس قدر سہل نہیں جس قدر تعزیر مالی کا ہے۔موجودہ دور میں لگنے والے بے شمار غیر معقول چالان اور پنالٹیز اس کی واضح دلیل ہیں۔

۴-اس میں عموماً امیر وغریب کا لحاظ نہیں رکھا جاتا جس کی وجہ سے ایک فریق ظلم کا شکار ہوتا ہے تو دوسرا آسانی سے ادائیگی کر کے جرم پر قائم رہتا ہے۔

۵-عدالت اور خوف خدا کی واضح کمی کی وجہ سے اکثر جج اور حَکَم کا تعصب، ذاتی منافریا ضد کا شکار ہونا بعید از امکان نہیں ہے۔

ان وجوہات کو دیکھتے ہوئے تعزیر مالی کا جائز قرار نہ دیا جانا اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔البتہ چونکہ یہ مجتہد فیہ مسئلہ ہے اس لیے اگر کوئی عادل قاضی مالی جرمانہ لگائے تو اسے ختم نہیں کیا جائے گا۔

تعلیمی اداروں کا لیٹ فیس لینا:

اسکول یا مدرسہ کے نظام توڑنے کی پاداش میں جو لیٹ فیس کے نام سے یا جرمانہ کے نام سے رقم وصول کی جاتی ہے وہ بھی اسی تعزیر مالی میں داخل ہوکر ناجائز ہے۔اگر وہ شخص جس سے فیس وصول کی گئی ہے (مثلاً گارجین) خود استعمال کی اجازت دیدیں اور واپس لینے کی بجائے اسکول میں لگادینے کی اجازت دیدیں تب تو اسکول میں لگائی جاسکتی ہے، ورنہ اسے واپس کیا جائے یا ان کی رضا کے مصارف میں خرچ کی جائے۔ "**ولا يكون التعزير بأخذ المال من الجاني في المذهب**"(مجمع الأنہر، کتاب الحدود/ باب التعزیر ۱/ ۶۰۹ بیروت)۔

"**لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي**" (شامي/ باب التعزیر، مطلب في التعزیر

بأخذ المال ۶/۱۰۶ از کریا)۔

''درمختار'' میں ہے:''لا بأخذ مال في المذهب۔ بحر۔ وفيه عن بزازية، وقيل: يجوز، ومعناه أن يمسكه مدة لينزجر ثم يعيده له، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى۔ وفي المجتبى: إنه كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ''(الدرالمختار مع الشامیۃ: ۱/ ۳۲۶)۔

''البحرالرائق'' میں ہے کہ مالی جرمانہ جائز نہیں، بحر ہی میں بزازیہ کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں (جولوگ جواز کے قائل ہیں) اُن کا مطلب یہ ہے کہ جرمانہ کے مال کوایک مدت تک روک کر رکھا جائے، پھر صاحبِ مال کو واپس کردیا جائے، اگر جرم سے باز رہنے کی اُمید نہ ہو،تو اس کو حاکم اپنی صواب دید کے مطابق خرچ کرے۔ مجتبیٰ میں ہے کہ ابتدائے اسلام میں جائز تھا، پھر منسوخ ہوگیا۔

اگراسکول کا نظام فیس متاثر ہوتا ہوتو جواز کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ تاخیر سے فیس جمع کرنے والے طلبہ گارجین سے جو زائد رقم ''تاخیر فیس'' کے نام سے وصولی گئی ہے، اسے کچھ مدت کے لئے انتظامیہ اپنے پاس روکے رہے۔ تاکہ دوسرے بچوں پہ نفسیاتی دباؤ رہے۔ پھر انزجار کے بعد اس مال کو واپس کردیا جائے۔ امام ابویوسف سے جواز کی جو ضعیف روایت ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

''وعند ابى يوسف يجوز التعزير للسلطان باخذ المال' وعندها و باقى الأئمة الثلاثة لا يجوز، كذافى فتح القدير، و معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شئى من ماله عنه مدة لينزجر،ثم يعيده الحاكم إليه''(فتاوی عالمگیریہ،فصل فی التعزیر ۲/ ۱۶۷)۔

☆☆☆

مالی جرمانہ کی شرعی حیثیت

مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی ☆

۱- تعزیر بالمال اور تعزیر بأخذ المال کی تعبیر میں حکم کے لحاظ سے فرق مجھے عالمگیری، شامی، بحر الرائق، فتاوی قاضی خاں، بدائع الصنائع، المغنی، شرح المہذب، المنتقی، شرح مؤطا مالک اور شرح مختصر الخلیل میں نہیں ملا، نہیں معلوم سوال کے مرتب کو یہ فرق کہاں ملا وہی بتائیں، البتہ فقہاء اسلام کے کلام سے جو میں نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ مجرم سے مال لینے کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: اول یہ کہ حاکم مجاز مجرم سے بیت المال کے لئے مال اس طور پر وصول کرے کہ پھر وہ مال مجرم کو واپس نہ ملے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حاکم مجاز مجرم سے بطور امانت مال وصول کرے اور جب مجرم اپنے جرم سے توبہ کرلے تو اس کا مال اسے لوٹا دے اور اگر مجرم کے توبہ سے مایوسی ہوجائے تو پھر حاکم مجاز اس مال کو بیت المال میں داخل کرلے یا کسی رفاہی کام میں صرف کردے، اگر دل چاہے تو پہلی صورت کا نام تعزیر باخذ المال رکھ لیا جائے اور دوسری صورت کا نام تعزیر بالمال لیکن فقہ کی متداول کتابوں میں مجھے صراحت نہیں ملی کہ پہلی صورت کا نام یہ ہے اور دوسری صورت کا نام یہ ہے۔

۲- حنفیہ کا معروف مذہب تعزیر بالمال کے عدم جواز کا ہے۔

۳- ائمہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعزیر بالمال کی دوسری صارت جائز ہے، لیکن فقہاء نے امام ابو یوسف کے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے جبکہ پہلی صورت کے جواز کا قول حنفیہ میں سے کسی کا نہیں ہے۔

۴- فقہ کی متداول کتابوں میں سے کسی کتاب کے اندر مجھے امام ابو یوسفؒ کے قول ضعیف پر فتوی نہیں ملا، نیز علامہ شامیؒ نے امام ابو یوسفؒ کی اس ضعیف روایت کے مطابق حاکم کے اس اختیار کو بھی ایک خاص صورت کے ساتھ مقید کرنا چاہا ہے کہ اگر حاکم وقت محسوس کرے کہ بیت المال کے عمال یا دیگر اراکین نے یا اوقاف کے منتظمین و اراکین نے رشوت کے ذریعہ یا خیانت کرکے اپنے لئے مال جمع کرلیا ہے تو حاکم وقت ان لوگوں کے جمع کردہ مال کو قوت قاہرہ سے وصول کرے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس مال کو بیت المال اور اوقاف میں داخل کرے، عام لوگوں سے قوت قاہرہ کے ذریعہ مال وصول کرنا حاکم کے لئے بھی جائز نہیں ہے، اور علامہ حموی نے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ بھی صرف معلوم کرلینے کا ہے، فتوی دینے کا نہیں ہے، اس لئے کہ حکام کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے، وہ بیت

☆ کھگڑیا، بہار۔

المال اور اوقاف کے اراکین سے مال وصول کر کے اپنی ذاتیات میں ایسی جگہ صرف کرتے ہیں جس کا ذکر بھی مناسب نہیں ہے۔

مذکورہ چاروں سوالوں کے جواب کا حوالہ عالمگیری اور شامی سے ملاحظ ہو:

"وقد يكون به بالضرب و بالحبس والبصفع على العتق وفرک الاذن وبالكلام العنيف وبنظر القاضى له بوجه عبوس وشتم غير القذف مجتبى وفيه عن السرخسى لا يباح الصفع؛ لأنه من أعلى ما يكون من الاستخفاف فيصان عنه أهل القبلة(لا بأخذ المال فى المذهب)بحر قوله(لا بأخذ المال فى المذهب) قال فتى الفتح وعن ابى يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقى الأئمة لا يجوز اه ومثله فى المعراج وظاهره أن ذلک رواية ضعيفة عن ابى يوسف قال فى الشرنبلاليه: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه اه ومثله فى شرح الوهبانية عن ابن وهبان قوله(وفيه الخ) اى فى البحر حيث قال: وأفاد فى البزازية أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شئ من ماله عنده مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم اليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذلا يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعى، وفى المجتبى: لم يذكر كيفية الاخذ وأرى أن يأخذها فيمسكها فان أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى، وفى شرح الآثار: التعزير بالمال كان فى ابتداء الإسلام ثم نسخ، والحاصل ان المذهب عدم التعزير بأخذ المال وسيذكرالشارح فى الكفاله عن الطرطوسى (۶۲۵/۷ مکتبہ زکریا)ان مصارة السلطان لأرباب الأموال لا تجوز للالعمال بيت المال إذا كان يردها لبيت المال" (شامی کتاب الحدود باب التعزیر ۱۰۵/۶، ۱۰۶ مکتبہ زکریا، فتاوی ہندیہ ۱۶۷/۲ فصل فی التعزیر)۔

۵ - میرے پاس فقہ شافعی میں شرح المہذب اور فقہ مالکی میں شرح مختصر الخلیل اور المنتقی شرح موطا مالک ہے، لیکن ان کتابوں میں تعزیر بالمال کے جواز کی گنجائش تو کیا تعزیر بالمال کا ذکر تک نہیں ہے، اور فقہ حنبلی کی کتاب "المغنی" میں تو مصرح ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، ملاحظ ہو: "المغنی" کی عبارت "والتعزير يكون بالضرب والحبس والتوبيخ ولا يجوز قطع شئ منه ولا جرحه ولا أخذ ماله؛ لأن الشرع لم يرد بشئ من ذلک عن أحد يقتدى به" (۵۲۶/۱۲)۔

ان پانچ سوالوں کے جوابات کے بعد حضرت تھانوی قدس سرہ کے چند فتاوی اختصار کے ساتھ نقل کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد دیگر سوالوں کے جوابات لکھوں گا۔

۱-سوال: کاشتکاروں سے کسی بے امنی بے قاعدگی نقصان رسانی پر علاوہ اس رقم کے جو نقصان رسیدہ کا معاضہ ہو سکے زمیندار کو کچھ لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جرمانہ ہمارے امام صاحب کے مذہب میں حرام ہے، اس لئے یہ رقم جائز نہیں، البتہ اگر سیاست کی ضرورت ہو تو اس امر کی اجازت ہے کہ اس سے کوئی مقدار مال کی لی جائے اور چند روز تک اس کو اپنے پاس رکھ کر جب وہ خوب دق ہو جائے اس کو

واپس کردیا جائے، یہ بھی اس شخص کو جائز ہے جس میں دو وصف ہوں ایک حکومت واختیار رکھتا ہو تاکہ فتنہ نہ ہو دوسرے معتمد ومتدین ہو کہ بعد چندے واپسی پر اطمینان ہو، ورنہ یہ بھی جائز نہیں (امداد الفتاوی ۲/ ۵۴۱)۔

۲-سوال: اپنی رعایا یا کاشتکاروں سے بعلت کسی قصور کے تاوان لینا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً کسی کاشتکار نے بلا استحقاق بغیر علم رضامندی مالک زمیندار کے کوئی درخت کوکاٹ دیا یا مکان بنالیا تو اگر زمیندار اس قصور پر کوئی جرمانہ یا تاوان برضامندی ملزم کے اوپر عائد کرکے وصول کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں صرف درخت اور مکان کا کرایہ حسب عرف لے سکتے ہیں (امداد الفتاوی ۲/ ۵۴۳)۔

۳-سوال: سوال متعلق جواب بالا-سوال جرمانہ متعلق بالا نمبر ا جرمانہ اور اماموں کے نزدیک کیا درجہ رکھتا ہے، ۲-نقصان رسیدہ کا معاوضہ دلوانا جائز ہے یا نہیں؟ ۳- جرمانہ کی رقم کسی مدت کے بعد پھر اسے واپس کرنا سیاست کا خوف زائل کرتا ہے، ایسی حالت میں انتظام میں عجیب بے ترتیبی واقع ہوگی اور اس سے بہتر ایسا جرمانہ نہ کرنا ہوگا، اس لئے سیاست کا جس سے اثر بھی پڑے اور جائز بھی ہو آپ کوئی عمدہ طریقہ بتلایئے!

جواب: ا-علامہ شامیؒ نے حاشیہ درمختار کی جلد ۳ باب التعزیر میں تصریح کی ہے کہ صرف امام ابو یوسفؒ سے جرمانے کے جواز کی روایت منقول ہے اور وہ بھی ضعیف باقی اور علماء اور ائمہ کے نزدیک جائز نہیں اور ضعیف قابل عمل نہیں ہوسکتی، اس کے علاوہ اس روایت میں بھی صرف صاحب سلطنت کو اجازت ہے، زمیندار بحیثیت زمینداری حاکم نہیں ہے اس میں اور کاشتکار یا رعایا میں تعلق اجارہ واستیجار کا ہے اور پھر حاکم کے لئے بھی، اس لئے جواز کا فتوی دینے کو منع کیا گیا ہے کہ لوگوں کو ظلم کرنے کا بہانہ ہاتھ آ جائے گا، عبارت علامہ کی یہ ہے (عبارت اوپر گذر چکی ہے)، اور آگے چل کر علامہ نے نقل کیا ہے کہ سلطان کو بھی صرف خزانہ کے عملہ کے جرمانہ کی اجازت ہے اور وہ بھی اس شرط سے کہ ملکی خزانہ میں داخل کردے اس مقام کی عبارت یہ ہے (عبارت اوپر گذر چکی)۔

غرض اول تو سارے ائمہ عدم جواز کی طرف گئے ہیں پھر امام ابو یوسفؒ سے بھی روایت ضعیف اور پھر وہ بھی خاص سلطان کے ساتھ اور اس میں بھی تخصیص عاملین خزانہ کی پھر اس میں شرط ادخال خزانہ کی پس اس وقت روسا وامراء میں جس جرمانہ کا رواج ہے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں (پہلے سوال کا جواب پورا ہوگیا، دوسرے سوال کا جواب چھوڑ رہا ہوں، اور تیسرے سوال کا بنیادی حصہ نقل کرتا ہوں)۔

۳-رہ گیا سلطان جس کو اس سیاست کا حق حاصل ہے اس کے لئے علامہ شامی نے حاشیہ مذکورہ کی جلد مذکور میں نقل کیا ہے کہ یہ واپس اس وقت ہے جب آثار توبہ کے اس پر ظاہر ہوں، ورنہ اگر توبہ سے پاس ہوجائے تو اور کسی رفاہ عام کے کام میں صرف کردے، سیاست سے مقصود اتر جائے، توبہ سے یہ غرض بوجہ احسن حاصل ہوگئی اب خوف کی کیا ضرورت رہی اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں وہ مال اس کو ملا نہیں پورا خوف حاصل ہے مگر یہ سب سلطان کے لئے ہے۔

”فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى“ (امداد الفتاوی ۲/ ۵۴۵ مکتبہ زکریا)۔

۴-سوال: اس سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت کے خلاف کوئی کام کرنے پر برادری کی طرف سے جو جرمانہ عائد کیا جاتا ہے اس پر جرمانہ کی رقم سے برادری کے لوگ کھانا کھاتے ہیں یا برادری کے لئے برتن مثلاً دیگ وغیرہ خریدتے ہیں، ان امور کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایسا کھانا کھانا اور اس طرح جرمانہ کرنا یا اس کا وصول کرنا یا اس روپیہ کے برتنوں کا استعمال کرنا یہ سب حرام ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۵۳۸)۔

۵- زمیندار اپنی زمینداری میں باشندوں پر جس کو رعیت کہتے ہیں خصوصاً چھوٹی قوم پر عدول حکمی یا ان کے باہم تکرار کے موقعہ پر جو جرمانہ کرتے ہیں اور اپنے مصرف میں لاتے ہیں کچھ اس گاؤں کے پیادہ کو بھی دیتے ہیں، لیکن انگریزی قانون اس کی اجازت نہیں دیتا، ایسی حالت میں یہ فعل زمیندار کا جائز ہے یا ناجائز؟ بر تقدیر جواز مصرف اس کا مصرف مذکور ہے یا کچھ اور؟

جواب: اس کا لینا، مصارف مذکورہ میں صرف کرنا سب ناجائز ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۵۳۷)۔

۶-سوال: حسب قانون انگریزی اگر از متعلمین خطائے مثلاً غیر حاضری وغیرہ رونما آید جرمانہ کردہ می شود این معاملہ درست اس یا نہ؟

جواب: بلا تاویل جائز نیست عند الحنفیہ مگر تاویلش بدین شاں تواند شد کہ دراں ماہ اجرت عمل بمقدار جرمانہ زائد مقرر گفتہ شود (امداد الفتاوی ۲/ ۵۳۶)۔

۷-سوال: اس سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ملازمین کے یک لخت کام چھوڑ دینے سے کام کیا بہت حرج ہوتا ہے اور ساتھ ہی مالکام کو کام جاری رکھنے کے لئے بے حد پریشانی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، نئے ملازمین ہر وقت نہیں ملتے اور اگر مل بھی گئے تو ناتجربہ کار، اس حرج اور پریشانی سے بچنے کے لئے مالکان ملازمین سے معاہدہ کرلیں کہ اگر تم نے یکلخت کام چھوڑا تو تم کو اتنی رقم جرمانہ کے طور پر ادا کرنا ہوگی، اور ملازمین اس معاہدہ کو قبول کرلیں تو کیا معاہدہ کے بعد یک لخت کام چھوڑنے کی صورت میں ملازمین سے جرمانہ کی رقم وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: چونکہ تعزیر بالمال حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے یہ اس لئے بھی نیز اس فعل کا ما علیہ التعزیر ہونا بھی صریح نہیں اس لئے بھی یہ قواعد کی رو سے ناجائز اور رشوت ہے، مگر ضرورت کے سبب ایک حیلہ سے اس میں خاص طور پر گنجائش ہوسکتی ہے، وہ یہ کہ فقہاء نے دو مختلف صورت میں دو مختلف اجرتیں مقرر کرنے کو جائز لکھا ہے سو اگر یوں کہہ لیا جائے کہ اگر ٹھیک ٹھیک موافق معاہدہ کے کام کرتا رہے اور نوکری بھی اگر چھوڑی تو موافق معاہدہ کے چھوڑی تب تو تمہاری اجرت تمام ایام کی اس حساب سے ہوگی مثلاً دس روپئے ماہ وار ہوگی تو حاصل وہی نکل آیا اور قاعدہ پر منطبق ہوگا، احتیاطاً دوسرے علماء سے بھی تحقیق فرمالیجئے (امداد الفتاوی ۲/ ۵۴۰)۔

۸-سوال: ایک مدرسہ میں قاعدہ یہ ہے کہ جب وہاں کوئی طالب علم داخل ہوتا ہے تو مہتمم مدرسہ اس کے وارث سے یا اس

سے کہتا ہے کہ یہ بچہ یا تم اگر غیر حاضر ہوگے یا کوئی تقصیر کروگے تو تم کو آدھ آنہ یا زیادہ حسب قواعد مدرسہ علاوہ وظیفہ معہودہ کے بطریق جرمانہ دینا ہوگا اور یہ اس واسطے کہ تم خود حاضر ہونے یا اپنے بچہ کو حاضر کرنے میں غفلت نہ کرو اور یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ یہ زر جرمانہ ہم نہیں کھا سکتے، بلکہ بچوں کے حوائج مثلاً فرش وغیرہ میں صرف کردیتے ہیں اس ذرا سی قید پر بہت فائدہ مرتب ہوتا ہے کہ بچے غیر حاضر نہیں ہوتے، مگر بضرورت اور باجازت اور تعلیم و تعلم کا کام چستی و چالاکی سے ہوتا ہے، اس قاعدہ میں کوئی قباحت شرعیہ ہے یا نہیں؟

جواب: تعزیر مالی، یعنی جرمانہ تو حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں اور حدیث: "**لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه**" اس کی مؤید بھی ہے پس جرمانہ کے طور پر تو یہ لینا درست نہ ہوگا، البتہ اس کا اور طریق ہوسکتا ہے وہ یہ کہ اس غیر حاضری پر اس طالب علم کو خارج کردیا جائے، غیر حاضری کی سزا تو یہ ہوئی اور آئندہ کو داخل کرنا بذمہ اہل مدرسہ واجب تو ہے نہیں، مباح ہے مباح میں جو کہ متقوم ہو مال کی شرط لگانا جائز ہے اور یہاں مدرسہ کے مکان سے انتفاع، مدرسین سے تعلیم یہ سب امور ایسے ہیں جن پر متولی کو اجرت لینا جائز ہے، پاس اس اجرت میں وہ پیسے لئے جائیں اور اس تقریر کی تصریح کردی جایا کرے تاکہ عقد مبہم نہ رہے (امداد الفتاوی ۲/ ۵۴۲)۔

۹-سوال: گاؤں میں دستور ہے کہ جو شخص کسی کے کھیت میں بگاڑ کرے یا مویشی غیر کے کھیت میں جن میں اناج بویا ہوا ہے، چرالے اس کے واسطے جرمانہ قائم کردیتے ہیں، پس زر جرمانہ جمع شدہ مسجد میں لگانا تعمیر میں یا تیل لوٹے وغیرہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

جواب: اگر جانور کے ساتھ کوئی نہ ہو صورت میں تو یہ جرمانہ ناجائز ہے، اور اگر کوئی ساتھ ہو تو جتنا نقصان ہوا ہے اتنا وصول کرنا درست ہے مگر وہ کھیت والے کا حق ہے (امداد الفتاوی زکریا ۲/ ۵۴۳)۔

۶- جیسا کہ اوپر کے جوابات سے معلوم ہو چکا کہ تعزیر بالمال کی گنجائش تو مذہب غیر میں نہیں ہے اور حنفیہ کے نزدیک بھی صرف امام ابو یوسفؒ سے منقول ضعیف روایت کے مطابق گنجائش ہے، لیکن ان تفصیلات کے ساتھ جو اوپر مذکور ہوئی کہ جرمانہ کی رقم وصول کرنے کا اختیار ایسے شخص کو ہے جو صاحب حکومت و اختیار ہوگا کہ مجرم سر تسلیم خم کردے اور سورش برپا نہ ہو اور ساتھ ہی وہ شخص متدین ہوتا کہ جب مجرم کی زندگی میں توبہ کے آثار ظاہر ہو جائیں تو وہ رقم اس کو واپس مل سکے اور بصورت دیگر رفاہی کاموں میں صرف ہو سکے نہ کسی کی ذاتی ملکیت بن جائے، جہاں تک عمال بیت المال اور عمال وقف کے ساتھ اس روایت کو خاص کرنے کا تعلق ہے، جیسا کہ طرسوسی کی عبارت نقل کرنے سے علامہ شامی کا رجحان سمجھ میں آتا ہے اور حضرت تھانویؒ نے بھی اپنے مذکورہ بالا فتوی ۳ میں اس کا ذکر فرمایا ہے تو اس تخصیص سے صرف نظر کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ امام ابو یوسفؒ کی روایت میں طرسوسی کی عبارت کا پیوند لگا ہوا نہیں ہے اور حضرت تھانویؒ نے بھی تعزیر بالمال سے متعلق اپنے ہر فتوے میں اس پیوند کا ذکر نہیں فرمایا ہے۔ دیکھئے (فتوی نمبر ۱) میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، تاہم اس تخصیص سے صرف کرنے کے باوجود مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا، اس لئے کہ امام ابو یوسفؒ سے منقول روایت میں حاکم کا ذکر صراحت کے ساتھ موجود ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ تعزیر بالمال کا عمل حکومت کے دائرہ اختیار سے ہونا

چاہئے، لیکن اس وقت حکومت کے دائرہ اختیار سے ہونے کی قباحت تو ہمارے علماء کرام خوب سمجھ رہے ہیں پس اگر اس قید سے بھی صرف نظر کرلیا جائے تو امام ابو یوسفؒ کی روایت کا جو مطلب حضرات فقہاء کرام نے بیان فرمایا ہے اس کے مطابق جرمانہ کی رقم مجرم کو واپس ہونا ہے یا رفاہی کاموں میں صرف کیا جانا ہے، غور فرمائیں: کیا اس طرح کے تعزیر بالمال سے جرام کا سد باب ہو سکے گا پھر کہ حقوق اللہ سے متعلق جرائم میں تو اس رقم کا کوئی طلب گار نہیں ہوگا، اور یوں بھی حقوق اللہ سے متعلق جرائم کا سد باب پیش نظر سوال میں مقصود ہے بھی نہیں جیسا کہ سوال کے تمہید سے واضح ہے حالانکہ یہ بھی مقصود ہونا چاہئے۔

حقوق اللہ سے متعلق بے شمار جرائم ہماری نظروں کے سامنے ہوتے ہیں جن پر تعزیر کے احکام فقہاء نے بیان فرمائے ہیں، مثلاً نماز نہ پڑھنا، روزہ نہ رکھنا، سود کھانا، شراب کا کاروبار کرنا لہولعب وغیرہ کیا یہ اور اس جیسے دوسرے جرائم میں جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں ہماری پنچایت تعزیر بالمال کر پائے گی؟

جہاں تک حقوق العباد سے متعلق جرائم میں تعزیر بالمال کا سوال ہے تو حقوق العباد سے متعلق جرائم بھی بے شمار ہیں، اور ہر وہ اقوال وافعال یا اشارات جن سے دوسروں کو تکلیف پہنچے اور ان کی تذلیل ہو اور جو جھگڑے کی بنیاد ہیں تو فقہاء نے تعزیر کا حکم فرمایا ہے (شامی ۶/۱۱۶-۱۲۲)۔

اور اگر پیش نظر سوال سے مقصود مالی جھگڑوں کو نمٹانا ہے تو پھر اس کے لئے دار القضاء کافی ہے، پنچایت کا نظام قائم کر کے ہر قسم کے جھگڑوں کو مالی جرمانہ کے ذریعہ نمٹانا پنچوں کے بس کی بات نہیں ہے، نیز اس بد دینی اور ہوا پرستی کے دور میں پنچوں پر بھروسہ بھی نہیں کیا جاسکتا، پنچوں میں گروپ بندیاں بھی ہوتی ہیں، اور ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو مجرم کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں اور جرم کو ثابت نہیں ہونے دینا چاہتے ہیں، اور اگر جرم ثابت بھی ہو گیا تو طرف داری سے کام لیتے ہیں اس لئے میری رائے میں تعزیر بالمال کا ہتھیار پنچوں کے ہاتھ میں دینا مناسب نہیں ہے اور اگر یہ ہتھیار پنچوں کے ہاتھ میں دے بھی دیا گیا تو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا امام ابو یوسفؒ کے قول پر توبہ کی صورت میں وہ مال مجرم کو واپس ہونا ہے اور بصورت دیگر رفاہی کاموں میں صرف کیا جانا ہے پس مظلوم کو تو کچھ نہیں ملا کیا ایسی صورت میں مظلوم دادرسی کے لئے پنچوں کے پاس پہنچے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ پنچوں کے پاس نہیں پہنچے گا بلکہ وہ سیدھا عدالت مجاز کا دروازہ کھٹکھٹائے گا اور اگر مظلوم پنچوں کے پاس دادرسی کے لئے پہنچ بھی گیا تو سب سے اہم سوال پنچوں کی امانت و دیانت اور ان کے عدل وانصاف اور جرمانے کی رقم کی حفاظت کا ہے، جب تک ان امور سے اطمینان حاصل نہ ہوجائے امام ابو یوسفؒ کی روایت کا سہارا لے کر پنچوں کے لئے تعزیر بالمال کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ جرمانہ کی رقم مظلوم کو دے دی جائے گی تو امام ابو یوسفؒ کی روایت کا یہ جز بھی ختم ہو گیا، دیگر اجزاء تو پہلے ہی صرف نظر ہو چکے ہیں پھر نہ جانیں یہ کس امام کا قول ہوگ اور کس کی شریعت ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ کہ تعزیر بالمال کے جواز کے تعلق سے امام ابو یوسفؒ سے منقول ضعیف غیر مفتی بہ روایت جن قیودات کے ساتھ منقول ہیں ان قیودات کی رعایت کے ساتھ فی الوقت عمل نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے اس روایت کو اختیار کرنے کی اجازت نہیں

دی جاسکتی ، اور اگر بعض قیودات سے اور تعزیر بالمال کے غیر مفید ہونے سے صرف نظر بھی کرلیا جائے تو پنچان کے ہاتھ میں عمل کا ڈور نہیں تھمایا جاسکتا ہے، اس لئے کہ فی زمانناغیر جانب داری کے ساتھ فیصلہ کرنے اور جرمانے کی رقم کی حفاظت کے سلسلہ میں پنچان پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اور یہ تو ظاہر ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق تمام جرائم میں پنچان تعزیر کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں جیسا کہ اوپر تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا، زیادہ سے زیادہ بعض جرائم اور مال و جائداد کے بعض جھگڑوں میں پنچان اپنا کچھ وقت صرف کرسکتے ہیں جس کے لئے سب سے بہترین دارالقضاء ہے نہ کہ پنچایت، نیز دارالقضاء اگر تعزیر بالمال کرے اور مال کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائے تو دارالقضاء کو تعزیر بالمال کی اجازت دی جاسکتی ہے، اس سے زیادہ تنزل نہیں اختیار کیا جاسکتا ہے، اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو علماء جو پند و نصائح کرتے چلے آرہے ہیں وہی کرتے رہیں۔

۷- اس سوال کے جواب کے لئے حضرت تھانویؒ کا فتوی (۸) ملاحظہ فرمائیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تعلیمی اجرت اور تعلیم گاہ کی اجرت اور دیگر سہولیات کی اجرت کے طور پر طلبہ سے رقم وصول کی جاسکتی ہے، لیکن جرمانہ کے طور پر وصول کرنا جائز نہیں ہے، تعلیمی اداروں کے ذمہ داران اپنے یہاں اسی عنوان سے ضابطہ بنائیں۔

۸- اس سوال کے جواب کے لئے حضرت تھانویؒ کا فتوی (۷) ملاحظہ فرمائیں جس کا خلاصہ یہ کہ فقہاء نے دو مختلف صورتوں میں دو مختلف اجرتیں مقرر کرنے کو جائز لکھا ہے، پس ایک احاطہ کے اندر بنے مختلف بلڈنگوں کی دیکھ بھال اور اس کے نظم وضبط کو قائم رکھنے کے لئے جو اخراجات آتے ہیں اور ملازمین رکھے جاتے ہیں اور ان کی تنخواہیں دی جاتی ہیں، احاطہ کے مکینوں میں سے کوئی مکین اگر اپنے نام کے حصہ اخراجات کی بروقت ادائیگی میں کوتاہی برتے تو ملازمین کی تنخواہوں میں اس کا حصہ زیادہ لگایا جاسکتا ہے اور ملازمین کی تنخواہوں میں حصہ کی کمی زیادتی کے عنوان سے ضابطہ بنایا جاسکتا ہے، لیکن جرمانہ کے عنوان سے کچھ لینا دینا جائز نہیں ہے۔

تنویر الابصار اور درمختار میں ہے: ”**وصح ترديد الأجر بالترديد في العمل كان خطته فارسا بدرهم أورو ميا بدرهمين(وزمانه)...... كأن خطته اليوم فبدرهم أوغدا فبنصفه (ومكانه) كان سكنت هذه الدارفبدرهم أو هذه فبدرهمين (والعلل) كأسكنت عطارا فبدرهم أوحدادا فبدرهمين(والمسافة) كأن ذهبت للكوفة فبدرهم أو للبصرة فبدرهمين(والحمل) كأن حملت شعيرا فبدرهم أو برا فبدرهمين**“ (۹/ ۹۸، مکتبہ زکریا)۔

نوٹ: سوال میں اغلاق ہے، نظم وضبط کو قائم رکھنے کے لئے جو اخراجات آتے ہیں وہ کس قسم کے اخراجات ہیں اور سوسائٹی کے کیا کیا طریقہ کار ہیں، سب کو تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا تو زیادہ وضاحت کے ساتھ جواب دیا جاسکتا تھا۔

۹- برادری اور خاندانی پنچایتوں کے جرمانے کا حکم سوال (۶) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں، باقی کاروباری انجمنوں کے مختلف قسم کے اخراجات اور ان کے طریقہ کار کو تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا تو وضاحت کے ساتھ جواب دیا جاتا تاہم اجمالا اتنا سمجھا جائے کہ اگر کاروباری انجمنوں کے اخرجات میں ملازمین کی تنخواہیں وغیرہ آتی ہیں تو پھر اس کا جواب بھی وہی ہے جو ہاؤسنگ سوسائٹی

کے تعلق سے لکھا گیا ہے کہ ملازمین کی تنخواہوں میں، بروقت ادائیگی میں کوتاہی کرنے والوں کا حصہ زیادہ لگایا جاسکتا ہے اور ملازمین کی تنخواہوں میں حصہ کی کمی زیادتی کے عنوان سے ضابطہ بنایا جاسکتا ہے، لیکن جرمانہ کے عنوان سے کچھ لینا دینا جائز نہیں ہے۔

۱۰-۱۱: اب تک جو گفتگو ہوئی وہ ان جرائم سے متعلق تھیں جن کے لئے جانی یا مالی سزا شریعت میں مقرر نہیں ہے، اب ہمیں غور کرنا چاہئے کہ بے جا طلاق یا تین طلاق آیا ان جرائم میں سے ہے جس کے لئے کوئی جانی یا مالی سزا شریعت میں مقرر ہے یا یہ بھی ان ہی جرائم میں سے ہے جس کے لئے کوئی سزا مقرر نہیں ہے بلکہ یہ بھی مفوض الی رای الامام ہے یعنی اس میں تعزیر ہے۔

متعہ کا مسئلہ:

سب سے پہلے ہم متعہ کے مسئلہ پر غور کرتے ہیں کہ اس کی شریعت میں حیثیت کیا ہے؟ مفوضہ جس کا نکاح بغیر مہر کے ہوا ہو اور خلوت سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اس کے لئے متعہ تینوں اماموں کے نزدیک واجب ہے، البتہ امام مالکؒ کے یہاں اس کے لئے بھی متعہ واجب نہیں ہے، مستحب ہے، "(و) **تجب (متعة لمفوضة) وهى من زوجت بلا مهر**" (درمختار ۴/ ۲۴۳)۔

"**ومن تزوج على التفويض فطلق ابتداء لم يلزمه شئ من المهر ولا غيره إلا أنه مندوب إلى المتعة**" (المنتقی شرح مؤطا مالک ۵/ ۳۶)۔

"**فإذا طلقت المفوضة البضع قبل الدخول فليس لها إلا المتعة نص عليه احمد فى رواية جماعة**" (المغنی ۱۰/ ۱۳۹)۔

"**وأما التى لها المتعة قولا واحدا فهى التى تزوجها مفوضة، ولم يفرض لها مهرا، ثم طلقها قبل الفرض والمسيس**" (شرح المہذب ۱۸/ ۵۱)۔

اور جس خاتون کا نکاح مہر کے ساتھ ہوا ہو اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو تو اس کے لئے نصف مہر سب ائمہ کے نزدیک واجب ہے اور متعہ حنفیہ کے نزدیک نہ واجب ہے نہ مستحب، اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مستحب ہے، شوافع کے یہاں واجب تو نہیں، استحباب سے خاموشی ہے، مالکیہ کے نزیک بھی واجب نہیں، استحباب سے خاموشی ہے۔ "**(وتستحب المتعة لمن سواها) اى المفوضة (إلا من سمى لها مهر وطلقت قبل الوطى) فلا تستحب لها**" (درمختار ۴/ ۲۴۳ زکریا)۔

"**ويحتمل أن يحمل الأمر بالمتاع فى غير المفوضة على الاستحباب......واستحب أن يمتع، وإن سمى لها صداقا، وإنما استحب ذلك لعموم النص الواردفيها**" (المغنی ۱۰/ ۱۴۱)۔

"**وأما التى لا متعة لها قولا واحدا فهى التى تزوجها وسمى لها مهرا فى العقد أوتزوجها مفوضة وفرض لها مهرا ثم طلقها قبل الدخول**" (شرح المہذب ۱۸/ ۵۱)۔

اور جس خاتون کو خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی گئی ہو اور کثیر الوقوع یہی طلاق ہے اور یہی طلاق ملک کے اندر موضوع بحث بھی ہے تو ایسی مطلقہ کے لئے حنفیہ اور حنابلہ کے مذہب میں متعہ مستحب ہے، مالکیہ کے قول کی وضاحت مجھے نہیں ملی لیکن مفوضہ جس کے

لئے حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے متعہ کو واجب کیا ہے مالکیہ نے اس کے لئے بھی متعہ کو واجب نہیں مستحب کیا ہے، ایسی صورت میں دیگر مطلقات کے لئے ان کے مذاہب میں وجوب تو کجا استحباب بھی نہیں ہوگا، جستجو فرمالیں، مجھے تو المنتقی شرح مؤطا مالک میں کوئی صراحت نہیں ملی۔

شوافع کے یہاں ایسی مطلقہ کے لئے امام شافعیؒ کے قول قدیم میں متعہ نہیں ہے، لیکن امام شافعیؒ کے قول جدید میں ایسی مطلقہ کے لئے بھی متعہ واجب ہے جبکہ امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک روایت وجوب کا ہے، گرچہ یہ ان کا مذہب نہیں ہے (المغنی ۱۰/۱۴۱، درمختار ۴/۲۴۴، شرح المہذب ۱۸/۵۱، ۵۲)۔

فی زماننا طلاق کے باب میں جواز افراط وتفریط پائی جارہی ہے اس کے سدباب کے لئے امام شافعیؒ کے قول جدید کو اور امام احمد بن حنبلؒ سے منقول روایت کو اختیار کیا جاسکتا ہے اور اختیار کرنا بر بنائے ضرورت ہوگا، جبکہ یہ قول جدید اور روایت بھی بے اصل نہیں ہے، بلکہ اس کے پشت صفحہ ۸ پر دلائل ہیں جن سے ہمہ شما نہیں، بلکہ مجتہد نے استدلال فرمایا ہے، جیسا کہ ''شرح المہذب'' کی نقل کردہ عبارت سے معلوم ہو چکا ہے جس کے اخیر میں دلیل عقل بھی ہے جو لائق توجہ ہے امام احمد بن حنبلؒ سے منقول روایت کی دلیل نقلی بھی وہی ہے جو شرح المہذب سے نقل کی گئی ہے (دیکھئے: المغنی ۱۰/۱۴۰)۔

اب یہ متعہ کا وجوب تالیف قلب کے لئے ہے یا بر بنائے جنایت تو ظاہر ہے کہ اگر طلاق امساک بالمعروف نہ ہونیکی بناء پر ہوئی ہے تو یہ متعہ تالیف قلب کے لئے ہے اور اگر بلاوجہ شرعی طلاق دی گئی ہے تو متعہ کا وجوب بر بنائے جنایت ہے جس کی سزا شارع نے خود مقرر فرمادی ہے، گویا بے جا طلاق یا بیک وقت تین طلاق ان جرائم میں سے ہے جس کی سزا شریعت نے خود مقرر فرمادی ہے۔

متعہ کی مقدار کا مسئلہ:

اب رہ گیا متعہ کی مقدار کا مسئلہ تو امام شافعیؒ کا مذہب اس سلسلہ میں یہ ہے کہ متعہ کی تعیین کا اختیار حاکم وقت کو ہے لیکن حاکم وقت کے لئے تعیین کا کیا اصول ہوگا، اس سلسلہ میں دوصورتیں بیان کی گئی ہیں اول یہ کہ حاکم وقت شوہر کی مالی حیثیت کے اعتبار سے متعہ کی مقدار متعین کرے گا دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کی مالی حالت کے اعتبار سے، یعنی اس کے مہر کو سامنے رکھ کر حاکم وقت متعہ کی مقدار کا تعین کرے گا (شوافع کے یہاں مہر عورت کی مالی حیثیت کے اعتبار سے مقرر کرنے کا حکم ہے)، اس لئے کہ متعہ نصف مہر کا بدل ہوتا ہے جیسا کہ مفوضہ کے لئے جس کو قبل الدخول طلاق ہوگئی ہو متعہ نصف مہر کا بدل ہے پس غیر مفوضہ کے لئے بھی متعہ نصف مہر کا بدل ہوگا اور یہ کیا جائے گا کہ متعہ کی مقدار نصف مہر ہے، امام احمد بن حنبلؒ سے بھی متعہ کی مقدار کے تعلق سے منقول تین روایتوں میں سے تیسری روایت یہی ہے پس یہ مناسب ہے کہ امام شافعیؒ کے مذہب اور امام احمد بن حنبلؒ کی تیسری روایت کے مطابق متعہ کی مقدار نصف مہر مقرر کیا جائے، ملاحظہ ہو شرح المہذب اور المغنی کی عبارت: ''**والمستحب أن تكون المتعة خادما أو مقنعة أو ثلاثين درهما......وفی الوجوب وجهان أحدهما ما يقع عليه اسم المال، والثانی وهو المذهب أنه يقدرها الحاكم لقوله تعالى: ''ومتوعهن على الموسع قدره وعلى المقترقدره''(البقرہ:۲۳۶)وهل يعتبر بالزوج**

أوبالزوجة فيه وجهان:احدهما يعتبر بحال الزوج للآية، والثانی يعتبر بحالها، لأنه بدل عن المهر فاعتبر بها"(شرح المہذب ۱۸/ ۵۳)۔

"وذكر القاضی فی المجرد رواية ثالثة؛ أنها مقدرة بما يصادف نصف مهر المثل، لأنها بدل عنه، فيجب أن تتقدر به"(المغنی ۱۰/ ۱۴۴)۔

بے جا طلاق یا بیک وقت تین طلاق دینے کی صورت میں اصل مہر کے علاوہ مزید نصف لازم کرنے کی ایک اور شرعی بنیاد:

بے جا طلاق یا بیک وقت طلاق دینے کی صورت میں اصل مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کرنے کی ایک اور شرعی بنیاد فراہم ہوسکتی ہے وہ یہ کہ شوہر سے ایجاب وقبول کے وقت وعدہ لے لیا جائے کہ اگر تم نے بے جا طلاق دی یا بیک وقت تین طلاق دی تو اصل مہر کے علاوہ مزید نصف مہر ادا کرنا لازم ہوگا اور وہ اس وعدہ کو قبول کرلے تو خلاف ورزی کرنے کی صورت میں مزید نصف مہر لازم کرنے کی یہ ایک دوسری شرعی بنیاد ہوسکتی ہے، اس لئے کہ حنفیہ کے نقطہ نظر سے بھی بعض ایسے اہم وعدہ کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے جس کی خلاف ورزی کرنے سے موعودلہ کو ضرر بین لاحق ہوتا ہو اور جمہور مالکیہ کے نزدیک بھی اپنی تفاصیل کے ساتھ وعدہ کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے، اس مسئلہ پر ممبئی کے پچھلے سمینار میں عقد استصناع سے متعلق سوالات کے تحت تفصیلی کلام ہو چکا ہے، مفتی تقی عثمانی صاحب نے فقہ البیوع جلد اول میں ''حکم الوعد او المواعدہ فی البیع'' کے عنوان کے تحت ایفاء عہد کے موضوع پر تفصیلی کلام فرمایا ہے، اس کو دیکھا جائے (۱/ ۷۷ تا ۱۱۳)۔

بطور متعہ مزید نصف مہر لازم کرنا بھی اگر زیادہ مفید نہ ہوسکے تو نصف مہر کے ساتھ تعزیر جسمانی بھی جائز ہے۔

اگر بطور متعہ نصف مہر لازم کرنے سے بھی طلاق کے اندر افراط وتفریط کا دروازہ بند نہ ہوتا ہو تو ہر امر منکر پر ضرب وحبس وغیرہ کے ذریعہ تعزیر کا دروازہ پہلے سے کھلا ہوا ہے۔

"(وعزر كل مرتكب منكر او موذی مسلم بغير حق بقول أوفعل)قوله (وعزر كل مرتكب منكر الخ)وهذا هو الأصل فی وجوب التعزير"(درمختار مع ردالمحتار ۶/ ۱۱۳ زکریا)،"والتعزير ليس فيه تقدير، بل هو مفوض إلى راء القاضی) وعليه مشائخنا، لأن المقصود منه الزجر وأحوال الناس فيه مختلفة بحر"(الدر مع للرد ۶/ ۱۰۶)۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ کہ امام شافعیؒ کے قول جدید اور امام احمد بن حنبلؒ سے منقول ایک روایت کے مطابق بطور متعہ نصف مہر لازم کیا جاسکتا ہے اور اس کو وعدہ سے مؤید کیا جاسکتا ہے، اور اگر نصف مہر لازم کرنے سے بھی افراط وتفریط کا دروازہ بند نہ ہوتا ہو تو تعزیر بالضرب والحبس کی طرف سے قدم بڑھایا جاسکتا ہے۔

تعزیر مالی کا شرعی حکم-قرآن وسنت کی روشنی میں

مفتی محمد ابوبکر قاسمی☆

تعزیر کے لغوی معنی ہیں: امداد واعانت کرنا، تعظیم وتوقیر کرنا، ملامت کرنا، ادب دینا، سخت مارنا، اور شرعی معنی ہیں: کسی کو زبانی یا جسمانی یا مالی سزا دے کر ادب سکھانا، فقہاء کی اصطلاح میں تعزیر کا اطلاق حدود وقصاص اور کفارہ کے علاوہ حاکم وقاضی اور سماجی سربراہ کی جانب سے مقرر کردہ زبانی وجسمانی یا مالی سزاؤں پر ہوتا ہے۔

"التعزير في الاصطلاح هو عقوبة غيرعقدرة شرعا في كل معصية ليس فيها حدولاكفارة غالبا"(موسوعہ فقہیہ ۱۲/)۔

اور بطور حدود وقصاص کے شریعت نے جو سزا مقرر کی ہے، ان کی تعداد فقہاء احناف نے پانچ اور دیگر فقہاء نے آٹھ لکھی ہے، اور ابن جزی مالکی نے سزا کے طور پر مقرر جرائم وجنایات کی تعداد تیرہ لکھی ہے، جو حسب ذیل ہے:

"قال ابن جزى المالكى الجناية أى الجرائم الموجبة للعقوبة ثلاث عشرة، وهى القتل والجرح والزنا والقذف وشرب الخمر والبغى والحرابة والردة والزندقة وسب الله وسب الأنبياء والملائكة، وعمل السحر وترك الصلوة والصوم" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۲۱۵)۔

اور تعزیر مالی کے سلسلہ میں فقہاء احناف میں حضرت امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ جائز نہیں ہے، چنانچہ امام محمد نے اپنی کسی کتاب میں تعزیر مالی کا ذکر نہیں کیا ہے، البتہ امام ابویوسف کے نزدیک تعزیر مالی درست ہے، حاکم مجرم کے مال کو ضبط کرلے گا، اگر مجرم میں سدھار دیکھے گا تو واپس کردے گا، ورنہ محتاجوں پر صدقہ کردے گا، "موسوعہ فقہیہ" میں ہے: **"الاصل فى مذهب أبى حنيفة ان التعزير بأخذ المال غير جائز فابوحنيفة ومحمد لا يجيزانه، بل أن محمدا لم يذكره فى كتاب من كتبه"(موسوعہ ۱۲/ ۲۷۰)۔**

"قال العلامة بدرالدين العينى عن ابى يوسفؒ: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال" (البنایۃ ۳/ ۲۸۷، وہکذا فی العنایۃ بہامش الفتح ۴/ ۲۱۲، والکفایۃ بہامش الفتح ۵/ ۱۱۳، وفی البزازیۃ بہامش الہندیہ ۶/ ۴۳۷)، **"معناه أن نأخذ ماله ونودعه فإذا تاب نرده عليه اه وفى المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ، وارى أن يأخذها فيمسكها،**

☆ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھرواره، دربھنگہ۔

فإن أيس من توبته يصرفها الى مايرى اه" (انظر البحر ۵/۴۱، مجمع الانہر ۱/۶۱۷)۔

حضرت امام شافعیؒ کا مذہب جدید تعزیر مالی کے عدم جواز کا ہے، اور مذہب قدیم کی رو سے جائز ہے، "الموسوعہ" میں ہے: "**لايجوز التعزير بأخذ المال فى مذهب الشافعى الجديد، وفى المذهب القديم يجوز**" (موسوعہ ۱۲/۲۷۰)۔

اور فقہاء مالکیہ کا مشہور مذہب تعزیر مالی کے جواز کا ہے، چنانچہ ملاوٹ والے دودھ، زعفران اور مشک کو ضبط کر کے صدقہ کرنے کا حکم مذکور ہے (موسوعہ ۱۲/۲۷۱)۔

اور حضرت حنابلہ نے تعزیر مالی کو حرام قرار دیا ہے، البتہ علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے تعزیر مالی کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے: "**وعند الحنابلة يحرم التعزير بأخذ المال...... خالف ابن تيميه وابن القيم فقال: إن التعزير بالمال سائغ اتلافا واخذا**" (موسوعہ ۱۲/۲۷۱)۔

عام طور سے فقہاء کرام نے تعزیر مالی کے منسوخ ہونے کا دعوی کیا ہے، لیکن صاحب "معین الحکام" نے شد و مد کے ساتھ تعزیر مالی کے منسوخ ہونے کا انکار کیا ہے۔ علامہ شامی اور صاحب بحر نے "شرح الآثار" کے حوالہ سے تعزیر مالی کے منسوخ ہونے کو نقل کیا ہے، "**وفى شرح الآثار: التعزير بالمال كان فى ابتداء الاسلام ثم نسخ**" (ردالمحتار ۳/۱۸۴، البحر ۵/۴۱)۔

اسی طرح علامہ دسوقی مالکی اور علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی نے بالاجماع تعزیر مالی کے عدم جواز کو نقل کیا ہے، "**لايجوز التعزير بأخذ المال اجماعا**" (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/۳۵۵، حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ۴/۵۰۴)۔

اور صاحب معین الحکام نے تعزیر مالی کے سلسلہ میں جو کچھ رقم کیا ہے وہ یہ ہے: "**قال صاحب معين الحكام: يجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب أبى يوسفؒ تعالى وبه قال مالكؒ ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الأئمة رحمهم الله تعالى نقلا واستدلالا، وليس بسهل دعوى نسخها وفعل الخلفاء الراشدين واكابر الصحابةؓ مبطل لدعوى نسخها، والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصحح دعواهم إلا أن يقول أحدهم مذهب أصحابنا لايجوز فمذهب أصحابه عنده عيار على القبول والرد**" (معین الحکام/۲۳۱)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ تعزیر مالی کے سلسلہ میں علماء وفقہاء کے مابین اختلاف ہے، اب راجح قول کیا ہے اس سلسلہ میں گفتگو کرنے سے پہلے سوالوں کا جواب لکھا جاتا ہے:

۱- تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کے درمیان فرق:

تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کے درمیان فرق یہ ہے کہ تعزیر بالمال عام ہے، اور تعزیر باخذ المال اس کی ایک خاص صورت ہے، تعزیر بالمال کا مطلب یہ ہے کہ کسی جرم کے ارتکاب پر مجرم کو مالی سزا دی جائے، مالی سزا کا مطلب ہے اس کا مال ضائع

کردیا جائے،اس کے مال کوجلا دیا جائے،اس کا مال غریبوں میں تقسیم کردیا جائے،اس کے مال سے نقصان کی تلافی کرتے ہوئے جس کونقصان پہنچا ہے اس کو دے دیا جائے، اورتعزیر باخذ المال کا مطلب یہ ہے کہ مجرم کا مال ضبط کر کے بیت المال میں جمع کردیا جائے،اگر مجرم کے احوال میں سدھار ہوگیا ہےتواس کواس کا مال لوٹادیا جائے،اوراگرسدھارنہیں ہوا ہےتوغریبوں میں اس کا مال تقسیم کردیا جائے۔

''فتاوی بزازیہ''میں ہے:''معناه ان ناخذ ماله ونودعه، فاذا تاب نرده عليه''(فتاوی بزازیہ بہامش ہندیہ۶/۴۳۷)،''ذکر في البحر نقلا عن الخلاصة: سمعت عن ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضی ذلک أو الوالی جاز، ومن جملة ذلک رجل لايحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال، ولم يذکر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذه فيمسكه مدة للزجر، ثم يعيده، لا أن يأخذ لنفسه أو لبيت المال، فان أيس من توبته يصرفه إلى ما يرى''(مجمع الانہر۱/۶۱۷)۔

شیخ وہبہ زحیلیؒ نے تعزیر باخذ المال کی تشریح کرتے ہوئے ''الفقہ الاسلامی وادلتہ''(۶/۱۹۰) میں لکھا ہے:''ومعنى التعزير بأخذ المال على القول عند من يجيزه هو إمساک شئ من مال الجانی عنه مدة لينزجر عما اقترفه، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذ الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهم الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعی، قال ابن عابدين: وأرى أن يأخذ الحاكم مال الجانی فيمسكه عنده، فإن أيس من توبته يصرفه إلى ما يرى من المصلحة''(الفقہ الاسلامی۶/۱۹۰)۔

۲-تعزیر بالمال کے سلسلہ میں حنفیہ کا معروف مذہب:

تعزیر بالمال کے سلسلہ میں حنفیہ کا معروف مذہب عدم جواز کا ہے،اور بیشتر فقہاء احناف نے تعزیر بالمال کو منسوخ لکھا ہے، چنانچہ علامہ شامی نے''ردالمحتار''میں''شرح الآثار''کے حوالہ سے لکھا ہے:''التعزير بالمال كان فی ابتداء الإسلام ثم نسخ اه والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال، وسيذكر الشارح فی الكفالة عن الطرطوسی أن مصادرة السلطان لأرباب الأموال لا تجوز إلالعمال بيت المال أی إذا كان يردها لبيت المال'' (ردالمحتار۳/۱۸۴)۔

۳-۴:ائمہ احناف میں تعزیر بالمال کے جواز کا قول کس فقیہ کا ہے:

قاضی ابویوسفؒ نے تعزیر بالمال کو درست قرار دیا ہے،لیکن علامہ ابن عابدین شامی نے امام ابویوسفؒ کی اس روایت کو ضعیف روایت قرار دیا ہے،اورفتاوی شرنبلالیۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس روایت کے مطابق فتوی نہ دیا جائے،ورنہ ظالم لوگ لوگوں کا مال ناجائز طریقے سے کھائیں گے،اورشرح الوہبانیہ میں بھی یہی قول مذکور ہے،آگے علامہ شامی نے امام ابویوسفؒ نے قول کو تفصیل سے لکھا ہے،جس کا حاصل یہ ہے کہ تنبیہ کے لئے مجرم کے مال کو حاکم ضبط کرلے گا،اگرسدھرجائے تو واپس کردے گا،ورنہ جہاں مناسب سمجھے صرف کردے گا،آخر میں علامہ شامی نے تعزیر بالمال کو منسوخ لکھا ہے،اوراحناف کا مذہب تعزیر بالمال کے عدم

جواز کا نقل کیا ہے (فتاوی شامی المعروف بہ ردالمحتار ۳/ ۱۸۴)۔

"أما أبویوسف فقد روی عنه أن التعزیر بأخذ المال من الجانی جائز إن رؤیت فیه مصلحة" (ابن عابدین ۳/ ۱۸۴، زیلعی ۳/ ۲۰۸، موسوعہ فقہیہ ۱۲/ ۲۷۰)، بعض فقہاء نے امام ابویوسفؒ کے قول کو بھی مفتی بہ قرار دیا ہے، آگے تفصیل آئے گی۔

۵- تعزیر بالمال کے سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ کا نظریہ:

تعزیر بالمال کے سلسلہ میں امام شافعیؒ کا قول قدیم جواز کا ہے اور قول جدید عدم جواز کا ہے، "لایجوز التعزیر باخذ المال فی مذهب الشافعی الجدید، وفی المذهب القدیم یجوز" (موسوعہ فقہیہ ۱۲/ ۲۷۰)، اور مالکیہ کا مشہور قول بھی تعزیر بالمال کے جواز کا ہے، "وأما فی مذهب مالک فی المشهور عنه فقد قال ابن فرحون التعزیر بأخذ المال قال به المالکیة، وقد ذکر مواضع مخصوصة یعزر فیها بالمال، وذلک فی قوله سئل مالک عن اللبن المغشوش أیراق؟ قال: لا، ولکن أری أن یتصدق به إذا کان هو الذی غشه، وقال فی الزعفران والمسک والمغشوش مثل ذلک سواء کان ذلک قلیلا او کثیرا" (تبصرۃ الحکام ۲/ ۳۶۷، ۳۶۸ بحوالہ موسوعہ فقہیہ ۱۲/ ۲۷۱)۔

اور موسوعہ فقہیہ میں امام احمد کا مسلک تعزیر بالمال کے عدم جواز کا نقل کیا ہے، لیکن شیخ وہبہ زحیلیؒ نے تعزیر بالمال کے سلسلہ میں جو لکھا ہے وہ بعینہ حسب ذیل ہے:

"لایجوز التعزیر باخذ المال فی الراجح عند الائمة لما فیه تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس فیاکلونه، واثبت ابن تیمیه وتلمیذه ابن القیم أن التعزیر بالعقوبات المالیه مشروع فی مواضع مخصوصة فی مذهب مالک فی المشهور عنه ومذهب احمد واحد قولی الشافعی، کما دلت علیه سنة رسول الله ﷺ مثل أمره بمضاعفة عزم ماالقطع فیه من الثمر المعلق والکثر (جمار النخل) وأخذه شطر مال مانع الزکوة......ومثل تحریق عمر و علی رضی الله عنهما المکان الذی یباع فیه الخمر ونحوه کثیر، ومن قال کالنووی وغیره إن العقوبات المالیة منسوخة وأطلق ذلک فقد غلط فی نقل مذاهب الأئمة والاستدلال علیها" (الفقہ الاسلامی ۶/ ۱۸۹)۔

مذکورہ عبارات کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے یہاں تعزیر بالمال کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں دونوں طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں، لہذا ضرورت ہے کہ اس سلسلہ میں اقوال فقہاء کے تجزیہ کے ساتھ دلائل کا استقصاء بھی کیا جائے اوران کا تجزیہ بھی۔

۶- دور حاضر کے موجودہ حالات میں تعزیر مالی کا جواز:

دور حاضر کے موجودہ حالات میں جبکہ جسمانی قوت نہایت کمزور ہوچکی ہے دوسری طرف جرائم ومعاصی سے روکنے کے

لئے نہ ہی وعظ ونصیحت اور زبانی فہمائش کافی ہے، اور نہ ہی زبانی افہام وتفہیم مفید ہے، دوسرے جسمانی سزا دینا بھی کوئی آسان مسئلہ نہیں ہے، ایسے حالات میں تعزیر بالمال کے جواز کو اپنانا ضرورۃً درست ہے، اور ضرورت کے موقع پر حضرات فقہاء نے مذہب کے قول ضعیف کو اپنانے اور مذہب غیر پر فتوی دینے اور اس کو معمول بہا بنانے پر اتفاق واجماع کیا ہے، اور موسوعہ فقہیہ کی بارہویں جلد میں تعزیر مالی پر بحث کرتے ہوئے اس کی چار انواع کو ذکر کیا ہے، چنانچہ ''موسوعہ فقہیہ'' میں مرقوم ہے: **"التعزير بالمال يكون بحسبه او باتلافه او بتغيير صورته أو بتمليكه"** (موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۱)، تعزیر مالی کی پہلی صورت جس میں زجراً وتوبیخاً مجرم کے مال کو روک لیا جاتا ہے، اس کے جواز کو امام ابو یوسفؒ نے پسند کیا ہے، اور مجرم کے تائب ہونے تک مال کو محبوس رکھنے کو درست قرار دیا ہے، اور توبہ سے مایوسی کی صورت میں حاکم کے لئے حسب مصلحت اس کے مصارف پر خرچ کرنے کو درست وجائز لکھا ہے، چنانچہ ''فتاوی بزازیہ'' اور ''مجتبی''، ''مجمع الانہر البحر الرائق'' میں ہے: **"وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن ياخذها فيمسكها فان أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى"** (البحر الرائق ۵/۴۱)۔

رہا تعزیر کے طور پر کسی کا مال تلف کر دینا یا مال کو جلا ڈالنا تو حدیث پاک میں جہاد کے موقع پر دشمن کے مال کو جلا ڈالنے یا درخت کو قطع کر دینے اسی طرح بتوں کو توڑ دینے یا آلات لہو ولعب کو توڑ دینے اور ضائع کر دینے کا ذکر وارد ہوا ہے، نیز قرآن کریم میں ہے: **"ماقطعتم من لينة أوتركتموها قائمة على أصولهافباذن الله وليخزي الفاسقين"** (سورۂ حشر: ۵) (تم نے کھجوروں کے درخت کاٹ دیئے یا اس کو جڑوں پر رہنے دیا تو یہ اللہ کے ہی کے حکم سے تھا)، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ نافرمانی کرنے والوں کو رسوا کرے، یہ آیت کریمہ غزوہ بنونضیر کے موقع پر نازل ہوئی ہے، دوران غزوہ جب محاصرہ طویل ہوا تو بعض مسلمانوں نے کھجور کے درخت کاٹ دیئے اور جلا دیئے یہودیوں نے یہ منظر دیکھ کر حضور ﷺ سے شکایت کی کہ آپ کہتے ہیں کہ ہمارا دین صلح پسند ہے اور اصلاح چاہتا ہے تو آیا درختوں کا کاٹنا یا جلا ڈالنا اصلاح میں شامل ہے اور کیا شرعاً اس کی اجازت ہے، خود مسلمانوں میں اس سلسلہ میں دو گروہ ہو گیا، اللہ تعالی نے اس آیت کریمہ کے ذریعہ درختوں کے کاٹنے والوں کی تائید فرمائیں اور ان کے عمل کو درست قرار دیا، اگرچہ عام حالات میں درختوں کو بلاوجہ کاٹنا یا کھیتوں کو نقصان پہنچانا درست نہیں ہے، لیکن اگر مجرم کی سرکوبی اور اس کی تعزیر اتلاف مال کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے تو شرعاً اس کی اجازت ہے، چنانچہ قرآن کریم نے مسلمانوں کے دونوں فریق کی آراء کو حالات کے تناظر میں مبنی بر اجتہاد ہونے کے درست قرار دیا ہے، اس سے پتہ چلا کہ اجتہادی معاملہ میں کسی ایک رائے پر اصرار درست نہیں ہے، بلکہ مختلف مصالح کے پیش نظر متضاد قسم کی آراء کی بھی حسب مصلحت تصویب کی جاسکتی ہے، لہذا تعزیر مالی کا مسئلہ بھی درحقیقت ایک اجتہادی مسئلہ ہے، اس لئے اگر اس سلسلہ میں سلف وخلف کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے اور دور حاضر برائے اصلاح تعزیر مال کا متقاضی ہے تو شرعاً اسے درست قرار دیا جاسکتا ہے، حضرات فقہاء نے کتاب الجہاد اور کتاب السیر کفار کی شوکت کو ختم کرنے کی غرض سے ان پر منجنیق نصب کرنے یا دور حاضر میں میزائل کے ذریعہ حملہ آور ہونے، اسی طرح ان کے جلا ڈالنے ان پر پانی چھوڑنے ان کے درختوں کو کاٹ ڈالنے ان کی کھیتیوں کو برباد کر دینے کی اجازت دی ہے، چنانچہ قدوری ''کتاب السیر'' میں ہے: "فان

أبوااستعانعوابالله تعالى عليهم وحاربوهم ونصبوا عليهم المجانيق وحرقوهم وأرسلواعليهم الماء وقطعوا أشجارهم وأفسدوازروعهم" (قدوری/۲۵۵) (کفار اگر (اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے سے) انکار کریں تو اللہ تعالی سے مدد طلب کرتے ہوئے ان سے قتال کیا جائے اسی طرح ان پر منجنیق فٹ کردیا جائے اور ان کو جلا ڈالا جائے یا ان پر گرم پانی چھوڑا جائے، اسی طرح ان کی کھیتیوں کو اجاڑ دیا جائے اور ان کے درختوں کو کاٹ دیا جائے تاکہ وہ مجبور ہوکر صلح کرلیں اور امن وامان سے رہیں۔

''سنن بیہقی'' میں ہے:"حاصر اهل الطائف ونصب عليهم المنجنيق سبعة عشريوما" (بیہقی حدیث:۱۸۱۲۰)، اور درختوں کو جلانے کا ذکر امام بخاریؒ نے بھی کیا ہے،"عن ابن عمر قال: حرق رسول الله ﷺ نخل بنى النضير وقطع وهو البويرة فنزل ماقطعتم...الخ" (بخاری، تفسیر سورہ حشر حدیث:۴۰۳۱ص ۵۷۴)۔

بتوں کو توڑنے صلیب کو توڑنے، امام بخاریؒ نے کتاب المظالم میں ذکر کیا ہے،"عن عبد الله بن مسعود قال: دخل النبى ﷺ مكة (يوم الفتح) وحول الكعبة ثلاث مأة وستون نصبا فجعل يطعنها بعود فى يده وجعل يقول: جاء الحق وزهق الباطل" (بخاری حدیث:۲۴۷۸، ۴۲۸۷)، نیز بخاری شریف میں ہے:"عن أبى هريرة مرفوعا لا تقوم الساعة حتى ينزل، فيكم ابن مريم حكما مقسطا فيكسرالصليب ويقتل الخنزير، ويضع الجزية، ويقبض المال حتى لا يقبله أحد" (حدیث:۲۴۷۶، ۲۲۲۲، ۳۴۴۸، ۳۴۴۹)، حضرت موسی علیہ السلام کا سامری سے علاحدگی اختیار کرنا اور اس کے تیار کردہ بت کے سلسلہ میں "لتحرقنه، ثم لننسفنه فى اليم نسفا" (سورۂ طٰہ:۹۷)۔

تعزیر مالی کی تیسری صورت تغییر کی ہے کہ مثلاً کسی کے دروازہ پر پردہ لٹکا ہوا ہے، جس میں تصویر ہے، اگر ایسے پردہ کو پھاڑ کر تکیہ بنالیا جائے تو شرعا درست ہے، چنانچہ بخاری میں یہ روایت ہے:"عن عائشةؓ أنها كانت اتخذت على سهوة لها سترافيه تماثيل فهتكه النبى ﷺ عنه نمر قتين فكانتا فى البيت يجلس عليهما" (بخاری/۲۴۷۹، ۵۹۵۴، ۵۹۵۵، ۶۱۰۹)۔

تعزیر مالی کی چوتھی صورت میں جس شخص کا کوئی مالی نقصان ہوا ہے، اس کے عوض میں نقصان کرنے والے کا سامان دوسرے فریق کو دے سکتے ہیں جس کا نقصان ہوا ہے، چنانچہ حضرت انسؓ کی سند سے امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے: "ان النبى ﷺ كان عند بعض نسأئه فارسلت إحدى أمهات المؤمنين مع خادم بقصعة فيها طعام فضربت بيدها فكسرت القصعة فضمها وجعل فيها الطعام، وقال كلوا وحبس الرسول والقصعة حتى فرغوا فدفع القصعة الصحيحة وحبس المكسورة" (بخاری کتاب المظالم باب ۳۴، حدیث:۲۴۸۱، ۵۲۲۵، تعزیر بالمال)۔

الغرض تعزیر مالی کی تمام صورتیں شرعا معمول بہا ہیں، تعزیر مالی کے منسوخ ہونے کا قول درست نہیں معلوم ہوتا، چنانچہ فقہ السنۃ کے مصنف سید سابقؒ نے صاحب ''معین الحکام'' کے حوالہ سے لکھا ہے:

”التعزیر بأخذ المال ویجوز التعزیر بأخذ المال وهو أبی یوسف وبه قال مالک قال صاحب معین الحکام ومن قال ان العقوبة المالیة منسوخة فقد غلط علی مذاهب الائمة نقلا واستدلالا ولیس بسهل دعوی نسخها والمدعون للنسخ لیس معهم سنة ولا إجماع یصحح دعواهم، إلا أن یقولوا مذهب أصحابنا لا یجوز، وقال ابن القیم: ان النبی ﷺ عزر بحرمان النصیب المستحق من السلب وأخبر عن تعزیر مانع الزکاة بأخذ شطر ماله، فقال ﷺ: فیما یرویه احمد وابوداؤد والنسائی من أعطاها مؤتجرا فله أجرها، ومن منعها فانا آخذوها وشطر ماله عزمة من عزمهازینا“(فقہ السنۃ ۲/ ۳۹۵)۔

معین الحکام میں ہے:”یجوز التعزیر بأخذ المال وهومذهب ابی یوسف وبه قال مالک، ومن قال: إن العقوبة المالیة منسوخة فقد غلط علی مذهب الائمة نقلا واستدلالا ولیس بسهل دعوی نسخها فعل الخلفاء الراشدین وأکابر الصحابة لما بعد موته ﷺ مبطل لدعوی نسخها، والمدعون للنسخ لیس معهم سنة ولا إجماع یصحح دعواهم“(معین الحکام ص ۱۹۵ فصل فی التعزیر، دارالکفر)۔

”فتاوی تاتارخانیہ“میں ہے:”ولم یذکر محمد فی شي من الکتب التعزیر بأخذ المال“ وقیل: روی عن ابی یوسف أن التعزیر والزجر من السلطان بأخذ المال جائز“(فتاوی تاتارخانیہ ۵/ ۱۴۰، کتاب الحدود والتعزیر)۔

”فتاوی ابن تیمیہ“میں ہے:”ومن قال: إن العقوبات المالیة منسوخة وأطلق عن أصحاب مالک واحمد فقد غلط علی مذهبهما ومن قاله مطلقا من ای مذهب کان، فقد قال قولا بلا دلیل ولم یجئی عن النبی ﷺ شئ قط یقتضی أنه حرم جمیع العقوبات المالیة، بل أخذ الخلفاء الراشدین وأکابر اصحابه بذلک بعد موته دلیل علی أن ذلک محکم غیر منسوخ“(مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۸/ ۱۱۱، فصل فی التعزیر بالعقوبات المالیۃ)۔

یادرہے کہ جوشخص مجرم ہوتا ہے وہ درحقیقت ظالم بھی ہوتا ہے، اورمعتدی بھی، اس لئے اسے جرم سے روکنے یااس کے جرم کوکم کرنے کی غرض سے تعزیر بھی درست ہے،”قال الله تعالی: لا عدوان إلا علی الظالمین“ (سورۂ بقرہ: ۱۹۳)۔

۷-تعلیمی اداروں میں طلبہ سے کوتاہیوں پر مالی جرمانہ وصول کرنا:

تعلیمی اداروں میں طلبہ کی غیر حاضری یامختلف قسم کی کوتاہیوں اورغفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے یانہیں تواس سلسلہ میں چونکہ قدیم فقہاء نے تعزیر مالی کومنسوخ سمجھا ہے اس لئے بہت سے علماء جواز کافتوی دینے سے ہچکچاتے ہیں، لیکن دورحاضر میں مالی جرمانہ کاعام رواج ہے اوراس کانفع بھی محسوس ومشاہد ہے دوسرے تعزیر مالی اصولی شرع کی روشنی میں مشروع بھی ہے اس لئے میرے نزدیک طلبہ سے مالی جرمانہ وصول کرنا شرعاً درست ہے، پہلے زمانہ میں عموماً غربت تھی اورقوی لوگوں کے مضبوط تھے، اس لئے مالی جرمانہ کے بجائے جسمانی تعزیر پراکتفاء کیاجاتا تھا، لیکن قوی کمزور ہیں اورعموماً مالی حالت لوگوں

کی بہتر ہے، اس لئے لوگوں کے شخصی احوال اور ملکی احوال کے تناظر میں مالی جرمانہ عائد کرنا اصلاح حال میں زیادہ مؤثر ہے، نیز دور حاضر میں مال کی کثرت نے لوگوں کے احوال کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، اس لئے علاج بالمثل کے اصول پر حب مال کی بیماری کو ختم کرنے کے لئے مالی سزا دینا زیادہ مناسب ہے، فتاوی دار العلوم زکریا (۴/۵۷۴) پر تعزیر بالمال کے سلسلہ میں عصر حاضر کے علماء ومفتیان کرام کا اختلاف نقل کرتے ہوئے قول جواز کو اختیار کر کے مالی جرمانہ کو درست قرار دیا ہے، اور حدیث وفقہ کے دلائل سے تعزیر بالمال کے جواز کو مفتی بہ قرار دیا ہے، نیز مولانا شمس الحق افغانی اور وزیر معارف ولایت متحدہ بلوجستان نے بھی ''معین القضاۃ والمفتین'' کے (صفحہ ۷۰) پر ''معین الحکام'' کے حوالہ سے تعزیر بالمال کا جواز نقل کیا ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے (تقریر ترمذی ۲/۱۱۸) میں تعزیر بالمال کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، البتہ امام احمد بن حنبلؒ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے، لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی، چنانچہ بعض متاخرین حنفیہ نے امام ابو یوسف کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی (قاموس الفقہ ۲/۴۷۹) پر اسلامی قانون حدود وتعزیرات کے فقدان کے سبب بہت سے جرائم کے مجرمین کو باز رکھنے کی غرض سے مالی جرمانہ عائد کرنے کی اجازت دی ہے، اور جدید فقہی مسائل میں مالی تعزیر کے جواز کے بہت سے نظائر کا ذکر کیا ہے، علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے فتاوی کی (۲۸/۱۱۱) پر عقوبات مالیہ کے جواز کو مدلل بیان کیا ہے، لہذا اگر ذمہ داران مدرسہ طلبہ کے سامنے لیٹ فیس مقرر کر کے اعلان کر دیں تو ایسی صورت میں بلا شبہ مالی جرمانہ وصول کرنے کی گنجائش ہے۔

۸-دیگر تنظیمی اداروں کا مالی جرمانہ وصول کرنا:

اگر کوئی غیر تعلیمی ادارہ اپنے یہاں کے نظم وضبط کو درست رکھنے کی غرض سے مالی جرمانہ کی شرط لگائے اور خلاف ورزی کی صورت میں مقررہ وقت پر مطلوبہ رقم وصول کر کے بعد میں خود مجرم ہی کو وہ رقم بطور انعام کے لوٹا دے، یا غرباء ومساکین پر صدقہ کی شرط سے وصول کرے تو ایسا کرنا شرعا درست ہے، "قال الله تعالى: يا ايها الذين آمنوا اوفوا بالعقود" (مائدہ:۱)، "وأوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا" (اسراء:۳۴)، "وأوفوا بعهد الله إذا عاهدتم" (نحل:۹۱)، "وليوفوا نذورهم" (حج:۲۹)، "يوفون بالنذر" (انسان:۷)، "والنذر نوع من العهد من الناذر مع الله عز وجل"، جس طرح نذر کو پورا کرنا شرعا لازم ہے اسی طرح ایفائے عہد بھی شرعا لازم ہے، لہذا جب ہم نے لیٹ فیس دینے کا اقرار کر لیا ہے تو اس کا ادا کرنا ہم پر لازم ہے۔

۹-مختلف خاندانوں یا کاروباری انجمنوں کا اپنے متعلقین سے مالی جرمانہ وصول کرنا:

اگر مختلف برادریوں یا خاندان کے افراد نے یا کسی پنچایت اور کسی کاروباری انجمن نے اپنے متعلقین پر دباؤ بنانے یا ان کی اصلاح کی غرض سے مالی جرمانہ وصول کرنے کا اعلان کر دیا، اور لوگوں نے اسے مان لیا تو اس کی خلاف ورزی کی صورت میں ان سے مالی جرمانہ وصول کیا جا سکتا ہے، کیونکہ قرآن وسنت میں ایفاء عہد کی تاکید وارد ہوئی ہے، حدیث نبوی ﷺ ہے: "لا دين لمن لا

عهد له"(مشکوۃ ۱/ ۱۵)۔

لہذا جب خاندان کے یا انجمن کے شرکاء نے کسی فریق کی کسی غلطی پر مالی جرمانہ عائد کیا اور اس مجرم نے لوگوں کے فیصلہ ماننے کا اقرار کرلیا تو اب اس پر ایفائے عہد کرتے ہوئے مالی جرمانہ ادا کرنا شرعا درست ہے، اور اس صورت میں جرمانہ ادا کرنا جہاں گناہ سے رکنے کا ذریعہ ہے وہیں جب انسان کسی کو مال دیتا ہے تو دینے والے کی محبت لینے والے کے دل میں جاگزیں ہوجاتی ہے جس کے سبب خاندان اور انجمن کے لوگ آئندہ اس کے لئے معاون ثابت ہوں گے، ورنہ لوگ اس سے نفرت کریں گے۔

۱۰- مطلقہ مدخولہ کے لئے متعہ کو واجب قرار دینا:

مطلقہ مدخولہ کے لئے اگر پہلے سے مہر مقرر ہے، تو مہر اور عورت کے نفقہ کے علاوہ متعہ کے طور پر کپڑا دینا مستحب ہے، اور اگر مہر مقرر نہیں ہے اور عورت مدخولہ ہے تو ایسی صورت میں ابھی مہر مثل اور عدت کے نفقہ کے علاوہ متعہ دینا مستحب ہے یاد رہے کہ استحباب متعہ کا مسلک علمائے احناف کا ہے، حضرات شوافع کے نزدیک متعہ دینا واجب ہے، موجودہ صورت میں ایجاب متعہ کی ضرورت نہیں ہے (دیکھئے: شرح وقایہ ۲/ ۳۹)۔

۱۱- مطلقہ ثلاثہ یا بے قصور مطلقہ کے لئے متعہ یا نصف مہر کا وجوب یا نکاح ثانی کا خرچہ:

اگر کسی عورت کو خطرہ ہو کہ شوہر اسے طلاق ثلاثہ دے دے گا یا بیجا طریقے سے طلاق دے دے گا، لہذا اس کو ملحوظ رکھ کر نکاح نامہ میں متعہ یا نصف مہر کو واجب کیا جاسکتا ہے، تو یاد رہے کہ طلاق کے سلسلہ میں مہر یا متعہ کا وجوب واستحباب قرآن کریم میں مصرح ہے، لہذا قرآن کریم کے حکم میں تو اضافہ کی ضرورت نہیں ہے ہاں ایک ساتھ تین طلاق دینا چونکہ شرعا واجب التعزیر جرم ہے، لہذا اگر نکاح نامہ میں یہ صراحت کردی جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو اچھی طرح نہ رکھا اور ناراض ہو کر اسے ایک ساتھ تینوں طلاق دے دیا، یا کوئی نازیبا حرکت کی جس کے سبب اگر زوجین میں تفریق ہوگئی تو شوہر کو نکاح ثانی کا خرچ دینا ہوگا، اور ایسی صورت میں شوہر کو جسمانی تعزیر کے بجائے مالی تعزیر دی جائے تو بہت سے علماء نے اس کی اجازت دی ہے، لیکن یہ تعزیر حسب استطاعت ہونی چاہئے، پہلی شادی کے موقع پر بارات وغیرہ کو کھلانے یا نفقہ مطالبہ میں جو بے جا اخراجات ہوئے ان سب کی وصولیابی تفریق کے وقت ہوگی، تو شرعا اسکی گنجائش ہے، اور شرعا یہ تعزیر جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا کے قبیل سے شمار ہوگی، اللہ تعالی کا واضح فرمان ہے: "**فإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به**" (سورۂ نحل: ۱۲۶)، یاد رہے کہ شادی اور رخصتی کے بعد لڑکے کے یہاں جو دعوت ہوتی ہے وہ شرعا ولیمہ ہے، چنانچہ قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ نے اپنے ایک فیصلہ میں اس قسم کی صراحت کی ہے (ملاحظہ ہو بحث ونظر شمارہ ۱۴، صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۷)۔

مطلقہ کے نکاح ثانی کا خرچ دلوانا خالصۃ تعزیر ہے اور تعزیر بالمال ہے، تعزیر بالمال عام طور پر فقہاء کے یہاں درست نہیں، ایک قول ضعیف امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے، جس کی رو سے تعزیر بالمال درست ہے، موجودہ حالات خاص طور پر ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مفاسد کے سد باب کے لئے تعزیر جسمانی یا حبس وغیرہ کی قوت ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے، معاشرہ کو صالح بنیادی

پر قائم رکھنے کے لئے اور بگاڑ پیدا کرنے والوں کو منکرات سے روکنے کے لئے سوائے تعزیر بالمال کے اور کوئی صورت نہیں تغیر احکام بہ سبب تغیر احوال کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے تعزیر بالمال کے جواز کا فتوی دینا میرے نزدیک درست ہوگا، اور اس کی مثال ان احکام فقہیہ کی ہوگی جن کے بارے میں تغیر احوال کی بنا پر فتوی دیتے ہوئے ہمارے فقہاء نے "**لو كان أبو حنيفة في هذا الزمان لقال بما قلنا**" کے اصول کو ذکر کیا ہے، لہذا بہ صورت تعزیر مطلقہ کے نکاح ثانی کا نفقہ مدعی پر عائد کرنا درست ہے (ماہنامہ بحث ونظر شمارہ ر ۱۴)۔

☆☆☆

مالی جرمانہ کے شرعی احکام

مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی☆

اسلام نے حدود وقصاص کا قانون بنایا تا کہ جرائم پر کنٹرول کیا جاسکے، لیکن وہ ممالک جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے، اور جسمانی سزا غیر قانونی ہونے کی وجہ کر حدود وقصاص نافذ نہیں کئے جاسکتے، ان ممالک میں جرائم کی روک تھام کا واحد راستہ تعزیر مالی ہے، اور اس کے بہتر نتائج بھی برآمد ہورہے ہیں، اس لحاظ سے تعزیر مالی کا مسئلہ عصر حاضر کے اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے جواٹھائیسویں فقہی سیمینار کے لئے مذکورہ موضوع کا انتخاب کیا یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ شرکاء سیمینار کو صحیح فیصلہ تک پہونچنے کی توفیق بخشے اور سیمینار کو ہر طرح کامیابی سے ہمکنار فرمائے (آمین)۔

تعزیر کے لغوی معنی:

تعزیر باب تفعیل سے مصدر ہے، جس کے معنی واپس کرنا اور روکنا ہے، عزر اخاہ بولا جاتا ہے جس کے معنی ہیں اس نے اپنے بھائی کی مدد کی یعنی اس نے دشمن کو تکلیف پہونچانے سے روک دیا۔

”**التعزير لغة مصدر عزر من العزر وهو الرد والمنع، ويقال: عزرأخاه بمعنى نصره؛ لأنه منع عدوه من أن يوذيه**“ (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۲/ ۲۵۴)۔

”قواعد الفقہ“ میں ہے: ”**التعزير هو تأديب دون الحد وأصله العزر وهو المنع**“ (قواعد الفقہ ۱/ ۲۳۱) (تعزیر جرم پر ایسی سزا دینا جو حد سے کم ہو اور اس کی اصل عزر اور وہ روکنا ہے)۔

”نہایۃ المحتاج“ میں ہے: ”**وأصله العزر......وهو المنع**“ (نہایۃ المحتاج ۸/ ۱۶)۔

تعزیر کی اصطلاحی تعریف:

تعزیر شرعی طور پر غیر متعینہ ایسی سزا ہے جو اللہ تعالیٰ یا بندہ کے حق کے لئے واجب ہو، ہر ایسی معصیت کے بدلہ جس میں کوئی حد یا کفارہ نہ ہو۔

ملاحظہ ہو ”الموسوعۃ الفقہیہ“ کی عبارت: ”**وفي الإصطلاح: هو عقوبة غير مقدرة شرعا تجب حقا لله أو لأدمي في كل معصية ليس فيها حد ولا كفارة غالبا**“ (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۲/ ۲۴۵)۔

☆ مفتی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں تعزیر کی تعریف یوں کی گئی ہے:

تعزیر حاکم کا اس شخص کو جس نے فعل حرام کا ارتکاب کیا، مصلحۃ سزا دینا جس کی وجہ سے وہ دوبارہ اس فعل کا ارتکاب نہ کرے، پس جس شخص نے کسی ایسے فعل حرام کا ارتکاب کیا جس میں نہ حد ہے اور نہ ہی قصاص، کفارہ، تو حاکم مصلحۃ اس کی ایسی تعزیر کرے کہ وہ دوبارہ اس کا ارتکاب نہ کرے، خواہ مارنے یا قید کرنے یا زجر و توبیخ کے ذریعہ ہو۔

"أما التعزير فهو تأديب بما يراه الحاكم زاجرا لمن يفعل فعلا محرما عن العودة اِلى هذا الفعل فكل من أى فعلا محرما لاحد فيه ولاقصاص ولاكفارة، فإن على الحاكم أن يعزره بما يراه زاجر اله عن العودة من ضرب، أو سجن و توبيخ" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۵/۳۹۷)۔

علامہ کاسانی علیہ الرحمہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "بدائع الصنائع" میں تعزیر کی تعریف کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"فارتكاب جناية ليس لها مقدرة في الشرع سواء كانت الجناية على حق الله كترك الصلوة والصوم ونحو ذلك أو على حق العبد بأن أذى مسلما بغير حق بفعل أو بقول" (بدائع الصنائع ۵/۴/۹۵۳)۔

(ایسے گناہ کا ارتکاب جس کے لئے شریعت میں کوئی متعینہ سزا نہ ہو خواہ یہ گناہ حقوق اللہ میں ہو، جیسے نماز، روزہ اور ان جیسی چیزوں کو چھوڑنا یا بندہ کے حق میں ہو کہ کسی مسلمان کو بلاوجہ شرعی فعل یا قول کے ذریعہ تکلیف پہونچانا)۔

صاحب نہایۃ المحتاج تعزیر کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: **"وشرعا...يعزر في كل معصية لله أو لآدمى لاحد لها...ولاكفارة"** (نھایۃ المحتاج ۶/۱۶) (اور شریعت کی اصطلاح میں اللہ اور بندہ کے حق میں ہر ایسی معصیت جس کے لئے حد اور کفارہ واجب نہ ہو سزا دینا تعزیر ہے)۔

تعزیر بالمال کا مفہوم:

تعزیر بالمال کسی ایسے جرم و معصیت پر مالی سزا دینا جس پر شریعت کی جانب سے نہ تو کوئی حد واجب ہو اور نہ ہی کفارہ، البتہ چونکہ عندالاحناف تعزیر مالی منسوخ ہے، اس لئے اس کی یہ تعریف کی گئی۔

"ومعنى التعزير بأخذ المال على القوم به امساك شئى من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم اِليه، لاأن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال" (ردالمحتار ۶/۱۰۶) (اور تعزیر باخذ المال کا مفہوم ان لوگوں کے قول کے مطابق جو اس کو جائز قرار دیتے ہیں یہ کہ جنایت کرنے والے سے ایک مدت تک کے لئے مال کو روک لیا جائے تاکہ وہ اپنے عمل سے باز آجائے پھر حاکم اس کو واپس کردے نہ یہ کہ حاکم اپنے لئے یا بیت المال کے لئے اس کو لے لے)۔

حد اور تعزیر میں فرق:

حد اور تعزیر میں فرق کی چند وجوہات ہیں:

(۱) حد منجاب الشرع متعین ہے اور تعزیر امام کی صوابدید پر موقوف ہے۔

(۲) حد شبہات سے ختم ہوجاتی ہے اور تعزیر شبہات کے باوجود واجب ہے۔
(۳) نابالغ پر حد جاری نہیں ہوتی ہے اور تعزیر نابالغ پر بھی مشروع ہے۔
(۴) حد کا اطلاق ذمی پر ہوتا ہے اگر وہ متعین ہو اور تعزیر کا اطلاق ذمی پر نہیں ہوتا ہے۔

"الفرق بين الحد والتعزير من وجوه أحدها أن الحد مقدر والتعزير مفوض الى رأى الإمام والثانى أن الحد يدرأ بالشبهات والتعزير يجب مع الشبهات، والثالث أن الحد لايجب على الصبى والتعزير يشرع عليه الرابع، الحد يطلق على الذمى ان كان مقدرا والتعزيرلايطلق عليه، وإنمايسمى العقوبة؛ لأن التعزير يشرع للتطهير والكافر ليس من أهل التطهير" (الفتاوی التاتارخانیہ ۳۹۸/۶)۔

اب رہا یہ سوال کہ تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال میں کیا فرق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تلاش بسیار کے باوجود ان دونوں کے درمیان کوئی فرق میری نظر سے نہیں گزرا، احقر کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی ہیں ان کے درمیاں کوئی فرق نہیں ہے، البتہ تعزیر بالمال یا تعزیر باخذ المال اور تعزیر فی المال کے درمیان فقہاء کے یہاں فرق معلوم ہوتا ہے۔ تعزیر فی المال یہ ہے کہ مال کے تلف کرنے پر مال کی قیمت کے علاوہ جو مالی جرمانہ عائد کیا جائے، مثلا زید نے کسی کا کوئی سامان توڑ دیا تو حاکم نے سامان کی قیمت کے علاوہ اس پر مزید مالی جرمانہ عائد کردیا۔ اور تعزیر باخذ المال یا تعزیر بالمال یہ ہے کہ جس چیز پر مالی جرمانہ عائد کیا گیا ہے وہ مال نہ ہو، مثلا نماز کے چھوڑنے پر حاکم نے مالی جرمانہ عائد کردیا۔

سوال نمبر (۲ تا ۵) کے جوابات سے قبل بطور تمہید چند باتیں لکھی جارہی ہیں:

تعزیر بالمال جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کتب فقہ میں فقہاء کرام کے دو اقوال ملتے ہیں، ایک جواز کا اور دوسرا عدم جواز کا۔

احناف میں امام ابوحنیفہ، و امام محمد (طرفین) امام شافعی کا قول جدید، امام احمد بن حنبل کا مشہور قول اور ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ مالی جرمانہ کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ جبکہ امام یوسف، امام مالک کا مشہور قول، امام شافعی کا قول قدیم اور حنابلہ میں سے علامہ ابن تیمیہ، علامہ ابن القیم مالی جرمانہ کے جواز کے قائل ہیں۔

ملاحظہ ہو "موسوعہ فقہیہ" کی عبارت: **"الأصل فى مذهب أبى حنيفةأن التعزير بأخذ المال غير جائز، فأبوحنيفة ومحمد لايجيزانه،بل أن محمدا لم يذكره فى كتاب من كتبه أما أبويوسف فقد روى عنه:أن التعزير بأخذ المال من الجانى جائز،اِنْ رؤيت فيه مصلحة، وقال الشبراملسى:ولايجوز على الجديد بأخذ المال، يعنى لايجوز التعزير بأخذ المال فى مذهب الشافعى الجديد، وفى المذهب القديم يجوز أما فى مذهب مالك فى المشهور عنه فقد قال ابن فرحون: التعزير بأخذ المال قال به المالكية،وعندالحنابلة يحرم التعزير بأخذ المال أو اِتلافه؛ لأن الشرع لم يرد بشئى من ذلك عمن يقتدى به"** (موسوعہ فقہیہ ۲۷۱/۱۲، ۲۷۰)۔

(امام ابوحنیفہؒ کا اصل مسلک یہ ہے کہ مالی تعزیر جائز نہیں ہے، چنانچہ امام ابوحنفیہ اور امام محمد اس کی اجازت نہیں دیتے، بلکہ امام محمد نے اپنی کتابوں میں سے کسی میں اس کا ذکر نہیں کیا، بہرحال امام ابو یوسفؒ تو ان سے روایت ہے کہ اگر مصلحت کی رعایت کی جائے تو مجرم کی مالی تعزیر جائز ہے، شبراملی کہتے ہیں کہ قول جدید کے مطابق مال لے کر تعزیر جائز نہیں ہے یعنی امام شافعی کے جدید مسلک میں مال لے کر تعزیر جائز نہیں ہے اور قدیم مسلک میں جائز ہے۔

بہرحال مشہور قول میں امام مالک کا مسلک تو ابن فرحون کہتے ہیں کہ مالکیہ مال لے کر تعزیر کے قائل ہیں، اور حنابلہ کے نزدیک مال لے کر یا تلف کر کے تعزیر حرام ہے اس لئے کہ جس کی اقتدا ہو سکتی ہے ان سے اس کے سلسلہ میں شریعت میں کوئی چیز نہیں ہے، اور ابن تیمیہ اور ابن القیم نے مخالفت کی اور فرمایا تلف کردینے اور لے لینے دونوں اعتبار سے مالی تعزیر جائز ہے)۔

فقہ حنبلی کی معروف ومشہور کتاب ''المغنی لابن قدامہ'' میں امام احمد بن حنبلؒ کا قول مالی جرمانہ سے متعلق عدم جواز کا ہے۔عبارت ملاحظہ ہو:

''**والتعزير يكون بالضرب والحبس والتوبيخ ولايجوز قطع شئی فيه ولاجرحه ولاأخذ ماله؛ لأن الشرع لم يرد بشئ من ذلک عن أحد يقتدی به، ولأن الواجب أدب والتأديب لايكون بالاتلاف**''(المغنی لابن قدامہ ۸/۳۲۶)۔

(اور تعزیر مار، قید اور ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعہ ہوتی ہے اور جنایت کرنے والے کے کسی عضو کو کاٹنا اور اس کو زخمی کرنا یا اس کے مال کو لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ کسی ثقہ شخص سے ثابت نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ واجب تادیب اور تنبیہ ہے اور تادیب اتلاف کے ذریعہ نہیں ہوتی ہے)۔

امام شافعی کا مسلک جدید عدم جواز اور قدیم جواز کا ہے۔

''**لايجوز التعزير بأخذ المال فی مذهب الشافعی الجديد، وفی المذهب القديم يجوز**''(حاشیۃ الشراملی علی شرح المنہاج ۷/۱۷۴)۔

امام مالک کا اصل مذہب یہ ہے کہ مالی تعزیر جائز نہیں ہے۔

''**وأما التعزير بأخذ المال، فلايجوز اِجماعا**''(حاشیۃ الدسوقی ۶/ ۳۷۰،حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ۴/ ۵۰۵)۔

البتہ قضاء کے موضوع پر مشہور کتاب تبصرۃ الحکام میں علامہ ابن فرحون مالکی نے تعزیر مالی کا جواز نقل کیا ہے۔

''**والتعزير بالمال قال به المالكية**''(تبصرۃ الحکام ۲/۲۲۶)(مالکیہ تعزیر مالی کے قائل ہیں)

حنفیہ کا مشہور اور صحیح قول تعزیر مالی جائز نہیں ہے۔

''**والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال**''(ردالمحتار ۶/۱۰۶)۔

البتہ علامہ ابن ہمام نے امام ابو یوسف سے تعزیر مالی کے جواز کا قول نقل کیا ہے۔

"**عن أبی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذالمال**"(فتح القدیر ۵/ ۱۱۲)(امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ سلطان کے لئے تعزیر مالی جائز ہے)۔

لیکن امام ابو یوسفؒ کے قول جواز کا یہ مطلب لیا گیا ہے کہ بطور زجر ایک مدت تک حاکم اس کے مال کو اپنے پاس رکھے گا، پھر بعد توبہ واپس کردے گا۔

"**معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به اِمساک شئی من ماله عنه مدة لینزجر، ثم یعیده الحاکم اِلیه**"(ردالمحتار ۶/ ۱۰۳)۔

مشہور فقیہ ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل طرابلسی نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جنہوں نے مالی تعزیر کو منسوخ قرار دیا ہے۔

"**یجوز التعزیر بأخذ المال وهو مذهب أبی یوسف وبه قال مالک، ومن قال: اِن العقوبة المالیة منسوخة فقد غلط علی مذهب الأئمة نقلا واستدلالا، ولیس بسهل دعوی نسخها،فعل الخلفاء الراشدین وأکابر الصحابة لها بعد موته ﷺ مبطل لدعوی نسخها،والمدعون للنسخ لیس معهم سنة ولا إجماع یصحح دعواهم**"(معین الحکام ۲۷۰)۔

(مالی تعزیر کا جواز امام ابو یوسف کا مسلک ہے اواس کے قائل امام مالک بھی ہیں اور جن لوگوں نے مالی سزاؤں کے نسخ کا دعوی کیا ہے ان لوگوں نے مذاہب ائمہ کی طرف روایت اور استدلال کے طور پر غلط نسبت کی ہے اور ان کے نسخ کا دعویٰ آسان نہیں ہے، جو لوگ نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے پاس نہ سنت ہے اور نہ ہی اجماع جو ان کے دعوی کو صحیح قرار دے)

قائلین عدم جواز کے دلائل:

مالی تعزیر کے عدم جواز کے جو حضرات قائل ہیں ان کے دلائل کا جب جائزہ لیا جاتا ہے تو وہ تین طرح سے استدلال کرتے ہیں۔

(الف) ان حضرات کے پیش نظر وہ حدیث ہے جس میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی مسلمان کا مال اس کی اجازت ورضامندی کے لینا جائز نہیں ہے:"**لایحل مال امرء مسلم الابطیب نفسه**"(السنن للبیهقی)۔

مذکورہ حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے اور مالی تعزیر میں نہ اس شخص کی رضامندی کا دخل ہے اور نہ ہی کوئی دلیل شرعی موجود ہے جس سے اس کا جواز پیدا ہوسکے، اس لئے مالی جرمانہ جائز نہیں ہے،

(۲) مانعین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ مالی جرمانہ ابتداء اسلام میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر تعزیر مالی کو جائز قرار دیا جائے تو ظالم حاکم کے لئے ناجائز طریقہ پر لوگوں کے اموال لے لینے کا دروازہ کھل جائے گا، جس کا شریعت کے خلاف ہونا ظاہر ہے اور اس سے امت کا بڑا خسارہ ہوگا۔

جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور و متداول کتاب شامی میں ہے:

"قال فی الشرنبلالیة: ولایفتی بهذالمافیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس فیأکلونه، ومثله فی شرح الوهبانیة عن ابن حبان"(ردالمحتار۹/۱۰۷)۔

مذکورہ بالا روایت و دلائل کی بنا پر اکثر ارباب افتاء مالی جرمانہ کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

قائلین جواز کے دلائل:

جو حضرات تعزیر مالی کے جواز کے قائل ہیں ان کے پیش نظر بھی کچھ ایسے نصوص و آثار ہیں جن سے مالی جرمانہ کے جواز پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

"عن بهز بن حکیم عن أبیه عن جده أن رسول الله ﷺ قال فی کل ساعة اِبل أربعین بنت لبون لایفرق ابل عن حسابها من أعطاها موتجرا قال ابن العلاء موتجرا بها فله أجرها، ومن منعها فأنا أخذوها وشطر ماله عزمة من عزمات ربنا عزوجل لیس لاٰل محمد شئی "(السنن لابی داود ۱/۳۲۱)۔

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر سائمہ چالیس اونٹ میں ایک بنت لبون واجب ہے جمع شدہ اونٹوں کو متفرق نہیں کیا جائے گا، کہ اونٹ کی زکوۃ اس کے حساب سے لی جائے، جس نے زکوۃ کی آدائیگی طلب اجر و ثواب کے لئے کی تو اس کے لئے اس کا اجر ہوگا، اور جس نے زکوۃ کی ادائیگی نہیں کی تو میں اس سے زکوۃ اور اس کا نصف مال لے لوں گا، اور یہ ہمارے رب جل شانہ کے حقوق میں سے ایک حق ہونے کے اعتبار سے ہوگا، البتہ اس میں آل محمد کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا)۔

مذکورہ روایت میں زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے سے زکوٰۃ کے مال کے علاوہ آدھا مال بطور جرمانہ لینے کا ذکر ہے اور اس طرح مال لینے کو حقوق اللہ قرار دیا گیا ہے جس سے مالی جرمانہ کے جواز کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

"عن یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب ان غلمة لأبیه عبدالرحمن بن حا طب سرقوا بعیرا فانتحروه فوجد عندهم جلده وراسه فرفع أمرهم الی عمر بن الخطاب ؓ فأمرهم بقطعهم مکثوا ساعة ومانری إلا أن قد فرغ من قطعهم، ثم قال عمرؓ: علی بهم قم قال لعبدالرحمن واللّٰه اِنی لأراک تستعملهم ثم تجیعم وتسی اِلیهم حتی لووجدوا ماحرم اللّٰه علیهم لحل لهم، ثم قال لصاحب البعیر: لم کنت تعطی لبعیرک؟ قال أربع مائة درهم، قال لعبدالرحمن: قم فاغرم لهم ثمان مائة درهم "(المصنف لعبدالرزاق ۱/۲۳۹)۔

(حضرت یحیٰی بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ ان کے والد عبدالرحمٰن بن حاطب کے غلاموں نے ایک اونٹ چوری کر کے نحر کر دیا تو اس کے پاس اونٹ کا سر اور چمڑا پایا گیا تو ان کا یہ مقدمہ حضرت عمر بن خطابؓ کی عدالت میں پیش کیا گیا تو آپؓ نے قطع ید کا

امر فرمایا بھی کچھ دیر ہوئی اور ہمارے خیال کے مطابق ابھی قطع ید سے فراغت ہوئی کہ پھر حضرت عمرؓ نے ان غلاموں کو اپنے پاس بلایا اور عبدالرحمٰن بن حاطب سے فرمایا کہ بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم غلاموں کو استعمال میں لیتے ہو اور ان کو بھوکا پیاسا رکھتے ہو اور ان کے ساتھ بدخلقی کا معاملہ کرتے ہو، حتی کہ یہ غلام اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو اگر پالیں تو یہ ان کے لئے حلال ہو جائیں، پھر صاحب اونٹ سے فرمایا کہ تم اپنا اونٹ کتنے روپیے میں دے سکتے ہو تو انہوں نے جواب دیا چارسو درہم میں تو آپ نے عبدالرحمٰن سے فرمایا: جایئے آٹھ سو درہم کا تاوان ادا کیجئے۔

مذکورہ بالا روایت سے بھی تعزیر مالی کا ثبوت ملتا ہے، نیز خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کا فیصلہ ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مالی جرمانہ کا حکم منسوخ نہیں ہوا ہے۔

" عن عمروب شعیب عن ابیه عن جده أن رسول الله ﷺ وأبابکر وعمر حرقوا متاع الغال واضربوه" (السنن لابی داود کتاب الجہاد ۲/۱۷۳)۔

"عن رسول الله ﷺ أنه سئل عن التمر المعلق فقال: من أصاب بقیة من ذی حاجة غیر متخذ خبنة فلاشئی علیه، ومن خرج بشئی منه فعلیه غرامة مثله والعقوبة" (السنن لابی داود کتاب اللقطہ ۱/۲۴۰)۔

(رسول اللہ ﷺ سے درختوں پر لٹکے ہوئے پھلوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر ضرورتمند کچھ پھل توڑ کر کھالے مگر اپنی جھولی بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کچھ بھی نہیں اور جو شخص کھائے بھی اور جھولی بھر کر لے جائے تو اس پر دوگنا تاوان اور سزا ہے)۔

مذکورہ حدیث سے بھی مالی جرمانہ کا ثبوت ملتا ہے۔

مذکورہ بالا روایتوں کے علاوہ شریعت اسلامیہ میں مالی تعزیر کے چند نظائر بھی ملتے ہیں۔

(الف) حقوق اللہ میں تعدی اور زیادتی پر مالی تعزیر کی نظیر کفارات ہیں، مثلاً جان بوجھ کر روزہ توڑنے (نساء ۹۲) یا قسم کھا کر پوری نہ کرنے پر (مائدہ ۸۶) کفارہ لازم ہے۔

(ب) تعزیر مالی کی نظیر دیت ہے۔

(ج) اگر کوئی شخص کسی کا سامان چرالے اور اس کے پاس محفوظ بھی نہ رہ سکے تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ اصل سزا تو یہ ہے کہ ہاتھ کاٹے جائیں لیکن اگر کسی وجہ سے یہ نہ ہو سکے تو اس سے سرقہ شدہ سامان کا تاوان لیا جائے۔

"بدایۃ المجتہد" میں ہے: **"الغرم إذا لم یجب القطع"** (بدایۃ المجتہد ۲/۲۹۲)۔

(د) اگر کوئی شخص کسی عورت سے جبراً زنا کرلے تو عورت کو اس سے مہر کی رقم دلائی جائے گا یہ آبروریزی اور ہتک حرمت پر تاوان کی نظیر ہے: **"ثم إن کانت المرأة مکرهة یواخذ بالمهر حالا؛ لأنه ضمان اتلاف لا ضمان لا عقد"** (الفتاوی البزازیہ ۶/۴۲۹)۔

(د) ذہنی طور پر کسی کو پریشان کرنے پر بھی مالی تعزیر کا ذکر فقہاء کے یہاں ملتا ہے، چنانچہ وہ عورت جس کا مہر متعین نہ ہو اور شوہر دخول سے قبل طلاق دے دے تو عندالاحناف متعہ واجب ہے اور بعد الدخول مطلقہ کے لئے مستحب ہے۔

"(المتعة عندناعلى ثلاثه أوجه)متعة واجبة وهى للمطلقة قبل الدخول، ولم يسمى لها مهرا ومستحبة، وهى للمطلقة بعدالدخول "(الفتاوی الہندیہ ۱/ ۳۰۴)۔

مانعین کے دلائل کا جائزہ:

۱۔عدم جواز کے قائلین حضرات نے جس حدیث شریف سے استدلال کیا ہے اس کا جواب مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو،لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے لیکن جان طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی ہے، لہذا جب مسلمان نے کوئی جرم کیا اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو نقصان پہونچایا جارہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے پھر جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہئے (درس ترمذی ۵ ص ۱۱۹)۔

۲-ان حضرات نے جو دوسری دلیل دی ہے کہ تعزیر مالی کا حکم منسوخ ہوگیا ہے یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے۔

قاضی علاء الدین طرابلسی "معین الحکام" میں واضح انداز میں رقمطراز ہیں:

"ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذهب الأئمة نقلا واستدلالا، وليس بسهل دعوى نسخها،فعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته ﷺ مبطل لدعوى نسخها،والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصح دعواهم" (معین الحکام ۲۷۰)۔

(جن حضرات نے یہ بات کہی ہے کہ مالی سزا منسوخ ہے انہوں نے ائمہ کے مذاہب کی بنا پر روایت اور استدلال ہر دو اعتبار سے غلطی کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ آسان نہیں ہے، حالانکہ خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ نے حضور اقدس ﷺ کے رحلت فرماجانے کے بعد بھی مالی جرمانہ لیا ہے، جو نسخ کے دعویٰ کو باطل کرنے والا ہے اور جو لوگ نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے پاس نہ سنت اور نہ اجماع ہے جو ان کے دعویٰ کو صحیح قرار دے)۔

"فتاوی ابن تیمیہ" میں علامہ ابن تیمیہ نے بھی یہی وضاحت فرمائی ہے وہ تحریر فرماتے ہیں:

"ومن قال:إن العقوبات المالية منسوخة وأطلق عن أصحاب مالك وأحمد فقد غلط على مذهبهما، ومن قاله مطلقا من أى مذهب كان: فقد قال قولا بلا دليل،ولم يجيئى عن النبى ﷺشيئى قط يقتضى أنه حرم جميع العقوبات الماليه، بل اخذ الخلفاء الراشدين وأكابر اصحابه بذلک بعد موته دليل

علی أن ذلک محکم غیر منسوخ "(فتاوی ابن تیمیہ ۲۸/۱۱۱)۔

(جن لوگوں نے یہ کہا کہ مالی سزائیں منسوخ ہیں اور مطلق اصحاب مالک واحمد کی طرف اس کی نسبت کی ہے ان لوگوں نے ان کے مذہب کی طرف غلط نسبت کی ہے اور جن لوگوں نے مطلقا یہ بات کہہ دی کہ کسی بھی مذہب میں مالی سزا جائز نہیں ہے ان لوگوں کی یہ بات بالکل بلا دلیل ہے، کیونکہ آپ ﷺ سے کوئی ایسی بات ثابت نہیں ہے جو اس بات کا تقاضہ کرتی ہو، نہ تمام مالی سزائیں حرام ہیں، بلکہ آپؐ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا اس (مالی جرمانہ) پر عمل رہا ہے، یہ اس بات کی پختہ دلیل ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے)۔

۳۔ان حضرات کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر مالی جرمانہ کو جائز قرار دیا جائے تو حاکم لوگوں پر ظلم کرے گا اور ظلم وزیادتی کا دروازہ کھلے گا، اس کا جواب یہ ہے یہ حکم ایک مصلحت کی بنا پر ہے جس کا وجود ضروری نہیں ہے، بلکہ یہ محض خدشہ ہے، لہذا جہاں ظلم نہ ہو، بلکہ کسی مصلحت کی وجہ ہو تو ان کے نزدیک جائز ہونا چاہئے۔ موجودہ عہد میں تعزیر مالی کے فوائد اظہر من الشمس ہیں، جس گاؤں اور معاشرہ میں تعزیر مالی کا قانون ہے وہاں بہت سے معاصی کا سدباب ہے اور جہاں یہ قانون نافذ نہیں ہے وہاں جرائم بڑھتے جارہے ہیں، لہذا اس امر محقق کو خدشہ کی وجہ سے نظر انداز نہیں جاسکتا ہے، چنانچہ مولانا مجیب اللہ ندویؒ اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔

جن فقہاء نے اس کو ناجائز کہا ہے اس کی وجہ انہوں نے حکام کے ظلم کو قرار دیا ہے، انہوں نے یہ رائے مصلحت کی بنا پر دی ہے اگر ظلم کا پہلو نہ ہو تو ان کی رائے بھی یہی ہونی چاہئے (اسلامی فقہ ۳/۳۸۱)۔

راقم الحروف کی رائے:

حالات حاضرہ کے پیش نظر خصوصا ملک ہندوستان میں جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے کہ حکومت حدود وتعزیرات کے ذریعہ سزا دے، جس سے مجرم خلاف شرع امور سے باز آجائے، یہاں اگر کسی مجرم کو ازخود جسمانی سزادی جائے تو طرح طرح کے مشکلات کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے، کیونکہ جسمانی سزا دینا غیر قانونی اور جرم ہے، لہذا مجرمین کو برائی سے باز رکھنے کے لئے سوائے مالی جرمانہ کے بظاہر کوئی شکل سمجھ میں نہیں آتی ہے، نیز روایات اور آثار سے بھی اس کے لینے کے بعض نظائر ملتے ہیں، جو اوپر ذکر کی جاچکی ہیں، لہذا احقر کے نزدیک بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر ملک ہندوستان میں مالی جرمانہ لینے کی گنجائش ہونی چاہئے، بشرطیکہ جرم اور مجرم دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے مالی جرمانہ مقرر کیا گیا ہو، ایسا نہ ہو کہ مالی جرمانہ مجرم کی استطاعت سے زیادہ رکھ دیا جائے یا اس کے مقابلہ میں بہت ہلکا ہو اور جرم مالی جرمانہ سے بہت زیادہ ہو۔

موجودہ عہد کے بعض فقیہ اور مفتیان کرام بھی اس کے جواز کے قائل ہیں، چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب مالی جرمانہ کے جواز کے قائل ہیں، درس ترمذی میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

"لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، لیکن جان طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتا ہے، لہذا

جب مسلمان نے کوئی جرم کیا اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو نقصان پہونچایا جا رہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے پھر جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہئے، چنانچہ بعض متاخرین فقہاء حنفیہ امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے (درس ترمذی ۵/۱۱۹)۔

امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ کے بانی فقیہ النفس عالم دین حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے بھی تعزیر مالی کے جواز کا فتوی دیا ہے، ملاحظہ ہو فتاوی امارت شرعیہ کی عبارت:

''باقی جرمانہ نقد و کھانا بمنزلہ صدقہ نافلہ ہوگا تاکہ نقصان مالی کے خیال سے نفس امارہ آئندہ گناہ پر جرأت نہ کرے'' (فتاوی امارت شرعیہ ۱/۲۹۰)۔

اسی طرح مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا رجحان بھی تعزیر مالی کے سلسلہ میں جواز کا معلوم ہوتا ہے وہ جدید فقہی مسائل میں رقمطراز ہیں:

''البتہ ابتداء میں جو حضرت عمرؓ کا فیصلہ نقل کیا گیا ہے، کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں بے غبار دلیل ہے، اس لئے اگر موجودہ زمانے میں اور ربالخصوص ہندوستان کے خصوصی حالات میں اس کو قبول کرلیا جائے تو امید ہے کہ بہت سے منکرات کے سد باب میں اس سے مدد ملے گی اور اس سے فائدہ ہوگا (جدید فقہی مسائل ۳/۲۴۸)۔

مولانا مجیب اللہ ندویؒ بھی مالی تعزیر کے جواز کے قائل معلوم ہوتے ہیں:

''جن فقہاء نے اس کو ناجائز کہا ہے اس کی وجہ انہوں نے حکام کے ظلم کو قرار دیا ہے، انہوں نے یہ رائے مصلحت کی بنا پر دی ہے، اگر ظلم کا پہلو نہ ہو تو ان کی رائے بھی یہی ہونی چاہئے'' (اسلامی فقہ ۳/۲۸۸)۔

تعزیر مالی کے سلسلہ میں حنفیہ کا مشہور مذہب عدم جواز کا ہے، تعزیر مالی کی بابت ائمہ میں سے امام ابو یوسف کا قول جواز کا ہے، اگرچہ ضعیف قول ہے، لیکن موجودہ زمانہ میں حالات کے پیش نظر اس قول ضعیف کے مطابق جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

۶- اسلام دین رحمت ہے، اور دین کے معاملہ میں عسر و تنگی نہیں رکھی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین میں تنگی نہیں رکھی ہے، ''**وما جعل علیکم فی الدین من حرج**'' (الحج ۷۸)۔

لہذا ائمہ مجتہدین کی فقہی آرا میں سے ایک پر عمل حرج و تنگی کا باعث ہو جبکہ دوسرے فقہاء کی رائے پر عمل کرنے میں تنگی و حرج دور ہوسکتا ہو تو ایسی صورت میں دفع حرج کی خاطر ضرورۃ دوسرے فقہاء کی رائے پر فتوی دینا جائز معلوم ہوتا ہے، چنانچہ فقہاء کی عبارتوں سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

تیسیر التحریر میں امام صلاح الدینؒ سے امیر بادشاہ نے نقل کیا ہے: ''**والذی صرح به الفقهاء مشهور فی کتبهم جواز الانتقال فی أداء المسائل والعمل فیها بخلاف مذهبه إذا لم یکن علی وجه التتبع للرخص**'' (تیسیر التحریر ۴/۲۵۳)۔

(بعض مسائل میں ایک فقہ سے دوسرے فقہ کی طرف عدول کا جائز ہونا اور اس میں دوسرے مذہب پر عمل کرنا اگر سہولت کی تلاش میں نہ ہو تو فقہاء نے اس کے جواز کی صراحت کی ہے جو ان کی کتابوں میں موجود ہے)۔

فقہاء حنفیہ کے یہاں ایسے اقوال ملتے ہیں جن سے صراحۃً بوقت ضرورت دوسرے مذہب پر فتوی دینا جائز معلوم ہوتا ہے، اور عملاً ایسے جزئیات بھی موجود ہیں جن سے اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ علامہ شامی "رسم المفتی" میں رقمطراز ہیں:

"**والحاصل أنه إذا اتفق أبوحنيفة وصاحباه على جواب لم يجز العدول عنه إلابضرورة**" (رسم المفتی ۷) (الغرض امام اعظم اور صاحبین جس جواب پر متفق ہوں اس سے عدول جائز نہیں ہے، البتہ ضرورۃً جائز ہے)۔

اور اس کی بہت ساری نظیریں فقہاء کے یہاں موجود ہیں، جیسے شوہر کے مفقود الخبر ہونے کی صورت میں مالکیہ کے مذہب پر چار سال انتظار کے بعد قاضی کے لئے تفریق کا حکم دینا۔

"**فلوأفتى به موضع الضرورة لابأس به على ماأظن**" (شامی ۶ /۴۶۱) (اگر بوقت ضرورت اس پر فتوی دی جائے تو گمان ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

اسی طرح جنون کی وجہ سے فسخ نکاح یہ صرف امام محمدؒ کا قول ہے، لیکن ضرورت اور حرج کی بنا پر شیخین کے مقابلہ میں ان کی رائے قبول کی گئی (الفتاوی الھندیہ ۱/ ۵۲۶ الباب الثانی عشر فی العنین)۔

اسی طرح ممتدۃ الطھر کی عدت کے سلسلہ میں مالکیہ کے قول پر فتوی دیا گیا کہ نو ماہ کے اختتام پر عدت پوری ہو جائے گا، صاحب بزازیہ نے اسی قول پر فتوی نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو عبارت:

"**نظير عدة ممتدة الطهر التى بلغت برؤية الدم ثلثة أيام، ثم امتد طهرها فنها تبقى فى العدة إلى أن تحيض ثلاث حيض وعندمالک تنقضى عدتها بتسعة أشهر، وقال فى البزازية: الفتوى فى زماننا على قول مالک، وقال الزاهد: كان بعض أصحابنا يفتون به للضرورة**" (ردالمحتار ۳/ ۳۳۰)۔

(جس عورت کو تین دنوں خون آیا اور وہ بالغ ہوگئی، پھر اس کا طہر طویل تر ہوتا گیا، ایسی عورت تین حیض تک عدت میں رہے گی، امام مالکؒ کے نزدیک نو ماہ میں اس کی عدت پوری ہو جائے گی، اور بزازیہ میں کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں امام مالکؒ کے قول پر فتوی ہے اور زاہدی کا بیان ہے کہ ہمارے بعض اصحاب اسی پر فتوی دیا کرتے تھے)۔

جس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین متفق ہوں اس میں بھی ضرورۃ عدول جائز ہے، علامہ شامی رسم المفتی میں تحریر فرماتے ہیں: "**ولماكان قول أبى يوسف ومحمد موافق قوله لايتعدى عنه لا فيما مست إليه الضرورة، وعلم أنه لو كان أبوحنيفة رأء مارأوا لافتى به**" (رسم المفتی ۳۷) (صاحبین کی رائے امام صاحب کے موافق ہو تو اس سے عدول نہیں کیا جاتا، لیکن ممکن اگر کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے اور محسوس ہو کہ اگر خود امام صاحب بھی ان حالات کو دیکھتے تو یہی فتوی دیتے، ایسی صورت میں عدول کی گنجائش ہے)۔

فقہاء کی مذکورہ بالاعبارتوں سے واضح ہے کہ بوقت ضرورت محض سہولت کی تلاش کے لئے نہیں بلکہ دفع حرج وتنگی کے لئے دوسرے مذہب کے قول پرفتوی یا اپنے مذہب کے مرجوح اور ضعیف قول پر فتوی دینا جائز ہے۔

لہذا ایسے حالات میں جبکہ جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے وعظ اور زبانی فہمائش کافی نہ ہو اور موجودہ حالات میں ملک ہندوستان میں جسمانی سزا بھی نہیں دے سکتے ہیں، کیونکہ یہ غیر قانونی ہے، تو ایسی صورت میں جرائم کی روک تھام کے لئے احقر کی رائے یہ ہے کہ ضرورۃ اپنے مذاہب کے قول ضعیف اور دوسرے مذہب کے قول پر عمل کرنے کی شرعاً گنجائش ہونی چاہئے۔

۷- تعلیمی اداروں میں طلباء کی مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک تھام لگانے کے لئے مالی جرمانہ کی شرعا اجازت ہونی چاہئے، جیسا کہ اوپر مالی جرمانہ کے جائز ہونے کی تفصیل گزر چکی ہے اور وہاں دلائل بھی ذکر کئے جا چکے ہیں۔

۸،۹۔ تعلیمی ادارے ہوں اور دوسرے ادارے اس میں نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لئے، اسی طرح برادریاں وخاندانی، کاروباری انجمنوں کا جرائم کی روک تھام کے لئے مالی جرمانہ کا نظام بنایا جائے، مثلا ہاؤزنگ سوسائیٹیاں وغیرہ، تا کہ لوگ مقررہ وقت پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا کردیں تو اس کی بھی گنجائش ہونی چاہئے بشرطیکہ مالی جرمانہ ایک مناسب حد میں ہو اور مالی جرمانہ اتنا زیادہ نہ ہو کہ وہ ظلم کی حد میں آجائے۔

۱۰۔۱۱ نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں اور ان کے احکام:

بنیادی طور پر نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں تین طرح کی ہیں:

۱۔شریعت نے نکاح کی وجہ سے جن حقوق کو واجب ولازم قرار دیا ہے، یہ شرطیں ان کو موکد ولازم کرتی ہوں۔ مثلا بیوی کا نفقہ ادا کرنا، بیوی کا شوہر کی اطاعت کرنا، شوہر کی اجازت ورضامندی کے بغیر گھر سے باہر نہ جانا وغیرہ، ایسی شرطیں بالاتفاق صحیح ودرست ہیں، اور فریقین پر ان کا ایفاء لازم وضروری ہے۔"**مایجب الوفاء به اتفاقا وهو ماأمر الله به إمساک بمعروف وتسریح بإحسان**"(فتح الباری ج۹ ص ۲۱۷)۔

۲۔ایسی شرطیں جو نکاح کے وجوبی احکام کے خلاف ہوں، مثلا بیوی کا مہر نہیں ہو یا شوہر پر بیوی کا نفقہ نہ ہو یا بیوی کی طرف سے یہ شرط ہو کہ شوہر مجھ سے مجامعت نہیں کرے گا (المغنی ۷/۷۲)۔

ایسی شرطیں بالاتفاق غیر معتبر ہیں، ایسی صورت میں نکاح تو صحیح ومنعقد ہو جائے البتہ شرط لغو وباطل ہوگی۔

۳۔وہ شرطیں جنہیں شریعت نے نہ تو واجب قرار دیا ہو اور نہ ہی منع کیا ہو اور ان سے بیوی کو نفع پہونچتا ہو (المغنی ۷ /۷۱)۔

مثلاً یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کو میکہ میں رکھے گا یا یہ کہ اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا بوقت نکاح مہر اس طرح طے کرے کہ اگر شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو مہر پانچ ہزار اور اگر باہر نہیں لے گئی تو دس ہزار۔

ایسی صورت میں نکاح تو صحیح ہو جائے گا لیکن یہ شرط معتبر ہوگی یا نہیں اس سلسلہ میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ یہ فرماتے

ہیں کہ اگر شوہر نے شرط پوری کردی تو مہر ایک ہزار ہوگا اور شرط پوری نہیں کی تو مہر مثل لازم ہوگا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں دونوں شرطیں صحیح ودرست ہیں، دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم ہوگا، امام زفرؒ فرماتے ہیں دونوں شرطیں فاسد ہیں اور دونوں صورتوں میں مہر مثل لازم ہوگا، جو ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زائد نہ ہو (ہدایہ)۔

عہد حاضر میں جبکہ تین طلاق کی کثرت ہے، لوگ اپنی بیوی کو بلاوجہ شرعی بات بات پر طلاق دیدیتے ہیں، مظلوم عورت دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوتی، ان کے چھوٹے چھوٹے بچے بے سہارا ہوجاتے ہیں، نیز طلاق ایک ناپسندیدہ عمل اور ایک ناگزیر ضرورت ہے، نیز مہر کی مشروعیت کا مقصد بے جا طلاق کے استعمال سے بچانا ہے، تاکہ شوہر تھوڑی تھوڑی بات پر طلاق نہ دےدے، اگر مہر واجب نہ ہوتو شوہر تھوڑی سی ناراضگی کی صورت میں بھی طلاق دے کر اس مقدس اور پاکیزہ رشتہ کو ختم کردے گا، علامہ علاء الدین کاسانیؒ اپنی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں مہر کی مشروعیت کی حکمت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"لأن ملك النكاح لم يشرع لعينه، بل لمقاصد لاحصول لها إلا بالدوام على النكاح والقرار عليه ولايدوم لا بوجوب المهر بنفس العقد مما يجرى بين الزوجين من الأسباب التى تحصل الزوج على الطلاق من الوحشة والخشونة، فلولم يجب المهر بنفس العقد لايبالى الزوج عن إزالة هذا الملك بأدنى خشونة تحدث بينها؛ لأنه لايشق عليه ازالته لمالم يخف لزوم المهر فلاتحصل المقاصد المطلوبة من النكاح" (بدائع الصنائع ۳/ ۱۴۲۴)۔

لہذا موجودہ حالات میں تین طلاق یا طلاق کے بے جا استعمال سے بچنے کے لئے امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے دونوں شرطوں کو معتبر اور جائز قرار دیا جائے ہی اوفق بالقرآن والسنہ اور مقاصد شریعت سے ہم آہنگ معلوم ہوتا ہے۔

لہذا راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ طلاق کے بارے جو افراط وتفریط پائی جاتی ہے، جس سے معاشرہ میں بڑی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں، بوقت نکاح نکاح نامہ میں یہ شرط لگادی جائے کہ ایک ساتھ تین طلاق یا بے جا طلاق دینے کی صورت میں شوہر پر متعینہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم ہو، تاکہ مالی بوجھ کی بنا پر شوہر طلاق کے بے جا استعمال سے بچے، اس شرط کو معتبر اور جائز ہونا چاہئے، جیسا کہ صاحبین کا مسلک ہے، اور اس سے ایک ساتھ تین طلاق دینے یا بے جا طلاق دینے کا بڑی حد تک سد باب ہوسکے گا، اور جب بے جا طلاق دینے یا بیک وقت ایک ساتھ تین طلاق دینے کی صورت میں مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کرنے کے سلسلہ میں صاحبین کے قول پر عمل کی گنجائش معلوم ہوتی ہے تو اب متعہ کے وجوب کی راہ تلاش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

☆☆☆

تعزیر مالی

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی☆

تعزیر کا اصل معنی روکنا اور واپس کر دینا (الرد والمنع) اور پھر مدد اور تعظیم کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا، گویا کہ ایسا کر کے اس نے دوسروں کو اس کی امانت اور ایذاء سے روک دیا ہے، اور اصل معنی کے اعتبار سے بعض سزاؤں کو تعزیر کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے لوگ جرم سے رک جاتے ہیں اور مجرم کو دوبارہ جرم کرنے کی ہمت نہیں ہوتی ہے (موسوعہ فقہیہ ۱۲/ ۲۵۴)۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ تعزیر کا اصل معنی مدد اور تعظیم ہے (الصلاح ۱/ ۶۰۳، مغاییس اللغۃ/ ۶۶۹)، اس حیثیت سے دیکھا جائے تو تعزیر اسلامی احکام وقوانین کی عظمت و ہیبت کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے اور جن لوگوں کے حق میں شریعت کی طرف سے متعین کردہ سزائیں کارگر نہیں ہوتی ہیں تو ان کے لئے اس سے مدد حاصل کی جاتی ہے، مثلاً کسی شرابی کو اس کی مقررہ سزا اس جرم سے باز نہ رکھ سکے تو پھر قتل جیسی تعزیر کے ذریعہ اس کا کام تمام کر دیا جاتا ہے۔

تعزیر سے ملتا جلتا ایک دوسرا لفظ تادیب ہے، جسے عام طور پر ہم معنی شمار کیا گیا ہے، اور دونوں کا مفہوم ایک بیان کیا گیا ہے، البتہ بعض شافعی علماء نے دونوں میں فرق کیا ہے، یعنی حدود کے علاوہ کسی دوسرے جرائم میں حکومت کی طرف سے دی گئی سزا تعزیر ہے، اور استاذ، والدین اور شوہر کے ذریعہ کی گئی سرزنش تادیب ہے (روضۃ الطالبین ۷/ ۳۸۲)۔

اور اصطلاح میں ہر اس جرم کی سزا کو تعزیر کہا جاتا ہے جس کے بارے میں شریعت کی طرف سے کوئی سزا یا کفارہ مقرر نہ ہو، اس کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت کی طرف سے بعض جرائم کی سزا متعین ہے، جسے حد کہا جاتا ہے اور اس میں کوئی کفارہ نہیں ہے، جیسے کہ چوری اور بدکاری کی سزا، اور بعض ممنوعات میں کفارہ ہے اور کوئی حد نہیں ہے، جیسے کہ رمضان کے مہینے میں روزہ کی حالت میں جماع کر لینا، اور بعض معاصی میں نہ تو حد ہے اور نہ کفارہ، بلکہ اس میں تعزیر ہے، یعنی اس میں شریعت کی طرف سے کوئی متعین سزا نہیں ہے، بلکہ اس حاکم یا صاحب اختیار کے حوالے کر دیا گیا ہے کہ وہ مجرم کو کوئی مناسب سزا دے جیسے کہ مارنا، قید کرنا، ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ۔

تعزیر کی مشروعیت کتاب وسنت اور اجماع وعقل سے ثابت ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن، فإن اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا إن اللہ کان علیا**

☆ جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ۔

کبیرا" (سورۂ نساء: ۳۴) (اور تم کو جن عورتوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو ان کو سمجھاؤ، خوابگاہ میں ان سے بے تعلق برتو اور ان کو (ہلکے طریقے پر) مارو، اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کرنے لگیں تو پھر ان پر زیادتی کے لئے بہانے تلاش مت کرو، بے شک اللہ بڑی بلندے اور عظمت والا ہے)۔

اور حضرت ابوبردہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**لا تجلدوا فوق عشرة أسواط إلا فی حد من حدود الله**" (صحیح بخاری: ۶۴۵۸، صحیح مسلم: ۱۷۰۸) (اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حد کے علاوہ کسی دوسرے جرم میں دس کوڑے سے زیادہ نہ مارو)۔

اور حضرت بہز بن حکیم کی سند سے منقول ہے کہ: "**إن رسول الله ﷺ حبس رجلا فی تهمة، ثم خلی سبیله**" (سنن ابوداؤد: ۳۶۳۰، جامع ترمذی ۱۴۱۷) (رسول اللہ ﷺ نے کسی الزام میں ایک آدمی کو قید میں رکھا تھا اور پھر چھوڑ دیا)۔

اور علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ تعزیر کے ثبوت پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے (فتح القدیر ۵/۳۴۵)، اور ابن نجیم کا بیان ہے کہ پوری امت اس پر متفق ہے (البحر الرائق ۵/۱۷، نیز دیکھئے: نہایۃ المحتاج ۸/۱۹)، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر معصیت کے کاموں اور برے افعال پر ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش نہ کی جائے تو رفتہ رفتہ وہ عادت بن جائے گی اور پھر بڑے جرائم کی طرف رغبت اور ہمت بڑھ جائے گی، اس لئے ضروری ہے کہ پہلے مرحلے ہی پر بند لگایا جائے اور اس پر مناسب سزا دی جائے (فتح القدیر ۵/۳۴۵)، اور یہی تعزیر کا مقصد اور اس کی مشروعیت کی حکمت ہے کہ اس کے ذریعہ کسی کی اہانت مقصود نہیں، بلکہ جرم سے باز رکھنا اور معاشرے کو فساد سے پاک رکھنا اور مجرم کی اصلاح و تہذیب ہی اس کا حقیقی مقصد ہے، علامہ عینی کہتے ہیں: "التعزیر للتادیب" (البنایۃ ۳/۲۱۱)، اور علامہ شامی لکھتے ہیں: "**لان التعزیر شرع للتطهیر** "، (رد المحتار ۶/۱۰۳، نیز دیکھئے: موسوعہ ۱۲/۲۵۶)۔

تعزیر کی قسمیں:

تعزیر کی متعدد قسمیں ہیں جیسے کہ جسمانی، ذہنی اور مالی وغیرہ اور تعزیر مالی کی چار صورتیں ہیں: اتلاف، تغییر، حبس، تملیک۔

۱- اتلاف:

اتلاف کا مفہوم یہ ہے کہ کسی جرم کی وجہ سے مجرم کے مال کو ضائع کر دیا جائے، عام طور پر فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں، چنانچہ فقہ حنفی میں اس بات کی صراحت ہے کسی گھر میں مفسدانہ اور فاسقانہ کام انجام دیا جاتا ہو تو اسے گرا دینا جائز ہے، بلکہ ایسے گھروں کو آگ کے حوالے کر دینا بھی درست ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے شراب فروشوں کے گھروں میں آگ لگا دی، "**انه یهدم البیت علی من اعتاد الفسق وأنواع الفساد فی داره** " (رد المحتار ۶/۱۱۰)۔ اسی طرح سے بعض کتابوں

میں لکھا ہوا ہے کہ اغلام بازی کرنے والے کے گھر میں آگ لگا دی جائے گی"قلت: قد تقدم للشارح عن الدرر فی باب الوط الذی لا یوجب الحد أنه فی اللواطة یعزر بإحراق بیته" (تقریرات رافعی مع الرد ۶/۴۵)، المحتسب اذا نهی القطان عن وضع القطن علی طریق العامة فلم یمتنع فأوقد المحتسب النار علی قطه وأحرقه یضمن إلا إذا علم فسادا فی ذلک، ورای المصلحة فی إحراقه" (خلاصۃ الفتاوی ۴/۳۳۷)۔

اسی طرح سے مالکی علماء کے یہاں بھی بطورتعزیر پانی آمیز دودھ کوصدقہ کردینے اورخراب بناوٹ والے کپڑے کوجلا دینے کی مثالیں ملتی ہیں (تبصرۃ الحکام ۲/۲۹۸)۔

اورفقہاءحنابلہ کے یہاں اس مسئلہ میں مختلف رائیں ملتی ہیں،بعض لوگوں کے یہاں بطورتعزیرکسی چیزکوتلف کرنا درست نہیں، چنانچہ"مطالب اولی النہی"میں ہے:"وکذا یحرم التعزیر بأخذ ماله أو اتلافه، اورعلامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ: "ولأن الواجب أدب، والتأدیب لا یکون بالاتلاف" (المغنی ۱۲/۵۲۶)، اوربعض لوگوں کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے، علامہ ابن تیمیہ اورابن قیم نے اسی کوترجیح دی ہے،عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب لکھتے ہیں:"التعزیر بالمال سائغ اتلافا وأخذا، وهو جار علی أصل احمد؛ لأنه لم یختلف اصحابه أن العقوبات فی المال غیر منسوخة "(الدار السنیۃ ۷/۴۴۹)۔

اورشافعیہ کہتے ہیں کہ بطورسزاکسی کی ملکیت کوضائع کرنا جائزنہیں ہے،ان کی دلیل یہ ہے کہ سزا کے طورپرکسی چیزکوتلف کرنے کی اجازت پہلے تھی،لیکن پھرمنسوخ ہوگئی،اس لئے اس پرعمل کرنادرست نہیں۔

جواز کے دلائل:

۱-منافقوں نے مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے کے لئے ایک گھربنایااوراسے مسجد کا نام دے دیا،تاکہ وہاں ان کے اکٹھا ہونے سے کسی کوشبہ نہ ہو،اللہ تعالی نے سازش کے اس مرکزکوڈھا دینے اورجلا دینے کاحکم دیا،جلانے کے قصے کوابن اسحاق اور ابن مردویۃ وغیرہ نے نقل کیا ہے(تفسیر ابن کثیر ۲/۳۸۹، الدرالمنثور ۴/۲۸۵)، اورعلامہ ابن تیمیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے(الحسبۃ فی الاسلام رص ۷۴)،بعض لوگوں نے مرسل ہونے کی وجہ سے اسے ناقابل اعتبارقراردیا ہے جوصحیح نہیں ہے،کیونکہ بہت سے اماموں کے نزدیک مرسل قابل اعتماد ہے۔

قرآن مجید میں اس واقعہ کوان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرأوتفریقا بین المومنین وإرصادا لمن حارب الله ورسوله من قبل، ولیحلفن إن أردنا إلا الحسنی، والله یشهد إنهم لکذبون" (سورۂ توبہ:۱۰۷)۔

اورجن لوگوں نے نقصان پہنچانے،کفرکی باتیں کرنے،مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنےاورجولوگ اس سے پہلے اللہ سے اس کےرسول سے جنگ کرچکے ہیں ان کے لئے پناہ گاہ فراہم کرنے کی غرض سے مسجد بنائی ہےاور(اب) وہ قسمیں کھائیں گے

کہ بھلائی کے سوا ہماری کچھ اور نیت نہ تھی اور اللہ گواہی دیتے ہیں کہ وہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس عمارت کو محض گرا دینے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ اسے جلا دینے کا حکم دیا اور اس کے ملبے کو دوسرے کاموں میں استعمال نہیں کیا، حالانکہ اس کی لکڑیاں وغیرہ کام آ سکتی تھیں، اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ بطور تعزیر کسی مال کو برباد کر دینا درست ہے۔

۲-"**قال فاذهب فان لک فی الحیوة أن تقول لا مساس وان لک موعد الن تخلفه وانظر إلی إلهک الذی ظلت علیه عاکفا لنحرقنه ثم لننسفنه فی الیم نسفا**"(سورۂ طہٰ:۹۷)(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا تم جاؤ تمہارے لئے زندگی بھر یہ حال رہے گا کہ تم کہو کے کہ کوئی مجھے ہاتھ نہ لگائے، اور تمہارے لئے ایک مقررہ وقت ہے جو تم سے ٹلے گا نہیں، اور اپنے اس خدا (یعنی بچھڑے کے انجام) کو دیکھو جس کی عبادت پر تم جمے ہوئے تھے ہم اسے جلا دیں گے اور پھر اسے ریزہ ریزہ کر کے سمندر میں بکھیر دیں گے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے بچھڑے کو محض توڑنے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ اسے جلا کر سمندر کے حوالہ کر دیا حالانکہ اسے توڑ کر یا پگھلا کر سونے جیسے قیمتی دھات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے مصلحت کا تقاضا ہو تو کسی مال کو ضائع کیا جا سکتا ہے، یہ گرچہ ہم سے پہلے کی شریعت کا ایک واقعہ ہے، لیکن اسے بیان کرنے کے بعد اس پر کوئی نکیر نہیں کی گئی ہے، بلکہ انداز بیان سے اس عمل کی تائید جھلک رہی ہے، نیز منسوخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ دوسری دلیلوں سے اس طرح کے عمل کی غیر منسوخی ثابت ہو رہی ہے اس لئے یہ قابل استدلال ہے۔

۳-"**ما قطعتم من لینة أوترکتموها قائمة علی أصولها فباذن الله ولیخزی الفاسقین**"(سورۂ حشر:۵) (تم نے کھجوروں کے درخت کاٹ دیئے یا اس کو اپنی جڑوں پر باقی رہنے دیا تو یہ اللہ ہی کے حکم سے تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ نافرمانی کرنے والوں کو رسوا کرے)۔

صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے یہودیوں کے قبیلے بنو نضیر کے محاصرے کے موقع پر ان کے باغات کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا اور اسی موقع پر مذکورہ آیت نازل ہوئی (صحیح بخاری:۴۶۰۲، صحیح مسلم ۱۷۴۶ وغیرہ)، اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت کی وجہ سے کسی مال کو تلف کرنا جائز ہے، چنانچہ علامہ ابن عربی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"**اتلاف بعض المال لصلاح باقیه مصلحة جائزة شرعا مقصودة عقلا**"(احکام القرآن ۱۷۶۸/۴)۔

۴-حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"**والذی نفسی بیده لقد هممت ان آمر بحطب فیحطب ثم آمر بالصلاة فیوذن لها ثم آمر رجلا فیؤم الناس ثم أخالف إلی رجال فاحرق علیهم بیوتهم**"(صحیح بخاری رص ۶۱۸، صحیح مسلم ۶۵۱)(اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ لکڑی جمع کرنے کا حکم دوں پھر نماز کے لئے اذان دلاؤں اور اس کے بعد کسی سے نماز پڑھانے کے لئے کہوں اور خود میں جا کر ان لوگوں

کے گھروں میں آگ لگادوں جونماز کے لئے مسجد کی جماعت میں شامل نہیں ہوتے)۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے مال کو برباد کرکے سزا دینا جائز ہے، کیونکہ آگ لگادینا ایک مالی سزا ہے(اوجزالمسالک ۳؍۱۲)۔

۵-حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"**إذا وجدتم الرجل قد غل فی سبیل الله فاحرقوا متاعه واضربوه**"(ابوداؤد:۲۷۱۳،ترمذی۱۴٦۱)(اگرکوئی مال غنیمت میں خیانت کرے تواس کی پٹائی کرواوراس کے سامان میں آگ لگادو)۔

٦-عمروبن شعیب کی سند سے منقول ہے کہ:"**ان رسول الله ﷺ وأبابکر وعمرحرقوا متاع الغال وضربوه**"(ابوداؤد:۲۷۱۵)(رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے مال کو آگ کے حوالے کردیااوراس کی پٹائی کی)۔

پہلی حدیث سندی حیثیت سے ضعیف ہے،لیکن دوسری روایت درجہ حسن سے کمتر نہیں، یہی وجہ ہے کہ امام ابوداؤداور منذری نے اسے نقل کرنے کے بعد خاموشی اختیار کی ہے اور کوئی کلام نہیں کیا ہے، جوان دونوں کے نزدیک حسن ہونے کی علامت ہے،البتہ ایک دوسری حدیث اس کے برخلاف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ایک شخص نے مال غنیمت میں خیانت کی،لیکن نبی ﷺ نے اس کے سامان کو جلانے کا حکم نہیں دیا(صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر باب التعلیل من الفطر)،اس کی توجیہ کرتے ہوئے حدیث کے شارحین نے لکھا ہے کہ چونکہ دوسرے واقعہ میں خیانت کرنیوالے کی وفات ہوچکی تھی اوراس کے مال کا مالک اس کے وارثین ہوچکے تھےاور کسی شخص کی غلطی کی سزااس کے وارثوں کو نہیں دی جاسکتی ہے،اس لئے اس کے مال کو نہیں جلایا گیا(عمدۃ القاری۱۵؍۷)۔

اور علامہ کشمیری مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیری طور پر مال کو جلانا جائز ہے اور عام طور پر ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ مالی تعزیر درست نہیں اوراس طرح کا حکم منسوخ ہے،لیکن میں نے حاوی قدسی نامی کتاب میں دیکھا ہے کہ امام ابویوسف کے نزدیک مالی تعزیر جائز ہے(العرف الشذی ۷؍۲۴۲)۔

٦-حضرت عمرؓ کے حکم پر حضرت سعد بن وقاصؓ کے محل میں آگ لگادی گئی، کیونکہ محل میں رہنے کی وجہ سے لوگوں کوان سے ملاقات میں پریشانی ہورہی تھی(دیکھئے: مسند احمد:۳۹۰،کتاب الزہد بن المبارک:۴۷۴)،اسی طرح سے انہوں نے رویشد نامی ایک شراب فروش کے گھر میں آگ لگادی جس کی وجہ سے سارا گھر جل کرراکھ ہوگیا(کتاب الاموال لابی عبید؍۹۷،الاسماء والکنی للدولابی ۲؍۵۸۴)،اور حضرت علیؓ سے بھی اس طرح کا واقعہ منقول ہے(الاداب شرعیہ ۱؍۲٦۳)،حضرت عمرؓ کے متعلق منقول ہے کہ اگروہ کسی کو پانی ملاہوادودھ فروخت کرتے ہوئے دیکھتے تواسے زمین پرگرادیتے(المدونۃ ۳؍۴۴۴)،اور یہ واقعات صحابہ کرام کی موجودگی میں پیش آئےلیکن کسی نے اس پرنکیر نہیں کی گویا کہ ان کے درمیان اس کے جواز پر اجماع ہے۔

۷-بعض جرائم کی وجہ سے شریعت نے جسم کے بعض حصے کو یا پورے کوتلف کرنے کا حکم دیا ہے، جیسے کہ چوری کی وجہ سے

ہاتھ کاٹنا یا شادی شدہ زانی کو رجم کرنا، تو کچھ جرائم کی بنیاد پر مجرم کے مال کو برباد کردینا یقینی طور پر جائز ہونا چاہئے (موسوعہ فقہیہ ۱۲/ ۲۷۲)۔

۲-تغیر وتبدیلی:

تغیر وتبدیلی کا مفہوم یہ ہے کہ ناجائز اور حرام چیز میں ایسی تبدیلی کردی جائے جس سے اس کی حرمت کی وجہ ختم ہوجائے جیسے کہ گانے بجانے کے آلات کے کل پرزے الگ کردیئے جائیں یا تصویر والے کپڑے کو پھاڑ دیا جائے اور پھر اس کے اجزاء سے فائدہ اٹھایا جائے، اس شکل کے جواز پر تمام علماء کا اتفاق ہے (موسوعہ فقہیہ ۱۲/ ۲۷۲)، چنانچہ حضرت زید بن خالد جہنی کہتے ہیں کہ ابوطلبہ انصاری کا بیان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ "**لا تدخل الملائکة بیتا فی کلب ولا تماثیل**" (فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو)۔

ان سے حدیث سن کر میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت ابوطلبہؓ اس طرح کی حدیث بیان کر رہے ہیں، کیا آپ نے اس سلسلہ میں نبی ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، البتہ میں تم سے ان کا طرز عمل بیان کروں گی، ایک مرتبہ آپ کسی جنگ کے لئے تشریف لے گئے میں نے دروازے پر ایک تصویر والا پردہ لٹکا دیا، واپسی پر آپ نے اسے دیکھ کر ناگواری کا اظہار فرمایا اور اسے کھینچ کر پھاڑ دیا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس کپڑے سے ایک یا دو تکیہ بنالیا گیا (صحیح مسلم: ۲۱۰۷)۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ: "**فمر برأس التمثالی الذی فی البیت یقطع فیصیر کھیئة الشجرة ومر بالستر فلیقطع فلیجعل منه وسادتین منبوذتین توطان**" (ابوداؤد: ۴۱۵۸، ترمذی: ۲۸۰۶) (آپ حکم دیجئے کہ گھر میں موجود مجسمے کے سر کو کاٹ دیا جائے تاکہ وہ درخت کی طرح ہوجائیں اور پردے کے بارے میں کہئے کہ اسے دو ٹکڑا کر کے تکئے بنالئے جائیں)۔

۳-حبس:

حبس کا مفہوم یہ ہے کہ مجرم کے مال کو کچھ مدت تک کے لئے چھین لیا جائے، تاکہ اسے سبق حاصل ہو اور وہ جرم سے باز آجائے، اور پھر توبہ واصلاح کے بعد اس کا مال اسے واپس کردیا جائے، اور اگر توبہ اور اصلاح حال کی کوئی امید باقی نہ رہے تو پھر اسے رفاہ عام کے کاموں میں لگا دیا جائے، بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ حنفیہ میں سے امام ابویوسفؒ کے نزدیک جو تعزیر مالی کے قائل ہیں، یہی شکل مراد ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری بزازیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"**إن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به امساک شئ من ماله عنه مدة لینزجر، ثم یعیده الحاکم إلیه، لا أن یاخذہ الحاکم لنفسه أو لبیت المال کما یتوهمه الظلمة، اذ لایجوز لاحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی**"۔

اور مجتبی کے حوالے سے لکھتے ہیں: "لم یذکر کیفیة الأخذ وأری أن یأخذها فیمسلکها، فان أیس من توبته یصرفها إلی ما یری" (البحر الرائق ۵/۶۸)۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ باغیوں کی سواری اور ہتھیار کو ان سے چھیننے کے بعد ایک مدت تک کے لئے ضبط کرلیا جاتا ہے اور توبہ کر لینے کے بعد پھر انہیں واپس کر دیا جاتا ہے (موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۱)۔

۴- تملیک:

تملیک یہ ہے کہ مجرم کے مال کو چھین کر فقیروں اور مسکینوں کے حوالے کر دیا جائے یا سرکاری خزانے میں جمع کر دیا جائے، بعض مالکی علماء اس شکل کے جواز کے قائل ہیں (الاعتصام ۲/۱۲۴، تبصرۃ الحکام ۲/۲۹۷)، اور ابن فرحون نے نقل کیا ہے کہ امام مالک سے پانی ملا ہوا دودھ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اسے بہا دیا جائے تو انہوں نے کہا نہیں، بلکہ اگر بیچنے والے نے پانی ملا کر دھوکہ دیا ہے تو دودھ کو اس سے لے کر اس کا صدقہ کر دیا جائے گا، ملاوٹی زعفران اور مشک کے سلسلے میں بھی ان کی یہی رائے ہے (دیکھئے: تبصرۃ الحکام ۲/۲۹۸)۔

اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی منقول ہے، گرچہ بعض لوگوں نے اسے ''حبس'' کی صورت پر محمول کیا ہے، اور بعض مشائخ نے انہیں کو اختیار کیا ہے، لیکن تاریخ کے صفحات نے ان لوگوں کے ناموں کو محفوظ نہیں رکھا ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمام ''خلاصۃ الفتاویٰ'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"سمعت من ثقة أن التعزیر بأخذ المال إن رأی القاضی أو الوالی جاز، ومن جملة ذلک رجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال مبنی علی اختیار من قال بذلک من المشائخ کقول ابی یوسف" (فتح القدیر ۵/۳۴۵)۔

اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے (المہذب ۱/۱۴۸)، اور حنابلہ میں سے بعض لوگ اسی کے قائل ہیں اور علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

اس کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تعزیر مالی جائز نہیں ہے، اور فقہ حنفی میں فتوی اسی پر ہے (ردالمحتار ۶/۱۰۶)، اور مالکیہ کے یہاں بھی یہی راجح ہے (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/۳۵۵)، اور امام شافعی کا قول جدید یہی ہے اور اسی پر فتوی ہے (المہذب ۱/۱۴۸، المجموع ۵/۳۰۸)، اسی طرح سے فقہ حنبلی میں بھی یہی راجح ہے (المغنی ۱۲/۵۲۶)۔

جواز کے دلائل:

۱- حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے درخت پر لگے ہوئے پھل کی چوری کے سلسلے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ما اصاب بفیه من ذی حاجة غیر متخذ خبنة فلا شئ علیه، ومن خرج بشئ

منه فعليه غرامة مثليه والعقوبة، ومن سرق شيئا منه بعد أن يوويه الحجرين فبلغ ثمن المجن فعليه القطع، ومن سرق دون ذلك فعليه غرامة مثليه والعقوبة" (ابوداؤد ۱۷۱۰، نسائی ۴۹۷۳، واللفظ لہ)۔

اور عمرو بن شعیب کی سند سے منقول ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: کہ قبیلہ مزینہ کا ایک شخص خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ "كيف ترى فى حريسة الجبل فقال هى ومثلها والنكال وليس فى شئ من الماشية قطع، إلا فيما آواه المراح فبلغ ثمن المجن ففيه قطع اليد ومالم تبلغ ثمن المجن ففيه غرامة مثليه وجلدات نكال" (نسائی ۴۹۶۹)۔

۲- بہز بن حکیم کی سند سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من اعطاها موتجرا فله اجرها ومن أبى فانا أخذوها وشطرابله عزمة من عزمات ربنا لا يحل لآل محمد منها شئ" (ابوداؤد ۱۵۵۷، نسائی ۲۴۴۳)۔

۳- سلیمان بن ابی عبداللہ کہتے ہیں: "رايت سعد بن ابى وقاص أخذ رجلا يصيد فى حرم المدينة الذى حرم رسول الله ﷺ فسلبه ثيابه فجاء مواليه فكلموه فيه فقال: إن رسول الله ﷺ حرم هذا الحرم، وقال: من أخذ أحداً يصيد فيه فليسلبه ثيابه فلا أردعليكم طعمة أطمنيها رسول الله ﷺ ولكن إن شئتم دفعت إليكم ثمنه" (ابوداؤد ۲۰۳۷)۔

امام مسلم نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے: "إن سعدا ركب إلى قصره بالعقيق فوجد عبدا يقطع شجرا أويخبطه فسلبه فلما رجع سعد جاء ه أهل العبد فكلموه أن يرد على غلامهم أو عليهم ما أخذ من غلامهم فقال: معاذ الله إن اراد شيئا نفلنيه رسول الله ﷺ وأبى أن يرد عليهم" (صحیح مسلم: ۱۳۶۴)۔

یہ روایات مالی جرمانہ کے سلسلے میں بالکل واضح اور صریح ہیں اور اس کے برخلاف کے لئے ان کی کوئی معقول توجیہ نہیں کی جاسکی ہے، البتہ ان کے ذریعہ استدلال کو دوطرح سے مخدوش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱- اسلام کے ابتدائی دور میں مالی جرمانہ جائز تھا، مگر بعد میں منسوخ کردیا گیا اور نسخ کی دلیل وہ آیات وروایات ہیں جن میں ناحق طریقے سے کسی کے مال کو لینے سے منع کیا گیا ہے اور ان کی حیثیت اصول اور ضابطے کی ہے، اور اس کے برخلاف جرمانہ لینے کی دلیلیں جزئی واقعات کی حیثیت رکھتی ہیں، اور جزئی واقعات کے مقابلے میں اصولی دلائل کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ نسخ کے لئے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ کون سا حکم پہلے دیا گیا اور کون سا بعد میں یعنی ناسخ ومنسوخ کی تاریخ کا علم ہونا چاہئے اور مذکورہ مسئلہ میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں: "إن ما ادعوه من كون العقوبة كانت بالأموال فى أول الإسلام ليس بثابت ولامعروف، والثانى أن النسخ إنما يصار إليه اذا علم التاريخ، وليس هنا علم بذلك" (المجموع ۵/۳۰۸)۔

اور علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مالی جرمانہ مطلقا منسوخ ہے تو انہوں نے اماموں کے نقطہ نظر کو نقل

کرنے اور اس سے استدلال کرنے میں غلطی کی ہے، بلکہ امام احمد وغیرہ کے نزدیک ان میں سے اکثر واقعات میں مالی جرمانہ جائز ہے، اور اسی طرح سے امام مالک کے یہاں ان میں سے بہت سے میں تعزیر مالی درست ہے، اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا طرز عمل نسخ کے دعوے کو باطل کرنے کے لئے کافی ہے، اور جو لوگ نسخ کے دعویدار ہیں ان کے پاس نہ تو کتاب وسنت کی کوئی دلیل ہے اور نہ اجماع جو ان کے دعوے کو صحیح قرار دے سکے (الطرق الحکمیۃ ۲/ ۶۹۲)۔

۲- دوسرا اعتراض یہ ہے کہ زکاۃ ادا نہ کرنے کی صورت میں بطور جرمانہ آدھا مال چھین لینے والی بہز بن حکیم کی روایت ضعیف ہے، اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ بہز کی حدیث کسی بھی حال میں درجہ حسن سے کمتر نہیں ہے، امام ابوداؤد کی روایت کے بارے میں علامہ نووی کہتے ہیں کہ بہز تک اس کی سند صحیح بخاری ومسلم کے معیار کے مطابق ہے، البتہ بہز کے بارے میں اختلاف ہے، علی بن مدینی اور یحیی بن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور یحیی بن معین سے بہز عن ابیہ عن جدہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ سند صحیح ہے اگر اس سے نیچے کے راوی قابل اعتماد ہوں (المجموع ۵/ ۳۰۴)۔

۴- حضرت یحیی بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ان کے والد کے غلاموں نے قبیلہ مزینہ کے ایک آدمی کی اونٹنی چوری کرکے ذبح کردیا، حضرت عمرؓ کو واقعہ کی اطلاع ملی، پہلے انہوں نے ان کے ہاتھ کو کاٹنے کا حکم دیا، لیکن پھر کچھ سوچ کر رک گئے اور حضرت عبد الرحمٰن بن حاطب سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ تم انہیں بھوکا رکھتے ہو جس کی وجہ سے وہ چوری پر مجبور تھے، اللہ کی قسم میں تم پر ایک بھاری جرمانہ لگاؤں گا، پھر اونٹنی کے مالک سے پوچھا کہ اس کی کیا قیمت ہوگی؟ اس نے کہا چار سو درہم حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن حاطب سے کہا کہ جاؤ اور اسے آٹھ سو درہم ادا کرو (مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۲۳۸، المحلی ۱۳/ ۱۶۶، ابن حزم کہتے ہیں: فہذا اثر عن عمر کالشمس)۔

ان سے یہ بھی منقول ہے کہ گم شدہ جانور کو اگر کوئی شخص چھپالے تو اس سے دوگنا تاوان لیا جائے گا (موسوعہ فقہیہ ۱۲/ ۲۷۲)، مگر ان میں سے پہلا واقعہ سند کے اعتبار سے منقطع ہے؛ کیونکہ یحیی بن عبدالرحمٰن کی حضرت عمرؓ سے ملاقات ثابت نہیں ہے اور نہ انہوں نے ان سے کوئی روایت سنی ہے، بعض لوگوں نے یحیی کے بعد ان کے والد کا اضافہ کیا ہے، یعنی ان کے والد نے مذکورہ واقعہ کو دیکھا، مگر ابوعمر کہتے ہیں یہ راوی کا وہم ہے، کیونکہ موطا کے تمام راویوں نے اس اضافہ کے تعبیر سے نقل کیا ہے اور متن کے اعتبار سے منکر ہے، کیونکہ یہ ظلم وزیادتی اور تاوان کے اصول کے خلاف ہے (دیکھئے: اعلاء السنن ۹۸۸) مگر ابن جریج نے بھی اسے عن ابیہ کے اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے (مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۲۳۸)۔

۵- ایک شخص نے کسی کی اونٹنی کو ہلاک کردیا، اس کے مالک نے حضرت عثمانؓ سے فریاد کی تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اونٹنی کی قیمت اور مزید اس کی قیمت کا ایک تہائی حصہ بطور تاوان ادا کیا جائے، علامہ ابن حزم اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ انتہائی درجے کی صحیح روایت ہے، اور صحابہ میں سے کسی سے اس کے برخلاف منقول نہیں ہے (المحلی ۱۳/ ۱۶۶)، گویا کہ اس پر ایک طرح سے اتفاق اور اجماع ہے۔

حضرت عثمان کا فیصلہ سندی حیثیت سے بے غبار ہے، مگر اس کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ انہوں نے اونٹ کی قیمت سے زیادہ تاوان اس سامان کے بدلے میں دلایا جو اس نے اونٹ پر لاد رکھا تھا جس کی قیمت اونٹ کی تہائی قیمت کے برابر تھی اور ہلاک کرنے والے نے اونٹ کے ساتھ اسے بھی ضائع کر دیا تھا، اور اس فیصلے کی یہ تاویل ضروری ہے کیونکہ یہ ظلم و زیادتی اور تاوان کے متفقہ اصول کے برخلاف ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ”**فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم**“ (سورۂ بقرہ: ۱۹۴)۔

اور دوسری آیت میں ہے کہ: ”**وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعقوقبتم به**“ (سورۂ نحل: ۱۲۶)۔

اور تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے سامان کو ضائع کر دے تو اس سے صرف اسی جیسا دوسرا سامان یا اس کی قیمت لی جائے گی (اعلاء السنن ۱۱/ ۶۸۸)۔

۶- کتاب وسنت میں متعدد خطاؤں اور گناہوں پر کفارہ واجب کیا گیا ہے جس کی بعض صورتوں میں مال خرچ کرنا ہوتا ہے، غور کیا جائے تو یہ بھی ایک طرح سے مالی جرمانہ ہے، چنانچہ قتل خطاء ظہار کرنے اور رمضان میں روزہ رکھ کر جماع کرنے پر ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح سے قسم توڑ دینے اور رمضان میں روزہ رکھ کر جماع کر لینے یا ظہار کر لینے اور پھر غلام آزاد کرنے یا روزہ نہ رکھنے کی عدم استطاعت کی صورت میں مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا ہے، نیز احرام کی حالت میں شکار کرنے یا احرام کے ممنوعات کے ارتکاب یا واجب کے چھوڑنے پر مالی کفارہ ادا کرنا ہوتا ہے، اور قتل کی بعض صورت میں دیت وصول کرنا بھی ایک طرح سے مالی جرمانہ ہے۔

عدم جواز کے دلائل:

۱- مالی جرمانہ لوگوں کے مال کو باطل طریقے سے ہڑپنے اور خوشی ورضامندی کے بغیر زبردستی چھین لینے میں داخل ہے، حالانکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ”**يا ايها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم**“ (سورۂ نساء: ۲۹)۔

”**ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها الى الحكام لتاكلوا فريقا من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون**“ (سورۂ بقرہ: ۱۸۸)۔

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”**من اقتطع مال امرء مسلم بغير حق لقى الله وهو عليه غضبان**“ (مسند احمد ۳۹۴۶)۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ: ”**ألا لا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفسه**“ (مسند احمد ۲۰۶۹۵)۔

لیکن جو لوگ مالی جرمانہ کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ اس میں ناحق مال کو ہڑپنا نہیں ہے، بلکہ شرعی سبب اور اجازت کے

ذریعہ لیا جارہا ہے، اور شرعی سبب سے جو مال حاصل کیا جائے اسے باطل نہیں کہا جاسکتا ہے، اور حدیث سے استدلال کے سلسلہ میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا بیان ہے کہ: لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر بھی کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی عام طور پر فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”**لا یحل مال امری مسلم إلا بطیب نفسه**“، یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں ہے، لیکن یہ استدلال کمزور ہے اس لئے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا تو اس پر جس طرح سے جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہذا جب کسی مسلمان نے جرم کیا اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جارہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے تو مال جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بدرجہ اولی جائز ہونا چاہئے (درس ترمذی ۵/۱۱۹)۔

۲- بعض لوگوں نے دعوی کیا ہے کہ مالی جرمانہ لینے کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے، چنانچہ علامہ دسوقی نے لکھا ہے کہ ”**لا یجوز التعزیر بأخذ المال إجماعا**“ (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/۳۵۵)۔ لیکن ماقبل میں جو اختلاف ذکر کیا گیا ہے وہ اس دعوے کی تردید کے لئے کافی ہے۔

۳- اگر مالی جرمانہ کو جائز قرار دیا جائے تو ظالم و جابر حکمرانوں کے لئے لوگوں کے مال کو ہڑپنے کا ایک آسان بہانہ ہاتھ آجائے گا اس لئے سد ذریعہ کے طور پر اسے ناجائز قرار دیا جائے گا (ردالمحتار ۶/۱۰۶)۔

میرا خیال ہے کہ یہی وہ اہم دلیل ہے جس کی بنیاد پر عام طور پر فقہاء تعزیر مال کو ناجائز کہتے ہیں، کیونکہ اس زمانے میں ظلم و جور کا دور دورہ تھا، مختلف بہانوں اور حیلوں سے لوگوں کی زمین و جائداد اور مال و متاع کو ہتھیانے کا عام رواج تھا، اس پس منظر میں علماء نے اسے ناجائز قرار دیا اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ جواز سے متعلق اقوال سے حکمراں آگاہ نہ ہونے پائیں، چنانچہ علامہ محمد جعفر سندھی کہتے ہیں: ”**إلا أن روایة جواز التعزیر بأخذ المال ینبغی أن لا یطلع علیه سلاطین زماننا؛ لأنهم بعد الإطلاع قد یجاوزون حد الأخذ بالحق إلی التعدی بالباطل**“ (احسن الفتاوی ۵/۵۵۳)۔

مگر ہندوستان جیسے ممالک میں جہاں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے اور معاصی و جرائم سے باز رکھنے کے لئے کوئی جسمانی سزا نہیں دی جاسکتی ہے، اس لئے ان سے باز رکھنے کے لئے اس کے سوا کوئی موثر طریقہ نہیں ہے کہ مالی جرمانہ کی اجازت دی جائے جس میں حد سے تجاوز کا امکان بہت کم ہے، اور بقول مولانا عزیز الرحمٰن کے کہ عوام کے سوائے جرمانہ کے اور کسی طریقے سے تنبیہ ہونا دشوار ہے، چنانچہ نماز چھوڑنے پر مالی جرمانہ کے سلسلہ میں وہ کہتے ہیں: پس جس طریقے سے بے نیازی کو پابند نماز بناسکیں وہ ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ عوام کو سوائے جرمانہ کے کسی اور طریقے سے تنبیہ ہونا دشوار ہے اور ہر ایک تعزیر کو ہر ایک شخص جاری بھی نہیں کرسکتا اور جرمانہ مالی بکیفیت خاص ائمہ سے منقول ہے (فتاوی دارالعلوم ۱۲/۲۳۴)۔

مالی تعزیرات شریعت اسلامیہ کی نظر میں

مفتی محمد عارف باللہ قاسمی☆

جرائم اور ظلم وزیادتی کی روک تھام، معاشرتی نظم ونسق کی بحالی، امن وامان اور اخلاقی اقدار کے تحفظ کی خاطر حدود وتعزیر ایک ناگزیر ضرورت ہے، اسی لئے شریعت اسلامیہ میں ان دونوں کی جامع تعلیم دی گئی ہے تا کہ برائیوں، اخلاقی انارکیوں اور فتنہ وفساد کا سدباب ہوسکے۔

تعزیرات کے انواع اقسام میں سے ایک قسم مالی تعزیر ہے، جس کی شکلیں یہ ہیں کہ قصوروار، جانی یا مجرم پر مخصوص ومتعین مال ورقم کی ادائیگی لازم کی جائے، یا اس کے مخصوص مال کو عارضی طور پر اس سے ضبط کر کے اس میں اس کے تصرف کو روک دیا جائے، یا اس کے مال کو دائمی طور پر ضبط کرلیا جائے، یا یہ کہ اس ضائع اور ہلاک کردیا جائے۔

تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال؟

قصوروار اور مجرم پر مالی تعزیر نافذ کرنے کے سلسلہ میں فقہاء کے یہاں دو الفاظ پائے جاتے ہیں: ایک ''تعزیر بالمال'' اور دوسرا ''تعزیر باخذ المال''، تعزیر بالمال تو یہ ہے کہ کسی سے مخصوص مال وصول کر کے اس میں دوسرے کی ملکیت ثابت کردی جائے اور وہ اس کے تصرف میں داخل ہوجائے، جبکہ فقہاء کے کلام سے تعزیر باخذ المال کا مفہوم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کسی کا مال وقتی اور عارضی طور پر ضبط کیا جائے، اور جب جب تک ضرورت داعی ہو اس کو ضبط رکھا جائے اور جب ضرورت ختم ہوجائے مثلاً قصوروار توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلے تو اسے وہ مال واپس دے دیا جائے۔ صاحب بزازیہ فرماتے ہیں:

''أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به إمساک شيء من ماله عنه مدة لینزجر، ثم یعیده الحاکم إلیه، لا أن یأخذه الحاکم لنفسه أو لبیت المال کما یتوهمه الظلمة، إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي'' (البحر الرائق: ۵/۴۴)۔

(تعزیر باخذ المال کے جواز کیقول کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مخصوص مدت تک خاطی وجانی کے مال کو اس سے روک لیا جائے تا کہ اس کی زجر وتوبیخ ہوسکے، پھر حاکم اسے اس کا مال لوٹا دے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مال حاکم خود اپنے لئے یا بیت المال کے لئے لے لے، جیسا کہ ظالمین سمجھتے ہیں؛ کیونکہ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر شرعی سبب کے کسی کا مال

☆ مدرسہ اسلامیہ دار العلوم الربانیہ، حیدرآباد۔

لے لے)۔

علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں: ''ویعزر ولو بأخذ المال یعني بحبسه عنه مدة''(الدر المختار علی ہامش الرد:۱/۵۵۶)۔

(جماعت میں حاضر نہ ہونے والی کی تعزیر کی جائے گا اگر چہ مال لے کر ہو، یعنی اس کے مال کو اس سے ایک مدت تک روک کر کے)۔

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں: ''یجوز التعزیر بأخذ المال، ومن ذلک رجل لا یحضر الجماعة .اھ .وسیأتي إن شاء الله تعالی في محله أن معناه حبس ماله عنه مدة ثم دفعه له لا أخذه علی وجه التملک کما قد یتوهم'' (البحر الرائق:۱/۳۶۵)۔

(تعزیر باخذ المال جائز ہے، اور اسی میں سے اس شخص کی تعزیر ہے جو جماعت میں حاضر نہ ہوتا ہو، ان شاء اللہ اس کا بیان عنقریب اس کے محل میں آئے گا، اور اس (تعزیر باخذ المال) کا معنی یہ ہے کہ اس کے مال کو ایک مدت تک روکا جائے، پھر اسے واپس کر دیا جائے، مالکانہ طور پر لینا مراد نہیں ہے، جیسا کہ وہم ہوتا ہے)۔

ان اقتباسات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ''تعزیر باخذ المال'' کی جن حضرات نیا جازت دی ہے جیسا کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ اور دیگر فقہاء سے اس کا جواز منقول ہے، تو ان حضرات کے نزدیک بھی مالی تعزیر اس طور پر نہیں ہوگی کہ مالکانہ طور پر کسی سے مال لیا جائے، بلکہ جب تک ضرورت ہو مال کو حبس وضبط میں رکھا جائے گا، بعد ازاں اسے لوٹا جائے گا، گویا تعزیر باخذ المال کے جواز کے قائلین کے نزدیک بھی صاحب مال کی اس مال سے ملکیت ختم نہیں ہوگی، اور اس پر بیت المال وغیر کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی۔

جبکہ عام فقہاء احناف تعزیر باخذ المال کو اس مفہوم کے ساتھ بھی اس لئے درست قرار نہیں دیتے ہیں کہ ایسی صورت میں بھی مسلمان کے مال خطرات سے دوچار ہوں گے؛ کیونکہ حکام سے مال واپس لینا مشکل ودشوار امر ہے، علامہ شامی علیہ الرحمۃ رحمتی کا قول نقل کرتے ہیں:

''قالوا: هذا مما یعلم ویکتم؛ لأن الظلمة صیادون لأخذ المال متی وقع في شرکهم لا یؤخذ منهم، وربما یحدثون للإنسان ذنبا لم یفعله توصلا إلی ماله''(شامی:۱/۵۵۶)۔

(فقہاء فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کے جواز کی حقیقت تو معلوم ہے لیکن اسے عام طور پر بیان نہیں کیا جاتا اس لئے کہ ظالمین مال ہڑپنے کے عادی ہوتے ہیں اور جب ان کے پاس مال چلا جائے تو ان سے اسے لیا نہیں جاسکتا، بلکہ بسا اوقات تو وہ لوگ مال لینے کے لئے لوگوں کو قصوروار قرار دیدیتے ہیں)۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ تعزیر باخذ المال کی جو تفصیل فقہاء احناف نے کی ہے دیگر فقہاء کے نزدیک وہ فرق ملحوظ نظر نہیں آتا، چنانچہ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک تعزیز باخذ المال اور تعزیر بالمال مرادف معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ تعزیر باخذ المال کے ضمن میں جو تفریعات مذکور ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب:

کسی غلطی، کوتاہی اور جرم کی پاداش میں مالی جرمانہ عائد کرنے اور مخصوص مال لازم کرکے اسے وصول کرنے کے سلسلہ میں احناف کا معروف مذہب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، جیسا کہ فقہاء احناف کی عبارتوں میں اس کی صراحت موجود ہے، علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

"والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال"(البحر الرائق: ۵/ ۴۴)(خلاصہ بحث یہ ہے کہ مذہب تعزیر باخذ المال کا جائز نہ ہونا ہے)۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:"والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال" (رد المحتار علی الدر: ۴/ ۶۲)(خلاصہ بحث یہ ہے کہ مذہب تعزیر باخذ المال کا جائز نہ ہونا ہے)۔

صاحب "مجمع الانہر" علامہ شیخی زادہ لکھتے ہیں:

"ولا يكون التعزير بأخذ المال من الجاني في المذهب" (۱/ ۶۰۹)(مذہب (حنفی) میں جنایت کرنے والے سے مال لے کر تعزیر نہیں کی جائے گی)۔

ان ہی فقہی نصوص کی وجہ سے اکثر کتب فتاوی میں مالی جرمانہ کو ناجائز لکھا گیا ہے، مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد فتاوی کفایت المفتی میں اس سلسلہ میں صریح موجود ہیں، ایک فتوی میں لکھتے ہیں: (مالی جرمانہ کرنا جائز نہیں ہے، یہ جرمانہ واپس کیا جائے (کفایت المفتی: ۲/ ۳۵۳)۔

مفتی محمود صاحب گنگوہی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: "تعزیر بالمال (مالی جرمانہ) منسوخ ہے، اور مذہب معتمد قابل عمل اس کا عدم جواز ہے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس کی نسبت ضعیف ہے، منسوخ پر عمل نہ کیا جاسکتا ہے اور نہ فتوی دیا جاسکتا ہے" (فتاوی محمودیہ: ۲۲/ ۵۸۱)۔

اسی طرح حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ، حضرت علامہ ظفر عثمانی علیہ الرحمۃ اور دیگر مفتیان کرام سے مالی جرمانہ کا عدم جواز ہی منقول ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں: امداد الفتاوی: ۲/ ۲۰۵، امداد الاحکام، ۳/ ۵۳۳)۔

تعزیر بالمال کے بارے میں احناف کے نزدیک قول جواز؟

تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کی اصطلاح میں فرق کی روشنی میں احناف میں تعزیر باخذ المال کے جواز اور عدم جواز کی صراحت تو ملتی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جب تعزیر باخذ المال طرفین کے نزدیک جائز نہیں ہے تو تعزیر بالمال بدرجہ اولی ان کے نزدیک ناجائز ہوگی، رہی بات امام ابو یوسف کی تو وہ تعزیر باخذ المال کے جواز کے قائل ہیں:

" وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ: يَجُوزُ التَّعْزِيرُ لِلسُّلْطَانِ بِأَخْذِ الْمَالِ، وَعِنْدَهُمَا وَبَاقِي الْأَئِمَةِ الثَّلَاثَةِ لَا يَجُوزُ وَمَا فِي الْخُلَاصَةِ سَمِعْت مِنْ ثِقَةٍ أَنَّ التَّعْزِيرَ بِأَخْذِ الْمَالِ إِنْ رَأَى الْقَاضِي ذَلِكَ، أَوْ الْوَالِي جَازَ، وَمِنْ جُمْلَةِ ذَلِكَ

رَجُلٌ لَا یَحضُرُ الْجَمَاعَةَ یَجُوزُ تَعْزِیرُهُ بِأَخْذِ الْمَالِ مَبْنِيٌّ عَلَی اخْتِیَارِ مَنْ قَالَ بِذَلکَ مِنَ الْمَشَایِخِ کَقَوْلِ أَبِي یُوسُفَ"(فتح القدیر:۵/ ۳۴۵،تبیین الحقائق:۳/ ۲۰۸)(امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ سلطان کے لئے تعزیر باخذ المال جائز ہے،اور طرفین اور بقیہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ہے،اور خلاصۃ میں ہے کہ میں نے ایک ثقہ سے سنا ہے کہ اگر قاضی یا والی تعزیر باخذ المال کو مناسب سمجھے تو یہ جائز ہے،اسی لئے اگر ایک شخص (نماز کی) جماعت میں حاضر نہ ہوتا ہو تو اس کی سرزنش تعزیر باخذ المال کے ذریعہ کرنا جائز ہے اور مشائخ میں سے جن لوگوں نے امام ابو یوسف کی طرح تعزیر باخذ المال کو درست کہا ہے ان کے قول کو اختیار کرنے پر یہ مبنی ہے)۔

اس اقتباس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ طرفین کے برخلاف امام ابو یوسف اور بعض مشائخ حنفیہ تعزیر باخذ المال کے جواز کے قائل ہیں،لیکن صاحب بزازیہ اور ابن نجیمؒ نے تعزیر باخذ المال کی جو تفصیل ذکر کی ہے اس کی روشنی میں امام ابو یوسفؒ وغیرہ کی طرف تعزیر باخذ المال کے جواز کی نسبت تو درست ہوگی لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ امام ابو یوسف تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں۔

لیکن احناف میں سے صاحب مجتبی کے قول میں تعزیر المال کے جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ ابتداءً حاکم مال کو عارضی طور پر ضبط کرے،لیکن اگر اسے مجرم وجانی سے توبہ کی امید نہ ہو تو وہ اس کو اپنی مرضی سے خرچ کرسکتا ہے:

" وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى"(البحر الرائق:۵/ ۴۴)۔

(مجتبی میں ہے کہ بطور تعزیر مال لینے کی کیفیت مذکور نہیں ہے،میری رائے یہ ہے کہ مال لے کر اسے اپنے پاس روکے رکھے پھر اگر اس کے توبہ سے مایوس ہوجائے تو اسے خرچ کردے گا جہاں مناسب سمجھے گا)۔

علامہ علاء الدین طرابلسیؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعزیز باخذ المال اور بالمال دونوں جائز ہے اور وہ خود بھی تعزیر بالمال کے قائل ہیں،اور انہوں نے ان لوگوں پر سخت نکیر کی ہے جو اس کے عدم جواز اور نسخ کے قائل ہیں،لکھتے:

"یَجُوزُ التَّعْزِیرُ بِأَخْذِ الْمَالِ وَهُوَ مَذْهَبُ أَبِي یُوسُفَ وَبِهِ قَالَ مَالِکٌ، وَمَنْ قَالَ: إنَّ الْعُقُوبَةَ الْمَالِیّةَ مَنْسُوخَةٌ فَقَدْ غَلِطَ عَلَی مَذَاهِبِ الْأَئِمّةِ نَقْلًا وَاسْتِدْلَالًا وَلَیْسَ بِسَهْلٍ دَعْوَی نَسْخِهَا .وَفِعْلُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِینَ وَأَکَابِرِ الصَّحَابَةِ لَهَا بَعْدَ مَوْتِهِ – ﷺ– مُبْطِلٌ لِدَعْوی نَسْخِهَا، وَالْمُدَّعُونَ لِلنَّسْخِ لَیْسَ مَعَهُمْ سُنّةٌ وَلَا إجْمَاعٌ یُصَحِّحُ دَعْوَاهُمْ "(معین الحکام:۱۹۵)۔

(تعزیر باخذ المال جائز ہے اور یہی امام ابو یوسفؒ کا مذہب ہے اور امام مالک اسی کے قائل ہیں،اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ مالی عقوبت منسوخ ہے تو ائمہ کے مذاہب کی روشنی میں نقل واستدلال کے اعتبار سے ان کی بات غلط ہے،اور اس کے نسخ کا دعوی

آسان نہیں ہے، نبی ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا مالی عقوبت پر عمل کرنا نسخ کے دعوی کو باطل کرتا ہے، اور نسخ کے دعویداروں کے پاس سنت واجماع کی کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو ان کے دعوی کو صحیح قرار دے)۔

ہندوستان کے مشہور ومعروف ممتاز فقیہ علامہ عبدالحیؒ لکھنوی پنچوں کے دستور کی خلاف ورزی کرنے والوں سے پنچوں کی جانب سے عائد کردہ مالی جرمانہ کے بارے میں ایک استفتاء میں لکھتے ہیں: ’’تنبیہ کے لیے جرمانہ لینا جائز ہے‘‘ (فتاویٰ مولانا عبدالحی اردو: ۳۵۹)۔

تعزیر بالمال کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب:

مالکیہ کی رائے:

کتب مالکیہ میں مالی تعزیر کے ناجائز ہونے کی تصریح ہے: **"ولا يجوز التعزير بأخذ المال إجماعا "** (حاشية الدسوقي مع شرح الكبير: ۴/۳۵۵، باب حد الشارب) (بطور تعزیر مال کا لینا بالاجماع جائز نہیں ہے)۔

علامہ صاوی مالکیؒ لکھتے ہیں: **"وَأَمَّا التَّعْزِيرُ بِأَخْذِ الْمَالِ فَلَا يَجُوزُ اجماعا "** (حاشية الصاوي على الشرح الصغير: ۴/۵۰۴) (مال لے کر تعزیر تو یہ بالاتفاق جائز نہیں ہے)۔

لیکن مالکی فقیہ علامہ ابن فرحونؒ ’’تبصرة الحكام‘‘ میں مالی تعزیر کے جواز کے قائل ہیں اور اس جواز کو مالکیہ کا قول قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

و التعزير بأخذ المال قال به المالكية (تبصرة الحكام: ۲/۲۹۳، الحسبة: ۴۹) (مال لے کر سزا دینا مالکیہ اس کے جواز کے قائل ہیں)

جبکہ مشہور فقہی انسائیکلوپیڈیا ’’الموسوعة الفقهية‘‘ میں جواز کا قول مالکیہ کا قول مشہور لکھا ہے:

’’أمافي مذهب مالک في المشهور عنه، فقد قال ابن فرحون: التعزير بأخذ المال قال به المالكية ‘‘ (الموسوعة الفقهية: ۱۲/۲۷۰، لفظ: تعزیر) (بہر حال تعزیر کے بابت امام مالک کے مشہور مذہب کی تو ابن فرحون نے کہا ہے: ’’مال لے کر سزا دینا مالکیہ اس کے جواز کے قائل ہیں)۔

شوافع کی رائے:

فقہ شافعی میں تعزیر بالمال کے سلسلہ میں دو قول ملتے ہیں، قول قدیم جواز کا ہے تو قول جدید عدم جواز کا ہے اور بہت سے فقہاء شوافع نے مطلقاً عدم جواز کا قول ذکر کیا ہے، شافعی فقیہ علامہ شبراملسیؒ لکھتے ہیں:

" لا يجوز التعزير بأخذ المال في مذهب الشافعي الجديد وفي المذهب القديم: يجوز" (حاشية الشبراملسي عليه شرح المنهاج ۷/۱۷۴ والحسبة: ۴۰، الموسوعة الفقهية: ۱۲/۲۷۰) (مال لے کر تعزیر مذہب شافعی کے قول جدید

کے مطابق جائز نہیں ہے، اور قول قدیم میں جائز ہے)۔

سلیمان بن عمر جمل شافعیؒ لکھتے ہیں: "وَلَا يَجُوزُ بِأَخْذِ الْمَالِ "(حاشیۃ الجمل: ۵/ ۱۶۴) (مال لے کر تعزیر جائز نہیں ہے)۔

حنابلہ کی رائے:

حنابلہ کی کتابوں میں یہ صاف صراحت ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، علامہ مصطفیٰ دمشقی حنبلیؒ لکھتے ہیں:

" يَحْرُمُ تَعْزِيرٌ بِأَخْذِ مَالٍ أَوْ إتْلَافِهِ "(مطالب اولی النہی: ۶/ ۲۲۴)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ، علامہ ابوالفرج شمس الدین حنبلیؒ لکھتے ہیں:

"وَالتَّعْزِيرُ يَكُونُ بِالضَّرْبِ وَالْحَبْسِ وَالتَّوْبِيخِ .وَلَا يَجُوزُ قَطْعُ شَيْءٍ مِنهُ وَلَا جَرْحُهُ، وَلَا أَخْذُ مَالِهِ " (المغنی: ۹/ ۱۷۸، الشرح الکبیر: ۱۰/ ۳۶۱) (پٹائی، قید اور ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعہ تعزیر ہوگی، تعزیر میں اس کے جسم کے کسی عضو کو کاٹنا یا اس کو زخمی کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح اس کا مال لینا بھی جائز نہیں ہے)۔

لیکن فقہ حنبلی کہ مشہور فقیہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیمؒ نے تعزیر مالی کو جائز مانا ہے یہی نہیں بلکہ ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے، جو امام احمدؒ اور امام مالکؒ کی طرف تعزیر مالی کے عدم جواز کو منسوب کرتے ہیں، علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"**ومن قال: إن العقوبات المالية منسوخة وأطلق ذلک عن أصحاب مالک وأحمد فقد غلط على مذهبهما .ومن قاله مطلقا من أي مذهب كان: فقد قال قولا بلا دليل .ولم يجئ عن النبي ﷺ شيء قط يقتضي أنه حرم جميع العقوبات المالية؛ بل أخذ الخلفاء الراشدون واكابر أصحابه بذلک بعد موته دليل على أن ذلک محكم غير منسوخ**" (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۸/ ۱۱۱، نیز دیکھئے: اعلام الموقعین: ۲/ ۷۵، فصل: تغریم المال وموجبہ) (جن لوگوں نے یہ کہا کہ مالی سزائیں منسوخ ہیں اور مطلق اصحابِ مالک واحمد کی طرف اس کی نسبت کی ہے، ان لوگوں نے ان کے مذہب کی طرف غلط نسبت کی ہے اور جن لوگوں نے مطلقاً یہ بات کہہ دی کہ کسی بھی مذہب میں مالی سزا جائز نہیں ہے، ان لوگوں کی یہ بات بالکل بلا دلیل ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ سے کوئی ایسی بات ثابت نہیں ہے، جو اس بات کا تقاضہ کرتی ہو کہ تمام مالی سزائیں حرام ہیں؛ بلکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا اس (مالی تعزیر) پر عمل رہا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غیر منسوخ ہے)۔

سابقہ تفصیل سے یہ خلاصہ نکلتا ہے کہ مذاہب اربعہ کے متون میں چاروں ائمہ کرام اور ان مذاہب کے عام فقہاء سے تعزیر مالی کا عدم جواز منقول ہے، جبکہ احناف میں سیا امام ابو یوسفؒ اور بعض فقہاء احناف جیسے صاحب مجتبیٰؒ اور علامہ علاء الدین طرابلسیؒ، مالکیہ میں سے ابن فرحونؒ، اور حنابلہ میں سے ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ جواز کے قائل ہیں، اور شوافع کا قول قدیم بھی جواز کا ہے، لیکن مذاہب اربعہ میں اصل مذہب عدم جواز ہی ہے۔

تعزیر مالی کے عدم جواز کے قائلین کے دلائل:

قرآن کریم میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

۱۔" وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ "(البقرۃ:۱۸۸)(اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے)۔

۲۔"یاأیها الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراض منکم" (النساء:۲۹)(اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو، مت کھاؤ تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق (اور ناجائز) طریقوں سے، مگر یہ کہ کوئی لین دین ہو کوئی باہمی رضامندی سے)۔

"إن دماء کم وأموالکم حرام علیکم تحرمة یومکم هذا فی شهر کم هذا، فی بلدکم هذا"(مسلم:۱۲۱۸)۔

۴۔"ألا لا تظلموا ألا لا تظلموا ألا لا تظلموا إنه لا یحل مال امرء إلا بطیب نفس منه" مسند احمد:۲۰۶۹۵)۔

(سن لو ظلم مت کرو، سن لو ظلم مت کرو، سن لو ظلم مت کرو، بے شک کسی انسان کا مال اس کی خوشدلی کے بغیر حلال نہیں ہے)۔

ان آیات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی شرعی سبب کے بغیر کسی مسلمان کا مال لینا جائز نہیں ہے، جبکہ تعزیر مال کے لینے کا کوئی شرعی سبب نہیں ہے، اس لئے تعزیر کے طور پر مال لینا مال کو ناحق لینے اور حرام کھانے میں داخل ہوگا۔ اس لئے مالی تعزیر کی اجازت نہیں ہوگی۔

۵۔ نیز مالی تعزیر کی اجازت سے ظالم حکمرانوں اور امراء کو لوگوں کا لوگوں کے مال پر دست درازی اور اس پر ناجائز تسلط کا موقع ملے گا، اور وہ مختلف بہانوں سے لوگوں کے مال پر حق جما بیٹھیں گے۔

۶۔ مزید یہ کہ مالی تعزیر ایسی عقوبت نہیں ہے جو ہر ایک کے لئے وجہ تادیب بن سکے، مثلاً ایک جرم وقصور پر ایک مخصوص رقم کا جرمانہ کسی غنی لئے بہت آسان ہوگا، تو وہ اس تادیب کو خاطر میں لائے بغیر قصور وجرم کا اقدام کرے گا، اور قاعدہ شرعیہ ہے:

"کل تصرف تقاعد عن تحصیل مقصوده فهو باطل"(موسوعۃ القواعد الفقہیۃ ۸/ ۳۶۳، قواعد الاحکام ۲/ ۱۴۳، الاشباہ والنظائر للسیوطی:۲۸۵)(ہر وہ تصرف جو اپنے مقصود کو حاصل کرنے سے قاصر ہو تو وہ باطل ہے)۔

تو اس قاعدہ کی رو سے مالی تعزیر کا باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ یہی مالی تعزیر کسی کے لئے جان لیوا بوجھ بھی بن سکتا ہے، مثلاً کسی غریب پر کسی جرم میں ایک بڑی رقم لازم کردی جائے تو اس کے لئے وہ جان لیوا یا دیگر مفاسد کا بھی ذریعہ بن سکتا ہے۔

تعزیر مالی کے جواز کے قائلین کے دلائل:

مذاہب اربعہ کے فقہاء میں سے جن حضرات نے اصل مذہب کے قول کے برخلاف تعزیر مالی کو جائز مانا ہے ان کے دلائل

حسب ذیل ہیں:

۱۔ مسجد ضرار جس کے بارے میں جب آیت: وَالَّذِینَ اتَّخَذُوا مَسجِداً ضِرَاراً وَکُفراً وَتَفرِیقاً بَینَ المُؤمِنِینَ الخ نازل ہوئی تو نبی اکرم ﷺ نے اس کو منہدم کروا دیا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اتلاف مال کے ذریعہ تعزیر جائز ہے، تو مال لے کر بھی تعزیر جائز ہوگی۔

۲۔ "**عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده، قال: سمعت النبي ﷺ يقول: في كل إبل سائمة، في كل أربعين ابنة لبون، لا يفرق إبل عن حسابها، من أعطاها مؤتجرا فله أجزها، ومن أبى فإنا آخذوها، وشطر إبله، عزمة من عزمات ربنا، لا يحل لآل محمد ﷺ منها شيء**" (نسائی: ۲۴۴۹)۔

(بہز بن حکیم اپنے والد ماجد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر خود چرنے والے (گھاس کھانے والے) اونٹ ہوں تو ہر ایک میں چالیس اونٹوں پر دو سال کی ایک اونٹنی زکوہ ہے نیز اونٹوں کے درمیان کسی قسم کا فرق نہ کیا جائے اور جو آدمی اجر و ثواب کی نیت سے زکوہ ادا کرے گا تو اس کو اجر و ثواب حاصل ہوگا اور جو کوئی زکوہ ادا کرنے سے انکار کرے گا تو ہم اس سے زکوہ بھی وصول کریں گے اور آدھے اونٹ بھی وصول کریں گے۔ اس لئے کہ یہ ہمارے پروردگار کی جانب سے واجب اور لازم کی ہوئی ایثار میں سے ایک واجب ہے اور محمد ﷺ کے واسطے اس میں سے کچھ لینا حلال نہیں ہے)۔

۳۔ "**عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدهِ عَبدِ اللّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ رَسُولِ اللّهِ ﷺ أَنّهُ سُئِلَ عَنْ الثَّمَرِ الْمُعَلّقِ فَقَالَ مَا أَصَابَ مِنْ ذِي حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيهِ وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَعَلَيهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَالْعُقُوبَةُ وَمَنْ سَرَقَ شَيْئًا مِنْهُ بَعْدَ أَنْ يُؤْوِيَهُ الْجَرِينُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ وَمَنْ سَرَقَ دُونَ ذَلِكَ فَعَلَيهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ وَالْعُقُوبَةُ**" (سنن النسائی: ۴۹۵۸، ابوداؤد: ۴۳۹۰)۔

(حضرت عمرو بن شعیب، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا درخت پر لٹکا ہوا پھل چوری کرنا کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص ضرورت رکھتا ہو مثلاً بہت بھوکا ہو اور کچھ اس کو کھانے پینے کو ملے تو وہ ایسا پھل لے لے بشرطیکہ اس کو چھپا کر اپنے کپڑے میں نہ باندھے تو اس پر کسی قسم کی کوئی گرفت نہیں اور جو شخص اس قسم کا پھل لے کر نکل آئے تو وہ اس کا دوگنا تاوان دے دے اور اس کی سزا الگ ملے گی اور جو کوئی پھل ٹوٹنے کے بعد اس کی چوری کرے اور اس کی قیمت ڈھال کے برابر ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے اور اگر ڈھال کی مالیت سے کم چوری کرے تو دوگنا تاوان ادا کرے اور اس کو سزا الگ ہوگی)۔

"**عن عبد الله بن عمرو بن العاص: أن زنباعا أبا روح وجدغلاما له مع جارية له، فجدع أنفه وجبه، فأتى النبي ﷺ، فقال: من فعل هذا بك؟ قال: زنباغ، فدعاه النبي ﷺ فقال: ما حملك على هذا؟ فقال: كان من أمره كذاو كذا، فقال النبي ﷺ للعبد: اذهب فأنت حر، فقال: يا رسولالله، فمولى من أنا؟ قال: مولى الله ورسوله**" (مسند احمد: ۶۷۱۰)۔

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ ابوروح زنباع نے اپنے غلام کو اپنی باندی کے ساتھ پایا تو اس نے اس کی ناک کاٹ دی، وہ غلام نبی ﷺ کے پاس آیا، تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے ایسا کس نے کیا، تو اس نے کہا کہ زنباع نے، نبی اکرم ﷺ نے زنباع کو بلوایا اور اس سے کہا کہ تم کو کس چیز نے اس پر آمادہ کیا تو انہوں نے ساری باتیں بتائی، تو نبی اکرم ﷺ نے غلام سے کہا کہ جاؤ تم آزاد ہو، تو زنباع نے کہا کہ میں کس کا مولی؟ آپ نے فرمایا کہ تم اللہ اور اس کے رسول کے مولی (نگرانی) میں ہو)۔

ان روایات میں سے حضرت بہز بن حکیم کی روایت میں نبی اکرم ﷺ نے زکوۃ دینے سے انکار کروالے پر زائد مال کی سزا مقرر کی، اسی طرح حضرت عمر بن شعیب کی روایت میں نبی اکرم ﷺ نے نصاب سے کم پھل توڑنے والے یا غیر محفوظ مقام سے مال چرانے والے پر مالی جرمانہ نافذ کیا، حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ نے زیادتی کرنے والے آقا کے مال غلام کو آزاد کر دیا، غلام مال ہے اور اس کی آزادی تعزیر ہے تو یہ بھی مالی تعزیر ہوئی۔

۳۔ صالح بن محمد بن زائدہ فرماتے ہیں کہ میں مسلمہ کے ساتھ روم گیا، وہاں ایک شخص مال غنیمت میں سے چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا، تو حضرت سالمؒ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنی والد کو حضرت عمرؓ سے مروی یہ روایت بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "إذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه واضربوه" (جب تم کسی ایک انسان کو پاؤ جس نے مال غنیمت میں سے چوری کی ہو تو اس کے سامان کو جلا دو اور اس کی پٹائی کرو) صالح بن محمدؒ کہتے ہیں کہ جب اس کا سامان لیا گیا تو اس میں قرآن بھی ملا تو حضرت سالم نے فرمایا کہ اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کو صدقہ کر دو (ابوداؤد: ۲۷۱۳، ترمذی: ۱۴۶۱)۔

۳۔ صحابہ کرام کا اجماع اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے؛ کیونکہ متعدد قضایا میں صحابہ کرامؓ نے مالی تعزیر کو اختیار کیا ہے، حضرت عمرؓ سے رویشد نامی شخص (جسے شراب پینے کی تعزیر ہو چکی تھی) کے گھر کو جلا دیا جب کہ اس کے گھر میں دوبارہ شراب پکڑی گئی۔

غنیمت میں سے چوری کرنے والے کا سامان جلوا دینا اور اس کے مصحف کو فروخت کر کے صدقہ کرنا اسی طرح شرابی کا گھر جلا دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ مالی تعزیر جائز ہے۔

مناقشہ وترجیح اور موجودہ حالات میں مالی تعزیر کی گنجائش:

فریقین کے دلائل کے دیکھنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عدم جواز کے قائلین کے دلائل عام ہیں جن میں تخصیص کی گنجائش ہے، نیز ان دلائل میں جس چیز کو حرام کہا گیا ہے وہ کسی معقول شرعی سبب کے بغیر مال لینے کی حرمت ہے، جب کہ سبب کے ذریعہ مال لینے کی اس میں ممانعت نہیں ہے، اور کسی انسان کا ایسا جرم کرنا جس کے بارے میں مالی جرمانہ متعین ومعروف ہے اس کی طرف سے اپنا اتنا مال دینے کا سبب اختیار کرنا ہے، گویا اس کا وہ کام کرنا سبب ہے جس کے ذریعہ اس پر وہ مال لازم ہوگا۔

نیز جواز کے قائلین کے دلائل میں مالی تعزیر کی وضاحت موجود ہے اس لئے جواز کی گنجائش والی رائے راجح معلوم ہوتی

ہے۔اوراس کے عدم جواز اور نسخ کی بات راجح معلوم نہیں ہوتی۔شیخ ابو وہبہ الزحیلیؒ لکھتے ہیں:

"لا يجوز التعزير بأخذ المال في الراجح عند الأئمة ؛ لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس، فيأكلونه وأثبت ابن تيمية وتلميذه ابن القيم أن التعزير بالعقوبات المالية مشروع في مواضع مخصوصة في مذهب مالك في المشهور عنه، ومذهب أحمد وأحد قولي الشافعي، كما دلت عليه سنة رسول الله ﷺ مثل أمره بمضاعفة غرم ما لا قطع فيه من الثمر المعلّق والكثَر (جمّار النخل)، وأخذه شطر مال مانع الزكاة، عزمة من عزمات الرب تبارك وتعالى، ومثل تحريق عمرؓ وعليؓ المكان الذي يباع فيه الخمر، ونحوه كثير .ومن قال كالنووي وغيره: إن العقوبات المالية منسوخة، وأطلق ذلك، فقد غلط في نقل مذاهب"۔

(ائمہ کے راجح قول کے مطابق تعزیر باخذ المال جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کے جواز سے ظالموں کو لوگوں کے مال پر مسلط ہونے کا موقع ملے گا، اور ابن تیمیہ اوران کے شاگرد ابن قیم نے ثابت کیا ہے کہ مالی سزاؤں کے ذریعہ تعزیر امام مالکؒ کے مشہور مذہب، امام احمد کے مذہب میں اور امام شافعی کے ایک قول میں مخصوص موقعوں پر مشروع ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اس پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے دوگنا تاوان کا حکم دیا اس صورت میں جب کہ درخت کے پھل یا ردی کھجور کو بغیر اجازت توڑنے میں ہاتھ کاٹنے کا سزا نافذ نہیں ہوتی ہے، اور زکوۃ جو کہ اللہ کے حقوق میں سے ایک حق ہے اس کا انکار کرنے والے آدھا مال لینا، اور جیسے کہ حضرت عمر اور حضرت علی کا اس گھر کو جلا دینا جس میں شراب فروخت کی جاتی تھی، اس طرح کی اور بھی بہت سے مثالیں ہیں، اور نووی وغیرہ کی طرح جن لوگوں نے مطلقا یہ کہا کے مالی سزائیں منسوخ ہیں ان سے مذاہب کے نقل کرنے میں غلطی ہوئی)۔

عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم العاصمی حنبلی (المتوفی:۱۳۹۲ھ) لکھتے ہیں:

"قال الوزير :اتفقوا على أن المختلس والمنتهب والغاصب، على عظم جنايتهم وآثامهم لا قطع على واحدمنهم اه ويسوغ كف عدوان هؤلاء بالضرب والنكال، والسجن الطويل، والعقوبة بأخذ المال" (حاشیۃ الروض المربع:۷/۳۵۵)۔

(وزیر فرماتے ہیں: فقہاء کا اتفاق ہے کہ دھوکہ دے کر مال لینے والے، مال لوٹنے والے اور غصب کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے باوجودیکہ ان کی جنایت اوران کا گناہ عظیم ہے، اوران کی سرکشی کو پٹائی، سخت سزا، طویل قید اور مالی جرمانہ کے ذریعہ روکنے کی گنجائش ہے)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: تعزیر کے باب میں ایک اہم مسئلہ تعزیر مالی کا ہے، ائمہ اربعہ کا راجح مسلک یہی ہے کہ مالی تاوان وجرمانہ جائز نہیں ہے، گو مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کی طرف اس کے جواز کی نسبت بھی کی گئی ہے، سلف صالحین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اوران کے شاگرد حافظ ابن قیمؒ نے پوری وضاحت کے ساتھ تعزیر مالی کے جائز ہونے کی وکالت کی ہے۔ماضی

قریب کے اہل علم میں شیخ سید سابق نے معین الاحکام کے مصنف علاء الدین طرابلسی سے بھی نقل کیا ہے کہ:

"ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة، فقد غلط على مذاهب الأئمة، نقلا واستدلالا، وليس بسهل دعوى نسخها، والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع، يصحح دعواهم"

(جن حضرات نے یہ بات کہی ہے کہ مالی سزا منسوخ ہے انہوں نے ائمہ کے مذہب کی بابت روایت اور استدلال ہر دو اعتبار سے غلطی کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرنا آسان نہیں ہے، جو لوگ نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے پاس نہ سنت ہے اور نہ اجماع ہے جو ان کے دعویٰ کو صحیح قرار دے)۔

اس وقت اسلام کے قانونی حدود و تعزیرات کے فقدان کی وجہ سے بہت سے مسائل، جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کر رہی ہیں، ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے اور ریلوے، ٹریفک، بس وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے؛ اس لئے میرا رجحان ہے کہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے" (قاموس الفقہ: ۲/۴۷۹، لفظ: تعزیر)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: اس حدیث سے بعض فقہاء نے تعزیر بالمال کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ مال کے ذریعہ تعزیر جائز ہے، جب کہ اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں، صرف جسمانی سزاء کے تعزیر کرنا جائز ہے، البتہ سیدنا امام احمد بن حنبلؒ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، حنفیہ میں سیدنا امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے ------ لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی، عام طور پر فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"لا يحل مال امرء مسلم إلا بطيب نفسه"** یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں۔ لیکن یہ استدلال کمزور ہے، اس لیے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے، اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جا رہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہئے، چنانچہ بعض متاخرین فقہاء حنفیہ نے سیدنا امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے (تقریر ترمذی: ۲/۱۱۸-۱۱۹)۔

دکتور علی ابو البصل لکھتے ہیں: **"المصلحة تقتضي القول بالتعزير بالمال؛ لأن العقوبات التعزيرية تقوم على المصلحة والعرُف، والسلطة في ذلك للحاكم المسلم أو من يقوم مقامه، والأعراف والمصالح تتغيَّر بتغيُّر الزمان والمكان، والتعزير بأخذ المال أصبح عرفًا عالميًّا اليوم"** (مقالة: عقوبة التعزير بأخذ المال: شبكة الالوكة)

(مصلحت تعزیر بالمال کے قول کو اختیار کرنے کی متقاضی ہے؛ اس لئے کہ تعزیری سزائیں مصلحت و عرف پر مبنی ہیں، اور

اس سلسلہ میں مسلم حاکم اور جو اس کے قائم مقام ہو اسے اختیار ہوتا ہے، اور عرف ومصالح زمان ومکان کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں اور مال لے کر تعزیر آج کے دور میں عالمی عرف بن چکا ہے)۔

"اللجنۃ الدائمۃ للبحوث والافتاء" سے صادر ایک فتوی میں ہے:"**لا مانع من أخذ المصلحة للغرامة المذكورة من باب التعزير بالمال؛ لتحقيق المصلحة العامة، وذلك لا بأس به شرعا في أصح قولي العلماء، سدا لذريعة التلاعب بالحقوق العامة** "(فتاوی اللجنۃ الدائمۃ:۲۲/۲۱۷)۔

(مصلحت عامہ کی خاطر مالی تعزیر کے قبیل سے مذکورہ جرمانہ لینے سے کوئی مانع نہیں ہے، اور حقوق عامہ کے ساتھ کھیل کی روک تھام کی خاطر علماء کے صحیح اقوال میں شرعا اس میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

مفتی شبیر صاحب ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں: تعزیر کی دو قسمیں مشہور ہیں: تعزیر جسمانی، تعزیر مالی۔(۱) تعزیر جسمانی: ہندوستان جیسے آزاد غیر اسلامی ممالک میں تعزیر جسمانی کا جاری کرنا مشکل ہے، یہاں کا ماحول اور معاشرہ نہ اس کا متحمل ہے اور نہ ہی معاشرہ اس کی اجازت دیتا ہے۔

(۲) تعزیر مالی: تعزیر مالی (مالی جرمانہ) کے متعلق حضرات فقہاء نے اپنی اپنی کتابوں میں کافی تفصیلی بحث کی ہیں، ان تمام تفصیلات اور بحثوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرات طرفین کے نزدیک مالی جرمانہ سرے سے جائز نہیں ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حاکم وقت کے لئے تعزیر مالی کو جاری کرنا جائز ودرست ہے۔

اور ساتھ میں یہ بات واضح رہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعزیر مالی کا جواز مطلقاً ہر جگہ جائز نہیں ہے؛ بلکہ جہاں پر ذمہ دار شخصیت تعزیر مالی کو مصلحت سمجھے گی وہاں پر جاری کرے گی۔

اور فقہاء نے حضرات طرفین کے نزدیک عدم جواز کی جو بات نقل فرمائی ہے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ تعزیر مالی شروع اسلام میں جائز تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے، لیکن فقہ السنہ کے اندر منسوخ ہونے کی بات کی تردید کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ مالی جرمانہ شروع اسلام میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہو چکا ہے، ان لوگوں کے پاس منسوخ ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور یہ دعویٰ بلا دلیل کے ہے؛ اس لئے یہ حکم آج بھی بدستور باقی ہے؛ لہٰذا جہاں ذمہ دار شخصیت تعزیر مالی کو جاری کرنا مصلحت سمجھے گی وہاں آج بھی تعزیر مالی (مالی جرمانہ) جاری کرنے کی گنجائش ہے (فتاوی قاسمیہ:۱۵/۵۴۲)۔

ان مذکورہ اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ حالات میں جبکہ جرائم ومعاصی کو روکنے کے لئے زبانی فہمائش کافی نہ ہو اور جسمانی سزا کا موقع نہ ہو تو ضرورۃً مالی تعزیر کے جواز کا قول اختیار کرنے کی گنجائش ہے؛ کیونکہ بوقت ضرورت مذہب کے قول ضعیف اور مذہب غیر پر فتوی اور عمل کے جائز ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

طلبہ کی کوتاہیوں پر تعلیمی اداروں کی جانب سے مالی جرمانہ کا حکم:

تعلیم ہر انسان کی ضرورت اور حق ہے، اور جو چیز انسانی ضرورت ہو شریعت کا مزاج یہ ہے کہ اسے سہل الحصول بنایا جائے،

لیکن موجودہ زمانہ میں تعلیم کو تجارت کا بہترین ذریعہ بنالیا گیا ہے، یہی وجہ ہے تعلیمی اداروں کی انتظامیہ کی جانب سے مختلف ناموں اور بہانوں کے ذریعہ طلبہ کے سرپرستوں سے بڑی رقم لی جاتی ہے، حتی کہ بہت سے ادارے تو ایسے ہو چکے ہیں کہ وہاں اوسط درجہ کے گھرانے کے طلبہ قدم رکھنا تصور نہیں کر سکتے۔

مالی تعزیر مذاہب اربعہ میں اصلا ناجائز ہے، لیکن مصلحت وضرورت کے پیش نظر اس کے جواز کی بات فقہاء نے کہی ہے وہ بھی بالخصوص ایسے احوال میں جب کہ دیگر تعزیرات کی گنجائش نہ ہو، زیر تعلیم طلبہ کی تربیت وسرزنش کے لئے مالی تعزیر کے علاوہ بھی بہت سی مؤثر تعزیر کی شکلیں موجود ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے جرمانہ دینا طلبہ کے لئے زیادہ دشوار نہیں ہوتا؛ کیونکہ اس کی مشقت انہیں اٹھانی نہیں پڑتی، بلکہ ان کے سرپرستوں کو اسے ادا کرنا پڑتا ہے، جس سے اصل تعزیر کا مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا، اس لئے اس پس منظر میں تعلیمی اداروں کی سرزنش کی ضرورت ایسی نہیں ہے جسے ایسی چیز کے جواز کا سبب بنایا جائے جس کی اصل مذہب میں گنجائش نہیں ہے۔ مزید یہ کہ اگر اس کی اجازت دی جائے گی تو تعلیمی اداروں کو مزید مال جمع کرنے کا بہانا ہاتھ لگے گا، اس لئے تعلیمی اداروں کے لئے طلبہ کی کوتاہیوں پر مالی جرمانہ وصول کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

اور روایات وغیرہ میں جہاں مالی تعزیر کا ذکر ہے وہاں جن جرائم کی صورت میں اسے اختیار کیا گیا ہے عموماً طلبہ کی کوتاہیاں اس قبیل کی اور اس جیسی سنگین نہیں ہوتی ہیں، اس لئے ان کی کوتاہیوں پر سرزنش کے لئے قانون وشریعت کی روشنی میں جائز شکلیں اختیار کرنا ہی کافی ہوگا، مالی تعزیر کی اجازت نہیں ہوگی۔

سوسائٹی، پنچایت یا کاروباری انجمن کی طرف سے مالی جرمانہ کا حکم:

امن وامان، نظم وضبط اور مفاد عامہ کے تحفظ کی خاطر سوسائٹیاں، پنچائت اور کاروباری انجمنیں مخصوص اصول وضوابط باہمی مشورہ سے طے کرتی ہیں جس کا مقصد باہمی مفادات کا تحفظ ہوتا ہے، اور ان اصولوں کی خلاف ورزی مشکلات، اختلافات اور فتنہ وفساد کا ذریعہ بنتی ہے، مزید یہ کہ ان انجمنوں یا سوسائٹیوں وغیرہ کے اختیار میں سرزنش کی بہت سی شکلیں نہیں ہوتی ہیں اور نہ انہیں ان شکلوں کو اختیار کرنے کی اجازت ہوتی ہے؛ کیونکہ سرزنش کی بہت سی شکلیں فتنہ وفساد کو دفع کرنے کے بجائے فتنہ وفساد کا سبب بن سکتی ہیں، اس لئے اگر مالی تعزیر کے علاوہ دیگر فتنہ وفساد سے خالی طریقہ سرزنش اختیار کرنا ممکن نہ ہو تو حسب ضرورت اور بقدر ضرورت مالی تعزیر کی گنجائش ہوگی، کیونکہ الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ، البتہ اس میں بہتر یہ ہوگا کہ اس کا جواز چند شرطوں سے مشروط ہو:

(۱) ابتداءً مالی تعزیر میں عارضی ضبط کی شکل اگر ممکن ہو تو اسے اختیار کیا جائے، بعد ازاں اگر وہ تائب نہ ہو یا یہ شکل ممکن یا مؤثر نہ ہو تو پھر تعزیر بالمال کی صورت اختیار کی جائے اور اسے مفاد عامہ کے مصارف میں خرچ کیا جائے۔

(۲) کوتاہی ایسی ہو کہ اس پر مفاد عامہ اور مصالح کے تحفظ کی خاطر تعزیر ضروری ہو۔

(۳) تعزیر مالی میں اس کی مالی حیثیت کا خیال رکھا جائے، اتنا بڑا بوجھ نہ ڈالا جائے کہ وہ اس کی وجہ سے سودی قرض یا دیگر مفاسد میں پڑ جائے۔

(۴) تعزیر مالی کا فائدہ کسی شخص یا چند اشخاص کو نہ ہوتا کہ ظلم کا راستہ نہ کھلے اور مختلف بہانوں سے مالی تعزیر کا لزوم نہ ہو، بلکہ اسے سوسائٹی یا انجمن وغیرہ کی ملکیت میں دیکر اسے مفادِ عامہ میں خرچ کیا جائے۔

(۵) تعزیر کی تعیین وتحدید چند معتبر عادل افراد مل کر آپسی مشورہ سے کریں۔

طلاق میں افراط وتفریط کی روک تھام کے لئے متعہ کا وجوب یا بوقت عقد زائد مہر کا معاہدہ۔

احناف کے نزدیک بعد الدخول طلاق کی صورت میں مہر متعین یا مہر مثل کی عورت حقدار ہوتی ہے، جبکہ ان صورتوں میں متعہ مستحب ہے، اسی طرح مہر متعین ہوا اور قبل الدخول طلاق ہوجائے تو اس صورت میں بھی متعہ مستحب ہے، اس کے برخلاف جس عورت کا نکاح بغیر مہر کے ہوا یا مہر مثل پر ہوا اور قبل الدخول طلاق ہوگئی تو اس کے لئے متعہ واجب ہے، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

’’**فالطلاق الذي تجب فيه المتعة نوعان: أحدهما أن يكون قبل الدخول في نكاح لا تسمية فيه، ولا فرض بعده أو كانت التسمية فيه فاسدة، وهذا قول عامة العلماء**......(وأما)**الذي تستحب فيه المتعة، فهو الطلاق بعد الدخول، والطلاق قبل الدخول في نكاح فيه تسمية**‘‘(بدائع الصنائع:۲/ ۳۰۳)۔

جبکہ حضرات شوافع کے نزدیک طلاق بعد الدخول کی صورت میں بھی متعہ واجب ہے، اوران کا استدلال قرآنی آیت: ’’**وللمطلقات متاع بالمعروف حقا على المتقين** ‘‘(سورۂ بقرہ:۲۴۱) سے ہے، اس آیت میں حقا علی المتقین کے نص کی وجہ سے وہ حضرات بعد الدخول بھی متعہ کو واجب کہتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں جب کہ طلاق کی بعد نکاح ثانی کی دشواریوں کی وجہ سے عورتوں کی زندگی بے شمار مشکلات سے ہمکنار ہوتی ہے، اس بات کی واقعی ضرورت ہے کہ طلاق کے بارے میں افراط وتفریط کی روک تھام کی جائے اور اسی کے ساتھ عورت کے گزر بسر کے لئے کچھ تدبیر کی جائے، گرچہ کہ فقہی نصوص کے مطابق دوران عدت شوہر پر نفقہ ہے اور بعد عدت عورت کا نفقہ باپ، بیٹا، ذوی الارحام وغیرہ پر بالترتیب ہے، لیکن اس مادی دور میں بہت سی طلاق شدہ عورتوں کو عدت کے بعد معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان مشکلات میں ان کی نگہداشت کی خاطر مالی انتظامات وتدبیر واقعی موجودہ دور کی ضرورت ہے، اور جبکہ فقہ شافعی میں متعہ کے وجوب کا قول ہے تو اس سے استفادہ کرتے ہوئے بعض مخصوص شرطوں کے ساتھ عورت کو متعہ کے نام پر کچھ زائد رقم دلا یا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، مثلاً طلاق میں عورت کا نشوز غالب نہ ہو، اور بعد عدت اس کی کفالت کے لئے مشکلات درپیش ہوں۔

یا اس کی ایک شکل یہ ہوسکتی ہے کہ بوقت عقد فریقین کے درمیان طے ہوجائے کہ طلاق دینے کی صورت میں یا تین طلاق دینے کی صورت میں شوہر کو مہر کے طور پر اتنی رقم دینی ہوگی، تو یہ حدیث:’’**المسلمون على شروطهم**‘‘، اور حدیث:’’ **أَحَقُّ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ** ‘‘کے تحت قابل عمل اور لازم ہوگا۔اور یہ ایسا ہے، جیسا کہ اپنی فقہی کتابوں میں ایک مثال مذکور ہے کہ شوہر نے اس شرط پر نکاح کیا کہ اسے ایک ہزار مہر دے گا اگر وہ اسے اسی شہر میں رکھے گا اور اگر اس شہر سے باہر لے گیا تو اسے دو ہزار مہر دے گا، ایسی صورت میں امام صاحبؒ تو فرماتے ہیں کہ شہر سے باہر لے جانے والی صورت میں دو ہزار مہر

کے بجائے مہر مثل ملے گا، لیکن حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں صحیح ہیں، اور شرط کے مطابق عورت حقدار ہوگی۔

" ولو تزوجها على ألف إن أقام بها وعلى ألفين إن أخرجها، فإن أقام بها فلها الألف، وإن أخرجها فلها مهر المثل لا يزاد على الألفين ولا ينقص عن الألف، وهذا عند أبي حنيفةؒ وقالا: الشرطان جميعا جائزان " حتى كان لها الألف إن أقام بها والألفان إن أخرجها "(ہدایہ:۱/ ۲۰۳)۔

(اگر عورت سے اس شرط پر شادی کیا کہ ایک ہزار مہر دے گا اگر وہ اس کو اسی شہر میں رکھے گا، دو ہزار مہر دے گا اگر اس کو یہاں سے نکالے گا، پس اگر اس کو یہیں رکھا، تو اس کے لئے ایک ہزار مہر ہے، اور اگر اس کو یہاں سے باہر لے گیا تو اس عورت کے لئے مہر مثل ہے جو دو ہزار سے زائد اور ایک ہزار سے کم نہ ہوگا، یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبین نے فرمایا دونوں شرطیں جائز ہیں، اس لئے اگر اس کو وہیں رکھا تو عورت کے لئے ایک ہزار ہوگا اور اگر اس کو وہاں سے نکالا تو اس کے لئے دو ہزار ہوگا)۔

تو حضرات صاحبین کے قول میں اس کی گنجائش ہے اور موجودہ دور میں اس کی ضرورت بھی ہے بالخصوص تین طلاق کی روک تھام بہت ضروری ہے اور اس کی خاطر طلاق دینے والے کو سزا دینا بھی حضرت عمرؓ سے ثابت ہے حضرت انسؓ سے مروی ہے:

"كان عمر إذا أتي برجل قد طلق امرأته ثلاثا في مجلس أوجعه ضربا وفرق بينهما "(المصنف لابن ابی شیبہ حدیث نمبر:۱۷۷۹۰)(حضرت عمرؓ کے پاس اگر کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے ایک مجلس میں تین طلاق دی ہوتو حضرت عمر پٹائی کی سزا دیتے اور ان کے درمیان علاحدگی کردیتے)۔

طلاق بالخصوص تین طلاق سے پیدا ہونے والے حالات کے پس منظر میں اور شریعت میں اس کے امر منکر ہونے کی وجہ سے مفتی رشید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں:

(ان وجوہ کی بنا پر طلاق کا مروج دستور بلاشبہ واجب التعزیر جرم ہے حکومت پر فرض ہے کہ ایسے جرم پر عبرتناک سزا دے، حکومت کی طرف سے غفلت کی صورت میں برادری کی طرف سے مقاطعہ (بائیکاٹ) کی تعزیر مناسب ہے)(احسن الفتاوی ۵/ ۱۹۵)۔

اسی طرح مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بیک وقت تین طلاق دینے والوں کو مجرم قرار دینے کا حکومت وقت کو مشورہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" پھر خصوصیت کے ساتھ اس طلاق کے مسئلہ میں یہ بات بہت مفید ہوگی کہ تین طلاقیں بیک وقت دینا قانونی جرم قرار دیا جائے، اور جو شخص اس جرم کا ارتکاب کرے اس کے لئے کوئی مناسب سزا مقرر کردی جائے (ہمارے عائلی مسائل:۱۵۶ بحوالہ " نکاح وطلاق اور ہماری ذمہ داریاں": ص:۱۳۱)۔

مفتی شبیر احمد قاسمی لکھتے ہیں:" جو شوہر بیوی کو بلاوجہ اور بغیر کسی ضرورت کے اور بیوی کی طرف سے ایسے کوئی خاص اسباب پیدا نہیں کئے گئے ہیں، جن کی وجہ سے طلاق دینے کی ضرورت پڑے اس کے باوجود خواہ مخواہ، بیوی کو طلاق دے دے یا بیک وقت

تین طلاقیں دے دے یا کوئی شوہر بیوی کو خواہ مخواہ معلق چھوڑ دے، تو ایسے حالات میں ذمہ دار شخصیات شوہر کے اوپر مصلحت کے پیش نظر مناسب تعزیر مالی جاری کرسکتی ہیں اور کچھ مقدار مال لے کر بیوی کے حوالہ کرسکتی ہیں۔ اور اگر وقتی طور پر شوہر سے کچھ مال ضبط کر کے رکھ لیں اور بعد میں جب وہ اپنے جرم سے تائب ہوجائے تو اسے واپس کردیں، تو ایسا کرنا سب کے نزدیک جائز ہے اور تائب نہ ہونے کی صورت میں امام ابویوسفؒ کے قول کے مطابق بیوی کے حوالہ کرنے کی گنجائش ہے'' (فتاوی قاسمیہ: ۱۵/ ۵۴۲)۔

اس لئے امت مسلمہ کے ارباب حل وعقد اس سنگین مسئلہ کی روک تھام کے لئے نکاح نامہ میں یا بوقت عقد مہر کی زیادتی کی تعیین کریں اور مالی جرمانہ بشکل مہر ومتعہ اختیار کریں تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ تاکہ اس حوالے سے حکومت اقدام کر کے جو قانون سازی کرنا چاہتی ہے جس میں شرعی اصولوں اور تعلیمات کی سراسر خلاف ورزی ہی ہوگی، اس کی نوبت نہ آئے اور مسئلہ حل بھی ہوجائے۔

☆☆☆

مالی جرمانہ شریعت اسلامی کی روشنی میں

مفتی محمد حسین قمرالدین ماہمکر فلاحی☆

تعزیر: اس سزا کو کہتے ہیں جو شارع کی جانب سے متعین نہیں ہے، بلکہ اسکو امام کی صوابدید گی پر موقوف رکھا گیا ہے وہ مجرم پر اس کے جرم کے اعتبار سے جو سزا مناسب سمجھے وہ جاری کرے۔

''التعزیر عقوبة غیر محددة من قبل الشارع، بل هي متروكة لرأي الحاكم ''(الفقہ المنہجی ۸/ ۵۴)۔

(الف) فقہاء رحمہم اللہ نے تعزیر کی صورتوں میں ایک صورت'' تعزیر بالمال'' بیان کی ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ حاکم یا اس کا نائب مجرم کو اس کے جرم کی ایسی سزا دے جس سزا کا تعلق اسکی مالیت سے ہو، یعنی حاکم سزا کے طور پر اس کے مال کو تلف کرے یا سلب کرے یا اسکی صورت ہی بدل دے یا جرمانہ کے طور پر اس سے مال لے اور اپنے پاس روک کر رکھے۔

''التعزیر بالمال هو أن یعاقب الحاکم أو نائبه أحد العصاة بذنب لا حد فیه ولا کفارة بعقوبة تقع علی ملکه سلبا له أو اتلافا أو تغییرا أو حبسا ''(حکم التعزیر بالمال للدکتور احمد سعید ص ۳)۔

تعزیر بالمال کا ہم نے جو مفہوم بیان کیا ہے وہ تعزیر کی اضافت مال کی طرف کرنے سے معلوم ہوا، اور تعزیر بالمال کا یہ مفہوم تعزیر کے احکام کے تحت آ ہی جاتا ہے، لہذا تعزیر بالمال کا یہ مفہوم تعزیر کے احکام کے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔

۲۔فقہائے شوافع نے'' تعزیر بالمال'' اور'' تعزیر بأخذ المال'' دونوں میں کچھ فرق بیان نہیں کیا، البتہ'' تعزیر بالمال'' اور'' تعزیر بأخذ المال'' دونوں کی تعریف سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دونوں میں عموم خصوص کا فرق ہے،'' تعزیر بالمال'' عام ہے، اور'' تعزیر باخذ المال'' خاص ہے، اور اس فرق کی وجہ سے صورتِ مسؤلہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا جو حکم'' تعزیر بالمال'' کا ہوگا وہی حکم'' تعزیر بأخذ المال'' کا ہوگا۔

(ب) تعزیر بالمال کی بابت اصحابِ شوافع کا معروف مذہب'' عدمِ جواز'' کا ہے، جیسا کہ انکی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی امر کی وضاحت کرتے ہوئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

''لا یعاقب رجل فی ماله، وإنما یعاقب فی بدنه، وإنما جعل الله الحدود علی الأبدان، وکذالک العقوبات، فأما علی الأموال فلا عقوبة علیها''(الأم ۴/ ۲۶۴، المجموع ۲۰/ ۱۲۵)۔

☆ چیف قاضی شریعت مرکزی دار القضا کوکن، جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن، مہاراشٹر۔

(ج) تعزیر بالمال کے سلسلہ میں امام شافعیؒ کا قولِ قدیم جواز کا ہے لیکن وہ مفتی بہ نہیں ہے اسلئے کہ امام نوویؒ نے "مقدمۃ المجموع" میں امام شافعیؒ کے ان بیس یا اس سے زائد مسائل کو ذکر کیا ہے جہاں آپؒ نے اپنے قولِ قدیم کے مطابق فتوی دیا ہے، امام نوویؒ نے ان مسائل میں اس مسئلہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جن میں قولِ قدیم کے مطابق فتوی دیا گیا ہے، لہذا اس میں قولِ جدید ہی مفتی بہ ہوگا۔

نیز محققین کا کہنا ہے کہ امام شافعیؒ نے جن مسائل میں رجوع کیا ہے انکی نسبت آپؒ کی طرف کرنا درست نہیں ہے، جیسا کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"**كل مسألة فيها قولانِ للشافعي قديم وجديد،فالجديد هو الصحيح وعليه العمل، لأن القديم مرجوع عنه،واستثنى جماعة من أصحابنا نحو عشرين مسألة أو أكثر وقالوا: يفتى فيها بالقديم**"۔

"**ثم اِن أصحابنا أفتوا بهذه المسائل من القديم مع أن الشافعي رجع عنه، فلم يبق مذهبا له، هذا هو الصواب الذي قاله المحققون**"(المجموع ۱/۱۰۸،۱۰۹)۔

(د) فقہائے شوافع میں سے کوئی بھی تعزیر بالمال کے جواز کا قائل نہیں ہے، جیسا کہ انکی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں: "**ويحرم أخذ لحيته وأخذ ماله**" (المجموع ۲۰/۱۲۵)۔

علامہ شبراملسیؒ فرماتے ہیں: "**ولا يجوز التعزير على الجديد بأخذالمال**" (حاشیۃ الشبراملسی علی النہایۃ ۸/۲۲)۔

فقہائے معاصرین میں سے شیخ عادل احمد عبدالموجود شافعی جواز کے قائل ہیں چنانچہ وہ اپنی کتاب "التعزیر بالمال" میں فرماتے ہیں:

"**بعد عرض أدلة الفريقين،وايراد مايمكن أن يوجه اِليها من مناقشات،يتضح رجحان القول الأول الذي يجيز العقوبات المالية، لظهور قوة أدلتهم**" (التعزیر بالمال لعادل أحمد ص ۱۴)۔

(ھ)۱) تعزیر بالمال کے بارے میں احناف کا معتمد مذہب عدمِ جواز کا ہے، جیسا کہ فقہائے احناف کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ صاحب "مجمع الأنہر" فرماتے ہیں: "**ولا يكون التعزير بأخذالمال من الجاني في المذهب**"۔

صاحبِ "البحر الرائق" فرماتے ہیں: "**وفي شرح الأثار: التعزير بأخذ المال كانت في اِبتداء الإسلام ،ثم نسخ**"۔

"شامی" میں ہے: "**والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذالمال**"، "**لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي**"۔

"البحر الرائق" میں بزازیہ کے حوالہ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ بعض لوگ اسکے جواز کے قائل ہیں اور جو لوگ جواز کے

قائل ہیں ان کا مطلب ہے کہ جرمانہ کے مال کو ایک مدت تک اپنے پاس روک کر رکھا جائے، پھر صاحبِ مال کو اسکا مال واپس کر دیا جائے، اگر جرم سے باز رہنے کی امید نہ ہو تو حاکم اسکو اپنی صوابدیدگی کے مطابق خرچ کرے، مجتبیٰ میں ہے کہ مالی جرمانہ ابتدائے اسلام میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

علامہ شامیؒ نے بھی اسکی وضاحت کی ہے کہ امام ابو یوسفؒ مالی جرمانہ کو جائز سمجھتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ساتھ بقیہ تینوں ائمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، ''معراج'' میں بھی ایسا ہی لکھا ہوا ہے، ظاہر یہ ہے کہ امام ابو یوسف سے جو جواز کی روایت ہے وہ ضعیف ہے، چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں:

''قوله:(لا بأخذ مال فى المذهب) قال فى الفتح: وعن أبى يوسف ؒ يجوزالتعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقى الأئمة لا يجوز، ومثله فى المعراج، وظاهره أن ذلک روايةضعيفة عند أبى يوسف، قال فى الشرنبلالية:ولا يفتىٰ بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ أموال الناس فيأكلونه،ومثله فى شرح الوهبانية عن ابن وهبان''.

۲) امام مالکؒ تعزیر مالی کے عدم جواز کے قائل ہیں، جیسا کہ فقہاء مالکیہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے:

(قَوْلُهُ: وَتَصَدَّقَ بِمَا غَشَّ) أَيْ جَوَازًا لَا وُجُوبًا خِلَافًا لعبق لِمَا يَذْكُرُهُ الْمُصَنِّفُ آخِرًا مِنْ قَوْلِهِ، وَلَوْ كَثُرَ فَإِنَّ هَذَا قَوْلُ مَالِكٍ وَالتَّصَدُّقُ عِنْدَهُ جَائِزٌ لَا وَاجِبٌ وَمَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ مِنْ التَّصَدُّقِ هُوَ الْمَشْهُورُ وَقِيلَ: يُرَاقُ اللَّبَنُ وَنَحْوُهُ مِنْ الْمَائِعَاتِ وَتُحْرَقُ الْمَلَاحِفُ وَالثِّيَابُ الرَّدِيئَةُ النَّسْجِ قَالَهُ ابْنُ الْعَطَّارِ وَأَفْتَى بِهِ ابْنُ عَتَّابٍ وَقِيلَ: إنَّهَا تُقْطَعُ خِرَقًا خِرَقًا وَتُعْطَى لِلْمَسَاكِينِ وَقِيلَ: لَا يَحِلُّ الْأَدَبُ بِمَالِ امْرِءٍ مُسْلِمٍ فَلَا يَتَصَدَّقُ بِهِ عَلَيْهِ وَلَا يُرَاقُ اللَّبَنُ وَنَحْوُهُ وَلَا تُحْرَقُ الثِّيَابُ وَلَا تُقْطَعُ الثِّيَابُ وَيَتَصَدَّقُ بِهَا، وَإِنَّمَا يُؤَدَّبُ الْغَاشُّ بِالضَّرْبِ حَكى هَذِهِ الْأَقْوَالَ ابْنُ سَهْلٍ، قَالَ ابْنُ نَاجِيٍّ: وَاعْلَمْ أَنَّ هَذَا الْخِلَافَ إنَّمَا هُوَ فِي نَفْسِ الْمَغْشُوشِ هَلْ يَجُوزُ الْأَدَبُ فِيهِ أَمْ لَا، وَأَمَّا لَوْ زَنَى رَجُلٌ مَثَلًا فَلَا قَائِلَ فِيمَا عَلِمْت أَنَّهُ يُؤَدَّبُ بِالْمَالِ، وَإِنَّمَا يُؤَدَّبُ بِالْحَدِّ وَمَا يَفْعَلُهُ الْوُلَاةُ مِنْ أَخْذِ الْمَالِ فَلَا شَكَّ فِي عَدَمِ جَوَازِهِ، وَقَالَ الْوَنْشَرِيسِيُّ أَمَّا الْعُقُوبَةُ بِالْمَالِ فَقَدْ نَصَّ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّهَا لَا تَجُوزُ وَفَتْوَ؟ الْبُرْزُلِيِّ بِتَحْلِيلِ الْمَغْرَمِ لَمْ يَزَلْ الشُّيُوخُ يَعُدُّونَهَا مِنْ الْخَطَا.

''(وَتُصُدِّقَ بِمَا يُغَشُّ بِهِ النَّاسُ) أَدَبًا لِلْغَاشِّ فَجَازَ لِلْحَاكِمِ – كَالْمُكْتَسِبِ – أَنْ يَتَصَدَّقَ بِهِ عَلَى الْفُقَرَاءِ؛ وَلَا يَحْرُمُ عَلَيْهِ .وَجَازَ أَنْ يُؤَدِّبَهُ بِضَرْبٍ وَنَحْوِهِ وَلَا يَجُوزُ أَدَبُهُ بِأَخْذِ مَالٍ مِنْهُ كَمَا يَقَعُ كَثِيرًا مِنْ الظَّلَمَةِ''

''قَوْلُهُ: [وَلَا يَجُوزُ أَدَبُهُ بِأَخْذِ مَالٍ مِنْه]: قَالَ الْوَانْشَرِيسِيُّ: أَمَّا الْعُقُوبَةُبِالْمَالِ فَقَدْ نَصَّ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّهَا لَا تَجُوزُ .وَفَتْوَى الْبُرْزُلِيِّ بِتَحْلِيلِهَا لَمْ تَزَلْ الشُّيُوخُ يَعُدُّونَهَا مِنْ الْخَطَأَ كَذَا فِي (بن)''.

البتہ مالکیہ میں سے ابن فرحونؒ جواز کے قائل ہیں:

"التعزير بالمال قال به الماكية" (تبصرۃ الحکام ۲/۲۰۳)۔

(۴) حنابلہ بھی تعزیر بالمال کے عدم جواز کے قائل ہیں، جیسا کہ فقہاء حنابلہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے:

"فَصْلٌ: وَالتَّعْزِيرُ يَكُونُ بِالضَّرْبِ وَالْحَبْسِ وَالتَّوْبِيخِ .وَلَا يَجُوزُ قَطْعُ شَيْءٍ مِنهُ وَلَا جَرْحُهُ، وَلَا أَخْذُ مَالِهِ؛ لِأَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يَرِدْ بِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ عَنْ أَحَدٍ يُقْتَدى بِهِ؛ وَلِأَنَّ الْوَاجِبَ أَدَبٌ، وَالتَّأْدِيبُ لَا يَكُونُ بِالْإِتْلَافِ.

ويكون بالضرب والحبس والصفع والتوبيخ والعزل عن الولاية، وإن رأى الإمام العفو عنه جاز، ولا يجوز قطع شيء منه ولا جرحه ولا أخذ شيء من ماله .

(وَيُحَرَّمُ تَعْزِيرٌ بِحَلْقِ لِحْيَةٍ وَقَطْعِ طَرَفٍ وَجَرْحٍ) لِأَنَّهُ مُثْلَةٌ (وَ) يُحَرَّمُ تَعْزِيرٌ (بِأَخْذِ مَالٍ أَوْ إتْلَافِهِ) لِأَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يَرِدْ بِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ عَمَّنْ يُقْتَدَى بِهِ.

البتہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیمؒ تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں۔

"قال ابن تيمية:وَمَنْ قَالَ: إنَّ الْعُقُوبَاتِ الْمَالِيَّةَ مَنْسُوخَةٌ، وَأَطْلَقَ ذَلكَ عَنْ أَصْحَابِ مَالِكٍ وَأَحْمَد فَقَدْ غَلِطَ عَلَى مَذْهَبِهِمَا .وَمَنْ قَالَهُ مُطْلَقًا مِنْ أَيِّ مَذْهَبٍ كانَ: فَقَدْ قَالَ قَوْلًا بِلَا دَلِيلٍ.

وَلَمْ يَجِئْ عَنْ النَّبِيِّ – ﷺ – شَيْءٌ قَطُّ يَقْتَضِي أَنَّهُ حَرَّمَ جَمِيعَ الْعُقُوبَاتِ الْمَالِيَّةِ؛ بَلْ أَخْذُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدينَ وَأَكَابِرِ أَصْحَابِهِ بِذَلِكَ بَعْدَ مَوْتِهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ ذَلكَ مُحكَمٌ غَيْرُ مَنْسُوخٍ (الحسبة لابن تيمية).

"قال ابن القيم:وَمَنْ قَالَ: إنَّ الْعُقُوبَاتِ الْمَالِيَّةَ مَنْسُوخَةٌ، وَأَطْلَقَ ذَلكَ، فَقَدْ غَلِطَ عَلط مَذَاهِبِ الْأَئِمّةِ نَقْلًا وَاسْتِدْلَالًا، فَأَكْثَرُ هَذِهِ الْمَسَائِلِ: سَائِغٌ فِي مَذْهَبِ أَحْمَدَ وَغَيْرِهِ، وَكَثِيرٌ مِنهَا سَائِغٌ عِنْدَ مَالِكٍ، وَفِعْلُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ وَأَكَابِرِ الصَّحَابَةِ لَهَا بَعْدَ مَوْتِهِ – ﷺ – مُبْطِلٌ أَيْضًا لِدَعْوَى نَسْخِهَا، وَالْمُدَّعُونَ لِلنَّسْخِ لَيْسَ مَعَهُمْ كِتَابٌ وَلَا سُنَّةٌ، وَلَا إجْمَاعٌ يُصَحِّحُ دَعْوَاهُمْ "(الطرق الحکمیۃ ۱/۲۲۶)۔

جواز کے قائلین:

حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ، مالکیہ میں سے ابن فرحونؒ، امام شافعی کا قولِ قدیم اور حنابلہ میں سے ابن تیمیہ اور ابنِ قیمؒ جواز کے قائل ہیں۔

عدمِ جواز کے قائلین:

جمہور ائمہ کا راجح مذہب عدمِ جواز کا ہے۔

قائلینِ جواز کے دلائل:

اولاً: الکتاب:

”**والذین اتخذوا مسجدًا ضرارًا وکفرًا وتفریقًا بین المؤمنین وإرصادًا لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل**“(سورۂ توبہ:۱۷)۔

وجہ الدلالۃ:

آیتِ مبارکہ کا مختصر انداز میں شانِ نزول یہ ہے کہ منافقین نے مسلمانوں کو ضرر پہنچانے، دھوکہ دینے، کفر کی باتیں کرنے اور مومنین کے درمیان تفریق پیدا کرنے کے لیے اس مسجد کی بنیاد رکھی۔ آپ ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے اسی وقت اپنے چند اصحاب کو اس مسجد کو ڈھانے اور آگ لگانے کا حکم دیا۔ صحابۂ کرام اسی وقت گئے اور حکم کی تعمیل کی اور اس عمارت کو ڈھا کر زمین برابر کردی (التفسیر الکبیر ۶/ ۹۴)۔

سببِ نزول سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مالی سزا دینا جائز ہے؛ اس لیے کہ منافقین نے مسجدِ ضرار بنانے کے لیے مالی اخراجات کئے۔ وحی کی روشنی میں آپ ﷺ نے اسے ڈھا کر ان کا مالی نقصان کیا تا کہ انھیں سزا ملے۔

ثانیاً: من الکتاب:

”**ماقطعتم من لینۃٍ أو ترکتموھا قائمۃً علی أصولھا فبإذن اللہ ولیخزی الفاسقین**“(سورۂ حشر:۵) (تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے یا انھیں اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تو یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے تھا اور اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو رسوا کرے)۔

شانِ نزول:

جب آپ ﷺ نے بنو نضیر کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو دورانِ محاصرہ کچھ درخت کاٹنے پڑے تا کہ وہ لوگ اپنے آپ کو آپ ﷺ کے سپرد کرے۔ اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ پھل دار درخت کاٹنا مناسب نہیں تھا۔ اس کے جواب میں اس آیت میں اللہ نے فرمایا کہ جو درخت کاٹے گئے ہیں وہ ہمارے حکم سے کاٹے گئے ہیں اور جنگی حکمت عملی کی بنا پر اگر کسی برحق جہاد میں ایسا کرنا پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ثالثاً: من الکتاب:

”**فجعلھم جذاذًا إلا کبیرًا لعلھم إلیہ یرجعون**“ (الأنبیاء:۵۸)، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بڑے بت کے سوا سارے بتوں کے ٹکرے ٹکرے کردئے تا کہ وہ لوگ ان کی طرف رجوع کریں۔

تفسیر:

جیسا کہ سورۂ صافات میں مذکور ہے کہ وہ کوئی جشن کا دن تھا جس میں ساری قوم شہر چھوڑ کر کہی جایا کرتی تھی۔ حضرت

ابراہیمؑ نے جانے سے معذرت کر لی تھی اور جب سارے لوگ چلے گئے تو بت خانے میں جا کر سارے بتوں کو توڑ ڈالا صرف ایک بڑے بت کو چھوڑ دیا۔اور بعض روایات میں ہے کہ اپنی کلہاڑی بھی اس کے گردن میں لٹکا دی۔

اس عمل سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگ اپنی آنکھوں سے ان بتوں کی بے بسی کا منظر دیکھ سکیں اور یہ سوچیں کہ جو بت خود اپنا دفاع نہیں کر سکتے وہ دوسروں کی کیا مدد کرینگے۔

لہذا ابراہیمؑ کے اس فعل سے تعزیرِ مالی کے جواز پر دلالت ہوتی ہے۔

رابعاً: من الکتاب:

"وانظر إلى إلٰهک الذي ظلت عليه عاكفًا، لنحرقنه، ثم لننسفنه في اليم نسفًا" (طٰہٰ:۹۷) (موسیٰؑ نے سامری سے کہا: اور دیکھ اپنے اس جھوٹے معبود کو جس پر تو جما بیٹھا تھا، ہم اسے جلا ڈالیں گے اور پھر اس کی راکھ کو چورا چورا کر کے سمندر میں بکھیر دینگے)۔

حضرت موسیٰؑ کا یہ فرمان بھی تعزیر مالی کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔

من السنة:

(۱) **"عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ –ﷺ– قَالَ » فى كُلِّ سَائِمَةِ إِبِلٍ فِى أَرْبَعِينَ بِنْتُ لَبُونٍ وَلاَ يُفَرَّقُ إِبِلٌ عَنْ حِسَابِهَا مَنْ أَعْطَاهَا مُؤْتَجِرًا .«قَالَ ابْنُ الْعَلاَءِ » مُؤْتَجِرًا بِهَا » .« فَلَهُ أَجْرُهَا وَمَنْ مَنَعَهَا فَإِنَّا آخِذُوهَا وَشَطْرَ مَالِهِ عَزْمَةً مِنْ عَزَمَاتِ رَبِّنَا عَزَّ وَجَلَّ لَيْسَ لآلِ مُحَمَّدٍ مِنْهَا شَىْء .« "** (أخرجہ ابوداؤد، کتاب الزکوۃ، باب فی زکاۃ السائمۃ: ۱۵۷۵)۔

حکم:

"وقال الحاكم: صحيح الإسناد ووافقه الذهبی" (المستدرک ۱/۳۹۸)۔

"وقال الحافظ في التلخيص: قال أحمد: صالح الإسناد" (تلخیص الحبیر ۴/۱۰۵)۔

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عام چراگاہ میں چرنے والے اونٹوں میں چالیس میں ایک بنت لبون ہے (زکاۃ بچانے کے خیال سے) اونٹنی اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہ کی جائے، جو شخص ثواب کی نیت سے زکات دیگا اسے اس کا اجر ملے گا، اور جو اسے روکے رکھے گا (جو شخص زکات دینے سے منع کرے گا) تو ہم اس سے اس کو وصول کرینگے اور بطور سزا کے اس سے اس کا آدھا مال بھی لینگے، یہ ہمارے رب کے تاکیدی حکموں میں سے ایک حکم ہے، آلِ محمد ﷺ کے لیے ان میں سے کوئی بھی چیز حلال نہیں ہے)۔

حدیث میں ایک غریب لفظ وارد ہوا ہے وہ "العزمۃ" ہے جس کے معنی لغویین نے "حق واجب" بیان کیے ہیں، لہذا "**عزمة من عزمات ربنا**" کا معنی یہ ہوگا کہ یہ اللہ تعالی کے متعین کردہ حقوق میں سے ایک حق ہے، یا اللہ کے فرائض میں سے ایک فرض ہے۔

چنانچہ صاحبِ ''القاموس المحیط'' فرماتے ہیں: ''عزمة من عزمات الله'' أي حق من حقوقه، أي: واجب مما أوجبه''۔

وجہ الدلالۃ:

حدیث میں نبی کریم ﷺ نے مانعین زکات سے زبردستی زکات وصول کرنے اور بطور سزا کے نصف مال لینے کا حکم دیا جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مالی سزا دینا جائز ہے (القاموس المحیط ۱۱۴۸)۔

اس حدیث پر چند اعتراضات کئے گئے ہیں:

(۱) یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اس لیے کہ یہ روایت ''بهز بن حكيم عن أبيه عن جده''منقول ہے اور بھز بن حکیم کے بارے میں ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ وہ بہت زیادہ خطا کرتے تھے۔ اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو میں ان کا شمار ثقات میں کرتا، اسی طرح ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ان کی عدالت مشہور نہیں تھی۔

''قال ابن حبان عن بهز بن حكيم: كان يخطيء كثيرًا، ولولا هذا الحديث لأدخلته في الثقات. وقال عنه ابن حزم: غير مشهور بالعدالة'' (تہذیب الکمال ۲۵۹/۴، تلخیص الحبیر ۱۶۱/۲)۔

اعتراض کا جواب:

بہز بن حکیم کی ناقدین کی ایک جماعت نے توثیق کی ہے جن میں سے علی بن مدینی، یحی بن معین اور امام نسائیؒ کا نام سرِ فہرست ہے۔

ابن عدیؒ ان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں نے ان کی کوئی حدیث ایسی نہیں دیکھی جس پر محدثین نے کچھ نکیر کی ہوں اور نہ ہی ثقہ راویوں میں سے کسی کو ان کی کسی روایت میں اختلاف کرتے ہوئے دیکھا۔

''بأن بهز بن حكيم قد وثقه جماعةٌ من النقاد، منهم: علي بن المديني ويحى بن معين والنسائي''.

''وقال ابن علي: لم أر له حديثًا منكرًا، ولم أر أحدًا من الثقات يختلف في الرواية عنه'' (میزان الاعتدال ۳۵۴/۱)۔

صاحب میزان الاعتدال علامہ ذھبیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی محدث ایسا نہیں ہے کہ جس نے ان کی روایت بیان نہ کی ہو یعنی ان کی روایتیں تو بیان کی ہے، لیکن ان کی روایتوں سے استدلال کرنے کے بارے میں توقف کیا ہے۔

''قلت: ما تركه عالم قطّ، إنما توقفوا في الإحتجاج به''۔

امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ راوی ہے لیکن ان کی ''عن أبيه عن جده'' والی روایات شاذ ہیں، اسلئے کہ ان کا کوئی متابع نہیں ہے۔

''وقال الحاكم: ثقة، إنما أسقط من الصحيح؛ لأن روايته عن أبيه عن جده شاذة لا متابع له عليها''.

لیکن امام ابوداودؒ کے نزدیک یہ حجت ہے(میزان الاعتدال ا/۳۵۴)۔

اس بحث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بحز بن حکیم کی روایت ضعیف نہیں ہے۔اگر ہم اس کوضعیف مان بھی لےتو دیگر بہت ساری احادیث اس کی متابعت میں موجود ہیں جواس کے ضعف کوختم کر کے اس کو''حسن لغیرہ'' کے درجہ میں پہنچادی ہےاورحسن لغیرہ کے بارے میں محدثین فرماتے ہیں کہ وہ قابلِ استدلال ہے۔

چنانچہ صاحبِ''تیسیر مصطلح الحدیث''فرماتے ہیں کہ جب ضعیف حدیث متعددطرق سے منقول ہواوراس حدیث کے ضعف کا سبب راوی کا فاسق ہونایااس کا جھوٹا ہونانہ ہوتووہ حدیث قابلِ استدلال ہوتی ہے۔

''**الحسن لغيره: هو الضعيف إذا تعددت طرقه ،ولم يكن سبب ضعفه فسق الراوي أو كذبه.حكمه: هو من المقبول الذي يحتج به**''(تیسیر مصطلح الحدیث/ص٦٦،٦٧)۔

(۲) مذکورہ حدیث سے مالی سزا کے جواز کا حکم معلوم ہورہا تھا،حالانکہ مالی سزا کا جواز ابتداء اسلام میں تھابعد میں منسوخ ہوا۔اب صرف اس کے ناسخ میں اختلاف ہے۔

(ا)اس حدیث کا ناسخ''ناقۃ البراء بن عازب'' کی روایت ہےجیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

''**عن يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب أن رقيقا لحاطب سرقوا ناقة لرجل من مزينة فانتحروها فرفع ذلک إلى عمر بن الخطاب فأمر عمر كثير بن الصلت أن يقطع أيديهم، ثم قال عمر: أراک تجيعهم ثم قال عمر: والله لاغرمنک غرما يشق عليک، ثم قال لمزني: كم ثمن ناقتک، فقال المزني: قد كنت والله أمنعها من أربع مائة درهم، فقال عمر: أغطه ثمان مائة درهم**''(اخرجہ مالک، کتاب الأقضیۃ ، القضاء فی الضواری والحریسۃ/۲۱۷۸)۔

(ایک مرتبہ براء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہ کی اونٹنی کسی کے باغ میں چلی گئی اوراس کے باغ کا نقصان کردیا تو یہ معاملہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: باغیچے والوں کے لیےضروری ہے کہ وہ دن میں اپنے باغ کی حفاظت کریں اور مویشی والوں کے لیےضروری ہے کہ وہ رات میں اپنے مویشیوں کی حفاظت کریں۔اگر مویشی دن میں کسی کے باغ کوخراب کریں تو اس کا ضمان مویشی کے مالک پرنہیں ہوگا۔اگررات میں کریں تواس کا ضمان مویشی کے مالک پرہوگا)۔

وجۃ الدلالۃ:

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک ہی قیمت کا ضمان بنایا ہے دگنا قیمت کا ضامن نہیں بنایا، اسی وجہ سے امام شافعیؒ نے اس حدیث کو مالی جرمانے کے لیے ناسخ مانا ہے(الأم ٦/ ۲۱۴)۔

(۲)امام طحاویؒ نے مالی تعزیرات کے جواز پردلالت کرنے والے چندآ ثارپیش کرنے کے بعدفرمایا کہ یہ حکم ابتداءاسلام میں تھا،پھرجب ربا کی حرمت نازل ہوئی تو یہ منسوخ ہوگیا(شرح معنی الآ ثار ۱۴٦/۳)۔

(۳)ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ ناسخ نبی کریم ﷺ کا فرمان: ”ليس في المال حق سوى الزكوة“ ہے(المغنی لابن قدامہ ۲/۲۲۹)۔

(۴)ابن رشد مالکیؒ فرماتے ہیں کہ ناسخ ”اجماع“ ہے(البیان والتحصیل ۱۶/۲۹۷)۔

اعتراضات کے جوابات:

(۱)علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ”ناقۃ البراء“ کے فیصلے میں مالی جرمانہ نہیں لگایا، تو اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ آپ ﷺ نے مطلقاً مالی جرمانہ لگانا چھوڑ دیا اس کے بعد کسی بھی قضیہ میں آپ ﷺ نے مالی جرمانہ نہیں لگایا ہو سکتا ہے کہ کسی مسئلہ میں جرمانہ لگایا ہو۔

لہذا صرف اس قضیہ سے مالی جرمانہ کے عدمِ جواز پر استدلال کرنا اور اس کو ناسخ سمجھنا درست معلوم نہیں ہوتا۔

”**ولا يخفى أن تركه ﷺ للمعاقبة لأخذ المال في هذه القضية لا يستلزم الترك مطلقًا، ولا يصلح للتمسك به على عدم الجواز وجعله ناسخًا البتة**“(نیل الأوطار ۴/۱۴۷)۔

۲، ۴- علامہ علاء الدین طرابلسیؒ نے ”معین الحکام“ میں دعوہ؟ نسخ کو غلط قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ جن حضرات نے یہ بات کہی ہے کہ مالی سزا منسوخ ہے۔ انھوں نے ائمہ کے مذاہب کی بنا پر روایت اور استدلال ہر دو اعتبار سے غلطی کی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے منسوخ ہونے کا دعوی کرنا آسان نہیں ہے، اسلئے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور اکابرینِ صحابہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے جو نسخ کے دعوی کو باطل کرتا ہے، اور جو لوگ نسخ کا دعوی کرتے ہیں ان کے پاس نہ سنت ہے اور نہ اجماع ہے جو ان کے دعوی کو صحیح قرار دے۔

”**ومن قال: إن العقوبات المالية منسوخة فقد غلّط على مذهب الأئمة نقلًا واستدلالًا وليس بسهلٍ دعوى نسخها، فعل الخلفاء الراشدين واكابر الصحابة لها بعد موته ﷺ مبطل لدعوى نسخها، والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يُصحّح دعواهم**“ (معین الحکام/ص ۱۹۵)۔

نیز علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم اور دکتور وہبہ الزحیلیؒ نے دعوہ نسخ کو بلا دلیل قرار دیا ہے(فتاوی ابن تیمیہ ۲۸/۱۱۱)۔

۳- ”**ليس في المال حق سوى الزكوة**“(أخرجہ ابن ماجہ، کتاب الزکوۃ باب مأ دی زکاتہ لیس بکنز-۱۷۸۹).

صاحب بدر المنیر علامہ ابن ملقنؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ناسخ بننا صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس حدیث میں شدید ضعف ہے۔

”**وهذا الحديث لا يصلح أن يكون ناسخًا لضعفه الشديد**“ (میزان الاعتدال ۶/۵۷۸)۔

صاحب میزان الاعتدال علامہ ذھبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابوحمزہ ہے جن کو محدثین نے ضعیف

قرار دیا ہے۔

"قلت: الحدیث في إسناده أبي حمزة میمون الأعور، ضعفه الترمذي والدارقطنی وترکه أحمد. وقال البخاری: لیس بالقوي عندهم، وقال النسائی: لیس بثقة" (میزان الاعتدال ۶/۵۷۸)۔

اس حدیث پر اور دو اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

(۱) ابن جوزیؒ، ابراہیم حربیؒ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے متن میں راوی کو وہم ہو گیا ہے، اصل میں الفاظ "فإن آخذها من شطر ماله" ہے یعنی ہم مانعین زکات کے مال کے دو حصے کرینگے اور زکاۃ وصول کرنے والے کو یہ اختیار دینگے کہ وہ کہ وہ دونوں میں سے جو حصہ بہتر ہو اس کو لے، لیکن راوی نے "فإن آخذها وشطر ماله" نقل کیا - حالانکہ یہ وہم ہے- جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مانعین زکاۃ سے زکاۃ بھی وصول کرینگے اور اس کے مال کا نصف حصہ بھی۔

جواب: اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت تو یہ ہے کہ مالی جرمانہ کی صورت میں افضل کو لیا جاتا ہے اور یہاں پر افضل تو یہی ہے کہ مانعین زکاۃ سے زکاۃ بھی وصول کی جائے اور بطور جرمانے کے نصف مال بھی لیا جائے، لہذا اس اعتبار سے مناسب تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے غلطی نہیں کی (نیل الأوطار ۴/۱۳۴)۔

ابن اثیرؒ فرماتے ہیں: امام شافعیؒ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ آپؒ نے قولِ قدیم میں اسی حدیث کی طرف رجوع کیا ہے اور قولِ جدید میں اس کی مخالفت کی اور اس کو منسوخ مانا جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کے یہاں پہلے مالی تعزیرات جائز تھی بعد میں منسوخ ہوگئی۔

ابن اثیرؒ آگے فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا قولِ قدیم میں اس کو حجت ماننا ابراہیم حربیؒ کے اعتراض کو ختم کرتا ہے؛ اس لیے کہ اگر راوی نے غلطی کی ہوتی یا اس کو وہم ہوا ہوتا تو امام شافعیؒ اس سے استدلال نہیں کرتے (البدر المنیر ۵/۴۸۸)۔

(۲) ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں بھی لوگوں نے زکاۃ دینے سے انکار کیا تھا تو آپ نے ان کو مالی سزا نہیں دی بلکہ ان سے قتال کیا؟

جواب: اس کا جواب علامہ یوسف قرضاویؒ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو قتل کی سزا دی یہ سزا تعزیر کے قبیل سے ہے اور قتل کی سزا مالی سزا کے مقابلے میں زیادہ سخت ہے اور تعزیر کے بارے میں تو جمہور ائمہ کا اتفاق ہے کہ یہ سزا امام کی صواب دیدگی پر موقوف ہوتی ہے، امام جو سزا مناسب سمجھے وہ جاری کرے، لہذا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس وقت قتل کی سزا مناسب سمجھی اس لیے آپ نے وہ سزا جاری فرمائی (فقہ الزکوۃ ۱/۷۸)۔

الروایۃ الثانیۃ:

"عن عمرو بن شعیب، عن أبیه، عن جده عبد الله بن عمرو بن العاص، عن رسول الله ﷺ أنه سئل عن الثمر العلق؟ فقال: من أصاب بفیه من ذي حاجة غیر متخذ خبنة فلا شيء علیه، ومن خرج بشيء منه

فعلیه غرامة مثلیه والعقوبة، ومن شرق منه شیئا بعد أن یؤویه الجرین، فبلغ ثمن المجن فعلیه"(تحفۃ المحتاج ۲/ ۴۸۲)،حکم:"**قال الترمذی: حسن**"(أخرجہ ابوداؤد، کتاب اللقطۃ، باب التعریف باللقطۃ)۔

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے درخت پر لٹکے ہوئے پھلوں کے بارے میں پوچھا گیا،تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو حاجت منداسے کھائے اور ذخیرہ اندوزی کر کے نہ لے جائے تو اس پر کوئی حرج نہیں، البتہ جو شخص اس میں سے کچھ چھپا کر لے جائے تو اس پر اس کا دگنا جرمانہ لازم ہوگا، اور سزا بھی ہوگی، اور جب میوہ پک کر سوکھنے کیلئے کھلیان میں ڈال دیا جائے اور اس میں سے کوئی اس قدر چرالے جس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر پہنچتی ہو تو اس پر اسکا ہاتھ کاٹا جائے گا)۔

غریب لفظ:

خبنۃ: من الثوب والسراویل: کپڑ یا پائجامے کا موڑ کر سلا ہوا حصہ، تہہ، دامن، وہ خوراک جو کپڑے کی تہہ میں لی جائے، ہر وہ چیز جو انسان گود یا بغل میں دبا کر لے جائے (القاموس الوحید ص ۴۰۹)۔

صاحبِ "المعجم الوسیط" فرماتے ہیں:

"**الخبنة من الثوب ا السراویل: الجزء المثنی المخیط.**

الخبنة: ما یحمله الإنسان فی حضنه أو تحت إبطه.و فی حدیث عمر: حدیث شریف إذا مر أحدکم بحائط فلیاکل منه،ولا یتخذ خبنة.

الخبنة: الوعاء یجعل فیه الشیء ثم یحمل"(المعجم الوسیط/ ۲۱۷)۔

حدیث میں مذکور لفظ (فعلیہ غرامۃ مثلیہ والعقوبۃ) یعنی جو شخص درخت پر لٹکے ہوئے پھلوں میں سے کچھ چرا کر لے جائے تو اسکو بطورِ جرمانہ اسکا دگنا حصہ دینا ہوگا اور اسکو سزا بھی ہوگی، لہذا اس سے مالی جرمانہ کے جواز پر دلالت ہوتی ہے۔

الروایۃ الثانیۃ:

"**عن عبد الله بن عمرو، قال: رأى النبي ﷺ علي ثوبین معصفرین، فقال: أمک أمرک بهذا؟ قلت: أغسلهما، بل أحرقهما**"(أخرجہ مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب النہي عن لبس الرجل الثوب المعصفر :۲۰۷۷)۔

(حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہاری ماں نے تمہیں یہ کپڑے پہننے کا حکم دیا ہے؟ تو میں نے کہا! کیا میں انہیں دھوڈالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ انہیں جلا دو)۔

حدیث میں یہ بات مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو انکے کپڑے جلانے کا حکم دیا، اور کپڑے تو مال کی حیثیت رکھتے ہیں اور انکو جلانا مال کو تلف کرنا ہے، لہذا یہ ایک مالی جرمانہ ہے جسکا آپ ﷺ نے حکم دیا، جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مالی سزا دینا جائز ہے۔

الرواية الثالثة:

"عن سليمان بن أبي عبد الله، قال: رأيت سعد بن أبي وقاص، أخذ رجلا يصيد في حرم المدينة الذي حرم رسول الله ﷺ، فسلبه ثيابه، فجاء مواليه، فكلموه فيه، فقال: إن رسول الله ﷺ، حرم هذا الحرم، وقال: من أخذ أحدا يصيد فيه، فليسلبه ثيابه، فلاأردعليكم طعمة أطعمنيها رسول الله ﷺ، ولكن إن شئتم دفعت إليكم ثمنه"(أخرجه أبوداؤد، کتاب اللباس، باب في تحريم المدينة:۲۰۳۷)۔

حکم:

صاحبِ "البدرالمنیر" فرماتے ہیں: اس حدیث کے تمام رجال ثقات ہیں سوائے سلیمان بن عبداللہ کے، امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں: وہ مشہور تونہیں ہے لیکن انکی حدیث معتبر ہوگی، امام ابوداودؒ نیا نکوضعیف قرارنہیں دیا ہے۔

"رجاله كلهم ثقات،الا سليمان بن ابى عبدالله، فقال أبو حاتم: ليس هو بالمشهور لكن يعتبر بحديثه، ولم يضعفه ابوداود، وذكره ابوحاتم بن حبان فى ثقاته"(البدرالمنیر ۶/۳۶۷)۔

(حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک شخص کو پکڑا جو اس حرم مدینہ میں شکار کررہا تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے حرام یعنی قابلِ تعظیم قرار دیا ہے چنانچہ حضرت سعدؓ نے اس شخص کے کپڑے (زجروتنبیہ کے طور پر) چھین لئے، پھر اس شخص کے مالک آئے اور حضرت سعدؓ سے اس کے بارے میں گفتگو کی، حضرت سعدؓ نے ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس حرم کو حرام قرار دیا ہے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ایسے آدمی کو پکڑے جو اس میں شکار کررہا ہو تو وہ اس کا سامان چھین لے، لہذا جو چیز رسول اللہ ﷺ نے مجھے دلوائی ہے (یعنی جو چیز میں نے آپ ﷺ کے حکم کی پیروی کرتے ہوے حاصل کی ہے) وہ تو میں (حال میں بھی) واپس نہیں کروں گا، ہاں اگر تم چاہو تو میں اسکی قیمت تمہیں دے دوں)۔

وجہ استدلال:

حرمِ مدینہ یہ ایک قابلِ تعظیم جگہ ہے اسمیں شکار کرنے کو منع کیا گیا ہے اور جو بھی اسمیں کسی شخص کو شکار کرتے ہوے پائے تو آپ ﷺ نے اسکے مال کو بطورِ جرمانہ کے سلب کرنے کا حکم دیا ہے، جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مالی سزا دینا جائز ہے۔

الرواية الخامسة:

"عن أنس عن أبي طلحة أنه قال: يا نبى الله! إنى اشتريت خمرًا لأيتام في حجري، قال: أهرق الخمرَ واكسر الدنان"(أخرجه الترمذي، أبواب البيوع عن رسول الله ﷺ باب بيع الخمر).

حکم:

"هذا الحديث صحيح، رواه أحمد وأبوداؤد الترمذى"(البدرالمنیر ۶/۶۳۰)۔

(حضرت انسؓ حضرت ابوطلحہؓ کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپؓ نے فرمایا: اے اللہ کے نبی ﷺ! میں نے ان یتیم بچوں کے لیے شراب خریدی ہے جو میری پرورش میں ہیں (اب شراب کی حرمت کا اعلان ہو چکا ہے تو میں اس شراب کا کیا کروں؟ اگر میں بہا دیتا ہوں تو یتیم بچوں کا مال ضائع ہوتا ہے اور قرآن میں اس کی حرمت آچکی ہے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شراب کو بہا دو اور مٹکوں کو توڑ دو)۔

وجہ استدلال:

حدیث میں نبی کریم ﷺ نے شراب کے بہانے اور مٹکے کو توڑنے کا حکم دیا، حالانکہ مٹکوں کو دھو کر استعمال کرنے کا آپ ﷺ حکم دے سکتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے اس کے برخلاف مٹکوں کو توڑنے کا حکم دیا جو ایک مالی جرمانہ کے قبیل سے ہے، لہذا اس سے مالی جرمانہ کے جواز پر دلالت ہوتی ہے۔

الروایۃ السادسۃ:

"**عن أبي هريرةؓ أن النبیﷺ قال: ضالة الإبل المكتومة غرامتها ومثلها معها**" (اخرجہ ابوداوٗد کتاب اللقطۃ بالتعریف اللقط-۱۷۱۸)۔

حکم:

اس حدیث کے ایک راوی عمرو بن مسلم ہے جن کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ یحی بن معین نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔ امام نسائیؒ کا کہنا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ نے بھی ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔

"**قال عبدالله بن أحمد بن حنبل عن أبيه: ضعيف .وقال مرةً: ليس بذاك وقال إبراهيم بن جنيد عن يحى بن معين: لا بأس به .وقال عبدالله بن أحمد بن حنبل: قلت ليحى بن معين: عمرو بن مسلم أضعف أو هشام بن حجير؟ فضعّف عمروًا وقال: هشام بن حُجَير أحب إليّ منه .وقال النسائي: ليس بقوي**" (تہذیب الکمال ۲۲، ۲۴۴)۔

راوی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے تو اسے مرسل بھی کہا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: گم شدہ اونٹ اگر چھپا دیا جائے تو چھپانے والے پر اس کا جرمانہ ہوگا اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور دینا ہوگا۔

وجہ دلالت:

حدیث میں مذکور الفاظ "**غرامتها ومثلها معها**" سے تعزیر مالی کے جواز پر دلالت ہوتی ہے۔

الروایۃ السابعۃ:

"عن أبي هريرة: أن رسول اللهﷺ قال: والذي نفسي بيده لقد هممت أن امر بحطب، فيحطب، ثم آمر بالصلاة، فيؤذن لها، ثم آمر رجلا، فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال، فأحرق عليهم بيوتهم، والذي نفسي بيده لو يعلم أحدهم، أنه يجد عرقا سمينا، أو مرماتين حسنتين، لشهد العشاء" (أخرجہ البخاری، باب وجوب صلاۃ الجماعۃ ۶۴۴)۔

(حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں نے ارادہ کیا تھا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں پھر نماز کے لیے کہوں، اس کے لیے اذان دی جائے پھر کسی شخص سے کہوں کہ وہ امامت کرے اور میں ان لوگوں کی طرف جاؤں (جو نمازِ با جماعت میں حاضر نہیں ہوتے) پھر انھیں ان کے گھروں سمیت جلا دوں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر یہ جماعت میں نہ شریک ہونے والے لوگ اتنی بات جان لے کہ انھیں مسجد میں ایک اچھے قسم کے گوشت والی ہڈی مل جائے گی یا دو عمدہ کھر ہی مل جائیں گے تو یہ عشاء کی نماز کے لیے مسجد میں ضرور حاضر ہو جائیں گے۔

وجہ استدلال:

حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نماز سے پیچھے رہنے والوں کے گھروں کو جلانے کا ارادہ کیا۔ گھر یہ ایک بہت بڑی مالیت ہے اور اس کا جلانا یہ ایک بڑی مالیت کو تلف کرنا ہے، لہٰذا آپ ﷺ کا یہ ارادہ مالی جرمانہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔

لیکن یہاں پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ "ھم" یعنی ارادہ یہ نہ آپ ﷺ کا قول ہے نہ فعل ہے اور نہ تقریر ہے، تو فقط ارادہ سے کیسے تعزیرِ مالی کے جواز پر استدلال کیا جائے گا؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر اس طرح سزا دینا شریعت میں منع ہوتا تو آپ ﷺ اس کا ارادہ کیوں فرماتے، لہٰذا آپ ﷺ کا یہ ارادہ کرنا تعزیرِ مالی کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح اور بہت سی روایات ہیں جو تعزیرِ مالی کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

ثالثاً: من افعال الصحابۃ:

جو حضرات تعزیر مالی کے جواز کے قائل ہیں انھوں نے صحابۂ کرام کے فیصلوں سے بھی استدلال کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ حضرت عمرؓ نے رویشد ثقفی کے دکان کو جلانے کا حکم دیا جس میں وہ شراب بیچتا تھا۔

اسی طرح حضرت علیؓ نے بھی شراب کے اڈوں کو جلانے کا حکم دیا۔

"عن يحى بن عبدالرحمن بن حاطب أن رقيقًا لحاطب سرقوا ناقة لرجل من مزينة، فانتحروها، فرُفِع ذلک إلى عمر بن الخطاب فأمر عمر كثير بن الصلت أن يقطع أيديهم، ثم قال عمر: أراک تُجيعهم،

ثم قال عمر: والله لأغرمنک غرمًا يشق عليک، ثم قال للمزني: کم ثمنُ ناقتک؟ فقال المزني: قد کنت والله أمنعها من أربعمائة درهم .فقال عمر: أعطه ثمانمائة درهم"(قد تقدم تخریجہ)۔

اس روایت کوامام مالکؒ نے ہشام سے انھوں نے اپنے والد عروہ سے اور انھوں نے یحی بن عبدالرحمٰن بن حاطب سے نقل کیا ہے۔ابن حجر عسقلانیؒ نے تمام کوثقہ قرار دیا ہے۔

"**هشام بن عروة: ثقة، فقيه ربمادلّس**"(تقریب التہذیب)۔

"**قال الذهبی: أحد الأعلام .قال أبوحاتم: ثقة، امام في الحديث**"(تقریب التہذیب)۔

"**عروة بن الزبير: ثقه، فقيه مشهور**"(تقریب التہذیب)۔

"**يحی بن عبدالرحمن: ثقة**"(تقریب التہذیب)۔

رواۃ کے حالات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(یحی بن عبدالرحمٰن بن حاطب روایت کرتے ہیں کہ حاطب کے غلاموں نے قبیلہ مزینہ کے ایک فرد کی اونٹنی چرائی اور اسے ذبح کیا،تو اب یہ قضیہ حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا،تو حضرت عمرؓ نے کثیر بن صلت کو ان چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے لگ رہا ہے(ایسا خیال ہورہا ہے) کہ تم ان کو فاقہ میں مبتلا کرتے ہو، بخدا میں تم پر ایسا جرمانہ لگاؤں گا جس کی ادائیگی تم پر بھاری گزرے گی، پھر حضرت عمرؓ نے مزنی سے پوچھا کہ آپ کے اونٹنی کی قیمت کتنی تھی؟ تو مزنی نے کہا: بخدا میں نے اس کو چارسو درہم میں بھی روکے رکھا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا: حاطب تم اس کو ۸۰۰ر درہم دو)۔

مذکورہ روایت میں حضرت عمرؓ کا حاطب پر دگنا جرمانہ لگانا مالی جرمانہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں یہ روایت ان لفاظ کے ساتھ ہے:"**عن يحيي بن عبد الرحمن بن حاطب، أن غلمة، لأبيه عبد الرحمن بن حاطب سرقوا بعيرا، فانتحروه، فوجد عندهم جلده، ورأسه، فرفع أمرهم إلى عمر بن الخطاب[ثم قال لعبد الرحمن]والله إني لأراک تستعملهم، ثم تجيعهم، وتسيء إليهم، حتى لو وجدوا ما حرم الله عليهم، لحل لهم[ثم قال لصاحب البعير]کم کنت تعطى لبعيرک؟قال: أربع مائة درهم، قال لعبدالرحمن:قم فاغرم لهم ثمان مائة درهم**"(مصنف عبدالرزاق باب سرق العبد:۱۸۹۷۸)۔

(عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے ایک اونٹ چرا کر ذبح کردیا جس کا چمڑا اور سر ان کے پاس پایا گیا۔ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس معاملہ لائے۔آپؓ نے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا پھر تھوڑی دیر سوچ کر غلاموں کو طلب فرمایا اور عبدالرحمٰن سے کہا: بخدا! میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم ان سے کام بھی لیتے ہو اور ان کو بھوکا بھی رکھتے ہو اور بدسلوکی کرتے ہو یہاں تک کہ اگر وہ کوئی حرام چیز بھی پالے تو ان کے حق میں وہ حلال ہوجائے، پھر اونٹ والے سے دریافت کیا کہ تم اونٹ کتنی قیمت میں دے سکتے تھے؟ اس

نے کہا: ۴۰۰ درہم میں۔ حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن سے فرمایا کہ تاوان کے ساتھ ۸۰۰ ر درہم ادا کرو)۔

یہ اثر تاوان کے باب میں بالکل صریح ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تاوان وصول کرنے کے بعد دوبارہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں: ان صراحتوں کے علاوہ شریعت میں تعزیر مالی کی مختلف نظیریں بھی ملتی ہیں:

(۱) حقوق اللہ میں تعدی اور زیادتی پر مالی تعزیر کی نظیر ''کفارات'' ہے، جو قصداً روزہ توڑنے (نساء: ۹۲) قسم کھا کر پوری نہ کرنے (مائدہ: ۸۹)، اور قتلِ خطا (نساء: ۹۲) کی صورت میں واجب ہوتے ہیں۔ اور جن میں ایک غلام آزار کرنا یا مسکین کی ایک خاص جماعت کو کھانا کھلانا ''مالی سزا'' شمار کی جاسکتی ہے۔

(۲) کسی انسان کے ساتھ ایسی تعدی پر جس کا تعلق جسم سے ہو تعزیر مالی کی نظیر دیت ہے جو ایسی تمام صورتوں میں واجب ہوتی ہے جب فریقین باہمی رضامندی سے اس پر آمادہ ہوجائیں یا جب قصاص کا اجراء ممکن نہ ہو۔

(۳) غیر مالی حقوق میں تعدی پر مالی تعزیر کی نظیر ''کفارہ ظہار'' ہے، اس لیے کہ ظہار کی بنا پر مرد اپنی بیوی کو ہم بستری سے محروم رکھ کر اس کو اس کے جنسی حقوق سے محروم کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ بد گوئی کر کے اس کی ہتکِ حرمت کرتا ہے۔ کفارہ؟ ظہار اسی کی سزا ہے جس میں غلام کو آزاد کرنا یا مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی شامل ہے۔

(۴) مالی حقوق میں تعدی کی بنا پر مالی سرزنش کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا سامان چرالے اور وہ سامان اس کے پاس محفوظ بھی نہ رہ سکے تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ اصل سزا تو یہ ہے کہ ہاتھ کاٹے جائے لیکن اگر کسی وجہ سے ایسا نہ ہوسکے تو اس سے سرقہ شدہ سامان کا تاوان وصول کیا جائے گا۔

(۵) آبروریزی اور ہتکِ حرمت پر مالی تاوان کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا بالجبر کرے تو اس سے عورت کو مہر کی رقم دلائی جائے گی۔

(۶) اسی طرح ذہنی طور پر کسی کو پریشان کرنے پر مالی سرزنش کا بھی فقہاء کے یہاں فی الجملہ تصور ملتا ہے۔ چنانچہ وہ عورت جس کا مہر متعین ہوا دخول سے پہلے ہی طلاق کی نوبت آجائے تو امام ابوحنیفہ و امام شافعی دونوں ہی کے یہاں متعہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دوسری تمام مطلقہ عورتوں کے لیے امام شافعیؒ کے یہاں متعہ واجب ہے، البتہ حنفیہ کے یہاں مستحب ہے۔

اسی طرح جھوٹی گواہی وشبہات کی بنا پر بھی بعض صورتوں میں فقہاء نے گواہوں پر تاوان عائد کیا ہے۔ ہر چند کہ یہ نظائر اس مسئلہ میں صریح نہیں ہیں تاہم ان سے شریعت کا مزاج اور اس کی روح کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور ان پر دوسری تعزیرات کو قیاس کیا جاسکتا ہے، البتہ ابتدا میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ نقل کیا گیا ہے، کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں بے غبار دلیل ہے؛ اس لیے اگر موجودہ زمانہ میں اور بالخصوص ہندوستان کے خصوصی حالات میں اس کو قبول کرلیا جائے تو امید ہے کہ بہت سے منکرات کے سدباب میں اس سے مدد ملے گی اور اس سے فائدہ ہوگا (جدید فقہی مسائل ۳/ ۲۴۶-۲۴۸)۔

رابعاً: من اجماع الصحابۃ:

صحابہ کرام سے بہت سارے ایسے مسائل اور قضیے مشہور ہیں جن میں آپ حضرات نے مالی سزا نافذ کی اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی جس سے اس مسئلہ کے اجماعی ہونے کی جانب اشارہ ملتا ہے (مصادر الأموال / ۴۵)۔

خامسا: من العقل: أي القیاس:

(۱) جب بطورِ تعزیر قتل کی سزا دینا جائز ہے جو کہ تمام سزاؤں میں سب سے سخت سزا ہے تو مالی سزا بھی جائز ہونی چاہیے جو کہ قتل کے مقابلے میں ہلکی سزا ہے۔

(۲) جب بطورِ تعزیر بدنی سزا نافذ کرنا دشوار ہو تو ایسی صورت میں عقل یہی کہتی ہے کہ اب مالی سزا نافذ کرنا چاہیے۔

عقلی اور نقلی دلائل کو جاننے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مالی سزا دینا جائز ہے۔

قائلین عدم جواز کے دلائل:

اولاً: من الکتاب:

(۱) ''**قوله تعالى: يأيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارةً عن تراض منكم**'' (سورۂ نساء: ۲۹)۔

(اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ الا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو تو یہ جائز ہے)۔

(۲) ''**قوله تعالى: ولا تأكلوا اموالكم بينكم بالباطل، وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقًا من أموال الناس بالإثم وانتم تعلمون**'' (سورۂ بقرہ: ۱۸۸)۔

(اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ اور نہ اس کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس غرض سے لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ کرو)۔

وجہ استدلال:

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی مسلمان کا مال یا تو اس کی خوشی اور رضامندی سے لینا جائز ہے یا پھر اس وقت لیا جا سکتا ہے جب کوئی حق اس کے ذمہ ہو اور تعزیر مالی میں نہ اس شخص کی رضامندی کو دخل ہے جس سے مال لیا جا رہا ہے اور نہ کوئی دلیلِ شرعی موجود ہے جس سے اس کا جواز پیدا ہو سکے؛ اس لیے یہ صورت درست معلوم نہیں ہوتی (تفسیر ابن کثیر ۱/ ۲۲۶)۔

ثانیاً: من السنۃ:

(۱) ''**عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ خطب الناس يوم النحر فقال: يأيها الناس أيّ يوم هذا؟**

قالوا: يوم حرام ...قال: فإن دمائكم واموالكم واعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا، في بلدكم هذا، في شهركم هذا" (أخرجہ البخاری، کتاب الحج، باب الخطبۃ أیام منی/۱۷۳۹)۔

(حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یوم النحر کو لوگوں سے خطاب فرمایا تو خطبہ میں آپ ﷺ نے پوچھا: اے لوگوں! آج کونسا دن ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ یہ حرمت والا دن ہے، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کونسا شہر ہے؟ تو لوگوں نے کہا: یہ حرمت والا شہر ہے، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: اے لوگوں! یہ کونسا مہینہ ہے؟ تو لوگوں نے کہا: یہ حرمت والا مہینہ ہے، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جیسے اس دن کی حرمت، اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت ہے)۔

(۲) "عن أبي حرة الرقاشيّ عن عمه قال: كنت آخذًا بزمام ناقة رسول الله ﷺ في أوسط أيام التشريق، أذود عنه الناس، فقال: يا أيها الناس! أتدرون في أيّ يوم أنتم؟ ...إنه لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه" (أخرجہ أحمد أول مسند البصريين، حدیث عم أبي حرة الرقاشي/۲۰۶۹۵)۔

(حضرت ابوحرہ رقاشی اپنے چچا سے نقل کرتے ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایام تشریق کے درمیانی ایام میں میں نبی کریم ﷺ کے اونٹنی کی لگام تھامے ہوئے تھا اور لوگوں کو آپ سے ہٹا رہا تھا، اس دن آپ ﷺ نے اپنے طویل خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ کسی انسان کا مال اس کی طیبِ نفس (رضامندی) کے بغیر حلال نہیں ہے)۔

مفتی تقی عثمانی صاحبؒ ان دلائل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**لا يحل مال امرء مسلم اِلا بطيب نفس منه**" یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیبِ نفس کے بغیر حلال نہیں ہے، اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہوا ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہو تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اسی طرح جسمانی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ کسی مسلمان کا مال اسکی تو اسکی طیبِ نفس سے ہی حلال ہوتا ہے لیکن جان تو طیبِ نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہٰذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہو، پھر سزا کے طور پر اسکی جان کو کوئی نقصان پہچایا جارہا ہو تو یہ تو سب کے نزدیک جائز ہے، تو پھر مال جو طیبِ نفس سے حلال ہوجاتا ہے وہ جرم کے ارتکاب سے بدرجہ اولیٰ حلال ہوجانا چاہئے؟ (درس ترمذی ۲/۱۱۸، ۱۱۹)۔

نیز یہ کہ انھوں نے جو نسخ کا دعوی کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس کے خلاف صحابہ کرام کا عمل موجود ہے۔ جب عمل موجود ہے تو اسے (تعزیر بالمال کے جواز کو) منسوخ ہونے کا دعوی کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

نیز تعزیر بالمال کا حکم خلافِ شریعت نہیں ہے، بلکہ سیاستاً مصلحت وفائدہ کی وجہ سے قائم کیا گیا ہے جیسا کہ صاحبِ معین الحکام علامہ علاء الدین طرابلسیؒ فرماتے ہیں:

"قال القرافي: واعلم أن التوسعة على الحكام في أحكام السياسية ليس مخالفًا للشرع، بل تشهد له الأدلة المتقدمة"۔

اس مسئلہ میں امام شافعی واصحاب شوافع کا راجح مسلک عدم جواز کا ہے لیکن چند وجوہات کی بنا پر قولِ قدیم کو ترجیح دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) جواز کے قائلین کے دلائل زیادہ صحیح اور زیادہ مضبوط ہیں۔

(۲) عدمِ جواز کے قائلین نے جن دلائل سے استدلال کیا ہے وہ عام ہیں اور جواز کے قائلین کے دلائل خاص ہیں، لہذا دلائل عامہ کی دلائلِ خاصہ سے تخصیص کی جائے گی (اللمع)۔

(۳) مالی سزا کا وقوع آپ ﷺ سے پہلے بھی تھا اور آپ ﷺ کے زمانہ میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے اور آپ ﷺ کے بعد صحابۂ کرام نے بھی اس پر عمل کیا۔

(۴) ہماری ملکی مصلحت بھی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ تعزیر مالی جائز ہونا چاہیے، اس لیے کہ آج ہندوستان کے جو حالات ہیں ان حالات میں کسی کو بدنی سزا دینا مناسب ہی نہیں ہے، اس لیے عقلمندی کا تقاضہ یہی ہے کہ مالی جرمانہ کو جائز قرار دیا جائے۔

(۵) شریعتِ اسلامیہ میں جو سزائے مقرر کی گئی ہیں ان کے چند مقاصد ہیں:

(۱) معاشرہ جرائم کے ارتکاب سے محفوظ رہے

(۲) لوگوں کی اصلاح ہو جائے اور ان کا ٹیڑھا پن دور ہو۔

(۳) معاشرہ میں امن وامان قائم ہو

(۶) شوافع کے یہاں بھی کچھ ایسی نظیریں ملتی ہیں جن سے صراحتاً مالی جرمانہ کا جواز تو نہیں البتہ اس مسئلہ میں ان سے شریعت کا ایک مزاج معلوم ہوتا ہے:

(۱) اگر غاصب کسی کی کوئی چیز غصب کرلے تو اس کے لیے اسی چیز کو دوبارہ اس کے مالک کو واپس کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ چیز اس کے پاس سے تلف ہو جائے تو اس کا مثل لوٹانا ضروری ہے، اگر اس سے عاجز ہو تو اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہے۔

مثال میں شریعت میں مالی حقوق میں تعدی کی بنا پر غاصب پر اس چیز کا مثل یا اس کی قیمت کو لازم کیا۔

(۲) مالی حقوق میں تعدی کی بنا پر مالی سرزنش کی ایک نظیر یہ بھی ہے کہ اگر کوئی اجنبی شخص عقد خیار میں مبیع کو تلف کرے تو شریعت اس پر اس کا تاوان لازم کرتی ہے۔

(۳) مالی حقوق میں تعدی کی ایک اور نظیر یہ بھی ہے کہ بائع اگر مشتری کو بیع میں دھوکہ دے اور مشتری کو اس بات کا علم نہ ہو پھر بعد میں وہ اس پر مطلع ہو جائے تو شریعت مشتری کو خیار دیتی ہے کہ وہ اس چیز کو واپس لوٹائے یا عیب پر راضی رہتے ہوئے اس چیز کو اپنے پاس رکھ لے۔

اس مثال میں بھی شریعت نے سزا کے طور پر مال کو واپس لوٹانے کا حکم دیا۔ اسی طرح بہت ساری مثالیں ''بیوع، حدود، کفارات اور جنایات'' میں ملتی ہیں جو اس مسئلہ میں صریح تو نہیں، لیکن اس سے شریعت کے مزاج اور روح کا اندازہ ہوتا ہے اور ان پر

دوسری تعزیرات کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

(۷) جب بدنی سزا دینا دشوار ہو جائے تو اب شریعت یہ کہتی ہے کہ اب مالی سزا کو جاری کرنا چاہیے اور آج ہمارے ہندوستان کے حالات بھی کچھ اس طرح ہیں کہ کسی پر بدنی سزا کو جاری کرنا قانوناً جرم ہے، لہذا ایسی صورتِ حال میں مناسب یہی ہے کہ مالی سزا کو نافذ کیا جائے۔ امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الاشباہ والنظائر'' میں قاعدہ ''درء المفاسد أولی من جلب المصالح'' میں اس بات کو ذکر کیا ہے کہ جب مصلحت اور مفسدہ میں تعارض ہو جائے تو پہلے مفسدہ کو دور کیا جائے گا پھر مصلحت کو حاصل کیا جائے گا، لہذا اسی قاعدہ کے پیشِ نظر بدنی سزا جاری کرنے کے بجائے مالی سزا کو ہی جاری کرنے میں مصلحت معلوم ہوتی ہے تا کہ فتنہ سے محفوظ رہے۔

(ز) ہم جس ملک میں رہتے ہیں وہ ایک سیکولر ملک ہے جس کی وجہ سے یہاں اسلامی قوانین حدود وتعزیرات کا فقدان ہے۔ ایسی صورتحال میں بہت سے مسائل کا حل پیچیدہ اور دشوار ہو گیا ہے، یعنی جرائم اور معاصی کی روک تھام کے لیے نہ ہی زبانی فہمائش کافی ہوتی ہے اور نہ جسمانی سزا کا کوئی موقع ہوتا ہے مثلاً طلاق کا بے جا استعمال، مطالبۂ جہیز اور شادی میں منکرات اور فواحش کا رواج اور اس طرح کے بہت سے مسائل ہیں۔ اکثر اوقات دیکھا یہ جاتا ہے کہ مسلمانوں کی انجمنیں، ادارے اور تنظیمیں اس کے سدِ باب کے لیے کھڑی ہوتی ہیں اور جرمانہ وغیرہ مقرر کرتی ہیں تو اس کے خوشگوار نتائج سامنے آتے ہیں اور ان کے لیے اس سزا کے سوا دوسری کوئی شکل عملاً ممکن بھی نہیں ہوتی؛ کیونکہ اگر وہ جسمانی سزا سے کام لے تو یہ قانوناً جرم ہے اور اس سے بڑے فتنہ کے پیش آنے کے احتمالات ہیں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے اور ریلوے، بس، ٹریفک وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے ایسی صورتحال میں مناسب تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کے راجح قول کو چھوڑ کر قولِ قدیم یعنی مرجوح قول کے مطابق مالی تعزیرات کے جواز کے فیصلہ کیا جائے، اس لیے کہ راجح قول کے مطابق فیصلہ کرنے میں فتنوں میں پڑنے اور بہت ساری دشواریوں کا سامنا کرنے اور مشقتوں میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے؛ اس لیے ''الضرر یزال'' اور ''المشقۃ تجلب التیسیر'' کے قاعدے پر عمل کرتے ہوئے مرجوح قول کو اختیار کرنا کوئی بعید امر معلوم نہیں ہوتا، چنانچہ صاحب ''بغیۃ المسترشدین'' علامہ باعلویؒ فرماتے ہیں:

''یجوز تقلید ملتزم مذهب الشافعي غير مذهبه أو المرجوح فيه للضرورة أي المشقة التى لا تحتمل عادةً اما عند عدمها فيحرم'' (بغیۃ المسترشدین رص ۱۵)۔

(ح) فقہاءِ شوافع کا راجح مسلک تو یہی ہے کہ مالی جرمانہ لگانا جائز نہیں ہے۔ لیکن ہندوستان کے حالات اور قوانین کے مطابق تعلیمی اداروں میں طلبہ کو ان کی مختلف غفلتوں اور کوتاہیوں پر بدنی سزا دینا بھی مناسب نہیں، بلکہ بسا اوقات یہ بہت بڑے فتنہ کا سبب بن جاتا ہے جس کی وجہ سے ادارہ کو بڑی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کے برخلاف اگر مالی جرمانہ پر نظر ڈالی جائے تو اس کے مثبت پہلو نظر آتے ہیں اس طرح کے فتنہ وغیرہ کا اندیشہ نہیں ہوتا ایسی صورتحال میں مفسدہ کو دور کر کے مصلحت پر عمل کرنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے، گرچہ ہمارا راجح مسلک عدم جواز کا ہے، لیکن حالات کے پیش نظر مرجوح قول کے مطابق مالی جرمانہ کو جائز قرار دینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تعزیر بالمال شریعت کی روشنی میں

مولانا محمد عباس بن یوسف سعادتی ☆

۲-تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب؟

امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں اصل یہ ہے کہ مال لیکر تعزیر جائز نہیں ہے، ظاہری مذہب یہی ہے اور مفتی بہ بھی۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ وامام محمدؒ اس کی اجازت نہیں دیتے (ابن عابدین ۳/ ۱۸۴)۔

بلکہ امام محمدؒ نے اپنی کتابوں میں سے کسی میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے (فصول الاستروشنی ص: ۷)۔

قال فی رد المحتار: "لا بأخذ مال فی المذهب" (۶/ ۱۰۵)۔

"ولا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی" (الفتاوی الهندیة، کتاب الغصب الباب السابع فی حد قذف، فصل فی التعزیر ۲/ ۱۶۷، البحر الرائق، کتاب الحدود ۲/ ۶۸، النهر الفائق ۳/ ۱۶۵)۔

"والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال" (البحر ۵/ ۴۱)۔

"قال العلامة علی القاری: وقال أبو حنیفة و مالک و الشافعی و احمدؒ: لا یجوز" (شرح النقایة ۲/ ۳۹۷)۔

"قال العلامة محمد جعفر السندیؒ: لم یذکر محمدؒ التعزیر بأخذ المال" (المتانه ۵۴۵)۔

"الأصل فی مذهب أبی حنیفة أن التعزیر بأخذ المال غیر جائز، فأبو حنیفة و محمد لا یجوز، بل أن محمدؒ لم یذکره فی کتاب من کتبه" (الموسوعة الکویتیه ۱۲/ ۲۷۰)۔

۳-تعزیر بالمال کی بابت ائمہ حنفیہ میں کیا کسی کا قول جواز کا ہے اور اس کی کیا حیثیت ہے؟

(الف) حضرت قاضی ابویوسفؒ کی طرف تعزیر بالمال کے جواز کی نسبت منقول ہے۔

"عن أبی یوسفؒ أن التعزیر بأخذ المال جائز للإمام" (تبیین الحقائق ۳/ ۲۰۸، امدادیہ ملتان قدیم)۔

"أما أبو یسفؒ فقد روی عنه أن التعزیر بأخذ المال من الجانی جائز، إن رای فیه مصلحة" (الموسوعة الکویتیه ۱۲/ ۲۷۰)۔

☆ خادم جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، بھروچ، گجرات۔

"یجوز تعزیرہ بأخذ المال مبنی علی اختیار من قال بذلک من مشائخ کقول أبی یوسف" (فتح القدیر ۵/۳۳۰)۔

"وعن أبی یوسفؒ یجوز التعزیر لسلطان بأخذ المال" (الدر مع الرد ۶/۱۰۵)۔

(ب) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعزیر بالمال کے جائز ہونے کا کیا مطلب ہے۔اس سلسلہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔تعزیر بالمال کے مفہوم کے ضمن میں (بزازیہ)۔

(ج) قول جواز کی حیثیت: یہ ایک ضعیف روایت ہے اور اکثر کتب میں یہ روایت صیغۂ تمریض کے ساتھ منقول ہے۔ اس پر فتوی نہیں دیا جا سکتا ہے۔

"قال ابن عابدینؒ: و مثلہ فی المعراج و ظاهرہ أن ذالک روایة ضعیفة عن أبی یوسفؒ، قال فی الشرنبلالیة: ولا یفتی بهذا لما فیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس، فیأکلونه" (ردالمحتار ۳/۱۸۴)۔

البتہ امام ابو یوسفؒ چونکہ خود قاضی تھے اور انہیں مجرموں سے نمٹنا پڑتا تھا۔اس لئے بظاہر ان کی رای تجربہ پر مبنی ہے اور ویسے بھی یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔

۴- کیا فقہاء حنفیہ میں کسی کا فتوی اس قول کے موافق ہے؟

(ا) برصغیر کے مشہور فقیہ علامہ عبدالحیؒ لکھنویؒ کی یہی رائے تھی۔

استفتاء: پنچوں میں یہ دستور ہے کہ جو شخص کوئی برا کام کرتا ہے، اسے برادری سے خارج کر دیتے ہیں پھر جرمانہ لیکر اسے برادری میں شریک کرتے ہیں اور اس رقم کی شیرینی وغیرہ منگا کر سب پنچ کھاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: تنبیہ کے لئے یہ جرمانہ لینا جائز ہے (مجموعۃ الفتاوی مترجم ۳/۴۸، کتاب القضاء استفتاء ۲)۔

(۲) فتاوی دارالعلوم زکریا، افریقہ جلد ۴، مقالہ تنقیح المقال فی حکم التعزیر بالمال میں جواز کا فتوی ہے (ص: ۵۷۴)۔

استفتاء: اکثر و بیشتر حکومتیں مسلمان ہوں یا غیر مسلم قوانین کی خلاف ورزیوں پر مالی جرمانہ لگاتی ہیں۔بعض قبائل بھی قوانین کی خلاف ورزی پر یا خلافِ شریعت کام کے ارتکاب پر جرمانہ عائد کرتے ہیں، ہمارے ہاں پاکستان اور افغانستان کے درمیان والے قبائل میں جرگہ سسٹم رائج ہے اور اکثر قانون توڑنے پر مالی سزا دی جاتی ہے اس کی وجہ سے نظام ٹھیک چلتا ہے، مالی سزا کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان سے مال وصول کیا جائے، بعض دفعہ ان کے گھر یا مال کو ضائع کر کے جلاتے ہیں، بعض مرتبہ دیر سے حاضری پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، ان جرمانوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: مالی جرمانہ عائد کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔علامہ شامیؒ نے عدم جواز کو ترجیح دی ہے، بعض فقہاء نے امام ابو یوسفؒ کے قول کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے کہ دراصل یہ جرمانہ وقتی طور پر بطورِ تنبیہ عائد کیا جائے، نہ بادشاہ خود لے سکتا ہے اور نہ قاضی، نہ بیت المال میں جمع کیا جا سکتا ہے،

بلکہ محفوظ رکھا جائے گا اور جرم سے باز آنے پر واپس کیا جائے گا۔

(۳) علامہ مفتی عبدالقادر آفندی بھی فتاوی بزازیہ کے مطابق فتوی دیا ہے (واقعات المفتین:۵۹)۔

(۴) فتاوی امارات شرعیہ شریف پٹنہ میں بھی جواز کا فتوی ہے (۱/۲۵۷،۲۹۰)۔

استفتاء: ایک شخص نے زنا کیا۔ پانچ آدمی مل کر اس کے ساتھ کھانا پینا ترک کر دیا۔ بعدہ ۵۰۰ روپیہ اور دو شام کا کھانا لے کر اس کا قصور معاف کر دیا۔ ایسا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: زنا کرنے والے نے جب توبہ کرلیا اور اپنے قصور پر نادم ہوا اور آئندہ زنا نہ کرنے کا عہد کیا تو اس کو برادری میں شامل کر لینا اچھا ہوا۔ باقی جرمانہ نقد و کھانا بمنزلہ صدقہ نافلہ ہوگا، تا کہ نقصان مالی کے خیال سے نفس امّارہ آئندہ گناہ پر جرأت نہ کرے۔

ان کے علاوہ مفتی تقی عثمانی صاحب (تقریر ترمذی ۲/۱۱۸) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (قاموس الفقہ ۲/۴۷۹، جدید فقہی مسائل ۳/۲۴۶)، مولانا مجیب اللہ ندویؒ (اسلامی فقہ ۳/۲۸۰) بھی جواز کے قائل ہیں۔

۵- ائمہ ثلاثہ یا مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال اس بابت کیا ہیں؟ کیا ان مذاہب میں اس بابت کچھ گنجائش منقول ہے؟

(الف): تینوں مذاہب میں تعزیر بالمال جائز نہیں ہے۔

مالکی ائمہ کی عبارات: " **قال العلامة الدسوقی المالکی: "لایجوز التعزیر بأخذ المال إجماعًا"** (حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/۳۵۵)۔

"**قال العلامة احمد بن محمد الصاوی المالکیؒ: وأما التعزیر بأخذ المال، فلا یجوز إجماعًا**" (حاشیہ الصادی علی الشرح الصغیر ۴/۵۰۴، بلغۃ السالک لاقرب المسالک للصاوی ۲/۴۰۷)۔

"**والخلاف فی طرح المغشوش والتصدق به وحرق الملاحق الردیةالنسج، وشبه ذلک إنما هو من باب العقوبةفی المال لا من العقوبة به**" (فتح الجلیل)۔

شافعی ائمہ کی عبارات: امام شافعی علیہ الرحمہ قول جدید کے مطابق عدم جواز کے قائل ہیں۔

"**قال العلامة النووی الشافعیؒ: ویحرم حلق لحیته وأخذ ماله**" (تکملۃ المجموع ۲۰/۱۲۵)۔

"**قال الإمام الشروانی الشافعیؒ: لایجوز علی الجدید بأخذ المال**" (حواشی الشروانی ۹/۱۷۹)۔

"**قال ابو الضیاء علی بن علی القاهری الشافعیؒ: لایجوز علی الجدید بأخذ المال**" (حاشیہ ابی الضیاء علی نہایۃ المحتاج ۸/۱۹)۔

حنبلی ائمہ کی عبارت: حنابلہ کے یہاں معتمد قول عدم جواز ہی کا ہے۔

"قال البهوتی: ویحرم تعزیر بأخذ مال أو اتلافه ؛لأن الشرع لم یرد بشی من ذلک ممن یقتدی به"(شرح منتہی الارادات ۳/ ۳۶۲)۔

"قال ابن قدامه: ولایجوز قطع شیء منه ولاجرحه ولا أخذ ماله" (المغنی:۱۲/ ۴۶۹)۔

"قال صاحب منار السبیل: ویحرم حلق لحیته وأخذ ماله"(۲/ ۳۸۷)۔

"قال وهبة الزحیلی: لایجوز التعزیر بأخذ المال فی الراجح عند الأئمة"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۱۸۹)۔

(ب) کیاان مذاہب میں اس بابت کچھ گنجائش منقول ہے؟

تینوں مذاہب میں گنجائش منقول ہے۔ذیل میں فقط عبارات نقل کی جارہی ہے۔

"أثبت ابن تیمیه وتلمیذه ابن القیم أن التعزیر المالی مشروع فی مواقع مخصوصة فی مذهب مالک فی المشهور عنه، ومذهب أحمد واحد قولی الشافعی"(الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ:۴۹)۔

ابن فرحون مالکی فرماتے ہیں: مالکیہ مال لیکر تعزیر کے قائل ہیں (الحسبہ: ۴۰)،اورانہوں نے کچھ مخصوص مقامات کا ذکر کیا ہے(تبصرۃ الحکام/ ۲۶۸، الطرق الحکمیہ/ ۲۵۰)۔

دکتور عقیل بن عبدالرحمٰن اپنی کتاب "التعزیر بالمال دراستہ فقہیہ مقارنہ" میں لکھتے ہیں:

"القول الاول : جواز التعزیر بأخذ المال، وهذا مذهب الحنابله"(کشاف القناع ۶/ ۱۲۶، الحسبۃ ص ۴۷،الاختیارات الفقہیہ من فتاوی شیخ الاسلام ص ۳۰۰، زادالمعاد ۳/ ۲۱۲، الدرر السنیۃ ۶/ ۴۵۶) ومالک فی المشهور عنه (الاعتصام للشاطبی ۲/ ۲۹۹،تبصرۃ الحکام ۲/ ۲۹۸) والشافعی فی القدیم (المجموع شرح المہذب ۵/ ۳۳۴، معالم القربۃ فی احکام الحسبۃ ۲۸۹، فتح العلام شرح مرشدالانام ۳/ ۹۰۶)۔

"والشافعیة أیضا رجحوا مذهب الشافعی القدیم کما نقلناه عن الإمام النووی مما یدل علی أن الفروع الفقهیه تؤید إلی حد ما مشروعیة التعزیر بالمال من حیث الجملة" (حکم التعزیر بالمال ص ۲۰۵ بحوالہ الحسبۃ ۶۵)۔

۶-قول ضعیف اور مذہب غیر پر فتوی:

جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے جب زبانی فہمائش کافی نہ ہواورجسمانی سزا کا بھی کوئی موقع نہ ہوتوضرورۃً مذہب غیر یا مذہب کے قول ضعیف پر جواز وگنجائش کے قول پرفتوی دیا جاسکتا ہے۔

ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف بوقت ضرورت عدول کے چند اسباب ہے،من جملہ اسباب کے ایک یہ ہے کہ مقتضیات زمانہ میں تبدیلی ہے اورضرورت بھی۔

علامہ شامی فرماتے ہیں :"فکثیرمن الأحکام یختلف باختلاف الزمان فتغیر عرف أهله او حدوث ضرورة أو فساد أهله بحیث لو بقی الحکم علی ماکان علیه أولا للزم عنه المشقة والضرر بالناس ولخالف القواعد الشرعیة المبنیة علی التخفیف والتیسیر ورفع الضرر والفساد لبقاء العالم علی أتم نظام وأحسن أحکام"(رسائل ابن عابدین ۱/۱۲۶)۔

بہت سے احکام ہیں جو زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدل جاتے ہیں، اس لئے کہ اہل زمانہ کا عرف بدل جاتا ہے، نئی ضرورتیں پیدا ہوجاتی ہے، اہل زمانہ میں فساد (اخلاق) پیدا ہوجاتا ہے، اب اگر حکم شرعی پہلے ہی کی طرح باقی رکھا جائے تو یہ مشقت اور لوگوں کے لئے ضرر کا باعث ہوجائیگا اور ان شرعی اصول وقواعد کے خلاف ہوجائیگا جو سہولت، آسانی اور نظام کائنات کو بہتر اور عمدہ طریقے پر رکھنے کے لئے ضرر وفساد کے ازالہ پر مبنی ہے۔

نیز ضرورت کی بنا پر اجازت اس بات پر موقوف نہیں کہ جس دوسری رائے کی طرف عدول کیا جارہا ہو وہ زیادہ قوی ہو، بلکہ زیادہ قوی رائے کو چھوڑ کر نسبتاً ضعیف رائے کی طرف انتقال بھی جائز ہے۔

چنانچہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:"فقد ذکر فی حیض البحر فی بحث ألوان الدماء أقوالاضعیفة، ثم قال: وفی المعراج عن فخر الأئمة: لو افتی المفتی بشئ من هذه الأقوال فی مواضع طلبا للتیسر کان حسنا۔ کذاقول أبی یوسف فی المنی إذا خرج بعد فتور الشهوة لایجب به الغسل ضعیف، وأجازوا العمل به للمسافر أو الضیف الذی خاف الریبة، کما سیأتی فی محله، وذلک من مواضع الضرورة"(الشامی ۱/۵۱)۔

''بحر'' میں احکام حیض میں دم حیض کے رنگ کی بابت مختلف ضعیف رائیں ذکر کی گئی ہیں، معراج میں فخر الائمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر مواقع ضرورت میں طلب سہولت کے لئے کوئی مفتی ان اقوال میں سے کسی قول پر فتوی دیدیگا تو بہتر ہوگا، امام ابو یوسفؒ نے فتور شہوت کے بعد خروج منی کی صورت میں کہا ہے کہ غسل واجب نہ ہوگا، یہ قول ضعیف ہے، لیکن مسافر یا مہمان جو تہمت کا خوف رکھتا ہو اگر اس پر عمل کرلے جیسا کہ اپنے موقع پر بحث میں آئیگا اور یہ موقع ضرورت میں سے ہے (مزید تفصیلات عبارات اور نظائر کے لئے دیکھیں، سہ ماہی بحث ونظر شمارہ ۷، ۸، ۱۳)۔

اس مختصر گفتگو کے پیش نظر امام ابو یوسفؒ کے قول ضعیف غیر مفتی بہ پر اور جمہور ائمہ کے یہاں گنجائش کی وجہ سے بر بنائے ضرورت اصل مذہب سے عدول کرکے فتوی دیا جاسکتا ہے۔ بلکہ علماء نے فتوی دیا ہے جیسا کہ سوال نمبر ۴ کے جواب میں ذکر کیا گیا ہے۔

۷، ۸، ۹-مختلف کوتاہیوں پر مالی جرمانہ:

تینوں سوالات کا حاصل قدرے مشترک ہے، کیا تعلیمی اداروں، انجمنوں، برادریاں اور مختلف سوسائٹیاں نظم ونسق اور عمومی ماحول کی بقاء اصلاح اور استحکام کے لئے مالی جرمانہ عائد کرسکتے ہیں یا نہیں؟

تعزیر بالمال کے سلسلہ میں روایات متعارضہ اورادلہ ?ظنیہ کی وجہ سے علماء میں اختلاف رہا ہے، گویا یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

چنانچہ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ”**والصواب أنه يختلف باختلاف المصالح ويرجع فيه إلى اجتهاد الأئمة فى كل زمان ومكان بحسب المصلحة إذ لا دليل على النسخ وفعله الخلفاء الراشدين ومن بعدهم من الأئمة**“(اعلام الموقعن، فصل فی تغریم المال ۲/ ۱۱۷)۔

الغرض اس باب میں دو جماعتیں ہیں جو حضرات عدم جواز کے قائل ہیں انہوں نے فقہی اصول: سدالذریعۃ کی تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ اگر جواز کا قول کیا جائے تو لوگوں کے اموال پر ظالم حکام کی دست درازی شروع ہوجائے گی اور اموال غیر محفوظ ہوئیں گے، چنانچہ علامہ وہبہ زحیلی ”التعزیر بالمال“ کے عنوان کے تحت مسالک اربع کے بنیادی مراجع کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”**لايجوز التعزير بأخذ المال فى الراجح عند الأئمة لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه**“(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۱۸۹ تھانوی)۔

مذکورہ بالا حکمت ومفسدہ فی نفسہ صحیح اور کثیر الوقوع ہے، تاہم صورت مسئلہ میں تعلیمی ادارے انجمنیں اور برادریاں پہلے سے مختلف جرائم کی ایک رقم مقرر رکھتے ہیں، اس لئے ظلم کا دروازہ کھلنے کا امکان نادر ہے، جیسا کہ علامہ عبدالقادر عودہ نے اپنی کتاب: ”**التشريع الجنائى الاسلامى مقارنا بالقانون الوضعى**“ میں اپنے اسلامی ممالک کی صورت حال کو بتلاتے ہوئے لکھا ہے:

”**وفى عصرنا الحاضر حيث نظمت شئون الدولة، وروقبت أموالها وحيث تقرر الهيئة التشريعية الحدالأدنى والحد الأعلى للغرامة وحيث ترك توقيع العقوبات للمحاكم لم يعد هنا محل للخوف من مصادرة أموال الناس بالباطل**“ (۱/ ۶۱۰)۔

خلاصہ یہی ہے کہ عدم جواز کی جو علت ذکر کی گئی ہے وہ فی نفسہ کثیر الوقوع ہونے کے باوجود مسئولہ صورتوں میں نادر ہے اور نادر وقلیل الوقوع امور پر مسائل کی بنیاد نہیں رکھی جاتی۔ چنانچہ علامہ شاطبیؒ نے ذرائع کی باعتبار مال ونتیجہ کے اقسام ذکر کی ہے، اس میں دوسری قسم کچھ اس طرح ہے۔

”**الثانى: مايكون أدائه إلى المفسدة نادرا، كحفر البئربموضع لايؤدى غالبا إلى وقوع أحد فيه.... وهذا مباح باق على أصله من الإذن فيه، لأن الشارع إناط الأحكام بغلبة المصلحة، ولم يعتبر ندور المفسدة إذ ليس فى الأشياء خير محض ولا شر محض ولا توجد فى العادة مصلحة خالية فى الجملة من المفسدة**“ (الموافقات فی اصول الاحکام ۲/ ۲۴۲)۔

اسی طرح علامہ قرافیؒ نے الفروق میں قسم ثانی کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

”**القسم الثانى: ما أجمعت الأمة على عدم منعه، وأنه ذريعة لاتسدوسيلة لا تحسم كالمنع من زراعة العنب خشية الخمر، فلم يقل به أحد.(لأن المفسدة قليلةبالنسبة إلى الانتفاع بالعنب ،ومثل ذلك**

کل فعل فیہ منفعة راجحة، وإن کان یترتب علیہ فی بعض الحالات ضرر "(۲/ ۳۲)۔

دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی مصلحت مفسدہ سے اور کوئی مفسدہ کسی مصلحت سے خالی نہیں ہوتا، کیونکہ چیزوں میں خالص خیر اور کوئی خالص شر نہیں ہے، لہذا ندرت پر احکام کی بنیاد نہیں رکھی جائے گی، لہذا عدم جواز کا قول بھی نہ کر کے جواز کا قائل ہوا جائے گا۔

اور اگر جمہور کی بیان کردہ وجہ مذکورہ صورتوں میں بھی کثیر الوقوع ہو تو پھر دونوں فریق کے ضرر کی نوعیت پر حکم کا مدار ہوگا، چنانچہ جانی پر مالی تاوان دینے میں ضرر ہے تو یہ ضرر فرد خاص کا ہے برخلاف ادارہ یا انجمن کا ضرر کی وہ عام ہے، وہ فردی ضرر ہے یہ جماعتی وعمومی ضرر ہے، تو ضرر دونوں جانب ہے تو قواعد ذیل کی بنا پر مالی تاوان کے جواز کو ترجیح دی جائے گی۔

(۱)" **یرتکب أخف الضررین وأهون الشرین** "(۲)" **یتحمل الضرر الأدنی لدفع الضرر الاعلی**"
(۳)" **یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام**"(دین میں ترجیحات از یوسف القرضاوی ۴۹)۔

نیز تعزیر بالمال کا حکم خلاف شریعت نہیں ہے، بلکہ سیاسۃً مصلحت وفائدہ کی وجہ سے قائم کیا گیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں علامہ علاء الدین طرابلی حنفی فرماتے ہیں:

"**قال القرافی: واعلم أن التوسعة علی الحکام فی الأحکام السیاسة لیس مخالفًا للشرع**"(معین الحکام ۱۷۶)۔

خلاصہ کلام یہ کہ تعزیر بالمال جائز ہے، البتہ ابتداء میں تعزیر بالمال کا جو مفہوم فقہاء احناف کی طرف سے پیش کیا گیا اس کے مطابق یہ مال ایک مدت تک قابض ادارے کے پاس رہیگا اور توبہ کر لے تو کسی اچھے کام پر اسی کی رقم بطور انعام کے دیدی جائے یا اسی جانی کی ضرورت میں صرف کی جائے۔

اور اگر اس مال کو ادارے یا رفاہی ضروریات کے لئے استعمال کرنا ہے تو پھر اس کی چند شکلیں ہوسکتی ہیں۔لیکن یہ خاصۃ سوال نمبر ۷ سے متعلق ہے، سوال نمبر ۸ اور ۹ کو بھی اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

(۱) جو طلبہ ادارہ سے وظیفہ لیتے ہیں ان کے وظیفے سے روک لینا جائز ہے:"**فإنه لیس أخذشیء من ملکهم، بل امتناع تملیک شی منهم**"(کیونکہ یہ ان کی ملکیت سے کوئی چیز لینا نہیں ہے، بلکہ اس چیز کو ان کی ملک میں جانے سے روکنا ہے، اور جو طلبہ فیس نہیں دیتے جس روز جماعت میں حاضر نہ ہو(یا اس طرح کوئی خلاف روزی کرے) دوسرے روز ان سے کہا جائے کل تم نے یہ حرکت کی تھی، اس لئے آج اتنی اتنی فیس دئے بغیر تم سبق میں حاضر نہیں ہوسکتے۔اور جو طلباء ماہانہ فیس ادا کرتے ہیں اس مہینے ان سے مزید کچھ نہ لیا جائے، دوسرے مہینے کے شروع پر ان سے کہا جائے کہ گزشتہ مہینے تم نے یہ حرکت کی تھی، اس لئے اس مہینہ تم کو تعلیم نہیں دی جائے گی جب تک اس قدر زائد فیس نہ داخل کرو اور یہ جائز ہے، اس لئے کہ اجارہ بہ تدریج منعقد ہوتا ہے۔ "**وذالک لأن الإجارة تنعقد شیئا فشیئا**"۔

(۲) یہ صورت بھی ممکن ہے کہ ہر مہینہ کے شروع میں طلبہ کو کوئی خفیف قیمت کی چیز مثلاً قلم، کاغذ یا دیگر ان کی تعلیمی ضروریات سے متعلق ہو تقسیم کیا جائے اور یہ تقسیم بطور بیع ہو اس قیمت کو جو انتہائی جرمانہ حرکات کا ان کے ذمہ ہو سکے مثلاً یہ قلم ۲۰ روپے میں ہم نے تمہارے ہاتھ بیچ دیا اور ان سے کہہ دیا جائے کہ یہ بیع قطعی ہے اس میں کوئی شرط نہیں، ہم اس سے جدا ایک وعدہ احسانی تم سے کرتے ہیں کہ اگر تم نے اس مہینے کوئی حرکت کی نہیں تو مہینہ کی انتہاء پر پوری قیمت معاف ہے اور اگر حرکت کی تو کل ثمن یا بعض تم سے وصول کیا جائے گا۔

اسی کے قریب قریب دوسری صورت یہ ہے کہ اسکول یا مدرسہ کی جو کل سال کی یا ماہانہ کی فیس ہے اس میں کچھ اضافہ کیا جائے مثلاً ۵۰۰ ہے تو ۷۰۰ یا ۵۰۰ ہے تو ۶۰۰ اور کہہ دیا جائے کہ اسکول اور مدرسہ کے ضوابط کے خلاف ورزی کی تو یہ کل رقم بطور فیس ادارہ کی مالیت شمار ہوگی اور بصورت دیگر زائد رقم واپس کی جائے گی۔

یہ دونوں صورتیں بظاہر جائز ہوگی۔

چنانچہ ردالمحتار'' باب المہر '' کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: ''**ولا يلزم فساد البيع بالشرط المعهود القائم مقام الملفوظ لتقدم التصريح بنفيه والصريح يفوق الدلالة، كما أفاده الإمام**''(۱۰/ ۲۰۲ مطبوعہ مجتبائی دہلی)۔

اور شرط معہود سے جو کہ ملفوظ کے قائم مقام ہو بیع کا فاسد ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ پہلے اس کی صراحۃً نفی ہو چکی ہے اور صراحۃ کو دلالت پر ترجیح حاصل ہے۔

نیز اسکول و مدرسہ میں جانبین میں جو معاملہ ہے یہ عقد اجارہ ہے اور اجارہ کی ایک صورت علماء نے ذکر کی ہے۔ کسی نے درزی سے کہا: ''**إن خطته اليوم فبدرهم أو غدا فبنصف درهم**'' یعنی آج اگر سل کر دیگا تو ایک درہم اجرت اور کل دیا تو نصف درہم اجرت دونگا۔

یہ صورت فقہاء کے یہاں مختلف فیہ ہے، امامؒ کے یہاں شرط اول صحیح ہے، امام زفرؒ کے یہاں دونوں شرطیں فاسد ہے۔ البتہ حضرات صاحبین کے یہاں اور امام احمدؒ کی ایک روایت ہے کہ دونوں شرطیں صحیح ہے (المغنی ۶/ ۹۸، مختصر اختلاف العلماء الطحاوی ۳/ ۱۳، شرح مختصر الخلیل ۷/ ۱۷)، تو اس سے بھی مذکورہ صورت میں استیناس کیا جاسکتا ہے۔

(۳) ایک شکل یہ ہوسکتی ہے کہ زجر و توبیخ کے لئے ان پر ایک ماہ یا اس سے کم کی کھانے یا رہائش یا اساتذہ کے پڑھانے وغیرہ کی اجرت مقرر کر دی جائے تاکہ طلبہ غیر حاضری، تاخیر وغیرہ سے باز آجائے (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۵۳۶، جامع الفتاوی ۷/ ۳۰۸)۔

(۴) ایک طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس طرح کی حرکات پر طالب علم کو خارج قرار دیا جائے، یہ غیر حاضری وغیرہ کی سزا ہوئی اور آئندہ کو داخلہ کرنا اہل مدارس کے ذمہ واجب نہیں مباح ہے۔ مباح میں جو کہ متقوم ہو مال کی شرط لگانا جائز ہے یہاں مدرسہ کے مکان سے انتفاع کرنا، تعلیم حاصل کرنا یہ سب امور ایسے ہیں جن پر متولی کو اجرت لینا جائز ہے، پس اجرت میں وہ پیسے لے لئے

جائیں اوراس تقریر کی تصریح کردی جائے تا کہ عقد مبہم نہ رہے(حوالہ سابق)۔

۱۰،۱۱- مذکورہ بالا دونوں سوالوں کا خلاصہ یہ ہے کہ طلاق میں جوافراط وتفریط پائی جارہی ہے اس پر قابو پانے کے لئے یا اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں کے سد باب کے لئے (الف) جن صورتوں میں متعہ مستحب ہیں اس کو واجب قرار دینا۔(ب) یا طے شدہ مہر میں مزید نصف مہر کا وجوب ولزوم ہونا۔ (ج) بوقت عقد نکاح نامہ میں اسکی صراحت کرنا۔ان تینوں امور کا شرعًا کیا حکم ہے؟

جواب :ان امور کے حل کے لئے مختلف پہلوو?ں سے غور کیا جاسکتا ہے جس سے مسئلہ کا حل نکل سکتا ہے۔

(الف) مسئلہ کا حل تعزیر مالی کی شکل میں:

طلاق کا مروج طریقہ خلاف شرع استعمال اوراس میں افراط وتفریط کی بناء پر یہ ''واجب التعزیر جرم'' بن گیا ہے۔چنانچہ صاحب ''احسن الفتاوی'' نے ایقاع طلاق بطریق غیر شرعی کے واجب التعزیر جرم میں شامل کرنے کا فتوی دیا ہے (دیکھئے: ۵/ ۱۹۵،۱۹۶،سعید کمپنی کراچی)،البتہ انہوں نے تعزیر کے دیگر طرق مثلا مقاطعہ (بائکاٹ)،جس کا قول نقل کیا ہے جواس وقت مؤثر تھا لیکن اب یہ چیزیں یا تو مؤثر نہیں (اور قاعدہ ہے:''**كل تصرف تقاعد عن تحصيل مقصوده، فهو باطل**''، ''**أصل النظر فى مآلاة الأفعال معتبر مقصود شرعًا**'') یا ملکی قانون اور ماحول اسکے لئے سازگار نہیں اس لئے تعزیر بالمال ہونی چاہے۔

اسی طرح دکتور فلاح سعد الدلو نے اپنی کتاب:''**دور التعازير فى الحد من الجرائم فى المجتمع الإسلامى**'' میں''**عقوبة الغرامة المالية**'' عنوان کے ذیل میں ''**تعزير المال على عقوبة الذنب**'' پر گفتگو کرتے ہوئے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:''**سادسا: عقوبة الغرامة المالية وهى الحكم على المذنب بدفع مال عقوبة على ذنبه۔**'' آگے اپر دلیل دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ خلفاء راشدین کے قضایا اس چیز کی مشروعیت کے لئے کافی ہے (ص: ۲۶،۲۷)۔

نیز طلاق کے بارے میں افراط وتفریط کی وجہ سے ہمارا معاشرہ ''حقوق اللہ وحقوق العباد'' میں تعدی کا مرتکب ہے بایں معنی کہ ایک تو شرعی طریقہ کار وحکم کی خلاف ورزیاں ہورہی ہے،دوسری طرف طلاق دینے میں حدتجاوزی کی وجہ سے بندوں کے حقوق بھی تلف ہورہے ہیں،اس لئے معصیت فی حق اللہ ومعصیت فی حق العباد کو بنیاد بنا کر مرد پر مالی تاوان بہ صورت وجوب متعہ یا نصف مہر کی زیادتی نافذ کیا جاسکتا ہے۔چنانچہ محقق ابن ہمام کی تعزیر مالی سے متعلق عبارت میں علامہ تمرتاشی کے حوالہ سے جو قول نقل کیا گیا ہے وہ اسی کی طرف مشیر ہے۔عبارت ملاحظہ ہو:

''**يجوز التعزير بأخذ المال مبنى على اختيار من قال بذلك من المشائخ كقول أبى يوسفؒ، وقال التمر تاشى :يجوز التعزير الذى يجب حقا الله تعالى لكل أحد بعلة النيابة عن الله تعالى**''(فتح القدیر ۵/ ۳۳۰)۔

خلاصہ یہ کہ طلاق کا بے جا استعمال واجب التعزیر جرم میں شامل ہونے کی وجہ سے اورحق اللہ وحق العباد میں تعدی کے

ارتکاب کی وجہ سے اس میں تعزیر بالمال کی گنجائش نکل آتی ہے۔

(ب) مسئلہ کا حل بحث متعہ کی روشنی میں:

(۱) نفس متعہ کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۲۹، ۲۳۶ اور ۲۴۱ میں منقول ہے، لیکن مکمل تفصیلات خاصۃ حکم اور مقدار موجود نہیں ہے جیسا کہ ''الموسوعۃ'' کی عبارت سے مفہوم ہو رہا ہے۔

''لم يرد نص فی تحديد مقدار المتعة ولا نوعها والوارد إنما هو اعتبار حال الزوج من الإعسار و اليسار والأخذ بالمعروف'' (۹۶/۳۶)۔

گو یا یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے جس کی صراحت علامہ زحیلیؒ نے فرمائی ہے: **''فاجتهدالفقهاء فی مقدارها''** (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/۳۰۹)۔

اس لئے موجود حالات کو سامنے رکھتے ہوئے متعہ کی استحبابی صورتوں میں وجوب کی گنجائش ہے، نیز بصورت نقد ایک معقول حد بھی مقرر کی جاسکتی ہے۔

(۲) دکتور وہبہ زحیلیؒ نے حکم متعہ کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد خلاصہ کے اخیر میں فرمایا:

''والظاهر رجحان مذهب الشافعيه لقوة أدلتهم ولتطييب خاطر المراة، وتخفيف ألم الفراق ولا يجاد باعث على العودة إلى الزوجة ان لم تكن البينونة كبرى'' (۷/۳۰۹)۔

یعنی شوافع کے یہاں متعہ واجب ہے (جن صورتوں میں حنفیہ کے یہاں مستحب ہے) اور باعتبار قوت دلائل، عورت کی دلداری، جدائیگی کے غم کا ازالہ اور بینونۃ کبری نہ ہونے کی صورت میں اعادہ زوجیت کے امکان جیسے امور کے پیش نظر مذہب شافعی اس بابت راجح ہے۔

اور قوت دلیل کی بناء پر عدول عن المذہب إلی مذہب آخر کا جواز ہے۔ چنانچہ علامہ علائی سے منقول ہے۔

''والثانية: اذا رأى القول المخالف لمذهب إمامه دليلا قويا راجحا إذا المكلف مأمور باتباع نبيه ﷺ وهذا موافق لما روى عن الإمام أحمد، والقدورى وعليه مشى طائفة من العلماء منهم ابن الصلاح وهمدان'' (تیسیر التحریر ۴/۲۵۵)۔

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے امام نووی کی بھی یہی رائے نقل کی ہے (حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۳۸۳)۔

حاصل یہی ہے کہ مذہب شافعی قوت دلائل کی وجہ سے راجح ہے، اس لئے حنفیہ کے یہاں متعہ کی استحبابی شکلوں میں وجوب کا قول کیا جاسکتا ہے۔

(ج) مسئلہ کا حل فقہ قانونی کی اصطلاح ''شرط جزائی'' کی روشنی میں:

شرط جزائی کی تعریف: (۱) **''الجزاء المرتب على الإخلا ل بالشرط''** (یعنی شرط کی خلاف ورزی پر مرتب

ہونے والی جزاء)۔

(۲)” هو اتفاق بين المتعاقدين على تقدير التعويض“(یعنی متعاقدین کا معاوضہ کی ادائیگی پر اتفاق کر لینا)(دیکھئے: مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی بعدہ ۷،شاملہ)۔

پھر یہ اتفاق عقد کے وقت ہوتا ہے اور کبھی عقد کے بعد اور ضرر لاحق ہونے سے پہلے ہوتا ہے۔

اس قسم کی شرط کے حکم کو ذکر کرنے سے پہلے چند قابل لحاظ امور ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) عقود میں صحیح اور فاسد شروط کی تفصیل منصوص نہیں ہے، کیونکہ اس باب میں بنیادی تین روایتیں ہیں جو باہم مختلف ہیں۔ ۱۔حدیث ابوہریرہؓ (بخاری: ۲۵۶۱، مسلم ۱۵۰۴)، ۲۔حدیث جابرؓ (بخاری: ۲۷۱۸، مسلم ۱۶۰۰)، ۳۔حدیث ابن عمروؓ (ترمذی، ابوداؤد)۔

(۲) شرط کے باب میں متفق علیہ امور: عقد میں شرط کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ مختلف فیہ ہونے کے باوجود چند امور متفق علیہ ہے۔(الف) صلب عقد میں لگائی جانے والی شرط مؤثر ہے، (ب) جو شرط فی نفسہ حرام ہو، جس میں غرر ہو اور جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو یہ تینوں بالاتفاق باطل ہے، (ج) شرط تحت القدرت ہونی چاہیے، (د) جس شرط پر نص وارد ہوتی ہو وہ بھی معتبر ہے، (ھ) جو شرط مقتضاء عقد کے موافق، ملائم، مؤکد ہو وہ بھی معتبر ہے۔

(۳) عقود وشروط کے باب میں ضابطہ: معاملات، عقود وشروط وغیرہ میں اصل اباحت ہے، جب تک اس اصل سے تخصیص پر کوئی دلیل قائم نہ ہو (کتاب لام ۳/ ۳، احکام القرآن للجصاص ۳/ ۲۸۷، بدائع ۶/ ۵۸، تبیین الحقائق ۴/ ۸۷، مجموع الفتاوی ۲۹/ ۱۲۶ تا ۱۲۹)۔

☆ شرط جزائی کا حکم: شرط جزائی امور مستحدثہ میں سے ہے جس کا حکم منصوص نہیں، بلکہ متقدمین میں فقہاء کے کلام میں بھی اس کی تصریح نہیں، لہٰذا اس کو تخریج کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں: ۱۔نظائر پر قیاس کرنا۔ ۲۔اصول عامہ سے استنباط کرنا۔

☆ شرط جزائی کی نظیر: (۱) عربون، عربان دبیعانہ:

”قال ابن قدامة: والعربون في البيع هو أن يشترى السلعة فدفعه إلى البائع درهما أو غيره على أنه إن أخذ السلعة احتسب به من الثمن، وإن لم يأخذ ها فذلک للبائع“(المغنی: ۴/ ۲۸۹)۔

یعنی: کوئی کسی سے سامان خریدے اور بائع کو کوئی رقم اس شرط پر دے کر اگر اس نے سامان لے لیا تو وہ ثمن میں شمار ہوگا ورنہ وہ بائع کی ملک ہوگی۔

اس باب میں روایات مرفوعہ، آثار صحابہ اور تابعین اور مذاہب مختلف ہیں۔ احتیاط عدم جواز میں ہے تاہم ضرورت و حاجت کے وقت جواز کے قول اختیار کیا جاسکتا ہے۔

☆ انطباق: عربون مشتری کی جانب سے عقد کو رد کرنے پر لاحق ہونے والے ضرر کا معاوضہ ہے اور یہاں بے موقع یا

غلط طریق پر طلاق کے اختیار کرنے پر عورت کو ہونے والے ضرر کا معاوضہ (وجوب متعہ یا زیادتی مہر کی شکل) ہے۔

(۲) استصناع: مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی کتاب ''فقہ البیوع'' میں لکھا ہے: ''**يجوز أن ينص في عقد الاستصناع أن المستصنع إن تأخر في قبض المصنوع مدة معينة بعد وقوع التحلية والتمكين من الصانع، فإن المستصنع يوكله ببيعه على حسابه**'' (۱/۶۰۲ بحوالہ ردالمحتار)۔

☆ انطباق: استصناع میں جس طرح ابتداء شرط لگا دی جائے تو گنجائش نکل آتی ہے کہ خلاف ورزی ہونے پر شرط کے مطابق عمل کیا جائے اسی طرح یہاں بھی نکاح نامہ میں منہ زبانی یا کسی اور طریقہ تحریر وغیرہ سے وجوب متعہ یا نصف مہر کی زیادتی کی شرط لگائی جا سکتی ہے۔

اب تک کی بحث کا حاصل یہ ہوا کہ بوقت نکاح ان امور کا التزام کیا جا سکتا ہے اور اس التزام سے آپسی رضامندی کا پہلو نکل آئے گا جو کہ عقود کی بنیاد واساس ہے (الموسوعۃ ۳۰/۲۲۰)، البتہ التزام ایک وعدہ ہے جسکا ایفاء ضروری ہے یا نہیں۔

وعدہ کا ایفاء: اکثر فقہاء کے یہاں دیانۃ ایفاء عہد واجب ہے، قضاء واجب نہیں (احکام القرآن للجصاص ۳/۲۸۳)۔

''**أوفوا بالعقود: وهو عموم في إيجاب الوفاء بجميع ما يشترط الإنسان على نفسه ما لم تقم دلالة تخصصه**''۔

حضرات مالکیہ کا مذہب تینوں دبستان فقہ سے کسی قدر الگ ہے۔ اگر وعدہ کو کسی سبب سے متعلق کیا گیا ہو تو اس کو پورا کرنا قضاء واجب ہے (الفروق للقرافی ۴/۲۴)، قاضی ابن شبرمہ کے نزدیک مطلق وعدہ کا القاء قضاء واجب ہے۔ نیز ''مجلۃ الاحکام'' میں ایک ضابطہ ہے: ''**المواعيد بصورة التعاليق تكون لازمة**'' (دفعہ ۸۳) (یعنی وہ وعدے جو کسی شرط پر معلق ہوا نہیں پورا کرنا ضروری ہے)۔

☆ اصول عامہ سے استنباط: (۱) عقود وشروط میں اصل اباحت ہے۔ (۲) اس کی مشروعیت س حقوق العباد کے ساتھ کھلواڑ اور بہت سے مفاسد کا سد باب ہے، لہذا الاضرر ولاضرار کے تحت جائز ہونا چاہیے، (۳)'' **يرتكب أخف الضررين و أهون الشرين** ''اصول بھی منطبق ہوتا ہے کہ شوہر کا فقط مالی نقصان ہے عورت کی جان، عقل اور اولاد سب متاثر ہوتے ہیں۔

حاصل یہ کہ من جملہ عقود کے نکاح بھی ایک عقد ہے۔ اس میں شرائط کا التزام درست ہے اور مالکیہ کے مذہب میں وعدہ کا ایفاء قضاءً واجب ہے، اس لئے سوال میں مذکور تینوں امور درست ہے اور اسکو پورا کرنا مرد پر ضروری ہے۔

(د) مسئلہ کا حل شروط فی النکاح کی روشنی میں:

عقد نکاح کے باب میں متقدمین ومتاخرین نے مختلف شرائط کا تذکرہ اور ان کے احکام ذکر کئے ہیں، ان شرائط میں بعض وہ شرائط جو مقتضاء عقد کے نہ خلاف ہونہ ضروری ہو، بلکہ ایسے شرائط جن میں زوجین یا دونوں میں سے کسی ایک کا نفع ہو اور ملایمات عقد میں سے ہو اس باب میں علماء کے دو مذہب ہے۔

(۱)"إن الزواج صحيح، وإن هذه الشروط ملغاة، ولا يلزم الزوج الوفاء، هذا مذهب ابی حنيفة والشافعی وكثير من أهل العلم"۔

جمہور ائمہ کے یہاں عقد صحیح ہے شرائط لغو ہے اور شوہر ہر اسکا ایفاء ضروری نہیں ہے۔

(۲)" منهم من ذهب إلى وجوب الوفاء بما اشترط للمراة، فإن لم يف لها فسخ الزواج، هذا مذهب عمر بن خطاب وسعد بن أبی وقاص ومعاويه وعمرو بن عاص وعمر بن عبد العزيز وجابر بن زيد وطاؤس والأوزاعی واسحاق والحنابلة"۔

مذکورہ حضرات اس قسم کی شرائط کے واجب الایفاء ہونے کے قائل ہیں، بصورت دیگر عورت کے لئے فسخ کا اختیار ہوگا (فقہ السنہ ۲/ ۱۶۳)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: "ما يلزم الوفاء به وهو مايعود إليها نفعته وفائدته مثل أن يشترط لها أن لا يخرجها من دارها، فهذا يلزم الوفاء لها، فإن لم يفعل فلها فسخ النكاح" (المغنی: ۷/ ۱۷)۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس میں عورت کو فائدہ ہو رہا ہے اور جو شرط احد العاقدین کی منفعت پر مشتمل ہو فقہاء کے نزدیک شرط فاسد ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ شرط فاسد اس وقت ہوتی ہے، جبکہ منفعت محضہ ہیں یہاں ایسا نہیں ہے، کیونکہ عورت کو جدائی کی وجہ سے جو ضرر لاحق ہو رہا ہے اس کا تدارک ہے۔

صاحب فقہ السنہ نے جانبین کے دلائل میں مقارنہ کرنے کے بعد فرمایا کہ دونوں کی ذکر کردہ روایتیں صحیح ہے البتہ اختلاف یہ ہے کہ فریق اول کی دلیل میں عموم ہے اور فریق ثانی کی دلیل میں خصوص ہے، تاہم اصولیین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ عموم پر خصوص کو ترجیح دی جائے اور یہاں خصوص شرائط کا لزوم اور واجب الابقاء ہونا ہے (بدایۃ المجتہد ونہایۃ المختصر ۲/ ۴۸)، چونکہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے: "مقاطع الحقوق عند الشروط" شروط کی پابندی حقوق کو برقرار رکھنے کے لئے ہے (بخاری، باب مایجوز من الاشتراط ۹/ ۱۷۸، المدخل ال فقہ العام ۱/ ۹۵ الفقہ الاسلامی ۵/ ۱۲۰)۔

نیز "الشروط فی عقد الزواج" (ص ۲۵) احکام الشرط فی النکاح (ص ۲۹) الشروط المشترط فی عقد النکاح (ص ۳۹) میں چند وجوہ سے جواز اور وجوب ایفاء کے قول کو ترجیح دی ہے۔

الغرض مسئلہ مختلف فیہ ہے، دونوں مذہب سلف کے اقوال سے موید ہیں، لیکن احتیاط کا مقتضی یہ ہے کہ عدم جواز کا قول اختیار کیا جائے، تاہم ضرورت اور حاجت کے وقت دوسرے قول کو اختیار کیا جا سکتا ہے اور مسئلہ مذکورہ میں ضرورت اور حاجت لاحق ہے اس لئے اس طرح کے امور جائز ہوں گے اور واجب الایفاء رہیں گے۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

مولانا محمد ارتقاء الحسن کاندھلوی☆

۱-(الف) تعزیر بالمال کا مفہوم؟

لغوی اعتبار سے لفظ تعزیر اسماء اضداد میں سے ہے، اس کے معنی تعظیم وتوقیر بھی ہیں اور پٹائی وغیرہ کے ذریعے تادیب (ادب سکھلانا) بھی ہے، معنی تادیب کو سامنے رکھتے ہوئے شرعاً تعزیر اس سزا کو بھی کہا جاتا ہے، جو حد سے کم کم ہو، صاحب مختار الصحاح لکھتے ہیں: "(التعزیر) التوقیر والتعظیم ـ وھوأیضاً التادیب ومنه التعزیر الذی ھوالضرب دون الحد" (مختار الصحاح رص ۲۰۷، مشمولہ مکتبہ شاملہ)۔

نیز علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں: "(قوله: ھو لغة التادیب مطلقاً) أی بضرب وغیرہ دون الحد أو أکثر منه ویطلق علی التفهیم والتعظیم، ومنه (وتعزروہ وتوقروہ) سورہ فتح۔ فهومن أسماء الأضداد ----والذی فی الصحاح بعد تفسیرہ بالضرب " ومنه سمی ضرب مادون الحد تعزیراً " فأشار إلی أن ھذہ الحقیقة الشرعیة منقولة عن الحقیقة اللغویة بزیادة قید ھو کون ذلک الضرب دون الحد الشرعی" (ردالمحتار علی الدرالمختار ۳ر۱۷۷، باب التعزیر)۔

مال کے لغوی واصطلاحی معنی:

لغت عرب میں مال ہر اس شئی کو کہا جاتا ہے جس کا انسان مالک بن سکے، "موسوعہ فقہیہ" میں ہے:

"یطلق المال فی اللغة علی کل ما تملکه الإنسان من الأشیاء" (موسوعہ فقہیہ کویتیہ، مکتبہ شاملہ)۔

مال کی شرعی اور اصطلاحی تعریف میں احناف کا دیگر مذاہب سے اختلاف ہے اور اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ احناف کے نزدیک منافع مال نہیں ہیں، جبکہ دیگر فقہاء کے نزدیک منافع (مثلاً مکان کی رہائش اور گھوڑے کی سواری) بھی مال ہیں، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک مال وہ شئی ہے، جس کی طرف طبائع کا میلان ہو اور وقت ضرورت کے لئے اس کو ذخیرہ کیا جا سکے، "شامی" میں ہے:

☆ مفتی دارالافتاء مالیرکوٹلہ، پنجاب۔

''المراد بالمال مايميل إليه الطبع، ويمكن إدخاره لوقت الحاجة''۔

دیگر ائمہ کے نزدیک مال وہ شئ ہے، جس کی طرف طبائع کا میلان ہو اور عادتاً و شرعاً انتفاع کی صلاحیت رکھتا ہو،'' موسوعہ فقہیہ'' میں بحوالہ ابن عربی نقل کیا گیا ہے: ''هو ماتمتد إليه الأطماع، ويصلح عادة وشرعا للانتفاع''۔

تعزیر اور مال کی لغوی اور شرعی تعریفات کو سامنے رکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ تعزیر بالمال کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی حاکم یا اس کا نائب یا کوئی بھی ذمہ دار کسی ایسے جرم کی، جس پر کوئی حد یا کفارہ نہ ہو مجرم کو ایسی سزا دے، جس سے اس کو مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑے۔

(ب) تعزیر بالمال اور تعزیر بأخذ المال میں کیا فرق ہے؟

فقہاء نے تعزیر بالمال اور تعزیر بأخذ المال کے درمیان فرق کو واضح الفاظ میں ذکر نہیں کیا ہے، تاہم دونوں اصطلاحات اور ان کے مختلف جگہوں پر استعمال میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں کے درمیان کچھ نہ کچھ فرق ضرور ملحوظ رکھا گیا ہے، جس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم مالی تعزیر کی مختلف شکلوں کو سامنے رکھیں، جو فقہی عبارات میں ذکر کی گئی ہیں۔ چنانچہ ذیل میں مالی تعزیر کی شکلیں بیان کی جارہی ہیں:

۱- مال کی وقتی اور عارضی ضبطگی: متأخرین فقہاء حنفیہ نے امام أبو یوسفؒ کی طرف منسوب تعزیر مالی کے جواز کے قول کی توجیہ کرتے ہوئے اس نوع کو ذکر کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حاکم وقتی طور پر مجرم سے مال لے کر اپنے پاس محفوظ کرلے، تاکہ وہ جرم سے باز آجائے، بعد ازاں اصلاح حال کے بعد وہ مال اس کو واپس کردیا جائے اور اگر وہ کسی صورت توبہ نہ کرے تو اپنی رائے کے موافق اسے خرچ کردے۔

۲- مال کو ضائع کردینا: اس سے مراد ایسے مال کو ضائع کردینا ہے، جو خلاف شرع ہو اور حرمت کی علت اس سے علیحدہ نہ کی جاسکے، جیسے ملاوٹ والی غذا، ملاوٹ والا دودھ۔

۳- مال کی شکل وصورت میں تبدیلی پیدا کردینا: اس سے مراد مال حرام کی ہیئت وصورت میں ایسی تبدیلی پیدا کردینا ہے، جس سے حرمت کی علت جاتی رہے، مثلاً آلات لہولعب کو اس طرح کھول دیا جائے کہ اس کے متفرق اجزاء کسی مباح کام کے لئے استعمال ہوسکیں۔

۴- مال ضبط کرلینا: اس سے مراد جرم اور گناہ سے تعلق رکھنے والے ایسے حرام یا غیر قانونی مال کو دائمی طور پر ضبط کرکے اپنی تحویل میں لے لینا ہے، جو مجرم کے پاس سے برآمد ہوا ہے۔

۵- مال جرمانہ عائد کرنا: اس سے مراد مجرم کو سبق سکھلانے کی غرض سے جرم کی نوعیت اور ہیئت وشکل سے صرف نظر کرکے علیحدہ سے کوئی مالی تاوان یا جرمانہ عائد کرنا ہے۔

مالی تعزیر کی ان مختلف انواع کو سامنے رکھ کرعرض ہے کہ گناہ اور جرم کا آلہ یا سبب بننے والے مال کو عارضی یا دائمی طور پر ضبط کر لینے یا ضائع کر دینے یا اس کی شکل وصورت میں تغیر وتبدیلی پیدا کر دینے کو فقہاءتعزیر بالمال یا تعزیر فی المال کہتے ہیں اور جرم کی نوعیت اور ہیئت وشکل سے قطع نظر کر کے مجرم کو جرم سے باز رکھنے کے لئے اس پر مالی جرمانہ عائد کرنے کو تعزیر بأ خذ المال کہتے ہیں۔تعزیر بالمال کی درج بالا اقسام میں سے ابتدائی چار قسمیں تعزیر فی المال یا بالمال کے زمرے میں آتی ہیں اور آخری قسم تعزیر بأ خذ المال کی قبیل سے ہے۔ان اصطلاحات میں تعزیر فی المال اور تعزیر بأ خذ المال کا مفہوم کافی حد تک واضح اور جداگانہ ہے، لیکن تعزیر بالمال کا اطلاق کثرت کے ساتھ ہر ایک پر کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے زیر بحث مسئلہ کے خط وخال میں التباس پیدا ہو گیا ہے۔

(ج) تعزیر بالمال اور تعزیر بأ خذ المال میں فرق کی وجہ سے صورت مسئلہ پر کیا فرق پڑے گا؟

اگر ان اصطلاحات کے مفہوم میں پائے جانے والے باہمی فرق کو ملحوظ رکھا جائے تو اس سے زیر بحث موضوع کے خط وخال واضح ہو جائیں گے اور صورت مسئلہ پر یہ فرق پڑے گا کہ ماسبق میں ذکر کردہ تعزیر بالمال کی آخر الذکر نوع کو چھوڑ کر مابقیہ تمام انواع (بالفاظ دیگر جرم کا آلہ یا سبب بننے والے مال کو عارضی یا دائمی طور پر ضبط کر لینا، ضائع کر دینا یا اس کی شکل وصورت میں تبدیلی پیدا کر دینا) ہمارے موضوع سے خارج ہو جائیں گی، کیونکہ یہ تمام انواع باتفاق فقہاء جائز ہیں، تمام مذاہب میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں، یہاں اگر تمام مذاہب کی کتب فقہ سے عبارات درج کی جائیں تو بات لمبی ہو جائے گی، تاہم علامہ شامیؒ کی ایک عبارت نقل کی جارہی ہے، جس سے اندازہ ہوگا کہ تعزیر بالمال کی یہ انواع فقہ حنفی میں بلا اختلاف جائز ہیں، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

”و(ویکون التعزیر) بالهجوم علی بیت المفسدین وبالإخراج من الدار وبهدمهاوکسر دنان الخمر، وإن ملحوها قوله: ”وبالهجوم الخ“ وفی المنتقی: وإذاسمع فی داره صوت المزامیر فأدخل علیه؛ لأنه لما أسمع الصوت فقد اسقط حرمة داره، وفی حدود البزازیة وغصب النهایة وجنایة الدرایة ذکر الصدرالشهید عن أصحابنا: أنه یهدم البیت علی من اعتاد الفسق ...... وعن عمرؓ أنه أحرق بیت الخمار، وعن الصفار الزاهد الأمر بتخریب دارالفاسق“ (ردالمحتار علی الدرالمختار ۳/ ۱۸۰-۱۸۱)۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب فقہاء کے درمیان تعزیر بالمال اور فی المال میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اختلاف صرف تعزیر بأ خذ المال میں ہے اور یہی اختلافی شق ہمارا موضوع ہے تو اس سے استدلال پر بھی فرق پڑے گا، چنانچہ تعزیراً جرم کا آلہ یا سبب بننے والے مال کی عارضی یا دائمی ضبطگی، اتلاف یا تغییر کے جواز پر دلالت کرنے والے آثار ونصوص سے مطلقاً جرمانہ عائد کرنے کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکے گا۔

اس موضوع پر بحث کرنے اکثر باحثین ومحققین نے ان اصطلاحات کے باہمی فرق کو ملحوظ نہیں رکھا یا ان کی نگاہ میں استدلالی

نقطۂ نظر سے اس فرق کی اہمیت ہی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مطلقاً مالی تعزیر کے مجوزین جن آثار ونصوص سے استدلال کرتے ہیں ان میں اکثر وہ ہیں، جو سبب یا آلۂ جرم بننے والے مال کی ضبطگی اتلاف یا تغییر پر دلالت کرتے ہیں۔مثلاً علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"والتعزیر بالعقوبات المالیة مشروع أیضاً ....كما دلت علیه سنة رسول الله ﷺ فی مثل إباحته سلب الذی یصطاد فی حرم المدینة لمن وجده،ومثل أمره بكسردنان الخمر وشق ظروفه،ومثل أمره عبدالله بن عمربحرق الثوبین المعصفرین، وقال له: اغسلهما؟ قال :"لابل أحرقهما" ۔وأمره لهم یوم خیبر بكسرالأوعیة التی فیها لحوم الحمر۔ ثم لما استأذنوه فی الإراقة أذن، فإنه لما رأی القدورتفور بلحم الحمر أمر بكسرها وإراقة ما فیها، فقالوا: أفلا نریقها ونغسلها؟ فقال:"افعلوا"، فدل ذلک علی جوازالأمرین، لأن العقوبة بذلک لم تكن واجبة۔ ومثل هدمه لمسجد الضرار، ومثل تحریق موسی للعجل المتخذ الٰها، ومثل تضعیفه ﷺ الغرمة علی من سرق من غیر حرز، ومثل ماروی من إحراق متاع الغال، ومن حرمان القاتل سلبه لما اعتدی علی الأمیر۔ومثل أمر عمر بن الخطاب وعلی بن أبی طالب بتحریق المكان الذی یباع فیه الخمر، ومثل أخذ شطر مال مانع الزكاة ، ومثل تحریق عثمان بن عفان المصاحف المخالفة للإمام ، وتحریق عمر بن الخطاب لكتب الأوائل ، وأمره بتحریق قصر سعد بن أبی وقاص الذی بناه لما أراد أن یحتجب عن الناس ، فأرسل محمد بن مسلمة وأمره أن یحرقه علیه ، فذهب فحرقه علیه۔وهذه القضایا كلها صحیحة معروفة عند أهل العلم بذلک۔ ونظائرها متعددة "(فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۰۹/۲۸، ۱۱۰، ۱۱۱)۔

۲-تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب کیا ہے؟

تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب عدم جواز ہے۔درمختار میں ہے:

"لابأخذ مال فی المذهب" علامہ شامیؒ فرماتے ہیں :**والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذالمال وسیذكر الشارح عن الطرسوسی أن مصادرة السلطان لأرباب الأموال لاتجوز إلا لعمال بیت المال** "(ردالمحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فی التعزیر بأخذ المال)۔

"البحرالرائق"میں ہے:"**والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال**"(البحرالرائق،کتاب الحدود، فصل فی التعزیر)۔

۳-تعزیر بالمال کی بابت أئمہ حنفیہ میں کیا کسی کا قول جواز کا ہے اور اس کی کیا حیثیت ہے؟

أئمہ حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں، تاہم ان کے اس قول کو مذہب کا قول ضعیف قرار دیا گیا ہے اور اسی بنا پر اس کو غیر مفتی بہ اقوال کے زمرے میں رکھا گیا ہے۔

”قال في الفتح:وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما ۔ وباقی الائمه لایجوز، اھھ۔ ومثله فی المعراج ، وظاهره أن ذلک روایة ضعیفة عن أبی یوسف۔ قال فی الشر نبلالیة: ولایفتی بهذالما فیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس فیأکلونه۔ اھھ۔ومثله فی شرح الوهبانیة عن ابن وهبان“(ردالمحتار،کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فی التعزیر بأخذ المال)۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ کتب فقہ میں امام ابو یوسفؒ کے قول کی دو توجیہات ذکر کی گئی ہیں، جن کا حاصل اور مآل تعزیر بأخذ المال کا جواز ہے۔

ایک توجیہ علامہ شامیؒ نے بزازیہ کے حوالے سے نقل کی ہے کہ تعزیر بالمال سے مراد یہ ہے کہ حاکم عارضی طور پر مجرم کا مال اپنی تحویل میں لے لے اور اصلاح حال کے بعد واپس کردے، البتہ اگر اصلاح سے ناامیدی ہوجائے تو اپنی رائے کے موافق خرچ کردے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”وأفاد فی البزازیة: أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به امساک شیئ من ماله عنده مدة لینزجر ثم یعیده الحاکم إلیه لا أن یأخذه الحاکم لنفسه أو لبیت المال...... وفی المجتبی: لم یذکر کیفیة الأخذ وأری أن یأخذها فیمسکها، فان أیس من توبته یصرفها إلی مایری“(ردالمحتار علی الدرالمختار ۱۷۸/۳)۔

دوسری توجیہ صاحب تاتارخانیہ نے خلاصۃ الفتاوی کے حوالے سے نقل کی ہے کہ تعزیر بأخذ المال قاضی یا حاکم کی رائے اور صوابدید کی شرط کے ساتھ جائز ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

”وفی الفتاویٰ الخلاصة: والتعزیر بأخذ المال، إن رأی القاضی أوالوالی جاز،ومن جملة ذلک :الرجل لایحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذالمال“(تاتارخانیہ ۴۰۲/۶ زکریا)۔

صاحب خلاصۃ الفتاوی کی عبارت میں غور کرنے پر یہ بات عیاں ہے کہ وہ امام ابو یوسف کے قول کو ہی راجح سمجھتے ہیں، کیونکہ تعزیر مالی کے جواز کے لئے جو، انہوں نے قاضی یا حاکم کی رائے اور صواب دید کی شرط لگائی ہے اس شرط کا تمام تعزیرات میں لحاظ رکھا گیا ہے۔

نیز صاحب تاتارخانیہ کے کلام میں غور کرنے سے بھی محسوس ہوتا ہے کہ وہ بھی جواز کے قائل ہیں، کیونکہ انہوں نے اس باب میں عدم جواز کا کوئی قول نقل ہی نہیں کیا، بلکہ اولا امام محمدؒ کے تعلق سے لکھا ہے کہ تعزیر بالمال کا انہوں نے اپنی کسی کتاب میں کہیں کوئی تذکرہ نہیں کیا، ثانیا امام ابو یوسفؒ کا قول جواز نقل کیا ہے، بعد ازاں صاحب خلاصۃ الفتاوی سے نقل کیا کہ اگر قاضی یا حاکم مناسب خیال کریں تو تعزیر مالی جائز ہے۔

صاحب ”تاتارخانیہ“ کی مکمل عبارت اس طرح ہے:”ولم یذکر محمدؒ فی شیئ من الکتب التعزیر بأخذ

المال، وقیل: روی عن أبی یوسف ؒ أن التعزیر والزجر من السلطان بأخذ المال جائز۔ وفی الفتاوی الخلاصة: والتعزیر بأخذ المال إن رأی القاضی أوالوالی جاز، ومن جملة ذلک: الرجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیرہ بأخذ المال"(تاتارخانیہ۶/۴۰۱۔۴۰۲،مکتبہ زکریا دیوبند)۔

۴-کیا فقہاء حنفیہ میں سے کسی کا فتوی اس قول کے موافق ہے؟

اگرچہ اصل مذہب حنفی میں تعزیر مالی جائز نہیں ہے، تاہم ضرورت اور تعامل کے پیش نظر متعدد متاخرین فقہاء حنفیہ نے جواز کی رائے اختیار کی ہے، ذیل میں اس کی قدرے تفصیل ذکر کی جارہی ہے۔

(۱)علاؤالدین علی بن خلیل طرابلسی: نے امام ابویوسف ؒ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے معین الحکام میں لکھا ہے:

"یجوزالتعزیر بأخذالمال وھومذھب أبی یوسف ؒ، وبه قال مالک، ومن قال: إن العقوبات المالیة منسوخة فقد غلط علی مذاھب الأئمة نقلاً واستدلالا ولیس بسھل دعوی نسخھا۔ وفعل الخلفاء الراشدین وأکابر الصحابة لھا بعد موته ﷺ مبطل لدعوی نسخھا، والمدعون للنسخ لیس معھم سنة ولا إجماع یصحح دعواھم، إلا أن یقول أحدھم : مذھب أصحابنا لا یجوز ، فمذھب أصحابه عندہ عیار علی القبول والرد"(معین الحکام ۱/۱۹۵،مکتبہ شاملہ)۔

(۲)فقہ حنفی کے اہم اور بلند پایہ فقیہ علامہ ابن نجیم بھی تعزیر بأخذ المال کے جواز کے قائل ہیں، فرماتے ہیں:

"وفی الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزیر بأخذ المال، إن رأی القاضی ذلک أوالوالی جاز،ومن جملة ذلک الرجل لایحضر الجماعة یجوز تعزیرہ بأخذالمال له"(البحر الرائق ۴/۴۱)۔

(۳)ماسبق میں یہ بات ذکر کی جاچکی ہے کہ علامہ شامی ؒ نے بزازیہ کے حوالے سے امام ابویوسف ؒ کے قول کی توجیہ نقل کی ہے جس کا حاصل بھی تعزیر بأخذ المال کا جواز ہے۔

(۴)یہ بات بھی تفصیلا ذکر کی جاچکی ہے کہ صاحب فتاوی تاتارخانیہ بھی امام ابویوسف ؒ کے قول کو ہی راجح سمجھتے ہیں۔

(۵)علامہ عبدالحی لکھنوی: کا فتوی ہے کہ مالی جرمانہ جائز ہے، وہ لکھتے ہیں" تنبیہ کے لئے جرمانہ لینا جائز ہے"۔

(۶) امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ: نے بھی فتوی دیا ہے کہ تنبیہ کے لئے مالی جرمانہ لینا جائز ہے۔

(۷) مفتی تقی عثمانی صاحب بھی تعزیر بأخذ المال کے جواز کے قائل ہیں، درس ترمذی میں رقم طراز ہیں:

اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، صرف جسمانی سزا کے ذریعہ تعزیر کرنا جائز ہے، البتہ امام احمد بن حنبل نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، حنفیہ میں امام ابویوسف ؒ کی ایک روایت ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے، لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی...... چنانچہ بعض متاخرین حنفیہ نے امام ابویوسف ؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ

تعزیر بالمال جائز ہے(درس ترمذی،جلد ۵/۱۱۹، کتاب الحدود)۔

(۸)مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب بھی تعزیر بأخذ المال کے جواز کے قائل ہیں، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ اسے ناجائز کہتے ہیں،طرفین کے برخلاف امام ابویوسفؒ کہتے ہیں کہ مصلحت متقاضی ہوتو جائز ہے ......راقم الحروف کے خیال میں امام ابویوسفؒ اور جوفقہاء مالی جرمانہ یا اتلاف کے ذریعہ تعزیر کے قائل ہیں،ان کی رائے قابل ترجیح ہے،جیسا کہ حدیث وآثار میں ان کی متعدد مثالیں موجود ہیں(اسلامی فقہ،۳/۲۸۱،تعزیراتی جرائم)۔

(۹)مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب بھی تعزیر بأخذ المال کو جائز گردانتے ہیں:

اس وقت اسلام کے قانون حدود وتعزیرات کے فقدان کی وجہ سے مسائل جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کررہی ہیں،ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کے روک تھام کی سعی کریں،یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی،اور ریلوے،بس ٹریفک وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے، راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے (قاموس الفقہ،۲/۴۷۹،نیز دیکھئے:جدید فقہی مسائل ۳/۱۵۰ تا ۱۵۴)۔

۵-ائمہ ثلاثہ یا مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال اس بابت کیا ہیں،کیا ان مذاہب میں اس بابت کچھ گنجائش منقول ہے؟

بنیادی طور پر ائمہ ثلاثہ مالی تعزیر کے عدم جواز پر متفق ہیں،علامہ شامی نے امام ابویوسفؒ کا قول جواز نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:"**وعندهما وباقی الائمة لایجوز**"(ردالمحتار ۳/۱۷۸)۔

"**ولایجوز التعزیر بأخذالمال إجماعا**"(حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/۳۵۵)۔

"**وأماالتعزیر بأخذالمال فلا یجوز اجماعا**"(حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ۴/۵۰۴،مشمولہ مکتبہ شاملہ)۔

تاہم مذاہب ثلاثہ میں سے ہر مذہب کے بعض اہم فقہاء اپنے امام سے اختلاف رکھتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے امام کی جانب عدم جواز کے قول کی نسبت درست نہیں ہے۔ذیل میں مختصراً ہر مذہب کی آراء کا خلاصہ درج کیا جارہا ہے:

شافعیہ کی رائے:

اس باب میں امام شافعیؒ کے دوقول ہیں،قول قدیم یہ کہ مالی تعزیر جائز ہے اور قول جدید یہ کہ ناجائز ہے۔

"**وقال الشبراملسی: ولایجوز علی الجدید بأخذالمال۔ یعنی لایجوز التعزیربأخذالمال فی مذهب الشافعی الجدید وفی المذهب القدیم یجوز**"(موسوعہ فقہیہ کویتیہ،مشروعیۃ التعزیر بالمال)۔

"**ویحرم حلق لحیته وأخذ ماله**"(تکملۃ المجموع ۲/۱۲۵)۔

"ولایجوز علی الجدید بأخذالمال" (حواشی الشروانی ۹/ ۱۷۹)۔

مالکیہ کی رائے:

مالی تعزیر کے بارے میں امام مالکؒ عدم جواز کے قائل ہیں۔

"ولایجوز التعزیر بأخذالمال إجماعا" (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/ ۳۵۵)۔

علامہ صاوی مالکیؒ نے عدم جواز پر اجماع نقل کیا ہے (حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ۴/ ۵۵۵، مشمولہ مکتبہ شاملہ)۔

تاہم مالکی فقہاء میں سے علامہ ابن فرحون نے تبصرۃ الحکام میں جزم ویقین کے ساتھ جواز نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

"والتعزیر بالمال قال به المالكية" (تبصرۃ الحکام ۲/ ۲۹۳، مکتبہ شاملہ)۔

نیز علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی امام مالک کی طرف عدم جواز کے قول کی تردید کی ہے۔

موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں اسی کو امام مالک کا قول مشہور لکھا ہے (موسوعہ فقہیہ کویتیہ، لفظ تعزیر۔ التعزیر بالمال)۔

حنابلہ کی رائے:

امام احمد ابن حنبل قطعی طور پر مالی تعزیر کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں: "ولا يجوز قطع شيئ منه ولا جرحه ولا أخذ ماله، لأن الشرع لم يرد بشيئ من ذلك عن أحد يقتدى به، ولأن الواجب أدب والتأديب لايكون بالاتلاف" (المغنی لابن قدامہ ۹/ ۱۷۸، فصل وسائل التعزیر، مشمولہ مکتبہ شاملہ)۔

"التعزيريكون بضرب وحبس وتوبيخ، وقيل: فى حق الله تعالى وحده، ولايقطع عضوا ولايجرحه ولايأخذماله" (المبدع شرح المقنع ۹/ ۱۱۳)۔

"ولايجوزقطع شيئ منه ولاجرحه ولاأخذ شيئ من ماله" (الاقناع ۴/ ۲۷۰)۔

لیکن فقہائے حنابلہ میں سے علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیم جوزیؒ مالی تعزیر کے جواز کے قائل ہیں، نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس بات کے مدعی ہیں کہ موالک وحنابلہ کا مذہب ہی تعزیر مالی کا جواز ہے، علامہ ابن تیمیہؒ ان لوگوں پر سخت تنقید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو امام احمدؒ اور امام مالکؒ کی جانب عدم جواز کے قول کو منسوب کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

"ومن قال: إن العقوبات المالية منسوخة وأطلق ذلك عن أصحاب مالك واحمد فقد غلط على مذهبهما ومن قال مطلقا من أى مذهب كان فقد قال قولاً بلا دليل، ولم يجى عن النبى ﷺ شيئ قط يقتضى أنه حرم جميع العقوبات المالية، بل أخذ الخلفاء الراشدين وأكابر أصحابه بذلك بعد موته دليل على أن ذلك محكم غير منسوخ" (فتاوی ابن تیمیہ ۲۸/ ۱۱۱)۔

۶-ضرورۃً جواز وگنجائش کے قول پر فتوی:

تعزیر بأخذ المال کے موضوع پر مطالعہ کرنے والا دو طبعی نتیجوں تک پہنچتا ہے؛ ایک یہ کہ تعزیر بأخذ المال کے عدم جواز کے

قائلین کے پاس قرآن وسنت میں کوئی صریح دلیل نہیں ہے، آیات واحادیث کے عموم سے استدلال کیا گیا ہے، جیسا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب نے بھی درس ترمذی میں ذکر فرمایا ہے اور جواز کے قائلین نے آثار ونصوص میں مذکور واقعات سے استدلال کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ متقدمین ومتاخرین اکابر فقہاء کی اکثریت عدم جواز کی قائل ہے، تاہم ہر دور میں کچھ اکابر فقہاء کا جواز کی طرف بھی رجحان رہا ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس باب میں دو متضاد خیالات ونظریات کا تصادم ہے: ایک نظریہ یہ ہے کہ طبعی طور پر مال کے حریص انسان کی اصلاح اور تادیب کے لئے تعزیراً خذ المال ایک کارگر اور مؤثر ذریعہ ہے۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ تعزیراً خذ المال سے حکام اور ارباب انتظام کے لئے دوسروں کے اموال پر ناحق دست اندازی کی راہیں کھل جائیں گی، جس کی قرآن مجید کی آیت ''ولاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل'' (سورہ بقرہ:۱۸۸) میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ پہلے نظریہ نے تعزیراً خذ المال کے جواز کا رجحان پیدا کیا تو دوسرے خیال نے عدم جواز کو احتیاط پر مبنی اور بہتر سمجھا۔

فی زماننایہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جرائم ومعاصی کے سد باب کے لئے زبانی فہمائش اور وعظ ونصیحت بے سود ثابت ہو رہے ہیں اور جسمانی سزائیں ملکی قوانین کی وجہ سے ناقابل عمل ہو چکی ہیں، بنابریں اس دور میں تعزیراً خذ المال کی ناقابل انکار ضرورت پیدا ہوگئی ہے نیز ضرورت ہی کی بنا پر اب ساری دنیا میں تعزیراً خذ المال کا تعامل بھی ہو چکا ہے، پرائیویٹ ادارے ہی نہیں، بلکہ بااختیار عدالتوں میں بھی اس کا چلن عام ہے۔

لہذا میری رائے یہ ہے کہ درج ذیل بنیادوں پر مذہب حنفی کے قول ضعیف یعنی امام ابویوسفؒ کے قول کو اختیار کیا جانا چاہئے۔

۱۔تعزیراً خذ المال کے عدم جواز کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے۔

۲۔اگرچہ یہ ائمہ حنفیہ ثلاثہ میں سے صرف امام ابویوسفؒ کا قول ہے، لیکن وہ چونکہ خود قاضی تھے اس لئے ان کا فتوی ضرورت وافادیت کے احساس اور تجربہ پر مبنی ہے۔

۳۔امام ابویوسفؒ اس مسئلہ میں تنہا نہیں ہیں بلکہ ہر دور میں اکابر فقہاء ومفتیان نے ان کے قول کو ترجیح دی ہے۔

۴۔اگرچہ تعزیراً خذ المال سے حکام کے لئے دوسروں کے اموال پر دستِ اندازی کا خدشہ درست ہے، تاہم اس دور میں اس کی قانونی روک تھام کی جاسکتی ہے۔ شیخ عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں:

''**وفی عصرناالحاضر حیث نظمت شؤون الدولة وروقبت أموالها وحیث تقررالهیئة التشریعیة الحدالأدنی والحد الأعلی للغرامة، وحیث ترک توقیع العقوبات للمحاکم، لم یعد هنا محل للخوف من مصادرة أموال الناس بالباطل**'' (التشریع الجنائی الاسلامی ۱/۶۱۰)۔

۵۔تعزیراً خذ المال کی ''ضرورت'' بھی متحقق ہوچکی ہے اور تعامل بھی ہے اور فقہ حنفی میں ضرورت وحاجت نیز تعامل کی

بنیاد پر مذہب کے قول ضعیف یا مذہب غیر پر فتوی دینے کی گنجائش ہے۔ مفتی شبیر احمد قاسمی صاحبتحریر فرماتے ہیں:

اور اگر کسی امر میں عام لوگ مبتلاء ہیں یا اضطراری ضرورت یا حاجت کے درجہ کی ضرورت پیش آتی ہے، تو ایسی صورت میں مقلد مجتہد مسلمانوں کی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر قول راجح کو ترک کر کے قول مرجوح کے مطابق فتوی بھی دے سکتا ہے۔ اور خود بھی عمل کر سکتا ہے۔ اور عامۃ المسلمین کے لئے عالم محقق کے اس فتوی کے مطابق عمل کرنا بھی بلا تردد جائز ہے۔ اس کو علماء نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے: ''**وأما لو عمل بالضعيف فی بعض الأوقات لضرورة اقتضت ذلک، فلايمنع فيه(الی قوله) هذا خلاف الراجح فی المذهب لكن أجازوا الأخذ به للضرورة**'' (رسم المفتی قدیم ص:۱۰۱، زکریا جدید ۱۸۸)، اگر قول ضعیف کو اختیار کرنے والا عالم محقق اور مفتی مجتہد نہیں ہے بلکہ مقلد محض ہے، تو ضرورت شدیدہ کے بغیر قول ضعیف پر نہ ذاتی طور پر عمل کرنا جائز ہے اور نہ ہی فتوی دینا، ہاں البتہ اگر کوئی امر ایسا پیش آجائے جس میں عموم بلوی کی شکل ہے یا ضرورت شدیدہ ہے تو ایسی صورت میں اگر عالم محقق اور مفتی مجتہد موجود نہ ہو تو زمانے کے معتبر ترین متعدد علماء سے مشورہ کر کے اتفاق رائے سے قول ضعیف کو اختیار کر کے خود عمل کرنا اور عامۃ المسلمین کے لئے فتوی صادر کر دینا جائز اور درست ہے، جیسا کہ اس کو حضرت تھانوی قدس سرہ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' اور مفتی رشید احمد صاحبؒ نے ''احسن الفتاوی'' میں بہت واضح الفاظ سے نقل فرمایا ہے (الحیلۃ الناجزۃ ص:۴۵، احسن الفتاوی ۱/۴۲۱)، نیز ''رسم المفتی'' کی اس عبارت سے بھی اچھی طرح واضح ہوسکتا ہے: ''**أما لو عمل بالضعيف فی بعض الأوقات لضرورة اقتضت ذلک فلايمنع عنه**'' (شرح عقود رسم المفتی قدیم ص:۱۰۱)، حاصل یہ نکلا کہ ضرورت عامہ کی وجہ سے قول غیر راجح پر فتوی دینا غیر مجتہد علماء کے لئے اس وقت جائز ہوسکتا ہے، جبکہ اس پر زمانے کے معتبر ترین علماء متفق ہوجائیں، اس کے بغیر جائز نہیں ہے (فتاوی قاسمیہ ۱/۱۸۰-۱۸۱)۔

۷- تعلیمی اداروں میں مالی جرمانہ؟

تعلیمی اداروں میں طلباء کی مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ عائد کرنا جائز ہے، تاہم بہتر ہے کہ اصلاح حال کے بعد تعلیمی سال کے اختتام پر یا تعلیم کا سلسلہ موقوف ہوجانے کے بعد جرمانے میں لی ہوئی رقم واپس کر دی جائے، اگر اصلاح حال نہ ہو تو وہ رقم ادارے کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کی جاسکتی ہے۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

''**وأفاد فی البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شيئ من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه: لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال .... وفی المجتبی: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فان أيس من توبته يصرفها إلى مايرى**'' (رد المحتار علی الدر المختار ۳/۱۷۸)۔

۸- اداروں کے نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ؟

ہاؤسنگ سوسائٹیاں (یا اس طرح کے وہ ادارے جو پیسے لے کر لوگوں کو اپنی خدمات فراہم کرتے ہیں) اپنے نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانے کا نظام بنا سکتی ہیں۔

۹-برادریوں اور خاندانی پانچائیتوں کا مالی جرمانہ وصول کرنا:

برادریاں اور خاندانی پنچایتیں نیز کاروباری انجمنوں میں عام طور پر کچھ بااثر چودھریوں اور مالدار لوگوں کا غلبہ رہتا ہے، جو برادری اور خاندان کے کمزور وغریب لوگوں اور چھوٹے موٹے کاروباریوں کو دبا کر رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی پنچایتوں کو اور انجمنوں کو قاضی حاکم یا ان کے قائم مقام کی حیثیت نہیں دی جاسکتی، جبکہ تعزیری سزا دینے کا حق قاضی یا حاکم یا ان کے قائم مقام کو ہے۔

لہذا اگر ہر پنچایت اور انجمن کو مطلقا مالی جرمانہ عائد کرنے کی چھوٹ دی جائے تو گمان غالب ہے کہ قرآنی حکم "**ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل**" (سورہ بقرہ، آیت:۱۸۸) کی صریح خلاف ورزی عمل میں آئے گی اور چند لوگ ذرا ذرا سی بات پر غریب لوگوں پر ناقابل تحمل جرمانے عائد کرنے لگیں گے، اس لئے احقر کی رائے میں ایسے غیر مستحکم اداروں کے لئے مالی جرمانہ عائد کرنے کا جواز نہیں ہونا چاہئے۔ "**وظاهره أن ذلک روایة ضعیفة عن أبی یوسف**ؒ **قال فی الشرنبلالیة: ولایفتی بهذا لما فیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس، فیأکلونه**" (ردالمحتار ۱۷۸/۳)۔

البتہ اگر پنچایت اور انجمن انصاف کی بنیاد پر قائم اور منظم ہو اور چند لوگوں کی اجارہ داری نہ ہو کر عادلانہ نظام چلاتی ہو تو اس کو بھی مالی جرمانہ عائد کرنا جائز ہوگا، تاہم بہتر ہوگا کہ جرمانے کی رقم غلطی کے تدارک یا اصلاح کے بعد واپس کردی جائے، عدم اصلاح کی صورت میں برادری اور کاروباریوں کے عمومی مصالح میں خرچ کردی جائے۔

۱۰-طلاق پر قابو پانے کے لئے مالی جرمانہ:

طلاق کی جن صورتوں میں متعہ واجب نہیں ہے، ان صورتوں میں مہر واجب ہے اور مہر کے وجوب کے ساتھ متعہ کو واجب کہنا سمجھ میں نہیں آتا ہے، کیونکہ مہر اور متعہ دونوں ایک ہی چیز کے بدل ہیں اور دونوں بدل کو ایک ساتھ واجب کرنا جائز نہیں ہیں، صاحب "بدائع" لکھتے ہیں:

"**أن المتعة وجبت بالنکاح بدلا عن البضع أما بدلا عن نصف المهر أو ابتداء، فإذا استحقت المسمی أو مهرالمثل بعد الدخول، فلووجبت المتعة لأدی إلی أن یکون لملک واحد بدلان وإلی الجمع بین البدل، والأصل فی حالة واحدة، وهذا ممتنع**" (بدائع الصنائع ۶۰۳/، دارالکتاب دیوبند)۔

البتہ اگر شوہر کی طرف سے ظلم وزیادتی پائی جائے تو مالی جرمانے کے طور پر نصف مہر یا کم وبیش لازم کیا جاسکتا ہے۔

۱۱-مزید نصف مہر یا متعہ لازم کرنا:

جن صورتوں میں متعہ واجب نہیں ہے، ان صورتوں میں نکاح کے وقت اور نکاح نامہ میں آدمی کو اس کا پابند نہیں بنایا جاسکتا اور جن صورتوں میں متعہ واجب ہے ان صورتوں میں پابند بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، البتہ نکاح کے وقت اور نکاح نامہ میں آدمی کو اس بات کا پابند بنایا جاسکتا ہے کہ بے جا طلاق یا تین طلاق کی صورت میں طے شدہ مہر کا نصف مزید ادا کرنا ہوگا، کیونکہ مہر میں شوہر کو

اضافے اور بیوی کو کمی یا معافی کا حق ہے، ''ہدایہ'' میں ہے:

''**إن زادها فی المهر بعد العقد لزمته الزیادة...... وان حطت عنه مهرها صح الحط**''(ہدایہ ۳۲۵/۲)۔

☆☆☆

تعلیمی اداروں میں مالی جرمانہ کی حیثیت

مولانا محمد جمیل اختر جلیلی ندوی☆

تعزیر بالمال کا مفہوم ہے:

’’حاکم کی طرف سے طے شدہ ایسی سزا، جس کا تعلق کسی بھی لحاظ سے مال سے ہو، خواہ اسے روکے رکھ کر ہو، یا اتلاف کے ذریعہ، یا شکل وصورت کی تبدیلی کے ذریعہ، یا پھر دوسرے کو اس مالک بنا کر، اور خواہ اس کا تعلق سامان سے ہو، یا زمین جائیداد سے، یا روپے پیسے، یا پھر حیوان سے‘‘؛ ’’الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ‘‘ میں ہے:

’’**التعزیر بالمال یکون بحبسه، أو بإتلافه، أو بتغییر صورته، أو بتملیکه للغیر**‘‘ (الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۲/۲۷۱، لفظ: تعزیر)۔

تعزیر بالمال کبھی اس کو روک کر، کبھی اس کو ضائع کر کے، کبھی اس کی شکل تبدیل کر کے اور کبھی دوسرے کو اس کا مالک بنا کر ہوتی ہے۔

جہاں تک دوسری شق (تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کے درمیان کیا فرق ہے؟) کی بات ہے تو اس سلسلہ میں پہلی شق کے جواب سے واضح ہوگیا ہوگا کہ تعزیر بالمال ایسی مالی سزا ہے، جس میں کسی بھی اعتبار سے مال کا انشغال پایا جائے، جبکہ تعزیر باخذ المال میں براہ راست مال لینا مراد ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تعزیر بالمال کی مثالیں اکثر فقہاء کے یہاں مل جاتی ہیں؛ چنانچہ علامہ حصکفیؒ رقم طراز ہیں:

’’**وبالهجوم علی بیت المفسدین، وبالإخراج من الدار، وبهدمها، وکسرهادنان الخمر، وإن ملحوها**‘‘ (الدر المختار، باب فی التعزیر: ۶/۱۱۰)۔

(تعزیر کی جاسکتی ہے) مفسدین کے گھروں پر حملہ کر کے، گھر سے ان کو نکال کر، گھر کو منہدم کر کے اور شراب کے مٹکوں کو توڑ کر، اگرچہ کہ اس میں شراب بنانے کے لئے نمک ڈال رکھا ہو۔

نیز مشہور حنفی فقیہ عثمان زیلعیؒ لکھتے ہیں: ’’**وفی النهایة: وذکر الصدر الشهید فی باب العدوی والأعداء من**

☆ جامعہ ام سلمہ، فردوس نگر، توپ چانچی، دھنباد (جھارکھنڈ)۔

أدب القاضی روایة عن أصحابنا–رحمهم الله–أنه یهدم البیت علی من اعتادالفسق، وأنواع الفساد؛ حتی قالواأیضاً: لابأس بالهجوم علی بیت المفسدین" (تبیین الحقائق، فصل: غیب المغصوب: ۲۳۸/۵)۔

(نہایہ میں ہے کہ صدرالشہید نے اداب القاضی کے باب العدوی والاعداء میں ہمارے اصحاب رحمہم اللہ کی ایک روایت ذکر کیا ہے کہ ان لوگوں کا گھر ڈھادیا جائے گا، جوفسق وفجوراورفساد کے مختلف حربوں کے عادی ہوں، نیز انھوں نے یہ بھی کہا کہ فسادیوں کے گھروں پردھابولنے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

محمد بن یوسف عبدری مالکیؒ لکھتے ہیں:

"**وقال مالک فی الفاسق یعلن مثل ذلک فی دارنفسه: أنه یعاقبه علی ذلک، فإن لم ینته، باع الدار علیه**" (التاج والإکلیل، باب أحکام الإجارة وکراء الدواب: ۴۳۵/۵)۔

(امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اپنے گھر میں علانیہ فسق کرنے والے کوسزادی جائے جائے گی، اگروہ بازنہ آئے تواس کا گھر بیچ دیا جائے گا)۔

بلکہ امام مالکؒ سے تویہاں تک منقول ہے کہ شراب بیچنے والے مسلمان کے گھرکونذرآتش کردیا جائے، علامہ علیش مالکیؒ رقم طراز ہیں:

"**وأخبرنی بعض أصحابنا أن الإمام مالکا–رضی الله عنه–کان یستحب حرق بیت المسلم الذی یبیع الخمر**" (منح الجلیل: ۵۲۸/۷) (ہمارے بعض اصحاب نے مجھے بتایا کہ امام مالکؒ کواس مسلمان کے گھرنذرآتش کردینا پسند تھا، جوشراب بیچتا ہو)۔

منصوربن یونس بہوتی حنبلیؒ لکھتے ہیں: "**التعزیربالمال سائغ إتلافاً وأخذاً**" (**کشاف القناع، باب التعزیر**: ۱۲۵/۶) (تعزیر بالمال درست ہے، خواہ مال کوضائع کرکے، یامال کولےکر)۔

لیکن تعزیر باخذالمال کے سلسلہ میں ممانعت ملتی ہے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اوراس کی بھی خاص وجہ بتلائی جاتی ہے کہ حاکم اس طریقہ کوکہیں لوگوں کے مال ہڑپ نے کاذریعہ نہ بنالے، علامہ شامیؒ شرنبلالیؒ کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:

"**وفی الشرنبلالیة: ولایفتی بهذالمافیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس، فیأکلونه**" (ردالمحتار، مطلب فی التعزیربأخذالمال: ۱۰۶/۶)۔

(شرنبلالیہ میں ہے کہ اس پرفتویٰ نہیں دیا جائے گا؛ کیونکہ اس میں لوگوں کے اموال پرظالموں کومسلط کرنا پایا جاتا ہے کہ وہ ان کے اموال کوناحق کھائیں گے)۔

تیسری شق (تعزیر بالمال اورتعزیر باخذالمال کے درمیان فرق کی وجہ سے صورت مسئلہ پرکیااثر پڑے گا؟) میں راقم کے نزدیک صورت مسئلہ میں فرق ان حضرات کے نزدیک پڑے گا، جن کے یہاں تعزیر باخذالمال کی گنجائش نہیں (تفصیل آگے آرہی ہے)؛ لیکن جن کے یہاں گنجائش ہے (مثلاً: حنابلہ)، ان کے یہاں صورت مسئلہ میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

۲-تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب کیا ہے؟

جواب: تعزیر بالمال کی گنجائش سوال نمبر(۱) کے جواب سے معلوم ہوگیا ہوگا؛ البتہ تعزیر باخذ المال کے سلسلہ میں احناف کا راجح مسلک عدم جواز کا ہے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں :

"**والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال**" (ردالمحتار: ۱۰۶/۶، نیز دیکھئے: البحر الرائق: ۶۸/۵) (حاصل یہ ہے کہ صحیح مذہب تعزیر میں مال کا نہ لینا ہے)۔

۳-تعزیر بالمال کی بابت ائمہ حنفیہ میں کیا کسی کا قول جواز کا ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے؟

جواب: ائمہ حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ تعزیر مالی کے جواز کے قائل تھے، علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: "**وعن أبي يوسف : يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال**" (فتح القدیر: ۱۱۲/۵، نیز دیکھئے: تاتارخانیہ: ۱۴۰۰/۵، البحر الرائق: ۶۸/۵، بنایہ شرح ہدایہ: ۳۹۱/۶) (امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ سلطان کے لئے تعزیراً مال کا لینا جائز اور درست ہے)۔

لیکن امام ابو یوسفؒ کے اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"**وظاهره أن ذلک رواية ضعيفة عن أبي يوسف**" (ردالمحتار، مطلب فی التعزیر: ۱۰۶/۶) (اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ امام ابو یوسفؒ کی ضعیف روایت ہے)۔

۴-کیا فقہائے حنفیہ میں کسی کا فتویٰ اس قول کے موافق ہے؟

جواب: جی! فقہ حنفی کے ممتاز فقیہ علی بن خلیل طرابلسیؒ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے اور ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے، جنھوں نے مالی سزا کو منسوخ مانا ہے :

"**يجوز التعزير بأخذ المال ، وهو مذهب أبي يوسف ، وبه قال : مالک ، ومن قال : إن العقوبه المالية منسوخة ، فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلاً واستدلالاً ، وليس بسهل دعوى نسخها**" (معین الحکام: ۹۵)۔

(مالی تعزیر کا جواز امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہے اور اسی کے قائل امام مالکؒ بھی ہیں اور جن لوگوں نے مالی سزاؤں کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے، ان لوگوں نے مذاہب ائمہ کی طرف روایت اور استدلال کے طور پر غلط نسبت کی ہے اور ان کے نسخ کا دعویٰ آسان نہیں ہے)۔

نیز مشہور حنفی فقیہ قاضی نجم الدین طرطوسیؒ (م: ۷۵۸ھ) بھی تعزیر بالمال کے قائل ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"**فالذی يبرطل على القضاء، يستحق عندی التعزير بالمال، والضرب**" (تحفۃ الترک فیما یجب أن یعمل فی الملک، الفصل الخامس: فی الکشف عن القضاء ونوابہم......ص: ۴۹) (جو فیصلہ پر رشوت دے، وہ میرے نزدیک تعزیر بالمال اور اور مار کا مستحق ہے)۔

۵-ائمہ ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال اس بابت کیا ہیں؟ کیا ان مذاہب میں اس بابت کچھ گنجائش منقول ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں فقہائے کرام کی آراء درج ذیل ہیں:

مالکیہ کی رائے:

مالی تعزیر کے سلسلہ میں امام مالکؒ کا اصل مذہب یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے، علامہ صاوی مالکیؒ لکھتے ہیں:

"**و أما التعزير بأخذ المال ، فلا يجوز إجماعاً**" (بلغۃ السالک: ۲۶۸/۴، نیز دیکھئے: حاشیۃ الدسوقی: ۳۰۷/۶، حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر: ۵۰۵/۴) (تعزیر مالی کا لینا بالاجماع ناجائز ہے)۔

لیکن قضاء کے موضوع پر ممتاز مالکی مصنف علامہ ابن فرحون کی کتاب "تبصرۃ الحکام" میں تعزیر کا جواز نقل کیا گیا ہے:

"**والتعزير بالمال ، قال به المالكية**" (تبصرۃ الحکام: ۲۰۳/۲، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، نیز دیکھئے، الحسبۃ: ۴۰) (مالکیہ تعزیر بالمال کے قائل ہیں)۔

بعض لوگوں نے اسی قول کو مشہور قرار دیا ہے۔ (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیۃ: ۲۷۰/۱۲، لفظ: تعزیر، نیز دیکھئے: فتاوی ابن تیمیہ: ۱۱۰/۲۸)۔

شوافع کی رائے:

تعزیر بالمال کے سلسلہ میں امام شافعیؒ سے دو قول منقول ہیں، ایک قول عدم جواز کا ہے اور یہ امام شافعیؒ کا قول جدید ہے، دوسرا قول جواز کا ہے اور یہ ان کا قول قدیم ہے، علامہ شبراملسی لکھتے ہیں:

"**لا يجوز التعزير بأخذ المال في مذهب الشافعي الجديد ، وفي المذهب القديم : يجوز**" (حاشیۃ الشبر املسی علی شرح المنہاج: ۱۷۴/۷، نیز دیکھئے: الحسبۃ: ۴۰) (امام شافعیؒ کے مسلک جدید کے مطابق تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، جبکہ ان کا قول قدیم جواز کا ہے)۔

حنابلہ کی رائے:

امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک تعزیر بالمال کے قطعی عدم جواز کا ہے، علامہ ابن قدامہؒ تحریر فرماتے ہیں:

"**ولا يجوز قطع شئ منه ولا جرحه ، ولا أخذ ماله ، لأن الشرع لم يرد بشئ من ذلك عن أحد يقتدى به ، ولأن الواجب أدب ، والتأديب لايكون بالإتلاف**" (المغنی: ۵۲۶/۱۲، نیز دیکھئے: الشرح الکبیر مع المقنع: ۴۶۰/۲۶، منتہی الإرادات للفتوحی: ۱۴۳/۵، الروض المربع: ۴۳۸/۸، الإنصاف مع المقنع: ۴۶۴/۲۶، المعتمد فی فقہ الإمام احمد: ۴۲۱/۲)۔

(تعزیر میں زخم لگانا یا کسی عضو کا کاٹنا جائز نہیں، اسی طرح مال لینا بھی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ کسی ثقہ شخص سے ثابت نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ واجب تادیب اور تنبیہ ہے اور اتلاف سے تادیب ممکن نہیں ہے)۔

تاہم دبستانِ فقہ حنبلی کے دو مایۂ ناز فرد علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم جوزیؒ نے پوری قوت سے اس

کی مخالفت کی ہے اوران لوگوں پر سخت تنقید کی ے،جن لوگوں نے امام احمدؒ اورامام مالکؒ کی طرف تعزیر مالی کے عدم جواز کونقل کیا ہے، علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"ومن قال : إن العقوبات المالية منسوخة ، وأطلق ذلک عن أصحاب مالک وأحمد ، فقد غلط علی مذهبهما ، ومن قال مطلقاً من أی مذهب کان ، فقد قال قولاً بلا دليل ، ولم يجئ عن النبی صلی الله عليه وسلم شئ قط يقتضی أنه حرام جميع العقوبات المالية ؛ بل أخذ الخلفاء الراشدين وأكابر أصحابه بذلک بعد موته دليل علی أن ذلک محکم غير منسوخ "(فتاویٰ ابن تیمیہ:۲۸/۱۱۱)۔

(جن لوگوں نے یہ کہا کہ مالی سزائیں منسوخ ہیں اور مطلق اصحابِ مالک واحمد کی طرف اس کی نسبت کی ہے،ان لوگوں نے ان کے مذہب کی طرف غلط نسبت کی ہے اورجن لوگوں نے مطلقاً یہ بات کہہ دی کہ کسی بھی مذہب میں مالی سزا جائز نہیں ہے،ان لوگوں کی یہ بات بالکل بلا دلیل ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ سے کوئی ایسی بات ثابت نہیں ہے، جواس بات کا تقاضہ کرتی ہو کہ تمام مالی سزائیں حرام ہیں؛ بلکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا اس (مالی تعزیر) پر عمل رہا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غیر منسوخ ہے)۔

علامہ ابن قیمؒ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جولوگ تعزیر مالی کے نسخ اور عدم جواز کے قائل ہیں، دراصل ان کا مذہب کسی یقینی دلیل کی بنیاد پر نہیں؛ بلکہ قبول اوررد کے اندازہ پر قائم ہے:

"المدعون للنسخ ليس معهم كتاب ولا سنة ، ولا إجماع يصح دعواهم ، إلا أن يقول أحدهم ، مذهب أصحابنا عدم جوازها ، فمذهب أصحابه عيار علی القبول والرد "(جامع الفقہ لِابن القیم:۶/۵۰-۵۴۹، ترتیب، یسریٰ السید محمد(ط: دارالصفاء، بیروت)۔

(جولوگ نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں،ان کے ساتھ نہ کتاب ہے، نہ ہی سنت اور نہ اجماع سے ہی ان کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے، پھر بھی ان میں سے ہر ایک یہی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب عدم جواز کا ہے، چنانچہ ان کے اصحاب کا مذہب قبول ورد کے اندازہ پر قائم ہے)۔

خلاصہ یہ کہ:

۱- امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، امام شافعیؒ (قول جدید کے مطابق) اورامام احمد بن حنبلؒ تعزیر مالی کے عدم جواز کے قائل ہیں، تاہم علامہ ابن تیمیہؒ اورعلامہ ابن قیمؒ نے امام احمدؒ کے مسلک کے مطابق احادیث وآثار سے بہت ساری ایسی مثالوں کی تخریج کی ہے ،جن سے تعزیر مالی کا جواز نکلتا ہے۔

۲- امام ابویوسفؒ، امام شافعیؒ (قول قدیم کے مطابق) اورامام مالکؒ (مشہورقول کے مطابق) تعزیر مالی کے جواز کے قائل ہیں۔

٦-قول ضعیف اور مذہب غیر پر فتوی:

قول جواز پر فتوی دینے کی گنجائش پر بات کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ عدم جواز کے قائلین کے دلائل پر بھی ایک نظر ڈالی جائے؛ تاکہ مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھا جاسکے اور جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں فیصلہ کرنے میں آسانی ہوجائے، اس سلسلہ میں ان حضرات کی ایک دلیل یہ ہے کہ شریعت سے اس قسم کا ثبوت نہیں ملتا ہے، اس کا جواب علامہ ابن تیمیہؒ نے بہت ساری مثالوں کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں ایسی سزاؤں کا ثبوت ملتا ہے (دیکھئے: فتاویٰ ابن تیمیہؒ: ۲۸/۱۱۶-۱۱۰)۔

ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر مال لینے کی اجازت دیدی جائے تو حکام من مانی کریں گے اور جس طرح چاہیں اور جتنا چاہیں گے مال وصول کریں گے، اس طرح حرام کمائی کا ایک راستہ نکل آئے گا، اس کا جواب عبدالقادر عودہ نے اپنی کتاب ''اَلتشریع الجنائی الإسلامی مقارناً بالقانون الوضعی'' میں دیا ہے، وہ لکھتے ہیں :

''وفی عصرنا الحاضر حیث نظمت شئون الدولة وروقیت أموالها وحیث تقرر الهیئة التشریعیة الحد الأدنی والحد الأعلی للغرامة ، وحیث ترک توقیع العقوبات للمحاکم ، لم یعد هنا محل للخوف من مصادرة أموال الناس بالباطل '' (اَلتشریع الجنائی الإسلامی: ۱/۶۱۰)۔

(اور ہمارے زمانہ میں جبکہ حکومت کی تنظیم ہوچکی ہے اور مال کی نگرانی ہوتی ہے اور قانون نے جرمانہ کی زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم مقدار متعین کردی ہے اور جبکہ سزاؤں کا متعین کرنا کچہریوں کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے، اب باطل طریقہ سے لوگوں کے مال کھانے کا خوف اور اندیشہ بالکل بے جا ہے)۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ اب مالی جرمانہ کا گویا تعامل ہوگیا ہے، ہر جگہ کسی جرم کے بدلہ میں مالی سزا ہی دی جاتی ہے اور فقہ اسلامی کی رو سے تعامل پر عمل کرنا جائز ہوجاتا ہے۔

ایک بات یہ بھی کہ مالی جرمانہ ایک تعزیر ہے اور تعزیر کے سلسلہ میں حاکم کو اختیار ہوتا ہے کہ حالات کی مناسبت سے جو بہتر ہوسکتا ہے، وہ سزا منظور کی جائے، جس طرح زانی کی سزا کے متعلق ہے کہ حاکم اگر مناسب سمجھے تو جلاوطن کرسکتا ہے۔

اس پہلو سے بھی غور کرنا چاہئے کہ ہر زمانہ میں ایک ہی تعزیر ممکن نہیں ہے؛ بلکہ ہر شہر میں ممکن نہیں ہے، لہٰذا زمانہ اور شہر کے اعتبار سے بھی تعزیر میں فرق ہوتا ہے:

''قال القرافی : إن التعزیر یختلف باختلاف الأعصار والأمصار ، فرب تعزیر فی بلاد یکون إکراما فی بلد أخر کقلع الطیلسان بمصر تعزیر وفی الشام إکرام '' (اَلفروق : ۴/۱۸۳، الفرق السادس والأربعون والمائتان)۔

(قرافی نے کہا کہ تعزیر زمانہ اور شہر کے بدلنے سے بدلتا ہے، چنانچہ ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک شہر میں جس کو تعزیر سمجھا جاتا ہو، دوسرے شہر میں اسی کو عزت سمجھا جاتا ہو، جیسا کہ چادر اتارنا مصر میں تعزیر شمار ہوتا ہے، جبکہ شام میں عزت تصور کیا جاتا ہے)۔

بہر حال! ان وجوہ کی بناء پر موجودہ حالات میں تعزیر مالی کے جواز میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی ہے، اس لئے اسے جائز ہونا چاہئے؛ چنانچہ برصغیر کے ممتاز فقیہ علامہ عبدالحئی لکھنویؒ کی بھی رائے یہی تھی کہ ''تنبیہ کے لئے جرمانہ لینا جائز ہے''، (دیکھئے: مجموعۃ الفتاویٰ، مترجم، کتاب القضا، استفتاء نمبر:۲) ۳/ ۵۳) تنبیہ کے لئے مالی جرمانہ لینے کے جواز پر امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ کا بھی فتویٰ ہے (دیکھئے: فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱/ ۲۵۷، ۲۹۰)۔

مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مجیب اللہ ندویؒ اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب بھی تعزیر مالی کے جواز کے قائل ہیں، مولانا تحریر فرماتے ہیں :

اس وقت اسلام کے قانونی حدود و تعزیرات کے فقدان کی وجہ سے بہت سے مسائل، جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کر رہی ہیں، ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے اور ریلوے، ٹریفک، بس وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے؛ اس لئے راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت ہونی چاہئے (قاموس الفقہ: ۲/ ۴۷۹، لفظ: تعزیر، نیز تفصیل کے لئے: جدید فقہی مسائل: ۳/ ۲۴۹ - ۲۴۴، اسلامی فقہ: ۳/ ۲۸۱، اعلاء السنن: ۱۱/ ۶۸۸)۔

نیز مفتی تقی عثمانی صاحب رقم طراز ہیں: لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر بھی کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی، عام طور پر فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**لایحل مال امرئی مسلم؛ إلابطیب نفس منه**''، یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں؛ لیکن یہ استدلال کمزور ہے؛ اس لئے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے، جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو؛ لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے، اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے؛ اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے؛ لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہٰذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہے اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جا رہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے، تو پھر جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولی جائز ہونا چاہئے؛ چنانچہ بعض متاخرین فقہائے حنفیہ نے امام ابویوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے (درس ترمذی: ۵/ ۱۹)۔

بہر حال! ان وجوہ کی بنا پر موجودہ حالات میں تعزیر مالی کے جواز میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی ہے؛ اس لئے اسے جائز ہونا چاہئے۔

۷- تعلیمی اداروں میں مالی جرمانہ:

سابقہ سوالوں کے جواب سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ لینا قانونی اعتبار سے تو جائز ہے؛ البتہ طلبہ سے مالی جرمانہ وصول کرنے کے جواز اور عدم جواز پر بات کرنے سے پہلے اس امر کو واضح کرنا ضروری

معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر کا حق کن لوگوں کو حاصل ہے؟

اس سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ حاکم کے علاوہ تعزیر کا حق ان تمام لوگوں کو حاصل ہے، جو دیانت داری کے ساتھ تادیب اور تنبیہ کرتے ہیں؛ چنانچہ باپ، ماں، شوہر، آقا اور معلم کو خصوصیت کے ساتھ یہ حق حاصل ہے، محمد بن ابراہیم بن عبداللہ تویجری لکھتے ہیں:

''**وليس لأحدحق التعزير؛ إلالمن له ولاية التأديب مطلقاً كالأب، والزوج، والسيد،والحاكم، والمعلم......فالأب له تأديب ولده الصغير، وتعزيره للتعلم، والتخلق بأحسن الأخلاق، وزجره عن سيئها، وأمره بالصلاة، وضربه عندالحاجة، والأم كالأب فى أثناء الحضانة...... وللزوج تأديب زوجته، وتعزيرهافى أمرالنشوز، وأداء حق الله تعالىٰ كإقامةالصلاة، وأداء الصيام، والبعدعن المحرمات اداءً لواجب القوامة عليهاونصحالها......والسيديعزررقيقه فى نفسه، وفى حق الله تعالىٰ من ترك واجب، أوفعل محرم...... والمعلم يؤدب تلاميذه بمايصلحه أحوالهم ويحسن أخلاقهم**'' (موسوعة الفقه الإسلامی، الباب الثامن عشر، کتاب الحدود، حکم التعزیر، ص: ۲۴۴-۲۷۱، بحوالہ: www.al-eman.com، نیز دیکھئے: سبل السلام، باب التعزیر وحکم الصائل: ۳۸/۴، الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۵۲۹/۷)۔

حق تعزیر صرف ان لوگوں کو حاصل ہے، جن کو مطلق ولایت تادیب حاصل ہے، جیسے: باپ، شوہر، آقا، حاکم اور معلم؛ چنانچہ باپ کو اپنے چھوٹے بچے کی تادیب، تعلیم، اچھے اخلاق سے آراستہ کرنے، برائیوں سے روکنے اور نماز کے لئے تعزیر کا حق ہے، نیز ضرورت کے وقت مارنے کا بھی حق ہے، شوہر کو بیوی کی تادیب، نافرمانی کے امور اور حقوق اللہ کی ادائے گی، جیسے: نماز قائم کرنے، روزہ رکھنے اور محرمات سے بچانے کے لئے قوامیت اور اس کے ساتھ خیر خواہی کی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے تعزیر کا حق ہے، آقا اپنے غلام کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق، جیسے: ترک واجب اور حرام کے ارتکاب پر تعزیر کرسکتا ہے، معلم اپنے شاگردوں کی تادیب کے لئے ایسے ذرائع اختیار کرسکتا ہے، جن سے ان کے احوال درست ہوں)۔

یہ جان لینے کے بعد کہ معلم کو حق تعزیر حاصل ہے، اصل سوال کا جواب جانتے چلیں، اس سلسلہ میں راقم کے نزدیک طالب علم کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- طالب علم بذات خود مالدار ہو ---- ایسے طالب علم سے مالی جرمانہ وصول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۲- طالب علم بذات خود مالدار نہیں؛ بل کہ اس کے گارجین اس پر خرچ کرتے ہیں، ایسے طلبہ کی دو شکلیں ہیں:

(الف) طالب علم کے گارجین مدرسہ کے قوانین وضوابط سے واقف ہوں۔

(ب) طالب علم کے گارجین مدرسہ کے قوانین وضوابط سے واقف نہ ہوں۔

پہلی صورت میں طالب علم اور خود گارجین سے بھی جرمانہ وصول کرنے کی گنجائش ہوگی؛ کیونکہ قوانین وضوابط سے گارجین کی

واقفیت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جرمانہ دینے پر راضی ہے اور رضا مندی کا حکم صریح حکم کا درجہ رکھتی ہے، ودلیل الرضا کصریح الرضا. (المبسوط للسرخسی: ۲/۲۱۳)۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے تو ایسی صورت میں گارجین سے تو جرمانہ نہیں لیا جائے گا؛ البتہ طالب علم سے وصول کرنے کی گنجائش ہے، اب سوال یہ ہے کہ طالب علم سے کون سا پیسہ لیا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ پیسہ، جو اسے بطور جیب خرچ کے ملے ہیں؛ کیوں کہ یہ اس پیسہ کا مالک ہے، جو اسے والد کی طرف سے بطور جیب خرچ کے ملے ہیں، علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں:

"وإذاوهب الأب لإبنه الصغيرهبة ملكهاالإبن بالعقد" (الهدایة، کتاب الهبة: ۳/۲۲۶)(اور جب والد اپنے چھوٹے بیٹے کو کچھ ہبہ کرے تو عقد ہبہ کے ذریعہ بیٹا اس کا مالک ہو جاتا ہے)۔

اب اس سلسلہ میں ایک مسئلہ یہ باقی رہ جاتا ہے کہ طالب علم اگر غریب ہو تو پھر کیا کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ نظم وضبط کو باقی رکھنے کے لئے جرمانہ تو اس سے بھی وصول کیا جائے گا؛ البتہ پہلے اسے زکوۃ کی رقم فراہم کی جائے گی، پھر اس سے جرمانہ وصول کیا جائے گا۔

۸-تعلیمی اداروں کے علاوہ میں مالی جرمانہ:

کسی بھی ادارہ کے نظم وضبط کو برقرار رکھنا از حد ضروری ہے، ورنہ ادارہ کی معنویت ختم ہو کر رہ جائے گی، اب اداروں کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں:

۱-وہ ادارے حکومت کے زیر انتظام ہوں۔

۲-وہ ادارے حکومت کے زیر انتظام نہ ہوں۔

پہلی صورت میں مالی جرمانہ کے بجائے مطلوبہ رقم طے شدہ وقت پر وصول نے کے لئے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے، مثلاً: قید کیا جائے، یا حکومتی مراعات کو ختم کر دیا جائے، ادارہ کا حکومت کے ساتھ تعلق کی بنا پر اس میں دشواری بھی نہیں ہے اور مقصود کا حصول بہ آسانی ممکن ہے۔

دوسری صورت میں اگر ادارے اپنے حکومت سے اپنے روابط اس طرح مستحکم کر لیں کہ وہ بھی اپنے ادارہ کے لئے اسی طرح کی سزا حکومت سے دلوا سکے، جس طرح کی سزا حکومتی ادارے دلوانے پر قادر ہیں تو یہ بہتر صورت ہے؛ لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کی گنجائش ہوگی؛ کیوں کہ:

۱-شرعاً تعزیر مالی کی گنجائش ہے (جس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی)۔

۲-ادارہ کے نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لئے اس کے سوا چارۂ کار نہیں۔

۳-تعزیر مالی کا تعامل ہو چکا ہے اور یہ خلاف شرع بھی نہیں؛ اس لئے بھی یہ جائز ہونا چاہئے، اس سلسلہ میں ابن سینا ایک اچھی بات کہی ہے:

''التعامل والتجاورمحوجان إلی أحکام صادق فی الأمورالعملیة، بهاینتظم شمل المصلحة، وبأضدادهایتشتت''(المنطق:۲/۱۸۵)(تعامل وتجاورامورعملیہ میں سچے احکام محتاج ہوتے ہیں، اس کے ذریعہ سے مصلحت کی چادر مجتمع رہتی ہے، اس کے برخلاف سے یہ منتشر ہوجاتی ہے)۔

نیز ایسے تعامل سے لوگوں کو روکنا، جوخلاف شرع نہ ہو، درست نہیں:

''ثم إنه لیس لمن ولی أمراً من أمورالمسلمین منع الناس من التعامل بمایسوغ فیه اجتهاد، لمافی ذلک من التخفیف علی المسلمین'' (حرکۃ تقنین الفقہ الإسلامی، ص:۴)(پھراس شخص کے لئے درست نہیں، جومسلمانوں کاذمہ دار ہے کہ وہ لوگوں کوایسے تعامل سے روکے، جس میں اجتہاد کی گنجائش ہوکہ اس میں مسلمانوں کے لئے تخفیف ہے)۔

اس لئے راقم الحروف کے نزدیک نظم وضبط کوبرقراررکھنے کے لئے مالی جارمانہ کی گنجائش ہے۔

۹-خاندان اور برادریوں کی طرف سے مالی جرمانہ؟

جواب:اس سوال کاجواب سوال نمبر(۸) کے جواب سے واضح ہوجاتا ہے۔

۱۰-طلاق کے بارے میں پائی جانے والی افراط وتفریط اور مالی جرمانہ؟

جواب:اس سوال کے اندرتین شقیں ہیں:

۱- طلاق کے سلسلہ میں افراط وتفریط کودیکھتے ہوئے حنفیہ کے نزدیک جن صورتوں متعہ صرف مستحب ہے، کیاان صورتوں میں متعہ کوواجب قراردیا جاسکتا ہے؟

۲-متعہ کی بصورت نقدایک معقول حدمقرر کی جاسکتی ہے؟

۳-یاطے شدہ مہر کے علاوہ مزیدنصف مہرلازم کیاجاسکتا ہے؟

جہاں تک پہلی شق کاتعلق ہےتواس سلسلہ میں ہمیں دوباتیں جاننے کی ضرورت ہے:

۱-احناف کے یہاں متعہ کن صورتوں میں واجب ہے؟

۲-متعہ کے وجوب اورعدم وجوب کے سلسلہ میں فقہائے کرام رحمہم اللہ کے کیااقوال ہیں؟

جہاں تک پہلی بات کاتعلق ہےتواحناف کے یہاں تمام مطلقات کے لئے متعہ مستحب ہے؛ البتہ ایک صورت ایسی ہے، جس میں مطلقہ کے لئے متعہ واجب ہے، وہ صورت یہ ہے کہ عورت کودخول سے پہلے طلاق دی گئی ہواورمہر بھی طے نہ کیا گیاہوتوایسی صورت میں متعہ واجب ہے، ''الجوہرۃ النیرۃ'' میں ہے:

''وتستحب المتعة لکل مطلقة؛ إلاالمطلقة واحدة، وهی التی طلقهاقبل الدخول، ولم یسم لهامهراً، فالمتعة لهاواجبة؛ إلاإذاجاء ت الفرقة من قبلها''(الجوہرۃالنیرۃ:۴/۳۳)۔

(تمام مطلقہ کے لئے متعہ مستحب ہے، سوائے ایک مطلقہ کے، اور وہ غیر مدخول بہا ہے، جس کا مہر طے نہ ہو، ایسی مطلقہ کے لئے متعہ واجب ہے؛ الا یہ کہ جدائے گی اس کی طرف سے آئی ہو (تو پھر متعہ نہیں ہے))۔

تاہم ایک شکل ایسی بھی ہے، جس میں احناف میں سے امام زفرؒ کے نزدیک متعہ واجب ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہ احناف کے نزدیک اقل مہر کا نصف (پانچ درہم) واجب ہے، وہ صورت یہ ہے کہ عورت کا مہر دس درہم سے کم طے ہو اور دخول سے پہلے ہی طلاق دیدی جائے، ''ہدایہ'' میں ہے:

''ولو طلقها قبل الدخول بها، تجب خمسة عند علمائنا الثلاثة -رحمهم الله-، وعنده تجب المتعة كما إذا لم يسم شيئاً'' (الہدایہ ۱/ ۲۰۴)۔

(اگر دخول سے پہلے طلاق دی گئی تو ہمارے علمائے ثلاثہ کے نزدیک (شوہر) پر پانچ درہم واجب ہوں گے اور امام زفرؒ کے نزدیک (اس صورت میں بھی) متعہ اسی طرح واجب ہوگا، جس طرح مہر طے نہ کرنے کی صورت میں واجب ہوتا ہے)۔

جہاں تک دوسری بات (متعہ کے وجوب اور عدم وجوب کے سلسلہ میں فقہائے کرام رحمہم اللہ کے کیا اقوال ہیں؟) کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں فقہائے کرام کی دو رائیں ہیں:

۱- ہر مطلقہ کے لئے متعہ مستحب ہے --- یہ مالکیہ کی رائے ہے، احمد بن ادریس قرافیؒ لکھتے ہیں:

(التابع الثانی: المتعة) وهی عندنا مستحبة. (الذخیرۃ: ۴/ ۴۴۸، نیز دیکھئے: المدونۃ الکبری: ۲/ ۲۳۸)

(دوسری تابع: متعہ ہے، اور یہ ہمارے نزدیک مستحب ہے)۔

متعہ کے استحباب پر یہ حضرات دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ قرآن میں ''حقاً علی المحسنين'' (سورۂ بقرہ: ۲۴۱) کہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ احسان واجب کے قبیل نہیں ہوتا، علامہ ابن رشد مالکیؒ فرماتے ہیں:

''وأما مالک، فإنه حمل الأمر على الندب لقوله تعالىٰ في آخر الآية ﴿حقاً على المحسنين﴾ أی: علی المتفضلين المتجملين، وما كان من باب الإجمال والإحسان، فليس بواجب'' (بدایۃ المجتہد: ۲/ ۹۷)۔

(جہاں تک امام مالکؒ کا تعلق ہے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے قول {حقا علی المحسنین} کی وجہ سے امر کو ندب پر محمول کیا ہے کہ محسن کے معنی فضل واحسان کرنے والے کے ہیں، اور جس کا تعلق باب احسان سے ہو، وہ واجب نہیں ہوتا)۔

البتہ مالکیہ کے یہاں بھی ایک قول وجوب کا ملتا ہے اور فقہائے مالکیہ میں سے احمد بن محمد خلوتی صاویؒ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ومشهور المذهب الندب، وقيل: بوجوبها، والقرآن أظهر في الوجوب من الندب؛ ولكن صرفه عنه صارف عند الإمام'' (حاشیۃ الصاوی: ۵/ ۴۳۹، نیز دیکھئے: حاشیۃ الدسوقی: ۲/ ۴۲۵، شرح مختصر الخلیل: ۴/ ۸۷)۔

(مشہور مذہب ندب کا ہے، اور اس کے وجوب کی بھی بات کہی گئی ہے اور قرآن ندب سے زیادہ وجوب کے سلسلہ میں ظاہر ہے؛ لیکن امام مالکؒ کے نزدیک صارف نے ظاہر وجوب سے (ندب کی طرف) پھیر دیا ہے)۔

۲- ہر مطلقہ کے لئے متعہ واجب ہے، سوائے اس غیر مدخول بہا مطلقہ کے، جس کا مہر طے ہو ---- یہ شوافع کی رائے ہے؛ چنانچہ امام نوویؒ رقم طراز ہیں:

"فإن كان قبل الدخول، نظر، إن لم يشطرالمهر، فلهاالمتعة، وإلافلاعلى المشهور، وإن كان بعدالدخول، فلهاالمتعة على الجديدالأظهر" (روضۃ الطالبین، الباب الخامس: المتعۃ: ۷/۳۲۱، نیز دیکھئے: الإقناع للشربینی: ۲/۴۲۶)۔

(بس یہ طلاق اگر دخول سے پہلے ہو تو دیکھا جائے گا، اگر مہر کا کچھ بھی طے نہ ہو تو متعہ دیا جائے گا، ورنہ مشہور قول کے مطابق متعہ نہیں ہوگا اور اگر دخول کے بعد ہو تو قول جدید ظاہر کے مطابق متعہ ہوگا)۔

ان حضرات کی دلیل قرآن مجید کی آیات {فمتعوہن وسرحوہن سراحاً جمیلاً (الأحزاب:۴۹)} اور {وللمطلقات متاع بالمعروف.(البقرۃ:۲۴۱)} ہیں کہ یہ دونوں آیات وجوب کا تقاضا کرتی ہیں۔

حنابلہ کی رائے احناف کے مطابق ہے (دیکھئے: المغنی، مسألۃ وفصول: ماتستحقہ المفوضۃ إذا کلفت قبل الدخول......: ۸/۴۷)؛ البتہ امام احمدؒ کی بھی ایک رائے ہر مطلقہ کے لئے متعہ واجب ہونے کی ہے، ابوالبرکات مجدالدین عبدالسلام بن عبداللہ الحرانیؒ لکھتے ہیں:

"وعنه: تجب لكل مطلقة، وعنه: تجب للكل؛ إلالمن دخل بهاوسمى مهرها" (المحرر فی الفقہ: ۲/۳۷)

(اوران سے روایت ہے کہ ہر مطلقہ کے لئے واجب ہے، انہی سے مروی ہے کہ ہر ایک کے لئے واجب ہے، سوائے اس کے، جو مدخول بہا ہو اور مہر طے ہو)۔

مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ:

۱- امام شافعیؒ، (ایک قول کے مطابق) امام مالکؒ، امام احمدؒ اور بعض صورتوں میں احناف کے یہاں متعہ واجب ہے۔

۲- امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں متعہ مستحب ہے۔

قول راجح:

فقہائے کرام کے مستدلات پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ امام شافعیؒ کا مسلک اقرب الی القران والاصول ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید میں متعہ کے حکم کے سلسلہ میں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، ان سے وجوب کا ثبوت ملتا ہے، نیز محسنین اور متقین کے الفاظ سے جو یہ شبہ پیدا ہو رہا ہے کہ وجوب کا تعلق عموم سے ہوتا ہے، نہ کہ خصوص سے، جبکہ یہاں خصوص کا ذکر کیا گیا ہے تو اس کا جواب دیتے ہوئے مفسر قرطبیؒ رقم طراز ہیں:

"وقوله ﴿على المتقين﴾ تأكيدلإيجابها؛ لأن كل واحديجب عليه أن يتقى الله فى الإشراك به ومعاصيه، وقدقال تعالىٰ فى القرآن: ﴿هدى للمتقين﴾" (الجامع لأحکام القرآن: ۳/۲۰۰)۔

(اور'' علی المتقین'' کا قول وجوب کومؤکد کرنے کے لئے ہے؛ کیوں کہ ہرفرد پرضروری ہے کہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے اور گناہ کے ارتکاب کرنے سے پرہیز کرے، اللہ تعالیٰ نے خودفرمایا: **هدى للمتقين**)۔

اورعلامہ رشیدرضامصریؒ لکھتے ہیں:''**وأما كونه﴿حقاعلى المحسنين﴾فمعناه: أنهاواجبة حاقة على أنهاإحسان فى التعامل، لاعقوبة، فإن الحكمةفيها كماقالوا:جبرإيحاش الطلاق، كأن المعنى: إن كنتم مؤمنين بالله محسنين فى طاعته، فعليكم أن تجعلواهذاالمتاع لائقاً مؤدياًإلى الغرض منه**''(تفسیرالمنار: ۳۴۰/۲)۔

(جہاں تک حقاعلی المحسنین کی بات ہےتواس کے معنی ہیں کہ یہ اس طور پرواجب ہے کہ احسان کا معاملہ ہے، نہ کہ عقوبت کا، کیوں کہ اس کی حکمت، جیسا کہ فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا، طلاق کی وحشت کی تلافی ہے، گویا معنی ہوئے کہ اگرتم اللہ کی اطاعت میں احسان کرتے ہوئے اس پر ایمان رکھتے ہوئے توتم پرضروری ہے کہ اس متاع (متعہ) کومناسب طریقہ پرمقصود تک پہنچانے والے بنو)۔

عصرحاضر کے مشہورفقیہ ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ امام شافعیؒ کے مسلک کوراجح قرار دیتے اوراس کی وجوہات کی نشاندہی کرتے ہوئے تحریرفرماتے ہیں:

''**والظاهررجحان مذهب الشافعية لقوة أدلتهم، ولتطييب خاطرالمرأة، وتخفيف ألم الفراق، ولإيجادباعث على العودة إلى الزوجيةإن لم تكن البينونة الكبرىٰ**''(الفقہ الإسلامی وأدلتہ:۳۲۰/۷)۔

(مذہب شوافع کی ترجیح ظاہر ہے؛ کیونکہ ان کے دلائل مضبوط ہیں، اوراس میں عورت کی دل داری اورجدائے گی کے غم کو ہلکا کرنا پایا جاتا ہے، نیز اگر بینونت کبریٰ نہ ہوئی ہوتوتجدیدنکاح کا ذریعہ بنتا ہے)۔

بس معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک جن صورتوں میں متعہ مستحب ہے، ان میں قرآنی آیات کے اسلوب اوردیگرائمہ کےقوال کوسامنے رکھتے ہوئے متعہ کوواجب قراردینے کی گنجائش ہے۔

رہی بات دوسری شق (متعہ کی بصورت نقدایک معقول حدمقرر کی جاسکتی ہے؟) کی تواس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ متعہ کسے کہتے ہیں؟مشہورشافعی فقیہ علامہ خطیب شربینیؒ لکھتے ہیں:

''**مال يجب على الزوج دفعه لامرأته المفارقة فى الحياة بطلاق ومافى معناه بشروط**''(مغنی المحتاج، فصل فی أحکام المتعۃ: ۳۴۱/۳)(ایسامال، جس کا دینا شوہر پر چندشرطوں کے ساتھ واجب ہو، اس بیوی کے لئے ،جس کی جدائے گی زندگی ہی میں طلاق کے ذریعہ ہوئی ہو)۔

البتہ فقہائے احناف نے اس کی مقدارتین کپڑے متعین کی ہے، مشہورحنفی فقیہ عبدالغنی میدانیؒ لکھتے ہیں:

''**والمتعة وهى ثلاثة أثواب: درع، وخمار، وملحفة من كسوة مثلها**''(اللباب فی شرح الکتاب:

۱/ ۲۵۷) (متعہ تین کپڑے ہیں، قمیص، دوپٹہ اور چادر، جو اس کے پوشاک کے ہم مثل ہوں)۔

تاہم یہ تین کپڑے حتمی نہیں ہیں؛ بل کہ اس سے زائد بھی دیا جا سکتا ہے، علامہ شامیؒ رقم طراز ہیں:

"ثم رأیت بعض المحشین قال: وفی البرجندی قالوا: هذافی دیارهم، أمافی دیارنا، فینبغی أن یجب أکثرمن ذلک؛ لأن النساء فی دیارناتلبس أکثرمن ثلاثة أثواب، فیزادعلی ذلک إزارومکعب" (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب المہر: ۴/ ۲۴۴) (پھر میں نے بعض محشین کو دیکھا، انھوں نے لکھا ہے کہ برجندی میں ہے کہ فقہاء نے فرمایا: یہ ان کے علاقہ میں ہے، جہاں تک ہمارے علاقہ کی بات ہے تو مناسب ہے کہ اس (تین) سے زیادہ واجب ہو؛ کیونکہ ہمارے علاقہ میں خواتین تین کپڑوں سے زیادہ زیب تن کرتی ہیں؛ چنانچہ ازار (پاجامہ) اور مکعب (لمبی چادر) کا اضافہ کیا جائے گا)۔

البتہ اتنا خیال رکھنا ضروری ہے کہ متعہ کی مقدار مہر مثل کے نصف سے نہ تو زائد ہو اور نا ہی پانچ درہم سے کم، علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں:

"لکن لاتزیدعلی نصف مهرمثلها، ولاتنقص عن خمسة دراهم" (الہدایۃ: ۱/ ۲۰۵) (لیکن مہر مثل کے نصف سے نہ تو زائد ہو اور نا ہی پانچ درہم سے کم ہو)۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ متعہ کے طور پر ہر حال میں کپڑا ہی دینا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اس کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے، ملک العلماء علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"ولوأعطاهاقیمة الأثواب دراهم، أودنانیرتجبرعلی القبول؛ لأن الأثواب ماوجبت لعینها؛ بل من حیث أنهامال" (بدائع الصنائع، حکم اختلاف الزوجین فی المہر: ۲/ ۳۰۴) (اگر کپڑوں کی قیمت دراہم یا دنانیر کی شکل میں دیدے تو اسے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا؛ کیونکہ عین کپڑے واجب نہیں ہیں؛ بلکہ اس اعتبار سے ہیں کہ وہ مال ہیں)۔

مذکورہ عبارتوں کی روشنی میں راقم کے نزدیک متعہ کی بصورت نقد ایک معقول حد مقرر کی جا سکتی ہے؛ البتہ متعہ لازم کرنے کے مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی مقدار مہر مثل کے نصف سے نہ تو زائد ہونا چاہئے اور نا ہی پانچ درہم سے کم۔

جہاں تک سوال کی تیسری شق (طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کیا جا سکتا ہے؟) کی بات ہے تو راقم الحروف کے نزدیک اس کی بھی گنجائش ہونی چاہئے؛ البتہ اس کی حیثیت مالی جرمانہ کی ہوگی (جس کی تفصیل گزر چکی)، خود اللہ کے رسول ﷺ سے بھی اس طرح کا جرمانہ لینا ثابت ہے؛ چنانچہ روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"من أعطی زکاة ماله مؤتجراًفله أجره، ومن منعها، فإنا آخذوهاوشطرماله، عزمة من عزمات ربنا، لیس لآل محمدمنهاشئی" (جامع الأصول، حدیث نمبر: ۲۶۶۴) (جو اپنے مال کی زکات اجر پانے کے لئے دے تو اسے اس کا اجر ملے گا اور جو شخص اس کو روکے گا، ہم اس سے زکات وصول کریں گے اور بطور سزا اس کے مال کا ایک حصہ بھی لیں گے، یہ ہمارے رب کے واجبات میں سے ایک واجب ہے، اس میں آل محمد کے لئے کوئی حصہ نہیں)۔

اس حدیث میں مزید ''شطر مال'' لینے کا ذکر ہے، جو ایک قسم کا جرمانہ ہے، نیز ملکی حالات کے پیش نظر اس کی گنجائش ہونی چاہئے، جس کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

موجودہ دور میں خاص کر غیر مسلم ممالک میں ایسے خدا ناترس لوگوں کو اس کے سوا سزا دینے کی کوئی اور صورت ممکن نہیں ہے، جسمانی سزا دینا خلاف قانون بھی ہے اور اس سے مظلوم عورت کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا، اگر مالی جرمانہ عائد کیا جائے، دار القضاء، شرعی پنچائت یا مسلمانوں کے معتبر ادارے اور تنظیمیں اس کا فیصلہ کریں اور وہ رقم مطلقہ عورت کے حوالہ کردی جائے تو مرد کی سرزنش بھی ہوگی اور عورت کو کسی حد تک سہولت بھی بھی حاصل ہوگی؛ اس لئے موجودہ حالات میں طلاق کے بے جا استعمال پر مالی جرمانہ عائد کرنے کی گنجائش نظر آتی ہے؛ البتہ عوام اس کا فیصلہ نہ کریں، دار القضاء، محکمہ شرعیہ یا مسلمانوں کے کسی معتبر ادارہ مرد کی زیادتی کی تحقیق کرکے اور اس کے مالی استطاعت کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے (منصف، آپ کے شرعی مسائل، تاریخ: ۲۰/۱۰/۲۰۱۷ء)

۱۰- مزید نصف مہر یا متعہ کو لازم کرنے کے لئے کیا ایسا کیا جاسکتا ہے کہ نکاح کے وقت اور نکاح نامہ میں آدمی کو اس کا پابند بنادیا جائے کہ اگر بے جا طور پر طلاق دی گئی یا ایک ساتھ تین طلاق دی گئی تو متعہ کے طور پر مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینی ہوگی؟

جواب: سوال نمبر (۱۰) کے جواب سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ طلاق میں افراط وتفریط کو دیکھتے ہوئے مزید نصف مہر یا متعہ لازم کرنے کی گنجائش ہے تو اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اس کو لکھ لینے اور معاہدہ کی شکل میں دستاویز تیار کرکے اس کا پابند بنانے کی بھی گنجائش ہوگی؛ کیونکہ یہ ایک مالی معاملہ ہے، جس کے لکھنے کا حکم صراحتاً قرآن نے دے رکھا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

'' یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌ'' م بِالْعَدْلِ وَلَا یَاْبَ کَاتِبٌ'' اَنْ یَّکْتُبَ کَمَا عَلَّمَہُ اللّٰہُ فَلْیَکْتُبْ '' (البقرۃ:۲۸۲)

(مومنو! جب تم آپس میں کسی میرادِ متعین کے لئے قرض (مال) کا معاملہ کرنے لگو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والا تم میں (کسی کا نقصان نہ کرے؛ بلکہ) انصاف سے لکھے، نیز لکھنے والا جیسا اسے اللہ نے سکھایا ہے، لکھنے سے انکار بھی نہ کرے اور دستاویز لکھ دے)۔

اس آیت کے ضمن میں امام بیضاویؒ لکھتے ہیں:

''(إذاتداینتم بدین)أی: إذاداین بعضکم بعضا، تقول: داینتہ، إذاعاملتہ نسیئۃ معطیاً، أوآخذاً'' (تفسیر بیضاوی ۱/۵۷۸)۔

(''اذاتداینتم بدین ''اس وقت کہا جاتا ہے، جب ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کا معاملہ کیا جائے، تم داینتہ اس وقت کہتے ہو، جب تم ادھار لین دین کا معاملہ کرتے ہو)۔

اور امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:''(إذاتدینتم بدین)یشتمل علی المھرمع البضع''(الجامع لأحکام القرآن:

(''إذا تداینتم بدین '' کا حکم سامان کے ساتھ ساتھ دین مہر کو بھی شامل ہے (اسے بھی لکھ لیا کرو))۔ (۳۹۱/۳

معلوم ہوا کے معاملہ طے ہونے کے بعد دستاویزی شکل میں لکھ لینا چاہئے، اب لکھنے کی دو شکلیں ہیں:

۱- نکاح فارم ہی میں لکھ دیا جائے۔

۲- الگ سے دستاویز تیار کیا جائے۔

راقم الحروف کے نزدیک دونوں شکلیں درست ہیں کہ مقصود کا حصول دونوں سے ہو رہا ہے۔

☆☆☆

تعزیر بالمال کے تعلق سے فقہاء کے مسالک

مولانا محمد فیاض عالم قاسمی☆

مال لے کر سزا دینا یعنی مجرم سے تاوان کے طور پر کچھ مال لے لیا جائے تا کہ وہ ظلم سے باز آجائے۔ اس کو تعزیر بالمال کہتے ہیں، خواہ اس مال کو بیت المال میں جمع کر دیا جائے یا مظلوم کے حوالہ کر دیا جائے، اس کے جواز وعدم جواز کے بارے میں دو مسالک معروف ہیں:

مسلک اول:

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء وعلماء کرام رحمہم اللہ کے نزدیک مالی جرمانہ عائد کرنا جائز نہیں۔

فقہاء احناف کا نظریہ:

امام اعظم ابوحنیفہؒ امام محمدؒ اور دیگر فقہاء احناف کے نزدیک تعزیر بالمال جائز نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ مذہب یہی ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، ''ردالمحتار'' میں ہے: ''وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمَذْهَبَ عَدَمُ التَّعْزِيرِ بِأَخْذِ الْمَالِ'' (۴/ ۶۲)۔

علماء دیوبند میں تقریباً سبھی نے تعزیر بالمال کو ناجائز قرار دیا ہے (امداد الفتاوی ۲: ۵۳۷ سوال: ۶۴۴، ص ۵۳۷، ۵۳۸ سوال: ۶۴۵، ص ۵۳۹، ۵۴۰ سوال: ۶۴۷، ص ۵۴۱ سوال: ۶۴۸، ص ۵۴۱، ۵۴۲ سوال: ۶۴۹، ص ۵۴۲ سوال: ۶۵۱، ص ۵۴۲، ۵۴۳ سوال: ۶۵۲ اور ص ۵۴۳ - ۵۴۵ سوال: ۶۵۴، کتاب التعزیرات، عزیز الفتاوی ص ۷۲۴، ۷۲۵ سوال: ۱۴۲۲، امداد المفتین ص ۷۵۱ سوال: ۸۱۳ اور ص ۷۵۲ سوال: ۸۱۴، کفایت المفتی ۲/ ۲۰۵، فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل وکراچی: ۱۴/ ۱۳۴، ۱۳۵ سوال: ۶۷۹۵، ص ۱۳۵، ۱۳۶ سوال: ۶۷۹۶، ص ۱۳۶، ۱۳۷ سوال: ۶۷۹۷، ص ۱۳۹ سوال: ۶۷۹۸، ص ۱۴۲، ۱۴۳ سوال: ۸۰۱، اور احسن الفتاوی ۵: ۵۴۲ - ۵۶۷ بشکل مقالہ بنام: تحریر المقال فی التعزیر بالمال، فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/ ۲۵۳، ۲۵۲، ۲۳۵، ویب دارالافتاء: فتویٰ آئی ڈی نمبر: ۵۸۸/ B/ ۵/ U۱۴۳۵)۔

☆ خادم دارالقضاء، ممبئی۔

فقہاء مالکیہ کا مذہب:

امام مالکؒ کا صحیح مذہب یہی ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے۔ چنانچہ ''شرح کبیر'' اور اس کے حاشیہ ''دسوقی'' میں ہے:

''وما يفعله الولاة من أخذ المال فلا شک في عدم جوازه، وقال الونشريسي: أما العقوبة بالمال فقد نص العلماء على أنها لا تجوز وفتوی البرزلي بتحليل المغرم لم يزل الشيوخ يعدونها من الخطا'' (الشرح الکبیر وحاشیۃ الدسوقی ۳/۴۶ ط: دار الفکر)۔

''و قال الصاوي المالکيؒ: "قوله: وبالتصدق عليه بما غش: أي وأما التعزير بأخذ المال فلا يجوز إجماعا'' (حاشیۃ الصاوي علی الشرح الصغیر ۴/۵۰۵ ط: دار المعارف)۔

فقہاء شوافع کا مذہب:

امام شافعی سے عدم جواز منقول ہے اور یہی مفتیٰ بہ ہے۔ ''قال الإمام الشافعيؒ: " لا يعاقب رجل في ماله وإنما يعاقب في بدنه وإنما جعل الله الحدود على الأبدان وكذلک العقوبات فأما على الأموال فلا عقوبة عليها". (الأم للشافعي، 4/265، ط: دار المعرفة)'' هذا مذهبه الجديد و هو المفتى به .قال النوويؒ:" ولا بأس بتسويد وجهه والمناداة عليه ويحرم حلق لحيته وأخذ ماله"(المجموع شرح المهذب، 20/125، دار الفکر)۔

فقہاء حنابلہ کا مذہب:

فقہاء حنابلہ کے نزدیک تعزیر بالمال جائز نہیں۔ ''قال ابن قدامه الحنبليؒ:"والتعزير يكون بالضرب والحبس والتوبيخ .ولا يجوز قطع شيء منه ولا جرحه، ولا أخذ ماله؛ لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلک عن أحد يقتدى به؛ ولان الواجب أدب، والتأديب لا يكون بالإتلاف ".(المغني، 9/178، ط: مكتبة القاهرة)۔

''قال البهوتي الحنبليؒ: "(ويحرم تعزير بحلق لحية وقطع طرف وجرح) لأنه مثلة (و) يحرم تعزير (بأخذ مال أو إتلافه) لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلک عمن يقتدى به" (شرح منتهي الإرادات، 3/366، ط: عالم الکتب)۔

مسلک ثانی:

امام مالکؒ، (قول مشہور)، علامہ ابن فرحونؒ، امام شافعی (قول قدیم)، امام احمد (ایک قول) علامہ ابن تیمیہؒ و ابن قیمؒ کا مسلک یہ ہے کہ مالی جرمانہ لازم کرنا جائز ہے، اور امام ابو یوسفؒ، قاضی قدس علامہ طرابلسیؒ اور متاخرین احناف میں سے علامہ شمس الحق افغانیؒ نے بھی اس مسلک کو اختیار کیا ہے۔ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ مفتی تقی عثمانی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا رجحان بھی اسی جانب معلوم ہوتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:" التعزير بالعقوبات المالية " مشروع أيضا في مواضع مخصوصة في مذهب مالک في المشهور عنه؛ ومذهب ّحمد في مواضع بلا نزاع عنه؛ وفي مواضع فيها نزاع عنه، والشافعي في قول"(الحسبۃ لابن تیمیہ بتحقیق "الشحود"،1/348)۔

علامہ ابن القیم الجوزیؒ فرماتے ہیں:" وَأَمَّا التَّعْزِيرُ بِالْعُقُوبَاتِ الْمَالِيَّةِ، فَمَشْرُوعٌ أَيْضًا فِي مَوَاضِعَ مَخْصُوصَةٍ فِي مَذْهَبِ مَالِكٍ وأَحْمَدَ، وَأَحَدِ قَوْلَيْ الشَّافِعِيِّ، وَقَدْ جَائَتْ السُّنةُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِﷺ- وَعَنْ أَصْحَابِهِ بِذَلِكَ فِي مَوَاضِع"(الطرق الحکمیۃ فی سیاسۃ الشرعی ۱/ ۲۲۴)۔

تبصرۃ الحکام میں ہے:" وَالتَّعْزِيرُ بِالْمَالِ: قَالَ بِهِ الْمَالِكِيَّةُ فِيهِ"(تبصرۃ الحکام،2/293، ط: مکتبۃ الکلیات الازھریۃ۔و۔2/221،ط: دارعالم الکتب،شاملۃ)۔

علامہ ابن فرحون مالکیؒ نے کئی مثالیں دیکرا پنے مسلک کی اچھی طرح وضاحت کی ہے،من جملہ یہ ہے کہ فاسق آدمی جب اپنے پڑوسی کو تکلیف دیا ورتنبیہ کرنے کے باوجود باز نہ آئے تو اس کا گھر بیچ دیا جائے گا،اور یہ مالی اور جسمانی سزا ہے۔"مسألة: والفاسق إذا أذى جاره ولم ينته، تباع عليه داره وهو عقوبة فى المال والبدن"(تبصرۃ الحکام،2/293، ط:مکتبۃ الکلیات الازھریۃ۔و۔2/221،ط: دارعالم الکتب،شاملۃ)۔

علامہ طرابلسی فرماتے ہیں:"يجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب أبى يوسف وبه قال مالک، ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الائمة نقلا واستدلالا وليس بسهل دعوى نسخها، وفعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته ﷺ مبطل لدعوى نسخها، والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصحح دعواهم إلا أن يقول أحدهم: مذهب أصحابنا لا يجوز، فمذهب أصحابه عنده عياء على القبول والرد"(معین الحکام،1/195،ط: دارالفکر)۔

علامہ شمس الحق الافغانی فرماتے ہیں:"يجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب أبى يوسف وبه قال مالک، ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط وفعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موتهﷺ مبطل لدعوى نسخها، والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع"(معین القضاۃ والمفتین،1/70، ط: میر محمد کتب خانہ)۔

درمیانہ مسلک:

علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ سلطان کے لیے تعزیراً مال کا لینا جائز ہے۔"وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ: يَجُوزُ التَّعْزِيرُ لِلسُّلْطَانِ بِأَخْذِ الْمَالِ، وَعِنْدَهُمَا وَبَاقِي الْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ لَا يَجُوزُ"(فتح القدیر:۵/ ۳۴۵،نیز دیکھئے: تاتارخانیہ:۵/ ۱۴۰۰،البحر الرائق:۵/ ۶۸،بنایہ شرح ہدایہ:۶/ ۳۹۱)مگر اس کی تاویل اس طرح کی گئی ہے کہ مال لے

لیا جائے، مگر نہ اس کو قاضی بیت المال میں جمع کرے اور نہ ہی مظلوم کے حوالہ کرے، بلکہ چند دنوں کے لیے امانت کے طور پر رکھ لے، جب ظالم کو اپنے ظلم کا افسوس ہو اور وہ ظلم سے باز آجائے تو اس کو مال اس کے حوالہ کردیا جائے۔

''ہندیہ'' میں ہے:''وعند أبی یوسفؒ یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقی الأئمة الثلاثة لا یجوز کذا فی فتح القدیر، ومعنی التعزیر بأخذ المال علی القول به إمساک شئ من ماله عنده مدة لینزجر،ثم یعیده الحاکم إلیه، لا أن یأخذه الحاکم لنفسه أو لبیت المال'' (ہندیہ ۲/۱۶۷)۔

البحرالرائق میں ہے:''وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخز المال على القول به إمساك شيء من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال'' (البحرالرائق:۵/۴۴)۔

صاحبِ خلاصۃ الفتاویٰ نے امام ابو یوسفؒ کے قول جواز اور طرفین کے قول عدم جواز کے درمیان یوں تطبیق دی ہے کہ اگر قاضی یا والی مناسب سمجھے تو تعزیراً مال لینا جائز ہے:''التعزیر بأخذ المال إن رأی القاضی أو الوالی جاز'' (تاتارخانیہ ۵/۱۴۰)۔

علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ قاضی یا والی کے لیے تعزیر بالمال جائز ہے، چنانچہ جو آدمی باجماعت نماز نہ پڑھے اس کی تعزیر مال کے ذریعہ کی جاسکتی ہے:''وما في الخلاصة سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال، إن رأى القاضی ذلک، أو الوالی جاز، ومن جملة ذلک رجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال مبني علی اختیار من قال بذلک من المشائخ کقول أبی یوسف''(فتح القدیر ۵/۳۴۵)۔

فقہ حنفی کے ممتاز فقیہ قاضی قدس علاء الدین علی ابن خلیل طرابلسی نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے اور ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے، جنھوں نے مالی سزا کو منسوخ مانا ہے۔''یجوز التعزیر بأخذ المال، وهو مذهب أبی یوسف، وبه قال: مالک، ومن قال: إن العقوبه المالیة منسوخة، فقد غلط علی مذاهب الأئمة نقلاً واستدلالاً، ولیس بسهل دعوی نسخها''۔یعنی مالی تعزیر کا جواز امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہے اور اسی کے قائل امام مالکؒ بھی ہیں اور جن لوگوں نے مالی سزاؤں کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے، ان لوگوں نے مذاہب ائمہ کی طرف روایت اور استدلال کے طور پر غلط نسبت کی ہے اور ان کے نسخ کا دعویٰ آسان نہیں ہے'' (معین الحکام:۱۹۵)۔

مسلک اول یعنی مانعین کے دلائل:

پہلی دلیل: جو لوگ ناجائز کہتے ہیں ان کی سب سے مضبوط ترین دلیل قرآن کریم کی آیت:''ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بها إلی الحکام لتأکلوا فریقا من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون''(سورۃ البقرۃ:۱۸۸) اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی دوسرے کا مال ناجائز طریقہ پر کھانا جائز نہیں۔چنانچہ امام جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ احکام القرآن میں فرماتے ہیں:''قال الله تعالی ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بها إلی الحکام، فأخبر تعالی أن الحاکم

وغيره سواء في أنه لا يملك أخذ مال أحد ودفعه إلى غيره" (احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۱۵۴)۔

دوسری دلیل: مانعین کی دوسری دلیل حضرت انسؓ سے مروی ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کا مال اس کی قلبی رضامندی کے بغیر کھانا جائز نہیں۔ "لا يحل لامرئ أن يأخذ عصا أخيه بغير طيب نفسه وذلک لشدة ما حرم الله مال المسلم على المسلم" (سنن للبیہقی: ۵: ۱۹۶۴۵، شعب الایمان للبیہقی ۵۱۰۵)۔

تیسری دلیل:

نبی کریم ﷺ کا حجۃ الوداع کے موقعہ یہ فرمانا کہ کہ مسلمان کی جان و مال تم پر حرام ہے۔ یعنی کسی کو قتل کرنا اور کسی کا مال رضامندی کے بغیرہ حاصل کرنا حرام ہے۔

"إن دماء كم وأموالكم حرام عليكم، كحرمة يؤمكم هذا فى شهركم هذا، فى بلدكم هذا، ألا كل شي من أمر الجاهلية تحت قدمي موضوع" (صحیح مسلم: ۱۲۱۸)

ان کے علاوہ جتنی بھی دلیلیں ہیں وہ ان ہی دلیلوں کی طرح ہیں۔

مسلک دوم یعنی مجوزین کے دلائل:

پہلی دلیل:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے مال کی زکوۃ ثواب کی نیت سے دے گا، اس کو ثواب ملے گا، اور جو شخص زکاۃ ادا نہیں کرے گا تو میں اس سے زکاۃ بھی لوں گا اور اس کے مال میں سے کچھ حصہ بطور تاوان بھی لوں گا، جو میری آل و اولاد کیلئے حلال نہیں ہوگا۔ "عن بهز بن حكيم، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله ﷺ قال: فى كل سائمة إبل في أربعين بنت لبون، ولا يفرق إبل عن حسابها من أعطاها مؤتجرا–قال ابن العلاء مؤتجرابها–فله أجرها، ومن منعها فانا آخذ ها وشطرماله، عزمة من عزمات ربنا عزوجل، ليس لآل محمد منها شيء" (سنن أبي داوٗد: ۱۵۷۵، قال المحقق ارنؤوط: إسنادہ حسن. وقال الالبانی حسن، 3/ 26، ط: دار الرسالۃ العالمیۃ)۔

یہ حدیث تعزیر بالمال کے بارے میں صریح ہے، لیکن یہ تعزیر حق اللہ کے لیے ہے، اسی طرح اس میں یہ وضاحت بھی نہیں ہے کہ اس مال کا مصرف کیا ہوگا، تاہم سیاق حدیث سے بیت المال میں جمع کیا جانا معلوم ہوتا ہے۔

دوسری دلیل:

حضرت عامر اپنے والد سعد کے بارے میں کہتے ہیں وہ ایک بار مقام عقیق میں واقع اپنے حویلی کی طرف جا رہے تھے راستہ میں دیکھا کہ ایک غلام درخت کو کاٹ رہا ہیا اس کے پتے جھاڑ رہا ہے، تو انھوں نے اس سیا اس کا سامان چھین لیا، واپسی میں غلام کے مالکوں نے ان سے واپس کرنے کا مطالبہ کیا، حضرت سعد نے جواب میں فرمایا کہ اللہ کی پناہ میں اس چیز کو کیسے واپس کر سکتا ہوں جس کو نبی کریم ﷺ نے میرے لئے بطور انعام حلال کر دیا ہے، یہ کہہ کر سامان کی واپسی سے انکار کر دیا۔

’’عن عامر بن سعد، أن سعدا رکب إلی قصره بالعقیق، فوجد عبدا یقطع سجرا، أو یخبطه، فسلبه، فلما رجع سعد، جاء ہ أهل العبد فکلموه أن یرد علی غلامهم أو علیهم ما أخذ من غلامهم، فقال: معاذ الله أن یرد شیئا نفلنیه رسول الله ﷺ، وأبی أن یرد علیهم‘‘(صحیح مسلم:۱۳۶۴، 2/993،داراحیاء التراث العربی)۔

تیسری دلیل:

عبدالرحمن بن حاطب ابن ابی بلتعہ کے غلاموں نے ایک اونٹ چُرا کر ذبح کر دیا، جس کا چمڑا اور سر ان کے پاس پایا گیا، یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پہونچا، آپ نے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، پھر تھوڑی دیر سوچ کر غلاموں کو طلب فرمایا اور عبدالرحمن سے کہا کہ تم ان سے کام بھی لیتے ہو اور ان کو بھوکا بھی رکھتے ہو، اور بدسلوکی کرتے ہو، یہاں تک کہ اگر وہ کوئی حرام چیز بھی پالیں تو ان کے حق میں حلال ہو جائے، پھر اونٹ والے سے دریافت فرمایا کہ تم اونٹ کتنی قیمت میں دے سکتے تھے، انھوں نے کہا کہ چار سو درہم میں، حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن سے فرمایا کہ تاوان کے ساتھ آٹھ سو درہم ادا کرو۔

’’عن یحی بن عبد الرحمن بن حاطب، أن غلمة، لأبیه عبد الرحمن بن حاطب سرقوا بعیرا، فانتحروه، فؤجد عندهم جلدو، ورأسه، فرفع أمرهم إلی عمر بن الخطاب ’’فأمر بقطعهم‘‘ فمکثوا ساعة، وما نری إلا أن قد فرغ من قطعهم، ثم قال عمر:’’علی بهم‘‘، ثم قال لعبد الرحمن :’’والله، إني لأراک تستعملهم، ثم تجیعهم، وتسیء إلیهم، حتی لو وجدوا ما حرم الله علیهم، لحل لهم‘‘، ثم قال لصاحب البیعر:’’کم کنت تعطی لبعیر؟‘‘قال: أربع مائة درهم، قال لعبد الرحمن: قم فاغرم لهم ثمان مائة درهم‘‘(مصنف عبدالرزاق:۱۸۹۷۸، 10/239، المجلس العلمی۔الهند)۔

حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ تعزیر بالمال کے جواز میں صریح اور بلا غبار ہے، اس بارے میں بھی صریح ہے کہ تعزیر بالمال میں مال کو مظلوم کے حوالہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

چوتھی دلیل:

آپ ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کے مال کو جلا دینے اور انھیں مارنے کا حکم فرمایا۔’’عن عمرو بن شعیب، عن أبیه، عن جدوه’’أن رسول اللهﷺ وأبابکروعمر حرقوا متاع الغال وضربوه‘‘(سنن ابوداؤد:۲۷۱۵)۔

پانچویں دلیل:

نبی کریم ﷺ نے زرد رنگ کے کپڑوں کو جلا ڈالنے کا حکم دیا۔’’عن عبد الله بن عمرو،قال:رأی النبي ﷺ علي ثوبین معصفرین،فقال:’’أمک أمرتک بهذا‘‘قلت: أغسلهما، قال: بل أحرقهما‘‘(صحیح مسلم:۲۰۷۷)۔

چھٹی دلیل:

نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کے گھروں کوجلانے ارادہ فرمایا جو لوگ باجماعت نماز نہیں پڑھتے ہیں۔"عن أبی هريرة،أن رسول الله ﷺ، فقد ناسيا في بعض الصلوات، فقال:لقد هممت أن امر رجلا يصلى بالناس، ثم أخالف إلى رجال يتخلفون عنها ٖمربهم فيحرقوا عليهم، بحزم الحطب بيوتهم، ولو علم أحدهم أنه يجد عظما سمينا لشهدها،يعنى صلاة العشاء"(صحیح مسلم:۶۵۱)۔

ساتویں دلیل:

نبی کریم ﷺ نے شراب کو بہاڈالنےاوراس کے مٹکوں کوتوڑ ڈالنے کاحکم دیا۔"عن أبی طلحة أنه قال: يا نبی الله، إني اشتريت خمرا لأيتام في حجري، قال:أهرق الخمر، واكسر الدنان"(ترمذی:۱۲۹۳)۔

قاضی قدس علامہ علاؤالدین طرابلسیؒ تعزیر بالمال پر تفصیلی کلام کرتے ہوئےفرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تعزیر کے طور پر مخنث کو مدینہ سے جلاوطن کردیا،ایسا ہی آپ ﷺ کے بعد آپ کے اصحاب نے بھی کیا،چنانچہ حضرت عمرؓ نے صبیغ سے جو سورہ ذاریات اورقرآن کی مشکلات کے بارے میں ہندی کی چندی کیا کرتا تھا،لوگوں کوقطع تعلق کرنیکا حکم دیا تھا، پھراس کی سخت پٹائی کے بعد بصرہ یا کوفہ کی طرف جلاوطن کردیا تھا۔حضرت عمرؓ نے نصر بن حجاج کا سرمنڈوادیا،اوراس کو مدینہ سے نکال دیا،کیوں کہ وہ اپنے اشعار میں عورتوں کےمحاسن کو بیان کرتا تھا۔نبی کریم ﷺ نے اصحاب عرنیین کواونٹ کا پیشاب پینے کی سزادی تھی،اوران کو مدینہ میں داخل ہونے سے منع کردیا تھا،حضرت ابوبکرؓ نے صحابہ کرام سےاس آدمی کے بارے میں مشورہ کیا جولواطت کرتا تھاتوصحابہ نے مشورہ دیا کہ ایسے آدمی کوجلادیا جائے،چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ حکم خالد بن ولید کولکھ بھیجا،اسی پرعمل کرتے ہوئے عبداللہ ابن زبیر نے ایسے آدمی کواپنے زمانہ خلافت میں جلاڈالا،پھرحضرت ہشام بن عبدالملک نے بھی ایسے لوگوں کوجلانے کی سزادی۔حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین کی ایک جماعت کوجلادیا تھا،حضرت عمرؓ کااپنے عاملوں کوبعض لوگوں کا آدھامال لے لینےکااوراس کومسلمانوں میں تقسیم کردینے کاحکم دیا تھا،حضرت عمرؓ نے اس شخص سےجس کے پاس کفایتی کھانا تھا،مگر بھیک مانگ رہاتھا،کھانے کوچھین لیااوراونٹوں کوکھلادیا،ان کےعلاوہ کثیر تعداد میں دلائل ہیں،جومعروف ومشہور ہیں۔

"وعزر رسول الله ﷺ بالنفي فأمر بإخراج المخنثين من المدينة ونفاهم، وكذلک الصحابة من بعده......فمنها: أمر عمرؓ بهجر صبيغ الذي كان يسأل عن الذاريات وغيرها وأمر الناس بالتفقه في المشكلات من القرآن، فضربه ضربا وجيعا ونفاه إلى البصرة أو الكوفة،وأمر بهجره فكان لا يكلمه أحد حتى تاب وكتب عامل البلد إلى عمر بن الخطابؓ يخبره بتوبته فأذن للناس في كلامه ومنها: أن عمرؓ خلق رأس نصر بن حجاج ونفاه من المدينة لما شبب النساء به في الأشعار وخشي الفتنة به ومنها: ما فعله –عليه الصلاة والسلام–بالعرنين،ومنها:أن أباكرؓ استشار الصحابة في رجل ينكح كما تنكح المرأة فأشاروا بحرقه

بالنار، فكتب أبو بكر بذلک إلى خالد بن الوليد، ثم حرقهم عبد الله بن الزبير فی خلافته، ثم حرقهم هشام بن عبد الملک، أنظر الهداية ومنها: أن أبا بكرؓ حرق جماعة من اهل الردة......ومنها: مصادرة عمر عماله بأخذ شطر أموالهم فقسمها بينهم وبين المسلمين......ومنها:أن عمرؓ لما وجد مع السائل من الطعام فوق كفايته وهو يسأل، أخذ ما معه وأطعمه إبل الصدقة وغير ذلک مما يكثر تعداده ، وهذه قضايا صحيحة عروفة"(معین الحکام:۱/ ۱۹۵)۔

علامہ ابن القیمؒ نے تعزیر بالمال کے جواز پر بہت ساری دلیلیں ذکر کی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

مثلاً آپ ﷺ کا حرم مدینہ میں شکار کرنے والے کا سازوسامان چھین لینے کو مباح قرار دینا، اسی طرح آپ ﷺ کا شراب کے مٹکوں اور برتنوں کو توڑ دینے کا حکم دینا، آپ ﷺ کا عبداللہ ابن عمرو کو گہریز رد رنگ کے کپڑوں کو جلاڈالنے کا حکم دینا، فتح خیبر کے موقعہ پر ان ہانڈیوں کو توڑ دینے کا حکم دینا جن میں گدھے کا گوشت پک رہا تھا، اسی طرح مسجد ضرار کو مسمار کردینے کا حکم دینا، مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے سازوسامان کو جلاڈالنے کا حکم دینا، اسی طرح اس آدمی کو سازوسامان سے محروم کردینا جو اپنے نائب پر ظلم کرے، ایسی چیزوں کی چوری پر کئی گنا جرمانہ عائد کرنا جن کے چرانے پر ہاتھ کاٹا نہیں ہے۔ اسی طرح گمشدہ چیزوں کے چھپانیوالے پر کئی گنا جرمانہ عائد کرنا۔ زکاۃ نہ دینے والے کا آدھا مال لے لینا، سونے کی انگوٹھی پہننے والے کو اس کے پھینک دینے کا حکم دینا، موسیٰ علیہ السلام کا بچھڑے کو جلاڈالنا، اور اس کے ذرات کو سمندر میں ڈال دینا، یہود کے درختوں کو ان کو غصہ دلانے کے لیے کٹوادینا، حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہما کا اس مکان کو جلاڈالنے کا حکم دینا جس میں شراب بیچی جاتی تھی، اسی طرح حضرت عمر کا حضرت سعد ابن ابی وقاص کے محل کو جلاڈالنا وغیرہ ایسے فیصلے اور صحیح ومشہور دلائل ہیں جن سے عدم جواز پر استدلال کرنا اور جواز کے بارے میں نسخ کا دعویٰ کرنا مشکل لگتا ہے۔

"**منها:إباحته–ﷺ–سلب الذي يصطاد في حرم المدينة لمن وجده ومثل: أمره–ﷺ–بكسر دنان الخمر وشق ظروفها، ومثل:أمره لعبد الله بن عمر بأن يحرق الثوبين المعصفرين، ومثل: أمره–ﷺ–يوم خيبر–بكسر القدور التي طبخ فيها لحم الحمر الإنسية، ثم استأذنوه في غسلها، فأذن لهم، فدل على جواز الأمرين، لأن العقوبة لم تكن واجبة بالكسر. ومثل:هدمه مسجد الضرور، ومثل: تحريق متاع الغال، ومثل: حرمان السلب الذي أساء على نائبه. ومثل:إضعاف الغرم على سارق ما لا قطع فيه من الثمر والكثرْ ومثل: إضعافه الغرم على كاتم الضالة–ومثل:أخذه شطر مال مانع الزكاة، عزمة من عزمات الرب تبارک و تعالى–ومثل أمره لا بس خاتم الذهب بطرحه، فطرحه، فلم يعرض له أحد، ومثل: تحريق موسیٰ العجل وإلقاء برادية فی اليم. ومثل:قطع نخيل اليهود، إغاظة لهم، ومثل:تحريق عمر وعلیؓ المكان الذي يباع فيه الخمر، ومثل:تحريق عمر قصر سعد بن ابي وقاص، لما احتجب فيه عن الرعية وهذه قضايا**

صحیحة معروفة، ولیس یسهل دعوی نسخها" (الطرق الحکمیۃ ،2/689، ط: دارعالم الفوائد،۱/۲۲۵ شاملہ)۔

ان دلائل سے یہ بات تو یقینی طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ کسی کی غلطی کی وجہ سے اس کی رضامندی کے بغیر ہی اس کا مال ضائع کیا جاسکتا ہے، یعنی مال کے ذریعہ سزادی جاسکتی ہے۔

شبہات اوران کے جوابات:

تعزیر بالمال کے جواز پر بعض شبہات ہیں، ذیل میں ان کا جواب دیا جاتا ہے۔

شبہ اول: تعزیر بالمال منسوخ ہوچکا ہے۔ چنانچہ علامہ شاطبی نے علامہ طحاوی کے حوالہ سے منسوخ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، "علی أن الطحاوي حکی، أن ذلک کان في أول الإسلام ثم نسخ فأجمع العلماء علی منعه" (الاعتصام للشاطبی:۲/٦۲۱) "ماحکاه ابن رشد من الإجماع علی نسخ جوازها، لأنه، قال في غیرما موضع من بیانه(أنها أي: في العقوبة بالمال منسوخة بإجماع" (اجوبۃ التسولی:۱/۱۵۸)۔

جواب: منسوخ اوراس پر اجماع کا دعویٰ درست نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام کا عمل تعزیر بالمال کے ساتھ ہے، اگر عدم جواز پر اجماع ہوتا توصحابہ کرام کا عمل اس کے خلاف نہیں ہوتا، نیز فقہاء کرام کا اس پر اختلاف بھی نہیں ہوتا۔

چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: "کون العقوبة کانت بالأموال في أول الإسلام لیس بثابت ولا معروف(والثاني) أن النسخ إنما یصار إلیه إذا علم التاریخ ولیس هنا علم بذلک" (المجموع شرح المہذب:۵/۳۳۴)۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "والمدعون للنسخ لیس معهم حجة بالنسخ؛لا من کتاب ولا سنة" (الحسبۃ لابن تیمیہ ۱/۳٦۰)۔

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں: "ومن قال: إن العقوبات المالیة منسوخة، وأطلق ذلک، فقد غلط علی مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا، فأکثر هذه المسائل: سائغ في مذهب أحمد وغیره، وکثیر منها سائغ عند مالک، وفعل الخلفاء الراشدین وأکابر الصحابة لها بعد موتهﷺ مبطل أیضا لدعوی نسخها، والمدیون للنسخ لیس معهم کتاب ولاسنة، ولا إجماع یصحح دعواهم" (الطرق الحکمیۃ لابن القیم:۱/۲۲٦)۔

علامہ طرابلسیؒ فرماتے ہیں: "إن العقوبة المالیة منسوخة فقد غلط علی مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا ولیس بسهل دعوی نسخها۔ وفعل الخلفاء الراشدین وأکابر الصحابة لها بعد موتهﷺ مبطل لدعوی نسخها، والمدعون للنسخ لیس معهم سنة ولا إجماع یصحح دعواهم" (معین الحکام:۱/۱۹۵)۔

شبہ دوم: اگر تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا جائے تو قاضی اورحاکم اپنی من مانی کرتے ہوئے امیر وغریب کی رعایت کئے

بغیر مال لازم کریگا، اس سے ظلم کا دروازہ اور کھلے گا۔

جواب: قاضی شریعت کا فریضہ دفع ظلم ہے، اس پر لازم ہے کہ شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئےامور قضاء کوانجام دے۔ اگر وہ ظلم کرے گا تو اللہ کے یہاں سزا پائے گا۔ایک دو قاضی کیظلم کرنے کی وجہ سے سارے قضاۃ کو بدگمانی کرنا اور پھراس خوف سے کہ قضاۃ ظلم کر سکتے ہیں تعزیر بالمال کو جائز نہ قرار دینا قابل غور ہے۔

شبہ سوم: مجوزین کے دلائل کے بارے میں بعض نے کہا کہ وہ روایتیں ضعیف ہیں، اس لئے ان سے استدلال کرنا درست نہیں، اس لیے تعزیر بالمال کو جائزنہیں کہا جا سکتا ہے۔

جواب: اولاتو یہ تسلیم ہی نہیں ہے ساری روایتیں ضعیف ہیں، ثانیا یہ کہ جب صحیح روایتیں نہ ہوں تو ضعیف سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے، ثالثا جب بہت ساری روایتیں ضعیف ہوں تو مفہوم قوی ہوجا تا ہے۔رابعا عدم جواز پر کوئی بھی واضح آیت یا حدیث نہیں ہے۔اس لیے جواز کا قول راجح ہے۔

قول مرجوح یاضعیف پرعمل کرنا:

شبہ چہارم: ایک بڑا شبہ یہ ہے کہ تعزیر بالمال فقہ حنفی کے مطابق جائزنہیں ہے، صرف امام ابو یوسفؒ سے جواز منقول ہے، اس کی بھی اکثر فقہاء نے یا تو تاویل ہے، یاضعیف یا مرجوح قرار دیا ہے۔ایسی صورت میں حال میں تعزیر بالمال کے جائز ہونے کا فتویٰ کیسے دیا جا سکتا ہے؟

جواب: فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ مذہب کے قول ضعیف یا قول مرجوح پر عمل کرنا یا اس پر فتویٰ دینا جائزنہیں، مگر ایسا عالم جوقرآن وسنت سے واقف ہواوراہل درایت میں سے ہوتو اس کے لیے قول ضعیف یا قول مرجوح پر عمل کرنا یا اس پر فتویٰ دینا جائز ہے، اگر چہ وہ قول مذہب کے خلاف ہو، علامہ شامیؒ نے اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے، اورکئی مثالوں کے ذریعہ قول ضعیف پر فتویٰ دینے اور عمل کرنے کی گنجائش کو واضح کیا ہے (شرح عقود رسم المفتی:۸-۸۸)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب نے اپنی کتاب اصول الافتاء وآدابہ میں لکھا ہے کہ دو شرائط کے ساتھ قول ضعیف یا قول مرجوح پر فتویٰ دینا جائز ہے۔(۱) سخت ضرورت ہو اور حرج شدید کو دور کرنا مقصود ہو (۲) مفتی مجتہد فی المذہب ہو۔اگر چہ بعض مسائل ہی میں کیوں نہ ہو (اصول الافتاء وآدابہ:۳۳۹)۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ بعض مرد اپنی بیوی کو ظلم وستم کا تختہ مشق بنا تا ہے، جہیز کا مطالبہ کرتے رہتا ہے، اس کیساتھ لعن طعن، گالم گلوچ اور مار پیٹ کرتا ہے، گھر سے باہر نکال دیتا ہے، اس کی عزت وآبرو پر حملہ کرتا ہے، ایسی مجبوری میں جب عورت علیحدگی چاہتی ہے تو اس کے ہاتھ صرف خلع نامہ کے علاوہ کچھ نہیں آتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کو آزادی مل گئی، مگر عرصہ دراز سے جو ظلم وستم اس نے برداشت کیا اس کا کیا؟ یقیناً ہم ایسی مظلوم عورتوں کو انصاف فراہم نہیں کر پاتے ہیں۔اس لیے اگر ظالم مرد پر کچھ مال عائد کیا جائے تو وہ یقیناً دوسری شادی میں ظلم وستم کرنے سے باز آئے گا، اور اِس مظلوم عورت کے درد کا مداوا بھی ہوجائے گا۔اس طرح حرج شدید کو

دور کیا جاسکتا ہے، اور معاشرہ میں ہورہے ظلم وستم پر قابو بھی پایا جاسکتا ہے۔

ترجیح اور وجوہ ترجیح:

۱۔ مانعین کے دلائل پر بغور ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کا وہ مال جائز نہیں، جو ناجائز طریقہ پر حاصل کیا گیا ہو، مثلاً چوری یا غصب کرکے لینا درست نہیں، چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے: "**بالباطل ای بوجه ممنوع شرعا کالغصب والسرقة والخیانة والقمار والربوا والعقود الفاسدة إلا أن تکون تجارة**" (تفسیر مظہری: ۲/ ۸۷)، ان دلائل میں اس بات کا کچھ بھی اشارہ نہیں ملتا ہے کہ جرمانہ کے طور بھی لینا ممنوع ہو، اس کے برخلاف مجوزین کے دلائل قوی معلوم ہوتے ہیں، اس لیے احقر کے نزدیک مجوزین کا مسلک راجح ہے۔ چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

"تعزیر بالمال کے عدم جواز پر کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی، عام طور سے فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "**لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه**" لیکن یہ استدلال کمزور ہے اس لیے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے لیکن اس کی جان طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہٰذا جب کسی مسلمان نے جرم کیا اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جارہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔ تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے وہ جرم کے ارتکاب میں بطریق اولی جائز ہوجانا چاہیے، گویا کہ حضرت والا نے تعزیر بالمال کو تعزیر بالنفس پر قیاس کیا ہے۔ چنانچہ بعض متاخرین فقہاء حنفیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے (تقریر ترمذی: ۲/ ۱۱۹)۔

۲۔ برصغیر کے ممتاز فقیہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ کی بھی رائے یہی تھی کہ "تنبیہ کے لئے جرمانہ لینا جائز ہے" (دیکھئے: مجموعۃ الفتاویٰ) مترجم، کتاب القضا، استفتاء نمبر: ۲) ۳/ ۵۳)، تنبیہ کے لئے مالی جرمانہ لینے کے جواز پر امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ کا بھی فتویٰ ہے (دیکھئے: فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱/ ۲۵۷، ۲۹۰، جدید: ۱/ ۳۰۸)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب "قاموس الفقہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس وقت اسلام کے قانونی حدود وتعزیرات کے فقدان کی وجہ سے بہت سے مسائل، جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کررہی ہیں، ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے اور ریلوے، ٹریفک، بس وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے؛ اس لئے راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت ہونی چاہئے"۔ (قاموس الفقہ: ۲/ ۴۷۹، لفظ: تعزیر، نیز تفصیل کے لئے: جدید فقہی مسائل: ۳/ ۱۵۰-۱۵۴)۔

۴- جب نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب سے دوسرے کا مال ہلاک کردینا ثابت ہے تو تعزیر بالمال یعنی ایک صاحب

سے مال لے کر دوسرے کو دینا کیوں ناجائز ہوگا، کیوں کہ مال دوسرے کو دیدینا ہلاک کردینے سے بدرجہا بہتر ہے۔

۵-تعزیر بالمال کے عدم جواز کی صورت میں نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے فیصلوں کے بارے میں نسخ کا دعویٰ کرنا پڑتا ہے یا تاویل کرنی پڑتی ہے، حالانکہ عمل بہرحال بہتر ہے۔

۶-جو لوگ قاضی رہ چکے ہیں جیسے امام ابویوسفؒ، علامہ طرابلسیؒ، علامہ ابن فرحونؒ وغیرہ تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں، حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے بھی پنچائت کے ایک فیصلہ کو جس میں تعزیر بالمال کیا گیا تھا، برقرار رکھا (دیکھئے: دارالقضاء کے فیصلے) جس طرح فقہاء کرام باب قضاء میں امام ابویوسفؒ کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اسی طرح اس معاملہ میں قضاۃ حضرات کی رائے کو ترجیح ہونی چاہئے۔

۷-فی زمانہ مظلوم پر کئے گئے ظلم کا مداوا تعزیر بالمال ہی کے ذریعہ ممکن ہے اور ظالم کا ہاتھ روکنے میں تعزیر بالمال ممد ومعاون ثابت ہوتا ہے، چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں:

"موجودہ دور میں خاص کر غیر مسلم ممالک میں ایسے خدا ناترس لوگوں کو اس کے سوا سزا دینے کی کوئی اور صورت ممکن نہیں ہے، جسمانی سزا دینا خلافِ قانون بھی ہے اور اس سے مظلوم (عورت) کو کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا، اگر مالی جرمانہ عائد کیا جائے، دارالقضاء، شرعی پنچائت یا مسلمانوں کے معتبر ادارے اور تنظیمیں اس کا فیصلہ کریں۔۔۔۔تو (ظالم) مرد کی سرزنش بھی ہوگی اور (مظلوم) عورت کو کسی حد تک سہولت بھی حاصل ہوگی (جدید فقہی مسائل)۔

۸-جب جسمانی سزا دینا بالاتفاق جائز ہے تو مالی سزا دینا تو بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے؛ کیوں کہ اول ثانی کے مقابلہ میں اخف ہے۔یہی وجہ ہے کہ دیت لے کر جان کی بخشش، مال لے کر غلام کی آزادی، فدیہ لیکر قیدی کی رہائی وغیرہ شروع سے جائز رہا ہے۔

اس لیے احقر کی رائے میں فی زمانہ تعزیر بالمال جائز، اور بعض حالات میں مناسب ہے اور یہ قاضی کی صوابدید پر ہے کہ وہ فریقین کے مالی حالات، اور ظلم وعدوان کو دیکھتے ہوئے تعزیر بالمال کا تعین کرے۔

☆☆☆

جرائم ومعاصی کے سد باب میں تعزیر بالمال کا نفاذ

مولانا جنید محمد فلاحی

۱- تعزیر بالمال کا مفہوم عام ہے، جس میں تعزیر بأخذ المال، تعزیر باتلاف المال، تعزیر بتغییر صورت المال اور تعزیر بتملیک المال للغیر تمام شامل ہے۔

"انواع التعزیر بالمال:التعزیر بالمال یکون بحسبه أو بإتلافه أو بتغییر صورته أو بتملیکه للغیر" (موسوعہ فقہیہ)۔

تعزیر بالمال اور تعزیر بأخذ المال میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، تعزیر بالمال کہا جائے گا تو اس میں تعزیر کی تمام قسمیں شامل ہوں گی، ان میں سے کوئی بھی مراد لی جاسکتی ہے، اور جب تعزیر بأخذ المال بولا جائے گا تو اس سے ایک خاص قسم مراد ہوگی جسے مالی جرمانہ اور غرامت مالیہ بھی کہا جاتا ہے، یعنی قاضی یا شرعی پنچایت جنایت کرنے والے کے پاس سے ایک مخصوص رقم لے کر اپنے پاس روک لے، یہاں تک کہ وہ توبہ کرے اور اگر اس کی توبہ سے مایوس ہوجائے تو اپنی صوابدید پر جہاں چاہیں صرف کرلیں۔

"وهو أن یمسک القاضی شیئا من مال الجانی مدة زجرا له، ثم یعیده له عند ما تظهر توبته......أما إذا صار میئوسامن توبته ، فإن للحاکم أن یصرف هذا المال فیما یری فیه المصلحة" (موسوعہ فقہیہ)۔

۲، ۳، ۴: معروف مذہب تو یہی ہے کہ مالی جرمانہ جائز نہیں، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کا مذہب ہے، اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک مالی جرمانہ کی گنجائش ہے، علامہ شامیؒ نے عدم جواز کی ترجیح دی ہے، "والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال" (شامی، کتاب الحدود، باب التعزیر)۔

البتہ علامہ علاء الدین طرابلسیؒ فرماتے ہیں: "یجوز التعزیر بأخذ المال وهو مذهب ابی یوسف، وبه قال مالک، ومن قال: أن العقوبة المالیة منسوخة فقد غلط علی مذهب الأئمة نقلا واستدلالا، ولیس بسهل دعوی نسخها، فعل الخلفاء الراشدین واکابر الصحابة لها بعد موته ﷺ مبطل لدعوی نسخها والمدعون للنسخ لیس معهم سنة ولا إجماع یصحح دعواهم......" (معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الأحکام ۱۹۵، فصل فی التعزیر)۔

اسی طرح علامہ ابن نجیم مصریؒ "البحر الرائق" میں فرماتے ہیں:

"وفی الخلاصة سمعت من ثقة: أن التعزیر بأخذ المال إن رأی القاضی ذلک أو الولی جاز ومن جملة ذلک رجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیرہ بأخذ المال لہ" (۴۱/۴)۔

اسی سی ملتی جلتی بات "فتاوی بزازیہ" میں ہے:

"التعزیر بأخذ المال أن المصلحة فیہ جائزة......قالوا: ومن جملة من لا یحضر الجماعة یجوز تعزیرہ بأخذ المال" (الفتاوی البزازیة علی ہامش الہندیہ ۶/۴۲۷، کتاب الحدود)۔

"فتاوی تاتارخانیہ" میں ہے: "ولم یذکر محمدؒ فی شئ من الکتب التعزیر بأخذ المال، وقیل: روی عن ابی یوسف أن التعزیر والزجر من السلطان بأخذ المال جائز......وفی الفتاوی الخلاصة: التعزیر بأخذ المال ان رأی القاضی أو الوالی جاز ومن جملة ذلک الرجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیرہ بأخذ المال......" (۵/۱۴۰)۔

"خلاصة الفتاوی" میں ہے: "الجنس السادس فی السعایة: وفی نسخة القاضی الإمام ابی الیسرمن المبسوط فی کتاب اللقیط من سعی رجلا إلی السلطان حتی غرمہ لا یخلو من وجوہ ثلاثة...... الثالث:إذا وقع فی قلبہ أن فلانا یجیئی إلی إمرأتہ أوجاریتہ، فوقع إلی السلطان، فغرمہ السلطان، ثم ظہر کذبہ، عندہما لا یضمن الساعی وعند محمد یضمن قال: والفتوی علی قول محمد لغلبة السعایة فی زماننا" (۴/۲۶۰)۔

مذکورہ بالاتمام کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ مالی جرمانہ عائد کرنے کی گنجائش ہے، اور "خلاصة الفتاوی" کی عبارت سے تو یہ ظاہر ہے کہ امام محمدؒ نے بھی ایک خاص مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص نے یہ سوچ کر کہ فلاں آدمی میری بیوی یا باندی سے ناجائز تعلقات رکھتا ہے حاکم سے اس کی شکایت کردی، چنانچہ بادشاہ نے فلاں پر تاوان عائد کردیا، پھر معلوم ہوا کہ جھوٹی شکایت تھی تو امام محمدؒ کے قول کے مطابق شکایت کرنیوالے پر تاوان آئے گا، اور یہی مفتی بہ قول ہے۔

سب سے اہم بات کہ علامہ علاؤالدین طرابلسی حنفیؒ نے "معین الحکام" میں دعوائے نسخ کو غلط قرار دیا ہے (عبارت اوپر گذری)، نیز حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن القیم نے فرمایا کہ دعوی نے نسخ بلا دلیل ہے، جبکہ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور ائمہ نے اس پر عمل فرمایا، لہذا نسخ کا دعوی صحیح نہیں۔

"ومن قال: إن العقوبات المالیة منسوخة، وأطلق عن أصحاب مالک واحمد فقد غلط علی مذہبہما، ومن قالہ مطلقا من أی مذہب کان: فقد قال قولا بلا دلیل، ولم یجیئ عن النبی ﷺ شئ قط أنہ حرم جمیع العقوبات المالیہ، بل أخذ الخلفاء الراشدین وأکابر اصحابہ بذلک بعد موتہ دلیل علی أن ذلک محکم غیر منسوخ" (مجموع فتاوی شیخ اسلام ابن تیمیہ ۲۸/۱۱۱)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں: "وقد أختلف الفقہاء فیہ ہل حکم منسوخ أو ثابت والصواب أنہ بختلف

بإختلاف المصالح ويرجع فيه إلى اجتهاد الأئمة فى كل زمان ومكان بحسب المصلحة إذ لا دليل على النسخ، وقد فعله الخلفاء الراشدون ومن بعدهم من الأئمة" (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ٦/ ۲۰۵)۔

۵-ائمہ ثلاثہ کا موقف اور گنجائش:

ائمہ ثلاثہ کا راجح مسلک یہی ہے کہ مالی تاوان اور جرمانہ جائز نہیں ہے، گو ان کی طرف اس کے جواز کی نسبت بھی کی گئی ہے۔

"وقال الشبراملسی: ولا يجوز على الجديد بأخذ المال يعنى لا يجوز التعزير بأخذ المال فى مذهب الشافعي الجديد، وفى المذهب القديم يجوز" (حاشیۃ الشبراملسی علی شرح المنہاج ۷/ ۱۷۴)۔

"أما فى مذهب مالک فى المشهور عنه، فقد قال ابن فرحون: التعزير بأخز المال قاله به المالكية وقد ذكر مواضع مخصوصة يعزر فيها بالمال وذلک فى قوله: سئل مالک عن اللبن المغشوش أيراق؟ قال: لا، ولكن أرى أن يتصدق به، إذا كان هو الذى غشه وقال فى الزعفران والمسک المغشوش مثل ذلک، سواء كان ذلک قليلا أوكثيرا، وخالفه ابن القاسم فى الكثير، وقال: يبا ع المسک والزعفرانع لى ما يغش به ويتصدق بالثمن أدبا للغاش، وافتى ابن القطان الأندلسى فى الملاحف الردئية النسج بأن تحرق، وافتى ابن عتاب بتقطيعها والصدقة بها فرقا" (تبصرۃ الحکام ص ۴٦۸، والطرق الحکمیۃ ص ۲۵۰)۔

"وعند الحنابلة يحرم التعزير بأخذ المال وإتلافه، لأن الشرع لم يرد بشئ من ذلک عمن يقتدى به، وخالف ابن تمية وابن القيم فقالا: من التعزير بالمال سائغ إتلافا وأخذ الخ" (کشاف القناع ۴/ ۷۴، ۷۵، شرح المنتہی علی ہامش ص ۱۱۰، والحسبۃ ص ۴۰، والأحکام السلطانیۃ لأبی یعلی ص ۲۹۵)۔

٦-مالی جرمانہ کے لئے قول ضعیف پر فتوی:

اولاً یہ بات جان لیں کہ تعزیر بالمال کو ناجائز کہنے والے حضرات عام طور پر تین دلائل سے استدلال کرتے ہیں، ان دلائل کی مضبوطی کا جائزہ لینا ضروری ہے، اسی سے مسئلہ منقح ہوگا۔

۱-مالی جرمانہ ابتدائے اسلام میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔

۲-حدیث شریف میں ہے: "لا يحل ما ل امرئ مسلم إلا بطيب نفسه" (مسلم) (مالی جرمانہ اس حدیث کے بالکل خلاف ہے، لہذا جائز نہیں ہے)۔

۳-مالی جرمانہ کو جائز رکھنے میں ظالموں کے لئے ظلماً مال لینے کا دروازہ کھل جائے گا، لہذا خلاف شریعت ہونا ظاہر ہے۔

دلائل کے جوابات:

پہلی دلیل کا جواب: جیسا کہ اوپر گزرا کہ علامہ علاء الدین طرابلسیؒ نے معین الحکام میں دعوائے نسخ کو غلط قرار دیا ہے،

ملاحظہ فرمائیں:

”ومن قال: أن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذهب الأئمة نقلا واستدلالا، وليس بسهل دعوى نسخها، فعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته ﷺ مبطل لدعوى نسخها والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصحح دعواهم“ (معین الحکام)۔

نیز حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم اور دکتور وہبہ زحیلی نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ دعوائے نسخ بلا دلیل ہے، جبکہ آپ علیہ السلام کے بعد خلفائے راشدین اور ائمہ نے اس پر عمل فرمایا لہذا نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

حافظ ابن تیمیہ حنبلی فرماتے ہیں:”ومن قال: أن العقوبات المالية منسوخة وأطلق عن أصحاب مالک واحمد فقد غلط على مذهبما، ومن قاله مطلقا من أي مذهب كان: فقد قال قولا بلا دليل، ولم يجئى عن النبى ﷺ شئ قط“(مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۱۱۱/۲۸)۔

دکتور وہبہ زحیلیؒ شافعی فرماتے ہیں:”وقد اختلف الفقهاء فيه هل حكمه منسوخ أو ثابت والصواب أنه يختلف بإختلاف المصالح و يرجع فيه إلى اجتهاد الأئمة فى كل زمان ومكان بحسب المصلحة إذلا دليل على النسخ وقد فعله الخلفاء الراشدون ومن بعدهم من الأئمة“(۲۰۵/٦)۔

دوسری دلیل کا جواب: مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حدیث شریف کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:”لا يحل مال إمري مسلم إلا بطيب نفس منه“ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے، اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہے، پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جارہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے، تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بہ طریق اولی حلال ہونا چاہئے (تقریر ترمذی ۱۱۸/۲، ۱۱۹)۔

نیز اگر جان پر کوئی مصیبت آجائے تو مال کے ذریعہ اس کا دفاع کرنے کا حکم دیا گیا نہ کہ مال بچانے کے لئے، جان کھپادے۔

ملاحظہ ہو: روایت موقوفہ میں ہے:”فإن عرض بلا فقدم مالک دون نفسک فإن تجاوز البلاء فقدم مالک ونفسک دون دينک......هذا اسناد رواته ثقات وهو موقوف“(اتحاف الخیرة المہرة بزوائد المسانید العشرة للعلامة البوصیری ۲۳۹/۸، رقم الحدیث ۷۹۷۳، باب فضل القرآن)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جسم وقالب کی حرمت مال کی حرمت سے بڑھ کر ہے، اور جب جسم پر تعزیر باتفاق فقہاء جائز ہے تو تعزیر بالمال کیوں ناجائز ہے۔

تیسری دلیل کا جواب: جن فقہاء نے اس کو نا جائز کہا ہے اور اس کی علت حکام کے ظلم کو قرار دیا ہے تو یہ رائے انہوں نے مصلحت کی بنیاد پر کی ہے، لہذا اگر ظلم کا پہلو نہ ہو، بلکہ کسی مصلحت کی وجہ سے یا کسی جرم میں مال پر قبضہ کر لیا جائے تو ان کے نزدیک بھی جائز ہوگا، جیسا کہ مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے ''اسلامی فقہ'' میں تحریر فرمایا ہے:

''جن فقہاء نے اس کو نا جائز کہا ہے اس کی وجہ انہوں نے حکام کے ظلم کو قرار دیا ہے، انہوں نے یہ رائے مصلحت کی بنیاد پر دی ہے، اگر ظلم کا پہلو نہ ہو تو ان کی رائے بھی یہی ہوگی (۲۸۱/۳)۔

نیز تعزیر بالمال کا حکم خلاف شریعت نہیں ہے، بلکہ سیاستاً مصلحت و فائدہ کی وجہ سے قائم کیا گیا ہے، علامہ علاؤ الدین طرابلسیؒ فرماتے ہیں: ''**قال القرافی: وأعلم أن التوسعة على الحكام فى الأحكام السياسية ليس مخالفا للشرع، بل تشهد له الأدلة المتقدمة**'' (معین الحکام /ص ۱۷۶)۔

جو حضرات تعزیر بالمال کے قائل ہیں، ان کے قول کی تائید احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔

۱-''**عن سعدؓ أن رسول الله ﷺ قال: من أخذتموه يقطع من الشجر شيئا يعنى شجر حرم المدينة فلكم سلبه لا يعضد يتجرها ولا يقطع، قال: فرأى سعدؓ علمانا يقطعون فأخذمتاعهم فانتهوا إلى مواليهم فأخبروهم أن سعداًؓ فعل كذا وكذا فأتوه فقالوا: يا ابا اسحاق أن علمائک أو موالیک أخذوامتا ع غلماننا، قال: بل أنا أخذته سمعت رسول الله ﷺ، يقول: من أخذ تموه يقطع من شجر الحرم فلكم سلبه ولكن سلونى من مالى ما شئتم**'' (رواہ البیہقی فی سنن الکبری ۱۹۹/۵)۔

۲-''**عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: فى كل سائمة ابن فى أربعين بنت لبون لا يفرق ابن عن حسابها من أعطاها موتجرا قال ابن العلاء:۔ موتجرا بها فلم أجرها ومن منعها فإنا أخذوها وشطر ماله عزمة من عزمات ربنا عزوجل ليس لآل محمد منها شئ**'' (رواہ ابوداؤد ۲۲۱/۱، وکذا رواہ النسائی فی باب عقوبۃ مانع الزکوۃ ۳۲۵/۱)۔

۳-''**عن يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب أن غلمة لأبيه عبد الرحمن بن حاطب سرقوا بعيرا فانتحروه، فوجد عندهم جلده ورأسه فرفع أمرهم إلى عمر بن الخطابؓ فأمر بقطعهم فمكثوا ساعة ومانرى إلاأن قد فرغ من قطعهم، ثم قال عمرؓ: على بهم ثم قال لعبد الرحمن: والله إنى لأراک تستعملهم چم تجيعهم وتسئ إليهم حتى لوجودوا ما حرم الله عليهم لحل لهم، ثم قال لصاحب البعير: لم كنت تعطى لبعيرک ؟قال:أربع مأة درهم، قال لعبدالرحمن: قم فأغرم لهم ثمان مأة درهم**'' (المصنف لعبد الرزاق ۲۳۹/۱۰، رقم الحدیث ۱۸۹۷۸)۔

۴-''**عن سليمان بن ابى عبد الله قال:رأيت سعد بن ابى وقاصؓ أخذ رجلا يصيد فى حرم المدينة**

الذی محرمه رسول الله ﷺ فسلبه ثبابه فجاء وا موالیه فکلموه فیه فقال: أن رسول الله ﷺ حرم هذا الحرم وقال: من أخذ أحدا یصید فیه فلیسلبه فلا أرد علیکم طعمة أطعمنیها رسول الله ﷺ ولکن إن شئتم دفعت الیکم ثمنه "(السنن الکبری للبیہقی ۱۹۹/۵، باب ماورد فی سلب من قطع من شجر حرم المدینۃ)۔

۵-"عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عبد الله بن عمرو بن العاص ؓ عن رسول الله ﷺ أنه سئل عن الثمرا لمعلق فقال: من أصاب بقیة من ذی حاجة غیر متخذ خبنة فلا شئ علیه ومن خرج بشئ منه فعلیه غرامة مثلیه والعقوبة"(رواہ ابوداؤد ا/۲۴۰)۔

۶-"وعن معمر عن عمرو بن مسلم عن عکرمة أحسبه عن ابی هریرةؓ أن النبیﷺ قال: ضالة الإبل المکتومة غرامتها ومثلها معها"(رواہ ابوداؤد ا/۲۴۱)۔

ان تمام روایات سے تعزیر بالمال کا ثبوت ملتا ہے، حضرت تھانویؒ فرمایا کہ اگر کافر حکومت کافر کے مال پر استیلاء قبضہ کر کے قانونا مسلمان وارث کو مال دے دے تو مسلمان اس مال کا مالک کا بن جائے گا، کیونکہ استیلائے کافر ہمارے نزدیک سبب ملک ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حکومت تعزیرا کسی کے مال پر قبضہ کرلے تو وارث اس مال کو لے سکتا ہے، اگر تعزیر بالمال ناجائز ہوتا تو وارث کا مال لینا کہاں صحیح ہوتا؟

ملاحظہ ہو ''امدادالاحکام'' میں ہے: **"یجوز للمسلم أن یرث من الکافر بسبب استیلاء الحکومة الکافرة علی مال الکافر أولا ثم دفعها إلی السلم بقانونها واستیلاء الکافر سبب للملک عندنا**" (امدادالاحکام ۶۲۸/۴ الفرائض)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، صرف جسمانی سزا کے ذریعہ تعزیر کرنا جائز ہے، البتہ امام احمد بن حنبلؒ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، حنفیہ میں اما ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے......لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی...... چنانچہ بعض متاخرین حنفیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے (تقریر ترمذی ۱۱۸/۲)۔

مولانا مجیب اللہ ندویؒ ''اسلامی فقہ'' میں فرماتے ہیں: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ اسے ناجائز کہتے ہیں، طرفین کے برخلاف امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ مصلحت متقاضی ہو تو جائز ہے......راقم الحروف کے خیال میں امام ابو یوسف اور جو فقہاء مالی جرمانہ یا اتلاف کے ذریعہ تعزیر کے قائل ہیں، ان کی رائے قابل ترجیح ہے، جیسا کہ حدیث وآثار میں ان کی متعدد مثالیں موجود ہیں (اسلامی فقہ ۲۸۰/۳ تعزیراتی جرائم)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ''قاموس الفقہ'' میں فرماتے ہیں: اس وقت اسلام کے قانون حدود وتعزیرات کے فقدان کی وجہ سے مسائل جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کررہی ہیں، ان کے لئے اس کے سوا

کوئی چارہ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے اور ریلوے، بس، ٹریفک وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے، راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے (قاموس الفقہ ۲/۴۷۹)۔

مولانا نے جدید فقہی مسائل میں چند نظائر بھی پیش فرمائی ہیں: ۱-حقوق اللہ میں تعدی اور زیادتی بر مالی تعزیر کی نظیر ''کفارات'' ہیں، جو قصداً روزہ توڑنے، قسم کھا کر پوری نہ کرنے اور قتل خطاء کی صورت میں واجب ہوتے ہیں اور جن میں ایک غلام آزاد کرنا یا مسکین کی ایک خاص تعداد کو کھانا کھلانا ''مالی سزا'' شمار کی جاتی ہے۔

۲-کسی انسان کی ایسی تعدی ہر جس کا تعلق جسم سے ہو، تعزیر مالی کی نظیر دیت ہے، جو ایسی تمام صورتوں میں واجب ہوتی ہے جب فریقین باہمی رضامندی سے اس پر آمادہ ہوجائیں یا جب قصاص کا اجراء ممکن نہ ہو۔

۳-غیر مادی حقوق میں تعدی ہر ''مالی تعزیر'' کی نظیر کفارہ ظہار ہے کہ جس میں غلام کو آزاد کرنا یا مسکین کو کھانا کھلانا بھی شامل ہے۔

۴-مالی حقوق میں تعدی کی بناء پر مالی سرزنش کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا سامان چرالے اور وہ اس کے پاس محفوظ نہ رہ سکے تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ اصل سزا تو یہ ہے کہ ہاتھ کاٹے جائیں، لیکن اگر کسی وجہ سے ایسا نہ ہوسکے تو اس سے سرقہ شدہ سامان کا تاوان وصول کیا جائے گا، ''والغرم إذالم يجب القطع''۔

۵-آبروریزی اور ہتک حرمت پر تاوان مالی کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے جبراً زنا کرلے تو اس سے عورت کو مہر کی رقم دلائی جائے گی (ملخص از جدید فقہی مسائل ۲۴۶/۳، فتاوی دارالعلوم زکریا)۔

حاصل یہ کہ غرامت مالیہ (تعزیر بالمال) کا ثبوت احادیث مبارکہ، عبارات فقہاء سے ہے، نیز حالات بھی اسی کے متقاضی ہیں، جس کی بنیاد پر اکابرین مفتیان کرام بھی اسی کو ترجیح دے رہے ہیں، لہذا اس کی گنجائش ہوگی۔

۷-تعلیمی اداروں میں جرمانہ:

تعلیمی اداروں میں طلبہ کی کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ بایں طور لگانا درست ہے کہ ان سے رقم لے کر روک لی جائے، بعد میں چل کر یہ طلبہ اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں سے باز آجائیں تو انہیں یہ رقم لوٹا دی جائے اور اگر اپنی کوتاہیوں پر مصر موں تو انتظامیہ اس رقم کو جہاں مناسب سمجھیں خرچ کریں، واضح رہے کہ انتظامیہ اور ٹیچر وغیرہ ان رقوم کو اپنے استعمال میں نہیں لاسکتی۔

''وافاد فی البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شئ من ماله عند مدة إذلا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي-وأرى أن يأخذها فإن أئيس من توبته يصرفها إلى ما يرى'' (شامی)۔

۸-ہاؤسنگ سوسائٹی وغیرہ میں جرمانہ:

اکثر اداروں اور ہاؤسنگ سوسائٹیوں میں آپس کی رضامندی سے مالی جرمانہ کا قانون بنایا جاتا ہے، اور مالی جرمانہ کی رقم کس مد میں استعمال ہوگی یہ بھی طے ہوتا ہے، لہذا یہاں تو اس معاہدہ کی بنیاد پر ہی مالی جرمانہ لگانا درست ہوگا۔

"**قال الله تبارک وتعالی: وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا**"(سورۂ اسراء: ۳۴)۔

"**(وأوفوا بالعهد) أي ماعاهدتم الله تعالى عليه من التزام تكاليفه وعاهدتم عليه غيركم من العباد ويدخل في ذلک العقود**"(روح المعانی ۹/ ۱۰۲)۔

دینی مسائل سے بے جا فائدہ اٹھانے والے بہت سے حضرات اپنی بلڈنگوں اور سوسائٹیوں میں سالہا سال سے مینٹننس چارج نہیں دیتے، جس کی وجہ سے پوری سوسائٹی والے پریشان ہوتے ہیں، یہ حضرات مالی جرمانہ جائز نہ ہونے کے مسئلہ سے آگاہ ہیں، جس کی بنیاد پر مالی جرمانہ لگاتے نہیں، اور غفلت برتنے والے ممبران اس کا فائدہ اٹھاتے ہیں، لہذا نظام کو درست چلانے کے لئے بھی مالی جرمانہ لگانے کی گنجائش ہوگی۔

۹-خاندانی وپنچایتی نظام میں جرمانہ:

شریعت سے حد تجاوز کرنے، نیز معاشرہ کو بگاڑ سے بچانے اور ان کی دینی اصلاح کی خاطر مالی جرمانہ لگانے کی گنجائش ہوگی، حد تجاوزی کرنے والوں سے موٹی رقم لے کر روک لی جائے تآنکہ وہ اپنی اصلاح کرلیں اور تائب ہوجائیں اگر ان کی طرف سے توبہ کی امید ختم ہوجائے تو اس رقم کو صدقہ کردیا جائے۔

"**وفي الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلک أوالولي جاز، ومن جملة ذلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال له**" (البحر الرائق ۴/ ۴۱)۔

"**التعزير بأخذ المال أن المصلحة فيه جائزة......قالوا: ومن جملة من لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال**"(الفتاوی البزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶/ ۴۲۷)۔

۱۰-طلاق بے جا پر نصف مہر کی زیادتی کی شکل میں جرمانہ:

اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو بلا وجہ اور بغیر کسی ضرورت کے اور بیوی کی طرف سے ایسے کوئی خاص اسباب پیدا نہیں کئے گئے ہیں، جن کی وجہ سے طلاق دینے کی ضرورت پڑے، اس کے باوجود خواہ مخواہ بیوی کو طلاق دے دے تو ایسے حالات میں ذمہ دار شخصیات شوہر کے اوپر مصلحت کے پیش نظر مناسب مالی جرمانہ لگا سکتی ہیں اور کچھ مقدار مال لے کر بیوی کے حوالہ کرسکتی ہیں، اور اگر وقتی طور پر شوہر سے کچھ مال ضبط کر کے رکھ لیں اور بعد میں جب وہ تائب ہوجائے تو اسے واپس کردیں تو ایسا کرنا سب کے نزدیک جائز ہے، اور تائب نہ ہونے کی صورت میں امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق بیوی کے حوالہ کرنے کی گنجائش ہے۔

"أما ابویوسف فقد روی عنه أن التعزیر بأخذ المال من الجانی جائز إن رؤیة فیه مصلحة"(موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۰)۔

صاحب فتح القدیر نے امام ابویوسفؒ کے قول کے ساتھ تھوڑا سا اضافہ کر کے لکھا ہے:"یجوز تعزیرہ بأخذ المال مبنی علی إختیار من قال بذلک من المشائخ کقول أبی یوسف، وقال التمرتاشی: یجوز التعزیر الذی یجب حق اللہ تعالی لکل أحد بعلة النیابة عن اللہ تعالی "(فتح القدیر ۵/۳۳۰،فتاوی قاسمیہ ملخصا)۔

بعض جگہوں پر مہر کے نام پر معمولی رقم طے کی جاتی ہے، لہذا مالی جرمانہ میں مزید نصف مہر وغیرہ لازم کرنے سے عورت کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوگا، اسی طرح اس سے بے جا طلاقیں بھی نہیں رکیں گی، اس لئے جرمانہ میں اتنی رقم شوہر پر ڈالی جائے جو اس پر بار ہو اور بلا وجہ طلاقیں دینے کا سلسلہ رکے۔

البتہ واضح رہے کہ طلاق کوئی ممنوع نہیں ہے کہ اس پر بالکلیہ روک لگائی جائے، لہذا جہاں کہیں شرعی پنچایت یا جماعت یا گاؤں کی کمیٹی بیوی کا قصور پائے یا شوہر کی جانب سے بلا وجہ طلاق دینا نہ پایا جائے تو انہیں بلا وجہ مالی جرمانہ لگانے کا اختیار نہ ہوگا، اگر لگایا تو گنہگار ہوں گے۔

تاہم جہاں کہیں مالی جرمانہ جرمانہ کے بغیر چارہ نہ ہو اور مالی جرمانہ سے بے جا طلاقیں اور جرائم ختم ہوتے ہوں تو ایسی حالت میں نظریہ ضرورت کے تحت امام ابویوسفؒ کے قول پر عمل کر لیا جائے اور یہی زیادہ مناسب ہے، چونکہ تعزیر کا مسئلہ قضاء سے تعلق رکھتا ہے اور فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قضاء کے مسائل میں امام ابویوسفؒ کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔

"لما قال العلامة ابن عابدین: وکل فرع بالقضاء تعلقا......قول ابی یوسف فیه ینتقی......الفتوی علی قول أبی یوسف فیما یتعلق بالقضاء لزیادة تجربته"(مجموعہ رسائل ۱/۳۴،۳۵)۔

۱۱- بطور متعہ نصف مہر کا لزوم جرمانہ کی شکل میں:

اگر بہ وقت نکاح اس طرح کی بات طے ہو جاتی ہے تو اس معاہدہ کی بنیاد پر جرمانہ لگانا بالاتفاق جائز ہوگا، جیسا کہ دیگر معاملات میں ہوتا ہے، نیز اس معاہدہ سے شوہر بھی پہلے سے متنبہ ہوگا، طلاق کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے گاؤں کی جماعت اور شرعی پنچایت میں اپنا معاملے لے جائے گا، اور یقین ہے کہ اس سے طلاق کی نوبت ہی نہ آئے، اگر لڑکی کا قصور ہو تو اسے سدھرنے کا موقع مل جائے گا۔

"قال اللہ تبارک و تعالی: واوفوا بالعهد إن العهد کان مسئولا"(سورۂ اسراء: ۳۴)۔

"(وأوفوا بالعهد)أی ما عاهدتم اللہ تعالی علیه من التزام تکالیفه وعاهدتم علیه غیرکم من العباد ویدخل فی ذلک العقود"(روح المعانی)۔

☆☆☆

تعزیر بالمال کا شرعی حکم

مولانا محمد حذیفہ داحودی☆

۱- جس طرح حد اس اسلامی سزا کو کہتے ہیں جو شارع کی طرف سے مختلف جرائم کے لئے مقرر ہے، اسی طرح تعزیر اس سزا کو کہتے ہیں جو شارع کی طرف سے مقرر نہ ہو، بلکہ ولی الامر یا اس کے نائب قاضی وغیرہ نے کسی جرم کے لئے اس کو مقرر کیا ہو، "**الحد فی اللغة: المنع، وفی الشرع: عبارة عن عقوبة مقدرة واجبة حقاً لله تعالی بخلاف التعزیر، فإنه لیس بمقدروقد یکون بالضرب، وقد یکون بالحبس وقد یکون بغیرهما**" (البدائع: ۵/۴۸۶)، "**الأصل فی التعزیرلغة المنع وهوشرعاًالعقوبة المشروعة علی معصیة أوجنایة لاحد فیهاولا کفارة سواء اکانت الجنایة علی حق الله تعالی کالاکل فی نهاررمضان...أم علی حق العبادکمباشرة الأجنبیة فی ما دون الفرج....**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ للزحیلی ۶/۱۸۵)، اسلامی شریعت میں تعزیر کی کوئی صورت ونوعیت مقرر نہیں ہے، یہ سزا موقع محل کے اعتبار سے اور اشخاص کے اعتبار سے مختلف صورتوں میں ہوسکتی ہے، کیونکہ تعزیر کا بنیادی مقصد مرتکبِ جنایت شخص کو زجر وتنبیہ کرنا اور اسے اپنی غلطی کا احساس دلانا ہے اور ظاہر ہے کہ اس بابت میں تمام اشخاص تمام احوال میں برابر درجہ کے نہیں ہوتے، پس یہ سزا جسمانی اذیت جیسا کہ پٹائی، قید وغیرہ کی صورت میں بھی ہوسکتی ہے اور زبانی زجر وتوبیخ، ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ کی صورت میں بھی ہوسکتی ہے۔ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: "**فالإمام بالخیار إن شاء عزره بالضرب، وإن شاء بالحبس، وإن شاء بالکهروالاستخفاف بالکلام**" (البدائع ۵/۵۳۴) علامہ بابرتیؒ لکھتے ہیں: "**أعلم أن التعزیرقد یکون بالحبس، وقد یکون بالصفع وتعریک الأذن وقد یکون بالکلام العنیف، وقد یکون بالضرب، وقد یکون بنظرالقاضی إلیه بوجه عبوس**" (العنایۃ فی ھامش فتح القدیر ۵/۳۲۹)... تعزیر کی ایک صورت تعزیر بالمال ہے۔

تعزیر بالمال: یعنی مالی سزا کا مطلب یہ ہے کہ سزا کے طور پر مجرم پر مالی تاوان، یعنی مال کی اتنی مقدار مقرر کی جائے جس کی ادائیگی اس کے لئے زجر وتنبیہ کا باعث ہو، تعزیر باخذ المال: کا بھی یہی مطلب ہے، البتہ بعض حضراتِ مشائخ نے تعزیر باخذ المال: کا یہ مطلب بتایا ہے کہ سزا کے طور پر جو مال مجرم پر مقرر کیا جائے وہ اس سے محض وقتی طور پر از راہ دھمکی لیا جائے، اسے نہ خود سلطان لے اور نہ ہی بیت المال میں داخل کرے، بلکہ ایک مدت کے بعد وہ مال مجرم کو واپس کردے۔ چنانچہ صاحب "فتاوی بزازیہ" نے

☆ بیت الحمد، نادی موتا گھانچی، داحود، گجرات۔

مولانا رکن الدین ابو یحی خوارزمیؒ اور امام ظہیر الدین تمرتاشیؒ کی نسبت یہ بات ذکر کی ہے، لکھتے ہیں: ”والتعزیر بأخذ المال أن المصلحة فیہ جائزۃ قال مولانا خاتمۃ المجتهدین مولانا رکن الدین ابو یحی الخوارزمی رحمہ اللہ معناہ أن نأخذ مالہ ونودعہ، فإذا تاب نردہ علیہ کما عرف فی خیول البغاۃ وسلاحهم وصوبہ الإمام ظہیر الدین التمرتاشی الخوارزمی قالوا: ومن جملتہ من لایحضر الجماعۃ یجوز تعزیرہ بأخذ المال“ (البزازیۃ علی ہامش الهندیۃ: ۶/۴۲۷) اسی طرح صاحب مجتبی علامہ زاہدیؒ نے بھی ”شرح قدوری“ میں یہی لکھا ہے، بلکہ مزید یہ بھی کہا ہے کہ اگر مالی جرمانہ کے بعد بھی مجرم توبہ نہ کرے، اس کی توبہ سے مایوسی ہوجائے، تو پھر اس کی اجازت سے دوسری مناسب جگہ پر اس مال کو خرچ کیا جاسکتا ہے، علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: ”وأفاد فی البزازیۃ: أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول بہ إمساک شیء من مالہ عند مدۃ لینزجر، ثم یعیدہ الحاکم إلیہ، لاأن یأخذہ الحاکم لنفسہ أو لبیت المال کما یتوهمہ الظلمۃ إذ لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی، وفی المجتبی: لم یذکر کیفیۃ الأخذ، واری أن یأخذها فیمسکها، فإن ایس من توبتہ یصرفها إلی مایری“ (البحر الرائق: ۵/۶۸)، ”قال الزاهدی فی شرح القدوری فی بحث التعزیر بالمال: ولم یذکر کیفیۃ الأخذ واری أن یأخذها فیمسکها، فإن أیس من توبتہ یصرفها إلی مایری“ (حاشیۃ الچلپی علی العنایۃ بهامش فتح القدیر ۵/۳۳۰)۔

اس کے علاوہ اصحاب حدیث وفقہ نے ”تعزیر باتلاف المال“ یا ”تعزیر فی المال بمعنی تعزیر باضاعۃ المال“ کا بھی ذکر کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جس شیء کے ذریعہ معصیت کو انجام دے رہا ہے اس کو یا اس کے متعلق کسی اور سامان کو ضائع اور تلف کر کے اس کو سزا دی جائے، جیسا کہ شرابی کے جام شراب کو ہی توڑ دیا جائے یا غلول کے مرتکب کے سامان کو جلا دیا جائے وغیرہ، روایت میں ہے: ”أن رسول اللہ وأبابکر وعمر حرقوا متاع الغال وضربوہ“ (ابوداؤد مع شرحہ بذل المجهود، کتاب الجهاد، باب فی عقوبۃ الغال: ۴/۳۴) ایک روایت میں ہے: ”عن أبی طلحۃ انہ قال: یانبی اللہ إنی اشتریت خمرا لایتام فی حجری قال: اهرق الخمر واکسر الدنان۔“ (الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی بیع الخمر والنهی عن ذلک، رقم: ۱۲۹۳) بذل المجهود کے حاشیہ میں ہے: ”والتعزیر بالمال (العقوبۃ المالیۃ) منسوخ کما فی کتبنا الحنفیۃ، وهل یجوز تعزیر غیرہ اونفسہ باضاعۃ المال؟ فقد ورد مایدل علی إباحتہ کمافی قصۃ سلیمان علیہ السلام فطفق مسحا بالسوق والاعناق وتحریق متاع الغال واکفاء القدور ....“ (تعلیقات بذل المجهود فی شرح ابی داؤد، کتاب التعزیر: ۵/۱۶۰) درمختار میں ہے: ”ویکون بالنفی عن البلد و بالهجوم علی بیت المفسدین وبالاخراج من الدار وبهد مها وکسر دنان الخمر“ (الدر مع الرد ۶/۱۱۰)۔

۲- تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ:

(الف): یہ ابتداء اسلام میں تھا، پھر منسوخ ہو چکا، اس لئے اب جائز نہیں، علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: ”وفی شرح

الآثار:التعزیربالمال کان فی ابتداء الإسلام ثم نسخ، والحاصل أن المذهب عدم التعزیربأخذ المال" (البحرالرائق ۶۸/۵)"الأصل فی مذهب أبی حنیفة أن التعزیربأخذ المال غیرجائز فأبوحنیفة وأبویوسف لایجیزأنه، بل إن محمدالم یذکره فی کتاب من کتبه أما أبویوسف فقد روی عنه أن التعزیربأخذ المال من الجانی جائز،إن رؤیت فیه مصلحة۔"(الموسوعۃ الفقہیۃ ۲۷۰/۱۲)۔

(ب): دوسری بات یہ ہے کہ یہ کسی سبب شرعی کے بغیرایک مسلمان کا مال لے لینا ہے، جواز روئے کتاب وسنت ممنوع ہے،مسلمان کا مال یاتواس کی خوشی اوررضامندی سے لینا جائز ہے یا پھراس وقت لیا جاسکتا ہے جب کوئی حق اس کے ذمہ ہو،ارشاد باری ہے:"لاتاکلواأموالکم بینکم بالباطل"(البقرۃ:۱۸۸) نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:"ألالایحل مال امرء مسلم إلا بطیب نفس منه"(شعب الایمان،باب فی قبض الید عن الاموال المحرمۃ: ۳۸۷/۴،رقم:۵۴۹۲)،اورظاہر ہے کہ تعزیر بالمال میں نہ اس شخص کی رضامندی کو دخل ہوتا ہے جس سے مال لیا جاتا ہے اورنہ ہی کوئی اورسبب شرعی ہے جس سے اس کا جواز پیدا ہوسکے،اس لئے یہ درست نہیں ہے۔

(ج): تیسری بات یہ ہے کہ تعزیر بالمال کوجائز رکھنے کی صورت میں حکام کوعوام کا مال ہڑپ کرنے کا بہانہ ہاتھ آجائے گا، جس میں عوام کا نقصان ہے،گویا کہ یہ ظلم کا ذریعہ ہے،اس لئے جائز نہ ہوگا،شامی میں ہے:"قال فی الشرنبلالیة:ولا یفتی بهذالما فیه من تسلیط الظلمةعلی أخذ مال الناس، فیأکلونه، ومثله فی شرح الوهبانیة عن ابن وهبان"(۱۰۶/۶)۔

(د): چوتھی بات یہ ہے کہ تعزیر بالمال کے جواز کے سلسلہ میں جوروایات واحادیث ذکر کی جاتی ہیں وہ اولاً: تومنسوخ ہیں:"کانت العقوبات فی الأموال کأخذ شطرالمال من مانع الزکوة وضالةالإبل وسارق التمروکله منسوخ"(عمدۃ القاری ۱۵/۷)، "قیل: إنه کان فی صدر الإسلا م یقع بعض العقوبات فی الأموال ثم نسخ کقوله فی الثمرالمعلق من خرج بشیء منه فعلیه غرامة مثلیه والعقوبة وکقوله فی ضالة الإبل المکتومة غرامتها ومثلها معها"(بذل المجہود ۱۸/۳) ثانیاً:ان میں کی اکثرروایات تعزیر باخذ المال کے سلسلہ میں صریح نہیں ہیں، کیونکہ ان میں مجرم کے مال کوتلف اورضائع کردینے کا ذکر ہے،اس کے پاس سے مال لینے کا ذکرنہیں،پس یہ تعزیرفی المال بمعنی تعزیر باتلاف المال کی صورتیں ہیں،تعزیر بالمال بمعنی تعزیر باخذ المال کی نہیں،جبکہ زیر بحث مسئلہ تعزیر بالمال بمعنی تعزیر باخذ المال کا ہے،اس لئے ان روایات سے استدلال محل نظرہے،اورحدیث:"من أعطاها مؤتجرا فله أجرها، ومن منعها فانا آخذوهاوشطرماله عزمة من عزمات ربنالیس لآل محمد منها شیء"(ابوداؤدمع شرحہ بذل المجہود،کتاب الزکوۃ،باب فی زکوۃ السائمۃ: ۱۸/۳)اوراس جیسی دیگرروایات وآثارمؤول یامتکلم فیہ ہیں۔

بہرحال تعزیر بالمال کا عدم جواز ہی حنفیہ کامفتی بہ قول اورمعروف مذہب ہے،حضراتِ اکابرؒ کے فتاوی میں بھی یہی بات

ہے، چنانچہ: ''کفایت المفتی''میں ہے: تعزیر بالمال امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے: ''**وعند أبی یوسف یجوز التعزیر بأخذ الما ل للسلطان وعندهماو باقی الأئمة الثلاثة لایجوز، کذا فی فتح القدیر وعالمگیری**''۔ اوراگر چہ امام ابویوسفؒ نے تعزیر بالمال کو جائز فرمایا ہے، مگر اس سے مراد یہ ہے کہ بادشاہ اس کے مال کو ایک مدت مناسبہ تک روک لے اور جب سمجھے کہ اب زجر حاصل ہوگیا، پھر واپس کردے، نہ یہ کہ بالکل خود اپنے لئے یا بیت المال کے لئے ضبط کرلے'' (۲/۲۰۵)۔

''امدادالفتاوی''میں ہے: ''تعزیر المال حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے۔'' (۵/۴۹۶) ''تعزیر مالی تو حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں اور حدیث: ''**لایحل مال امرء مسلم إلا بطیب نفس منه**'' اسکی مؤید بھی ہے، پس جرمانہ کے طور پر لینا درست نہ ہوگا'' (۵/۵۰۳)۔

''امدادالمفتیین''میں ہے: ''جرمانہ مالی مقرر کرنا یہ ظلم ہے، شریعت میں جرمانہ مالی کی کوئی اصل نہیں، حاکم شرعی بھی کسی پر مالی جرمانہ مقرر نہیں کرسکتا۔'' (۷۵۱) ''مالی تعزیر و جرمانہ وغیرہ شرعاً معتبر نہیں، نہ جرمانہ لینا جائز ہے اور نہ اس کے لئے کوئی مصرف مقرر ہے'' (۷۵۲)۔

''فتاوی دارالعلوم''میں ہے: ''جرمانہ مالی کرنے کو امام صاحب کے مذہب میں ممنوع لکھا ہے اور امام ابویوسفؒ بغرض تنبیہ جائز فرماتے ہیں، مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں اسی کو دے دیا جائے یا اس کی اجازت اور خوشی سے کسی نیک کام مسجد وغیرہ میں صرف کردیا جائے'' (۱۲/ ۲۵۳، ۲۲۲)۔

''فتاوی محمودیہ''میں ہے: ''مالی جرمانہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں، منسوخ ہے۔'' (۵/۱۸۴) ''مالی جرمانہ شرعاً ناجائز ہے'' (۵/۲۱۱، ۱۷۳، ۲۲۲)۔

''احسن الفتاوی''میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: ''تعزیر باخذ المال نصوص قرانیہ، احادیث صریحہ وصحیحہ اور اصول شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اس پر ائمہ اربعہؒ کا اجماع ہے، جن احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے ان سب کو حضرات محدثین وفقہاء نے منسوخ قرار دیا ہے...'' (۵/۵۵۶)۔

''محمودالفتاوی''میں ہے: ''مال کی صورت میں جرمانہ عائد کرنا شرعاً درست نہیں۔ ''**والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال**'' (شامی: ۳/۱۹۵)، اور جرمانہ کے طور پر لی ہوئی رقم مدرسہ کے اخراجات میں صرف کرنا جائز نہیں، ''**لقوله علیه الصلوة والسلام: لایحل مال امرء مسلم إلا بطیبة من نفسه**'' (مشکوۃ: ۲۵۵)، اگر کوئی رقم مالی جرمانہ کے نام سے رکھ لی جائے، تاکہ وہ طالب علم قانون کی خلاف ورزی سے باز رہے اور بعد میں اس کو لوٹا دی جائے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اس صورت میں بھی اس کی مرضی کے بغیر اخراجات مدرسہ میں صرف کرنا درست نہیں، بلکہ اس کو واپس کیا جائے۔ ''**وقیل: یجوز ومعناه أن یمسکه مدة لینز جر ثم یعیده له، فإن أیس من توبته صرفه الی مایری**'' (درمختار ۶/۱۰۶، ۵/۵۳۶)۔

''کتاب النوازل''میں ہے: ''مالی جرمانہ حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے'' (۱۰/۳۴۱) ''مفتی بہ قول کے مطابق مالی جرمانہ

لازم کرنا شرعاً جائز نہیں ہے‘‘(۹/۹۷)،’’امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے،اس لئے مدرسہ کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر طلبہ سے جبراً مالی جرمانہ لینے کا ضابطہ درست نہیں ہے‘‘(۱۰/۳۴۰)۔

۳- تعزیر بالمال کی بابت ائمہ حنفیہ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول عدم جواز کا ہے،البتہ امام ابویوسفؒ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ سلطان کے لئے تعزیر باخذ المال جائز ہے،’’تاتارخانیہ‘‘میں ہے:’’ولم یذکر محمد فی شیء من الکتب التعزیربأخذ المال، و قیل: روی عن أبی یوسف أن التعزیروالزجرمن السلطان بأخذ المال جائز، وفی الفتاوی الخلاصة:التعزیربأخذ المال إن رای القاضی ذلک أوالوالی جاز، ومن جملة ذلک رجل لایحضرالجماعة یجوزتعزیره بأخذ المال‘‘(التاتارخانیۃ ۶/۴۰۲)،مگر یہ قول وروایت ضعیف ہے اور عام طور پر صیغۂ تمریض سے ذکر کی گئی ہے،اس لئے اصل مذہب کے اعتبار سے یہ روایت قابل عمل نہیں،علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:’’قال فی الفتح:وعن ابی یوسف یجوزالتعزیرللسلطان بأخذ الما ل وعندهماوباقی الأئمة الثلاثة لایجوز،ومثله فی المعراج وظاهره أن ذلک روایة ضعیفة عن ابی یوسف، قال فی الشرنبلالیة:ولایفتی بهذالما فیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس فیأکلونه، ومثله فی شرح الوهبانیة عن ابن وهبان‘‘(۶/۱۰۶)،تاہم اس روایت ضعیفہ کی بعض حضرات نے یہ توضیح کی ہے کہ یہ جرمانہ محض وقتی طور پر از راہ دھمکی لیا جائے گا،نہ خود سلطان لے گا اور نہ بیت المال میں داخل کرے گا، بلکہ ایک مدت کے بعد واپس کردے گا، ہاں!اگر مجرم کی توبہ سے مایوسی ہوجائے تو پھر واپس کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کی اجازت سے مناسب جگہ پر اس مال کو خرچ کرسکتا ہے،علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:’’ولم یذکرمحمد التعزیربالمال وقد قیل روی عن أبی یوسف أن التعزیرمن السلطان بأخذ المال جائزکذا فی الظهیریة، و فی الخلاصة:سمعت عن ثقة أن التعزیربأخذ المال إن رای القاضی ذلک أوالوالی جاز، ومن جملة ذلک رجل لایحضرالجماعة یجوزتعزیره بأخذ المال، وافاد فی البزازیة أن معنی التعزیربأخذ المال علی القول به امساک شیء من ماله عند مدة لینزجرثم یعیده الحاکم إلیه، لاأن یأخذه الحاکم لنفسه أولبیت المال کما یتوهمه الظلمة، إذ لایجوزلأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیرسبب شرعی، وفی المجتبی: لم یذکرکیفیة الأخذ، واری أن یأخذها فیمسکها،فإن أیس من توبته یصرفها،إلی مایری وفی شرح الآثار: التعزیربالمال کان فی ابتداء الإسلام ثم نسخ، والحاصل أن المذهب عدم التعزیربأخذ المال‘‘ (البحرالرائق ۵/۶۸، الهندیۃ:۲/۱۶۷، الشامی:۶/۱۰۶)۔

’’کفایت المفتی‘‘میں ہے:’’مالی جرمانہ ناجائز ہے اور امام ابویوسفؒ سے جو تعزیر بالمال کے جواز کی روایت ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ مدت کے لئے اس کا مال روک لیا جائے اور جب انزجار کی امید ہوجائے،تو اس کا مال واپس کردیا جائے‘‘ (۲/۲۰۶)۔

''امدادالفتاوی''میں ہے:''صرف امام ابویوسفؒ سے جرمانہ کے جواز کی روایت منقول ہے اور وہ بھی ضعیف،باقی علماء وائمہ کے نزدیک جائز نہیں اور جب روایت ضعیف ہے تو قابل عمل نہیں ہوسکتی''(۵/۵۰۵)۔

۴- بعض فقہاء حنفیہ نے بھی تعزیر بالمال کو جائز کہا ہے، چنانچہ صاحب خلاصۃ الفتاوی علامہ طاہر بن عبدالرشیدؒ نے بعض ثقہ کا یہی خیال ذکر کیا ہے جو امام ابویوسفؒ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ تعزیر باخذ المال جائز ہے،لکھا ہے:''**قال المصنف:وسمعت من ثقة أن التعزيربأخذ المال إن راى القاضى أوالوالى جاز،ومن جملة ذلک رجل لايحضرالجماعة يجوزتعزيره بأخذ المال**''(خلاصۃ الفتاوی ۴:۴۴۴) اورعلامہ ابن ہمامؒ نے بعض مشائخ کی نسبت یہی لکھا ہے،جیسا کہ ان کی اس تحریر سے واضح ہے،لکھتے ہیں:''**ومافى الخلاصة سمعت من ثقة أن التعزيربأخذالمال، إن رأى القاضى ذلک أوالوالى جاز، ومن جملة ذلک رجل لايحضرالجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال مبنى على اختيار من قال بذلک من المشائخ كقول أبى يوسف**''(فتح القدیر ۵/۳۳۰)،اس کے علاوہ صاحب فتاوی بزازیہ کی بھی رائے یہ ہے کہ مصلحت کا تقاضہ ہوتو تعزیر بالمال جائز ہے،پھرروایتِ جواز کی وضاحت کے طور پر مولانا رکن الدین ابویحی خوارزمیؒ اورامام ظہیرالدین تمرتاشیؒ کا بھی یہی خیال ذکر کیا ہے،لکھتے ہیں: ''**والتعزيربأخذ المال أن المصلحة فيه جائزقال مولاناخاتمة المجتهدين مولانا ركن الدين ابويحى الخوارزمى رحمه الله، معناه أن نأخذ ماله ونودعه فإذا تاب نرده عليه كما عرف فى خيول البغاة و سلاحهم وصوبه الإمام ظهيرالدين التمرتاشى الخوارزمى قالواو من جملته من لايحضرالجماعة يجوز تعزيره باخذ المال۔**''(البزازیۃ علی ہامش الھندیۃ ۶/۴۲۷)،صاحب معین الحکام علامہ علاء الدین طرابلسیؒ بھی تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں،لکھتے ہیں: ''**يجوزالتعزيربأخذ المال وهو مذهب أبى يوسف و به قال مالک، ومن قال إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الائمة نقلا و استدلالا......**''(معین الحکام:۱۹۵)، صاحب لسان الحکام علامہ ابن شحنہؒ لکھتے ہیں: ''**قال المصنف** ؒ:**سمعت من ثقة أن التعزيربأخذ المال إن راى القاضى أوالوالى جاز،ومن جملة ذلک رجل لايحضرالجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال**''(لسان الحکام فی معرفۃ الاحکام فی ہامش معین الحکام:۴۰۱)۔

۵- ائمہ ثلاثہؒ کے راجح اقوال کے مطابق مالی تعزیر جائز نہیں ہے،علامہ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں:''**وعن أبى يوسف يجوزالتعزيرللسلطان بأخذ الما ل وعندهماوباقى الائمة الثلاثة لايجوز**''(فتح القدیر ۵/۳۳۰، الھندیۃ ۲/۱۶۷)،علامہ دسوقی مالکیؒ حاشیہ شرح کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:''**لايجوز التعزيربأخذ المال إجماعاً،ومارُوى عن الإمام ابى يوسف صاحب أبى حنيفة من أنه جوزللسلطان التعزيربأخذ المال فمعناه كما قال البزازى من ائمة الحنفية أن يمسک المال عنده مدة لينزجر،ثم يعيده إليه، لاأنه ياخذه لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، إذ لايجوزأخذ مال مسلم بغيرسبب شرعى كشراء أو هبة۔**''(حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر:۴/۵۵۰)،

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں:"والتعزیریکون بالضرب و الحبس والتوبیخ ولایجوز قطع شیء منه ولاجرحه ولاأخذ ماله؛ لأن الشرع لم یرد بشیء من ذلک عن أحد یقتدی به، ولأن الواجب أدب والتأدیب لایکون بالإتلاف۔"(المغنی:۱۲/ ۵۲۶)علامہ شوکانیؒ امام شافعیؒ کا مسلک نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "وقد استدل به علی انه یجوزللإمام ان یعاقب بأخذ المال وإلی ذلک ذهب الشافعی فی القدیم من قولیه ثم رجع عنه، وقال: إنه منسوخ هکذا قال البیهقی وأکثرالشافعیة۔"(نیل الاوطار:۳/ ۱۰۲)،ان تمام نصوص وعبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہؒ کا راجح مسلک تعزیر بالمال جائز نہ ہونے کا ہے،البتہ علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ وغیرہ بعض حضرات جو تعزیر مالی کے قائل ہیں انہوں نے بعض موقع کے لئے امام مالکؒ کا مسلک اور امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا ایک قول جواز کا ذکر کیا ہے،"معین الحکام" میں ہے:"یجوز التعزیربأخذ المال وهو مذهب أبی یوسف وبه قال مالک"(معین الحکام:۱۹۵)،"الفقہ الاسلامی وادلتہ "میں ہے: "لایجوزالتعزیربأخذ المال فی الراجح عند الأئمة لما فیه من تسلیط الظلمة علی أخذمال الناس فیأکلونه واثبت ابن تیمیة وتلمیذه ابن القیم أن التعزیربالعقوبات المالیة مشروع فی مواضع مخصوصة فی مذهب مالک فی المشهور عنه ومذهب احمد واحد قولی الشافعی"(الفقہ الاسلامی وادلتہ للزحیلی:۶/ ۱۸۵)۔

۶- مالی جرمانہ کے علاوہ زجر وتنبیہ کی اور کوئی صورت نہ ہو،یعنی حالات ایسے ہوں کہ جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے نہ تو وعظ ونصیحت اور زبانی فہمائش کافی ہو اور نہ ہی جسمانی سزا کا کوئی موقع ہو تو پھر ضرورۃً جواز وگنجائش کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے،کیونکہ:

(الف):بعض روایات وآثار جو اگرچہ بعض کے نزدیک مؤول یا متکلم فیہ ہیں،مگر ان سے فی الجملہ تعزیر باخذ المال کا ثبوت ہوتا ہے،جیسے:"من أعطاها مؤتجرا فله أجرها ومن منعها فانا آخذوهاوشطرماله عزمة من عزمات ربنا لیس لآل محمد منها شیء"(ابوداؤد مع شرحہ بذل المجھود،کتاب الزکوۃ،باب فی زکوۃ السائمۃ:۳/ ۱۸،رقم:۱۵۷۵)(کہ جو شخص اپنے مال کی زکوۃ اجر وثواب کی نیت سے ادا کرے گا اس کو اس کا ثواب ملے گا اور جو مال کی زکوۃ نہیں دے گا اس کی زکوۃ بھی لیں گے اور مزید اس کے مال کا کچھ حصہ بھی لیں گے جو میرے رب کی طرف سے ہوگا اور آل محمد کیلئے اس میں سے کچھ بھی صحیح نہیں ہے)،اور جیسے:"أنه سئل عن الثمر المعلق فقال:...و من خرج بشیء منه فعلیه غرامة مثلیه والعقوبة"(ابوداؤد مع شرحہ بذل المجھود،کتاب اللقطۃ:۳/ ۷۲،رقم:۱۷۱۰)(کہ آپ سے کسی کے درخت پر لگے ہوئے پھل سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:...اور جو شخص ساتھ لے کر چلا جائے تو اس کے ذمہ دوگنا تاوان اور سزا ہوگی)،اور جیسے:"ضالة الإبل المکتومة غرامتها ومثلها معها"(ابوداؤد مع شرحہ بذل المجھود،کتاب اللقطۃ:۳/ ۷۵،رقم:۱۷۱۸)(کہ گم شدہ اونٹ کو چھپانے کی سزا اونٹ کی قیمت اور اس کے مانند مزید قیمت کا تاوان ہے)،اور جیسے:"عن یحی بن عبد الرحمن بن حاطب ان غلمة لابیه عبد الرحمن سرقوا بعیرا فانتحروه فوجد عندهم جلده وراسه فرفع أمرهم إلی عمرؓبن الخطاب

فامربقطعهم فمکثوا ساعۃو مانری إلا أن قد فرغ من قطعهم، ثم قال عمرؓ:علی بهم، ثم قال لعبد الرحمن: والله إني لاراک تستعملهم ثم تجیعهم وتسیء إلیهم حتی لو وجدوا ماحرم الله علیهم لحل لهم، ثم قال لصاحب البعیر: کم کنت تعطی لبعیرک؟ قال اربع ماۃ درهم قال لعبد الرحمن: قم فاغرم لهم ثمان ماۃ درهم"(المصنف لعبد الرزاق:۱/ ۲۳۹/ ۱۸۹۷۸، الموطاللامام مالک:۲/ ۷۴۸)(کہ عبد الرحمٰن بن حاطب کے غلاموں نے ایک اونٹ چرا کر ذبح کر دیا جس کا چمڑا اور سران کے پاس پایا گیا، لوگ حضرت عمرؓ کے پاس معاملہ لائے، آپ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد غلاموں کو طلب فرمایا اور عبد الرحمٰن سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ تم ان سے کام بھی لیتے ہو اور ان کو بھوکا بھی رکھتے ہو اور بدسلوکی کرتے ہو، یہاں تک کہ اگر وہ کوئی حرام چیز بھی پالیں تو ان کے لئے حلال ہوجائے، پھر اونٹ والے سے دریافت کیا کہ تمہیں اپنے اونٹ کی کتنی قیمت مل سکتی تھی؟ اس نے کہا: چار سو درہم، حضرت عمرؓ نے عبد الرحمٰن سے فرمایا: جاو؟، تاوان کے ساتھ آٹھ سو درہم ادا کرو۔)...... مذکورۂ بالا روایات سے واضح ہوتا ہے کہ تعزیر باخذ المال جائز ہے۔

(ب): دوسری بات یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ تعزیر کا مقصود مجرم کو زجر و توبیخ کرنا اور اسے برے کاموں کے ارتکاب سے روکنا اور اس پر بندش لگانا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تمام مجرموں کی زجر و بندش میں یکساں طریقہ ہونا بھی ضروری نہیں اور نہ ہی تمام کے حق میں ہر طریقہ کا کارگر و مفید ہونا ضروری ہے، اسی لئے فقہاء نے مختلف لوگوں کے اعتبار سے تعزیر کے مختلف طریقے اور مراتب ذکر کئے ہیں، علامہ ابن ہمامؒ کی مندرجہ ذیل تحریر سے یہ سب اچھی طرح واضح ہوتا ہے، فرماتے ہیں: "**التعزیرتادیب دون الحد وهومشروع بالکتاب ...وبالمعنی وهوأن الزجرعن الافعال السیئۃ کی لاتصیرملکات فیفحش ویستدرج الی ماهواقبح وافحش فهوواجب وذکرالتمرتاشی عن السرخسی انه لیس فیه شیء مقدر،بل هومفوض إلی رأ ی القاضی؛ لأن المقصود منه الزجروأحوال الناس مختلفۃ فیه فمنهم من ینزجربالصیحۃ، ومنهم من یحتاج إلی اللطمۃ، ومنهم من یحتاج إلی الحبس وفی الشافی التعزیر علی مراتب ....**"(فتح القدیر: ۵/ ۳۳۰، البحرالرائق:۵/ ۶۸)، شامی میں ہے: "**قال الزیلعی:ولیس فی التعزیرشیء مقدروانماهومفوض الی رأ ی الامام علی ما تقتضی جنایتهم ،فإن العقوبۃ فیه تختلف باختلاف الجنایۃ، فینبغی أن یبلغ غایۃ التعزیر فی الکبیرۃ ...وکذاینظر فی أحوالهم، فإن من الناس من ینزجر بالیسیرومنهم من لاینزجرالابالکثیروذکرفی النهایۃ:التعزیرعلی مراتب....**"(۶/ ۱۰۶)، پس جب حالات اور موقع ایسا ہے کہ جرائم و معاصی سے روکنے کے لئے نہ تو وعظ ونصیحت اور زبانی فہمائش کافی ہے اور نہ ہی جسمانی سزا کی گنجائش ہے اور مقصد تعزیر یعنی زجر و بندش مالی جرمانہ کے راستہ ہی سے حاصل ہوسکتی ہے اور بس، تو پھر ظاہر ہے کہ جواز و گنجائش کے قول پر فتوی دیتے ہوئے مالی جرمانہ مقرر کرنا جائز ہوگا۔

(ج): تیسری بات یہ ہے کہ تعزیر بالمال ممنوع ہونے کی وجہ اور دلیل یہ ذکر کی جاتی ہے کہ اس صورت میں ایک مسلمان کی دلی رضامندی کے بغیر اس کا مال لینا لازم آتا ہے، جبکہ حضور اکرم انے طیب نفس کے بغیر کسی مسلمان کا مال لینے سے منع فرمایا

ہے،ارشاد ہے:"ألالایحل مال امرء مسلم إلا بطیب من نفسه۔" لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات علی الاطلاق محل نظر ہے، کیوں کہ جس مسلمان کا مال دلی رضامندی کے بغیر لینا ممنوع ہوگا اس سے مراد وہ مسلمان ہوگا جو کسی جنایت اور جرم کا مرتکب نہ ہوا ہو، بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ ناحق اور بے جا طور پر کسی مسلمان کا مال لینا ممنوع ہوگا،جیسا کہ بعض روایات میں اس کی صراحت بھی ہے،ارشاد ہے:"لایحل لامرء أن یأخذ مال أخیه بغیر حقه وذلک لما حرم الله مال المسلم علی المسلم"(مسند احمد) پس اگر کوئی مسلمان کسی جرم وجنایت کا مرتکب ہوا ہے اور وہ بجا طور پر اس سزا کا مستحق بنا ہے کہ اس کا مال لیا جائے اور اس راستہ سے اس کو تنبیہ کی جائے،تب تو اس پر مالی سزا عائد کرنا اور اسکا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر بھی لینا جائز ہوگا،جیسا کہ کفارات اور دیات کی صورت میں مسلمان پر مالی سزا عائد کر کے اس کا مال لیا جاتا ہے،اور"لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل"(البقرۃ:۱۸۸) وغیرہ آیات، نیز"ألالایحل مال امرء مسلم إلا بطیب نفس منه۔" وغیرہ احادیث کو ایسے موقع پر فٹ کرنا درست نہ ہوگا،جیسا کہ مجرم مسلمان کی دلی رضامندی کے بغیر بھی اس کو جسمانی سزا دینا جائز ہوتا ہے، بلکہ بعض حالات میں تعزیراً قتل کی بھی گنجائش ہے،"ویکون التعزیر بالقتل کمن وجد رجلاً مع امرء ة لاتحل له"(الدر مع الرد ۶/۱۰۷) حالانکہ کسی مسلمان کی ایذاء رسانی اور اسے ادنی تکلیف دینا شرعاً منع ہے، چہ جائیکہ قتل کرنا،اسی طرح مسلمان کی عزت بھی قیمتی ہے اور اسکی آبروریزی بہت بڑا جرم اور گناہ ہے، جیسا کہ احادیث میں منقول ہے:"ان الله حرم علیکم دماء کم وأموالکم وأعراضکم کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم...."(البخاری،کتاب الحج،باب الخطبۃ ایام منی،رقم:۱۶۶۵)،لیکن اگر وہ کوئی ایسا کام کر بیٹھا ہے جس سے وہ بے عزتی کا مستحق ہوگیا ہے تو پھر اسکی بے عزتی کی بھی گنجائش ہوتی ہے،حضور ﷺ نے فرمایا ہے:"لی الواجد یحل عرضه وعقوبته۔"، پس اسی طرح عام حالات میں تو بر بناء روایت مسلمان کی دلی رضامندی کے بغیر اس کا مال لینا ممنوع ہوگا،مگر ارتکاب جرم کی حالت میں ممنوع نہ ہوگا،،غرضیکہ تعزیر بالمال کے عدم جواز کے باب میں یہ دلیل صریح نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اور صریح دلیل موجود ہے،اس لئے ضرورت کے موقع پر تعزیر بالمال کی گنجائش ہوگی۔

چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:"اکثر فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں،صرف جسمانی سزا کے ذریعہ تعزیر کرنا جائز ہے،البتہ امام احمد بن حنبلؒ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے،حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے،... لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر مجھے کوئی صریح دلیل نہیں ملی،عام طور پر فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں،جس میں حضور نے ارشاد فرمایا:"ألالایحل مال امرء مسلم إلا بطیب نفس منه" یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں،لیکن یہ استدلال کمزور ہے،اس لئے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو،لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے،اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے،اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس حلال ہوجاتا ہے،لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہے اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہونچایا جارہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے،تو پھر مال

جوطیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولی جائز ہوجانا چاہئے، چنانچہ بعض متاخرین فقہاء حنفیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے" (تقریر ترمذی:۵/۱۱۸-۱۱۹)۔

(د): چوتھی بات یہ ہے کہ مالی سزا منسوخ ہوجانے کی جو بات کہی جاتی ہے وہ متفق علیہ نہیں ہے، بعض حضرات نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا ہے، نہ وہ اسے منسوخ مانتے ہیں اور نہ ہی ممنوع، اس لئے بالخصوص ضرورت کے موقع پر تعزیر باخذ المال کی گنجائش ہوگی، چنانچہ صاحب معین الحکام قاضی علاء الدین طرابلسیؒ فرماتے ہیں:" تعزیر باخذ المال جائز ہے، یہی امام ابو یوسف کا مذہب ہے اور اسی کے قائل امام مالک ہیں اور جن حضرات نے یہ بات کہی ہے کہ مالی سزا منسوخ ہے، انہوں نے مذاہب ائمہ کی بناء پر روایت اور استدلال ہر دو اعتبار سے غلطی کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کے منسوخ ہونے کا دعوی کرنا آسان نہیں ہے، حضورا کی وفات کے بعد حضرات خلفاء راشدینؓ اور اکابر صحابۂ کرامؓ کا اس عمل کو انجام دینا ان کے دعوی نسخ کو باطل قرار دیتا ہے، جو لوگ نسخ کا دعوی کرتے ہیں، ان کے پاس نہ سنت ہے اور نہ اجماع جو ان کے دعوے کو صحیح قرار دے...۔ "**يجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب ابى يوسف وبه قال مالک، ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الائمة نقلا واستدلالا وليس بسهل دعوى نسخها وفعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موتها مبطل لدعوى نسخها والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولاإجماع يصحح دعواهم، إلا أن يقول أحدهم مذهب اصحابنا لايجوز فمذهب اصحابه عنده عيار على القبول والرد۔**" (معین الحکام:۱۹۵)، علامہ ابن تیمیہؒ وغیرہ نے بھی یہی بات ذکر کی ہے، لکھا ہے:"**ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة وأطلق عن أصحاب مالک واحمد فقد غلط على مذهبهما ومن قاله مطلقاً من أى مذهب كان فقد قال قولاً بلا دليل ولن يجىء عن النبى شىء قط يقتضى انه حرم جميع العقوبات المالية، بل أخذ الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة بذالک بعد موته دليل على أن ذلک محكم غير منسوخ۔**" (مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، فصل فی التعزیر بالعقوبات المالیۃ:۲۸/۱۱۱)۔

(ھ): پانچویں بات یہ ہے کہ تعزیر بالمال کے عدم جواز کی ایک مصلحت یہ ذکر کی جاتی ہے کہ اس سے حکام کو عوام کا مال ہڑپ کرنے کا بہانہ ہاتھ آجائے گا، جس میں عوام کا نقصان ہے، گویا کہ اس میں ظلم کا پہلو ہے، پس ظاہر ہے کہ اگر کسی موقع پر ظلم کا پہلو نہ ہو، مال ہڑپ کرنے کا بہانہ ہو، بلکہ مصلحت ہی کا تقاضہ یہ ہو کہ مالی تعزیر ہونا چاہئے، اس کے بغیر زجر وتنبیہ کما حقہ نہ ہوگی، تو پھر مالی تعزیر کی گنجائش ہوگی۔

اس قسم کی وجوہات کی بناء پر بعض علماء ومفتیان نے تعزیر باخذ المال کے جواز کا رجحان ظاہر کیا ہے، چنانچہ:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:" اس وقت اسلام کے قانون حدود وتعزیرات کے فقدان کی وجہ سے وہ مسائل جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کررہی ہیں ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی

ہے اور ریلوے، بس، ٹریفک وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے، راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے'' (قاموس الفقہ: ۲/ ۴۷۹)۔

تعزیر بالمال کے جواز کو مدلل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''موجودہ زمانہ میں اور بالخصوص ہندوستان کے خصوصی حالات میں اس کو قبول کرلیا جائے تو امید ہے کہ منکرات کے سد باب میں اس سے مدد ملے گی اور اس سے فائدہ ہوگا'' (جدید فقہی مسائل: ۳/ ۲۴۸)۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحبؒ فرماتے ہیں: ''یہ مسئلہ فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ مالی جرمانہ یا اشیاء کے اتلاف ونقصان کے ذریعہ تعزیر کی جائے گی یا نہیں؟ اس اختلاف کی بنیاد کچھ نقلی بھی ہے اور کچھ عقلی بھی، نقلی کا مطلب ہے کہ بعض احادیث اور آثار صحابہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور بعض سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا کرنا ناجائز ہے اور عقلی بنیاد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ظلم وزیادتی کا دروازہ کھلنے کا امکان ہے، اس لئے جو فقہاء اسے ظلم کا ذریعہ سمجھتے ہیں اسے ناجائز کہتے ہیں اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تنبیہ و تادیب اور زجر وتوبیخ کا ذریعہ ہے وہ اسے جائز سمجھتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ اسے ناجائز کہتے ہیں، طرفین کے برخلاف امام ابویوسفؒ کہتے ہیں کہ مصلحت متقاضی ہو تو جائز ہے، فقہ حنفی کی بعض کتابوں مثلاً بزازیہ وغیرہ میں امام ابویوسف کا نام لئے بغیر اسے مطلقاً جائز کہا گیا ہے،... فقہاء احناف میں جو لوگ مالی جرمانہ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ مال نہ تو خود حاکم لے سکتا ہے اور نہ تو بیت المال میں جمع کرسکتا ہے، یہ محفوظ رکھا جائے گا، جب مجرم اپنے جرم سے توبہ کرلے گا اور توبہ کا اظہار اس کی زندگی سے ہونے لگے گا تو اسے واپس کردیا جائے گا، بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ مالی جرمانہ کی جو مثالیں حدیث وآثار میں ملتی ہیں ابتداء اسلام میں اس کی اجازت تھی، وہ حکم بعد میں منسوخ ہوگیا، مگر امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ نے بہت سے دلائل کی روشنی میں اس کی سخت تردید کی ہے،... راقم الحروف کے خیال میں امام ابویوسفؒ اور جو فقہاء مالی جرمانہ یا اتلاف کے ذریعہ تعزیر کے قائل ہیں ان کی رائے قابل ترجیح ہے، جیسا کہ حدیث وآثار میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، جن فقہاء نے اس کو ناجائز کہا ہے اس کی وجہ انہوں نے حکام کے ظلم کو قرار دیا ہے، انہوں نے یہ رائے مصلحت کی بنیاد پر دی ہے، اگر ظلم کا پہلو نہ ہو تو ان کی رائے بھی وہی ہوگی'' (اسلامی فقہ: ۳/ ۲۷۹-۲۸۱)۔

''فتاوی قاسمیہ'' میں ہے: ''حضرات طرفین کے نزدیک مالی جرمانہ سرے سے جائز نہیں ہے، اور حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک حاکم وقت کے لئے تعزیر مالی کو جاری کرنا جائز ودرست ہے،... اور فقہاء نے حضرات طرفین کے نزدیک جو عدم جواز کی بات نقل فرمائی ہے، اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ تعزیر مالی شروع اسلام میں جائز تھی، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوچکا ہے، لیکن فقہ السنۃ کے اندر منسوخ ہونے کی بات کی تردید کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے اس بات کا دعوی کیا ہے کہ مالی جرمانہ شروع اسلام میں جائز تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوچکا ہے، ان لوگوں کے پاس منسوخ ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور یہ دعوی بلا دلیل کے ہے، اس لئے یہ حکم آج بھی باقی ہے، لہذا جہاں ذمہ دار شخصیت تعزیر مالی کو جاری کرنا مصلحت سمجھے گی وہاں آج بھی تعزیر مالی کو جاری کرنے کی گنجائش

ہے،...‘‘(فتاوی قاسمیہ:۱۵/ ۵۴۲)۔

دکتور وہبہ زحیلی صاحبؒ نے علامہ ابن قیمؒ کے حوالہ سے لکھا ہے:’’**وقد اختلف فيه الفقهاء هل حكمه منسوخ أو ثابت؟والصواب أنه يختلف باختلاف المصالح ويرجع فيه إلى اجتهاد الأئمة فى كل زمان ومكان بحسب المصلحة، إذ لادليل على النسخ، وقد فعله الخلفاء الراشد ون، ومن بعدهم من الأئمة**‘‘(الفقہ الاسلامی وادلتہ:۶/ ۱۹۲)۔

غرضیکہ جب حالات ایسے ہوجائیں کہ جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے نہ تو وعظ ونصیحت اورزبانی فہمائش کافی ہواور نہ ہی جسمانی سزا کا کوئی موقع ہواورمقصدتعزیریعنی زجروبندش حاصل ہونے کی مالی جرمانہ کے علاوہ اورکوئی صورت نہ ہوتو پھرضرورۃً جواز وگنجائش کےقول پرفتوی دیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہاں ضرورت ہے جس کے پورے ہونے کا مالی جرمانہ کےعلاوہ اورکوئی راستہ نہیں ہےاورضرورت کےموقع پرمذہب کےقولِ ضعیف پرنیز مذہبِ غیر پرفتوی دینااورعمل کرنا جائز ہونے پراتفاق ہے۔

۷- فقہ حنفی کے مطابق مالی سزا اصلاً جائز نہیں ہے،البتہ ضرورۃً اس کا جوازاورگنجائش ہے،اس لئے اگر جسمانی تعزیر کی کوئی صورت ممکن ہو،مثلاً: کھانا بندکرنا،حلق کرنا وغیرہ جوکارگراورمفیدبھی ہو،تب تواسی صورت کواپنانا چاہئے اوراگرایسی کوئی صورت ممکن نہ ہو یاممکن تو ہو،مگرمفیدوکارگرنہ ہوتو پھرضرورۃً جواز کےقول کواختیارکرتے ہوئے مالی جرمانہ مقررکرنا جائز ہوگا،تاہم بہتراورمحتاط طریقہ یہ ہے کہ رقم لینے کے بعداس رقم کوادارہ کےکسی کام میں خرچ کرنے کے بجائے اسے محفوظ رکھاجائے، پھرآخری سال میں یہ رقم واپس کردی جائے یا پھراس کی اجازت اورخوشی سے کسی کارخیرمیں خرچ کردی جائے۔جیسا کہ حضراتِ اکابرومشائخ نے وضاحت فرمائی ہے،چنانچہ:

’’کفایت المفتی‘‘میں ہے:’’جرمانہ کا روپیہ وصول کرنا ناجائز ہے،جس سے لیا گیا ہے اسے واپس کیا جائے،کسی نیک کام میں بدون رضامندی مالک کےخرچ نہیں ہوسکتا،ہاں!اگروہ شخص جس سے روپیہ لیا گیا ہےوہ خوداجازت دیدےاور بجائے واپس لینے کے مدرسہ میں لگادینازیادہ پسندکرےتو پھرمدرسہ میں لگایا جاسکتا ہے‘‘(۲/ ۲۱۰)۔

’’امدادالفتاوی‘‘میں ہے:’’جرمانہ ہمارے امام صاحبؒ کے مذہب میں حرام ہے،اس لئے یہ رقم جائز نہیں،البتہ اگر سیاست کی ضرورت ہوتواس امرکی اجازت ہے کہ اس سےکوئی مقدار مال کی لی جاوےاور چندروزتک اس کواپنے پاس رکھ کرجب وہ خوب دق ہوجائے تواس کوواپس کردی جائے، یہ بھی اس شخص کوجائز ہے جس میں دووصف ہوں،ایک حکومت واختیار رکھتا ہوتا کہ فتنہ نہ ہو،دوسرےمعتمدومتدین ہوکہ بعد چندےواپسی پراطمینان ہو،ورنہ یہ بھی جائزنہیں‘‘(۵/ ۵۰۳)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ کے فتاوی میں ہے:’’حضرت امام ابویوسفؒ جوبوقت ضرورت تعزیر مالی کی اجازت دیتے ہیں تو پھر بعداصلاح اس کے واپس کردینے کاحکم بھی دیتے ہیں اور یہ اباحت نفع بخش نہیں اوراگرتعزیر مالی ناگزیرہواور واپسی میں اصلاح بھی متوقع نہ ہوتو پھراس کی اجازت اورمرضی سے کسی کارخیرمیں صرف کردینے کی بھی گنجائش ہوگی، ورنہ اباحت مطلقہ کا

قول معتمد نہیں''(نظام الفتاوی:۲ /۱۹۱)۔

''فتاوی قاسمیہ'' میں ہے:''طلبہ کی غیر حاضری پر مالی تاوان لینا جائز نہیں، البتہ جواز کی شکل اس شرط پر ہوسکتی ہے کہ رقم لینے کے بعد آخری سال میں اس رقم کو ضرور واپس کردیا جائے''(فتاوی قاسمیہ ۱۷ /۱۵۱)۔

۸- فقہ حنفی کے مطابق مالی سزا اصلاً جائز نہیں ہے کما مر، البتہ ضرورۃً اس کا جواز اور گنجائش ہے، اس لئے تعلیمی اداروں کی طرح اس قسم کے دیگر ادارے جو نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کا نظام بناتے ہیں، اگر وہ جسمانی سزا کے موقف میں نہ ہوں اور نظم وضبط کو درست رکھنے کی مالی جرمانہ کے علاوہ اور کوئی صورت نہ ہو تو ان کے لئے بھی مالی سزا مقرر کرنا ضرورۃً جائز ہوگا، تاہم بعد میں رقم واپس کردینے کا نظام ہو تو بہتر ہوگا۔

''فتاوی قاسمیہ'' میں ہے:''بطور سزا یا غلطی سدھارنے کی غرض سے کسی بھی ادارہ، محکمہ یا مدرسہ کا مالی جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، البتہ بطور سزا اور جرمانہ کے متعین رقم وصول کرلی جائے اور سال کے آخر میں وہ پیسہ واپس کردیا جائے تو اس طرح جائز اور درست ہے تاکہ وقتی طور پر دباؤ پڑجائے''(فتاوی قاسمیہ:۱۷ /۱۵۵)۔

۹- پہلے گذر چکا ہے کہ اسلامی شریعت میں تعزیر کی کوئی صورت ونوعیت مقرر نہیں ہے، یہ سزا موقع محل کے اعتبار سے اور اشخاص کے اعتبار سے مختلف صورتوں میں ہوسکتی ہے، کیوں کہ تعزیر کا بنیادی مقصد مرتکبِ جنایت شخص کو زجر وتنبیہ کرنا اور اسے اپنی غلطی کا احساس دلانا ہے اور ظاہر ہے کہ اس بابت میں تمام اشخاص تمام احوال میں برابر درجہ کے نہیں ہوتے، چنانچہ بعض لوگ اتنے گرے ہوئے ہوتے ہیں کہ سخت سے سخت سزا مثلاً حبس وقید یا سخت پٹائی کے بغیر ان کو تنبیہ نہیں ہوسکتی اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی اگر معمولی پٹائی کردی جائے، ایک آدھ چپت رسید کردی جائے یا صرف کان مروڑ دیا جائے تو یہ ان کو توبہ کرانے کے لئے کافی ہوجاتا ہے اور بعض تو سخت کلامی یا کچھ زور سے ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے ہی ارتکاب جنایت سے باز آتے ہیں، جبکہ بعض اس مقام ومرتبہ کے ہوتے ہیں کہ ان کو فقط قاضی کی مجلس یا پنچایت میں مجرم کے طور پر بلالینا یا قاضی کا ان پر ناراضگی اور غصہ بھری ایک نظر ڈال لینا ہی ان کو پانی پانی کردیتا ہے، اس کے برخلاف بعض اس پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ سزا کے طور پر مال کی کتنی ہی بھاری مقدار مقرر کی جائے ان کو کوئی گرانی اور تنبیہ نہیں ہوتی، آسانی سے مقررہ مال دے کر اپنے منشا کے مطابق کام کرتے رہتے ہیں، تعزیر کے یہ متعدد مراتب اور مختلف صورتیں فقہاء نے ان الفاظ میں ذکر کی ہیں:

''وذكر التمرتاشي عن السرخسي أنه ليس فيه شيء مقدر، بل هو مفوض إلى رأ ی القاضي، لأن المقصود منه الزجروأحوال الناس مختلفة فيه فمنهم من ينزجربالصيحة، ومنهم من يحتاج إلى اللطمة، ومنهم من يحتاج إلى الحبس، وفي الشافي التعزير على مراتب ...''(فتح القدیر:۵ /۳۳۰، البحر الرائق:۵ /۶۸)،

علامہ حصکفیؒ رقم طراز ہیں:**''وجعله في الدرر على اربع مراتب ...والتعزيرليس فيه تقديربل هومفوض إلى رأ ی القاضي وعليه مشائخنا، لأن المقصود منه الزجر، وأحوال الناس فيه مختلفة۔''** اس کے تحت علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

”قوله (علی اربع مراتب):تعزیرأشراف الأشراف وهم العلماء والعلویة بالأعلام، بأن یقول له القاضی بلغنی انک تفعل کذا فینزجربه وتعزیرالاشراف وهم نحوالدهاقین بالاعلام والجرالی باب القاضی والخصومة فی ذلک وتعزیرالأوساط وهم السوقة بالجروالحبس وتعزیرالاخساء بهذا کله وبالضرب ... ”قوله (والتعزیرلیس فیه تقدیر):...قال الزیلعی:ولیس فی التعزیرشیء مقدر وانما هو مفوض إلی رأ ی الامام علی ما تقتضی جنایتهم، فإن العقوبة فیه تختلف باختلاف الجنایة، فینبغی أن یبلغ غایة التعزیرفی الکبیرة ...وکذاینظرفی احوالهم، فإن من الناس من ینزجربالیسیرومنهم من لاینزجرإلا بالکثیر،وذکر فی النهایة: التعزیرعلی مراتب إلی آخرمامر عن الدرر....“(۶/ ۱۰۴-۱۰۶)اس لئے برادریاں اور خاندانی پنچایتیں ہوں یا تعلیمی وغیر تعلیمی ادارے ہوں ان سبھی کو چاہئے کہ تعزیر کی کوئی ایک ہی صورت اس طرح مقرر نہ کرے کہ دیگر صورتوں کی گنجائش باقی نہ رہے،حتی کہ صرف مالی جرمانہ کو بھی لازم نہ قرار دے کہ پھر اصحاب ثروت لوگ آسانی سے مقررہ مال دے کر اپنے منشا کے مطابق کام کرتے رہیں، بلکہ مختلف صورتوں کی گنجائش باقی رکھیں ،تاکہ ہر شخص کو مناسب حال سزا کے ذریعہ تنبیہ کی جائے اور تعزیر کا اصل مقصد اچھی طرح حاصل ہو اور چونکہ فقہ حنفی کے مطابق مالی سزا اصلاً جائز نہیں ہے،جیسا کہ گذرا،البتہ ضرورۃً اس کا جواز اور گنجائش ہے، اس لئے اولاً تو یہی کوشش کی جائے کہ جسمانی سزا کے ذریعہ ہی تنبیہ کی جائے،لیکن اگر صورت حال یہ ہو کہ پنچایتیں اور ادارے جسمانی سزا کے موقف میں نہ ہوں اور دباؤ اور اصلاح کی مالی جرمانہ کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے،اس وجہ سے مالی جرمانہ کا نظام بنائیں تو یہ ضرورۃً جائز ہوگا،تاہم بعد میں رقم واپس کردینے کا نظام ہو تو بہتر ہوگا۔

☆☆☆

عہد حاضر میں مالی تعزیر کی ضرورت اور احکام

مفتی محمد عبداللہ قاسمی☆

مالی تعزیر کا مسئلہ- مذاہب فقہاء کی روشنی میں:

مالی تعزیر کے سلسلہ میں دو رائیں ہیں: ایک رائے عدم جواز کی ہے، اور اس کے قائل امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، امام شافعیؒ (قول جدید کے مطابق) اور امام احمد بن حنبلؒ ہیں، تاہم دبستان فقہ حنبلی کے دو مایہ ناز عالم دین: علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کے مطابق احادیث وآثار سے بہت سی ایسی مثالوں کی تخریج کی ہے جن سے مالی تعزیر کا جواز نکلتا ہے۔

دوسری رائے مالی تعزیر کے جواز کی ہے، اور اس کے قائل مشہور قول کے مطابق امام مالکؒ اور فقہاء احناف میں سے امام ابو یوسفؒ ہیں، اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

فریق اول کے دلائل:

جن حضرات نے مالی جرمانہ کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے، انہوں نے اپنے دعوی پر چند دلائل پیش کیے ہیں، ذیل میں ہم ان کا اجمالا تذکرہ کرتے ہیں:

پہلی دلیل:

اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: "**يأيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم** "(النساء:۲۹) (اے ایمان والو! آپس میں ناحق طریقے سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ، سوائے اس کے کہ آپسی رضامندی سے تجارت ہو)۔

ایک دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: "**ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقا من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون** "(البقرة:۱۸۸) (اور ناحق طریقے پر ایک دوسرے کا مال مت کھاؤ، اور نہ (رشوت کے طور پر) مال حاکموں تک پہونچاؤ، تاکہ جانتے بوجھتے ہوئے لوگوں کا کچھ مال ظلم کے ساتھ کھا جاؤ)۔

☆ استاذ فقہ وادب دار العلوم حیدرآباد۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں اللہ تبارک وتعالی نے ناحق طریقے سے لوگوں کا مال کھانے سے منع فرمایا ہے، اور مالی جرمانہ بھی لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھانے کی ایک شکل ہے؛ لہذا مالی تعزیر ناجائز اور نادرست ہے۔

دوسری دلیل:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ’’إن دمائكم وأموالكم حرام عليكم ‘‘ (مسلم، حدیث نمبر:۱۲۱۸) (تمہاری جان اور تمہارے اموال ایک دوسرے پر حرام ہیں)۔

ایک دوسری جگہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ’’لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه ‘‘ (مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۲۰۶۹۵) (کسی مسلمان آدمی کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں ہے)۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی اور رضامندی کے بغیر لینا حلال اور جائز نہیں ہے، مالی تعزیر میں بھی چونکہ مجرم کی رضامندی نہیں پائی جاتی ہے؛ اس لئے مالی تعزیر بھی شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

تیسری دلیل:

جن احادیث وآثار سے مالی جرمانہ کا جواز مفہوم ہوتا ہے، ان کو یہ حضرات صدر اسلام کا واقعہ قرار دیتے ہیں، اور مذکورہ بالا آیات واحادیث سے ان کو منسوخ اور غیر معمول بہا قرار دیتے ہیں۔

فریق ثانی کے دلائل:

جو حضرات مالی جرمانہ کے جواز کے قائل ہیں ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی دلیل:

قتل خطا میں خون بہا، نیز ظہار اور قسم کا کفارہ منصوص ہے، اور قرآن کریم میں قدرے تفصیل سے ان کا تذکرہ ہے، قتل خطا کی دیت کے بارے میں اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

’’**وما كان لمؤمن أن يقتل مؤمنا إلا خطأ ومن قتل مؤمنا خطأ فتحريررقبة مؤمنة ودية مسلمة إلى أهله إلا أن يصدقوا فإن كان من قوم عدولكم وهو مؤمن فتحريررقبة مؤمنة وإن كان من قوم بينكم وبينهم ميثاق فدية مسلمة إلى أهله وتحريررقبة مؤمنة فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين توبة من الله وكان الله عليما حكيما**‘‘ (النساء: ۹۲) (کسی مسلمان کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کردے، سوائے اس کے کہ اس کے انجانے میں ہو جائے، اور جو کسی مسلمان کو انجانے میں قتل کردے وہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے، اور مقتول کے لوگوں کو خون بہا ادا کرے، سوائے اس کے کہ وہ لوگ خود ہی معاف کردیں، پھر اگر وہ تمہاری دشمن قوم کا فرد ہو اور خود مسلمان ہو تو صرف ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے، اور اگر ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو کہ ان کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو تو ان کے لوگوں کو خون بہا ادا کیا جائے اور ایک مسلمان غلام بھی آزاد کیا جائے)۔

کفارہ قسم کی تفصیل اللہ تعالی نے یوں بیان فرمائی ہے:

"لایؤاخذکم الله باللغو فی أیمانکم ولکن یؤاخذکم بماعقدتم الأیمان فکفارته إطعام عشرة مساکین من أوسط ماتطعمون أهلیکم أوکسوتهم أوتحریررقبة فمن لم یجد فصیام ثلاثة أیام" (المائدۃ:۸۹)(اللہ تبارک وتعالی تمہاری بے ارادہ قسموں پر پکڑ نہیں فرمائیں گے،لیکن جن قسموں کوتم نے پختہ ارادہ کے ساتھ کھایا ہے ان پر پکڑ کریں گے،لہذا اس کا کفارہ دس مسکینوں کوکھانا کھلانا ہے،اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کوکھلاتے ہو،یا ان کو کپڑے پہنانا،یا ایک غلام آزاد کرنا،پھر کسی کو یہ میسر نہ ہوتو تین روزے رکھ لے)۔

کفارہ ظہار کی وضاحت قرآن مجید میں کچھ اس طرح کی گئی ہے:

"والذین یظاهرون من نسائهم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل أن یتماسا ذلکم توعظون به والله بما تعملون خبیرفمن لم یجد فصیام شهرین متتابعین من قبل أن یتماسا فمن لم یستطع فإطعام ستین مسکینا "(المجادلۃ:۴،۳)(جولوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں،اوراپنی بات واپس لینا چاہیں،تو ایک غلام آزاد کرنا لازم ہے،قبل اس کے کہ وہ باہم تعلق قائم کریں،تمہیں ان باتوں کی نصیحت کی جاتی ہے،اوراللہ خوب آگاہ ہے ان سے جنہیں تم کرتے ہو،پھر جسے یہ میسر نہ ہو دومہینے لگاتار روزہ رکھنا ہے قبل اس کے کہ وہ باہم تعلق قائم کریں،پھر جو شخص اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو اسے ساٹھ مسکینوں کوکھانا کھلانا ہے)۔

قتل خطا کی صورت میں جوخون بہا ہے ،اسی طرح قسم توڑنے پر دس مسکینوں کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا یا غلام آزادکرنا اورکفارہ ظہار میں روزہ رکھنے کی قدرت نہ ہوتو ساٹھ مسکینوں کوکھانا کھلانا،ظاہر ہے کہ یہ ایک نوع کی مالی تعزیر ہی ہے،ان پر قیاس کر کے مالی جرمانہ کی مروجہ صورتوں کوجائز کہا جاسکتا ہے۔

دوسری دلیل:

آپ ﷺ کا ارشادگرامی ہے:**"فی کل سائمة إبل فی أربعین بنت لبون ولا یفرق إبل عن حسابها من أعطاها مؤتجرا فله أجرها ، ومن منعها فإنا آخذوها وشطرماله عزمة من عزمات ربنا عزوجل ،لا یحل لآل محمد منها بشیئ"**(ابوداؤد،حدیث نمبر:۱۵۷۵)(باہر چرنے والے اونٹوں میں سے ہر چالیس میں دوسالہ مونث ہے،اوراونٹوں کوان کے حساب سے جدانہ کیا جائے،جوشخص اجروثواب حاصل کرنے کی خاطردےتواس کواس کا اجروثواب ملے گا،اور جوشخص اس کوروکے تو ہم اس سے مواخذہ کریں گے،اوراس کا نصف مال بھی اللہ کے حقوق میں سے ایک حق کے طور پرلیں گے،آل محمد ﷺ کے لئے اس میں سے کچھ حلال نہیں ہے)۔

حدیث شریف میں واضح طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ جوشخص زکاۃ روکے گا ہم اس سے زکاۃ بھی وصول کریں گے، اورآدھا مال زائدلیں گے،ظاہر ہے کہ یہ مالی جرمانہ ہی کی ایک صورت ہے،جس پر مروجہ مالی سزاؤں کے جواز پر استدلال

کیا جا سکتا ہے۔

مالی جرمانہ کے منکرین کی طرف سے حدیث مذکور پر عموماً تین اعتراضات کیے جاتے ہیں، مندرجہ ذیل سطور میں اعتراضات اور ان کا جواب ذکر کیا جاتا ہے:

پہلا اعتراض:

اس حدیث پر ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی بہز بن حکیم ہیں جو متکلم فیہ راوی ہیں، ابن الطلاع ؒ نے ان کو مجہول راوی بتایا ہے، اور ابن حزمؒ نے ان کو غیر مشہور بالعدالۃ کہا ہے، لہذا یہ حدیث ضعیف ہے، اور اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

جواب: علامہ ابن قیم جوزیؒ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اگرچہ بعض حضرات نے بہز بن حکیم کو متکلم فیہ قرار دیا ہے، تاہم دوسری طرف مشاہیر محدثین کرام نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، اور ان کی روایتوں کو قبول کیا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ کے استاد علی ابن مدینیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ والی سند کی تصحیح کی ہے (دیکھیے: عون المعبود شرح سنن ابوداؤد ۴/ ۳۱۷)، حافظ ابن حجر مکیؒ جن کی حدیث اور رواۃ حدیث پر گہری نظر ہے اور جن کی رائے رواۃ کی تصحیح وتضعیف میں وقیع اور اہم مانی جاتی ہے ان کی یہ تحریر بھی قابل توجہ ہے:

”وقال الترمذی :تکلم فیه شعبة ،وهو ثقة عندأهل الحدیث ، وقد حسن له الترمذی عدة أحادیث، واحتج به أحمد وإسحاق والبخاری خارج الصحیح ، وعلق له فی الصحیح“(فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۱۳: ۳۵۵)(امام ترمذی لکھتے ہیں: شعبہ نے بہز کو متکلم فیہ کہا ہے، حالاں کہ وہ محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، اور امام ترمذیؒ نے ان کی متعدد احادیث کو حسن قرار دیا ہے، اور امام احمد اور امام اسحاق نے اس طریق کی روایت کو قابل حجت مانا ہے، اور امام بخاری ؒ نے بھی صحیح بخاری کے علاوہ میں اس طریق سے استدلال کیا ہے، اور خود صحیح بخاری کی تعلیق میں اس سند سے روایت کو ذکر کیا ہے)۔

”کتاب الجرح والتعدیل“ میں ہے:”قال أبوزرعة :بهزبن حکیم صالح ولکنه لیس بمشهور“(الجرح والتعدیل ۲/ ۴۳۱)(محدث ابوزرعہ فرماتے ہیں: بہز بن حکیم صالح ہیں، تاہم وہ مشہور نہیں ہیں)۔

دوسرا اعتراض:

اس حدیث پر دوسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ راوی سے الفاظ حدیث بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے، چنانچہ اصل الفاظ حدیث ہیں:”وشطر ماله“ اس صورت میں حدیث پاک کا مفہوم یہ ہوگا کہ مانعین زکاۃ کے مال کے دو حصے کیے جائیں گے، اور صدقہ وصول کرنے والے کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے تو وہ اچھا اور عمدہ مال سے زکاۃ وصول کرے یا نسبتاً غیر عمدہ مال میں سے زکاۃ وصول کرے، اور یہی اس کے زکاۃ روکنے کی سزا ہوگی، یہ مطلب نہیں ہے کہ جرمانہ کے طور پر اس سے زکاۃ کے علاوہ مزید رقم لی جائے گی، چنانچہ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

”قال الحربی :غلط بهز فی لفظ الروایة ، وإنما هو شطر ماله أی یجعل ماله شطرین ، ویتخیر علیه المصدق ، فیأخذ الصدقة من النصفین عقوبة لمنعه الزکاة ،فأما مالا تلزمه فلا“ (النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر: ۲/ ۳۷۴ط: المکتبۃ العلمیۃ بیروت) (حربی نے کہا: بہزبن حکیم سے روایت کے الفاظ میں غلطی ہوئی ہے، اصل الفاظ یہ ہیں: وشطر ماله یعنی اس کے مال کے دو حصے کیے جائیں گے، اور صدقہ وصول کرنے والے کو سزا کے طور پر خیر النصفین سے زکاۃ لینے کا حق ہوگا، رہا (جرمانہ کے طور پر) زائد مال وصول کرنا تو یہ اس کے لئے درست نہیں ہے)۔

جواب: علامہ ابن قیمؒ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث کی یہ توجیہ بالکل غلط ہے، اور کسی بھی محدث کا کلام اس کی تائید میں پیش نہیں کیا جا سکتا، علامہ ابن قیمؒ کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

”وقول الحربی إنه شطر ماله بوزن شغل فی غایة الفساد ،ولا یعرفه أحد من أهل الحدیث؛ بل هو من التصحیف“ (عون المعبود شرح أبو داود: ۴/ ۳۱۹ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت) (امام حربی کی رائے کہ شطر شغل کے وزن پر ہے، یہ بالکل غلط ہے، اور کوئی بھی محدث اس لفظ سے واقف نہیں ہے؛ بلکہ یہ غلط ہے)۔

تیسرا اعتراض:

مالی جرمانہ کی اجازت نہ دینے والوں کی طرف سے حدیث مذکور کا ایک جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا، بعد کو چل کر یہ حکم منسوخ اور غیر معمول بہا ہوگیا، اور ناسخ وہ آیات واحادیث ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر لینا ناجائز اور حرام ہے۔

جواب: حدیث مذکور کے منسوخ ہونے کا دعوی محل نظر ہے؛ کیونکہ کسی بھی حکم شرعی کو منسوخ قرار دینے کے لئے ناسخ ومنسوخ کی تاریخ کا علم ہونا ضروری ہے، اور یہاں یقینی طور پر ناسخ ومنسوخ کی تاریخ معلوم نہیں ہے، علامہ ابن قیم جوزیؒ لکھتے ہیں:

”ودعوی نسخه دعوی باطلة ،إذ هی دعوی مالا دلیل علیه ، وفی ثبوت شرعیة العقوبات المالیة عدة أحادیث عن النبی ﷺ لم یثبت نسخها بجهة ،وعمل بها الخلفاء الراشدون بعده“ (عون المعبود شرح ابوداؤد: ۴/ ۳۱۹ط: دار الکتب العلمیۃ بیروت) (حدیث مذکور کے منسوخ ہونے کا دعوی درست نہیں ہے؛ کیونکہ یہ دعوی محض ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے، جبکہ مالی سزاؤں کے مشروع ہونے پر آپ ﷺ سے متعدد احادیث منقول ہیں، جن کا منسوخ ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے، اور خلفاء راشدین کا ان پر عمل رہا ہے)۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی یہ بصیرت افروز تحریر بھی قابل توجہ ہے:

”ومن قال إن العقوبات المالیة منسوخة ، وأطلق ذلک عن أصحاب مالک وأحمد فقد غلط علی مذهبهما ،ومن قال مطلقا من أی مذهب کان فقد قال قولا بلادلیل ، ولم یجیئ عن النبی ﷺ شیئ قط یقتضی أنه حرام جمیع العقوبات المالیة ؛ بل أخذ الخلفاء الراشدون وأکابر أصحابه بذلک بعد موته دلیل

علی أن ذلک محکم غیر منسوخ "(فتاوی ابن تیمیہ ۲۸ /۱۱۱ط:مجمع الملک فہد) (جن لوگوں نے کہا کہ مالی سزائیں منسوخ ہیں،اور علی الاطلاق مالکیہ اور حنابلہ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے ،ان لوگوں نے ان مذاہب کی طرف غلط نسبت کی ہے،اور جولوگ مالی تعزیر کے عدم جواز کے قائل ہیں خواہ وہ کسی بھی مسلک سے وابستہ ہوں ان کا یہ قول بلا دلیل ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ سے کوئی ایسی بات ثابت نہیں ہے جو اس بات کا تقاضہ کرتی ہو کہ تمام مالی سزائیں حرام ہیں، بلکہ خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا مالی تعزیر پر عمل رہا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ محکم اور معمول بہا ہے، منسوخ نہیں ہے)۔

تیسری دلیل:

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میری اپنے ماموں سے ملاقات ہوئی، اور ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا، میں نے پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے آپ ﷺ نے ایسے آدمی کے پاس بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے اس کے مرنے کے بعد نکاح کیا ہے، تاکہ میں اس کی گردن مار کر اس کا مال لے لوں۔

اس حدیث شریف سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی کے لئے مالی تعزیر کا فیصلہ کرنا جائز اور درست ہے، علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

"**وفیہ أیضا دلیل علی أنہ یجوزأخذ مال من ارتکب معصیۃ مستحلا لھا بعد إراقۃ دمہ** "(نیل الأوطار:۷ /۱۳۷ ط:دارالحدیث مصر) (حدیث شریف میں اس بات پر دلیل ہے کہ قتل کرنے کے بعد اس شخص کا مال لینا جائز اور درست ہے، جس نے حلال سمجھتے ہوئے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہو)۔

چوتھی دلیل:

عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے درخت پر لٹکے ہوئے پھل کے بارے میں دریافت کیا گیا: آپ ﷺ نے فرمایا: جو حاجت منداس کو کھائے، اور چھپا کر نہ لے جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، اور جو اس میں سے کچھ چھپا کر لے جائے گا تو اس کا دوگنا جرمانہ ادا کرے اور سزا الگ ہوگی، اور جب میوہ پک کر سوکھنے کے لئے کھلیان میں ڈال دیا جائے اور اس میں سے کوئی اس قدر چرالے جس کی قیمت ڈھال کے برابر ہوتی ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا (ابوداؤد، حدیث نمبر:۱۷۱۰)۔

حدیث مذکور میں آپ ﷺ نے پھل توڑ کر لے جانے والے کی سزا یہ بیان فرمائی کہ اس کو جسمانی سزا دینے کے علاوہ اس سے پھل کی دوگنی قیمت بھی وصول کی جائے گی، ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح سے مالی جرمانہ ہی ہے، اس سے بھی مالی تعزیر کا جواز نکلتا ہے۔

پانچویں دلیل:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے دو معصفر میں رنگے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہاری والدہ نے یہ کپڑا پہننے کے لئے کہا تھا؟ میں نے کہا: کیا میں اس کو دھولوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ تم اس کو جلا ڈالو (صحیح مسلم، حدیث نمبر:۲۰۷۷)۔

حدیث مذکور میں آپ ﷺ نے ابن عمروؓ کو کپڑے جلانے کا حکم دیا، کپڑے جلانا مال کو ضائع کرنا ہے، ظاہر ہے کہ یہ مالی

جرمانہ ہی کی ایک صورت ہے، جس سے مالی جرمانہ کے جواز کو تقویت ملتی ہے۔

چھٹویں دلیل:

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: منافقین کے لئے سب سے بھاری نماز عشاء اور فجر ہے، اگر انہیں یہ معلوم ہوجائے کہ ان نمازوں میں کیا اجر ہے تو وہ ان نمازوں میں ضرورحاضر ہوتے، خواہ انہیں گھٹنوں کے بل ہی چل کر آنا پڑتا، میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ میں نماز کے لئے اقامت کہنے کا ایک کو حکم دوں، اور دوسرے سے نماز پڑھانے کے لئے کہوں، پھر میں اپنے ساتھ کچھ لوگوں کو لے جاؤں جن کے ساتھ لکڑیوں کا گٹھر ہو، ایسے لوگوں کے پاس جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے، اور ان کے گھروں کو نذر آتش کردوں (بخاری، حدیث نمبر: ۶۴۴)۔

حدیث بالا سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کا گھر نذر آتش کرنے کا ارادہ فرمالیا تھا جو باجماعت نماز نہیں پڑھتے ہیں، تاہم گھروں میں چونکہ عورتیں اور بچے بھی تھے جن کے لئے باجماعت نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے، اسی لئے آپ ﷺ اس ارادے سے باز آگئے، ظاہر ہے کہ گھروں کو نذر آتش کرنا مال کو ضائع کرنا ہے جو مالی جرمانہ ہی کی ایک صورت ہے۔ چنانچہ حافظ عراقیؒ لکھتے ہیں:

"**فيه جوازالعقوبة بالمال من قوله نحرق بيوتا وإليه ذهب أحمد** "(طرح التثریب فی شرح التقریب ۲/۳۰۷ط: داراحیاء التراث العربی مصر) (آپ ﷺ کے ارشاد کہ ہم ان کا گھر جلائیں گے، اس سے مالی سزا کا جواز معلوم ہوتا ہے، یہی رائے امام احمدؒ کی ہے)۔

ساتویں دلیل:

عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہؓ کے غلاموں نے ایک اونٹ چرا کر ذبح کردیا، جس کا چمڑا اور سر ان کے پاس ملا، لوگ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس معاملہ لائے، آپؓ نے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، پھر تھوڑی دیر سوچ کر غلاموں کو طلب فرمایا، اور عبدالرحمٰنؓ سے کہا: میں کہتا ہوں کہ تم ان سے کام بھی لیتے ہو، اور ان کو بھوکا بھی رکھتے ہو، اور بدسلوکی بھی کرتے ہو، یہاں تک کہ اگر وہ کوئی حرام چیز بھی پالیں تو وہ ان کے حق میں حلال ہوجائے، پھر اونٹ والے سے دریافت کیا کہ تم اونٹ کتنی قیمت میں فروخت کرسکتے تھے؟ اس نے کہا: چار سو درہم میں، حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن سے فرمایا: تاوان کے ساتھ آٹھ سو روپے ادا کرو (مصنف ابن عبدالرزاق)۔

یہ روایت بھی مالی جرمانہ کے جواز کے بارے میں صریح ہے، اور اس سے مروجہ مالی جرمانہ کے جائز ہونے کو تقویت ملتی ہے۔

آٹھویں دلیل:

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے شخص

کوجسمانی سزا بھی دی، اوران کے سامان کوجلانے کا بھی حکم دیا (تفسیر قرطبی: ۴/ ۲۵۹ ط: دارالکتب المصریۃ)۔

فریق اول کے دلائل کا جائزہ:

مالی جرمانہ کے عدم جواز پر جن دلائل کو بنیاد بنایا گیا ہے ذیل میں ہم ان کا جائزہ لیتے ہیں:

(الف) مالی تعزیر کو جائز قرار نہ دینے والوں نے جن آیات اوراحادیث کا سہارا لیا ہے ان میں سے کوئی بھی نص مالی جرمانہ کی حرمت پر صریح نہیں ہے، بلکہ ان نصوص میں قدرے مشترک عمومی انداز میں یہ بات کہی گئی ہے کہ کسی کا مال ناحق طریقے پر لینا ناجائز اورحرام ہے، اور یہ بات ایسے شخص کے لئے کہی گئی ہے جوکسی جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن جوشخص جرم کا مرتکب ہوتو بسا اوقات اس کی جان بھی مباح ہوجاتی ہے، جب جان جیسی قیمتی چیز جرم کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے مباح ہوجاتی ہے تو مال بھی مباح ہونا چاہیے۔

(ب) دوسرے جن فقہاء نے مالی تعزیر کو ناجائز اورحرام قرار دیا ہے انہوں نے اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس صورت میں ظالم حکام کو مال ہڑپ کرنے اور مالی جرمانہ کی مختلف شکلوں کوترویج دے کرکے لوگوں پر ظلم وزیادتی کرنے کی راہ کھل جائے گی، اوراس سے معاشرتی سطح پر جونقصان ہوگا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے، لیکن تھوڑا غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اندیشہ بے بنیاد ہے، اورموجودہ دورمیں جب کہ حکومتی شعبے منظم ہوچکے ہیں، اور مالیات کے حساب کا ایک مستحکم اور پختہ نظام ہے، قانون سازاداروں میں جرائم کے حساب سے سزاؤں کا قانون وضع کیا جاتا ہے، اورجرائم پرسزاؤں کی تعیین کا اختیار عدلیہ کو ہے، جرائم پسندعناصر کوگرفتار کرنے اور جرائم کے ثبوت وشواہد کوجمع کرنے کے لئے نت نئی ترقی یافتہ ٹکنالوجی وجود میں آ گئی ہے، اس لئے اس بات کا سہارا لینا درست نہیں ہے، شیخ عبدالقادرعودۃ فرماتے ہیں:

”**وفی عصرنا الحاضرحیث نظمت شؤون الدولة، وروقبت أموالها حیث تقرر الهیئة التشریعیة الحد الأدنی والحد الأعلی للغرامة وحیث ترک توقیع العقوبات للمحاکم ، لم یعد هناک محل للخوف من مصاردة أموال الناس بالباطل**“(التشریع الجنائی: ۱/ ۷۰۶ ط: دارالکتاب العربی بیروت) (ہمارے اس دورمیں، جبکہ حکومتی ادارے منظم ہوچکے ہیں، اور مالوں کی نگہداشت کی جاتی ہے، اورقانون سازاداروں نے مالی جرمانہ کی اعلی اورادنی مقدار کی تحدید کردی ہے، اورسزاؤں کی تعیین کا اختیار کورٹ اور کچہریوں کے حوالہ کردیا گیا ہے، توایسے حالات میں لوگوں کا مال ناحق ہڑپ کرنے کا اندیشہ باقی نہیں رہ جاتا ہے)۔

مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی رقمطراز ہیں:

جن فقہاء نے اس کوناجائز کہا ہے اس کی وجہ انہوں نے حکام کے ظلم کوقرار دیا ہے، انہوں نے یہ رائے مصلحت کی بنیاد پر دی ہے، اگرظلم کا پہلو نہ ہوتوان کی بھی یہی رائے ہوگی (اسلامی فقہ: ۳/ ۲۸۱)۔

(ج) ان حضرات نے ان دلائل کوجن سے مالی جرمانہ کا جواز معلوم ہوتا ہے کوصدر اسلام کا واقعہ قرار دیا ہے، اوران

کومنسوخ اور غیر معمول بہا کہا ہے، لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کے منسوخ ہونے کا قطعی علم اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ ناسخ اور منسوخ کی تاریخ کا پتہ ہو، حالاں کہ یہاں اس کی تاریخ کا صحیح پتہ نہیں ہے، علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"وضعف النووی هذا الجواب من جهة أن العقوبة بالمال لا تعرف أولا حتى يتم دعوى النسخ ، ولأن النسخ لا يثبت إلا بشرطه كمعرفة التاريخ ولا يعرف ذلک " (فتح الباری: ۱۳/ ۳۵۵ ط: دارالمعرفۃ بیروت) (علامہ نوویؒ نے اس جواب کوضعیف قرار دیا ہے؛ کیونکہ ایک تو اولا مالی سزا معروف نہیں ہے کہ اس کے نسخ کا دعوی درست ہو، دوسرے نسخ کا دعوی تو اسی وقت درست ہوگا، جبکہ تاریخ معلوم ہو، اور یہاں تاریخ کا پتہ نہیں ہے)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی اپنی مشہور کتاب الفقہ الاسلامی وادلتہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"وقد اختلف الفقهاء فيه هل حكمه منسوخ أوثابت والصواب أنه يختلف باختلاف المصالح ويرجع فيه الى اجتهاد الائمة فى كل زمان ومكان بحسب المصلحة، إذ لا دليل على النسخ وقد فعله الخلفاء الراشدون، ومن بعدهم من الأئمة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۶/ ۲۰۵ ط: دارالفکر) (مالی تعزیر کا حکم منسوخ ہے یا برقرار ہے اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم حالات کے لحاظ سے تبدیل ہوتا رہتا ہے، اور ہر شہر اور ہر زمانہ میں یہ امام المسلمین کے اجتہادرائے پر موقوف ہے، کیونکہ نسخ کے اوپر کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جب کہ خلفاء راشدین اوران کے بعد کے اکابر تابعین نے اس پر عمل کیا ہے)۔

راجح رائے:

سطور بالا میں ائمہ کے مذاہب اوران کے دلائل قدرے تفصیل سے پیش کیے گئے ہیں، تاہم راجح، مزاج شریعت سے ہم آہنگ اور دلائل سے مضبوط ومبرہن رائے مالی تعزیر کے جواز کی ہے، اوراس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

مالی تعزیر کے سلسلہ میں ابو یوسفؒ کی رائے:

امام ابو یوسفؒ جوایک طویل عرصے تک عہدہ قضا سے وابستہ رہے، تو ظاہر ہے کہ وہ مجرموں کے حالات سے اچھی طرح واقف رکھتے تھے، اوران کے لئے کون سی سزا موثر اور سودمند ہوگی وہ دوسروں کی بہ نسبت اچھی طرح جانتے تھے؛ اس لئے مالی تعزیر جوقضا سے متعلق ہے اس میں ان کا قول اختیار کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، خودفقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ قضا کے باب میں امام ابو یوسفؒ کے قول پرفتوی دیا جائے گا، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

وکل فرع بالقضا تعلقا   قول ابی یوسف فیہ یتقی

ہرایسا مسئلہ جوقضا سے متعلق ہو   اس میں امام ابو یوسفؒ کا قول لیا جائے گا (شرح عقود رسم المفتی: ۶۶ ط: زکریا)

قول ضعیف پرفتوی:

امام ابو یوسفؒ کا یہ قول اگرچہ ضعیف ہے؛ تاہم ظاہر روایت کوچھوڑ کر قول ضعیف کواختیار کرنا اور عامۃ المسلمین کے لئے

فتوی صادر کرنا جائز اور درست ہے، بشرطیکہ معتبر علماء سے مشورہ کر کے اتفاق رائے یہ چیز طئے پائی ہو، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

"أما لوعمل بالضعيف فى بعض الاوقات لضرورة اقتضت ذلک فلايمنع عنه "(شرح عقود رسم المفتی:۱۸۸از کریا)(اگر کسی ضرورت کی وجہ سے قول ضعیف پر عمل کرلیا تو اس کو روکا نہیں جائے گا)۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

"اس فتنہ وفساد کے دور میں یہ دونوں باتیں جمع ہونا (یعنی کسی شخص میں کامل درجہ کی دیانت اور کامل درجہ کی مہارت نایاب ہے) اسی وجہ سے اس زمانہ میں اطمینان کی یہی صورت ہوسکتی ہے کہ کم سے کم دو چار محقق علماء دین کسی چیز میں ضرورت کو تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتوی دیں، مذکورہ بالا شرائط کے بغیر اگر آج کل ضعیف اقوال اور دوسرے امام کے مذاہب پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے تو اس کا لازمی نتیجہ ہدم مذہب ہے، یعنی مذہب کو چھوڑ دینا ہے جو کہ جائز نہیں ہے" (الحیلۃ الناجزۃ:۲۶ط رضی دیوبند)۔

دوسرے دبستان فقہ سے استفادہ:

تعزیر مالی کے جواز کی صراحت دوسرے دبستان فقہ میں بھی ملتی ہے، حضرت امام مالکؒ کا مشہور قول یہی ہے، اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے، اور فقہاء احناف نے ضرورت وحاجت کی وجہ سے چند شرطوں کے ساتھ مذہب غیر پر عمل کرنے اور اس کے مطابق فتوی دینے کی گنجائش دی ہے، جیسا کہ زوجہ مفقود الخبر، غیر ممتدۃ الطہر؛ بلکہ دسیوں مسائل میں متاخرین احناف نے دیگر دبستان فقہ سے استفادہ کیا ہے، اور دوسرے مکاتب فکر کے فقہاء کی آراء سے فائدہ اٹھا کر کے امت کو حرج ومشقت سے بچایا ہے، لہذا مالی تعزیر کے سلسلے میں بھی جس کی ضرورت سماجی برائیوں کے سدباب کے لئے عام طور پر محسوس کی جارہی ہے دبستان مالکی سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، رہی بات مذہب غیر پر عمل کرنے کے شرائط کی تو فقہاء نے بنیادی طور پر تین شرطیں ذکر کی ہیں:

(الف) جب کسی مسئلہ میں دوسرے مذہب کے امام کی رائے لی جائے تو اس مسئلہ سے متعلق جتنی شرائط ولوازمات ہوں ان سب کی پابندی کرنا واجب اور ضروری ہے، ایسا ہرگز جائز نہیں ہے کہ دوسرے مکتب فکر کے امام کی رائے لی جائے، اور اس مکتب فکر کے سارے شرائط کی رعایت نہ کی جائے، علامہ علاء الدین حصکفیؒ لکھتے ہیں:

"لا بأس بتقليد عند الضرورة ؛لكن بشرط أن يلتزم جميع ما يوجبه ذلک الإمام ،لأن الحكم الملفق باطل بالإجماع "(الدرمع الرد:۱/ ۳۸۲ط: زکریا)(ضرورت کے وقت غیر امام کی تقلید کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کی متعین کردہ تمام شرائط کی رعایت کی جائے، اس لئے تلفیق شدہ حکم بالاجماع باطل ہے)۔

(ب) سہولت اور آسانی طلب کرنے کے لئے مذہب غیر اختیار کرنا جائز نہیں، بلکہ ضرورت اور مشقت کی وجہ سے دوسرے مذہب کو اختیار کرنا درست ہے، "قواعد الفقہ" میں ہے:

"أن لا يكون على وجه التتبع على الرخص ، فإنه لا يجوز للعامى إجماعاكما صرح به ابن عبد

البر" (قواعد الفقہ :۱/۶۶اط:الصدف کراتشی) (مذہب غیر کو اختیار کرنے کا مقصد رخصت اور آسانی کو تلاش کرنا نہ ہو؛ کیونکہ ایک عام آدمی کے لئے بالاتفاق ایسا کرنا درست نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابن عبدالبرؒ نے اس کی تصریح کی ہے)۔

(ج) مذہب غیر پر عمل کرنے کے پیچھے خواہش نفس کی پیروی کا جذبہ کارفرمانہ ہو۔

(د) ایسی رائے اختیار نہ کی جائے جو نص قطعی یا اجماع امت کے خلاف ہو۔

مذکورہ بالا شرائط پر عمل آوری کے لئے اجتماعی غور وفکر سب سے بہتر اور محفوظ طریقہ ہے، جہاں مسئلہ پر غور وفکر کرنے کے لئے ایسے علماء ومفتیان کرام کو جمع کیا جائے جو ایک طرف ٹھوس استعداد اور پختہ صلاحیت کے حامل ہوں تو دوسری طرف وہ تقوی و پرہیزگاری کے عملی نمونہ ہوں اور خشیت وللّٰہیت کی جیتی جاگتی تصویر ہوں، ظاہر ہے کہ جب ایسے علماء کو جمع کیا جائے گا اور اجتماعی طور پر بحث وتمحیص کی جائے گی تو ان شرائط کی پابندی ہوجائے گی۔

موجودہ زمانے میں عرف وتعامل:

اس پہلو سے بھی ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ موجودہ زمانے میں مالی جرمانوں کا رواج عام ہو چکا ہے، ٹریفک کے اصول کی خلاف ورزی پر حکومت کی جانب سے مالی تعزیر کا قانون ہے، ریلوے اور بس میں بھی یہی صورت حال ہے، ملک کی عدالتوں کی طرف سے بھی بعض معاملات میں مجرموں کو مالی تاوان دینے کا پابند بنایا جاتا ہے، اور اس کے خاطر خواہ فوائد بھی سامنے آرہے ہیں، اور اس کے اچھے اور دوررس اثرات بھی سماج پر مرتب ہو رہے ہیں؛ اس لئے مالی تعزیر کے عدم جواز پر اصرار درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔

تعزیر میں حالات کی تبدیلی کا اثر:

ایک پہلو ہمارے لئے یہ بھی قابل توجہ ہے کہ فقہاء کی تصریح کے مطابق تعزیر کا کوئی محدود اور متعین طریقہ نہیں ہے، بلکہ حالات زمانہ کے لحاظ سے اور علاقوں کی تبدیلی کی وجہ سے اس کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں، ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک چیز کسی علاقہ میں تعزیر سمجھی جائے اور دوسرے علاقے میں وہ تعزیر نہ ہو، چنانچہ علامہ قرافیؒ لکھتے ہیں:

"**إن التعزير يختلف باختلاف الأمصار والأعصار؛ فرب تعزيرفي بلاد يكون إكراما في بلد آخر كقلع الطيلسان بمصر تعزير وفي الشام إكرام**" (الفروق:۴/ ۱۸۳اط:عالم الکتب) (تعزیر زمانہ اور شہر کے بدلنے سے بدلتا ہے، چنانچہ ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک چیز جسے ایک علاقہ میں تعزیر سمجھا جائے دوسرے علاقے میں اسے عزت کی چیز خیال کیا جائے، جیسے چادر اتارنا مصر میں تعزیر خیال کیا جاتا ہے، جب کہ شام میں عزت خیال کیا جاتا ہے)۔

اس لئے موجودہ زمانے میں عرف وتعامل کی وجہ سے نیز اس کی ضرورت وحاجت کی وجہ سے مالی تعزیر جائز اور درست ہے، اور صرف جسمانی تعزیر پر اصرار مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔

موجودہ زمانے میں مالی تعزیر کی ضرورت:

موجودہ دور مسلمانوں کے لئے بڑا پرآشوب اور پرفتن دور ہے، مجموعی طور پر آج مسلمان محکومانہ طور پر زندگی بسر کر رہے ہیں، وہ ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، اور ملک کی باگ دوڑ غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہے، وہاں قوانین ہی ایسے وضع کیے جاتے ہیں جن سے اسلامی تعلیمات پر عمل آوری مشکل ہوجائے، اور اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی امتیازات وتشخصات کا کوئی نام ونشان باقی نہ رہے، اور جو مسلم ممالک ہیں وہاں کے قائدین اور حکمرانوں کی مثال بساط سیاست پر اس شطرنج کے مہروں کی سی ہے جو مغربی آقاؤں کی طرف سے بٹھائے گئے ہیں، انہیں نہ مسلمانوں کے دینی وملی مسائل سے دلچسپی ہے نہ اسلامی قانون کو اس کے اصلی شکل وصورت میں نافذ کرنے کی، انہیں صرف لیلائے اقتدار سے بلا درجہ کی محبت ہے، عوام پر بالادستی قائم رکھنا اور خوب سے خوب دادعیش دینا ان کی زندگی کا مقصود اور مطمح نظر ہے، اور اس غیر صالح جذبہ کی تسکین کے لئے وہ کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں، حتی کہ وہ بلا مبالغہ اپنے ایمان ویقین کا بھی سودا کرسکتے ہیں، دوسری طرف مسلمانوں کے جو ناگفتہ بہ حالات ہیں وہ کسی حساس اور باشعور انسان سے مخفی نہیں ہے، ایک طرف مسلمان فرائض وواجبات سے غافل اور لاپرواہ ہیں تو دوسری طرف عملی کوتاہی اور فسق وفجور میں مبتلا ہیں، چوری، ڈکیتی، زنا وبدکاری، قتل وقتال، سودخوری، رشوت ستانی ہمارے مسلم سماج کا حصہ بن چکے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے ہوش ربا حالات میں حدود وقصاص کا نفاذ عملاً ناممکن ہے، اسی طرح جسمانی تعزیر بھی ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ یہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مماثل ہوگا، اور حکومت سے بغاوت کے مترادف ہوگا، اب صورت صرف یہ بچ جاتی ہے کہ معاشرتی خرابیوں کے سدباب کے لئے مالی جرمانہ کا نظام قائم کیا جائے، اور اس پر عمل آوری کو یقینی بنایا جائے، اس سے ایک طرف سماجی برائیوں پر قدغن لگانے میں مدد ملے گی تو دوسری طرف مسلم معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بھی بنے گا۔

مالی جرمانہ کے جواز کا مسئلہ کوئی نیا اور نوپید مسئلہ نہیں ہے؛ بلکہ بعض ممتاز فقہاء نے بھی اس طرح کی بات کہی ہے، اور مالی تعزیر کو انہوں نے درست قرار دیا ہے، ذیل میں ان فقہاء کی تحریریں پیش کی جاتی ہیں:

صاحب خلاصۃ الفتاوی کی رائے:

صاحب خلاصۃ الفتاوی نے امام ابویوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''**التعزیر بأخذ المال إن یری القاضی أو الوالی جاز**'' (تاتارخانیۃ: ۵/۱۳۰ط: ادارۃ القران) (اگر قاضی یا والی مناسب سمجھے تو تعزیر میں مال لینا جائز اور درست ہے)۔

علاء الدین طرابلسیؒ کی رائے:

فقہ حنفی کے ممتاز اور بلند پایہ فقیہ علاء الدین طرابلسیؒ متوفی ۸۴۴ھ نے بھی امام ابویوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، اور ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جنہوں نے مالی سزا کو منسوخ مانا ہے:

''**یجوز التعزیر بأخذ المال، وهو مذهب أبی یوسف، وبه قال مالک ومن قال: إن العقوبة المالية**

منسوخة فقد غلط على مذاهب الأ ئمة نقلا واستدلالا ، وليس بسهل دعوى نسخها" (معین الحکام/ ۱۹۵ ط: دارالفکر) (امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعزیر میں مال لینا جائز اور درست ہے، اور اس کے قائل امام مالکؒ بھی ہیں، اور جن لوگوں نے مالی سزاؤں کے منسوخ ہونے کا دعوی کیا ہے تو انہوں نے ائمہ مذاہب کی طرف روایت اور استدلال کی غلط نسبت کی ہے، اور اس کے نسخ کا دعوی آسان نہیں ہے)۔

شیخ یوسف قرضاوی صاحب کی رائے:

عرب کے مشہور عالم دین شیخ یوسف قرضاوی اپنی مشہور تصنیف ''فقہ الزکاۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''وقد ذهب بعض الأئمة إلى أن العقوبة بأخذ المال غير جائز ولا سائغ ،وأن ذلک حدث أول الأمر ثم نسخ ، وذلک تشدد منهم في الحفاظ على حرمة تملک واستناد إلى الحديث القائل :إن الله حرم عليكم دمائكم وأموالكم ، ولأن الصحابة قاتلوا الممتنعين عن الزكاة ولم يأخذوا زيادة عليها ،ولكن الحديث المذكور هنا يرد عليهم ، ولهذا رد بعضهم بالطعن في سنده ، وليس فيه طعن معتبر ، ولجأ بعضهم إلى القول بنسخه ، ولا دليل على ذلک ، وقد تثبت العقوبات المالية بأكثر من دليل'' (فقہ الزکاۃ: ۲/ ۱۵، ۱۶۷) (بعض ائمہ کی رائے یہ ہے کہ مالی تعزیر جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا، پھر بعد میں منسوخ ہوگیا، یہ رائے افراط اور غلو پر مبنی ہے، ان حضرات کی دلیل آپ ﷺ کا وہ ارشاد گرامی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے تمہارے اوپر خون اور مال کو حرام کیا ہے، ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے مانعین زکاۃ سے قتال کیا اور ان سے مالی جرمانہ وصول نہیں کیا، لیکن (اوپر ذکر کردہ) حدیث سے ان کی تردید ہوتی ہے، اسی وجہ سے بعض حضرات نے حدیث مذکور کی سند پر کلام کیا ہے، حالاں کہ حدیث مذکور کی سند پر کوئی معتبر جرح نہیں ہے، بعض لوگ اس کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں، لیکن اس پر بھی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جب کہ مالی عقوبت کے جواز پر بہت سارے دلائل ہیں)۔

مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ کی رائے:

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کے کلام سے بھی اسی رائے کو تقویت ملتی ہے: اگر ڈاکٹر کا جرم ثابت ہوجائے اور اس جرم کی وجہ سے تاوان اور جرمانہ مل رہا ہے وہ آپ لے سکتے ہیں، اگر آپ کو شبہ ہو تو غرباء میں تقسیم کردیں (فتاوی رحیمیہ: ۵/ ۴۵۷ ط: الامین کتابستان)۔

مولانا شمس الحق افغانیؒ کی رائے:

حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ نے بھی ''معین القضاۃ والمفتیین'' میں ''معین الحکام'' کے حوالہ سے مالی تعزیر کا جواز نقل فرمایا ہے، اور اس کے منسوخ ہونے کی بات سے اتفاق نہیں فرمایا ہے (دیکھئے معین القضاۃ والمفتیین: ۷۰)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب کی رائے:

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا رجحان بھی مالی تعزیر کے جواز کا ہے، مفتی صاحب فرماتے ہیں: تعزیر بالمال کے عدم جواز پر کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی، عام طور سے فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''**لایحل مال امرئ مسلم إلابطیب نفس منه**'' لیکن یہ استدلال کمزور ہے، اس لئے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے بھی حلال ہوجاتا ہے؛ لیکن اس کی جان طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی؛ لہٰذا جب کسی مسلمان نے جرم کیا اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہونچایا جارہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے وہ جرم کے ارتکاب میں بطریق اولی جائز ہونا چاہیے (درس ترمذی: ۱۷۱/۴)

مولانا خالد سیف اللہ صاحب کی رائے:

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی کی یہ تحریر بھی قابل توجہ ہے، مولانا لکھتے ہیں: اس وقت اسلام کے قانونی حدود و تعزیرات کے فقدان کی وجہ سے بہت سے مسائل جو سماجی طور پر حل کیے جاتے ہیں، اور چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کررہی ہیں، ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملا اس زمانے میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے، اور ریلوے، ٹریفک بس وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے، اس لئے راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت ہونی چاہیے (قاموس الفقہ: ۲/ ۲۸۹ لفظ تعزیر)۔

مولانا مجیب اللہ ندوی کی رائے:

مولانا مجیب اللہ صاحب ندویؒ لکھتے ہیں: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مصلحت اس کی متقاضی ہو تو (مالی تعزیر) جائز ہے، راقم الحروف کے خیال میں امام ابو یوسف اور جو فقہاء مالی جرمانہ یا اتلاف کے ذریعہ تعزیر کے قائل ہیں ان کی رائے قابل ترجیح ہے، جیسا کہ حدیث و آثار میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں (اسلامی فقہ: ۳/ ۲۸۰)۔

تعلیمی ادارے اور مالی جرمانہ:

تعلیمی اداروں میں بھی آج کل طلبہ کو ادارے کے اصول وضوابط کا پابند بنانے کے لئے مالی جرمانہ کی مختلف صورتیں رائج ہیں، مثلا درس میں دیر حاضری یا غیر حاضری پر کچھ پیسے طلبہ سے بہ طور جرمانہ لینا، اسی طرح امتحان میں کسی کتاب میں ناکام ہونے پر ضمنی امتحان کے لئے کچھ پیسے لینا، مقررہ وقت پر فیس ادا نہ کرنے کی وجہ سے جرمانہ وغیرہ، اس نوع کی کوتاہیوں پر روک لگانے کے لئے طلبہ سے مالی جرمانہ لینا جائز اور درست ہے، تاہم بہتر یہ ہوگا کہ کوتاہی کرنے والے طلبہ سے مالی جرمانہ وصول کرلیا جائے، اور جب ان کی اصلاح ہوجائے، اور وہ مدرسہ کے اصول وضوابط کے پابند ہوجائیں تو ان کو یا ان کے سرپرست کو وہ پیسے واپس

کردیئے جائیں جو جرمانہ میں لیے گئے تھے،اوراس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو مدارس سے رجوع ہونے والے طلبہ کی ایک معتدبہ تعداد غریب ہوتی ہے، مالی لحاظ سے وہ یا ان کے سرپرست مالی جرمانہ کے متحمل نہیں ہوتے ہیں، اگر مالی جرمانہ ادا کرنے کی وسعت وطاقت بھی ہو تو آج کے اس پرآشوب اور پرفتن دور میں دینی تعلیم پر خرچ کرنا حضرات سرپرست کو بڑا بھاری اور گراں محسوس ہوتا ہے، لہذا مالی تعزیر بسا اوقات طلبہ کے لئے دینی تعلیم سے دوری ومہجوری کا سبب بن سکتا ہے؛ اس لئے طلبہ کی غفلتوں پر روک لگانے کے لئے حتی الامکان تعزیر بأخذ المال کی صورت مناسب معلوم ہوتی ہے۔

مالی تعزیر کی اس صورت کے خود فقہاء احناف بھی قائل ہیں، اور عام طور پر فقہاء احناف نے امام ابو یوسفؒ کے قول کا بھی یہی مطلب بیان کیا ہے، علامہ ابن عابدین شامیؒ متوفی ۱۲۵۲ھ رقمطراز ہیں:

"وعن أبی یوسفؒ یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال ---ومعنی التعزیربأخذ المال علی القول به إمساک شیئ من ماله عنه مدة ؛لینزجر ثم یعیده الحاکم إلیه ،لا أن یأخذ ه الحاکم لنفسه أو لبیت المال ، کما یتوهمه الظلمة ؛إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیرسبب شرعی " (شامی ۴/ ۶۱، ط: دارالفکر بیروت)۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق تعزیر باخذ المال کا مفہوم یہ ہے کہ حاکم مجرم کے مال کو ایک مدت تک روکے رکھے، حتی کہ وہ جرم سے باز آجائے، پھر وہ مال حاکم اس کو واپس کردے، یہ مفہوم نہیں ہے کہ حاکم اس کو اپنے ذاتی استعمال کے لئے یا بیت المال کے لئے جمع کرلے، جیسا کہ ظالموں کا خیال ہے؛ کیونکہ کسی مسلمان کا مال بغیر سبب شرعی کے لینا ناجائز اور حرام ہے۔

ہاں اگر یہ طریقہ کار کسی طالب علم کو قابو میں کرنے کے لئے مفید اور سودمند ثابت نہ ہو تو اس بات کی گنجائش ہے کہ اس سے مالی جرمانہ وصول کیا جائے، اور اس کو ادارے کے مصالح میں صرف کیا جائے، اور طالب علم کو وہ رقم واپس نہ کی جائے۔

ہاؤسنگ سوسائٹی اور مالی جرمانہ:

ہاؤسنگ سوسائٹی کی طرف سے قسط وار رقم ادا کرنے والوں کے لئے یہ ضابطہ بنایا جاتا ہے کہ اگر وقت پر قسط جمع نہیں کی گئی تو ایک مخصوص اضافی رقم بطور جرمانہ ادا کرنا ہوگا، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ مقررہ وقت پر قسط ادا کرنے کا اہتمام کریں، اور ٹال مٹول سے کام نہ لیں، سوال یہ ہے کہ آیا یہ صورت درست ہے یا نہیں؟

مقررہ وقت پر قسط جمع نہ کرنے کی وجہ سے اضافی رقم لینا سود ہے، زمانہ جاہلیت میں بھی ایسا ہی ہوا کرتا تھا کہ جب مقروض مقررہ وقت پر ادائیگی سے قاصر رہتا تھا تو قرض خواہ اس سے زائد رقم وصول کرتا تھا، صورت مذکورہ میں مالی جرمانہ ادا کرنا بھی درحقیقت اسی ربا کی ایک صورت ہے، جس کو قرآن وسنت میں حرام قرار دیا گیا ہے، تاہم دوسری طرف یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر مقررہ وقت پر قسطوں کی عدم ادائیگی پر کوئی سزا مقرر نہ کی جائے، اور اس پر کوئی تادیبی کاروائی نہ کی جائے تو بددیانت لوگوں کا حوصلہ مزید بڑھے گا، اور وہ بغیر کسی عذر کے بھی ٹال مٹول سے کام لیں گے۔

مذکورہ بالا مشکل کا حل یہ ہے کہ ہاؤزنگ سوسائٹی ایک خیراتی فنڈ قائم کرے، اور اس بات کو یقینی بنائے کہ اس مد میں حاصل ہونے والی ساری رقم کو شریعت کی ہدایات کے مطابق خیراتی مقاصد کے لئے ہی استعمال کیا جائے گا، اور اس کو ہاؤزنگ سوسائٹی اپنے ذاتی استعمال میں ہرگز نہیں لائے گی، اور مقررہ وقت پر قسطوں کی عدم ادائیگی پر یہ سزا مقرر کی جائے کہ کچھ اضافی رقم خیراتی فنڈ میں جمع کرنا ہوگا، یہ گنجائش دراصل فقہاء مالکیہ کے یہاں ملتی ہے، بعض فقہاء مالکی لکھتے ہیں کہ اگر مقروض سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ بروقت قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں اضافی رقم ادا کرے گا، تو یہ صورت شرعاً جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ سراسر سود ہے جو شریعت مطہرہ میں حرام ہے، البتہ قرض خواہ کو بروقت ادائیگی کا یقین دلانے کے لئے مقروض اپنے سر یہ ذمہ داری لے سکتا ہے کہ وہ طئے شدہ وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں کچھ رقم خیرات کرے گا۔ لہذا ضرورت ومجبوری کے وقت مالکی مسلک کے مطابق اس کی گنجائش نکلتی ہے (یہ تفصیلات اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۵ / ۱۰۵ سے اختصار کے ساتھ لی گئی ہیں)۔

لیکن مادیت پرستی اور خدا بیزاری کے اس تیرہ وتاریک دور میں اس طرح کا احتیاط وتورع کافی مشکل ہے؛ اس لئے بندہ کے ذہن میں یہ تجویز آرہی ہے کہ مالی جرمانہ ہاؤزنگ سوسائٹی بذات خود وصول نہ کرے، بلکہ اس کی ذمہ داری کسی ایسے معتبر اور متحرک وفعال تنظیم کو دیدے جو شریعت کی ہدایات کے مطابق صدقات وعطیات کو تقسیم کرتے ہوں، اور مستحقین تک ان کے حقوق پہونچاتے ہوں، اب ایسے لوگ جو بغیر کسی عذر کے اقساط جمع کرنے میں تاخیر کرتے ہوں، اور اس حوالہ سے سستی وسہل انگاری برتتے ہوں ان کو اسی ریلیف تنظیم میں مالی جرمانہ کے طور پر اضافی رقم جمع کرنے کا پابند بنایا جائے، اور وہ تنظیم اس شخص سے مالی جرمانہ لے کر اس کو تصدیق نامہ جاری کرے، اس سے ان شاء اللہ ایک طرف لوگوں کو مقررہ وقت پر اقساط جمع کرنے کا پابند بنانا آسان ہوگا، تو دوسری طرف خود ہاؤزنگ سوسائٹی کی طرف سے اس مالی جرمانہ کا غلط استعمال کرنے کا جو خدشہ تھا وہ بھی ایک طرح سے دور ہوجائے گا۔

پنچایت اور مالی جرمانہ:

جب مالی تعزیر کے جائز اور درست ہونے کی رائے راجح ہے تو پنچایت اور برادری کے لوگ اگر مجرم کے اصلاح حال کے لئے مالی جرمانہ کا فیصلہ کرتے ہیں تو یہ جائز اور درست ہے، بشرطیکہ وہ پنچایت شرعی ہو، اور ''الحیلۃ الناجزۃ'' کی ہدایات کے مطابق بنائی گئی ہو، اور اس نے پوری دیانت داری کے ساتھ اس کا فیصلہ کیا ہو تو وہ معتبر اور قابل قبول ہوگا۔

بے جا طلاق اور مالی جرمانہ:

آج کے اس جہالت وبددینی کے دور میں نکاح جیسا مقدس اور محترم رشتہ پامال ہورہا ہے، معمولی معمولی باتوں پر میاں بیوی کے مابین گالم گلوج اور جھگڑا ایک عام سی بات بن گئی ہے، صبر وتحمل اور برداشت جو ایک کامیاب ازدواجی زندگی کی ضمانت ہوتی ہے وہ مسلم سماج سے رخصت ہوتا جارہا ہے، اس لئے بیجا طور پر طلاق دینا اور ایک ساتھ تین طلاق ہمارے سماج کا حصہ بنتا جارہا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس برائی کے سدباب کے لئے کیا اس بات کی اجازت ہے کہ طلاق کی جن صورتوں میں احناف کے نزدیک متعہ واجب نہیں ہے؛ بلکہ صرف مستحب ہے، کیا ایسی صورت میں متعہ کو واجب قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور اس کی بصورت نقد ایک

معقول حد مقرر کردیا جائے؟

طلاق ازدواجی الجھنوں کو ختم کرنے کے لئے بسااوقات باعث رحمت ثابت ہوتا ہے، اور ہر دوفریق کے لئے بہتر اور خوش گوار نتائج کا موجب ہوتا ہے، لہذا بہتر یہی ہے کہ طلاق کے عمل کو مشکل نہ بنایا جائے، اور جن صورتوں میں متعہ ہمارے نزدیک مستحب ہے ان صورتوں میں متعہ واجب کرکے یا مہر سے زائد اضافی رقم شوہر کے ذمہ لازم کرکے اس پر پابندی عائد نہ کی جائے، بلکہ اس کو آسان ہی رکھا جائے، ورنہ اس کا بڑا نقصان یہ ہوگا کہ جب مرد کو طلاق دینے میں دقت پیش آئے گی، اور وہ طلاق کے اردگرد مالی جرمانہ کا ایک مضبوط حصار دیکھے گا تو طلاق دینے کے بجائے وہ عورت کے حقوق کی پامالی کرے گا، اور اس کو معلقہ بنا کر رکھے گا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں عورت کو طلاق دینے کے بہ نسبت زیادہ نقصان پہونچے گا، اور اس کی زندگی اجیرن ہو کر رہ جائے گی، البتہ طلاق پر قابو میں کرنے کے لئے حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی نے جو تدبیر ذکر کی ہے جس کو آگے ہم بیان کریں گے اس کو اختیار کرنا درست ہے۔

نکاح نامہ میں بے جا طلاق کی صورت میں اضافی رقم دینے کی شرط:

آج کے دور میں مرد حق طلاق کا غلط استعمال کررہا ہے، اور عورت کی زندگی سے کھلواڑ کررہا ہے، مرد کے مزاج کے خلاف جوں ہی کوئی بات پیش آتی ہے وہ تین طلاق دے کر عورت سے ازدواجی رشتہ ختم کردیتا ہے، اس برائی کے سدباب کے لئے عورت یا اس کے اولیاء کی طرف سے نکاح نامہ میں یہ شرط لگانا کہ اگر شوہر نے بے جا طلاق دی یا بہ یک طور پر تین طلاقیں دیں تو اس کو مہر سے زائد اتنی رقم دینا ہوگا جائز اور درست ہے، اس کی نظیر وہ مسئلہ ہے جو فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے نکاح کرتے وقت اس طرح مہر متعین کیا کہ اگر وہ اپنی بیوی کو اس شہر میں رکھے گا تو اس کا مہر ایک ہزار ہوگا اور اگر شہر سے باہر لے گیا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا تو حضرات صاحبین نے اس کی اجازت دی ہے، یہی رائے امام احمد بن حنبلؒ کی اور امام بخاریؒ کی بھی ہے، ''ہدایہ'' میں ہے:

''**ولوتزوجهاعلى ألف إن أقام بها وعلى ألفين إن أخرجها، فإن أقام بها فلها الألف، وإن أخرجها فلها مهر المثل لايزاد على الألفين ولا ينقص عن الألف، وهذا عند ابى حنيفة ، وقالا :الشرطان جائزان حتى كان لها الألف إن أقام بها والألفان إن أخرجها**''(ہدایۃ:۱/ ۲۰۳ دار احیاء التراث العربی بیروت)(کسی نے عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر وہ اس کو شہر میں رکھے گا تو اس کا مہر ایک ہزار ہوگا، اور اگر شہر سے نکال دیا تو دو ہزار مہر ہوگا، چنانچہ اگر شوہر عورت کو شرط کے مطابق شہر میں رکھتا ہے تو اسے ایک ہزار ملے گا، ورنہ اس کے لئے مہر مثل ہوگا، جو دو ہزار سے زائد اور ایک ہزار سے کم نہ ہو، یہ تفصیل حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، صاحبین کے نزدیک یہ دونوں شرطیں جائز اور درست ہیں، چنانچہ شرط پورا کرنے کی صورت میں عورت کو ایک ہزار مہر ملے گا، ورنہ اسے دو ہزار مہر ملے گا)۔

صاحبینؒ کی رائے پر عمل اس زمانہ میں زیادہ مناسب ہے، اور ازدواجی زندگی کی بہت سی پریشانیوں کے سدباب میں یہ معین اور مددگار رہے، تاہم بہتر یہ ہوگا کہ طلاق یا ایک سے زائد نکاح کی صورت میں مہر کے اضافہ کی شرط کو اس طرح رکھا جائے کہ

مہر مثلاً دس ہزار ہوگا؛ لیکن اگر شوہر نے بغیر کسی معقول سبب کے طلاق دیا اور قاضی شریعت کے پاس شوہر کی غلطی ثابت ہوگئی تو اتنا زائد مہر مثلاً بیس ہزار عورت کے لئے ہوگا، مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی لکھتے ہیں:

البتہ مناسب ہوگا کہ طلاق یا ایک سے زیادہ نکاح کی صورت میں مہر کے اضافہ کی شرط کو اس طرح رکھا جائے کہ مہر دس ہزار ہوگا، لیکن اگر میں نے قاضی شریعت (اور جہاں دارالقضاء نہ ہو وہاں تین دین دار علماء) کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کیا یا طلاق دی تو مہر مثلاً پچاس ہزار ہوگا؛ تا کہ جائز اور مناسب طلاق اور نکاح ثانی میں رکاوٹ بھی پیدا نہ ہو، اور مردان حقوق کا غلط استعمال بھی نہ کر پائے، فی زمانہ اگر امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر عمل کر لیا جائے تو معاشرتی الجھنوں کے حل میں شاید آسانی بہم پہنچے (قاموس الفقہ: ۵/ ۱۵۰ ط: زمزم پبلیشرز کراچی)۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

مولانا عبید اللہ ندوی ☆

تعزیر بالمال کا مفہوم:

تعزیر بالمال کی لغوی تعریف: ”التعزیر فی اللغة، المنع، وأصله من العزر بمعنی الرد والردع“ (فتح القدیر ۵/۳۴۴) (تعزیر کا لفظ ”عزر“ سے بنا ہے جس کے معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں)۔ اسی سے قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کے لئے آیا ہے: ”لتؤمنوا بالله ورسوله وتعزروه وتوقروه وتسبحوه بکرة وأصیلا“ (سورۂ فتح: ۹)، تعظیم واحترام ونصرت کے معنی میں، کیونکہ تعظیم دشمنوں کو آپ ﷺ کو ایذاء پہنچانے سے روکنے کے معنی کو شامل ہے، یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔

اصطلاحی تعریف:

”هو تأدیب دون الحد“ (حوالہ سابق) (ایسی سزا جو شرعاً متعین نہیں ہوتی ہے، اللہ یا بندے کے حق کے لئے واجب ہوتی ہے، نیز ہر اس معصیت میں ہوتی ہے جس میں عام طور پر حد یا کفارہ نہیں ہوتا ہے)۔

تعزیر کی یہی تعریف مبسوط (۹/۳۶)، کشاف القناع (۶/۱۰۷)، موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۵۵، نیز تمام کتب فقہیہ میں الفاظ کے فرق کے ساتھ منقول ہے۔

تعزیر کو تعزیر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ مجرم کو ارتکاب جرم سے یا دوبارہ جرم کرنے سے روکتا ہے۔

”تعزیر بالمال“ میں دوسرا لفظ ہے۔

المال لغۃ:

لغت میں مال کہتے ہیں ان اشیاء کو جن کا انسان مالک ہوتا ہے، اس کی جمع اموال آتی ہے، مال کہتے ہیں اصلاً اس چیز کو جس کا انسان سونے چاندے میں سے مالک ہوتا ہے، پھر اس کا اطلاق ہر اس اعیان پر ہونے لگا جس کا انسان مالک ہوتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، عربوں کے نزدیک مال کا اطلاق اونٹ پر ہوتا تھا (لسان العرب ۱۴/۱۵۲ حرف)۔

☆ دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات۔

اصطلاحا:

انسان کے علاوہ ہر وہ چیز جو مصالح انسانی کے لئے پیدا کی گئی ہو، اس کی حفاظت کرنا ممکن ہو، اور اپنے اختیار سے تصرف کرنا بھی ممکن ہو (حاشیہ ابن عابدین شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الاموال)۔

یہ تعریف احناف کے نزدیک ہے، احناف کے یہاں منفعت مال نہیں ہے، جبکہ حنابلہ اور شوافع کے نزدیک منفعت بھی مال ہے (دیکھئے: کشاف القناع ۳/۱۴۱)۔

خلاصہ یہ کہ تعزیر ان جرائم پر دی جانے والی سزاؤں کو کہتے ہیں جن کے لئے کتاب وسنت میں سزائیں متعین ومقرر نہ ہوں اور یہ کئی طرح سے ہوسکتی ہے مثلاً حبس، قتل، جلاوطنی اور ضرب وبالمال وغیرہ، یعنی سزا اس پر مالی جرمانہ عائد کیا جائے یا پھر مال تلف کردیا جائے۔

تعزیر کی مشروعیت:

تعزیر کی مشروعیت مجرم کی زجر وتوبیخ اور اصلاح وتہذیب کے لئے ہوتی ہے، تاکہ وہ جرم کا عادی نہ بنے اور دوسرے لوگ اس طرح کی معصیت کے ارتکاب سے باز آجائیں، مثلاً ترک صلاۃ، حقوق الناس کی ادائیگی میں کوتاہی اور تأدیب (ادب سکھانا) وغیرہ۔

تعزیر بالمال اور بأخذ المال میں فرق:

فقہاء کی عبارات میں غور وفکر سے عموماً تین الفاظ ملتے ہیں: تعزیر فی المال، بالمال، اور بأخذ المال۔ مالکیہ کی کتابوں میں ''تعزیر فی المال'' اور ''بالمال'' کی اور احناف ودیگر ائمہ کے یہاں ''تعزیر بالمال'' اور ''بأخذ المال'' کی تعبیر ملتی ہے، ہمارے یہاں جو مفہوم بالمال کا ہے ان کے وہاں وہ مفہوم فی المال کا ہے اور ہمارے یہاں جو مفہوم بأخذ المال کا وہی مفہوم بعینہ ان کے یہاں بالمال کا ہے، چنانچہ ابواسحاق شاطبی فرماتے ہیں:

''العقوبة المالية ضربان عند مالک، أخذه عقوبة عن الجناية، وإتلاف ما فيه جناية أو عوض عقوبة للجاني، والأول العقوبة بالمال، ولا مرية في أنه غير صحيح، والثاني العقوبة فيه وهي ثابتة عنده، انتهی، وقال الشيخ محمد العربي الفاسي: العقوبة المالية قسمان، إتلاف ماوقعت به المعصية، وأخذ مالا تعلق له بالجناية، فالأول عقوبة في المال وهي ثابتة عند مالک، والثاني عقوبة بالمال وهي ممنوعة، انتهی''۔

''وقال مؤلف کتابالغارسة(اصل کتاب کا نام ''کتاب التعریج والتبریج فی ذکر أحکام المغارسة والتصییر والتولیج''، ہے، ابوزید عبدالرحمٰن بن عبدالقادر المجاجی المالکی متوفی ۱۰۲۰ھ اس کے مصنف ہیں): **العقوبة بالمال هی أن من فعل شيئا من الجنايات الموجبة للعقوبة يعاقبه السلطان أو نائبه بأخذ مال قليل أو كثير، والعقوبة فی المال هی أن يعاقب الجانی فی ماله بإتلافه عليه، والأولی حرام والثانية فيها تفصيل** (فصل الاقوال رص ۳، ۴، کتاب کا پورا نام

’’فصل الأقوال عن حادثة السؤال وفي العقوبة بالمال ہے، محمد بن محمد کمال الدین الأخمیمی مصنف ہیں، آپ مالکی عالم ہیں، صعید مصر میں أخمیم کے رہنے والے ہیں، ازہری ہیں، مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی اور مکہ مکرمہ میں ۱۳۴۶ھ میں انتقال ہوا)‘‘ (مالی سزا کی امام مالکؒ کے نزدیک دو قسمیں ہیں: ایک جرم کی سزا میں اس کا مال لینا یا جس سے جنایت وجرم ہے (مکان، جگہ وآلہ وغیرہ) تلف وضائع کرنا، دوسرے مجرم کو سزاء مال سے محروم کردینا، پہلا التعزیر بالمال ہے جو بلا شبہ صحیح نہیں ہے، دوسرا التعزیر فی المال ہے جو ان کے نزدیک درست ہے، اور شیخ محمد العربی الفاسی فرماتے ہیں: مالی سزاؤں کی دو قسمیں ہیں: ایک جس کے ذریعہ معصیت کا صدور ہوا ہے اسے تلف کردینا، دوسرے وہ مال لینا جس کا جرم سے کوئی تعلق نہیں ہے، پہلی قسم عقوبت فی مال ہے اور وہ امام مالک کے نزدیک درست ہے، دوسری قسم عقوبت بالمال ہے جو ممنوع ہے)۔

کتاب المغارسہ کے مؤلف فرماتے ہیں: عقوبت بالمال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے جرم کا ارتکاب کرے جو موجب سزا ہو تو بادشاہ یا اس کا نائب اس کا تھوڑا یا زیادہ مال لے کر اسے سزا دے، اور عقوبت فی المال یہ ہے کہ مجرم کو اس کا مال تلف اور ضائع کرکے سزا دی جائے، پہلی صورت (عقوبت بالمال) حرام ہے اور دوسری صورت (عقوبت فی المال) میں تفصیل ہے۔

التعزیر بالمال:

احناف ودیگر ائمہ کے یہاں ’’تعزیر بالمال‘‘ اور ’’تعذیر بأخذ المال‘‘ کی تعبیر ملتی ہے، چنانچہ درمختار میں شرح الوہبانیہ سے نقل کیا ہے: ’’**ويكون أي التعزير بالهجوم على بيت المفسدين وبالإخراج من الدار وبهدمها وكسر دنان الخمر، وإن ملحوها**‘‘ (الدر المختار ۴/ ۶۴) (اور تعزیر ہوگی فسادیوں کے گھر پر حملہ کرکے، ان کو گھروں سے نکال کر گھر کو منہدم کرکے اور شراب کے مٹکوں کو توڑ کر اگرچہ اس میں نمک ملادیا ہو)۔

’’**وقال في الحاشية نقلا عن البزازية: ذكر الصدر الشهيد من أصحابنا أنه يهدم البيت على من اعتاد الفسق وأنواع الفساد في داره**‘‘ (الدر المختار ۴/ ۶۵) (اور حاشیہ میں بزازیہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب (احناف) میں سے صدر الشہید نے ذکر کیا ہے کہ جو شخص فسق وفجور کا عادی ہو اس پر اس کے گھر کو منہدم کردیا جائے گا، اسی طرح جو اپنے گھر میں مختلف انواع کے فسادات کا عادی ہو اس کے ساتھ بھی یہی کیا جائے گا)۔

التعزیر بأخذ المال:

’’**وأفاد في البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شي من ماله عنه مدة ليغز جر ثم يعيده الحاكم إليه**‘‘ (حاشیہ ابن عابدین ۶/ ۱۰۶ کتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال) (اور ’’فتاوی بزازیہ‘‘ میں لکھا ہے کہ تعزیر بأخذ المال کے جواز کے قول کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ حاکم اس کے مال میں کچھ مال مخصوص مدت تک کے لئے اپنے پاس رکھ لے تاکہ وہ جرم اور معصیت سے باز آجائے، پھر اس کو لوٹا دے)۔

خلاصہ یہ کہ ’’تعزیر بالمال‘‘ میں اعیان وصفات مثلاً آلات معصیت، آلات لہو ولعب اور فسق وفجور کے مکانات ضائع و

منہدم کر دیئے جاتے ہیں اور مجرم کو اس سے محروم کیا جاتا ہے، جبکہ ''تعزیر بالمال'' میں ارتکاب جرم کی سزائیں بطور جرمانہ مال وصول کیا جاتا ہے۔

نیز ہمارے نزدیک جو ''تعزیر بالمال'' ہے، مالکیہ کے نزدیک وہ ''تعزیر فی المال'' ہے اور جو ہمارے نزدیک ''تعزیر بأخذ المال'' ہے وہ ان کے نزدیک ''تعزیر بالمال'' ہے۔

صورت مسئلہ پر اس اختلاف کا اثر:

سابقہ تفصیل وتوضیح کے مطابق اس اختلاف کا اثر صورت مسئلہ پر یہ ہوگا کہ ''تعزیر بالمال'' جائز ہوگا اور ''تعزیر بأخذ المال'' جائز نہیں ہوگا، إلا عند الإمام أبي یوسف رحمہ اللہ۔

نیز یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ فقہاء بسا اوقات دونوں تعبیرات میں فرق نہیں کرتے ہیں، بلکہ دونوں کو ایک ہی مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔

تعزیر بالمال کی بابت فقہاء مذاہب کے اقوال ودلائل:

تعزیر بالمال کے جواز وعدم جواز کے بارے میں بنیادی طور پر فقہاء کے تین نقاط نظر پائے جاتے ہیں:

الف-مانعین جواز:

ان جرائم اور معاصی پر جن میں حد یا کفارہ نہیں ہے، تعزیر بالمال غیر مشروع اور ناجائز ہے۔ اس رائے کے قائلین جمہور فقہاء احناف وشوافع، مالکیہ اور حنابلہ ہیں، چنانچہ فتح القدیر میں ہے: **"وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة الثلاثة لا يجوز"** (فتح القدیر ۵/ ۳۴۵) (امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ سلطان کے لئے تعزیر بأخذ المال جائز ہے اور طرفین اور بقیہ ائمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے)، یہی احناف کا مشہور مذہب ہے، اور یہی وجہ ہے کہ امام محمدؒ نے اپنی تصنیفات میں ''تعزیر بأخذ المال'' کا تذکرہ ہی نہیں کیا ہے۔

مالکیہ:

''أما التعزير بأخذ المال فلا يجوز إجماعا'' (حاشیۃ الدسوقي علی الشرح الکبیر ۴/ ۳۵۵، حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر ۴/ ۵، ۵۰۴) (جہاں تک ''تعزیر بأخذ المال'' کا تعلق ہے تو وہ بالاجماع جائز نہیں ہے)۔

شوافع:

شوافع کے اس مسئلہ میں اقوال ہیں: قول قدیم (اس کے اعتبار سے تعزیر بالمال جائز ہے) اور قول جدید (جس کے اعتبار سے تعزیر بالمال جائز نہیں ہے)، قول جدید کی توثیق درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: **"لا تضعف الغرامة على أحد في شئ، إنما العقوبة في الأبدان لا في الأموال"** (السنن الکبری للبیہقی ۸/ ۲۷۹) (کسی بھی شخص پر کسی چیز میں

مالی تاوان بڑھایا نہیں جائے گا کیونکہ سزا ابدان میں ہوتی ہے نہ کہ اموال میں)۔

"لا يجوز التعزير بأخذ المال" (الجمل في حاشية ۵/۱۶۴) (تعزیر بأخذ المال جائز نہیں ہے)۔

"وقال الشافعي: لا يحرق رحله، ولا يعاقب الرجل في ماله إنما يعاقب في بدنه، جعل الله الحدود على الأبدان لا على الأموال، وإلى هذا ذهب مالك، ولا أراه إلا قول أصحاب الرأي" (معالم السنن للخطابي ۲/۲۶۰) (اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: کہ مجرم کا کجاوہ، سامان سفر اور رہائش گاہ وغیرہ نہیں جلایا جائے گا اور نہ آدمی کو اس کے مال میں سزا دی جائے گی بلکہ اسے جسمانی سزا دی جائے گی کیونکہ اللہ نے حدود ابدان کے لئے بنائے ہیں اموال کے لئے نہیں، اور یہی رائے امام مالکؒ نے بھی اختیار کی ہے، اور میرا خیال یہ ہے کہ اصحاب الرائی کا قول بھی یہی ہے)۔

حنابلہ کی توثیق:

"والتعزير يكون بالضرب والحبس والتوبيخ، ولايجوز قطع شي منه ولأجرحه ولا أخذ ماله، لأن الشرع لم يرد بشيئ من ذلک عن أحد يقتدى به، ولأن الواجب أدب والتأديب لا يكون بالإتلاف" (المغنی ۹/۱۴۹) (مجرم کی تعزیر مار، حبس اور زجر وتوبیخ کے ذریعہ ہوگی، اس کے جسم کی کوئی چیز کاٹنا اور اسے زخمی کرنا اور اس کا مال لینا وغیرہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے میں نہ شریعت وارد ہوئی ہے اور نہ ہی کسی امام مقتدی سے ثابت ہے، نیز اس وجہ سے بھی کہ واجب ادب سکھانا ہے اور تأدیب اتلاف (اعضاء بدن یا مال ضائع کرنا) سے نہیں ہوگی)۔

مانعین جواز کے دلائل:

ان حضرات کا استدلال درج ذیل آیات واحادیث اور عقلی دلائل سے ہے:

الف-قرآن: "ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل وتدلوا بها إلى الحكام لتأكلوا فريقا من أموال الناس بالإثم وأنتم تعلمون" (بقرہ:۱۸۸) (اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کرکے (ناحق) اور تم کو معلوم ہے)۔

"يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم" (سورۂ نساء:۲۹) (اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق، مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے)۔

وجہ استدلال:

دونوں آیات پوری وضاحت سے اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ کسی انسان کا مال بغیر کسی شرعی سبب کے لینا جائز نہیں ہے، اور تعزیر بأخذ المال کے لئے کوئی شرعی سبب موجود نہیں ہے، اس لئے مالی تعزیر ایسی سزا ہے جس میں اکل مال الغیر لازم آتا ہے، جواز روئے نص قطعی باطل اور حرام ہے۔

ب-حدیث:۳-"إن دماء كم وأموالكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا، في

بلد کم هذا"(مسلم رقم:۱۲۱۸)(بے شک تمہارا خوان اور تمہارا مال پر حرام ہے جیسے تمہارے اس دن کی حرمت، تمہارے اس مہینہ میں، تمہارے اس شہر میں)۔

وجہ استدلال:

حدیث سے مسلمان کا مال جبراً وقہراً لینے کی حرمت معلوم ہوتی ہے اور تعزیر باخذ المال بھی اسی میں سے ہے کیونکہ کوئی شرعی سبب موجود نہیں ہے۔

"**عن فاطمة بنت قيس عن رسول الله ﷺ: ليس فى المال حق سوى الزكوة**"(ابن ماجہ رقم:۱۷۸۹، تلخیص الحبیر ۲/۷۳۷)(حضرت فاطمہ بنت قیس رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ مال میں سوائے زکوۃ کے اور کوئی حق نہیں ہے)۔

وجہ استدلال:

حدیث اپنے عموم میں "تعزیراً خذ المال" کو بھی شامل ہے۔

اجماع صحابہؓ: حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کرام کی موجودگی میں مانعین زکوۃ سے جنگ کی اور کسی نے نکیر نہیں فرمائی، اور یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے مانعین زکوۃ سے سزاء ان کا مال لیا ہو، لہذا یہ اجماع عملی "تعزیراً خذ المال" کی حرمت کی دلیل ہے۔

نسخ: "تعزیراً خذ المال" جن میں قضایا میں وارد ہوا ہے وہ اسلام کے ابتداء میں تھا اب منسوخ ہو گیا ہے، چنانچہ حاشیہ ابن عابدین میں ہے:"**وفى شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ**"(حاشیہ ابن عابدین ۱۰۶/۶) (اور شرح الآثار میں ہے کہ تعزیر بالمال ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا)۔

عقلی دلائل: تعزیر بالمال کی اجازت دینا گویا ظالم حکمرانوں کو عوام کے مال پر مسلط کرنا ہے، چنانچہ ردالمحتار میں ہے:"**قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس، فيأكلونه**"(ردالمحتار ۱۰۶/۶) (شرنبلالیہ میں فرمایا ہے: اور اس پر فتوی نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس میں ظالم حکمرانوں کو لوگوں کے مال پر مسلط کرنا لازم آئے گا پھر وہ لوگوں کا مال ناحق کھائیں گے)۔

تعزیراً خذ المال سے مقصد حاصل نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ مالداروں کے حق میں زاجر نہیں ہے اور سزا سے مقصود مجرم کی زجر و توبیخ اور اصلاح و تنبیہ اور معاشرہ کے امن وامان کا تحفظ ہے اور یہ تعزیر بالمال سے پورا نہیں ہوگا، لہذا التعزیر بالمال جائز نہیں ہے اس قاعدہ شرعیہ کی بنیاد پر "**كل تصرف تقاعد عن تحصيل مقصوده فهو باطل**"(الأشباہ والنظائر ص ۱۷۸ القاعدہ الثانیہ)(ہر وہ تصرف جو حصول مقصود سے قاصر ہو باطل ہے)۔ نیز اصل شرعی کی بنیاد پر "**النظر في مآلات الأفعال معتبر مقصود شرعا**"(الموافقات ۱۹۴/۴، کتاب الاجتہاد، المسئلۃ العاشرۃ)(افعال کے انجام پر غور وفکر کرنا معتبر اور شرعاً مقصود ہے)۔

ب-قائلین جواز:

یہ حضرات تعزیراً خذ المال کو جائز قرار دیتے ہیں، اور یہ رائے حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ، مالکیہ میں سے ابن فرحونؒ اور حنابلہ میں سے ابن تیمیہؒ اوران کے شاگرد رشید ابن القیم الجوزیؒ کی ہے، نیز امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے، ابوزجیہ نے اسحاق بن راہویہ کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت کی رائے بھی یہی ہے، خطابی نے حسن بصری کی طرف منسوب کیا ہے، اوزاعی، احمد اور اسحاق وغیرہ ائمہ کرام نے بھی غال (مال غنیمت میں چوری کرنے والا) کے بارے میں اس سزا کو جائز رکھا ہے، الخمیمی نے ''فصل الاقوال'' اور شوکانی نے ''نیل الاوطار'' میں امام یحیی اور زیدیہ میں سے فرقہ ہادویہ کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے۔

امام ابو یوسف اور احناف کے ایک قول کی توثیق:

''قال الزيلعي في تبيين الحقائق:وعن أبي يوسف أن التعزير بأخذ الأموال جائز للإمام''(تبیین الحقائق ۲۰۸/۳) (امام زیلعی ''تبیین الحقائق'' میں فرماتے ہیں: اور امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ تعزیراً خذ الاموال امام وقت کے لئے جائز ہے)۔

''وقال علاء الدين الطرابلسي في معين الحكام: يجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب أبي يوسف وبه قال مالک''(معین الحکام/ص ۱۹۵) (علامہ علاء الدین طرابلسی ''معین الحکام'' میں فرماتے ہیں: تعزیراً خذ المال جائز ہے اور یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے اور یہی رائے امام مالکؒ کی بھی ہے)۔

''وقال ابن نجيم في البحر الرائق: ولم يذكرمحمد التعزير بأخذ المال، وقد قيل: روي عن أبي يوسف أن التعزير من السلطان بأخذ المال جائز، كذا في الظهيرية، وفي الخلاصة: سمعت عن ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلک أو الوالي جاز، ومن جملة ذلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال''(البحر الرائق ۶۸/۵، مجمع الأنہر ۶۰۹/۱) (علامہ ابن نجیم مصری ''البحر الرائق'' میں فرماتے ہیں: امام محمدؒ نے تعزیر بأ خذ المال کا ذکر نہیں کیا ہے، اور کہا جاتا ہے: کہ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ بادشاہ کی طرف سے تعزیراً خذ المال جائز ہے، اسی طرح ظہیریہ میں ہے، اور خلاصہ میں ہے میں نے ایک ثقہ (معتبر عالم) سے سنا ہے کہ تعزیراً خذ المال کو اگر قاضی یا والی مناسب خیال کریں تو جائز ہے اور منجملہ اس میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جو نماز کی جماعت میں شریک نہیں ہوتا تو اس کے لئے تعزیراً خذ المال جائز ہے)۔

''قال نجم الدين الطرسوسی :في تحفة الترک فيما يجب أن يعمل في الملک: فالذي يرطل على القضاء يستحق عندي التعزير بالمال والضرب''(علامہ نجم الدین ابراہیم بن علی بن احمد بن عبدالواحد الطرسوسی اپنی کتاب ''تحفۃ الترک'' میں فرماتے ہیں: جو شخص قضاء پر رشوت لیتا ہو وہ میرے نزدیک تعزیر بالمال اور مار کا مستحق ہے)۔

مالکیہ کی توثیق:

”قال العدوي في حاشيته على شرح مختصر خليل للخرشي:ويكون التعزير بالنفي فيمن يزور الوثائق، وبالمال......وبالإخراج عن الملك كتعزير الفاسق ببيع داره“(۱۱۰/۸)(علامہ علی صعیدی عدوی”شرح مختصر خلیل“(یہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخرشی کی کتاب ہے، اس کتاب کے ہامش پر علی صعیدی عدوی کا حاشیہ ہے جو”حاشیۃ العدوی“کے نام سے مشہور ہے، اس کی آٹھ جلدیں ہیں) پر اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں: جوشخص جعلی دستاویزات تیار کرے اس کی سزا التعزیر بالنفی (جلاوطنی) یا تعزیر بالمال ہے یا ملکیت سے بے دخلی ہے، جیسے کہ فاسق کی تعزیر اس کا گھر بیچ کر کی جائے۔

ابن فرحون فرماتے ہیں:”التعزير لا يختص لفعل معين ولا قول معين......والتعزير بالمال: قال به المالكية فيه، ولهم تفصيل ذكرت منه في كتاب الحسبة طرفا، فمن ذلك سئل مالك ن اللبن المغشوش أيهراق؟قال: لا، ولكن أرى أن يتصدق به إذا كان هو الذي غشه، وقال فى الزعفران والمسك المغشوش مثل ذلك قليلا أو كثيرا“(تبصرۃ الحکام ۲۹۱/۲ تا ۲۹۴)(تعزیر کسی متعین قول وفعل کے ساتھ مخصوص نہیں......اور تعزیر بالمال کے بارے میں مالکیہ نے جوجواز کی بات کہی ہے اس میں ان کے یہاں تفصیل ہے جس کا ایک حصہ کتاب”الحسبۃ“میں ذکر کیا گیا ہے، اسی میں سے ایک مسئلہ ہے کہ امام مالکؒ سے دھوکہ دہی والے دودھ کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس کو بہادیا جائے؟ فرمایا: نہیں، بلکہ میرا خیال ہے کہ اس کو صدقہ کردے جبکہ دھوکہ کرنے والا وہ کودہو، اور دھوکہ دہی والے مشک وزعفران کے بارے میں بھی ایسا ہی فرمایا چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ)۔

”وقال القرطبى في تفسيره(۲۶۰/۴): لم يختلف مذهب مالك في العقوبة على البدن، فأما في المال، فقال في الذي يبيع الخمر من المسلم: تراق الخمر على المسلم وينزع الثمن من الذي عقوبة له لئلا يبيع الخمر من المسلمين، فعلى هذا يجوز أن يقال: يجوز العقوبة المال، وقد أراق عمرؓ لبنا شيب بماء“(امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: امام مالکؒ کے مسلک میں بدنی سزا میں اختلاف نہیں ہے، لیکن جہاں تک مالی سزا کا تعلق ہے تو آپ اس ذمی کے بارے میں جو مسلمان کو شراب بیچتا ہے، فرماتے ہیں: کہ شراب بہادی جائے گی اور سزا ذمی سے اس کی قیمت چھین کر واپس لی جائے گی تاکہ آئندہ کبھی مسلمان کو شراب نہ بیچے، اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ عقوبت بالمال جائز ہے، نیز حضرت عمرؓ نے پانی ملا ہوا دودھ بہادیا تھا)۔

شوافع کے قول قدیم کی توثیق:

ابن رخوۃ قرشی (م:۸۲۹ھ)”معالم القربۃ في طلب الحسبۃ/ص ۹۵، ۱۹۴) میں فرماتے ہیں:”وأما التعزير في الأموال فجائز عندمالك رحمه الله وهو قول قديم عند الشافعي رضي الله عنه“()(جہاں تک تعزیر فی المال کی بات ہے تو امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول قدیم ہے)۔

حنابلہ، ابن تیمیہ اور ابن قیم کی توثیق:

"والتعزير بالمال سائغ إتلافا وأخذا وهو جار على أصل أحمد؛ لأنه لم يختلف أصحابه أن العقوبات في الأموال غير منسوخة كلها" (الفتاوی الکبری ۵/ ۵۳۰، الاختیارات العلمیۃ فی اختیارات شیخ الاسلام ابن تیمیۃ، کتاب الحدود) (اور تعزیر بالمال کی گنجائش ہے، اتلافاً وأخذاً (مال ضائع اور تلف کرنے اور لے لینے) دونوں طرح سے، اور یہ امام احمد کے اصل پر جاری ہے، اس لئے کہ ان کے اصحاب کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مالی تعزیرات اور سزائیں سب منسوخ نہیں ہیں)۔

ابن قیم جوزیؒ فرماتے ہیں: "أما التعزير بالعقوبات المالية فمشروع أيضا في مواضع مخصوصة في مذهب مالک وأحمد وأحد قول الشافعي، وقد جاء ت السنة عن رسول الله وأصحاب بذلک في مواضع......" (الطرق الحکمیۃ ص ۲۲۴ تا ۲۲۸) (جہاں تک مالی سزاؤں کی بات ہے تو امام مالک، امام احمد اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ کے مسالک میں چند مخصوص مقامات میں مشروع ہے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ اس بابت احادیث وآثار بھی آئے ہیں)۔

ابن قیمؒ دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: "وأما تعزير المال-وهو العقوبة المالية-فشرعها في مواضع: منها تحريق متاع الغال من الغنيمة، ومنها: حرمان سهمه، ومنها إضعاف الغرم على سارق الشمار المعلقة، ومنها: إضعافه على كاتم الضالة الملتقطة، ومنها: أخذ شطر مال مانع الزكاة، ومنها عزمه ﷺ على تحريق دور من لا يصلي في الجماعة، ومنها: عقوبة من أساء على الأمير في الغزو بحرمان سلب القتيل لمن قتله......" (اعلام الموقعین ۲/ ۸۵) (جہاں تک مالی تاوان، سزائے مالی کی بات ہے تو اس کی مشروعیت چند جگہوں پر ہے، مثلاً مال غنیمت میں چوری کرنے والا کا سامان جلانا، اس کو اس کے حصہ سے محروم کرنا، درخت پر لٹکے ہوئے پھل کی چوری کرنے والے پر تاوان دوگنا کرنا، گم شدہ اور گری پڑی چیز چھپانے والے پر جرمانہ دوگنا کرنا، مانع زکوۃ کا نصف مال لینا، آپ ﷺ کا ان لوگوں کے گھروں کو جلانے کا ارادہ فرمانا جو جماعت سے نماز نہیں پڑھتے، اور جو شخص امیر کی خلاف ورزی کرے میدان جنگ میں اس کے مقتول کے چھینے ہوئے مال سے محروم کر کے سزا دی جائیگی)۔

قائلین جواز کے دلائل:

مجوزین نے بہت سے دلائل سے استدلال کیا ہے اس میں سے چند یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

۱-قرآن: "فجعلهم جذاذا إلا كبيرا لهم لعلهم إليه يرجعون" (انبیاء: ۵۸) (پھر کر ڈالا ان کو ٹکڑے ٹکڑے مگر ایک بڑا ان کا کہ شاید اس کی طرف رجوع کریں)۔

وجہ استدلال: ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کے بتوں کو توڑا جو کہ اتلاف منکر ہے اور قرآن میں اللہ نے یہ واقعہ بیان

فرمایااورکوئی نکیرنہیں فرمائی ،لہذا یہ ہمارے لئے شریعت کا درجہ رکھتی ہے،اورتعزیر بالمال کے جواز کی دلیل ہے۔

۲-"ما قطعتم من لينة أوتركتموها قائمة على أصولها فبإذن الله وليخزي الفاسقين"(حشر:۵) (جوکاٹ ڈالاتم نے کھجورکا درخت یارہنے دیا کھڑا اپنی جڑ پرسو اللہ کے حکم سے اورتا کہ رسوا کرے نافرمانوں کو)۔

وجہ استدلال: آپ ﷺ نے بنونضیر کے کھجور کے باغات کو کاٹنے کا حکم دیا اور درخت و باغات مال ہیں،لہذا یہ تعزیر بالمال کے جواز کی دلیل ہے۔

۳-"وانظر إلى إلهک الذي ظلت عليه عاكفا لتحرقنه ثم لننسفنه في اليم نسفا"(طہ:۹۷)(اور دیکھ اپنے معبود کوجس پرتمام دن تو معتکف رہتا تھا،ہم اس کوجلادیں گے اورپھر بکھیر دیں گے اڑا کر دریا میں)۔

وجہ استدلال: یہ آیت بھی تعزیر بالمال پر دلالت کرتی ہے۔

۴-"والذين اتخذوا مسجدا ضررا وكفرا وتفريقا بين المؤمنين وارصادا لمن حارب الله ورسوله من قبل وليحلفن إن اردنا إلا الحسنى والله يشهد إنهم لكاذبون" (توبہ:۱۰۷تا۱۱۰)(اورجنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پراور کفر پراور پھوٹ ڈالنے کومسلمانوں میں اورگھات لگانے کواس شخص کو جولڑ رہا ہے اللہ سے اوراس کے رسول سے پہلے سے،اوروہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی اوراللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں......)۔

وجہ استدلال: آپ ﷺ نے مسجد ضرار ڈھانے کا حکم فرمایا جوکہ مسجد بنانے والوں کے لئے ایک سزا تھی اورآپ ﷺ کا یہ عمل اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے،لہذا آیت تعزیر بالمال کی دلیل ہے۔

۵-حدیث:"عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده قال:سمعت رسول الله ﷺ يقول: في كل ابل سائمة من كل أربعين ابنة لبون لا تفرق إبل عن حسابها، من أعطاها مؤتجرا له أجرها، ومن منعها فإنا آخذوها وطر ماله عزمة من عزمات ربنا، لا يحل لآل محمد ﷺ منها شئ" (نسائی کتاب الزکوۃ رقم:۲۴۴۹) (حضرت بہزبن حکیم اپنے اباا وروہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ چرنے والے اونٹوں میں ہر چالیس میں سے ایک بنت لبون (جس پر دو سال گذر گئے ہوں) ہے،کسی اونٹ کو حساب سے الگ نہیں کیا جائے گا(یعنی چالیس میں سب کو شمار کیا جائے گا،دبلے پتلے،چھوٹے بڑے کسی کو چھوڑا نہیں جائے گا)،جس نے اس کو اجر وثواب کی نیت سے دیا اس کو اجر ملے گا اورجس نے اس کو دینے سے انکار کیا تو ہم وہ اس سے وصول تو کریں گے ہی مزید اس کے اونٹوں کا نصف بھی لیں گے یہ ہمارے رب کے حقوق وواجبات میں سے ایک حق وواجب ہے،آل محمد ﷺ کے لئے اس میں سے کچھ بھی حلال نہیں ہے)۔

۶-"عن رسول الله ﷺ أنه سئل عن الثمر المعلق ، فقال: من أصاب بفيه من ذى حاجة، غير متخذ خبذة فلا شئ عليه ومن خرج بشي منه فعليه غرامة مثليه والعقوبة، ومن سرق منه شيئا بعد أن يئوبه الجرين،

فبلغ ثمن المجن فعلیه القطع، ومن سرق دون ذلک فعلیه غرامة مثلیه والعقوبة"(نسائی رقم:۴۹۵۸، ابوداؤد رقم:۱۷۱۰)(رسول اللہ ﷺ سے درخت پر لٹکے ہوئے پھل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جوضرورت مند اپنے منہ سے کچھ لے لے بشرطیکہ اپنے دامن اور جیب میں رکھ کرنہ لے جائے تو اس پر کچھ نہیں ہے، اور جو اس میں سے کچھ لے کر چلا جائے تو اس پر ڈبل جرمانہ اور سزا ہے، اور جو اس میں سے کچھ چوری کرلے کھلیان میں محفوظ کئے جانے کے بعد، اور اس کی قیمت ڈھال کے برابر پہنچ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر کوئی اس سے (نصاب سے) کم چوری کرے تو اس پر ڈبل جرمانہ اور سزا ہے)۔

وجہ استدلال: پہلی روایت میں رسول اللہ ﷺ نے سزا واخذ امال کو واجب کیا اس شخص پر جو اداء زکوۃ سے انکار کرے، جو صریح دلیل ہے کہ تعزیر باًخذ المال جائز ہے۔

دوسری حدیث میں مالی تاوان لازم کیا گیا اس شخص پر جو ثمر معلق کی چوری کرے یا نصاب سرقہ سے کم چوری کرے یا غیر محفوظ مال لے لے وغیرہ، اور یہ تعزیر باًخذ المال پر واضح دلالت کرتا ہے۔

۷-"**عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أن رجلا من مزینة اتی رسول اللهﷺ، فقال: یا رسول الله! کیف تری في حریسة الجبل؟ فقال: هي ومثلها والنکال، ولیس في شئ من الماشیة قطع إلا فیما اواه المراح، فبلغ ثمن المجن ففیه قطع الید، ومالم یبلغ ثمن المجن ففیه غرامة مثلیه وجلدات نکال**"(نسائی رقم الحدیث:۴۹۵۹)(قبیلہ مزینہ کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے اس بکری کے بارے میں جو پہاڑ پر چراگاہ سے چرالی گئی ہو، فرمایا: بکری مالک کو واپس کی جائے گی اور اسی کے مثل جرمانہ اور سزا بھی ہوگی، اور اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے (یعنی سرقہ کا نصاب پورا ہوجائے) تو اس قطع ید ہے اور جو نصاب سرقہ کو نہ پہنچے تو اس میں ڈبل جرمانہ اور تعزیر بالجلد ہے)۔

وجہ استدلال:

حدیث شریف سے مالی جرمانہ اور تعزیر بالجلد کا حکم مستفاد ہوتا ہے۔

۸-احادیث شریفہ اپنے عموم واطلاق میں تعزیر باًخذ المال کو شامل ہے، اس لئے کہ سبب شرعی موجود ہے اور وہ ہے مصالح کا بقا اور مفاسد کا دفاع، اور جہاں بھی ایسی مصلحت کا تحقق ہو جو شرعا معتبر ہیں تو وہاں دین وشریعت کا بھی تحقق ہوگا۔

۹-مصالح تعزیر باًخذ المال کی مشروعیت کا تقاضہ دو اسباب سے کرتے ہیں:

اول: چونکہ تعزیر مالی میں جرائم کے تعدد وتنوع کی وجہ سے تنوع پایا جاتا ہے، اس لئے بین الناس انفرادی فروق کی وجہ سے تعزیری سزاؤں میں بھی تنوع ہونا چاہئے۔

دوم: تعزیری سزاؤں کی وجہ سے مصالح اور مقاصد کا تحقق وتحفظ ہوتا ہے مثلاً مخالف (خلاف ورزی کرنیوالا) کی وجر و توبیخ، تزکیہ واصلاح نیز معاشرے امن کا تحفظ وغیرہ، اسی وجہ سے یہ آج کل عالمی عرف بن چکا ہے، اگر اس میں مصلحت نہ ہوئی تو

لوگ اسے عرف ہرگز نہ بناتے۔

تیسری رائے بعض مالکیہ کی ہے جوتعزیر بالمال کو ناجائز اور تعزیر فی المال کو جائز قرار دیتے ہیں، اس کی پوری تفصیل سابقہ صفحات میں ''تعزیر بالمال'' اور تعزیر بأخذ المال کا فرق بیان کرتے ہوئے تحریر کر چکا ہوں۔

فریقین کے دلائل کا جائزہ:

مانعین جواز: ۱-عمومی دلائل سے استدلال قوی تو ہے، مگر وہ عام ہی ہیں، اور ہر عام کو خاص کیا جاسکتا ہے، اور قائلین جواز کے پاس ایسی صحیح احادیث و اجماع صحابہ ہیں جن سے تخصیص ہوسکتی ہے، اور تخصیص بھی جمع وتطبیق کی ایک شکل ہے جو اہمال اور تعطیل سے بہرحال بہتر ہے۔

۲-''**ليس في المال حق سوى الزكاة**'' سے استدلال درست نہیں ہے کیونکہ حدیث ضعیف و منکر ہے، نیز منقطع بھی ہے، اور استدلال کے لئے حدیث کا متصل ہونا، صحیح یا کم از کم حسن درجہ کی ہونا شرط ہے، بفرض محال اگر ہم اس کو صحیح مان بھی لیں، تو بھی یہ عام ہی ہے اور تعزیر بأخذ المال والے دلائل سے اس کو خاص کیا جاسکتا ہے اور اس طرح باہم متعارض ادلہ میں جمع وتطبیق بھی ہوجائے گی۔

۳-اجماع سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مجرد دعوی ہے جس پر دلیل نہیں ہے، نیز اس اجماع کے برعکس صحابہ کرامؓ سے قولاً و عملاً تعزیر بأخذ المال ثابت ہے۔

الف: چنانچہ حضرت عمر وعلیؓ نے اس مکان کو جلا دیا تھا جس میں شراب فروخت کی جاتی تھی۔

ب-حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے محل کو آگ لگا دیا تھا کیونکہ وہ اس میں اپنی رعایا سے چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔

ج-اسی طرح حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن زبیرؓ کا ریشمی لباس پھاڑ دیا تھا جس کو وہ زیب تن کئے ہوئے تھے، حضرت زبیرؓ نے فرمایا: عمر! تم نے بچے کو پریشان کیا، فرمایا: بچوں کو ریشمی کپڑے مت پہنایا کرو۔

د-حضرت عثمان غنیؓ نے مصحف الامام کے علاوہ تمام مصاحف کو نذر آتش کر دیا تھا، تاکہ قرآن کی قرأت کی بابت امت میں اختلاف نہ ہو۔

ھ-حضرت عمرؓ نے رویشد الثقفی کے گھر میں شراب پایا حالانہ اس سے قبل شراب ہی کی بارے میں ان کو کوڑے لگائے جاچکے تھے، آپؓ نے ان کے گھر کو جلا دیا، اور فرمایا: تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے کہا: رویشد، فرمایا: نہیں بلکہ فویسق (مصنف عبدالرزاق ۹/۲۲۷)۔

۴-عقلی دلائل بھی درست نہیں ہوسکتے ہیں کیونکہ اس سے دوسری تعزیری سزاؤں کا إلغاء (باطل کرنا) لازم آئے گا، اس لئے انجام ایک ہی ہے، بلکہ بسا اوقات حبس، ضرب اور جلد کی سزا تعزیر مالی سے زیادہ سخت ہوسکتی ہے، نیز اس میں حکمرانوں کو لوگوں کی

آزادی، کرامت وشرافت اورعزت نفس پر مسلط کرنا لازم آئے گا، اوراس کی اجازت کوئی نہیں دیتا۔

نیز تعزیری سزاؤں میں تقدیری قدرت مسلمان حاکم کو ہوتی ہے وہ بھی ان مصلحتوں کے تقاضوں کے مطابق جو شرعاً معتبر ہیں، اور مسلمان حاکم میں عدالت کی شرط ہے اوراس کے تصرف کو مصلحت سے جوڑا گیا ہے۔

۵-تعزیر بأخذ المال کے نسخ کا دعوی صحیح نہیں ہے کیونکہ نسخ کے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ بہت کمزور ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اوران کے شاگرد رشید ابن القیم الجوزیۃ نے دعوی نسخ سے انکار کیا ہے اور سختی سے اس کی تردید کی ہے اور مختلف قضایا میں پیش آنے والے واقعات سے ایسے دلائل قائم کئے ہیں جو تعزیرات مالیہ کے عدم نسخ پر مؤید ہیں، نیز وہ عقوبات مالیہ کی تین اقسام بیان کرتے ہیں:

۱-الإتلاف: اعیان وصفات کی قبیل کے منکرات ہوں تو ان کو اور تبعاً ان کے محل (جگہ) کو ضائع وبرباد کردینا درست ہے، جیسے وہ اصنام جن کی پوجا کی جاتی ہو تو اس کے مادہ کو ضائع کرنا جائز ہے اوراگر وہ لکڑی یا پتھر کے ہوں تو ان کو توڑنا اور جلانا صحیح ہے، اسی طرح آلات ولہو ولعب مثلاً طنبور وغیرہ کو بھی تلف کرنا اکثر فقہاء کے نزدیک درست ہے اور یہی امام مالک کا مذہب ہے اور امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے۔

۲-التغییر: اس کی مثال مجسم اور غیر مجسم تصویروں کو تبدیل کرنا جبکہ موطوءہ اور ممتہنہ نہ ہوں، نیز ابوداؤد شریف کی یہ حدیث"**عن علقمة بن عبد الله النبيﷺ أنه نهى أن تكسر سكة المسلمين الجائزة بينهم إلا من بأس**" (ابوداؤد رقم: ۳۴۴۹) (آپ ﷺ نے ان سکوں (سونے چاندی کے ڈھلے ہوئے سکے) کو توڑنے سے منع فرمایا ہے جو مسلمانوں کے درمیان رائج ہوں (جن کا چلن ہو) اِلا یہ کہ کوئی حرج ہو مثلاً وہ کھوٹے ہوں یا خراب ہوگئے ہوں یا کھرا ہونے میں شک ہو تو توڑا جاسکتا ہے)۔

۳-التملیک یا التعزیم: اس کی مثال ابوداؤد وسنن کی یہ روایت ہے:"**عن رسول الله ﷺ أنه سئل عن الثمر المعلق......**" (مجموع الفتاوی ۲۸/ ۱۱۳ تا ۱۱۹، الحسبۃ ۳۳/ ۳۶)۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اوپر کی دونوں صورتیں ''تعزیر فی المال'' اور آخری صورت ''تعزیر بالمال'' کی ہے، گرچہ علامہ کا مقصد دونوں میں تفریق نہیں ہے، اسی وجہ سے ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم نے دونوں کو مدغم کردیا ہے۔

مناقشہ ادلہ مجوزین:

۱-احادیث حسن درجہ کی ہیں اور حدیث حسن قابل استدلال ہوئی ہیں، البتہ بعض میں رواۃ کا تفرد ہے جس کی وجہ روایات ضعیف ہوئی ہیں۔

۲-تمام ادلہ میں تاویل کا احتمال ہے اور دلائل کو اصول شریعت کے ظاہر متعارض مفہوم سے پھیرنے کی گنجائش ہے، مثلاً حضرت بہیز بن حکیم کی روایت کے لفظ ''شطر'' بمعنی نصف کو ماضی مجہول ''شطر مالہ'' پڑھا جاسکتا ہے، یعنی اس کے مال کے دو حصہ کئے

جائیں گے اور دونوں حصوں میں سے جو بہتر ہوگا اس میں سے زکوۃ لی جائے گی اور یہ زکوۃ دینے کی سزا ہوگی۔

۳-عمرو بن شعیب والی روایت میں تعزیر مالی وعید وتغلیظ کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں، تاکہ فاعل (مجرم) باز آجائے، ورنہ کسی چیز کے تلف کرنے پر مثل سے زیادہ کچھ واجب نہیں ہے۔

۴-احتمال نسخ بہر حال موجود ہے بایں طور کہ ابتداء اسلام میں رہا ہو پھر منسوخ ہوگیا جیسا کہ شامی میں نقل کیا گیا ہے (شامی ۱۰۶/۶)۔

قول راجح:

مندرجہ ذیل وجوہات سے احقر کے نزدیک امام ابو یوسف اور متاخرین حنابلہ واحناف کی رائے-تعزیر بأخذ المال-زیادہ درست معلوم ہوتی ہے:

۱-اس مسئلہ میں وارد شدہ دلائل فی الجملہ صحیح ہیں کیونکہ معتمد کتب حدیث میں درج ہیں، اور امام ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' میں بغیر کسی تبصرہ کے نقل کی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ قابل استدلال ہیں۔

۲-وہ مصلحت جو تعزیر بالمال کا تقاضہ کرتی ہے، اس لئے کہ تعزیری سزاؤں کا دارو مدار مصلحت اور عرف پر ہوتا ہے، اور عرف ومصالح تغیر زمان سے بدلتے رہتے ہیں اور تعزیر بأخذ المال آج کل عالمی عرف بن چکا ہے، چنانچہ اس زمانہ میں ''مالی تعزیر'' کی بڑی کثرت ہوگئی ہے، ریلوے، بس اور ٹریفک، اقامہ، پاسپورٹ، تعمیرات وبلدمات کے نظام میں کثرت سے اسکا تعامل ہے۔

۳-تعزیر بأخذ المال اور قواعد شرع میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا ہے، کیونکہ مال تو سزاء ہی لیا جاتا ہے۔

۴-ادلہ کے درمیان جمع وتطبیق کرنا ان کے تعطیل واہمال کی بنسبت زیادہ بہتر ہے۔

۵-وہ احتمالات جو جماہیر علماء نے قائلین تعزیر بأخذ المال پر وارد کئے ہیں، شرعی پہلو سے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ فی نفسہ وہ کمزور ہیں ان کی کوئی مستند دلیل نہیں ہے۔

۶-آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء سے تعزیر بالمال کا وقوع ہوا ہے اس سے بڑھ کر جواز کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

۷-متاخرین احناف نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ مولانا تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر بھی کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی، عام طور پر فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه'' (مسند احمد ۴۲۵/۵) (یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں ہے) لیکن یہ استدلال کمزور ہے اس لئے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے، جو کسی گناہ یا جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے، اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال

نہیں ہوگی، لہذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا اور سزا کے طور پر اس کو کوئی نقصان پہنچایا جا رہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے، تو پھر مال جو بطیب نفس حلال ہوجاتا ہے، وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بدرجہ اولی حلال وجائز ہونا چاہئے، چنانچہ بعض متاخرین فقہاء حنفیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے (درس ترمذی ۱۱۹/۲)۔

۸-آج کل یوں بھی مالی تعزیر کی اجازت ہونی چاہئے، کیونکہ ضرب وحبس کی اگر اجازت دی جائے تو عموما تمام ممالک میں خاص طور سے ہمارے ہندوستان میں جن مسلم نوجوانوں کو محض شک وشبہ کی بنیاد پر اٹھایا جاتا ہے اور جیلوں میں ڈالا جاتا ہے اور وہاں ان کو کیسی جسمانی اذیت دی جاتی ہے، ٹارچر کیا جاتا ہے یہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔

۹-آخری بات جو بڑی عجیب ہے وہ یہ کہ ایک طرف ہمارے علماء اور مفتیان کرام تعزیر مالی کی حرمت کا فتوی دیتے ہیں دوسری مدارس میں مالی جرمانہ وصول کرنے پر تعامل ہے، اس لئے بہتر ہے کہ اس کے جواز کی گنجائش نکالی جائے جبکہ ائمہ وفقہاء کی عبارتوں میں گنجائش موجود ہے۔

۱۰-"فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء" میں ہے: "**ويوضع مال التعزير حيث يرى الحكمان شرعا في بيت المال أوفي وجه من وجوه البر والمعروف**" (۲۲۵/۱)۔

تعزیر بأخذ المال میں اختلاف کی وجہ:

تعزیر بأخذ المال میں اختلاف کی بنیادی طور پر درج ذیل تین وجوہات ہیں:

۱-اس مسئلہ میں وارد شدہ دلائل سب ظنی ہیں، جن میں احتمال، اختلاف رائے اور اجتہاد کی پوری گنجائش موجود ہے۔

۲-مسئلہ کے تمام دلائل میں تعارض ہے اور اس کی جمع وتطبیق میں فقہاء وائمہ کے نقاط نظر مختلف ہیں۔

۳-قاعدہ شرعیہ "سدالذرائع" کی تطبیق میں اختلاف ہے، اصل قاعدہ علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے، لیکن اختلاف اس کی غایت تطبیق میں ہے، چنانچہ جن علماء کی نظر اس طرف گئی کہ تعزیر مالی کی اجازت دینے میں ظالم حکمرانوں کو عوام الناس کے اموال پر تسلط دینا اور ناحق لوگوں کے اموال ہڑپ کرنے میں ان کی اعانت کرنا لازم آتا ہے، نیز یہ چور دروازہ ہے جسے بند کرنا ضروری ہے تو انہوں نے تعزیر بالمال کو ناجائز اور حرام قرار دیا، اور جن علماء کے پیش نظر یہ بات رہی کہ تسلیط (ظالم حکمرانوں کو لوگوں کے اموال پر مسلط کرنا) کبھی کبھار اور شاذ ونادر ہوتی ہے جس سے حکام کی عدالت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا ہے اور شرعا مصالح معتبرہ کے ساتھ ان کے تصرفات کو جوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے تو انہوں نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا۔

☆☆☆

تعزیر بالمال اور بأخذ المال کا فرق اور احکام

مفتی محمد صبیح اختر القاسمی☆

تعزیر بالمال دو لفظوں سے مرکب ہے: (۱) تعزیر اور (۲) مال۔

تعزیر لغت میں ''منع''، یعنی روکنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، پھر لفظ تعزیر حد کے علاوہ تادیب کے معنی میں مشہور ہوگیا، اب اس کا اطلاق جب بھی ہوتا ہے اس سے حد کے علاوہ تادیب ہی مراد لیا جاتا ہے، اور چونکہ ''تعزیر'' مجرم کو دوبارہ ارتکابِ جنایت سے روک دیتا ہے اس لئے اس کو ''تعزیر'' کہتے ہیں۔

مگر اصطلاح شرع میں ایسی عقوبت مشروعہ کو تعزیر کہتے ہیں جو کسی ایسی معصیت یا جنایت پر مرتب ہو جس میں حد یا کفارہ لازم نہ آتا ہو، خواہ وہ جنایت حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے، جیسا کہ علامہ وہبہ زحیلیؒ فرماتے ہیں:

''**وهو شرعا :العقوبة المشروعة على معصية أوجناية لاحد فيها ولاكفارة سواء كانت الجناية على حق الله أم على حق العباد**'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ)۔

ذکر کردہ تعریف سے معلوم ہوا کہ جس جرم پر شریعت نے کوئی حد متعین کردی ہے جیسے سرقہ، زنا، شرب خمر، قذف وغیرہ یا جس میں کفارہ کا وجوب کیا ہے، جیسے بلا عذر رمضان میں روزہ توڑنا، حالت احرام میں جنایت کرنا وغیرہ یہ سب جرائم تعزیرات سے علیحدہ ہیں، تعزیر کے تحت وہی جرائم آتے ہیں جن میں نہ تو حد متعین ہوا اور نہ کفارہ، جیسے اجنبیہ کا قبلہ اس کے ساتھ خلوت، مقدار نصاب سے کم کا سرقہ وغیرہ۔

دوسرا لفظ ''مال'' ہے، اس کے حوالے سے علامہ شامی رقم طراز ہیں:

''**مايميل إليه الطبع ويمكن ادخاره بوقت الحاجة**'' (ردالمحتار ۷/۱۰)۔

یعنی مال اس چیز کو کہتے ہیں جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور وقت ضرورت کے لئے اس کو جمع کر کے رکھنا ممکن ہو، ''**والمال أيضا يقع على كل مايملكه الإنسان من الذهب والورق والإبل والغنم وغير ذلک**'' (الفروق اللغویۃ، ص ۱۹۸)۔

یہ تو ہوئی ''تعزیر'' اور ''مال'' کی لفظی تشریح وتحقیق، آگے ''تعزیر بالمال'' کی اصطلاحی تحقیق کے حوالے سے عرض ہے

☆ استاذ: جامعہ اسلامیہ جلالیہ ہوجائی، آسام۔

کہ ''کسی ایسے جرم ومعصیت پر مالی سزا دینا جس پر شریعت کی جانب سے نہ تو کوئی حد واجب ہو اور نہ کفارہ، جیسے لوگوں کے راستے پر گندگی ڈال دینا، رشوت لینا دینا، اجنبیہ کے ساتھ خلوت میں رہنا وغیرہ، یہ سب جرائم ایسے ہیں جن کے ارتکاب پر نہ تو حد واجب ہے اور نہ ہی کفارہ، لہذا ان پر مرتب ہونے والی مالی سزا تعزیر بالمال کہلائے گی''

البتہ حضرات احناف کے یہاں چونکہ عقوبات مالیہ منسوخ ہیں اس لئے تعزیر بالمال کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

''ومعنى التعزير بأخذ المال على القول عند من يجيزه :هوإمساك شيء من مال الجانى عنه مدة لينزجرعمااقترفه ثم يعيده الحاكم إليه ، لاأن يأخذه الحاكم لنفسه أولبيت المال'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۵۵۹۶/۷)۔

(اور تعزیر باخذ المال کا مفہوم ان لوگوں کے قول کے مطابق جو اس کو جائز قرار دیتے ہیں یہ ہے کہ: جنایت کرنے والے سے ایک مدت تک کے لئے مال کو روک لینا تاکہ وہ اپنے عمل سے باز آجائے پھر حاکم اس کو واپس کردے نہ یہ کہ حاکم اپنے لئے یا بیت المال کے لئے اس کو لے لے)۔

ظاہر سی بات ہے کہ اس تعریف کا محمل بہت مخصوص ہے جو تعزیر مالی کی تمام صورتوں کو شامل نہیں جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کا فرق:

تعزیر بالمال ایک کلی ہے جس کے تین افراد ہیں: (۱) تعزیر باھلاک المال (۲) تعزیر بتغییر المال (۳) تعزیر باخذ المال، مذکورہ ان تینوں افراد کو تعزیر بالمال شامل ہے۔

حضرت امام ابن تیمیہؒ کے مطابق تعزیرات مالیہ کی تین قسمیں ہیں:

۱-تعزیر باتلاف المال:

یعنی مجرم کی تعزیر وسرزنش اس کے اتلاف مالی کے ذریعہ کرنا، جیسے آلات منکرات اور اسباب لہو ولعب کو توڑ دینا، شراب خانہ کو منہدم کردینا اور جلا دینا، اس کے مٹکے کو انڈیل دینا، گناہوں سے بھرے ہوئے پروگرام والے موبائل کو توڑ دینا، یہ سب تعزیرات باتلاف المال کے قبیل سے ہیں، جن میں زجر و توبیخ کی غرض سے اموال کا اتلاف موجود ہے، اور اس طرح کی تعزیر حاکم وقت یا حاکم کے قائم مقام اشخاص کے لئے جائز ہے، جیسا کہ جماعت سے تخلف کرنے والے کے سلسلے میں آپ ﷺ نے گھروں کو جلا دینے کا ارادہ فرمایا جو حدیث پاک میں مشہور ہے، اس واقعہ کے تحت علامہ بدرالدین عینی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ تعزیر بالمال کے سلسلے میں اصل وبنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

''وقدهم الشارع بتحريق دور من يتخلف من صلاة الجماعة، وهذا أصل فى العقوبة فى المال إذا رأى ذلك'' (عمدۃ القاری ۲۴۳/۹)۔

البتہ تعزیر باھلاک المال میں اہل اموال کے لئے ضمان ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں علامہ وھبہ زحیلیؒ نے امام ابن تیمیہؒ سے امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبل کا مشہور مذہب اہلاک مال کا جواز لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کے نزدیک اہلاک مال کے ذریعہ تعزیر جائز ہے تو مذکورہ صورت میں کوئی ضمان واجب نہ ہوگا، جیسا کہ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

''اتلاف محل المنکرات .....علی المشهور فی مذهب احمد ومالک وغیرهما عملا بما فعله عمر رضی الله تعالیٰ عنه من تحریق حانوت خمار ۔وبمافعله علیؓ من تحریق قریة کان یباع فیها الخمر ؛ لأن مکان البیع مثل الاوعیة''(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۵۵۹۷)۔

(حضرت امام احمد و مالک وغیرھما کے مشہور مذہب کے مطابق محل منکرات کا اتلاف جائز ہے، اس فعل پر عمل کرتے ہوئے جو حضرت عمر فاروقؓ نے کیا کہ شراب کی دوکان کو جلا دیا، اور اس فعل کی اقتداء کرتے ہوئے جو حضرت علیؓ نے کیا کہ وہ بستی جہاں شراب کی خرید وفروخت ہوتی تھی اس کو انہوں نے جلا دیا، اس لئے کہ خرید وفروخت کی جگہ مانند برتنوں کے ہے)۔

لیکن علامہ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری میں اصحاب احناف کے مابین اختلاف لکھا ہے، کہ حضرت امام محمد کے نزدیک ضمان کا وجوب ہوگا، اور حضرت اما ابو یوسفؒ کے نزدیک ضمان واجب نہیں ہوگا، اسلئے کہ تعزیر باھلاک المال از قبیل امر بالمعروف ہے جو موجب ضمان نہیں اور اسی قول پر فتوی بھی ہے، جیسا کہ عمدہ میں ہے:

''فإن کان زق الخمر للمسلم یضمن عند محمدؒ .وعندابی یوسفؒ لایضمن؛ لأنه من جملة الأمربالمعروف والفتوی علی قول أبی یوسف خصوصا فی هذاالزمان''(عمدۃ القاری ۹/ ۲۴۳)۔

خلاصہ یہ کہ تعزیر مالی کی یہ صورت کہ سرزنش وعتاب کے لئے آلات منکرات کو توڑ دیا جائے دائرۂ جواز میں ہے، بشرطیکہ حاکم یا اس کے قائم مقام کوئی اور آدمی یا جماعت مسلمین اس طرح کی تعزیری سزا کی تنفیذ کرے تا کہ کوئی فتنہ نہ ہو،

اہلاک مالی کے ذریعہ تعزیر کئے جانے پر حسب ذیل روایتوں سے استدلال کیا جاسکتا ہے:

(۱)''عن عبدالله بن عمروؓ قال رأی النبی ﷺ علی ثوبین معصفرین فقال: أُمک امرتک بهذا ؟قلت اغسلهما قال:لا بل أحرقهما''(مسلم شریف:باب النهی عن لبس الرجل الثوب المعصفر)۔

اس روایت میں زرد رنگ والے کپڑے کو جلا دینے کا امر فرمایا گیا ہے، حضرت علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:''أماالأمر بإحراقهما فقیل هوعقوبة وتغلیظ لزجره وزجرغیره عن مثل هذاالفعل''(حاشیہ علی المسلم ۲/ ۱۹۳)۔

(۲)''عن سالم أنه سئل عن الغال فی الغنیمة فقال: سمعت ابی یحدث عن عمربن الخطابؓ عن النبی ﷺ قال :اذاوجدتم الرجل قد غل فأحرقوامتاعه واضربوه''(ابوداؤد شریف حدیث نمبر: ۲۷۱۳)۔

اس روایت میں مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے ساز وسامان کو جلا دینے کا حکم موجود ہے۔

(۳)''عن انس عن أبی طلحة أنه قال: یانبی الله إنی اشتریت خمرا لأیتام فی حجری ،قال: اهرق

الخمر وأکسر الدنان‘‘(ترمذی شریف، باب بیع الخمر والنھی عن ذالک)۔

اس روایت میں شراب کے مٹکے توڑ دینے کا حکم موجود ہے، معلوم ہوگیا کہ تعزیر باھلاک المال متعدد نصوص سے ثابت ہے۔

۲-تعزیر بتغییر المال:

تعزیر مالی کی دوسری صورت مال میں تغیر وتبدل کر دینا ہے، جیسے کہ پردہ وغیرہ پر جاندار کی تصویر ہوتو اس کے سر کو مٹا دینا، یا ٹخنے کے نیچے ازار لٹکتا ہوتو اسے کاٹ دینا، یا اسی طرح موبائل سے غلط امور کو Delet کر دینا وغیرہ تو ان تمام صورتوں میں بالکلیہ مال کی تضییع واہلاک نہیں ہے، بلکہ زجر وتوبیخ اور ازالۂ منکر کے ارادہ سے محض اس میں تبدیلی کر دینا ہے، اور تعزیر کی یہ صورت بھی حاکم وقت اور اولوالامر کے لئے جائز ہے، جیسا کہ علامہ وھبہ زحیلیؒ رقم طراز ہیں:

’’قدیقتصر العقوبة المالیة علی تغییر الشیء مثل فعل النبی ﷺ فی التمثال الذی کان فی بیته والستر الذی به تماثیل إذ امر بقطع رأس التمثال فصار کھیئة الشجرة وبقطع الستر فصار وسادتین یوطاٰن وھکذا اتفق العلماء علی إزالة وتغییر کل ماکان من العین أوالتالیف المحرم مثل تفکیک الألات الملاھی وتغییر الصورة المصورة‘‘ (الفقہ الاسلامی ۷/ ۵۵۹۸)۔

(کبھی عقوبت مالیہ شی کی تبدیلی کر دینے میں منحصر ہوتی ہے، جیسے کہ آپ ﷺ نے اس تصویر کے سلسلے میں کیا جو آپ کے گھر میں تھی، اور اس پردہ کے سلسلے میں کیا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں، کہ آپ ﷺ نے تصویر کے سر کو قطع کر دینے کا امر فرمایا تو وہ تصویر درخت نما ہوگئی، اور پردہ کاٹ دینے کا حکم دیا تو اس سے دو آرام دہ تکیے بن گئے، اور اسی طرح حضرات علماء کا ہر اس عین وتالیف کی تغییر وازالہ پر اتفاق ہے جو نا جائز وحرام ہو، جیسے آلات لہو ولعب کے پرزے کھول دینا، اور بنی ہوئی صورتوں کو بدل دینا)۔

اسی طرح حدیث پاک: ’’فلما قدم فرأی النمط عرفت الکراھیة فجذبه حتی ھتکه اوقطعه‘‘(مسلم ۲/ ۲۰۰) کے تحت علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: ’’فیستدل به لتغییر المنکر بالید وھتک الصور المحرمة‘‘(حاشیہ نووی علی مسلم ۲/ ۲۰۰)۔

مذکورہ جزئیات سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ تغییر مال کے ذریعہ تعزیری سزا جائز ودرست ہے۔

۳-تعزیر باخذ المال:

مالی جرمانہ کی تیسری صورت مرتکب معاصی اور جرائم پیشہ لوگوں سے مال کی ایک مقدار کا لے لینا اور اس میں مالکانہ تصرف کرنا ہے، چنانچہ بہت سے گاؤں ودیہات میں جرائم ومعاصی پر قابو پانے کے لئے اس طرح کا مالی جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، اور ان سے لئے ہوئے اموال کو رفاہی کاموں میں صرف کیا جاتا ہے، اور تعزیر کے اس طریقے سے ماحول میں خاطر خواہ فائدہ کا احساس بھی

ہوتا ہے، کہ اس مالی جرمانہ کی وجہ سے بہت سے گناہوں سے حفاظت ہوجاتی ہے۔

۲، ۳- اسی طرح بہت سے سرکاری محکمے اور غیر سرکاری اداروں میں بھی اس طرح کے مالی جرمانہ کا رواج ہے، تو کیا تعزیر کی یہ صورت درست ہے یا نہیں؟

تو اس سلسلے میں حضرات ائمہ رحمھم اللہ کے مابین اختلاف ہے چنانچہ حضرات ائمہ اربعہ (حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمھم اللہ) اور حضرت امام محمد بن حسنؒ کے نزدیک تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، جب کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ محقق ابن الھمام تحریر فرماتے ہیں:

''وعن أبی یوسف یجوزالتعزیر للسلطان بأخذ المال وعندھما وباقی الأئمة الثلاثة لایجوز ''(فتح القدیر ۵/ ۳۳۰)۔

البتہ علامہ وھبہ زحیلیؒ نے امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد امام ابن قیم رحمھما اللہ سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت امام مالکؒ کے مذھب مشہور اور حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کے مذھب اور امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک کے مطابق مخصوص مواقع پر عقوبات مالیہ جائز ہے، جیسا کہ علامہ رقم طراز ہیں:

''واثبت ابن تیمیه وتلمیذ ہ ابن القیم أن التعزیربالعقوبات المالیة مشروع فی مواقع مخصوصة فی مذھب مالک فی المشھور عنه ومذھب احمد واحد قولی الشافعی''(الفقہ الاسلامی ۷/ ۵۵۹۶)۔

اسی طرح ''الموسوعۃ الفقھیۃ'' میں بھی حضرت امام مالکؒ کا قول مشہور اور حضرت امام شافعیؒ کا قول قدیم تعزیر مالی کے جواز کے سلسلے میں ہے، البتہ اس میں حنابلہ کے نزدیک عدم جواز کا قول منقول ہے۔

''أمافی مذھب مالک فی المشھور عنه فقد قال ابن فرحون :التعزیر بأخذ المال قال به المالکیة، وقد ذکرمواضع مخصوصة یعزرفیھا بالمال ....وقال الشبراملسی :ولایجوز علی الجدید بأخذ المال، یعنی لایجوز التعزیر بأخذ المال فی مذھب الشافعیؒ الجدید ...وفی المذھب القدیم یجوز...وعند الحنابلة یحرم التعزیربأخذالمال أواتلافه''(الموسوعۃ الفقھیۃ ۱۲/ ۲۷۰)۔

نیز بعض حضرات احناف کے قول سے بھی تعزیر مالی کا کسی نہ کسی درجہ میں ثبوت ملتا ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم خلاصہ اور مجتبی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

''وفی الخلاصة :سمعت عن ثقة ان التعزیر بأخذ المال، إن رأی القاضی ذٰلک أو الوالی جاز ......ومن جملة ذٰلک رجل لایحضرالجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال.وفی المجتبی :لم یذکر کیفیة الأخذ، وأری أن یأخذھا فیمسکھا،فإن أیس من توبته بصرفھاإلی مایری''(البحر الرائق ۵/ ۶۸)۔

(اور خلاصہ میں ہے کہ میں نے معتبر لوگوں سے یہ سنا ہے کہ قاضی یا ذمہ دار اگر مال لے لینے کے ذریعہ تعزیر کرنے میں

مصلحت سمجھے تو تعزیر باخذ المال جائز ہے، اور اسی تعزیر میں سے یہ ہے کہ ایک آدمی شریک جماعت نہیں ہوتا تو مال لینے کے ذریعہ اس کی تعزیر جائز ہے۔

اور مجتبی میں اخذ مال کی کیفیت مذکور نہیں ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ مال کو لے کر روک لیا جائے، پھر اگر مجرم کے تائب ہونے سے ناامید ہو جائے تو اس کے لئے ہوئے مال کو منشا کے مطابق صرف کر دے)۔

خلاصہ یہ کہ تعزیر باخذ المال کے سلسلے میں حضرات ائمہ رحمھم اللہ کا اختلاف ضرور ہے تاہم جواز کے سلسلے میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی روایت منفرد نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ ائمہ اربعہ میں سے بعض امام جیسے امام مالکؒ کا مذہب اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی موجود ہے، اور فقہائے احناف میں سے بھی کچھ لوگ اس کے قائل ہوئے ہیں، چنانچہ علامہ فرنگی محلی حاشیہ شرح وقایہ میں تحریر کرتے ہیں:

”**وصرح فی الخلاصة والظهيرية بجواز التعزير بأخذ المال وإحراق البيت ونحو ذلک**“(حاشیہ شرح وقایہ ۳۰۸/۵)۔

سوال ......۴: البتہ ماضی قریب کے اکابر رحمھم اللہ اور موجودہ ارباب افتاء میں سے اکثر و بیشتر عدم جواز کے قائل ہیں، جب کہ اس دور میں بھی کچھ ارباب افتاء اور محققین کا میلان تعزیر بالمال کے جواز کی طرف ہے، چنانچہ:

۱............حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب ”اسلامی فقہ“ میں فرماتے ہیں:

مام ابوحنیفہ اور امام محمد اسے ناجائز کہتے ہیں، طرفین کے برخلاف امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں مصلحت متقاضی ہو تو جائز ہے.......راقم الحروف کے خیال میں امام ابو یوسفؒ اور جو فقہاء مالی جرمانہ یا اتلاف کے ذریعہ تعزیر کے قائل ہیں ان کی رائے قابل ترجیح ہے (اسلامی فقہ ۲۸۱/۳)۔

۲............مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب جدید فقہی مسائل اور قاموس الفقہ دونوں جگہ پر جواز کے قائل ہوئے ہیں، چنانچہ ”قاموس الفقہ“ میں تحریر فرماتے ہیں:

اس وقت اسلام کے قانون حدود و تعزیرات کے فقدان کی وجہ سے جو مسائل سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کر رہی ہیں ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے، اور ریلوے، بس ٹریفک وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے، راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت ہونی چاہیے (قاموس الفقہ ۴۸۹/۲)۔

۳-مولانا تقی عثمانی صاحب تقریر ترمذی میں فرماتے ہیں:

اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، صرف جسمانی سزا کے ذریعہ تعزیر کرنا جائز ہے، البتہ امام احمد بن حنبل نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے، لیکن تعزیر بالمال کے عدم

جواز پر کوئی دلیل مجھے نہیں ملی چنانچہ بعض متأخرین حنفیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے (تقریر ترمذی ۲/۱۱۸، ۱۱۹)۔

۴- ''فتاویٰ زکریا'' میں بھی جواز کے پہلو ہی کو اختیار کیا گیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

اکثر حضرات منع کرتے ہیں لیکن بعض حضرات جواز کے قائل ہیں، لہٰذا قول جواز کو مدنظر رکھتے ہوئے صورت مسئولہ میں مالی جرمانہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (فتاوی زکریا ۴/ ۵۷۴)۔

مذکورہ اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ عصر حاضر کے ارباب تحقیق وافتاء میں سے بھی بہت سے حضرات جواز کے قائل ہیں۔

قائلین جواز کے دلائل:

۱ ''......،عن بهزبن حكيم عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال:في كل سائمة إبل في اربعين بنت لبون ،لايفرق إبل عن حسابها من أعطاها مؤتجرا،قال ابن العلاء: مؤتجرابهافله أجرها، ومن منعها فاناآخذوهاوشطرماله عزمة من عزمات ربنا عزوجل وليس لآل محمد منهاشيء ''(ابوداؤدشریف ۱۵۷۵ زکاۃ السائمۃ)۔

(آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر سائمہ چالیس اونٹ میں ایک بنت لبون واجب ہے، جمع شدہ اونٹوں کو متفرق نہیں کیا جائے گا کہ اونٹ کی زکاۃ اس کے حساب سے بدل جائے، جس نے زکاۃ کی ادائیگی طلب اجر کے لئے کی تو اس کے لئے اس کا اجر ہوگا، جس نے زکاۃ کی ادائیگی نہیں کی تو میں اس سے زکاۃ اور اس کا نصف مال لے لوں گا، اور یہ ہمارے رب جل شانہ کے حقوق میں سے ایک حق ہونے کے اعتبار سے ہوگا، اس میں آل محمد ﷺ کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا)۔

اس روایت میں زکاۃ ادا نہ کرنے والے سے زکاۃ کے ساتھ اس کے نصف مال جرمانہ کے طور پر لینے کا تذکرہ ہے، اور اس طرح مال لینے کو حقوق اللہ سے قرار دیا گیا ہے، جس سے صراحۃً مالی جرمانہ کا ثبوت ہوتا ہے۔

۲......''عن يحيٰ بن عبد الرحمن بن حاطب ان غلمة لأبيه عبد الرحمن بن حاطب سرقو ا بعيرا فانتحروه فوجدعندهم جلده وراسه فرفع أمرهم الى عمربن الخطاب فأمربقطعهم فمكثوا ساعة ومانرى الاقدفرغ من قطعهم، ثم قال عمر:على بهم، ثم قال لعبد الرحمن: والله إني لأراك تستعملهم ثم تجيعهم وتسيء إليهم حتى لووجدواماحرم الله عليهم لحل لهم، ثم قال لصاحب البعير:كم كنت تعطى لبعيرك؟ قال: اربع مأة درهم: قال لعبد الرحمن: قم فاغرم لهم ثمان مأة درهم''(مصنف ابن عبدالرزاق، باب سرق العبد ۱۸۹۷۸)۔

(حضرت یحیٰ بن عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ ان کے والد عبد الرحمٰن بن حاطب کے غلاموں نے ایک اونٹ چوری کر کے نحر کر دیا تو ان کے پاس اونٹ کا سر اور چمڑا پایا گیا، تو ان کا یہ مقدمہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش

کیا گیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے قطع ید کا امر فرما دیا، ابھی کچھ ہی دیر ہوئی....اور ہمارے خیال میں ابھی قطع ید سے فراغت ہوئی کہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان غلاموں کو اپنے پاس بلایا، اور عبد الرحمٰن بن حاطب سے فرمایا: بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم غلاموں کو استعمال میں لیتے ہو اور ان کو بھوکا پیاسا رکھتے ہو اور ان کے ساتھ بد خلقی کا معاملہ کرتے ہو حتی کہ یہ غلام اگر اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو پالیں تو یہ ان کے لئے حلال ہوجائیں، پھر صاحب اونٹ سے فرمایا کہ تم اپنا اونٹ کتنے روپئے میں دے سکتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا چار سو درہم میں، تو آپ ﷺ نے عبد الرحمٰن سے فرمایا جایئے! آٹھ سو درہم کا تاوان ادا کیجئے)۔

یہ روایت بھی تعزیر مالی کے سلسلے میں صریح ہے، نیز یہ فیصلہ چونکہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا ہے جس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ مالی جرمانہ منسوخ نہیں ہے، نیز مذکورہ دونوں روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مال کا تاوان صرف وقتی طور سے حبس کر لینے کے ذریعہ نہ تھا بلکہ صاحب جریمہ سے لے کر اس کو دوبارہ واپس نہیں کیا گیا، اور اس کو اس کے مصرف میں صرف کیا گیا۔

۳- اسی طرح اگر کسی نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا تو اس نے ظہار کر کے ایک قول منکر اور امر باطل کا ارتکاب کیا، جس کی وجہ سے شریعت کی نظر میں مجرم قرار پایا، لہٰذا شریعت نے اس کی پاداش میں اس کی بیوی اس پر حرام کر دیا اور ادائیگی کفارہ کے ذریعہ ہی اس حرمت کو ختم فرمایا، تو مذکورہ ارتکاب جرم پر شریعت کی جانب سے کفارہ کا وجوب یہ بھی تعزیر مالی کے قبیل سے ہوسکتا ہے، جیسا کہ ''ہدایہ'' میں ہے:

''وهذا، لأنه جناية لكونه منكرا من القول وزورا، فتناسب المجازاة عليها بالحرمة وارتفاعها بالكفارة''(ہدایہ ۲/۴۰۹)۔

۴- ان کے علاوہ شریعت میں اور بھی کچھ ایسی نظیریں ملتی ہیں جن سے تعزیر مالی کا ثبوت اگرچہ صراحۃً نہیں ہوتا تاہم قیاساً اس سے مفر نہیں۔ جیسے اگر کوئی قسم کھا کر اس کو پوری نہ کر سکے تو شریعت مطہرہ نے اس کی اس کوتاہی اور جرم پر کفارہ کا وجوب کیا ہے، جس میں ایک غلام آزاد کرنا، یا مسکین کو کھانا کھلانا، یا کپڑا پہنانا، تعزیر مالی کے قبیل سے ہی ہوسکتا ہے، اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ شریعت نے قسم پوری نہ کرنے والے مجرم پر مالی سزا ''کفارہ'' لازم کیا ہے جیسا کہ حاشیہ ہدایہ میں ہے:

''لأنها تحصل بهتك حرمة اسم الله تعالى بالحنث''(حاشیہ ہدایہ ۲/۴۸۲)۔

۵..........اسی طرح باب نکاح میں مہر کی تعیین جہاں محل بضع کی عظمت شان کو ظاہر کرتی ہے وہیں یہ حکمت بھی پنہاں ہے کہ خاوند کو اس رشتہ اور ازدواجی تعلق کو توڑنے کی صورت میں مالی نقصان کا خطرہ لگا رہے، اور بلا کسی ایسی ضرورت کے کہ جس کے بغیر اس کو چارہ نہ ہو اس پر جرأت نہ کر سکے۔ (احکام اسلام عقل کی نظر میں، ۲۰۹)۔

معلوم ہوا کہ مال کے نقصان کا خطرہ ارتکاب جرائم کے سد باب میں ایک اہم اور مؤثر سبب ہے۔

حاصل کلام یہ کہ تعزیر مالی کا ثبوت جس طرح نص صریح سے ہے اسی طرح قرآن وحدیث میں پائے جانے والے بہت سے کفارات مالیہ پر قیاس کرنے سے بھی ہے، اس لئے کہ کفارات مالیہ کا وجوب بھی ہتک حرمت کے جرم میں ہے، جس میں جامع

علت ہونے کی صلاحیت ہے، لہذا ہندوستان جیسے ملکوں میں جہاں تعزیر بدنی ممکن نہیں ہے، اور بہت سی قانونی پریشانی کی باعث ہے تعزیر مالی کی سزا بہت سی برائیوں کے سدباب کے لئے معین ثابت ہوسکتی ہے، اور آج بھی بہت سے دیہاتوں میں جہاں اس پر عمل ہے اس کے نافع اثرات کو دیکھا جاسکتا ہے۔

بندہ کی رائے: مذکورہ وجوہات کی بنا پر احقر کا میلان بھی تعزیر مالی کے جواز کی طرف ہی ہے۔

۵- حضرات ائمہ ثلاثہ میں سے مالکیہ کا مذہب مشہور اور امام شافعیؒ کا قول قدیم جواز کا ہے، اور حنابلہ کے یہاں جواز وعدم جواز دونوں ہی طرح کے قول موجود ہیں جیسا کہ سوال نمبر، ۲ کے ضمن میں تفصیل گذر چکی ہے۔

۶- تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اقوال مختلفہ میں سے راجح قول کا اتباع کرنا اور اس کے مطابق فتوی دینا واجب اور ضروری ہے، اور غیر راجح اور ضعیف قول پر عام احوال میں فتوی دینا خلاف اجماع ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں: "**اعلم بأن الواجب اتباع ما ترجیحه عن أهله قدعلما**"۔

اور یہ اس لئے کہ قول مرجوح کی حیثیت راجح کے مقابلے میں عدم کی ہوجاتی ہے، اور عدم قابل عمل نہیں ہے، کہ اس پر عمل کیا جائے، البتہ ایسی ضرورت کے وقت جب کہ راجح قول پر عمل کی صورت میں حرج شدید لاحق ہو اور زمان ومکان اسی قول ضعیف پر عمل کا متقاضی ہو تو اس وقت ضعیف قول پر عمل کی اجازت ہوتی ہے۔

مثلاً حضرت امام ابو یوسفؒ نے فتور شہوت کے بعد خروج منی کی صورت میں فرمایا کہ غسل واجب نہیں ہوگا، جب کہ حضرات طرفینؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی غسل واجب ہے، اور یہی قول راجح ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی مہمان اندیشۂ تہمت کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ کے اس قول پر عمل کرلے تو اس کے لئے جائز ہے، اسی طرح ٹھنڈک کے زمانے میں یا حالت سفر میں اس قول مرجوح پر عمل کرنا جائز ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"**ولکن أکثرالکتب علی خلافه (ای خلاف ابی یوسف) حتی البحر والنهر ولاسیما قد ذکرواأن قوله "قیاس" وقولهمااستحسان، وأنه الأحوط، فینبغی الافتاء بقوله فی مواضع الضرورة فقط**" (ردالمحتار ۱/۲۹۷)۔

اسی طرح الوان حیض کے سلسلے میں متعدد اقوال ضعیفہ موجود ہیں، لیکن معراج میں فخر الائمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی مفتی مواقع ضرورت میں سہولت وآسانی کے لئے ان اقوال میں سے کسی قول پر بھی فتوی دیدے تو جائز ہے، جیسا کہ "بحر الرائق" میں ہے:

"**وفی معراج الدرایة معزیا إلی فخرالأئمة: لوافتی مفت بشیء من هذه الأقوال فی موضع الضرورة طلبا للتیسیر کان حسنا**" (البحر الرائق ۱/۳۳۵)۔

اسی طرح اگر کوئی عالم ایسا ہو جو اخبار ونصوص کے معنی سے واقف اور اہل درایت میں سے ہو اور وہ کسی ضعیف یا مرجوح قول کو اپنی رائے کے مطابق زیادہ راجح سمجھے تو گو ان کی رائے مذہب کے مخالف ہو پھر بھی اس کے لئے عمل کرنا جائز ہوگا جیسا کہ علامہ

شامیؒ فرماتے ہیں:

”**قال فی خزانات الروایات :العالم الذی یعرف معنی النصوص والأخبار وهو من أهل الدرایة یجوز له أن یعمل علیها، وإن کان مخالفا لمذهبه**“(شامی زکریا ۱/۱۶۶)۔

معلوم ہوگیا کہ ضرورت وحاجت کے وقت قول ضعیف پرفتوی دینااوراس کے مطابق عمل کرنا جائز ہے،البتہ قول ضعیف پر فتوی دینے یا عمل کرنے کی یہ شخصی ضرورت تھی جس کی اجازت دی گئی،لیکن اگرعمومی ضرورت کی وجہ سے مذہب کےقول ضعیف پرفتوی دیاجائے یاعمل کیاجائے تواس کی اجازت ہوگی یانہیں؟

تواس سلسلے میں بھی حضرات احناف کے مکتب فکر میں رہنمائی موجود ہے،اورایک نہیں بلکہ متعدد مسائل میں ضرورت عامہ کی وجہ سےقول ضعیف پرفتوی دیا گیاہے۔

مثلاجنون کی وجہ سےعورت کوفسخ نکاح کا اختیارحضرات شیخینؒ کے نزدیک حاصل نہیں اورصاحب ہدایہ وغیرہ کے نزدیک یہی راجح ہے،البتہ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ عورت کواختیارفسخ دیتے ہیں اور یہ شیخین علیہما الرحمہ کی رائے کے مقابلے میں ضعیف رائے ہے،لیکن ضرورت کی وجہ سے ان کی رائے قبول کی گئی ہے، اوراسی رائے کے مطابق الحیلۃ الناجزۃ میں فسخ کی کارروائی منقول ہے(الحیلۃ الناجزۃ/۹۳)۔

جیسا کہ”فتاوی ہندیہ“میں ہے:”**إذاکان بالزوج جنون الخ فلاخیار لها کذافی الکافی قال محمدؒ: إن کا الجنون حادثا یؤجله سنة کالعنّة ثم یخیّر المرأة بعد الحول إذالم یبرأ، وإن کا مطبق فهو کالجب وبه نأخذ، کذا فی الحاوی القدسی**“(ہندیہ ۱/۵۷۹)۔

”**وفی الهدایة: إذاکان بالزوج جنون فلا خیارلها عند أبی حنیفة وأبی یوسف وقال محمد: لها الخیار**“(ہدایہ ۲/۴۲۲)۔

اسی طرح حضرات ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ امام ابویوسف اورامام محمد علیہم الرحمہ کے برخلاف متعدد مسئلے میں امام زفرؒ کے قول پرفتوی دیاجانااسی سلسلے کی کڑی ہے۔

اوراسی ضرورت کی وجہ سے جب کہ اپنے مذہب پرعمل دشوار ہوتو مذہب غیر پربھی اس کی شرطوں کے ساتھ فتوی دیا گیا ہے،جیسا کہ زوجۂ مفقود الخبر میں حضرات احناف کی رائے دلائل کے اعتبار سے اگرچہ قوی اورغایت احتیاط پرمبنی ہے: مفقود الخبر کے ہم قرن لوگوں کے ختم ہوجانے پرقاضی اس کی موت کاحکم لگادے گااوراس کے بعدعورت عدت وفات گذارکرنکاح کرے گی۔

لیکن فقہاء حنفیہ میں سے بعض متاخرین نے وقت کی نزاکتوں اورفتنوں پرنظرفرماتے ہوئے حضرت امام مالکؒ کے مذہب پرفتوی دیاہے،جیسا کہ تفصیل الحیلۃ الناجزۃ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

خلاصہ:......یہ کہ ضرورت کے وقت جہاں قول ضعیف پرفتوی دینا ثابت ہے وہیں اپنے مذہب میں تنگی کی بناپر دوسرے

مذہب میں عدول بھی ثابت ہے، لہذا اگر تعزیر بالمال کی اباحت میں حضرت امام ابو یوسفؒ کی روایت ضعیف بھی ہے تو سوال میں ذکر کردہ ضرورت (کہ جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے وعظ اور زبانی فہمائش کافی نہ ہو اور جسمانی سزا کا بھی کوئی موقع نہ ہو) کی وجہ سے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے، جیسا کہ بہت سے علماء نے فتوی دیا بھی ہے۔

جبکہ حضرت امام ابو یوسفؒ کی یہ روایت منفرد بھی نہیں ہے، بلکہ بہت سے فقہاء کرام بھی اس کے قائل ہوئے ہیں، اور نصوص وآثار سے مؤید بھی ہے، نیز ماقبل میں تفصیل گذر چکی ہے، کہ ''تعزیر مالی'' کی قرآن وحدیث میں نظیریں بھی موجود ہیں جن کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی یہ روایت ضعیف نہیں، بلکہ دلائل کی رو سے ارجح بھی ہے، لہذا اس روایت پر عمل کی اجازت ہے۔

۷- مالی جرمانہ تو آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے جس سے اس کے عدم نسخ کا پہلو بخوبی واضح ہوجاتا ہے، لہذا اگر تعلیمی یا غیر تعلیمی ادارے، یا خاندانی پنچایتیں یا کاروباری انجمنیں مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں کی وجہ سے مالی جرمانہ کا قانون جاری کریں، اور اس کے علاوہ کوئی دوسری مؤثر صورت نہ ہو کہ اس کے ذریعہ ان کوتاہیوں سے نمٹا جائے مالی جرمانہ درست ہوگا، جیسا کہ بہت سے اسلامی وغیر اسلامی ملکوں میں قانونی خلاف ورزی پر مالی جرمانہ لینے کا عام دستور ہے، اور واقعی اس سے نظم وضبط کی درستگی میں غایت درجہ مدد مل رہی ہے۔

اسی لئے حضرات احناف کے نزدیک اگرچہ تعزیر مالی کے عدم جواز کا فتوی عام ہے، لیکن اس کے باوجود اقتضاء مصالح کے وقت بعض فقہاء احناف نے تعزیر مالی کو جائز لکھا ہے، جیسا کہ فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

''التعزیر بأخذالمال، إن رأی القاضی أوالوالی جاز ....ومن جملة ذٰلک رجل لایحضر الجماعة یجوز تعزیرہ بأخذ المال'' (تاتارخانیہ ۵/۱۴۰)۔

اسی طرح ''خلاصة الفتاوی'' میں ہے:

''قال المصنف :وسمعت من ثقة أن التعزیر بأخذ المال، إن رأی القاضی أوالوالی جاز .ومن جملة ذٰلک رجل لایحضر الجماعة یجوز تعزیرہ بأخذ المال'' (خلاصة الفتاوی ۴/۴۴۴)۔

عبارت مذکورہ سے واضح ہوگیا کہ حاکم وقت یا ادارے کے ذمہ داران تعزیر مالی کو مصلحت سمجھیں تو اس کی اجازت ہے، چنانچہ اس موقع پر مفتی تقی عثمانی صاحب کی عبارت بطور تائید نقل کردینا کافی سمجھتا ہوں آپ تقریر ترمذی میں فرماتے ہیں:

تعزیر بالمال کے عدم جواز پر کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی، چنانچہ بعض متأخرین حنفیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے (تقریر ترمذی ۲/۱۱۹)۔

البتہ ان اداروں کے لئے مالی جرمانہ کا جواز اس وقت ہوگا جب کہ کسی معاوضۂ مالیہ میں کوتاہی پر یہ جرمانہ نہ لیا جارہا ہو، ورنہ مستلزم ربوا ہوکر ناجائز ہوجائے گا۔

۸- ہاں ہاؤزنگ سوسائٹیوں میں طے شدہ میعاد پر قسطوں کی عدم ادائیگی پر لئے جانے والا مالی جرمانہ درست نہیں ہے بلکہ وہ سود کے دائرے میں داخل ہوکر حرام ہوجائے گا، اس لئے کہ قسط ادا کرنے والے پر جو رقم واجب ہے وہ کسی پلاٹ یا فلیٹ کا بدل ہے جو اس کے ذمہ دین ہے، اور دین کے وقت میعاد پر ادا نہ کرنے پر جو اضافی رقم لی جاتی ہے خواہ جس عنوان سے لی جائے وہی ربا النسیئہ ہے، اس لئے ہاؤزنگ سوسائیٹی کے لئے مالی جرمانہ کا نظام صحیح نہیں ہے۔ جب کہ اس کے علاوہ دوسری جگہوں پر مالی جرمانہ کسی مبادلۂ مالیہ میں نہیں ہے، بلکہ ابتداء کوتاہیوں اور غفلتوں کی روک تھام کے لئے ہے جو درست ہے، لہذا اس کے جواز میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

تاہم یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہاؤزنگ سوسائیٹی اس طرح مالی جرمانہ کا نظام نہ بنائے تو لوگ بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ کوتاہیاں کریں گے اور اس کی وجہ سے ادارہ شدید نقصانات سے دوچار ہوسکتا ہے، تو اس کی متبادل صورت اور کیا ہونی چاہئے؟

تو اس سلسلے میں بعض حضرات نے بینک سے قرض لے کر وقت پر ادا نہ کرنے والے کے سلسلے میں ایک متبادل تجویز پیش کی ہے، جو یہاں بھی پیش کی جاسکتی ہے، اس تجویز کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

''عقد کے وقت پلاٹ یا فلیٹ لینے والا یہ ذمہ داری قبول کرلے کہ وقت پر عدم ادائیگی کی صورت میں ادارہ کے زیر انتظام چلنے والے ایک خیراتی ادارے میں ایک متعین رقم جمع کرائے گا یعنی اس خیراتی ادارہ میں بطور خیرات کے یہ رقم پیش کرے گا تو اس طرح یہ اضافی رقم لی جاسکتی ہے، اور یہ درحقیقت یمین (قسم) کی ایک صورت ہے جو کسی شخص کی طرف سے خود اپنے اوپر عائد کردہ ایک سزا ہے تاکہ وہ خود کو نادہندگی سے بچا سکے۔

لیکن اس صورت میں یہ یقین دہانی ضروری ہوگی کہ اس رقم کا کوئی بھی حصہ ادارہ کی آمدنی کا جزء نہ بنے، بلکہ اس مقصد کے لئے ادارہ ایک خیراتی فنڈ قائم کرے اور اس مد میں حاصل ہونے والی رقم کو صرف اور صرف شریعت کے مطابق خیراتی مقاصد کے لئے خرچ کرے، اور معاملہ کی ابتداء میں اس ذمہ داری کے لئے حسب ذیل الفاظ کا استعمال کرے:

میں ذمہ داری قبول کرتا ہوں کہ اگر میں نے واجب الاداء رقم کا کوئی بھی حصہ بروقت ادا نہیں کیا تو ادارہ کے زیر انتظام خیراتی اکاؤنٹ میں اتنی رقم جمع کردوں گا۔

اس طرح کی یمین وقرار سے اخلاقی اور دینی ذمہ داری عائد ہوجاتی ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے اور قرآن وحدیث میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس طرح کی یمین کو عدالت کے ذریعہ قابل عمل قرار دینے میں مانع ہو، لہذا جہاں واقعتا ضرورت ہو وہاں اس نقطۂ نظر پر عمل کیا جاسکتا ہے'' (اسلام اور جدید معاشی نظام ۱۰۸/۵)۔

۹- سماجی اور خاندانی پنچایتوں اور کاروباری انجمنوں کا اصلاح کی غرض سے تعزیر مالی کا نظام بنانا جائز ہے، بشرطیکہ یہ نظام کسی غیر شرعی امر کو مستلزم نہ ہو۔

۱۰- موجودہ زمانے میں دل ودماغ کو متأثر کردینے والے اسباب کی فراوانی اور سکون واطمینان کو نذر آتش کردینے والے اسباب کی کثرت نے جہاں معاشرت انسانی کے مختلف گوشوں کو فاسد کردیا ہے وہیں طلاق کے وقوع میں اچھا خاصا اضافہ بھی کردیا ہے، جس کا ہر ذی شعور انسان کو احساس ہے۔

ایسے وقت میں شہر، گاؤں اور اہل محلّہ کے دیدہ ور، دوور اندیش اشخاص اس کی روک تھام کے لئے کچھ مالی جرمانہ کا نظام بنائیں تو واقعی یہ ایک بہت ہی بہتر اور قابل تحسین اقدام ہے، اور اس نظام کے ذریعہ وقوع طلاق پر مکمل کنٹرول تو نہ ہوگا البتہ کمی ضرور ہوجائے گی، لہذا طلاق کی جن صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک متعہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے ان میں تعزیرا متعہ کو واجب قرار دے کر نقود کی ایک متعین مقدار مقرر کردینا، یا طے شدہ مہر کے علاوہ مزید ایک متعین رقم کا اضافہ کردینا، یہ سب جائز ہوں گے، تاکہ بلاضرورت اور زائد از ضرورت واقعہ طلاق پر قابو پایا جاسکے۔

اور جرمانہ کا یہ جواز اس لئے ہے کہ طلاق پر ایسا اقدام کہ جس سے نعمت زوجیت بالکل جاتی رہے شریعت کی نظر میں ایک جرم عظیم ہے، جس کی پاداش میں مذکورہ اضافی رقم بطور تعزیر کے لازم قرار دینا مبنی برحکمت ہے، لہذا التعزیر کا یہ طریقہ جائز ہوگا، جیسا کہ ماقبل میں اس کی تفصیل گذر چکی۔

۱۱- نیز یہ اضافی رقم یا متعہ کا لزوم اگر نکاح نامہ میں بطور شرط بیان کردیا جائے تو اس کی بھی اجازت ہوگی، اسلئے کہ یہ ان شرطوں کے قبیل سے ہے جس میں عورت کے لئے نفع ہے، اور یہ از راہ شرع نہ واجب ہے اور نہ ممنوع، لہذا ایسی شرط جب نکاح نامہ میں لگادی جائے اور مرد اس کو اپنے اختیار سے قبول کرلے تو اس شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں اس پر اضافی رقم لازم ہوجائے گی، جیسا کہ درمختار مع الشامی میں ہے:

''نكحها على ألف إن أقام بها وعلى ألفين إن أخرجها، فإن وفى بماشرطه فى الصورة الأولى، وأقام فلها الألف، وإلا فمهر المثل'' (الدرالمختار ۴/ ۲۶۳ زکریا)۔

اسی طرح حضرت علامہ وھبہ زحیلیؒ حضرات احناف کا مذہب نقل کرتے ہیں:

''إن كان الشرط صحيحايلائم مقتضى العقد ولايتنافى مع أحكام الشرع وجب الوفاء به كاشتراط المرأة أن تسكنها وحدها فى منزل أوتزوجاعلى مهرمسمى وشرط لها شيئا اٰخربأن تزوجها بالف على أن لايخرجها من بلدها أوعلى أن لايتزوج عليها، فإن وفى الشرط فلها المهر المسمى،وإن لم يف بالشرط فلها مهرالمثل! لأنه سمى لها شيئا لهافيه نفع فعندفواته يجب لها مهرالمثل لعدم رضاهابه'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۹/ ۶۵۴۰)۔

☆☆☆

تعلیمی اداروں میں وصول کئے جانے والے مالی جرمانے کی حقیقت

مولانا محمد صابر حسین ندوی☆

☆تعزیر بالمال کا مفہوم کیا ہے؟

شریعت اسلامی میں انسانی اعمال کی اصلاح ودرستی کا اصل مدار خدا کا خوف اور اس کا استحضار ہے،اسی بنا پر قرآن واحادیث میں تقوی وللّٰہیت کی سب سے زیادہ تلقین آئی ہے،ساتھ ہی اخلاقی پابندیوں کا بھی خاص حصار قائم کیا گیا ہے؛ تاکہ انسان ان میں رہ کر خدا کی رضا تلاش کرے،اور زندگی بحکم خدا گزارے؛لیکن چونکہ انسان ملکوتیت اور بہیمیت کا مرکب ہے،اسی لئے اللہ نے اس میں موجود بہیمی طاقت کی بیخ کنی کرنے اور ایک اللہ کی طرف رجوع کرنے کیلئے سزاء حدود وقصاص کا بندوبست کیا ہے، کیونکہ یہ بات مسلم ہے؛ کہ ایک دل میں دومحبت (شیطان اور فرمان الٰہی) جمع نہیں ہوسکتی ،اور اگر ایسا ہوا تو اسے پاک کرنا ضروری ہوجاتا ہے،ان سزاوقیود کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: پہلی قسم وہ ہے جسے حدود سے تعبیر کیا جاتا ہے،جس کے اندر کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے،جیسے زنا کی وجہ سے سوکوڑے لگانا،قتل کی وجہ سے قصاصاً قتل کردیا جانا وغیرہ،اسی میں ایک قسم وہ بھی ہوتی ہے جس کے اندر شریعت نے اس گناہ پر کوئی سزا تو مقرر نہیں کی ہے؛لیکن اس کی جگہ کفارات لازم کیا ہے جیسے: رمضان میں قصداً روزہ توڑ دینا،قسم کھاکر توڑ دینا وغیرہ۔دوسری قسم وہ ہے جس کے اندر حاکم وقت یا قاضی یا اولوالامر کو اختیار ہوتا ہے؛ کہ وہ اپنی صوابدید پر، بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت مبتلی بہ کو سزادے سکے،اس کے متعلق قرآن واحادیث میں کوئی صراحت نہیں ہوتی ہے،یہی وہ قسم ہے جسے ’’تعزیر‘‘ کہتے ہیں۔

تعزیر’عزر‘‘ سے ماخوذ ہے، یا یہ’’تعازیر‘‘ کی واحد ہے،جس کے لغوی معنی روکنے،حفاظت کرنے، ردکرنے،مدد کرنے اور ادب سکھلانے کے آتے ہیں’وهو الرد والمنع،ويقال:وعزر أخاه،بمعني:نصره...وأيضا :أدبته‘‘ ،اس لئے کہ’’عزر‘‘ کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ گنہگار کو اس کے جرائم سے دور کرتی ہے اور اسے صحیح راہ پر لگاتی ہے،فقہ کی اصطلاح میں تعزیر ان جرائم پر دی جانے والی سزاوں کو کہتے ہیں،جس کا تذکرہ قرآن واحادیث میں نہ ہو،اور جو حالات وکیفیات کے اعتبار سے تغیر پذیر ہو،علامہ ماوردی لکھتے ہیں:’’التعزير تأديب على ذنوب لم تشرع فيها الحدود ويختلف حكمه باختلاف حاله وحال فاعله‘‘(الاحکام السلطانیہ للماوردی:ص-۲۲۴)،’’کشاف القناع‘‘میں ہے:’’وهو واجب فی كل معصية لا حد فيها ولا

☆ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، کرناٹک۔

کفارة ....."(۴/۲۷، نیز دیکھئے: حاشیتا قلیوبی وعمیرۃ علی شرح المحلی: ۴/۲۰۵)۔

عصر حاضر میں تعزیر کا ایک مؤثر ذریعہ مال ہے، جسے زمانہ حاضر میں خوب عروج ہے، بلاشبہ دولت کی اہمیت اور اسکے تئیں لوگوں کے حرص وہوس سے انکار نہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ اکثر ممالک میں تعزیر بالمال کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، لیکن مسلم اور اسلامی نقطہ نظر سے تعزیر بالمال قابل غور امر ہے، فقہی کتابوں میں تعزیر بالمال کا گرچہ تذکرہ ملتا ہے؛ لیکن ہمارے زمانے سے اس کی نوعیت بہت مختلف ہے، جیسے تعزیر بالمال کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ: قاضی کسی مجرم کے مال کو زجرا وتوبیخا ایک خاص مدت کیلئے روک لے، اور جب وہ توبہ کرلے تو اسے وہ مال لوٹا دے؛ لیکن اسے بیت المال یا خود کیلئے استعمال نہیں کرسکتا، اس کی وجہ علامہ شامیؒ نے یہ نقل کی ہے کہ؛ کسی کا مال بغیر سبب شرعی کے لینا منع ہے،"لایجوز أخذ مال إنسان بدون سبب شرعی یبرر هذا إلاأخذ" (حاشیہ ابن عابدین ۴/۶۱)، علامہ تمرتاشی الخوارزمی کے مطابق یہ ایسا ہی ہے جیسا؛ کہ کسی باغی کو ایک زمانے تک قید کرنے کے بعد، جب وہ توبہ کرلے تو اس کے اسلحہ وغیرہ لوٹا دئے جاتے ہیں (الفتاوی البزازیۃ: ۲/۷۵۴)۔ اگر کوئی توبہ ہی نہ کرے تو پھر حسب مصلحت اس کے مال میں تصرف کیا جاسکتا ہے، فقہاء کی جماعت کا یہ ماننا ہے کہ؛ زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کے مال کو بیت المال میں جمع کردیا جائے اور اسے مال سے محروم کردیا جائے۔

تعزیر بالمال کی مشروعیت:

حقیقت یہ ہے کہ تعزیر بالمال کے متعلق بہت سی دلیلیں ہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد مذکور ہے:"والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المؤمنین وارصادا لمن حرب الله ورسوله من قبل......"(توبہ:۱۰۷-۱۱۰) اس آیت کے اندر مسجد ضرار کا تذکرہ ہے، جو تفرقہ وانتشار کے تحت بنائی گئی تھی، لہذا اللہ کے رسول ﷺ نے اسے منہدم کردینے کا حکم دیا، جو ظاہر ہے مال کے اتلاف پر مبنی ہے، ایسے میں تعزیر بالمال کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے مانعین زکات کی تہدید کرتے ہوئے فرمایا تھا: اگر کسی نے زکات نہ دی تو میں اس سے اسکا نصف مال لے لوں گا"عن هز بن حکیم عن أبیه عن جده قال سمعت رسول الله صلی الله علیه سلم یقول: فی کل إبل سائمة فی کل إبل أربعین ابنة لبون لاتفرق إبل عن حسابها من أعطاها مؤتجراً فله أجرها، ومن منعها فانا آخذوها وشطر ابله عزمه من عزمات ربنا لایحل لآل محمد منها شئی--رواه احمد والنسائی وابوداؤد وفی روایةقال:وشطر ماله"(دیکھئے: المنتقی من اخبار المصطفی: ۲/۱۲۱)، آپ کے اس فرمان سے بھی تعزیر بالمال کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ نیز حضرت عمر کی ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے مال مغلول (مال غنیمت میں سے خیانۃ لیا ہوا مال) کو پاؤ تو اسے جلادو"إذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقو متاعه واضربواه"(ابوداؤد: ۲/۲۸۳)، اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے ثمر معلق کے متعلق بھی فرمایا؛ کہ اگر کوئی اسے گزند پہونچائے تو اس پر بھی اسی کے مثل واجب ہوگا"سئل رسول الله ﷺ عن الثمر المعلق فقال:من أصاب منه بفیه من ذی حاجة غیر متخذ خبنة، فلا بشئی فعلیه ومن خرج بشئی فعلیه غرامة مثلیه والعقوبة"(نیل الاوطار: ۷/۱۳۴)۔

حضرت عمر بن خطاب کے بارے میں آتا ہے؛ کہ رویشد جن کو شراب پینے کے جرم میں کوڑے لگائے جا چکے تھے، ان کے گھر میں آپ نے شراب پائی تو پورا گھر جلا دیا اور اسے فاسق کہہ کر بلایا"....وجد عمر بن الخطابؓ فی بیت رویشد خمراً وقد کان جلد فی الخمر فحرق بیته ،وقال :مااسمک؟قال:رویشد،قال:بل فویسق"(مصنف عبدالرزاق:۹/۲۲۷)، نیز امام احمد بن حنبل نے ابن عمرؓ سے روایت نقل کی ہے؛ جس کے اندر حضورﷺ نے ان سے لکڑی منگوائی، اور بازار میں موجود شام سے آئے شراب کو انڈیل دیا تھا، اور ان کو حکم دیا تھا کہ وہ ہر دن ایسا ہی کیا کریں (المنتقی من أخبار المصطفی: ۲/۴۱۴)، مذکورہ تمام روایتوں اور آثار سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے؛ کہ تعزیر بالمال کی اجازت ہے اور یہ شارع علیہ السلام سے بھی ثابت ہے۔

عہد خلافت میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن سے محسوس ہوتا ہے؛ کہ تعزیر بالمال پر صحابہ کرام کا اجماع تھا، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے شراب کے گھر میں آگ لگادی تو کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا، اسی طرح حضرت زبیر نے اپنے بیٹے کو ریشم کا کپڑا پہنا دیا تھا تو حضرت عمرؓ نے اسے پھاڑ دیا، تو انہوں نے کہا کہ عمر تم نے بچے کو رلا دیا، اس پر آپؓ نے فرمایا:لا تکسوهم الحریر"۔حضرت عثمانؓ نے بھی جب امت اسلامیہ کو ایک مصحف پر جمع کیا، تو بقیہ تمام مصاحف جلوادئے اس پر بھی کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ان واقعات سے صاف پتہ چلتا ہے تعزیر بالعقبات المالیہ کا جواز ہے(الحسبة فی الاسلام :ص-۳۲،الطرق الحکمیة :ص-۳۰۹)۔

تعزیر بالمال و بأخذ المال کا فرق:

تعزیر بالمال کے متعلق فقہاء کی کتابوں میں دو قسم کے جزئے ملتے ہیں، ایک کو تعزیر بالمال کہا جاتا ہے اور دوسرے کو تعزیر بأخذ المال کہتے ہیں، ان دونوں میں بہت فرق ہے، علامہ ابن نجیم نے تعزیر بأخذ لمال کے متعلق وہی صراحت کی ہے جو عموما بالا سطروں میں اس کی تعریف کے تحت ذکر کیا گیا ہے، ایک جگہ رقمطراز ہیں:"وفی البزازیة:أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شئی من ماله عنه مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأ خذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، إذلا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعی، وفی المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ وأرى أن ياخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى مايرى.."(البحر الرائق:۵/۴۵)یعنی حاکم وقت یا قاضی ایک مدت تک کیلئے مجرم کو مال سے محروم کردے؛ لیکن اس مال کو بیت المال یا خود کے مصرف میں نہ لائے اور جب وہ توبہ کرلے، تو اسے اس کا مال لوٹا دیا جائے۔

اس کے برعکس تعزیر بالمال کے متعلق علامہ ابن تیمیہ نے اسے تین قسموں پر منقسم کیا ہے، ان میں تیسری قسم سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تعزیر بالمال کا مطلب یہ ہے؛ کہ تعزیراً کسی کا مال لے لیا جائے اور اسے ملکیت سے محروم کردیا جائے، حالانکہ اس کے اندر اتلاف کرنا، یا مال کی حیثیت بدل دینا بھی بالعموم شامل ہوجاتا ہے (دیکھئے: مجموع الفتاوی:۲۰/۳۴۸،۲۸/۵۹۶،۲۹/۲۹۴۔ ملاحظہ ہو:الفتاوی المصریة:۱/۳۴۱۔منہاج السنة:۳/۴۳۹)، اسی طرح فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والافتاء(۱/۲۲۵)

میں یہ فتوی دیا گیا ہے؛ کہ مالی تعزیر میں دونوں پہلو ہے، حاکم وقت ضرورت کے حساب سے طے کرسکتا ہے"ویوضع مال التعزیر حیث یری الحکمان شرعا فی بیت المال أو فی وجه من وجوه البر والمعروف"۔یہی رائے زیادہ مناسب اور تعزیر کے مقصود کی تکمیل کیلئے ضروری معلوہوتی ہے۔

تعزیر بالمال کے متعلق فقہاء کی رائیں:

(۱)۔تعزیر بالمال کے متعلق فقہاء کے نقطہائے نظر مختلف ہیں، ان میں سے پہلی جماعت کا ماننا یہ ہے کہ؛تعزیر بالمال خواہ بالاتلاف (مال ہلاک وبرباد کردیا جائے) ہو یا اس پر قبضہ کرلینا ہو؛ جائز ہے۔فقہائے حنفیہ کا مسلک علامہ ابن عابدین شامی کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے؛ کہ تعزیر بالمال کی اجازت ہے، درمختار میں ہے: "ویکون أی التعزیر :بالهجوم علی بیت المفسدین وبالإخراج من الدار وبهدمها وکسر دنان الخمر وإن ملحوها"(الدرالمختار:۴/ ۶۴، بھامش حاشیہ ابن عابدین)، اوراسی کے حاشیہ میں بزازیہ کے حوالہ سے منقول ہے:"ذکر صدر الشهید من أصحبنا أنه یهدم البیت علی من اعتاد الفسق وأنواع الفساد فی داره"(حاشیہ ابن عابدین:۴/ ۶۵)؛لیکن تعزیر بأخذ المال کے سلسلہ میں عموماً احناف عدم جواز کے قائل ہیں، سوائے امام ابویوسف کہ انہوں نے اس کے جواز کی بات کہی ہے:ابن ہمام رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے:"وعن أبی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذالمال عندهما وباقی الأئمة لایجوز ـوما فی الخلاصة سمعت من ثقة أن التعزیر بأخذالمال إن رأی القاضی ذلک أو الوالی یجوز، ومن جملة ذلک رجل لایحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذماله مبنی علی اختیار من قال بذلک من المشایخ کقول ابی یوسف"(شرح فتح القدیر:۵/ ۳۴۵)۔

مالکیہ کے نزدیک بھی تعزیر بالمال خواہ اتلافاہی کیوں نہ ہو جائز ہے، اس سلسلہ میں علامہ ابن فرحون مالکی نے مفصلا بحث کی ہے(دیکھئے:تبصرۃ الحکام:۲/ ۲۶۳ ومابعدھا)، علامہ عدوی کی ایک عبارت بہت صراحت واختصار کے ساتھ یوں ملتی ہے،"ویکون التعزیر بالمال بأخذ أجرة العون من المطلوب الظالم "(دیکھئے: حاشیہ العدوی علی شرح الخرشی لمختصر خلیل:۸/ ۱۱۰)۔

حنابلہ کے نزدیک بھی ظاہری مذہب یہی ہے؛ کہ تعزیر بالمال ہر دو صورت میں جائز ہے، بلکہ تعزیر کیلئے اس طریقہ کو بہت مناسب بتلایا گیا ہے، رہی بات یہ کہ علامہ محمد المقدسی نے اسے ناجائز قرار دیا ہے، تو وہ دراصل وہ قسم ہے جس کے اندر حکماء کا ظلم شامل ہو، کشاف القناع میں یہ صریح عبارت موجود ہے:"والتعزیر بالمال سائغ قولاً واحداً "وقول الموفق" أبی محمد المقدسی لایجوز أخذ ماله منه إلی مایفعله الحکام الظلمة"(ملاحظہ ہو:۶/ ۱۲۵)، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی یہی لکھا ہے:"والتعزیر بالما ل سائغ اتلافا وأخذاً وهو جار علی أصل أحمد-أی موافق لأصل مذهب الامام أحمد ولیس مرویا عنه- لأنه لم یختلف أصحابه أن العقوبات فی الاموال غیر منسوخه کلها وقول الشیخ ابی محمد المقدسی "ولا یجوز أخذ مال المعزر"فاشارة منه إلی مایفعله الولاة الظلمة"(الاختیارات الفقهیة:ص-۷

-۵۱۶، دیکھئے: الحسبۃ فی الاسلام: ص-۱۳۱، الاحکام السلطانیۃ لأبی یعلی: ص-۲۷۸)، ابن قیم سے بھی یہی منقول ہے: "روی عن الإمام أحمد أنه قال: يقتل الخنزير ويفسد الخمر ويكسر الصليب" (الطرق الحکمیۃ: ص-۳۱۵)، علامہ ابن رجب کا بھی یہی مسلک ہے (دیکھئے: القواعد فی الفقہ الاسلامی: ص-۳۱۱، ۳۱۲)۔

(۲)۔علماء کا ایک طبقہ ایسا ہے جو تعزیر بالمال کے عدم جواز کا قائل ہے، یہ شافعیہ کا جدید قول ہے، حالانکہ ان کا قدیم قول جمہور کے مطابق ہی ہے، علامہ ابوالضیاء الشبر املسی نے یہی لکھا ہے: "ولایجوز علی الجدید بأخذ المال" (حاشیۃ نهایۃ المحتاج: ۱۹/۸) علامہ جردانی نے لکھا ہے: "ولایجوز التعزیر بحلق اللحیة ولا بأخذالمال" (فتح العلام بشرح مرشد الأنام: ۹۰۶/۳)، امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی بعض صورتوں پر تفصیلی بحث کی ہے، دراصل ان کا ماننا یہ ہے؛ کوئی بھی چیز بغیر ملیامیٹ کئے بھی درست ہوسکتی ہے، اس لئے مال ضیاع نہیں کرنا چاہئے، البتہ اگر یہ ممکن نہ ہو تو تب جمہور کے مطابق عمل ہوسکتا ہے (بالاختصار: دیکھئے: روض الطالبین: ۱۷/۵، ۱۸، المجموع للنووی: ۳۳۴/۵)۔

تعزیر بالمال-عدم مجوزین کے دلائل:

شوافع اور ان کے موافقین نے عدم جواز کیلئے عموماً ان آیات قرآنیہ اور احادیث کو پیش نظر رکھا ہے، جسکے اندر ایک مسلمان کے مال کو باحرمت قرار دیا گیا ہے اور اسے بغیر حق شرعی؛ لینے سے روکا گیا ہے، قرآن کریم میں ہے: 'لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل ....' (بقرۃ: ۱۸۸)، ایک مقام پر ارشاد ہے: "يا أيها الذين آمنوا لاتأكلوا اموالكم بينكم بالباطل......' (نساء: ۲۹)، یعنی یہ کہ اللہ تبارک تعالی نے کسی کا مال باطل طریقے سے لینے کو حرام قرار دیا، اس کا مطلب یہ ہے؛ کہ تعزیر باًخذ المال بھی اسی قسم میں سے ہے؛ کیونکہ تعزیر کا کرنا حاکم وقاضی پر منحصر ہے، اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا: "فان دمائكم واموالكم واعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا....." (بخاری عن ابن عباس: ۱۶۵۲۔ سبل السلام: ۲۶۴/۲)، اور فرمایا: "لايحل مال امرء مسلم الا عن طيب نفسه" (دارقطنی عن أبی حرۃ: ۲۵۳۱، دیکھئے: المنتقی من أخبار المصطفی: ۱۴۰/۴)۔

تعزیر بالمال-مجوزین کے دلائل:

مجوزین کے دلائل عموماً تعزیر کی ابتدائی بحثوں میں ذکر کئے جا چکے ہیں، اس کے علاوہ اس سلسلہ میں ان تمام آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا بھی تذکرہ کیا جاسکتا ہے، جن سے سزاء وتعزیراً مال سے محروم کردینا لازم آتا ہو، جیسے حضرت ابراہیمؑ کا بتوں کو توڑنا (انبیاء: ۵۸)، حضرت موسیٰؑ کا اس بچھڑے کے بت کو جلوادینا جسے یہودیوں نے رب بنالیا تھا، (طہ: ۹۷)، حضور اکرم ﷺ کا جنگ کی مصلحت کی خاطر درختوں کو کٹوادینا (حشر: ۹۷)، اسی طرح حضور ﷺ کا سلمہ بن اکوع کو "الحمر الأنسية" کو توڑ دینے کا حکم دینا (صحیح مسلم بشرح النووی: ۳۷۱/۱۳)، اور آپ ﷺ کا یہ ارادہ کرنا کہ جماعت کی نماز سے پیچھے رہ کر، گھر میں نماز پڑھنے

والوں کے گھروں کو آگ لگا دیا جائے (فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۲/۱۲۵)، نیز اس سلسلہ میں ایک اور روایت بہت اہم معلوم ہوتی ہے اور بڑی صریح محسوس ہوتی ہے؛ جس سے تعزیر بالمال پر دلیل لی جاسکتی ہے وہ یہ ہے؛ کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک غلام کو اس لئے آزاد کروادیا تھا کہ اسے اس کے آقا نے مارا تھا، چنانچہ تعزیراً اسے چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا "فقال النبیؐ :اذهب فأنت حضر ،فقال يارسول الله:مولى من أنا؟ فقال: مولى لله ولرسوله "(مسند احمد: ۲/۱۸۲)، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ کے جسم مبارک پر جب آپ ﷺ نے غیر شرعی کپڑا دیکھا تو اسے جلا دینے کا حکم دیا، یہ بھی تعزیراً تھا، حالانکہ انہوں نے اسے دھونے کی بات کہی تھی؛ لیکن آپ ﷺ نے اس سے انکار کر دیا (جامع الاصول من احادیث الرسول: ۱۱/۲۸۱)۔

بعض اعتراضات اور جواب:

(۱)۔فقہاء کرام کی ایک بڑی جماعت تعزیر بالمال کو منسوخ مانتی ہے، جو امام ابوجعفر الطحاوی اور اکثر شافعیہ کی طرف منسوب ہے، ابن رشد نے تو اس پر اجماع قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:"وقد نقل عن الغزالي والطحاوي على نسخ العقوبة بالمال"(الفتح الربانی من فتاوی الامام الشوکانی: ۴۰۶۳)، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بھی اس حکم کو ابتدائے اسلام کا حکم سمجھا ہے اور اسے منسوخ مانا ہے،"وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ وأرى أن يأخذها فيمسكها ، فان أيس من توبته يصرفه إلى ما يرى ،وفي شرح الآثار:التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ"(درمختار: ۴/۶۱)، یہی بات علامہ ابن نجیم نے بھی نقل کی ہے، اور حاصل یہ لکھا ہے کہ تعزیر بأخذ المال درست نہیں:"والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذالمال" (البحر الرائق: ۵/۴۴)، حضرت امام ابو یوسف اور ائمہ مجوزین کے قول کی یہ تاویل کرتے ہیں؛ کہ وہ بھی دراصل تعزیر بالمال سے مراد یہ لیتے تھے؛ کہ کسی کے مال کو ایک خاص وقت تک روک لیا جائے، اور پھر رجوع کے بعد اسے لوٹا دیا جائے "أن معنى التعزير بأخذالمال ،امساك شئى من ماله عنه مدة لينزجر ،ثم يعيده الحاكم إليه" (البحر الرائق: ۵/۶۸، دیکھئے: بزازیۃ مع الھندیۃ: ۶/۴۲۷، ردالمحتار: ۶/۱۰۶)۔

مذکورہ اعتراض کی دو وجہیں ہیں:

الف: قرآن کریم میں مطلق مسلموں کے مال سے احتراز کرنے اور کسی بھی باطل طریقے سے کھانے کو حرام قرار دیا ہے:"لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل ...."(بقرۃ: ۱۸۸، نساء: ۲۹ وغیرہ)، یہ آیتیں عموم کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ب: حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ دیا تھا، اس میں بھی مسلمانوں کے مال کی تحریم کا اعلان کیا گیا تھا، اور یہ واضح ہے کہ حجۃ الوداع ہی میں اسلام پائے تکمیل کو پہونچا اور اس سے قبل اگر کوئی حکم اس دن کے برخلاف رہا، تو اسے منسوخ سمجھا جاتا ہے۔

یہ دو وجہیں بے غبار ہیں؛ البتہ بات یہ ہے کہ اس کے بعد بھی عہد صحابہ میں تعزیر بالمال کیا گیا ہے، حضرت عمر کے سلسلہ میں متعدد آثار موجود ہیں؛ بلکہ کئی واقعہ" تبصرۃ الحکام: ۲/۱۲۷"میں نقل کئے گئے ہیں، اور بہت سے فقہاء نے اسی لئے تعزیر بالمال

کوسب سے مناسب سزا قرار دی ہے، (کشاف القناع:۶/ ۵، ۱۲۴)، اور انہی بنیادوں پر علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد عزیز علامہ ابن قیم الجوزیہؒ نے ان لوگوں پر سخت تنقیدیں کی ہیں جنہوں نے اسے منسوخ مانا ہے، ایک جگہ پر لکھتے ہیں کہ منسوخ کے قائلین کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، نیز اس پر اکابرین صحابہ کا عمل اس کے جواز پر دلیل ہے "ومن قال :إن العقوبات المالية منسوخة ، وأطلق ذلک عن أصحاب مالک وأحمد ،فقد غلط علی مذهبهما ،ومن قال مطلقا من أی مذهب کان فقد قال قولا بلا دليل ،ولم يجيئی عن النبی ﷺشئی قط يقتضی أنه حرام جميع عقوبات المالية ؛بل أخذ الخلفاء الراشدين وأكابر أصحابه بذلک بعد موته دليل علی أن ذلک محكم غير منسوخ"(فتاوی ابن تیمیہ ۲۸/ ۱۱۱)۔علامہ ابن قیم نے منسوخ ماننے والوں پر بلا دلیل مذہب کی بنیاد رکھنے کی بات کہی ہے، "المدعون للنسخ ليس معهم كتاب ولاسنة ،ولاإجماع يصح دعواهم، إلا أن يقول أحدهم مذهب أصحابنا عدم جوازها ،فمذهب أصحابه عيار علی القبول والرد"(جامع الفقہ لابن قیم:۶/ ۵۰-۵۴۹)۔مالکیہ اور امام احمد بن حنبل سے بھی یہی منقول ہے؛ بلکہ انہوں نے عقوبات مالیہ کو بدنیہ کے مثل قرار دیا ہے:"ومذهب مالک وأحمد وغيرهما:أن العقوبات بالمال كالبدنية،تقسم إلی مايوافق الشرع والی مايخالفه ،وليست العقوبات المالية منسوخة عندهما ،والمدعون للنسخ ليس معهم حجة بالنسخ لا من كتاب ولا سنة"(الفتح الربانی من فتاوی الامام الشوکانی:۴۰۶۳)۔

(۲)۔دوسرا اعتراض یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تعزیر بالمال کے ذریعہ عموماً عدم مساوات کا سامنا ہوتا ہے، ظاہر ہے؛ بعض مالدار حضرات اپنی دولت کا استعمال کر کے متعینہ سزاؤں سے بچ سکتے ہیں؛ جبکہ غریب وفقراء اس کی استطاعت نہیں رکھتے ،ایسے میں اسلام کا نظام سزا غیر معتدل سمجھا جائے گا!۔

یہ اعتراض بھی گرچہ فطری اور قابل نظر ہے؛ لیکن اس کا حل بھی بآسانی نکالا جاسکتا ہے، خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے موقع پر جب اصحاب بدر کا فدیہ رقم قرار دیا، تو جن کے پاس پیسے نہ تھے ان کی سزا میں تعلیل کی گئی اور ان کیلئے دس مسلم بچوں کو پڑھانا ہی فدیہ قرار دیا گیا تھا (مسند احمد:۲۱/ ۱۸۱-۱۸۲، ۱۷۶۳)، اس کا مطلب یہ ہوا کہ قاضی یا حکم وقت اپنی صوابدید پر اس معاملہ کو حل کرسکتا ہے، چنانچہ علامہ وھبہ زحیلیؒ نے نقل کیا ہے؛ کہ وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہر زمانہ میں مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئی تعزیر کی تعیین کی جاسکتی ہے، علامہ رقمطراز ہیں:"ويعد التعزير قاعدةمرنة صالحة للتطبيق فی كل عصر بما يحق المصلحة أو المقصود من العقوبة"، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ صراحت بھی ملتی ہے ؛ کہ خواہ مالی تعزیر ہی کیوں نہ ہو:"والتعزير يكون إما بالضرب أو بالحبس أو الجلد أو النفی أو التوبيخ أو التعزير بالمالی،ونحو ذلک مما يراه الحاكم رادعا للشخص بحسب اختلاف حالات الناس،حتی القتل سياسة كما قرر فقهاء الحنفية والمالكية"(دیکھئے: الفقہ علی المذاہب الاربعہ:۴/ ۶۳۸)، یہاں پر علامہ نے مالی تعزیر کے متعلق حنفیہ کا مطلق قول نقل کیا ہے جو قابل غور ہے۔

(۳)۔تیسرا اعتراض یہ بھی وارد ہوتا ہے؛ کہ اگر تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا گیا تو حاکم وقت اس نقطہ کو ظلم وستم کا ذریعہ بھی بنا سکتے ہیں، اور من مانی رقم کا اجراء کرتے ہوئے عوام پر بے جا بوجھ ڈالا جا سکتا ہے، جیسا کہ سابق عبارتوں میں بھی یہ بات آچکی ہے۔

=اس کا ایک حل تو یہ نکالا جا سکتا ہے؛ کہ تعزیر بالمال کو جرائم کے اعتبار سے آئینی قانون سازی کر دی جائے۔لیکن اس سلسلہ میں سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں خوف خدا پر منحصر ہوتی ہے، اس کے علاوہ اس مسئلہ پر خاطر خواہ قابو پانا مشکل ہے، ایسے میں آخر الذکر دونوں وجوہات کی وجہ سے یہ خیال ہے کہ تعزیر بالمال پر معترض یہ دونوں شق واقعی قابل غور ہیں، اور یہ ایک ایسی وجہ معلوم ہوتی ہے جس سے اس کے عدم جواز پر فتوی دیا جا سکتا ہے۔

عصر حاضر کے بعض فتاوی:

تعزیر بالمال عموماً اب رائج ہے، ہندوستان اور عالم عرب کے اکثر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں، ان میں بعض عدم جواز کے بھی قائل ہیں، علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی رائے یہ تھی؛ کہ ''تنبیہ کیلئے جرمانہ لینا جائز ہے'' (دیکھئے: مجموعۃ الفتاوی'' مترجم کتاب القضا، استفتاء نمبر: ۲'': ۳/ ۵۳)، لیکن اس مسئلہ میں اس کی وضاحت نہیں ہے کہ تعزیر بأخذ المال ہے یا تعزیر بالمال ہے، نیز امارت شرعیہ پھلواری شریف کا بھی جواز پر فتوی ہے، (دیکھئے: فتاوی امارت سریعہ: ۱/ ۲۵۷، ۲۹۰)۔اسی طرح مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مجیب اللہ ندوی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی بھی تعزیر مالی کو صحیح مانتے ہیں، اور اس کی وجہ نقل کرتے ہوئے آپ رقمطراز ہیں: ''اس وقت اسلام کے قانونی حدود وتعزیرات کے فقدان کی وجہ سے بہت سے مسائل، جو سماجی طور حل کئے جاے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کر رہی ہیں، ان کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملا اس زمانے میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے، اور ریلوے، ٹریفک، بس وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے، اس لئے راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت ہونی چاہئے'' (قاموس الفقہ: ۲/ ۴۷۹'' تعزیر''، دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۳/ ۲۴۹، ۲۴۴، اسلام کا معاشرتی نظام...، نیز: اسلامی فقہ: ۳/ ۲۸۱، اعلاء السنن: ۱۱/ ۶۸۸)۔

اس کے برعکس حضرت تھانوی فرماتے ہیں؛ کہ تعزیر بالمال کے قائلین کے پاس نہ تو اس کے شرائط کی خبر ہے، نہ ان کی رعایت کی، تو اختلافی جواز بھی متحقق نہیں ہوا (اصلاح انقلاب امت: ۲/ ۲۲۲)، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: '' تعزیر بالمال امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ناجائز ہے'' (کفایت المفتی: ۲/ ۱۴۵)، حضرت مولانا مفتی محمود حسنؒ رقمطراز ہیں: '' مالی جرمانہ شرعا ناجائز ہے'' (فتاوی محمودیہ: ۵/ ۲۱۱) نیز دار الافتاء دیوبند ڈاٹ کام پر بھی عدم جواز کا فتوی ہے۔

قول راجح:

حقیقت یہ ہے کہ عصر حاضر میں تعزیر بالمال کے سلسلہ میں مذکورہ بالا مفصل بحثوں سے قطعی فیصلہ کرنا قدرے دشوار معلوم ہوتا ہے؛ البتہ ان سب بحثوں کے درمیان صاحب خلاصۃ الفتاوی کا ایک قول بہت مناسب ہے، ان کا ماننا ہے کہ اگر قاضی یا والی

مناسب سمجھے تو تعزیرا مال لینا جائز ہے"التعزیر بأخذ المال، أن یری القاضی أو الوالی جاز"(الفتاوی التاتار خانیۃ ۵/ ۱۴۰)، علامہ علی بن خلیل طرابلسی نے بھی امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح دی ہے، اور مالی جرمانہ کے جائز ہونے کی بات کہی ہے "یجوز التعزیر بأخذ المال ،وھو مذھب ابی یوسف ،وبہ قال:ملک،ومن قال: إن العقوبة المالیةمنسوخة ،فقط غلط علی مذاھب الائمة نقلاً واستدلالا ،ولیس بسھل دعوی نسخھا"(معین الحکام:۹۵)۔

واقعہ یہ کہ تعزیر بالمال کے تعلق سے اگرچہ کہ گنجائش ہے اور اسکا عموم بھی ہو چلا ہے، جیسا کہ ٹریفک، وغیرہ کا سسٹم ہو یا کوئی دوسرا شعبہ وغیرہ؛ لیکن محل نظر بات یہ ہے کہ کیا مالی جرمانہ میں ظلم وجور سے بچتے ہوئے عدل واعتدال سے کام لیا جاتا ہے؟ اکثر مشاہدہ ہے کہ اس سلسلہ میں غیر مساویانہ برتاو اپنایا جاتا ہے، اور دوہرے سلوک کی وجہ سے بہت سے مفاسد بھی آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں، ایسے میں راقم الحروف کا خیال ہے کہ:

الف: کوشش ہونی چاہئے کہ مالی جرمانہ کے بغیر کام چل سکے اور حتی المقدور اس سے پرہیز کیا جائے۔

ب: اگر احتراز ممکن نہ ہو تو تعزیرا مال قبضہ میں لے لیا جائے؛ لیکن توبہ کے بعد اسے لوٹا دیا جائے۔

ج: یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اس لئے اگر کوئی "تصرف الإمام علی الرعیة منوط بالمصلحة "(القواعد الفقھیۃ وتطبیقاتھا فی المذاھب الأربعۃ: قاعدۃ-۸۲) کے تحت مالی جرمانہ عائد کردے تو اس کا نفاذ ہوجائے گا۔

☆ایسے حالات میں جب کہ جرائم ومعاصی سے روکنے کیلئے وعظ اور زبانی فہمائش کافی نہ ہو اور جسمانی سزا کا بھی کوئی موقع نہ ہو؛ تو کیا ضرورۃ جواز وگنجائش کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے؟ اس بنیاد پر کہ یہ مذہب کا قول ضعیف ہے، اور دوسرے مذاہب میں بھی کچھ نہ کچھ جواز وگنجائش کی بات آتی ہے، اور ضرورت کے مواقع میں مذہب کے قول ضعیف اور مذہب غیر پر فتوی دینے اور عمل کرنے کے جائز ہونے پر اتفاق ہے۔

=عصر حاضر میں مسلمانوں کی اکثریت ایسی ہے جو اقلیتی حیثیت سے زندگی گزار رہی ہے، اب ایسے میں مسائل کے اندر تنوع اور اختلاف کا پایا جانا عام بات ہے، انہی مسائل میں سے تعزیر کا بھی مسئلہ ہے، عموما یہ حق حاکم وقت یا اس کی جانب سے متعین قاضی ووالی کو ہوتا ہے، لیکن اب نہ تو اسلامی حکومت اور نا ہی قاضی وقضاۃ وغیرہ؛ ایسے میں اسلام کے اصلاحی ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ "تعزیر" پر بڑی زد پڑتی ہے، فہم وفہمائش کے علاوہ جسمانی تعزیر کی کوئی گنجائش نہیں ہے: حالانکہ ہمیشہ افہام وتفہیم کارگر نہیں ہوتا، اسی لئے آج مالی جرمانے کا عمومی رواج ہوگیا ہے، مال جو اپنے آپ میں میلان کی حیثیت رکھتا ہے، اور ہر کوئی اس کی طرف راغب؛ بلکہ اکثر اس کی طرف حرص رکھتے ہیں؛ ایسے میں تعزیرا اگر مال لیا جائے تو ذہنی اور بہت حد تک جسمانی اثر بھی پڑتا ہے، مگر اس سلسلہ میں عمومی فقہاء کا عدم جواز اور " لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل "(سورۂ بقرہ:۱۸۸) جیسی دلیلیں ہیں جو رکاوٹ بنتی ہیں، امام ابو یوسف اور مالکیہ کے قول کو ضعیف کہا جاتا ہے، بلکہ اس کی تاویل بھی اسطرح کی جاتی ہے؛ کہ ان مذاہب کا مقصد بھی مال لے کر

،تادیب کے بعد واپس کردینے کا تھا،حالانکہ اگر اس پر بھی فتوی دیا جائے تو ہمارے زمانہ میں اس تعزیر کا کوئی خاص فائدہ ہونا دشوار ہے، نیز اغنیاء وفقراء کے درمیان عدم مساوات کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کو شتر بے مہار کرنے کے مترادف ہے۔

تاہم علی قدر الا ستطاعۃ غور وفکر کے بعد یہ بات عیاں ہوتی ہے؛ کہ اگر مالی جرمانہ سے وہی مصلحت حاصل ہوں، جو تعزیر سے ہوتے ہیں اور اس میں کسی قسم کا دوہرا رویہ اختیار نہ کیا جائے ، نیز اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ ہو تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، اس کی چند وجوہات ہیں:

الف: فقہ حنفی میں امام ابو یوسف کا قول جواز گزر چکا ہے، حالانکہ ان کے قول کو ضعیف کہا جا تا ہے؛ لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپؒ کے قول کو ضعف سے تعبیر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے؛ کہ آپ اس مسئلہ میں عموی فقہاء احناف سے الگ رجحان رکھتے ہیں؛ اگر صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو آپ کا قول بہت معتبر معلوم ہوتا ہے، اس کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ آپ خود قاضی القضاۃ تھے، حالات وکوائف پر بھی گہری نظر تھی اور ضرورت انسانی سے بخوبی واقف تھے، ایسے میں ظاہر ہے کہ آپ نے یہ موقف بہت ہی غور وفکر کے بعد ہی اختیار کیا ہوگا۔

ب: مالکیہ کا قول جواز اور علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی عدم جواز کے قائلین پر حجت سے بھی یہ خیال آتا ہے؛ کہ اس مسئلہ میں گنجائش ہوسکتی ہے؛ البتہ اس پر عدول (یعنی اپنے مسلک سے دوسرے مسلک کی طرف ضرورۃ جانا) کی بات آتی ہے، جو صرف ضرورۃ ہی جائز ہوتا ہے، (دیکھئے: عمدۃ التحقیق فی التقلید والتلفیق: ۱۸۷، ط: ۱۹۸۱)۔

ج: اگر فقہی اختلاف ہو اور مفتی بہ قول کے علاوہ کا رواج عام ہوجائے، جس کے اندر سہولت وآسانی ہو تو مزاج شریعت " یریداللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" (بقرۃ: ۱۸۵) کے تحت بھی تعزیر بالمالی کا جواز ہوسکتا ہے۔

ایسے میں کہا جاسکتا ہے کہ اگر واقعی ضرورۃ مالی تعزیر کی جارہی ہو، تو اس کے جائز ہونے کی گنجائش ہے۔

تعلیمی اداروں میں مالی جرمانہ:

=طلباء کے مالی تعزیر کا رواج بہت عام ہے، مدارس ہوں یا عصری ادارے عموما اس پر عمل درآمد ہے، اکثر اس کے بہتر نتائج بھی دیکھنے کو ملتے ہیں؛ لیکن اس صورت میں کئی مفسدات ہیں جو اس کے جواز میں خلل انداز ہوتے ہیں:

الف: عموما طلبہ کے ساتھ جانبدارانہ رویہ اختیار کیا جاتا ہے، مالی جرمانہ کے نام پر بے دریغ رقم کی دائیگی پر مجبور کرنا اور پھر اس رقم کا ناجائز فائدہ اٹھانا بھی پایا جاتا ہے، جو اسلامی رو سے جائز نہیں ہے۔

ب: اکثر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جو مالدار طلبہ ہوتے ہیں، وہ اس گرفت سے بہت جلد آزاد ہوجاتے ہیں، اور ان کیلئے یہ رقم بازیچہ اطفال ہوتی ہے؛ بلکہ بسا اوقات اسی کو ذریعہ بنا کر مزید لاقانونیت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، رہی بات غریب بچوں کی تو وہ چکی کے دو پاٹ میں پس کر رہ جاتے ہیں، ایسا بھی دیکھا گیا ہے؛ کہ انہوں اپنی تعلیم سے دست برداری کو ہی اختیار کرلیا کیونکہ مالی جرمانہ ناقابل برداشت تھا۔

ج: مال کی بنیاد پر اداروں کے ضوابط بننے اور بگڑنے لگتے ہیں، امیر نالائق طلبہ اسے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور مزید اس سے غیر اخلاقی امور انجام دے کر ادارے اور خود کے مستقبل کیلئے وبال جان بن جاتے ہیں۔

مذکورہ مفسدات میں استقصا نہیں ہے؛ بلکہ ایسے اور بھی بہت سے مفاسد اس سے جڑے ہوئے ہیں، شاید جمہور فقہاء کا مالی تعزیر کے متعلق عدم جواز کے ساتھ از ہر ہند، ام المدارس دارالعلوم دیوبند نے مذکورہ وجوہات ہی کی بنا پر اس کے ناجائز ہونے کا فتوی دیا ہے، چند فتاوی ملاحظہ ہو!:

''احناف کے نزدیک تعزیر بالمال، یعنی مالی جرمانہ کسی پر لگانا یا کسی سے لینا جائز نہیں، خواہ وہ دینی علوم کا طالب علم ہو یا عصری علوم کا طالب علم ہو، اگر کسی نے ایسا جرمانہ وصول کیا ہے تو اسے واپس کرنا ضروری ہے: وفی شرح الآثار: التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ ،والحاصله المذهب عدم التعزیر بالمال"(شامی: ۳ ؍۱۷۹)، ایک اور فتوی میں ہے کہ ''تاخیر سے آنے یا غیر حاضری کرنے کی وجہ سے طلبہ سے تنبیہ کے طور پر مالی جرمانہ وصول کرنا شرعا جائز نہیں ہے؛ بلکہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، مثلاً یہ ضابطہ بنا دیا جائے کہ مقررہ تنبیہات کے باوجود اگر طالب علم غیر حاضری کرے، یا چھٹی پر تاخیر سے آئے تو اس کا نام ادارہ سے خارج کر دیا جائے گا، پھر اگر وہ طالب علم دوبارہ داخلہ چاہتا ہے تو اس کو داخلہ کے طور پر کچھ رقم ادا کرنی ہوگی، یہ صورت شرعا جائز ہے۔ واللہ تعالی اعلم، دارالافتاء، دیوبند''، ایک اور فتوی میں یہاں تک ہے کہ ایسے جرمانہ کو وصول کرنا بھی درست نہیں ہے، یعنی اس مال کو وصول کرنے والے کیلئے بھی قابل غور مسئلہ ہے، لکھتے ہیں''طلبہ پر مالی جرمانہ عائد کرنا حنفیہ کے یہاں مختار مذہب کے مطابق ناجائز ہے، شامی وغیرہ کتب فتاوی میں عدم جواز لکھا ہے''، ایک اور فتوی کی دفعہ نمبر سات میں ہے کہ''غیر حاضری کرنے والے بچوں سے مالی جرمانہ وصول کرنا شرعا ناجائز ہے، اگر وصول کر لیا گیا تو اس کو واپس لوٹانا ضروری ہے''(دیکھئے: www.darulifta-deoband.com)۔ اسی طرح دارالافتاء بنوری سے بھی پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں یہی فتوی دیا گیا ہے،''...طلباء سے لی گئی رقم مالی جرمانہ کے زمرے میں آتی ہے، شرعا مالی جرمانہ لینا جائز نہیں، جو رقم اب تک لی گئی ہے وہ واپس کی جائے''(www.banuri.edu,pk، فتوی نمبر: ۱۴۳۷۰۳۲۰۰۰۲۲)۔

مفسدات کا خیال کرتے ہوئے زیادہ مناسب تو یہی لگتا ہے کہ مالی جرمانہ مناسب نہ ہو؛ تاہم اگر مفسدات نہ ہوں اور اسکے نتائج بہتر ہوں تو مالی تعزیر کی گنجائش ہے؛ لیکن راقم کا خیال ہے کہ اگر ایسا کیا ہی جائے تو زیادہ مناسب یہ ہے، کہ جدید داخلہ کے طور مالی جرمانہ وصول کیا جائے۔

تعلیمی اداروں کے علاوہ میں نظم وضبط کو درست رکھنے کیلئے مالی جرمانہ:

=عصر حاضر میں مختلف شعبوں کے افراد پر مشتمل سوسائٹیاں بنانے اور مشترک رہائشی نظام کو بڑھاوا دینے کا عام رواج ہے، اس نظام نے جہاں ایک طرف اخوت و بھائی چارگی اور محبت کی ایک نئی مثال قائم کی ہے، تو وہیں اس نے نئے نئے مسائل بھی پیدا کئے ہیں، باہمی نظم کو بنائے رکھنا، ضوابط واصول کا خیال رکھنا اور ایک دوسرے کے حقوق کو تحفظ برتنا قدرے مشکل بھی ہو گیا ہے

،اسی لئے اس کیلئے متعدد قوانین اور مالی تعزیر وغیرہ کا بھی رواج پایا جاتا ہے،اس طرح کے مشترک رہائشی نظام میں عموماً رہنے والے افراد میں قدر ومنزلت خواہ دولت وحیثیت کے اعتبار سے ہی کیوں نہ ہو؛ کم ہی پایا جاتا ہے،علامہ وھبہ زحیلی نے تعزیراً کمیٹیوں وغیرہ کیلئے تعزیر بالمال کی اجازت دی ہے،اور اس کے جواز پر مصلحت کو پیش قدم رکھا ہے:"ومما تقتضيه المصلحة أيضا سن لأنظمة الزاجرة بأنواعها ،ومنها التعزير المالي،"(الفقہ الاسلامی وادلتہ:۷/۱۸۰)۔ایسے میں وہاں مالی تعزیر میں مضائقہ محسوس نہیں ہوتا،البتہ چند باتوں کا خیال ضروری ہے:

الف:پیش آمدہ مسئلہ کا حل مالی جرمانہ کے علاوہ نہ ہو،نیز مالی جرمانہ عائد کرنے میں تمام اراکین کا اتفاق ہو۔

ب:اولاً کوشش ہو کہ مال روک کر تعزیر کی شق نکالی جائے،اگر اس سے مصالح بروئے کار نہ آئیں تو کلیہ ضبط مال پر عمل کیا جائے۔

ج:مالی تعزیر میں پائی جانے والی رقم کو سوسائٹی کی مصالح میں ہی خرچ کیا جائے،اسے ذاتی طور پر استعمال نہ کیا جائے؛ کیونکہ اس سے مالی جرمانہ بزور اور بتکلف نافذ کرنے کا دروازہ کھلے گا۔

د:ہونا یہ چاہئے کہ قوانین وضوابط پر اخلاقی تنبیہات کے مدارج رکھے جائیں،اور گاہے گاہے اسکی تلقین کیلئے مشاورتی نشستیں بھی ہوں۔

ھ:اس کا خیال بھی ضروری ہے؛ کہ قوانین وضوابط میں حتی المقدور رواداری اور اصلاح مدنظر ہو،اس کے ذریعہ استحصال مقصود نہ ہو۔

برادریوں اور خاندانی پنچایتوں اصلاح کی غرض سے مالی جرمانہ:

=مالی تعزیر کا مقصود اصلاح ہے،چونکہ مالی جرمانہ نفسیاتی طور پر بھی خاصا مؤثر ہے،یہی وجہ ہے کہ آج کل اس کو ترجیح دی جاتی ہے،شاید اسی لئے فقہاء نے تعزیر کی تعریف میں یہ گنجائش رکھی تھی؛ کہ اسے زمانے کے حساب اور علاقہ کے مطابق والی یا قاضی خود طے کرلیں،چنانچہ برادریوں کا یا پنچایتوں کا مالی جرمانہ عائد کرنا بھی گزشتہ بحثوں اور شرطوں کے مطابق درست معلوم ہوتا ہے،لیکن اس سلسلہ میں ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے؛ کہ تعزیر کرنا والی،قاضی یا حاکم وقت کا کام ہوتا ہے،ایسے میں یہ حق کسی اور کو کیسے ہو؟ اسی لئے''فتاوی اللجنۃ الدائمۃ'' سے جب یہ سوال پوچھا گیا کہ؛ کچھ قبائل کے لوگوں نے آپس میں اتفاق کرلیا ہے؛ کہ جو فلاں فلاں کام کرے گا اس پر اتنا جرمانہ ہوگا تو اس کا کیا حکم ہے؟ کمیٹی نے جواب دیا ہے کہ:''ایسا کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ مالی تعزیری سزا ہے اور یہ ایسے افراد کی طرف سے لگائی گئی ہے،جنہیں شرعی طور پر مالی سزا دینے کا حق نہیں ہے، بلکہ مالی سزا دینا قاضی کا کام ہے،اس لئے مجوزہ جرمانوں کو فی الفور ترک کرنا واجب ہے''(فتاوی اللجنۃ الدائمۃ:۱۹/۲۵۲)۔

''فتاوی اللجنۃ الدائمۃ'' کا اشکال گرچہ واجب معلوم ہوتا ہے؛لیکن یہاں دو باتوں کی وضاحت سے اس کا حل نکالا جاسکتا ہے:

الف: یہ خیال رہے کہ تعزیر کرنے کی اجازت نہ صرف قاضی کو ہے بلکہ والی کو بھی ہے،"وما فی الخلاصة سمعت من ثقة أن التعزير بأخذالمال إن رأى القاضي ذلک أو الوالي يجوز .."(شرح فتح القدیر:۵/۳۳۵)۔یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ والی یا ولی سے کون مراد ہے؟

ولی کے لغوی معنی مدد ونصرت اور قرب وسیادت وغیرہ کے آتے ہیں،فقہی اصطلاح میں اس کی متعدد تعریفیں کی گئیں ہیں،جن کا حاصل یہ ہے؛ کہ کسی کا اسی حالت وکیفیت میں ہونا جس سے اپنے ماتحت کے نفس ومال کی شرعی دائرے میں رہتے ہوئے حفاظت کرے،اوراس کیلئے مناسب قواعد وضوابط جاری کرے(حسن الشاذ علی-الولایۃ علی النفس:ص-۵،دیکھئے:الولایات الخاصہ فی الفقہ :ص-۲۲،۲۳)۔

ب: مذکورہ صورت میں برادریوں اور پنچایتوں کو والی کی حیثیت دی جاسکتی ہے،اورقرآن کریم میں مذکور"وأولي الامر منكم"(سورۂ نساء:۵۹) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

ج: تعزیر کے لفظ اوراسکے لغوی معنی ہی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے؛ کہ اس کی مشروعیت ادب سکھلانے کیلئے ہے،اگر یہ مقصود مالی جرمانہ عائد کرنے سے ہوتا ہے تو اس کی گنجائش ہونی چاہئے؛البتہ اس سے متعلق مفسدات گردرپیش ہوں تو مسئلہ زیرغور ہے۔

ان دونوں صورتوں کی وضاحت کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو مالی جرمانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے،لیکن اس سلسلہ میں زیادہ مناسب یہ ہے کہ:

الف: اولا اخلاق کی تبلیغ،افہام وتفہیم اور مالی جرمانہ کے علاوہ کی صورتوں کو اہمیت دی جائے،کیونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے،اورزیادہ ترشواہد عدم جواز کے ہیں۔

ب: اگر مالی جرمانہ لیناہی ہوتو اسے اس طرح طے کریں؛ کہ جرم کے سرزد ہونے پر چندلوگوں کی کفالت کرنے کا مکلّف بنادیا جائے۔

ج: بہتر یہ ہے کہ پہلے ہی سے یہ طے ہوکہ اگر کسی نے پنچایت یا برادری وغیرہ کے قوانین کی خلاف ورزی کی تو سزاء اس کا بائیکاٹ کردیا جائے گا،تو دوبارہ شمولیت کیلئے متعینہ رقم کی ادائیگی ضروری ہوگی،اس طرح یہ بالواسطہ یہ مالی جرمانہ نہ کہلائے گا،اور اصل سزا بائیکاٹ کی ہوگی،مختلف فیہ مسئلہ میں اس طرح کی احتیاط بہت ہی مناسب ہے۔

☆ طلاق کے بارے میں جوافراط وتفریط پائی جاتی ہے،اورجس سے بڑی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں،ان کو قابو میں کرنے کیلئے ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ طلاق کی جن صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک متعہ واجب نہیں ہے؛ بلکہ صرف مستحب ہے، ایسی صورتوں میں متعہ کو واجب قرار دیا جائے اور بصورت نقد اس کی ایک معقول حد مقرر کی جائے،یا یہ طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کیا جائے۔

=آج ہمارے معاشرے میں طلاق کی قباحت نے بہت ہی زور وشور سے پیر پسار لیا ہے، جو غیر قوموں کی پہچان ہوتی تھی وہ اب مسلم سوسائٹی کا بھی حصہ ہوگئی ہے، افسوس کی بات ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی منظم تحریک اور با قاعدہ کوئی ایسا قاعدہ روبعمل نہیں ہے؛ کہ اس حلال اقبح سے نجات ملے، شاید اس کی بہت بڑی وجہ مسلمانوں کا اقلیت میں ہونا اور حکمرانی سے دوری ہے، حالانکہ اس سے بھی انکار نہیں کہ اب اس معاملہ کی سنگینی کی خاطر بہت سے قدم اٹھائے جا رہے ہیں، اور مسلم طبقہ اپنے دائرے میں ہی بقدر استطاعت کام کر رہی ہے، اسی میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ متعہ کو واجب قرار دے دیا جائے، یا مہر میں اضافہ کی بات طے کی جائے؟ اس تجویز پر دو پہلوؤں سے غور کرنے کی ضرورت ہے، اولاً: یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کیا متعہ کو لازم کیا جا سکتا ہے، جبکہ فقہائے احناف نے اس کی کئی قسمیں کی ہیں اور اسے مستحب قرار دیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ؛ طلاق دینے میں کسی بھی مسلم کو آزاد رکھا گیا ہے، اگر کوئی ظلماً طلاق دے تب بھی واقع ہوجاتی ہے، ایسے میں اسے تعزیر کے طور پر مقید کر دینا اور سزاء ایسا کرنا کیا درست ہوگا؟ ذیل میں دونوں پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے، اس سے نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

الف: "متعة" (میم کے پیش اور میم کے زیر کے ساتھ)، "مَتاع" سے مشتق ہے، لغۃ کسی بھی چیز سے انتفاع کیلئے استعمال ہوتا ہے "المتاع :كل ماتمتعت به كذا في الصحاح ..." (دیکھئے: تاج العروس: "المتاع")۔ اصطلاح میں متعہ (نکاح وطلاق کے باب میں): اس مال کو کہتے ہیں جو شوہر پر بعض شرطوں کے ساتھ اس وقت لازم آتا ہے جب وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے، "مال يجب على الزوج دفعه لامرأته المفارقة في الحياة بطلاق ومافي معناه مشروط..." (مغنی المحتاج شرح منہاج الطالبین: ۲۴۱/۳)، دراصل شادی کے بعد عورت کو طلاق دیدینا ایک وحشت کا باعث ہوتا ہے، خواہ وہ طلاق جماع کے بعد ہو یا جماع سے قبل ہو، قرآن کریم نے اسی وحشت اور بے یارگی کو دور کرنے کیلئے متعہ کو لازم قرار دیا ہے، اللہ رب العزت کا فرمان ہے: "لاجناح عليكم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن أو تفرضوهن فريضة ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا على المسلمين" (بقرۃ: ۲۳۶)۔

اسی لئے حنفیہ وشافعیہ اور حنابلہ کا ماننا ہے؛ کہ اگر عورت کا مہر متعین نہ ہو اور دخول سے قبل طلاق دیدی جائے تو متعہ واجب ہوتا ہے، علامہ بہوتی نے "حقا على المحسنين" اور امر "ومتعوهن" سے یہ استدلال کیا ہے؛ کہ اسے واجب ہونا چاہئے، علامہ شربینی الخطیب: کا ماننا ہے کہ اگر مہر متعین ہو تو متعہ واجب نہیں ہے؛ بلکہ نصف مہر کی ادائیگی کافی ہے؛ کیونکہ یہی اس کی وحشت دور کرسکتا ہے "ولأن المفوضة لم يحصل لها شئى فتجب لها متعة للإيحاش أما اذا فرض لها في التفويض شئى فلا متعة لها؛ لأنه لم يستوف منفعة بضعها، فيكفى شطر مهرها لما لحقها من الاستيحاش والابتذال" (مغنی المحتاج شرح منہاج الطالبین: ۲۴۱/۳)، حنفیہ نے متعہ کے وجوب کیلئے دو اور حالتوں کا اضافہ کیا ہے:

۱- اگر مطلقہ مدخول بہا ہے، تو متعہ مستحب ہوگا؛ خواہ مہر متعین ہو یا نہ ہو۔

۲- اگر مطلقہ کو دخول سے قبل طلاق دیدی جائے، اور اسکا مہر متعین ہو تو متعہ غیر مستحب ہوگا۔ نیز اگر طلاق کسی عیب کی بنا پر

ہے تو متعہ نہ مستحب ہے اور نہ واجب ہے۔(ردالمحتار علی الدر المختار:۲/۳۳۵،الھدایۃ مع شروحھا:۲/۴۴۸)۔

شوافع کے نزدیک مطلقہ خواہ مدخول بہا ہو یا طلاق کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کردیا گیا ہو اور اس نے طلاق دے دی ہو ؛بہر صورت قول جدید کے مطابق متعہ واجب ہے، کیونکہ فرمان الٰہی میں عموم ہے،"وللمطلقات متاع بالمعروف" (بقرۃ:۲۴۱)،جبکہ قدیم قول کے مطابق مہر کے علاوہ متعہ واجب نہیں ہوتا۔(دیکھئے:مغنی المحتاج:۳/۲۴۱-۲۴۲)،حنابلہ کے نزدیک متعہ ہر اس عورت کے حق میں مستحب ہوتا ہے،جس کا مہر متعین ہو یا نہ ہو؛ کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:"وللمطلقات متاع بالمعروف،بقرۃ:۲۴۱"(کشاف القناع:۵/۱۵۷-۱۵۸)۔

اس مسئلہ میں مالکیہ کے نزدیک بہت زیادہ وسعت معلوم ہوتی ہے،اور انہوں نے"حقا علی المحسنین"اور"حقا علی المتقین" کا اعتبار کرتے ہوئے کہا ہے: کہ طلاق خواہ بائنہ ہو،خلعہ ہو، یا کسی عیب کی بنا پر یا خود مفوضۃ طلاق اپنے اوپر جاری کرلی ہو؛ بہر صورت متعہ مستحب ہوتا ہے"وقال مالک واصحابہ:المتعة مندوبة إليها فى كل مطلقة، وإن دخل بها إلا فى اللتى لم يدخل بها، وقد فرض لها بحسبها مافرض لها ولا متعة لها ...."(الجامع لأحکام القرآن:۳/۲۰۰، دیکھئے:جواھر الاکلیل:۱/۳۶۵)۔

متعہ کی مقدار کیا ہے؟

متعہ کی تعیین ایک اجتہادی مسئلہ ہے، کیونکہ اس کی تحدید نص کے ذریعہ نہیں کی گئی ہے،نص کی خموشی کی وجہ سے فقہاء نے عرف کے اعتبار سے اور بالخصوص فرمان الٰہی "ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره متاعا بالمعروف" (بقرۃ:۲۳۶) کو دلیل بناتے ہوئے متعین کیا ہے، چنانچہ حنفیہ کا مفتی بہ قول اور شافعیہ کے قول کے اعتبار سے یہ ہے کہ جو فیصلہ قاضی زوجین کی حالت دیکھ کر کردے، وہی متعہ قرار پائے گا، جیسا کہ نفقہ وغیرہ کے اندر ہوتا ہے، البتہ اتنا کہا جاتا ہے کہ کم سے کم متعہ ایک "درع"، یعنی ایسا کپڑا جسے عورت قمیص کے اوپر پہنتی ہے،"خمار"، یعنی اوڑھنی اور "ملحفۃ" (وہ کپڑا جس سے عورت اپنے سر سے لے کر قدموں تک کو چھپاتی ہے) ہونا چاہئے"درع(ماتلبسه المرأة فوق القميص)،وخمار(ماتغطى به المرأة رأسها)وملحفة (ماتلتحف به المرأة من رأسها الى قدمها)"(الفقہ الاسلامی وادلتہ:۹/۳۰۳)،اور نصف مہر سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے،اور یہ بھی خیال رہے؛ کہ متعہ پانچ درھم سے کم نہ ہو،اس سلسلہ میں امام کرخی نے زوجہ کی حالت کا اعتبار کیا ہے، جسے امام قدوری نے قبول کیا ہے، جب کہ امام سرخسی نے شوہر کا اعتبار کیا ہے جسے صاحب ہدایہ نے صحیح قرار دیا ہے۔(ردالمحتار علی الدر المختار:۲/۳۳۶)۔

شافعیہ کے نزدیک فریقین کی کیفیت کا اعتبار کرتے ہوئے فیصلہ کیا جائے گا؛ لیکن کم سے کم اتنی مقدار ہونی چاہئے، جو مہر بن سکے۔علامہ بلقینی وغیرہ کا ماننا ہے؛ کہ مہر مثل سے زائد نہیں ہونا چاہئے:"لاتزيد وجوبا على مهر المثل" جب کہ صحیح بات تو یہ نقل کی گئی ہے، کہ اگر فریقین اتفاق کرلیں تو مہر مثل سے بھی زائد ہوسکتا ہے؛"أما إذا اتفق عليها الزوجان فلا يشترط ذلك "

(نهایۃ المحتاج:۶/۳۵۹)۔

مالکیہ وحنابلہ کے مطابق نفقہ میں زوجین کی حالت کا اعتبار ہوتا ہے، جب کہ مذکورہ آیت کی وجہ سے متعہ میں صرف شوہر کی وسعت وتنگی کا اعتبار ہوگا،"والمتعة علی قدر حاله "(جواھر الاکلیل شرح مختصر خلیل:۱/۳۶۵)،حنابلہ کے نزدیک وسعت ہوتو سب سے اعلی متعہ خادم کا دینا ہے جبکہ تنگی کی صورت میں اتنا کپڑا دینا کافی ہے؛کہ جس سے نماز ہوجائے۔(دیکھئے:حاشیۃ الدسوقی:۲/۴۲۵،کشاف القناع:۵/۱۵۸)۔

ب: کیا طلاق پر تعزیر جاسکتی ہے؟

زوجین کے درمیان باہمی رفاقت ومحبت اصل ہے،اللہ نے انہیں ایک دوسرے کیلئے سکون ورحمت بنایا ہے،تاہم انسانی فطرت میں"نزاع" کا مادہ ہے،ایسے میں باہم شناسائی نہ ہوپائے اور زندگی اجیرن ہونے لگے نیز اولیاء کا صلح وصلاح کی کوشش بھی کام نہ آئے تو طلاق کی گنجائش دی گئی ہے؛حالانکہ یہ"أبغض الحلال إلی الله "ہے،حدیث شریف میں آتا ہے"أبغض الحلال إلی الله الطلاق"(سنن ابی داود:۲/۲۵۴،۲۱۷۷"حدیث ضعیف")،اسی لئے اسے انجام دینے کیلئے کچھ طریقے وآداب ہیں،اولا کوشش ہونی چاہئے کہ تین طہر میں تین طلاقیں دی جائیں؛تاکہ رجعت کرنے کا موقع ہواور نکاح کی حرمت پامال نہ ہو،لیکن یکجا تین طلاق دیدینا اگرچہ کہ وہ واقع ہوجائے گی؛لیکن سماج اور معاشرے کیلئے بڑی تباہ کن اور شریعت سے کھلواڑ ہے،اس کی نزاکت عصر حاضر میں مزید دوچند ہوجاتی ہے،جب کہ مسلموں میں بیواوں کے تئیں اسلامی فکر وسوچ عنقا ہے،ایسے میں ضرورت محسوس کی جاتی ہے؛کہ اسکی روک تھام کیلئے ضروری اقدام کئے جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تین طلاق دیدینا خود ایک سزا ہے،اوراس سے واپسی کی کوئی گنجائش نہیں ہے،اوراگر ہے بھی تو وہ ایسی صورت(حلالہ) ہے جو کسی بھی خوددار مرد یا مسلم معاشرے کیلئے زیبا نہیں،شرعی طور پر یہ ایک ایسی نفسیاتی سزا ہے،جس کے مقابل دوسری سزائیں ہیچ ہیں۔اس کے علاوہ اگر غور کیا جائے تو شریعت میں باقاعدہ کوئی سزا متعین نہیں کی ہے،البتہ ایسا کرنے والوں پر برہمی کا اظہار کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا"أیلعب بکتاب الله وأنا بین أظهركم "(نسائی:۵۵۹۴)،یعنی میری موجودگی کے باوجود وہ کتاب اللہ سے کھلواڑ کرتا ہے؛لیکن آپ ﷺ نے نہ اس کی تعزیر کی اور نا ہی کوئی جرمانہ عائد کیا؛تاہم اس کی سنگینی کے مدنظر ایسا محسوس ہوتا ہے؛کہ اس فعل پر بھی تعزیر کی جانی چاہئے،تعزیر کے متعلق یہ بات آچکی ہے؛کہ یہ وقت کی ضرورت اور مصلحت کے مطابق جاری کی جاتی ہے،اسے کسی زمانہ یا کسی خاص دائرے میں محدود نہیں کیا گیا ہے:"التعزير لا يختص بفعل معين ولا قول معين "(معین الحکام:۱۹۵)،اب یہ وضاحت ضروری ہے کہ یکبارگی تین طلاق پر کونسی تعزیر ہوسکتی ہے؟

(۱)۔حضرت عمرؓ کے تعلق سے روایات میں آتا ہے کہ؛یکبارگی تین طلاق دینے والوں کو جسمانی سزا دیا کرتے تھے،چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے:جب حضرت عمر کے پاس کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو یکبارگی تین طلاق دی

ہوتی،تواسے مارتے (مصنف عبدالرزاق:۲/ ۳۹۳۔۱۱۳۴)۔

(۲)۔حضرت مفتی رشید احمد صاحب نوره الله مرقدہ فرماتے ہیں:''ان وجوہ کی بناپرطلاق کا مروج دستور بلا شبہ واجب التعزیر جرم ہے،حکومت پرفرض ہے کہ ایسے جرم پرعبرت ناک سزاء دے،حکومت کی طرف سے غفلت کی صورت میں برادری کی طرف سے مقاطعہ (بائیکاٹ) کی تعزیر مناسب ہے۔فقط،واللہ اعلم''(احسن الفتاوی:۵/ ۱۹۵)۔

(۳)۔مفتی تقی عثمانی صاحب تین طلاق دینے والوں کیلئے حکومت وقت کومشورہ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:''پھرخصوصیت کے ساتھ اس طلاق کے مسئلہ میں یہ بات بہت مفید ہوگی کہ تین (طلاق) بیک وقت دینا قانونی جرم قرار دیا جائے،اور جوشخص اس جرم کا ارتکاب کرے اس کیلئے کوئی مناسب سزا مقرر کردی جائے''(ہمارے عائلی مسائل:۱۵۲،بحوالہ:''نکاح وطلاق اور ہماری ذمہ داریاں:ص-۱۳۱'')۔

مسلم اقلیتی ممالک میں جسمانی سزا دینا یا باقاعدہ کوئی قانون لانا قدرے مشکل امر ہے؛ بلکہ یہ شریعت اسلامیہ میں مداخلت کی وجہ اور مستقبل کیلئے نئے فتنوں کا درواز کھولنے کی بات ہے،اس سلسلہ میں تعزیرا بائیکاٹ کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے،عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی مثالیں موجود ہیں: چنانچہ غزوہ تبوک میں نفیر عام کے باوجود کعب بن مالک، ہلال بن امیہ،اور مرارہ بن ربیع اس غزوہ میں شریک نہ ہوسکے تھے، جب کہ کوئی عذر بھی نہیں تھا، نیز انہوں نے اپنے جرم کا ارتکاب کرلیا اور منافقین کی طرح بہانے نہیں بنائے، ایسے میں ان حضرات کا پچاس دنوں تک معاشرتی مقاطعہ کیا گیا،خودحضرت کعب بن مالک کے بقول: ہم تینوں کے متعلق آپؐ نے حکم دیا تھا؛ کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے،اور سب ہم سے الگ رہیں''۔اس واقعہ کوکتب صحاح میں بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے،اسی واقعہ کے تذکرہ کے بعد صاحب معین الحکام نے بائیکاٹ کا جواز ثابت کیا ہے(دیکھئے:معین الحکام:ص-۱۹۵)۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ تین طلاق دینے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں:''ایک ساتھ تین طلاق دینے کا رواج غلط ہے اور خلاف سنت ہے،اس پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے،اگر باز نہ آئے تو بااثر لوگ قطع تعلق اور بائیکاٹ کرلیں''(فتاوی رحیمیہ:۵/ ۳۱۴)۔

مفتی احمد خانپوری صاحب طلاق کے متعلق بے راہ روی کی وجہ سے سماجی بائیکاٹ پر ایک تفصیلی جواب میں لکھتے ہیں:'' آپ کیلئے ایک ہی صورت رہ جاتی ہے اور وہ ہے سماجی بائیکاٹ کی ؛لیکن اس سلسلہ میں دو باتیں ملحوظ رہیں، پہلی یہ کہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے بقول: جماعت سے خارج کرنا گناہوں کے ارتکاب سے ہوتا ہے، جوقطعی حرام ہے،اور جن سے مسلمانوں کی سوسائٹی پر برا اثر پڑتا ہے،(کفایت المفتی:۹/ ۹۴،۹۵)اس لئے طلاق دینے کی وہ صورتیں جوشرعا حرام ہیں،ان میں توآپ یہ سزا تجویز کرسکتے ہیں،اس کے علاوہ صورتوں میں نہیں''(محمود الفتاوی:۴/ ۴۵۰)۔

اس کے علاوہ جلاوطنی کی سزا یا قید کی سزا بھی دی جاسکتی ہے،شرع اسلامی میں ان کی گنجائش ہے(دیکھئے:معین الحکام:

ص-۱۹۵،وبعدہ)،رہی یہ بات کہ مالی تعزیر کی جاسکتی ہے کہ نہیں؟ ظاہر ہے یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے،ایسے میں یہ غور کرنا مشکل ہے کہ ہندوستان میں کونسی سزا تجویز کی جائے؟ جسمانی سزاء،قید کرنا،جلاوطن کرنا وغیر کیلئے قوت نافذہ کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کے پاس نہیں ہے،مالی جرمانہ مختلف فیہ اور غیر محتاط ہے،چنانچہ متعہ یا مہر وغیرہ کا تعلق بھی مال ہی سے ہے،بحثوں کی تفصیل سے اگرچہ کہ اس کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے،لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر ایسا کیا گیا تو مناسب نہ ہوگا،اور یہ اسلام کے نظام نکاح وطلاق کے خلاف معلوم ہوتا ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ:

الف: ہمارے سماج میں مہر میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے،چنانچہ اگر مالی جرمانہ عائد کیا گیا،توعموماً لوگ طلاق دینے کے بجائے عورت کی زندگی کو اجیرن کرنا آسان سمجھیں گے،اور اسکے نتیجہ میں ظلم وجور بلکہ قتل تک کے واردات کا امکان ہے،اس کے مشاہدات ہندوسماج میں آئے دن ہوتے ہی رہتے ہیں،اسلام کا نظام معاشرت اور اسکی خوبصورتی یہ ہے؛ کہ اگر باہمی ناچاقی ہوجائے تو دونوں کو اپنے راستے الگ کرلینے اور ایک نئی زندگی اختیار کرنے کی آزادی ہے،اور اسمیں کسی فریق پر کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔

ب: اسلامی نقطہ نظر اور فقہ حنفی کے مزاج سے ایسا محسوس ہوتا ہے؛ کہ اس میں طلاق کو آسان بنائے رہنے کی کوشش کی گئی؛ یہی وجہ ہے فقہ حنفی میں مدخول بہا کیلئے متعہ ضروری نہیں قرار دیا،ایسے میں اگر متعہ کو واجب یا مہر میں اضافہ کیا گیا تو یہ مقصد شریعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

ج: مال کی حرص وہوس واضح ہے،بالخصوص وقت حاضر میں نفسی بے راہ روی کے درمیان اگر ایسی سزاؤں کا بندوبست کیا گیا تو ہوسکتا ہے؛ کہ قدرے نفع محسوس ہو؛ لیکن زیادہ تر نقصان کا امکان ہے۔

سب سے زیادہ مناسب یہ ہے؛ کہ معاشرہ کے صاحب وجاہت اشخاص مقاطعہ سے کام لیں،اور حتی المقدور ایسے شخص کو سوسائٹی سے دور کردیں یا دوہرا رویہ اختیار کریں،تاکہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو؛ البتہ اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے ارشاد کو سامنے رکھنا زیادہ ضروری ہے،فرماتے ہیں:''انسداد جرائم کیلئے ارشاد،تلقین،تذکیر،تزکیہ باطن کی ضرورت ہے،تاکہ دل میں خوف وخشیت پیدا ہو،جنت ودوزخ کا استحضار،قبر،قیامت،حشر،حساب،کتاب،خدائے قہار کی عظمت اور اس کے انعامات کا مراقبہ لازم ہے،تاکہ اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کی رغبت ہو ورنہ محض سختی سے اصلاح نہیں ہوتی،اگر ہوتی ہے تو عارضی ہوتی ہے''(فتاوی محمودیہ:۵/۱۸۵)۔

مذکورہ عبارت نقل کرنے کے بعد مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب تحریر فرماتے ہیں:''اس لئے تمام ذمہ دار حضرات کو چاہئے کہ اسی روش پر گامزن ہوں،یہی اصل علاج ہے،علماء حضرات اس مقصد کو اپنا مشن بنائیں،اور اس کیلئے اپنے کو فارغ کریں، کبھی ضرورت پیش آئے تو تعزیری کاروائی حدود شرع کے اندر رہ کر انجام دیں،باقی محض تعزیر والا طریقہ دیرپا نہیں ہے؛ بلکہ ایک مدت کے بعد شریعت اور ذمہ داران کے خلاف بغاوت کا علم اٹھانے کا ذریعہ ہے،اور عورتوں کی اشک شوئی بھی حقیقی طور پر نہیں ہوگی، بہت بہت اتنا ہوگا کہ طلاق کا سد باب ہوگا؛ لیکن ازدواجی زندگی کی تلخی میں اضافہ ہوگا''(محمود الفتاوی:۴/۴۵۳)۔

☆مزید نصف مہر یا متعہ کولازم کرنے کیلئے کیاایسا کیا جاسکتا ہے،نکاح کے وقت اور نکاح نامہ میں آدمی کواس کا پابند بنادیا جائے؛ کہ اگر بیجا طور پر طلاق دی گئی تو متعہ کے طور پر یا مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینی ہوگی؟

=زوجین کی سعادت یہ ہے کہ آپسی محبت ورأفت بنائے رکھیں،ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں،اورکسی قسم کی کمی ہو بھی جائے توحتی الامکان اس کی پردہ پوشی کی کوشش کریں،اگرزوجین نے نزاع واختلاف اورایک دوسرے پر چھینٹا کشی کی تونتائج غیر اسلامی ہوں گے،اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نکاح خداعزوجل کی جانب سے ایک عظیم تحفہ اورانسانیت کے حق میں باعث خیروبرکت اور سکون وقرار ہے،ایسے میں اگرآپس میں کوئی شرط یا کوئی عہد وغیرہ باندھ دیا جائے تو یہ عہد سب سے زیادہ مستحق ہے؛ کہ اسے پورا کیا جائے،امام بخاریؒ نے اسی طرح کی ایک روایت منقول ہے:"أحق الشروط أن توفوا به ماستحللتم به الفروج" (بخاری:۲۵۷۲،مسلم:۱۴۱۸)،ویسے بھی شریعت اسلامی میں شروط وعہد کی پاسداری ایک مومن کی شان ہے،اورقرآن کریم نے بارہا اس کا تذکرہ کیا ہے۔ایسے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نکاح وغیرہ میں کیا شرطیں لگائیں جاسکتی ہیں؟ اوراس کی پاسدرای کا کیا حکم ہے؟وغیرہ

شرطوں کے متعلق اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ کسی بھی نظام میں حرام وحلال کی تمیز کے ساتھ لگائی جاسکتی ہیں؛لیکن اگرکوئی ایسی شرط ہوجس کے ذریعہ حرام کوحلال اورحلال کوحرام کرنے کی کوشش کی جائے توان شرطوں کا اعتبار نہیں،قرآن کریم میں ہے"یاایھا الذین آمنوا أوفوا بالعقود "(مائدۃ:۱)،ایک اور مقام پر ہے"وأوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا"(اسراء:۳۴)،سنن وغیرہ میں ایک مشہور روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے"المسلمون علی شروطھم إلاشرطا أحل حراماو حرم حلالا ۔ والصلح جائز بین الناس إلا صلحا أحل حراما أو حرم حلالا"(سنن ابی داود:۳۵۹۶)۔

نکاح میں شرطوں کی تین قسمیں:

فقہاءکرام نےمقبول وغیرمقبول شرائط کے اعتبار سے نکاح میں شرائط کی تین قسمیں کی ہیں:-

۱-وہ شرائط جن سے نکاح پر کوئی اثرنہیں پڑتا،اگر وہ شرائط ہوں تب بھی نکاح منعقد ہوجائے گا،اور وہ شرائط بھی صحیح ہوں گے۔

۲-وہ شرائط فاسدہ جن کا لگانا درست نہیں؛لیکن نکاح درست ہوجاتا ہے،لیکن اس شرط پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۳-وہ شرائط جونہ بحیثیت شرط درست ہےاورناہی اسکی وجہ سے نکاح منعقد ہوتا ہے۔

جن شرائط کا لحاظ کرنا اخلاقا ضروری ہے،ان میں بہت سی شرطیں ہوسکتی ہیں،مثلا کوئی عورت یہ شرط لگادے کہ وہ دوسری شادی نہیں کرے گا،اس پر ظلم وجورنہیں کرے گا،یا صحبت ایک خاص مدت کے بعد کرے گا وغیرہ۔لیکن اگر یہ شرط لگائی گئی کہ شادی کے بعد اپنی پہلی زوجہ کو طلاق دیدے گا،تو نہ یہ شرط درست ہے اور ناہی اس پر عمل کی ضرورت ہے؛لیکن نکاح منعقد ہوجائے گا

(دیکھئے: بدائع الصنائع:۲/۲۳۲ تا ۳۲۸، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر:۲/۲۳۸، حاشیۃ الصاوی علی الشرح الکبیر:۲/۳۳۵، روضۃ الطالبین:۷/۱۶۴، الشرح الممتع:۸/۲۳۶، کشاف القناع:۵/۹۹، ملاحظہ ہو! الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: مادۃ ''نکاح''- شروط النکاح-)، اس سلسلہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحاح میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے:"باب الشروط فی النکاح" اور اس پر ایک قابل غور اثر نقل کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک خاتون نے شکایت کی؛ کہ اس نے نکاح کے بعد گھر میں رہنے کی شرط لگائی تھی؛ لیکن اس کا شوہر اس سے انکار کرتا ہے، ایسے میں حضرت عمر نے اس شرط کو نافذ فرمایا تھا"فی آخره -قال عمر:ان مقاطع الحقوق عندالشروط ولها مااشترطت"۔ ساتھ ہی مسور بن مخرمہ کا ایک اثر منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک داماد (عاص بن ربیع) کا ذکر فرمایا اور ان کی اس لئے تعریف فرمائی کیونکہ انہوں نے نکاح میں کئے گئے وعدہ کو پورا کیا تھا''وقال مسور بن لمخرمة سمعت النبی ﷺذكر صهرا له فأثنى عليه فی مصاهرته فأحسن قال: حدثنی فصدقنی ووعدنی فوفی لی'' نیز امام بخاری نے پھر استدلالا مذکورہ روایت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:"عن عقبة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال:أحق ما أوفیتم من الشروط أن توفوا به ماستحللتم به الفروج "(صحیح بخاری، کتاب النکاح-باب الشروط فی النکاح-۲۸۵۶، تفصیل کیلئے دیکھئے: فتح الباری شرح صحیح البخاری:۹/۲۱۷)، اس بحث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱-نکاح کے وقت بھی شرط لگائی جاسکتی ہے۔

۲-شرط اگر درست ہو تو حاکم بھی اس کا نفاذ کرسکتا ہے۔

متعہ نصف مہر سے زیادہ ہوسکتا ہے، متعہ کے متعلق احناف کے یہاں نصف مہر سے زائد کرنا درست نہیں؛ کیونکہ یہ اسی کا بدلہ ہے، تاہم علامہ وھبہ زحیلی نے متعہ کے سلسلہ میں مفتی بہ قول یہ نقل کیا ہے؛ کہ اسے زوجین کی حالت کے اعتبار سے طے کیا جاسکتا ہے، خواہ نصف مہر سے زائد ہی کیوں نہ ہو"ولاتزید هذه الأثواب عن نصف مهر المثل لو كان الزوج غنيا ،لأنها بدل عنها ،ولا تنقص عن خمسة دراهم لوكان الزوج فقيرا،والمفتى به أن المتعة تعتبر بحال الزوجين كالنفقة ،فإن كانا غنيين فلها الأعلى من الثياب ،وإن كانا فقيرين فلأدنى، وإن كانا مختلفتين فالوسط"(الفقہ الاسلامی وادلتہ:۹/۳۰۴)، چنانچہ عقد نکاح میں شرائط کی بحثوں سے معلوم ہوتا ہے؛ کہ اگر نکاح سے قبل بغیر کسی شرعی وجہ کے طلاق دیدینے پر نصف مہر سے زائد یا متعہ دینا ضروری قرار دیا جائے تو اس کی اجازت ہے، نیز علامہ دسوقی کی ایک عبارت سے بھی پتہ چلتا ہے؛ کہ طلاق کی صورت میں مہر سے زائد مال بھی بطور متعہ دیا جاسکتا ہے، "ولما كان من توابع الطلاق المتعة بين أحكامها بقوله(و)ندبت (المتعة)وهی مايعطيه الزوج ،ولو عبدا لزوجته المطلقه زيادة على الصداق لجبر خاطرها (على قدر حاله) لقوله تعالى:"على الموسع قدره وعلى المقتر قدره"(حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر:۲/۴۲۵)۔

مذکورہ بالا فقہی بحثوں اور جزئیات سے مسئلہ مذکورہ میں جواز معلوم ہوتا ہے؛ نیز ہندوستان کے بگڑتے ماحول میں اور

مسلمانوں کا اسلامی تعلیم سے دور ہونے اور غیر اسلامی رجحانات میں پڑنے کی وجہ سے؛تعزیرا یہ عمل بہت مؤثر ہوسکتا ہے؛ تاہم اسلام کے نظام نکاح وطلاق کی جستجو سے یہ باور ہوتا ہے؛ کہ اصل کام بیداری اور تبلیغ وارشاد کی تحریک ہے، نیز قوم کے اصحاب حل وعقد کا اصلاحی کوششوں کیلئے کمر کس لینا ہے، اگر ایسانہ ہواتو بہت سے خدشات جنم لیتے ہیں اوراس جواز پر قدغن لگاتے ہیں۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

مفتی محمد شوکت ثنا قاسمی☆

تعزیر بالمال اور تعزیر بأخذ المال کا مفہوم:

تعزیر بالمال کا مفہوم یہ ہے کہ کسی سیاس کی کسی غلطی یا کوتاہی یا قانون کی خلاف ورزی پر بطور زجر و تنبیہ کے کچھ مال لے لیا جائے تا کہ وہ آئندہ قانون کی خلاف ورزی سے بچے، اس صورت میں اس جرمانہ کے مال کا مالک وہ حکومت یا ادارہ ہوگا ہے، جس نے جرمانہ عائد کیا ہے۔

تعزیر بأخذ المال کا مفہوم یہ ہے کہ کسی سیاس کی کسی غلطی یا کوتاہی یا قانون کی خلاف ورزی پر بطور زجر و تنبیہ کچھ مال لے کر ایک مدت تک روک رکھا جائے، پھر جب وہ اپنی غلطی کی اصلاح کر لے تو اس کا مال اس کو واپس کر دیا جائے۔

علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں کہ "البحر الرائق" میں ہے کہ مالی جرمانہ جائز نہیں، "بحر" ہی میں "بزازیہ" کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں (جو لوگ جواز کے قائل ہیں) اُن کا مطلب یہ ہے کہ جرمانہ کے مال کو ایک مدت تک روک کر رکھا جائے، پھر صاحبِ مال کو واپس کر دیا جائے، اگر جرم سے باز رہنے کی اُمید نہ ہو، تو اس کو حاکم اپنی صواب دید کے مطابق خرچ کرے۔

" في البحر، حيث قال: وأفاد في البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شيء من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي .وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى" (حاشیہ ابن عابدین: ۶۱/۴، البحر الرائق: ۵/۴۴)۔

تعزیر بالمال اور تعزیر بأخذ المال کے مذکورہ بالا فرق کے مدنظر تعزیر بالمال جمہور فقہائے کرام کے نزدیک درست نہیں ہے، البتہ تعزیر بأخذ المال کی گنجائش ہوگی۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سوال: کاشتکار سے کسی بے امنی بے قاعدگی نقصان رسانی پر علاوہ اِس رقم کے جو نقصان رسیدہ کا معاوضہ ہو سکے زمیندار کو کچھ لینا جائز ہے یا نہیں؟

☆ مفتی و استاذ شعبہ تربیت افتاء جامعہ عائشہ نسواں، داراب جنگ کالونی، حیدرآباد تلنگانہ۔

الجواب: جرمانہ ہمارے امام صاحب کے مذہب میں حرام ہے؛اس لیے یہ رقم جائز نہیں،البتہ اگر سیاست کی ضرورت ہوتو اس امر کی اجازت ہے کہ اُس سے کوئی مقدار مال کی لی جاوے اور چندروز تک اس کو اپنے پاس رکھ کر جب وہ خوب دق ہوجائے اُس کو واپس کردی جائے، یہ بھی اس شخص کو جائز ہے جس میں دو وصف ہوں ایک حکومت واختیار رکھتا ہو،تاکہ فتنہ نہ ہو،دوسرے معتمد ومتدین ہو کہ بعد چندے واپسی پر اطمینان ہو ورنہ یہ بھی جائز نہیں (امداد الفتاوی: ۲/۵۴۱)۔

البتہ سیدنا امام ابو یوسفؒ اور ایک روایت کے مطابق سیدنا امام احمد بن حنبلؒ،شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیمؒ کے نزدیک دونوں طرح کی تعزیر کی اجازت ہے،اور اسی قول کو عرب کے کئی علماء وفقہاء نے اختیار کیا ہے،موجودہ اور ماضی قریب کے علماء وفقہاء میں سے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب،مفتی محمد تقی عثمانی صاحب،علامہ عبدالحئی لکھنویؒ اور حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب:

احناف کے نزدیک تعزیر بالمال،یعنی مالی جرمانہ کسی پر لگانا یا کسی سے لینا جائز نہیں ہے،اور یہی مشہور ومعروف مفتی بہ قول ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:"والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال"(حاشیہ ابن عابدین/ باب التعزیر،مطلب في التعزیر بأخذ المال ۴/ ۶۲،البحر الرائق:۵/ ۴۴، فصل فی التعزیر) حاصل یہ ہے کہ صحیح مذہب تعزیر میں مال کا نہ لینا ہے۔

اور صاحب مجمع الانھر علامہ ابن نجیمؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ جنایت کرنے والے سے مالی جرمانہ لینا درست نہیں ہے۔

"وفي البحر: ولا يكون التعزير بأخذ المال من الجاني في المذهب " (مجمع الأنہر،کتاب الحدود/ باب التعزیر ۱/ ۶۰۹)۔

تعزیر بالمال کی بابت قولِ جواز اور اس کی حیثیت:

سیدنا امام ابو یوسفؒ نے حکمرانوں کے لیے بطور تعزیر مال لینے کی اجازت دی ہے۔علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں مام ابو یوسف رحمہ اللہ بادشاہ کے لیے مالی جرمانہ کو جائز سمجھتے ہیں،سیدنا امام ابو حنیفہؒ اور سیدنا امام محمدؒ کے ساتھ بقیہ تینوں اماموں کے نزدیک جائز نہیں ہے

"وعن أبي يوسف: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما، وباقي الأئمة الثلاثة لا يجوز"(فتح القدیر:۵/ ۳۴۵)۔

مشہور معروف حنفی فقیہ علامہ ابن عابدین شامی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(قوله لا بأخذ مال في المذهب) قال في الفتح: وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال .وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز .ومثله في المعراج، وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف. قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس، فيأكلونه اه، ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان"۔

''فتح القدیر'' میں ہے کہ سیدنا امام ابو یوسفؒ مالی جرمانہ کو جائز سمجھتے ہیں، سیدنا امام ابوحنیفہ اور سیدنا امام محمد رحمہما اللہ کے ساتھ بقیہ تینوں اماموں کے نزدیک جائز نہیں ہے، ''معراج'' میں بھی ایسا لکھا ہے، ظاہر یہ ہے کہ سیدنا امام ابو یوسفؒ سے جواز کی جو روایت ہے وہ ضعیف ہے، اور شرنبلالیہ میں ہے کہ اس قول پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا کہ اس صورت میں ظالم حکمرانوں کو لوگوں کے مال پر تسلط دینا ہوگا۔

الحاصل یہ کہ سیدنا امام ابو یوسفؒ کا یہ قول مذہب احناف میں ضعیف قول ہے جس پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔

احناف میں تعزیر بالمال کے جواز کے قائلین:

فقہ حنفی کے ممتاز فقیہ ابوالحسن، علاء الدین، علي بن خليل الطرابلسي الحنفيؒ نے سیدنا امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے اور ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے، جنھوں نے مالی سزا کو منسوخ مانا ہے:

"يجوز التعزير بأخذ المال، وهو مذهب أبي يوسف، وبه قال مالك، ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا وليس بسهل دعوى نسخها" (معین الحکام:۹۵)۔

''مالی تعزیر کا جواز سیدنا امام ابو یوسفؒ کا مسلک ہے اور اسی کے قائل سیدنا امام مالکؒ بھی ہیں اور جن لوگوں نے مالی سزاؤں کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے، ان لوگوں نے مذاہب ائمہ کی طرف روایت اور استدلال کے طور پر غلط نسبت کی ہے اور ان کے نسخ کا دعویٰ آسان نہیں ہے''۔

علامہ عبدالحئی لکھنویؒ کی بھی رائے یہی تھی کہ ''تنبیہ کے لئے جرمانہ لینا جائز ہے، چنانچہ وہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سوال: (۵۷۹) پنچوں میں دستور تھا کہ نامناسب کام کرنے والے کو برادری سے خارج کردیتے اور اس سے جرمانہ لے کر برادری میں شریک کرلیتے اور جرمانہ کے پیسے سے سب پنچ برادری مل کر شیرینی کھاتے تھے تو اہل برادری سے کسی نامناسب حرکت کرنے کی وجہ سے جرمانہ لینا درست ہے یا نہیں، اور جرمانہ کے پیسوں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: تنبیہ کے لیے جرمانہ لینا جائز ہے (فتاویٰ مولانا عبدالحی اردو ۳۵۸۔۳۵۹)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تعزیر مالی کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تعزیر کے باب میں ایک اہم مسئلہ تعزیر مالی کا ہے، ائمہ اربعہ کا راجح مسلک یہی ہے کہ مالی تاوان و جرمانہ جائز نہیں ہے، گو

مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کی طرف اس کے جواز کی نسبت بھی کی گئی ہے، سلف صالحین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیمؒ نے پوری وضاحت کے ساتھ تعزیر مالی کے جائز ہونے کی وکالت کی ہے۔ ماضی قریب کے اہل علم میں شیخ سید سابق نے ''معین الاحکام'' کے مصنف علاء الدین طرابلسی سے بھی نقل کیا ہے کہ:

''ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة، فقد غلط على مذاهب الأئمة، نقلا واستدلالا، وليس بسهل دعوى نسخها، والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع، يصحح دعواهم''

جن حضرات نے یہ بات کہی ہے کہ مالی سزا منسوخ ہے انہوں نے ائمہ کے مذہب کی بابت روایت اور استدلال ہر دو اعتبار سے غلطی کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرنا آسان نہیں ہے، جو لوگ نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے پاس نہ سنت ہے اور نہ اجماع ہے جو ان کے دعویٰ کو صحیح قرار دے۔

اس وقت اسلام کے قانونی حدود و تعزیرات کے فقدان کی وجہ سے بہت سے مسائل، جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کر رہی ہیں، ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملاً اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے اور ریلوے، ٹریفک، بس وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے؛ اس لئے راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے'' (قاموس الفقہ: ۲/ ۷۹ ۴، لفظ: تعزیر)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سنن ترمذی میں '' باب ماجاء فی الغال مایصنع بہ'' کے تحت حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے بعض فقہاء نے تعزیر بالمال کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ مال کے ذریعہ تعزیر جائز ہے، جبکہ اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں، صرف جسمانی سزا کی تعزیر کرنا جائز ہے، البتہ سیدنا امام احمد بن حنبلؒ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، حنفیہ میں سیدنا امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے، لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی، عام طور پر فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: **''لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفسه''**، یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں۔ لیکن یہ استدلال کمزور ہے، اس لیے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے، اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جا رہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہئے، چنانچہ بعض متاخرین فقہاء حنفیہ نے سیدنا امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے (تقریر ترمذی: ۲/ ۱۱۸-۱۱۹)۔

حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ اپنی کتاب اسلامی فقہ میں مالی جرمانہ کی بابت لکھتے ہیں:

سیدنا امام ابوحنیفہ اور سیدنا امام محمد رحمہما اللہ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں، طرفین کے برخلاف سیدنا امام ابویوسفؒ کہتے ہیں کہ مصلحت متقاضی ہو تو جائز ہے، راقم الحروف کے خیال میں سیدنا امام ابویوسفؒ اور جو فقہاء مالی جرمانہ یا اتلاف کے ذریعہ تعزیر کے قائل ہیں ان کی رائے قابل ترجیح ہے (اسلامی فقہ: ۲۸۱/۳ تعزیراتی جرائم)۔

البتہ بعض مقالہ نگار حضرات کو "البحر الرائق" کی یہ عبارت: "وَفِي الْخُلَاصةَ: سَمِعت عَنْ ثِقَةٍ أَنَّ التَّعْزِيرَ بِأَخْذِ الْمَالِ إِنْ رَأَى الْقَاضِي ذَلِکَ أَوْ الْوَالِي جَازَ، وَمِنْ جُمْلةِ ذَلِکَ رَجُلٌ لَا يَحْضُرُ الْجَمَاعَةَ يَجُوزُ تَعْزِيرُهُ بِأَخْذِ الْمَالِ"، "خلاصہ" میں ہے کہ: قاضی یا والی کی صوابدید کے مطابق مالی تعزیر جائز ہے اور اسی کے منجملہ یہ ہے کہ کوئی آدمی (نماز کی) جماعت میں نہ آتا ہو تو مال لے کر اس کی تعزیر جائز ہے (البحر الرائق: ۵/ ۴۴)، سے دھوکا لگا اور انہوں نے اس عبارت کو مطلقا تعزیر بالمال کے جواز کی تائید میں ذکر کردیا جس سے ایسا تاثر ہوتا ہے کہ یہ عام فقہائے احناف کا قول ہے، جب کہ یہ بات صحیح نہیں ہے یہ قول بھی امام ابویوسفؒ کے قول پر مبنی ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَمَا فِي الْخُلَاصَةِ: سَمِعت مِنْ ثِقَةٍ أَنَّ التَّعْزِيرَ بِأَخْذِ الْمَالِ إِنْ رَأَى الْقَاضِي ذَلِکَ، أَوْ الْوَالِي جَازَ، وَمِنْ جُمْلَةِ ذَلِکَ رَجُلٌ لَا يَحْضُرُ الْجَمَاعَةَ يَجُوزُ تَعْزِيرُهُ بِأَخْذِ الْمَالِ مَبْنِيٌّ عَلَى اخْتِيَارِ مَنْ قَالَ بِذَلِکَ مِنْ الْمَشَايِخِ کَقَوْلِ أَبِي يُوسُفَ" (فتح القدیر: ۵/ ۳۴۵) اور جو بات خلاصہ میں ہے کہ قاضی یا والی کی صوابدید کے مطابق مالی تعزیر جائز ہے اور اسی کے منجملہ یہ ہے کہ کوئی آدمی (نماز کی) جماعت میں نہ آتا ہو تو مال لے کر اس کی تعزیر جائز ہے، یہ قول ہمارے ان مشائخ کے اقوال پر مبنی ہے جو تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں جیسے کہ امام ابویوسفؒ۔

تعزیر بالمال کی بابت ائمہ ثلاثہ کا مذہب:

مالکیہ کا موقف:

مالی تعزیر کے سلسلہ میں سیدنا امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے۔

" ولا یجوز التعزیر بأخذ المال إجماعا"، (بطور تعزیر مال کا لینا بالاجماع جائز نہیں ہے) (حاشیۃ الدسوقی مع شرح الکبیر: ۴/ ۳۵۵، باب حد الشارب، حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر: ۴/ ۵۰۴)۔

البتہ ممتاز مالکی علامہ ابن فرحون نے قضاء کے موضوع پر اپنی کتاب "تبصرۃ الحکام" میں تعزیر کا جواز نقل کیا ہے:

"و التعزیر بأخذ المال قال به المالکیة" (تبصرۃ الحکام: ۲/ ۲۹۳، الحسبۃ: ۴۹) (مالکیہ تعزیر بالمال کے قائل ہیں)۔

بعض لوگوں نے اسی قول کو مشہور قرار دیا ہے۔ چنانچہ "الموسوعۃ الفقہیۃ" میں ہے: "أمافي مذهب مالک في المشهور عنه، فقد قال ابن فرحون: التعزير بأخذ المال قال به المالکية" (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۱۲/ ۲۷۰)۔

شوافع کی رائے:

تعزیر بالمال کے سلسلہ میں سیدنا امام شافعیؒ سے دوقول منقول ہیں، ایک قول عدم جواز کا ہے اور یہ سیدنا امام شافعیؒ کا قول جدید ہے، دوسرا قول جواز کا ہے اور یہ ان کا قول قدیم ہے، چنانچہ الموسوعۃ الفقہیۃ میں علامہ شبراملسی سے نقل کیا ہے:

”**وقال الشبراملسي:ولا يجوز على الجديد بأخذ المال.يعني لا يجوز التعزير بأخذ المال في مذهب الشافعي الجديد، وفي المذهب القديم:يجوز**“(حاشیۃ الشبراملسي علی شرح المنهاج 7 / 174، والحسبۃ ص 40. دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیۃ: ۱۲/ ۲۷۰)۔

امام شبراملسی فرماتے ہیں کہ سیدنا امام شافعیؒ کے مسلک جدید کے مطابق تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، جبکہ ان کا قول قدیم جواز کا ہے۔

حنابلہ کی رائے:

سیدنا امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک تعزیر بالمال کے قطعی عدم جواز کا ہے، علامہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

”**والتعزير يكون بالضرب والحبس والتوبيخ .ولا يجوز قطع شيء منه ولا جرحه، ولا أخذ ماله؛ لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلک عن أحد يقتدى به؛ ولأن الواجب أدب، والتأديب لا يكون بالإتلاف**“ (المغنی: ۸/ ۱۷۸ نیز دیکھئے: الکافی فی فقہ الامام احمد: ۴/ ۱۱۱، الاقناع فی فقہ الامام احمد: ۴/ ۲۷۰)۔

(اور تعزیر مار پیٹ، قید کرنے اور ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعہ کیا جائے گا اور تعزیر میں زخم لگانا یا کسی عضو کا کاٹنا جائز نہیں، اسی طرح مال لینا بھی جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ کسی ثقہ شخص سے ثابت نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ واجب تادیب اور تنبیہ ہے اور اتلاف سے تادیب ممکن نہیں ہے)۔

البتہ حنبلی مکتب فکر سے وابستہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیمؒ نے پوری قوت کے ساتھ تعزیر مالی کے جائز ہونے کی وکالت کی ہے اور ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے، جن لوگوں نے سیدنا امام احمدؒ اور سیدنا امام مالکؒ کی طرف تعزیر مالی کے عدم جواز کو نقل کیا ہے، علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

”**ومن قال:إن العقوبات المالية منسوخة، وأطلق ذلک عن أصحاب مالک وأحمد فقد غلط على مذهبهما .ومن قاله مطلقا من أي مذهب كان: فقد قال قولا بلا دليل .ولم يجئ عن النبي ﷺ شيء قط يقتضي أنه حرم جميع العقوبات المالية؛ بل أخذ الخلفاء الراشدون وأكابر أصحابه بذلک بعد موته دليل على أن ذلک محكم غير منسوخ**“(فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۸/ ۱۱۱، نیز دیکھئے: اعلام الموقعین: ۲/ ۷۵، فصل:تغریم المال وموجبہ)۔

(جن لوگوں نے یہ کہا کہ مالی سزائیں منسوخ ہیں اور مطلق اصحابِ مالک واحمد کی طرف اس کی نسبت کی ہے، ان لوگوں

نے ان کے مذہب کی طرف غلط نسبت کی ہے اور جن لوگوں نے مطلقاً یہ بات کہہ دی کہ کسی بھی مذہب میں مالی سزا جائز نہیں ہے، ان لوگوں کی یہ بات بالکل بلا دلیل ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ سے کوئی ایسی بات ثابت نہیں ہے، جو اس بات کا تقاضہ کرتی ہو کہ تمام مالی سزائیں حرام ہیں؛ بلکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا اس (مالی تعزیر) پر عمل رہا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ غیر منسوخ ہے)۔

ضرورۃً مذہب کے قول ضعیف یا مذہب غیر پر عمل:

بلاضرورت شدیدہ مذہب کے ضعیف قول یا مذہب غیر پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ رقم طراز ہیں:

”أن الواجب علیٰ من أراد أن یعمل لنفسه،أویفتی غیره:أن یتبع القول الذی رجحه علماء مذهبه، فلا یجوز له العمل، أو الافتاء بالمرجوح“(شرح عقود رسم المفتی:۴۴)۔

جو شخص خود عمل کرنا چاہے یا دوسروں کو فتویٰ دینا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قول اختیار کرے جس کو علمائے مذہب نے ترجیح دی ہے؛ کیوں کہ مرجوح قول پر نہ تو عمل کرنا جائز ہے اور نہ فتوی دینا۔ مزید لکھتے ہیں:

ولا یجوز بالضعیف العمل ☆ ولا به یجاب من جاء یسأل

الا لعامل له ضرورة ☆ أو من له معرفة مشهورة

اور ضعیف قول پر عمل جائز نہیں ہے: اور نہ ضعیف قول سے جواب دیا جائے گا اس کو جو مسئلہ پوچھنے آیا ہے۔

مگر وہ عمل کرنے والا مستثنیٰ ہے جس کو مجبوری ہے یا وہ مفتی جس کو مہارت تامہ حاصل ہے۔

البتہ بوقت ضرورت شدیدہ مضطر کے لیے ضعیف قول پر عمل کرنے کی اجازت ہوتی ہے، اور مضطر کے لیے مفتی ضعیف قول پر عمل کرنے کا فتوی بھی دے سکتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ رقم طراز ہیں:”**قد ذکر في حیض البحر في بحث ألوان الدماء أقوالا ضعیفة، ثم قال: وفي المعراج عن فخر الأئمة: لو أفتی مفت بشيء من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلبا للتیسیر کان حسنا اه وبه علم: أن المضطر له العمل بذٰلک لنفسه،کما قلنا، وأن المفتی له الافتاء به للمضطر ،فمامر من أنه لیس له العمل بالضعیف،ولا الافتاء به محمول علی غیر موضع الضرورة**“ (شرح عقود رسم المفتی:۱۹۰)۔

علامہ ابن نجیم نے ”البحر الرائق“ میں ”باب الحیض“ کے تحت حیض کے رنگوں کی بحث میں چند ضعیف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ”معراج الدرایہ“ میں ”فخر الائمہ“ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی مفتی ضرورت کی جگہوں میں آسانی پیدا کرنے کے لیے ان اقوال میں سے کسی قول پر فتویٰ دے تو یہ اچھی بات ہوگی، اور اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ: مجبور آدمی اپنے ذاتی عمل کے معاملہ میں ضعیف قول پر عمل کرسکتا ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مفتی مجبور شخص کو ضعیف قول کے مطابق فتویٰ بھی دے سکتا ہے جو بات اوپر گذر چکی ہے کہ ضعیف قول پر آدمی کے لیے عمل بھی جائز نہیں ہے اور اس پر فتویٰ دینا بھی جائز نہیں

ہے وہ بات محل ضرورت کے علاوہ پر محمول ہے۔

مزید لکھتے ہیں:"كذا قول أبي يوسف في المني إذا خرج بعد فتور الشهوة لا يجب به الغسل ضعيف، وأجازوا العمل به للمسافر أو الضيف الذي خاف الريبة..... ذلک من مواضع الضرورة"(ردالمحتار۱/۷۴)۔

اسی طرح امام ابو یوسفؒ کا قول منی کے سلسلہ میں جب کہ وہ شہوت کے سست پڑ جانے کے بعد نکلے تو اس کی وجہ سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے ضعیف ہے، علماء نے اس قول پر مسافر اور اس مہمان کو جس پر شبہ کا خطرہ ہو عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔ یہ بات محل ضرورت میں سے ہے۔

تعلیمی اداروں میں مالی جرمانہ:

اسکولس اور کالجز میں طلبا وطالبات کی دیر حاضری یا غیر حاضری یا دیر سے فیس کی ادائیگی کی صورت میں مالی جرمانہ کی قطعاً اجازت نہیں دی جانی چاہئے، کیونکہ موجودہ دور میں اکثر وبیشتر تعلیمی اداروں سے قوم وملت کی خدمت کا جذبہ مفقود ہو چکا ہے، اور یہ ادارے انتہائی کمرشیل مال ودولت کے حصول کا ذریعہ بن چکے ہیں، داخلہ فیس کے نام پر متوسط درجہ کا ماڈرن ایجوکیشن کا ادارہ تیس سے پچاس ہزار روپے کا مطالبہ کر رہا، اور ان اداروں میں ماہانہ فیس، ٹرم فیس، بکس اور ڈریس کے نام پر خطیر رقم لی جارہی ہے، جو عوام الناس کے لیے انتہائی تکلیف دہ ہے، لیکن مجبوری میں ان کو دیئے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں، اب اگر ان اداروں کو طلبا وطالبات کی دیر حاضری یا غیر حاضری یا دیر سے فیس کی ادائیگی کی صورت میں مالی جرمانہ کا جواز فراہم کر دیا جائے تو انتظامیہ مالی جرمانہ لینے کو اپنا حق سمجھتے ہوئے سرپرستوں سے مختلف بہانوں سے مالی جرمانہ وصول کرنے لگے گا، جو اولیائے کے لیے مزید پریشانی کا باعث ہوگا۔ رہا طلبا وطالبات کی دیر حاضری یا غیر حاضری یا دیر سے فیس کی ادائیگی کا مسئلہ تو اس کو کونسلنگ اور ترغیب وترہیب کے ذریعہ کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کے بڑے مفتیان کرام: مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی اور مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہم اللہ نے مختلف سوالات کے جوابات دیتے ہوئے مالی جرمانہ کو ناجائز قرار دیا ہے(تفصیل کے لیے دیکھئے: امداد الفتاوی: ۲/۵۴۱، فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۱۲/۱۵۲ تا ۱۵۴، فتاوی محمودیہ: ۲۲/۵۶۸ تا ۵۷۲، کفایت المفتی: ۲/۲۰۶ تا ۲۱۱)۔

مفتی محمد سلمان منصور پوری صاحب ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سوال(۲۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گجرات میں بعض دارالعلوم میں اور شہروں کے بعض مکاتب میں طلبہ سے غیر حاضری کے وجہ سے مالی جرمانہ جبراً مختلف مقدار میں وصول کیا جاتا ہے، اور مالی جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں طالب علم کا اخراج کیا جاتا ہے، جرمانہ وصول کی ہوئی رقم کی؟ رسید بنا کر دی جاتی ہے، تو کیا ایسا جرمانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے مدرسہ کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر طلبہ سے جبراً مالی جرمانہ لینے کا ضابطہ درست نہیں ہے، مذکورہ اہل مدارس کو اس طریقہ سے باز آنا چاہئے(مستفاد: فتاویٰ

محمودیہ ۱۴/ ۱۳۵ ڈابھیل، کفایت المفتی ۲/ ۱۶۶)۔

”عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: لا يحل مال إمرء مسلم إلا بطيب نفس منه“ (مسند أحمد ۵/ ۷۲، شعب الإیمان للبیہقی ۲/ ۲۶۹، مشکاۃ المصابیح ۲۵۵، مرقاۃ المفاتیح ۳/ ۳۵۰)۔

”والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال“ (شامي/ باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال ۶/ ۱۰۶ از کریا)۔

”لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي“ (شامي/ باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال ۶/ ۱۰۶ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/ ۷/ ۱۴۳۲ھ، الجواب صحیح: شبیر احمد عفا عنہ (کتاب النوازل: ۱۰/ ۲۰۳)۔

غیر تعلیمی اداروں کا مالی جرمانہ:

غیر تعلیمی اداروں کا نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لیے مالی جرمانہ یا برادریاں اور خاندانی پنچایتیں، نیز کاروباری انجمنوں کا دباؤ واصلاح کے غرض سے مالی جرمانہ لینا بھی درست نہیں ہے، البتہ نظم وضبط کو برقرار رکھنا یا دباؤ واصلاح ان اداروں اور انجمنوں کے لیے مالی جرمانہ عائد کئے بغیر ممکن نہ ہو یا بہت مشکل ہو تو حسب ذیل شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے مالی جرمانہ لینے کی گنجائش ہوگی:

(الف) جرمانہ کی رقم بہت زیادہ نہ ہو، نیز معمولی کوتاہی پر جرمانہ عائد نہ کیا جائے۔

(ب) جرمانہ کی رقم کا مالک کوئی ایک فرد نہ ہو، بلکہ انجمن یا سوسائٹیاں ہوں۔

(ج) جرمانہ کی رقم رفاہ عام میں خرچ کیا جائے۔

طلاق میں افراط وتفریط پر قابو پانے کے لیے مالی جرمانہ:

ہندوستان جیسے ممالک جہاں تعدد ازدواج، مطلقہ اور بیوہ سے نکاح کا رواج نہیں ہے، طلاق ثلاثہ عورتوں کیلیے بڑی سزا بن جارہی ہے، اور معاشرہ اور سماج میں ایسی عورتیں بوجھ سمجھی جانے لگی ہیں، اور ان کے لیے زندگی گذارنا بہت مشکل ہوتا جارہا ہے، اور خاص طور پر اگر ان کا خاندان معاشی لحاظ سے کمزور ہو تو ان کی مشکلات مزید بڑھ جاتی ہیں، ان حالات میں اگر تین طلاق سے روک تھام یا تین طلاق دینے کی صورت میں مردوں پر بصورت جرمانہ ایک معقول رقم متعین کی جائے تو بہتر ہوگا، تاکہ مرد طلاق دینے کی صورت میں جرمانہ کی ایک معقول رقم کے دباؤ کے تحت سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے گا، اور اگر اس نے طلاق دے ہی دیا تو عورت کو اس معقول رقم سے کچھ دنوں تک گذر بسر کی سہولت ہوگی اور ممکن ہے اسی درمیان اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی بہتر صورت پیدا فرمادے۔ دور صحابہ میں تعدد ازدواج، مطلقہ اور بیوہ سے نکاح کا عام رواج ہونے کے باوجود سیدنا حضرت عمر فاروقؓ تین طلاق دینے والے کو سزائیں دیا کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب سیدنا حضرت عمرؓ کے پاس کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی

کو یکبارگی تین طلاقیں دی ہوتیں، تو اس کی پٹائی فرماتے۔

"عن أنس، قال: إن عمر إذا أتي برجل قد طلق امرأته ثلاثا في مجلس أوجعه ضربا وفرق بينهما" (المصنف لابن ابی شیبہ حدیث نمبر: ۱۷۷۹۰)۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص کو جس نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی تھیں سیدنا حضرت عمرؓ کی خدمت میں لا گیا تو اس شخص نے کہا: میں نے ویسے ہی مذاق کیا ہے، سیدنا حضرت عمرؓ نے اس کو درے سے مارا اور فرمایا: "انما یکفیک من ذلک ثلاثة" کہ تیرے لئے ان میں سے تین طلاقیں کافی ہیں۔

" زيد بن وهب قال: لقي رجل رجلا لعابا بالمدينة، فقال: أطلقت امرأتک؟ قال: نعم قال: کم؟ قال: ألفا قال: فرفع إلى عمر قال: »فطلقت امرأتک؟« قال: إنما کنت ألعب، فعلاه بالدرة، وقال: »إنما يکفيک من ذلک ثلاثة" (مصنف عبدالرزاق: ٦/ ۳۹۳ حدیث: ۱۱۳۴۰)۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں: "ان وجوہ کی بنا پر طلاق کا مروج دستور بلا شبہ واجب التعزیر جرم ہے حکومت پر فرض ہے کہ ایسے جرم پر عبرتناک سزا دے، حکومت کی طرف سے غفلت کی صورت میں برادری کی طرف سے مقاطعہ (بائیکاٹ) کی تعزیر مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالی اعلم" (احسن الفتاوی: ۵/ ۱۹۵)۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ایک ساتھ تین طلاق دینے والوں کے لئے حکومت وقت کو مشورہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"پھر خصوصیت کے ساتھ اس طلاق کے مسئلہ میں یہ بات بہت مفید ہوگی کہ تین طلاقیں بیک وقت دینا قانونی جرم قرار دیا جائے، اور جو شخص اس جرم کا ارتکاب کرے اس کے لئے کوئی مناسب سزا مقرر کر دی جائے (ہمارے عائلی مسائل: ۱۵٦ بحوالہ "نکاح وطلاق اور ہماری ذمہ داریاں": ص: ۱۳۱)۔

ہندوستان میں تین طلاق دینے والوں کی جسمانی تعزیر مسلمانوں کے لیے ممکن نہیں ہے، اور نہ ہی اس سلسلہ میں حکومت سے قانون سازی کا مطالبہ مناسب ہے، لہذا اب اس کے سد باب کے لیے تعزیر مالی ہی مناسب ہے، چنانچہ طلاق کی جن صورتوں میں احناف کے نزدیک متعہ صرف مستحب ہے، ان صورتوں میں متعہ کو واجب قرار دیتے ہوئے بصورت نقد اس کی ایک معقول حد مقرر کر دی جائے یا طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کیا جائے ان دونوں کی گنجائش ہونی چاہئے۔

مفتی شبیر احمد القاسمی صاحب ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا بلا وجہ بیوی کو طلاق دینے کی وجہ سے شوہر پر تعزیر مالی لازم کی جاسکتی ہے؟ المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ۔

جواب: تعزیر کی دو قسمیں مشہور ہیں: تعزیر جسمانی، تعزیر مالی۔ (۱) تعزیر جسمانی: ہندوستان جیسے آزاد غیر اسلامی ممالک میں تعزیر جسمانی کا جاری کرنا مشکل ہے، یہاں کا ماحول اور معاشرہ نہ اس کا متحمل ہے اور نہ ہی معاشرہ اس کی اجازت دیتا ہے۔

(۲) تعزیر مالی: تعزیر مالی (مالی جرمانہ) کے متعلق حضرات فقہاء نے اپنی اپنی کتابوں میں کافی تفصیلی بحث کی ہیں، ان تمام تفصیلات اور بحثوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرات طرفین کے نزدیک مالی جرمانہ سرے سے جائز نہیں ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حاکم وقت کے لئے تعزیر مالی کو جاری کرنا جائز ودرست ہے۔اور ساتھ میں یہ بات واضح رہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعزیر مالی کا جواز مطلقاً ہر جگہ جائز نہیں ہے؛ بلکہ جہاں پر ذمہ دار شخصیت تعزیر مالی کو مصلحت سمجھے گی وہاں پر جاری کرے گی، اور فقہاء نے حضرات طرفین کے نزدیک عدم جواز کی جو بات نقل فرمائی ہے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ تعزیر مالی شروع اسلام میں جائز تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے، لیکن ''فقہ السنہ'' کے اندر منسوخ ہونے کی بات کی تردید کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ مالی جرمانہ شروع اسلام میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہو چکا ہے، ان لوگوں کے پاس منسوخ ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور یہ دعویٰ بلا دلیل کے ہے؛ اس لئے یہ حکم آج بھی بدستور باقی ہے؛ لہٰذا جہاں ذمہ دار شخصیت تعزیر مالی کو جاری کرنا مصلحت سمجھے گی وہاں آج بھی تعزیر مالی (مالی جرمانہ) جاری کرنے کی گنجائش ہے؛ لہٰذا اس قول کے اعتبار سے جو شوہر بیوی کو بلا وجہ اور بغیر کسی ضرورت کے اور بیوی کی طرف سے ایسے کوئی خاص اسباب پیدا نہیں کئے گئے ہیں، جن کی وجہ سے طلاق دینے کی ضرورت پڑے اس کے باوجود خواہ مخواہ، بیوی کو طلاق دے دے یا بیک وقت تین طلاقیں دے دے یا کوئی شوہر بیوی کو خواہ مخواہ معلق چھوڑ دے، تو ایسے حالات میں ذمہ دار شخصیات شوہر کے اوپر مصلحت کے پیش نظر مناسب تعزیر مالی جاری کرسکتی ہیں اور کچھ مقدار مال لے کر بیوی کے حوالہ کرسکتی ہیں۔اور اگر وقتی طور پر شوہر سے کچھ مال ضبط کر کے رکھ لیں اور بعد میں جب وہ اپنے جرم سے تائب ہو جائے تو اسے واپس کردیں، تو ایسا کرنا سب کے نزدیک جائز ہے اور تائب نہ ہونے کی صورت میں امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق بیوی کے حوالہ کرنے کی گنجائش ہے۔اب فقہاء کے جزئیات ملاحظہ فرمائیے: ''فقہ السنہ'' میں اس کو ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا، وليس بسهل دعوى نسخها والمدعوون للنسخ ليس معهم سنة، ولا إجماع يصح دعواهم'' (فقہ السنہ ۲/۵۳۵)۔

اور امام زیلعیؒ نے حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے: **''وعن أبي يوسف أن التعزير بأخذ الأموال جائز للإمام''** (تبیین الحقائق قدیم مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۲۰۸، جدید زکریا ۳/۶۳۴)۔

''تبیین'' کے حاشیہ میں علامہ چلپی نے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے: **''وعن أبي يوسف أن التعزير بأخذ المال جائز للإمام، وعندهما والشافعي ومالک وأحمد لا يجوز بأخذ المال، وما في الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلک أو الوالي جاز، ومن جملة ذلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال مبني على اختيار من قال بذلک من المشايخ لقول أبي يوسف''** (حاشیۃ چلپی علی الزیلعي، قدیم ۳/۲۰۸، جدید زکریا ۳/۶۳۴)۔

اس کو ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے: **''الأصل في مذهب أبي حنيفة أن التعزير بأخذ**

المال غير جائز، فأبو حنيفة ومحمد لا يجيزانه، بل إن محمدا لم يذكره في كتاب من كتبه،أبويوسف فقد روى عنه أن التعزير بأخذ المال من الجاني جائز إن رؤيت فيه مصلحة۔ ''(*الموسوعة الفقهية الكويتية* ۱۲/ ۲۷۰)۔

اس کوصاحب'' فتح القدیر'' نے امام ابویوسفؒ کےقول کے ساتھ تھوڑا سا اضافہ کرکے لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیے:''**يجوز تعزيره بأخذ المال مبني على اختيار من قال بذلک من المشايخ كقول أبي يوسف، وقال التمرتاشي: يجوز التعزير الذي يجب حقا لله تعالى لكل أحد بعلة النيابة عن الله تعالى**''(*فتح القدیر، زکریا* ۵/ ۳۳۰)۔

'' درمختار مع الشامی'' میں اس کوان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے، کافی تفصیل موجود ہے، اس میں سے تھوڑی سی عبارت اقتباس کے ساتھ ذیل میں درج کی جاتی ہے:''**لا بأخذ المال في المذهب (بحر) وفيه عن البزازية وقيل: يجوز ومعناه أن يمسكه مدة لينزجر ،ثم يعيده له، فإن أيس من توبته يصرفه إلى ما يرى، وفي المجتبى: أنه كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ، وتحته في الشامية: وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز**'' (*درمختار مع الشامي، زکریا* ٦/ ۱۰۵-۱۰٦، *کراچی* ۴/ ٦۱)۔

اور'' بزازیہ'' میں اس کوان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:''**والتعزير بأخذ المال إن رؤيت المصلحة فيه جائزة، قال مولانا خاتمة المجتهدين مولانا ركن الدين أبو يحيى الخوارزميؒ: معناه أن نأخذ ماله ونودعه، فإذا تاب نرده عليه كما عرف في خيول البغاة وسلاحهم، وصوبه الإمام ظهير الدين التمرتاشي الخوارزمي، قالوا: ومن جملته من لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال**'' (*البزازیۃ علی الہندیۃ* ٦/ ۴۲۷، *زکریا جدید* ۳/ ۲۵۱، *فتاویٰ قاسمیہ:* ۱۵/ ۵۴۱)۔

بیجا طور پرطلاق دینے یا تین طلاق دینے کی صورت میں مزید نصف مہر:

نکاح کے وقت فریقین کی رضامندی سے اگر یہ معاہدہ طے کرلیا جائے کہ اگر مرد بیجا طور پر بغیر کسی معقول عذر کے طلاق دے یا تین طلاق ایک ساتھ دے تو متعہ کے طور پر یا مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینی ہوگی تو اس طرح کا معاہدہ درست ہوگا اوراب اگر مرد طلاق دیتا ہے تو حسب معاہدہ اس اصول کے تحت کہ'' **المسلمون عند شروطهم**''(*بخاری:* ۳/ ۹۲) *متعینہ رقم اس پر لازم ہوگی۔*

☆☆☆

تیسرا باب

مختصر تحریریں

تعزیر بالمال احکام ومسائل

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی ☆

۱- "وهو ما يسمى فى عصرنا الحاضر المصادرة" (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۳/۳۲۰)، عصر حاضر میں تعزیر بالمال کا مفہوم مالی جرمانہ لینا دینا ہے، بزازیہ میں تعریف یوں رقم ہے: "وأفاد فى البزازية: أن معنى التعزير باخذ المال على القول به ، امساک شئ من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم اليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة......وأرى أن يأخذها فيمسكها فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى" (ردالمحتار علی الدر ۶/۱۰۶، عالمگیری ۲/۱۶۸، الفقہ الاسلامی ۶/۱۹۰)، جنایت کرنے والے کے مال کو ایک مدت کے لئے روک لیا جائے اصلاح کے بعد اسے واپس کر دیا جائے اور اگر اصلاح نہ ہو تو حاکم اس مال کو اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہے خرچ کرے۔

تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال دونوں کا مفہوم یکساں ہے، اس لئے صورت مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑنا چاہئے۔

۲- تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب عدم جواز ہے، "الأصل فى مذهب أبى حنيفة أن التعزير بأخذ المال غير جائز فأبو حنيفة ومحمد لا يجزانه بل أن محمدا لم يذكره فى كتاب من كتبه" (ہندیہ ۲/۱۶۷، ردالمحتار علی الدر ۶/۱۰۶، اعلاء السنن ۱۱/۷۳۳)، طرفین کے نزدیک تعزیر باخذ المال جائز نہیں بلکہ امام محمدؒ نے اپنی کسی کتاب میں اس کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔

۳- حضرت امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز ہے، مگر یہ روایت حضرت الامام سے ضعیف ہے اور اس کے مطابق فتوی نہ دیا جائے، تاکہ حاکم ظلما لوگوں کے مال لینے اور کھانے پر جری نہ ہو جائے، "قال فى الفتح: وعن ابى يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال......وظاهره أن ذلک رواية ضعيفة عن ابى يوسف، قال فى الشرنبلالية ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه، ومثله فى شرح الوهبانية عن ابن وهبان" (ردالمحتار علی الدر ۶/۱۰۶-۱۰۵)۔

☆ سابق شیخ الحدیث و پرنسپل دار العلوم مئو۔

۴- تعزیر بالمال کے جواز کے صاحب خلاصۃ الفتاوی وصاحب بزازیہ وغیرہ قائل ہیں، اور تمرتاشی نے اس کی تصویب بھی فرمائی ہے، علامہ طاہر بن عبد الرشید تحریر فرماتے ہیں:"وسمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضى أو الوالى جاز ومن جملة ذلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره باخذ المال" (خلاصۃ الفتاوی ۴/۴۴۴)، نیز ابن البزازکردری تحریر فرماتے ہیں:"والتعزير بأخذ المال إن رؤيت فبه المصلحة جائز، قال مولانا خاتمة المجتهدين ركن الدين ابو يحيى الخوارزمیؒ: معناه أن نأخذ ماله ونودعه فإذا تاب نرده عليه......وصوبه ظهير الدين تمرتاشي الخوارزمي قالوا: ومن جملته من لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال" (البزازیہ علی الہندیہ ۶/۴۲۷)۔

۵- ائمہ ثلاثہ کا راجح مذہب تو عدم جواز ہی ہے مگر امام شافعیؒ کے قول قدیم میں تعزیر بالمال جائز ہے، شبراملسی کہتے ہیں:"ولا يجوز على الجديد بأخذ المال، يعنى لايجوز التعزير بأخذ المال فى مذهب الشافعى الجديد، وفى مذهب القديم يجوز، أما فى مذهب مالکؒ فى المشهور عنه التعزير فقد قال ابن فرحون: التعزير بأخذ المال قال به المالكية، وقد ذكر مواضع يعذر فيها بالمال وعند الحنابلة يحرم التعزير بأخذ المال أو اتلافه......وخالف ابن تيميه وابن القيم فقالا: إن التعزير بالمال سائغ اتلافا وأخذا" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/۱۸۹،موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۱)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی "قاموس الفقہ" میں فرماتے ہیں: (ماضی قریب کے اہل علم میں سید سابق نے معین الحکام کے مصنف علاء الدین طرابلسی سے بھی نقل کیا ہے کہ "من قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على المذاهب الأئمة نقلا واستدلالا وليس بسهل دعوى نسخها الخ"، بعدہ لکھتے ہیں: اس وقت اسلام کے قانون حدود وتعزیرات کے فقدان کیوجہ سے مسائل جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کررہی ہیں، ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں، یوں بھی عملا اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے اور ریلوے، بس، ٹریفک وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہے، راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے (قاموس الفقہ ۲/۴۷۹)۔

علامہ ابن القیمؒ تحریر فرماتے ہیں:"أما التعزير بالعقوبات المالية فمشروع ايضا فى مواضع مخصوصة فى مذهب مالک واحمد احد قولى الشافعیؒ وقد جاء ت السنة عن رسول الله ﷺ وعن أصحابه بذلک فى مواضع، منها: اباحة ﷺ سلب الذى يصطاد فى حرم المدينة لمن وجده ومثل هدمه مسجد الضرار الخ"، علامہ تقریبا پندرہ مثالیں دے کر لکھتے ہیں:"وهذا قضايا صحيحة معروفة وليس بسهل دعوى نسخها، ومن قال: إن العقوبات المالية منسوخة واطلق ذلک فقد غلط على المذاهب الأئمة نقلا واستدلالا فأكثر هذه المسائل سائغة فى مذهب احمد وكثر، منها: سائغ عند مالک و فعل الخلفاء والراشدين وأكابر الصحابة لها بعد

موته و معطل ایضا لدعوی نسخها"(الطرق الحکمیۃ ۲/۶۸۸ تا ۶۹۲، دار عالم الفوائد مکۃ المکرّمۃ)۔

حضرت مولانا نظام الدین صاحبؒ بھی سماج اور معاشرہ کی اصلاح کی غرض سے مالی جرمانہ کے جواز کے قائل ہیں مگر جن لوگوں سے جرمانہ لیا گیا ہے ان سے یہ رقم جن نیک اور رفاہی کاموں میں خرچ کی جائے گی)، کھلے دل سے اجازت بھی لے لی جائے تو "**لا یحل مالی امرئ مسلم إلا بطیب نفسه أو کما قال علیه السلام**" کے خلاف بھی نہ ہوگا (دیکھئے: منتخبات نظام الفتاوی ۳/۳۷۶)۔

مولانا تقی عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں: مرابحہ اور اجارہ کے اگریمنٹ پر مدیون سے دستخط لیتے وقت اس پر لازم کر دیا جائے کہ مالی واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی اور تاخیر کرنے کی صورت میں وہ دین کے تناسب سے ایک معین رقم خیراتی کاموں میں بطور تبرع صرف کرے گا (فقہی مقالات ۱/۱۲۹-۱۳۰)۔

عرض ہے کہ سپریم کورٹ کا قانون رائٹ آف چیلڈرن ٹو فری اینڈ کمپلسری ایجوکیشن ایکٹ 2009 کسی کو بھی (چاہے وہ بچہ ہو یا بڑا) مانسک یا تنا (دماغی طور پر کسی کو ٹارچر کرنا، پریشان کرنا) یا شاریرک (بدنی) سزا نہیں دی جائے گی، اس لئے اصلاح کی بس یہی ایک صورت رہ جاتی ہے، لہٰذا احقر کے نزدیک تعزیر بالمال جائز اور درست ہے، اور اسے درج ذیل جگہوں پر خرچ کرنا بہتر ہوگا۔

بعض کمزور اور مفلوک الحال بچوں سے فیس نہیں لی جاتی، اسی طرح ذہین اور Topper بچوں سے بھی فیس نہیں لی جاتی، اس لئے اس کمی کو جرمانہ کی رقم سے پورا کیا جا سکتا ہے، مگر ایڈمیشن فارم میں اس کا بھی ایک کالم ہو کہ" طالب علم کی غیر حاضری و کوتاہی پر تعزیر مالی (مالی جرمانہ) لگایا جائے گا، تاکہ اس رقم کا بطیّب خاطر وصول کرنا جائز ہو جائے۔

۶-بوقت ضرورت دیگر ائمہ کے قول ضعیف پر فتوی دیا جا سکتا ہے، علامہ سید ابن عابدین شرح عقود رسم المفتی میں لکھتے ہیں: "**إلا لعامل له ضرورة—أو من له معرفة مشهورة**" (آپ فتوی کیسے دیں/۱۲۲)۔

۷، ۸، ۹-مذکورہ بالا تحریروں کی روشنی میں فہم ناقص یہی کہتی ہے کہ جواز کی گنجائش ہونی چاہئے، اور وہ رقم اس شرط کے ساتھ وصول کی جائے اور تبرعاً انہیں مصارف میں خرچ بھی کی جائے جس کا گذشتہ سطور میں ذکر ہو چکا ہے۔

۱۰-۱۱ اولاً چند تحریر بطور تمہید عرض ہیں:

"**والمتعة قسمان واجبة مستحبة، المستحبة فهی لکل مطلقة بعد الوطی سواء سمی لها مهرا اولا**" (کتاب علی المذاہب الاربعۃ ۴/۱۲۱ دار الکتب العلمیۃ)، "**وأما فقهاء الأمصار فإن أبا حنیفة وابا یوسف و محمدا وزفررحمها الله قالوا: المتعة واجبة التی طلقها قبل الدخول ولم یسم لها مهرا**" (احکام القرآن للجصاص ۱/۵۰۶)، "**وفی بعض مشکلات القدوری المتعة أربعة أقسام واجبة وهی ماتقدم ومستحبة وهی التی طلقها بعد الدخول ولم یسم لها مهرا، وسنة وهی التی طلقها بعد الدخول وقد سمی لها المهر، والرابعة لیست**

بواجبة ولا سنة ولا مستحبة وهی التی طلقها قبل الدخول وقد سمی لها مهرا؛ لان نصف المهر ثابت لها فیقوم مقام المتعة"(شرح فتح القدیر ۲/ ۴۴۸، دارعالم الکتب ریاض)، مشکلات القدوری میں متعہ کی چار قسمیں مذکور ہیں مستحبۃ وہ ہے جس کو دخول کے بعد طلاق دی گئی ہو اور مہر متعین نہ ہو اور سنت متعہ وہ ہے جس کو دخول کے بعد طلاق دی گئی ہو اور مہر متعین کی گئی ہو۔

سورۂ بقرہ میں: "**فاکتبوه**" سے دین کی کتابت بطور استحباب ہے، بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں: "**والجمهور علی أنه أمر استحباب فإن ترکت فلا بأس به**"(التفسیر المظہری ۱/ ۴۲۰)، کتابت دین کے تعلق سے ڈاکٹر صلاح الدین سلطان رقم فرفاتے ہیں: معاملات کی توثیق، نزاع کا خاتمہ اور بے اعتمادی کے ازالہ یہ تمام امور دین ٹھیک ٹھاک لکھ لینے ہی سے انجام پائیں گے یہ ایک واضح صورت حال ہے اس صورت حال میں مقاصد شریعت کا تقاضا ہے کہ قرض کو لکھ لیا جائے، اس لئے میں دکتور طاہر ابن عاشور کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں (مقاصد شریعت/ ۱۸۴ ایفا)۔

دکتور یوسف القرضاوی کی ایک تحریر پیش ہے: حضرت عمرؓ نے جب یہ فیصلہ فرمایا کہ زکوۃ میں سے عہد نبوت میں جو حصہ مؤلفۃ القلوب کو دیا جاتا تھا وہ نہ دیا جائے اور آپ نے فرمایا کہ اب تو اللہ اسلام کو عزت دے کر اسے ان لوگوں سے مستغنی بنا دیا ہے، تو درحقیقت حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ کسی حکم شرعی کو تبدیل کرنا یا نص قرآنی کو معطل کرنا نہیں تھا...... بلکہ چونکہ عہد نبوت کے ختم ہونے کے بعد حالات تبدیل ہو گئے تھے، اس لئے اس کی مناسبت سے آپ کا فتوی تبدیل ہو گیا تھا (ترجمہ فقہ الزکوۃ ۱/ ۷۴)، اسی بات کو دکتور جاسر عودہ یوں لکھتے ہیں: "**لأن الواجب کان الإعزاز وکان بالدفع، والأن هو فی عدم الدفع**"، اس وقت اسلام کا اعزاز دینے میں تھا اور اب از ادنہ دینے میں ہے (فقہ المقاصد/ ۱۳۱)، قول عمرؓ "**الاسلام یعلو ولا یعلی**" اس پر صراحۃ دلالت کر رہا ہے، کسی قریہ کے لوگ اجتماعی طور پر اذان ترک کر دیں تو امام محمدؒ نے ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے، جبکہ اذان خبر واحد سے ثابت ہے لیکن عملا تواتر ہے، "**فقد افتی الامام محمد بن الحسن الشیبانی بمحاربة أهل القریة إذا اجتمعوا علی ترک الأذان مع أن الاذان ثابت باخبار الأحاد، ولکنه متواتر تعاملا**" (قضایا فقہیہ معاصرہ، ازمولانا بدر الحسن قاسمی/ ص ۳۹۱)۔

یہی بات قدرے جامع الفاظ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں: نص کا اہمال الگ چیز ہے اور وقتی طور سے نص کے کسی حکم کا موقوف کیا جانا یا کسی مقصد شریعت کے تحت یا کسی مصلحت شرعی کی بنیاد پر امر آخر ہے (مقصد شریعت/ ۳۰۹)۔

مذکورہ حوالوں کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ افراط وتفریط سے بچنے کی خاطر مستحب والی صورتوں میں بھی متعہ کو لازم کر دیا جائے اور مہر کے علاوہ نصف بصورت نقد ضروری قرار دیا جائے، اس عاجز کے خیال میں نکاح نامہ اگر رجسٹرڈ ہو اور یہ اس میں مذکور ہو تو بہتر ہونا چاہئے تا کہ نفاذ میں آسانی ہو۔

☆☆☆

التعزیر بالمال، ایک شرعی جائزہ

ڈاکٹر عبداللہ جولم☆

شریعت اسلامیہ میں جرائم کی روک تھام کے لیے دو طریقہ اپنایا گیا ہے۔

بعض اہم جرموں کی سزا شارع نے خود متعین کردی ہے۔ جنھیں حدود کہا جاتا ہے، جیسے چوری، زنا وغیرہ کی سزا۔

اور اکثر جرائم کی سزا حاکم پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ حالات کے تحت فیصلہ کرے، جنھیں تعزیز کہا جاتا ہے۔ **قال ابن قدامه**: "**التعزير هوا لعقوبة المشروعة على جناية لاحد فيها**" (المغنی ۱۲/ ۵۲۳) تعزیر اس سزا کو کہتے ہیں جو ایسے جرم پر دی جائے جس کی سزا متعین نہیں کی گئی ہے۔

تعزیری سزا کی تین صورتیں ہیں:

۱) جسمانی سزا، جیسے کوڑے لگانا۔ ۲) معنوی سزا، جیسے قید کرنا، اس کے جرم کی تشہیر کرنا۔ ۳) مالی سزا، جیسے جرمانہ عائد کرنا۔

مالی سزا کی پھر تین صورتیں ہیں: ۱) مال کو ضائع اور برباد کردینا جیسے منکرات کی جگہوں کو منہدم کردینا۔ ۲) مال کی ھیئت کو تبدیل کرنا جیسے تصویر والی چادر کو اس طرح کاٹنا کہ تصویر باقی نہ رہے کھوٹے سکے کو پگھلا دینا، ۳) مالی جرمانہ عائد کرنا، جیسے باغ سے پھل چوری کرنے پر مالی تاوان عائد کرنا۔

مالی جرمانہ کی دو قسم ہے ایک متعین جیسے کسی نے کسی کا مال برباد کردیا تو اس سے اسی کے مثل جرمانہ وصول کیا جائے گا، احرام میں شکار کرنے پر اسی کے مانند جانور کا صدقہ کرنا ہوگا۔ "**يايها الذين آمنوا لا تقتلوا الصيد وأنتم حرم ومن قتله منكم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم**" (مائدہ: ۹۵) دوسری قسم غیر متعین جو حاکم اور قاضی کے صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

اور مالی تاوان کی اسی قسم کے سلسلے میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

پہلا قول: جمہور علمائکا ہے جو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ تعزیر بالمال جائز نہیں، اس کے قائلین میں سے جمہور علماء حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ ہیں (شرح فتح القدیر ۵/ ۳۴۵، تبصرۃ الحکام ۲/ ۲۹۸، المجموع ۵/ ۳۳۴، المغنی ۸/ ۳۲۶، الحسبۃ: ۴۹)۔

ان کا استدلال مندرجہ ذیل ہے: ۱) ارشاد باری ہے: "**يا يها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم**" (نساء: ۲۹)۔

☆ جامعہ دارالسلام، عمرآباد، تامل ناڈو۔

وجہ استدلال: اللہ تعالی نے اس آیت میں کسی کا بھی مال اس کی رضا کے بغیر لینے سے منع فرمایا ہے، اور جرمانے کے طور جو مال لیا جاتا ہے وہ اس سے راضی نہیں ہوتا۔

۲) رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''إنما دماؤ کم وأموالکم وأعراضکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذافی بلدکم هذافی شهر کم هذا'' (بخاری: کتاب الحج، باب الخطبۃ ایام منیٰ، حدیث نمبر: ۱۷۳۹) (تم سب کا خون، مال اور عزت وآبرو تم سب پر حرام ہے، آج کے دن کی حرمت کے مانند اس شہر میں اور اس مہینہ میں)۔

وجہ استدلال: یہ حدیث واضح طور پر دلالت کررہی ہے کہ کسی کا مال اس کی رضا کے بغیر نہیں لیا جاسکتا، لہذا التعزیر بالمال جو کہ مالک کی رضا کے بغیر لیا جاتا ہے درست نہیں۔

۳) دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لایحل مال امریء مسلم إلا بطیب نفس منه'' (اخرجہ الامام احمد فی المسند ۵/۷۲، والبیہقی ۵/۱۰۰ وقال الالبانی صحیح ارواء الغلیل ۵/۲۷۹، حدیث نمبر: ۱۴۵۹) (کسی مسلم کا مال اس کی خوشی اور رضا کے بغیر جائز نہیں اور جرمانہ میں لیا جانے والا مال اسی قبیل سے ہے، لہذا جائز نہیں)۔

دلیل عقلی: ۱) تعزیر بالمال کی اجازت سے ظالم حکمرانوں کو لوگوں کا مال ناحق طریقے سے قبضہ کرنے کی چھوٹ مل جائے گی (المغنی ۱۰/ ۳۴۳)۔

دوسرا قول: جواز کا ہے، اس کے قائلین بعض حنفیہ جیسے امام ابو یوسفؒ، بعض مالکیہ جیسے ابن فرحون اور شاطبی، امام شافعی کا قول قدیم اور امام ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ ہیں (شرح فتح القدیر ۵/ ۳۴۵، تبصرۃ الحکام ۲/ ۲۹۸، المجموع ۵/ ۳۳۴)۔

ان کا استدلال مندرجہ ذیل ہے:

۱) ''قوله تعالیٰ: مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللهِ '' (الحشر: ۵) (تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنھیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا، یہ سب اللہ کے فرمان سے تھا)۔

وجہ استدلال: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کو ان کا باغ جلا کر، کاٹ کر برباد کر کے مالی سزا دینے کا حکم دیا ہے (کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر: ۴۰۲۱)۔

۲) ''وَانظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا '' (طہ: ۹۷) (اور اب تو اپنے اس معبود کو بھی دیکھ لینا جس کا اعتکاف کیے ہوئے تھا کہ ہم اسے جلا کر دریا میں ریزہ ریزہ اڑا دیں گے)۔

وجہ استدلال: موسیٰ علیہ السلام کا بچھڑے کو جلانا اور اس کی راکھ کو سمندر میں ڈالنا یہ مالی سزا ہے۔

۳) ''عن بهز بن حکیم عن أبیه عن جده قال سمعت رسول الله ﷺ یقول: فی کل سائمة إبل فی أربعین بنت لبون لایفرق إبل عن حسابها، من أعطاها مؤتجرافله أجرها ومن منعها فانا آخذوهاوشطر ماله،

عزمة من عزمات ربنا عزوجل ليس لآل محمدمنها شئی، وفی رواية النسائی وشطر ابله"(ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی زکاۃ السائمۃ وحسنہ الالبانی: حدیث نمبر:۱۵۷۵، واللفظ لہ وأحمد ۵/۴، الدارمی ۱/۳۹۶، النسائی حدیث:۲۴۴۹)۔

محل استدلال: جوزکاۃ نہیں دے گا ہم اس سے زکاۃ کے ساتھ اس کے مال کا کچھ حصہ بھی وصول کریں گے اور یہ اللہ کے تاکیدی حکم میں سے ہے، تو زکاۃ نہ دینے والے سے زائد مال وصول کرنا یہ تعزیر بالمال ہی کے قبیل سے ہے۔

۴)"**عن عبدالله بن عمرو عن النبی ﷺ سئل عن الثمر المعلق فقال: من أصاب بفية من ذی حاجة غير متخذ خبنة، فلاشئی عليه، ومن خرج بشئی منه فعليه غرامة مثليه والعقوبة، ومن سرق منه شيئا بعد أن يؤويه الجرين، فبلغ ثمن المجن فعليه القطع، ومن سرق دون ذلک فعليه غرامة مثليه والعقوبة**"(ابوداؤد، کتاب الحدود، باب مالاقطع فیہ، حدیث نمبر:۴۳۹۰، واللفظ لہ، والنسائی کتاب قطع السارق، باب الثمر یسرق بعد ان یؤ دیہ الجرین حدیث نمبر:۴۹۵۸، وابن ماجہ حدیث:۲۵۹۶، وحسنہ الالبانی فی الارواء حدیث نمبر:۲۴۱۳)۔

(اس حدیث میں باغ سے پھل توڑ کر باہر لے جانے پر دوگنا جرمانہ کی بات کہی گئی ہے، اسی طرح کھلیان سے چوری کرنے پر ایک ڈھال سے کم قیمت کا مال ہو تو دوگنا جرمانے کی بات کہی گئی ہے، اور اس کے ساتھ سزا بھی، اس حدیث سے بھی تعزیر بالمال کا ثبوت ملتا ہے)۔

۵)"**عن اليزيدبن البراء عن أبيه قال: لقيت عمی ومعه راية فقلت له: اين تريد؟ فقال: بعثنی رسول الله ﷺ الی رجل نكح امرأة أبيه، فأمرنی أن أضرب عنقه وآخذماله**"(ابوداؤد، کتاب الحدود، باب فی الرجل یزنی بحرمہ، حدیث نمبر:۴۴۵۷، واللفظ لہ، وابن ماجہ، حدیث نمبر:۲۶۰۸، صححہ الالبانی فی الأرواء:۲۳۵۱)۔

۶)"**عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ضالة الإبل المكتومة غرامتها ومثلها معها**" (عبدالرزاق، کتاب اللقطۃ ۱۰/۱۲۹، حدیث نمبر:۱۸۵۹۹، شرح معانی الآثار ۳/۱۴۶)(اونٹ چھپانے کی سزا اس سے دواونٹ وصول کرنا یہ تعزیر بالمال کے قبیل سے ہے)۔

اس کے علاوہ بہت ساری حدیثیں اور آثار ہیں جن سے تعزیر بالمال کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔

رہی بات جمہور کے دلیلوں کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا بھی مال بغیر کسی سبب شرعی کے اس کی مرضی کے بغیر لینا ناجائز ہے، اور اگر سبب شرعی موجود ہو تو لینا جائز ہے، جیسا کہ مندرجہ بالا دلیلوں سے پتہ چلتا ہے۔

جمہور نے تعزیر بالمال کے قائلین کی دلیلوں کا جواب یہ دیا ہے کہ تعزیر بالمال کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا، ربا کی حرمت کے ساتھ اس کو منسوخ کردیا گیا۔"**قال الطحاوی: نسخ ذلک بتحريم الربا، فعاد الأمر إلی أن لايؤخذممن أخذ شيئا، إلا مثل ماأخذ، وإن العقوبات لاتجب فی الأموال بإنتهاک الحرمات التی هی غير أموال**" (شرح معانی الآثار ۳/۱۴۶)، یعنی عقوبات مالیہ کو ربا کی حرمت کے ساتھ منسوخ کردیا گیا۔ اور بات یہ رہ گئی کہ جو شخص کسی کا کوئی سامان لے گا اس سے

اسی جیسا سامان لیا جائے گا، اور یہ کہ غیر مالی محرمات کے ارتکاب میں مالی سزا نہیں دی جائے گی۔

اس دعوی کا جواب یہ دیا گیا ہے، نسخ کا دعوی تاریخ کی جہالت کے ساتھ قبول نہیں کیا جاسکتا۔

ثانیا: قرآن وسنت سے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

ثالثا: خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ سے اس پر عمل ثابت ہے، چنانچہ خود امام طحاوی لکھتے ہیں: "**وقد ذهب غير واحد من أصحاب رسول الله ﷺ وهم عمر بن الخطاب وسعد بن أبى وقاص إلى أن ذلك الحكم كان باقيا بعد النبى ﷺ**" (مشکل الآثار ۴/۲۰۸)۔

بعض علماء نے نسخ کی دلیل اس حدیث کو بنایا ہے: "**عن حرام بن محيصة الانصارى عن البراء بن عازب قال كانت له ناقة ضارية، فدخلت حائطا فأفسدت فيه، فكلم رسول الله ﷺ فيها، فقضى بأن حفظ الحوائط بالنهار على أهلها، وإن حفظ الماشية بالليل على أهلها، وإن على أهل الماشية ماأصابت ماشيتهم بالليل**" (ابوداؤد: کتاب البیوع والاجارات، حدیث نمبر: ۳۵۷۰، وابن ماجہ حدیث: ۲۳۳۲، وصححہ الالبانی فی الارواء: ۱۵۲۷) "**قال البيهقى: وقد كان تضعيف الغرامة على من سرق فى ابتداء الإسلام ثم صار منسوخا، واستدل الشافعى على نسخه بحديث البراء بن عازب فيما افسدت ناقته، فلم ينقل عن النبى ﷺ فى تلك القصة أنه اضعف الغرامة، بل نقل فيها حكمه بالضمان فقط**" (السنن الکبری ۴/۱۰۵) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس معاملے میں مزید جرمانہ عائد نہ کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ تعزیر بالمال منسوخ ہے، اس لیے کہ تعزیر بالمال کفارۃ الظہار میں باقی ہے، اسی طرح عمدا شکار کرنے پر اور نہار رمضان میں عمدا جماع کرنے پر مالی سزا باقی ہے (الذخیرۃ ۱۰/۵۴)۔

امام ابن تیمیہؒ نے تعزیر بالمال کی سنت اور آثار صحابہ سے بہت ساری مثالیں پیش کرنے کے بعد کہا ہے: "**ومن قال: إن العقوبات المالية منسوخة واطلق ذلك عن أصحاب مالك واحمد فقدغلط على مذهبهما. ومن قاله مطلقا من أى مذهب كان، فقد قال قولا بلادليل، ولم يجئ عن النبى صلى الله عليه وسلم شئى قط يقتضى أنه حرم جميع العقوبات المالية، بل أخذ الخلفاء الراشدون وأكابر أصحابه بذلك بعد موته دليل على أن ذلك محكم غير منسوخ**" (الحسبۃ: ۲۶)۔

اور جو شخص یہ کہے کہ مالی سزا منسوخ ہے اور اس کی نسبت امام مالکؒ واحمدؒ کے اصحاب کی طرف کرے تو اس نے ان کی طرف غلط نسبت کی، اور جو یہ دعوی کرے کہ ہر مذہب میں منسوخ ہے تو اسنے ایسی بات کہی جس کی کوئی دلیل نہیں، اور رسول اکرم ﷺ سے کبھی بھی کوئی ایسی بات منقول نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ ساری مالی سزائیں حرام کردی گئیں، بلکہ خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ نے آپ کی وفات کے بعد اس پر عمل کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم باقی ہے منسوخ نہیں۔

راجح: دونوں اقوال کی دلیلوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے تعزیر بالمال کے جواز کا قول راجح ہے، جیسا کہ احادیث،

خلفائے راشدین اور اکابر صحابہ کے عمل سے ظاہر ہے۔

اس تمہید کے بعد اب فقہ اکیڈمی کے سوالوں پر نظر ڈالتے ہیں:

۱-تعزیر بالمال کا مطلب ہے مالی سزا دینا جیسے حالت احرام میں بری جانور کا شکار کرنے پر اس جیسا جانور صدقہ کرنا ہوگا۔فرمان الٰہی ہے: ”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ “(مائدہ:۹۵)(اے ایمان والو!(وحشی) شکار کو قتل مت کرو، جبکہ تم حالت احرام میں ہو،اور جو شخص تم میں سے اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا،تو اس پر فدیہ واجب ہوگا جو کہ مساوی ہوگا اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے،جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کردیں،خواہ وہ فدیہ خاص چوپایوں میں سے ہو جو نیاز کے طور کعبہ تک پہنچایا جائے اور خواہ کفارہ مساکین کو دے دیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لیے جائیں تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے)۔

تعزیر بالمال اور تعزیر بأخذ المال کے درمیان فرق:

اکثر علماء نے دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے،بعض کے نزدیک تعزیر بالمال کا مطلب وہ مال جو سزا کے طور پر مستقل لے لیا جائے،اور تعزیر بأخذ بالمال کا مطلب وہ مال جو سزا کے طور پر موقتاً لیا جائے،اور جب مجرم کی حالت درست ہوجائے تو اسے واپس کردیا جائے۔

۲-تعزیر بالمال کے سلسلے میں ائمہ حنفیہ کا معروف مذہب عدم جواز کا ہے،البتہ امام ابو یوسف سے جواز منقول ہے۔

”قال ابن الهمام:“وعن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذالمال، وعندهما وباقی الأئمة الثلاثة لایجوز، ومافی الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزیر بأخذ المال أن رأی القاضی ذلک أوالوالی جاز، ومن جملة ذلک رجل لایحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذالمال مبنی علی اختیار من قال بذلک من المشائخ کقول أبی یوسف“ (شرح فتح القدیر۵/۴۵)۔

ابن الہمام کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ بعض مشائخ حنفیہ نے امام ابو یوسف کے قول کے مطابق فتویٰ دیا ہے،علامہ ابن عابدین کا فتویٰ اسی کے مطابق ہے، **”قال ابن عابدین:وأری أن یأخذ الحاکم مال الجانی فیمسکه عنده، فإن أیس من توبته یصرفه إلی مایری من المصلحة“**(حاشیہ ابن عابدین ۳/۱۹۵)۔

ائمہ ثلاثہ کے بعض فقہاء سے بھی جواز منقول ہے، مالکیہ میں سے علامہ عدوی شرح مختصر الخلیل کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

”ویکون التعزیر بالنفی فی من یزور الوثائق، وبالمال کأخذ أجرة العون من المطلوب الظالم وبالإخراج عن الملک کتعزیر الفاسق ببیع داره“(شرح مختصر الخلیل ۸/۱۱۰)۔

”وقال ابن فرحون:والتعزیر بالمال قال به المالکیه، فیه ولهم تفصیل ذکرت منه فی کتاب الحسبة

طرفا، فمن ذلک سئل مالک عن اللبن المغشوش أیهراق؟ قال لا، ولکن أری أن یتصدق به إذا کان هوا لذی غشه"(تبصرۃ الحکام ۲/ ۲۹۱)۔

امام نوویؒ نے امام شافعی کا قول قدیم نقل کیا ہے(المجموع ۵/ ۳۳۴)۔

۷- تعلیمی اداروں میں مختلف کوتاہیوں پر جرمانہ عائد کرنا، مصلحہ مرسلہ کے قبیل سے ہے۔اس کا فائدہ بھی محسوس کیا جاتا ہے اس لیے جائز ہے۔

۸- ہاؤسنگ سوسائٹی کا وقت مقررہ پر مطلوبہ رقم ادا نہ کرنے پر جرمانہ عائد کرنا یہ ربا کے قبیل سے ہے، اس لیے جائز نہیں۔ہاں عقد کے وقت ہی یہ شرط رکھی جا سکتی ہے کہ وقت پر ادائیگی نہ کرنے پر عقد ختم ہو جائے گا، اور پیسہ واپس کر دیا جائے گا، یا جتنی رقم ادا کی ہے بس اتنے کا مالک ہوگا۔

۹- برادریوں اور خاندانی پنچایتوں میں درست ہے، البتہ کاروباری انجمنوں میں درست نہیں اس لیے کہ اس میں ربا لازم آئے گا۔

۱۰- نکاح کے وقت یا نکاح نامہ میں طلاق سے متعلق کسی بات کا پابند بنانا، میاں بیوی کے درمیان سکون واطمینان کی فضا کو ختم کردے گا۔جو نکاح کی حکمت کے خلاف ہے "**وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً**"(الروم:۲۱)۔

☆☆☆

تعزیر بالمال

مولانا محمد ظفر عالم ندویؔ☆

۱ – تعزیر بالمال: مالی تاوان وجرمانہ کو تعزیر بالمال کہتے ہیں، اسی کو فقہاء، العقوبۃ المالیۃ سے بھی تعبیر کرتے ہیں، اور یہ عام ہے، اس کی انواع میں تعزیر بأخذ المال، تعزیر بحبس المال، تعزیر با تلاف المال اور تعزیر بتغییر المال ہیں، گویا تعزیر بالمال عام ہے، اور تعزیر بأخذ المال خاص ہے، جو عموم میں داخل ہے۔

تعزیر بأخذ المال:

فقہاء کے نزدیک تعزیر بأخذ المال کا جو مفہوم ملتا ہے، وہ ذیل میں درج کیا جارہا ہے، تعزیر بالمال یہ ہے کہ حاکم مجرم سے ایک مدت کے لیے زجراً مال لے لے پھر جب توبہ کرلے تو مال اسے واپس کردے، اپنے لیے یا بیت المال کے لیے نہ لے، اگر توبہ اور اصلاح کی امید نہ ہو تو اس مال کو جہاں مناسب سمجھے صرف کا حکم دے۔

تعزیر بأخذ المال کی یہ صورت امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق ہوگی ورنہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تعزیر بأخذ المال جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے الدر المختار کے اس قول: "ولا بأخذ مال في المذهب" کی تشریح فتح القدیر کے حوالہ سے کرتے ہوئے لکھا ہے: "وعن أبي يوسفؒ يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة، لا يجوز"، آگے صراحت کرتے ہوئے لکھا ہے: "وظاهره أن ذلک رواية ضعيفة عن أبي يوسف"، پھر شرنبلانی کے حوالہ سے یہ بھی صراحت فرمائی ہے کہ اس پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا ہے، "ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه." (ردالمحتار ۶/ ۱۰۵، ۱۰۶)۔

ان تفصیلات کے بعد بزازیہؔ کے حوالہ سے تعزیر بأخذ المال کی تشریح فرمائی ہے، اور علی القول کہہ کر یہ اشارہ بھی فرمایا ہے کہ اُخذ بالمال کی یہ تشریح امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق ہی ہوسکے گی "وأفاد في البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شئ من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيدهٗ الحاكم إليه، ولا يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال

☆ (استاذ) دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

كما يتوهم الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي." (ردّالمحتار ۶/۱۰۶)۔

تعزیر بأخذ المال یہ ہے کہ حاکم مجرم سے ایک مدت کے لیے زجراً مال لے لے پھر جب توبہ کرلے تو اسے مال واپس کردیا جائے، بیت المال میں نہ رکھا جائے، اور نہ اپنے لیے رکھے، اس لیے کہ کسی مسلمان کا مال بغیر شرعی سبب کے لینا جائز نہیں ہے۔

آگے المجتبیٰ کے حوالہ سے یہ بھی ہے کہ اَخذ مال کی کوئی کیفیت مذکور نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ مال لے لے اور روک رکھے، اور اگر توبہ سے مایوسی ہو تو حاکم جہاں مناسب سمجھے اسے صرف کرے، "وفي المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرىٰ أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى." (ردّالمحتار ۶/۱۰۶)۔

میں سمجھتا ہوں کہ تعزیر بالمال کی تعبیر مطلق مالی تاوان وجرمانہ کے لیے ہے، اور اس کی بہت سی انواع اور شکلیں ہیں، ان میں ایک نوع اور ایک شکل تعزیر بأخذ المال کی ہے جو وقتی طور پر برائے سزا اور اصطلاح حال کے لیے ہے، بعد اصلاح جس کا لوٹانا ضروری ہے، تعزیر بالمال کی دوسری نوع اتلاف مال اور تیسری نوع تغییر مال ہے۔

۲- تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب کیا ہے؟

تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کے معروف مذہب کے سلسلہ میں علّامہ شامیؒ نے عدم جواز کو ترجیح دی ہے، "وعن أبي يوسفؒ، يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهماوباقي الأئمة: لا يجوز، ومثله في المعراج، وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف، قال في الشرنبلالية، ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه."(ردّالمحتار ۶/۱۰۶)۔

علّامہ شامیؒ نے پوری بحث کرنے کے بعد صراحت کی ہے: "والحاصل أن المذاهب عدم التعزير بأخذ المال."

شیخ وھبہ الزحیلیؒ نے احناف وغیر احناف کی کتب فقہ کے حوالہ سے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ احناف کا راجح قول یہی ہے کہ تعزیر مالی جائز نہیں ہے، موصوف فرماتے ہیں:

"لا يجوز تعزير بأخذ المال في الراجح عند الأئمة، لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه." (الفقہ الإسلامی وأدلتہ ۷/۵۵۹۲) الموسوعة الفقهية میں حنفیہ کا معروف مسلک عدمِ جواز کا نقل کیا گیا ہے، موسوعہ کی عبارت یہ ہے: "الأصل في مذهب أبي حنيفةؒ: أن التعزير بأخذ المال غير جائز، فأبو حنيفةؒ ومحمدؒ لا يجيزانه، بل أن محمداً لم يذكره في كتاب من كتبه، أمّا أبو يوسف فقد روى عنه: أن التعزير بأخذ المال من الجاني جائز إن رؤيت فيه مصلحة." (الموسوعة الفقهية ۱۲/۲۷۰)۔

۳- تعزیز بالمال کی بابت ائمہ حنفیہ میں کیا کسی کا قول جواز کا ہے؟ اور اس کی کیا حیثیت ہے؟

ائمہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ کا قول جواز کا ہے، جس کی حیثیت ضعیف کی ہے۔ علّامہ شامیؒ نے بیان فرمایا ہے: "وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف."(ردّالمحتار ۶/۱۰۶)۔

۴- کیا فقہاء حنفیہ میں کسی کا فتویٰ اس قول کے موافق ہے؟

متقدمین فقہاء میں سے کسی کا صریح فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول کے موافق ہمیں نہیں ملا ہے، بلکہ شرنبلانی نے صراحت کی ہے کہ اس قول پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا ہے،"ولا یفتیٰ بھذا لما فیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس فیأکلونه." (ردّ المحتار ۶/۱۰۶)، البتہ"خلاصة الفتاویٰ" کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ میں امام محمدؒ کا فتویٰ مالی تاوان کا ہے"من سعی رجلاً إلی السلطان حتی غرمه لا یخلو من وجوه ثلاثة .... الثالث: إذا وقع في قلبه إن فلاناً یجئ إلی امرأته أو جاریته رفع إلی السلطان فغرمه السلطان ثم ظهر کذبه" عندهما لا یضمن الساعي وعند محمدؒ یضمن قال: والفتویٰ علی قول محمدؒ لغلبة السعایة في زماننا."(خلاصة الفتاویٰ ۴/۲۶۰)۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ بیوی یا باندی کے متعلق سلطان کے پاس شکایت کرنے پر جب مالی تاوان ہو جائے پھر جھوٹ ظاہر ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک شکایت کرنے والے پر مالی جرمانہ ہوگا اور صاحب خلاصہ کے دور میں کثرت شکایت کی بنا پر فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر دیا جاتا تھا۔

اسی طرح علاّمہ ابن نجیم مصریؒ نے خلاصہ کے حوالہ سے"البحر الرائق" میں لکھا ہے، کہ میں نے ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ تعزیر بأخذ المال جائز ہے، ان مسائل میں ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی جماعت میں حاضر نہ ہو تو اس سے مالی تاوان لینا جائز ہے،"وفي الخلاصة سمعت من ثقة أن التعزیر بأخذ المال إن رأی القاضي ذلک أو الوالي جاز، ومن جملة ذلک رجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال له."(البحر الرائق ۵/۶۶)۔

"فتاویٰ بزازیہ" میں بھی جواز کا تذکرہ ملتا ہے،"والتعزیر بأخذ المال إن المصلحة فیه جائزة"، آگے بزازیہ میں یہ صراحت ہے:"قال مولانا خاتمة المجتهدین مولانا رکن الدین ابو یحیٰ الخوارزميؒ معناه أن نأخذ ماله ونودعه، فإذا تاب نرده علیه کما عرف في خیول البغاة وسلاحهم، وصوبه الإمام ظهیر الدین التمرتاشي الخوارزميؒ قالوا: ومن جملته من لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال."(فتاویٰ بزازیہ علی الهندیہ ۶/۴۲۷)۔

صاحب بزازیہ کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ جواز کے قائل رکن الدین ابو یحییٰ الخوارزمی اور ظہیر الدین التمر تاشی الخوارزمی بھی ہیں۔

"فتاویٰ تاتارخانیہ" میں بھی"الفتاویٰ الخلاصة" کے حوالہ سے یہی بات نقل کی گئی ہے،"وفي الخلاصة، التعزیر بأخذ المال، إن رأی القاضي أو الوالي جاز."(تاتارخانیہ ۵/۱۴۰)۔

عصر حاضر کے بعض مستند اہل فقہ و فتاویٰ بھی مالی جرمانہ کو بر بنائے مصلحت جائز قرار دیتے ہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دینے کو ترجیح دیتے ہیں، مفتی تقی عثمانی صاحب، مولانا مجیب اللہ ندویؒ اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب وغیرہ نے بھی جواز کی رائے دی ہے۔

۵- ائمۂ ثلاثہ یا مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال تعزیر بالمال کے سلسلہ میں کیا ہیں؟

امام شافعیؒ کا قول جدید عدم جواز کا ہے، اور قول قدیم جواز کا ہے، "ولا یجوز التعزیر بأخذ المال في مذهب الشافعي الجدید، وفي المذهب القدیم یجوز." (حاشیة الشرانبلالیة علی شرح المنهاج ۷/۱۷۴)۔

مالکیہ کا قول مشہور تعزیر مالی کے جواز کا ہے، "وأمّا في مذهب مالک في المشهور عنه فقد قال ابن فرحون: التعزیر بأخذ المال قال به المالکیة وقد ذکر مواضع مخصوصة یعزر فیها بالمال." (الموسوعة الفقهیة ۱۲/۲۷۰)

امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک تعزیر بالمال کے عدم جواز کا ہے، البتہ بعض مسائل میں جواز کا ہے، جیسا کہ امام ابن تیمیہؒ نے صراحت کی ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے: "التعزیر بالعقوبات المالیة مشروع أیضاً في مواضع مخصوصة في مذهب مالک في المشهور عنه، ومذهب أحمد في مواضع بلا نزاع عنه وفي مواضع فیها نزاع فیه." (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۸/۱۰۹-۱۱۰)۔

مزید قوت سے امام ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی جانب سے تعزیر بالمال کے جواز کو ثابت کرتے ہیں:

قال ابن تیمیة: "ومن قال، إن العقوبات المالیة منسوخة وأطلق ذلک عن أصحاب مالک: وأحمدؒ فقط، غلط علی مذهبیهما ومن قال مطلقاً من أي مذهب کان، فقد قال قولاً بلا دلیل ولم یجئ عن النبي صلی النبي ﷺ شئ قط یقتضي أنه حرام جمیع العقوبات المالیة، بل أخذ الخلفاء الراشدون، وأکابر أصحابه بذلک بعد موته دلیلاً علی أنه ذلک محکم غیر منسوخ." (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۸/۱۱۱)۔

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: "المدعون للنسخ لیس معهم کتاب ولا سنة ولا إجماع یصح دعواهم." (جامع الفقہ لابن القیم ۶/۵۴۹)۔

امام ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کی اس عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تعزیر بالمال کے نسخ کا دعویٰ مشکل ہے البتہ فقہاء کی آراء اور تصریحات سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ بعض فقہاء بعض جنایات میں تعزیر مال کے قائل ہیں اور بعض نہیں، جن مواضع میں قائل ہیں وہاں سے یہ نتیجہ خود بخود حاصل ہوجاتا ہے، کہ یہ منسوخ نہیں ہے، بلکہ مشروع ہے، اسی لیے امام ابن تیمیہؒ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ مالی تعزیر وتاوان مشروع اور محکم ہے۔

''موسوعہ فقہیہ'' میں حنابلہ کے مسلک کے بارے میں لکھا ہے کہ تعزیر بأخذ المال اور تعزیر باتلاف المال حرام ہے، لیکن علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیمؒ دونوں نے اس کی مخالفت کی ہے، اور کہا ہے کہ تعزیر بالمال میں اخذ مال اور اتلافِ مال دونوں شکلیں جائز ہیں۔

"وعند الحنابلة یحرم التعزیر بأخذ المال أو إتلافه، لأن الشرع لم یرد بشئ من ذلک عمن یقتدی به"۔

"وخالف ابن تيمية وابن القيم، فقالا: إن التعزير بالمال سائغ إتلافاً وأخذاً"(الموسوعة الفقهية ۱۲/۲۷۱)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ائمۂ ثلاثہ کے مسالک کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک تعزیر مالی کی گنجائش ہے، اوران حضرات نے عموماً نصوص سے استدلال کیا ہے۔

۶- موجودہ دور میں حکومتوں کی طرف سے ایسے قوانین اور ضابطے مقرر ہیں، جن کے پیشِ نظر تعلیمی ادارے غلطی کرنے والے کارکنان اور طلبہ کی کوئی سزا نہیں کر سکتے، جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نظام قابو میں نہیں رہ پا تا ہے، اس لیے محض نظام کو قابو میں رکھنے، اور خاطئین کی اصلاح کے لیے اگر مالی تعزیر کی جاتی ہے، تو اس سے نظام پر کافی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے، لہٰذا اس اہم مقصد کی خاطر اگر مالی تعزیر ہو تو اس کی گنجائش ہونی چاہیے، فقہاء نے تعزیر کے سلسلہ میں جو کلام کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات زمانہ کے پیشِ نظر حکام کو اس میں تبدیلی کا حق ہے، کیونکہ زمان ومکان کی رعایت احکام کی تطبیق اور تنفیذ میں ضروری ہے، ورنہ احکام بے مقصد، بے جگہ اور بے روح ہو جائیں گے، علاّمہ قرافیؒ نے ''الفروق'' میں اس کی طرف نشان دہی فرمائی ہے:

"إنّ التعزير يختلف بإختلاف الأمصار والأزمان، فربّ تعزير في بلاد يكون إكراماً في بلد أخر كقلع الطيلسان بمصر تعزير، وفي الشام إكرام."(الفروق ۴/۱۸۳)۔

علامہ عبدالحئیؒ فرنگی محلیؒ کی بھی رائے جواز کی ہے، تنبیہ کے لیے جرمانہ لینا جائز ہے (مجموعۃ الفتاویٰ مترجم ۳/۵۳، مولانا ظفر احمد عثمانی، إعلاء السنن ۱۱/۶۸۸) مولانا مجیب اللہ ندوی (اسلامی فقہ ۳/۲۸۱)، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (قاموس الفقہ ۲/۴۷۹، جدید فقہی مسائل ۳/۲۴۴-۲۴۹) بھی تعزیر مالی کے جواز کے قائل ہیں۔ راقم کے خیال میں اگر اصلاح وتربیت کے لیے کہیں مالی جرمانہ مؤثر ثابت ہو رہا ہو تو ظلم اور بے جا سختی سے بچتے ہوئے مالی جرمانہ کی گنجائش ہوگی۔ اور اصلاً مشروع ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی شرعی قباحت بھی نہیں معلوم ہوتی ہے۔

☆☆☆

تعزیر باخذ المال کا حکم

مولانا نذر توحید المظاہری☆

شریعت مطہرہ کامل ومکمل دین ہے ہر ہر جزئیہ کی رہنمائی شریعت مطہرہ میں ہے، جرائم کے روک تھام کے لئے باضابطہ حدود وقصاص ہیں تاکہ معاشرہ میں جرائم کا انسداد ہو سکے، چوری، شراب خمر، زنا، قذف کے لئے باضابطہ سزا مقرر ہے، جو شرعی اصطلاح میں حدود سے جانے جاتے ہیں، کوئی شخص کسی کو جان بوجھ کر دھار دار چیز سے ناحق قتل کرے تو اس کا قصاص واجب اگر کوئی کسی کے عضو کو نقصان پہنچائے یا اس کو تلف کردے تو شریعت مطہرہ میں اس کی دیۃ واجب ہے اور مقتول کے اولیاء قصاص معاف کردیں تو دیۃ (خون بہا) واجب ہوتا ہے، اس صورت میں دیۃ کی دو قسمیں ہیں، دیۃ مغلظہ اور دیۃ مخففہ جو قاتل کے اولیاء مقتول کے اولیاء کو ادا کریں گے۔

بعض جرائم وہ ہیں جن کی سزا شریعت میں مقرر نہیں ہے، بلکہ حکام وولاۃ وقضاۃ کی رائے پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ سزا تجویز کریں وہ نافذ العمل ہوگا، مگر وہ سزائیں ایک حد تک جاسکتی ہیں جو حدود سے متجاوز نہ ہوں اسی کو تعزیر کہتے ہیں، تعزیر کے مختلف طریقے ہیں: ڈانٹ، ڈپٹ، گوشمالی، کان پکڑ کر اوٹھنا بیٹھنا وغیرہ اسی طرح ضرب بالسوط وحبس بھی ہو سکتا ہے، مگر حدود سے متجاوز نہیں ہو، اب زیر بحث یہ مسئلہ ہے کہ تعزیر بالمال یا تعزیر بالمال یا تعزیر فی المال جس کو حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے اپنا رسالہ تحریر المقال فی التعزیر بالمال میں بسط کے ساتھ کلام فرمایا ہے جو احسن الفتاوی (۵ / ۵٦۲) میں موجود ہے، مثلاً شراب کے مٹکوں کو توڑنا، آلہ مزامیر کو نیست نابود کرنا، شراب خانوں کو منہدم کردینا، شیرہ انگور کو بہا دینا وغیرہ وغیرہ ہے، اگر زیادہ فساد برپا ہو تو ان چیزوں کو ختم کردینا بادشاہ کے لئے جائز ہے، تعزیر باخذ المال جائز ہے یا نہیں فقہاء نے اس سے بھی بحث کیا، اور تعزیر باخذ المال کو جائز نہیں بتاتے سوائے فقہاء احناف میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ اس کو جائز کہتے ہیں وہ بھی ضعیف قول ہے۔

اور تعزیر باخذ المال سے جو مال حاصل ہو اس کو اتنی مدت تک اپنے پاس رکھے کہ جب وہ تائب ہو جائے تو اس کو لوٹا دے اگر توبہ کی امید نہ رہے تو حاکم اپنے صوابدین پر اس کو صرف کرے اسکی بھی صراحت کی ہے کہ ابتداء اسلام میں جائز تھا پھر یہ منسوخ ہو گیا اور علامہ شامی نے تحریر فرمایا ہے کہ بیت المال میں داخل کردیا جائے، اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات پیش خدمت ہیں، علامہ علاء الدین حصکفیؒ ''الدر المختار'' میں تحریر فرمایا ہے: ''(لا بأخذ المال فی المذهب) **بحروفیه عن البزازیه وقیل: یجوز، ومعناه أن یمسکه مدة لینزجرتم یعیده له، فإن أیس من توبة صرفه إلی مایری، وفی المجتبی: أنه کافی ابتداء**

☆ جامعہ رشید العلوم چترا جھارکھنڈ۔

الإسلام، ثم نسخ، والتعزير ليس فيه تقدير بل مفوض إلى رأى القاضى وعليه مشائخنا"(الدرالمختار علی ہامش الردالمختار ۳/۱۹۶)۔

اورعلامہ ابن عابدینؒ رقم طراز ہیں:"(قوله لا بأخذ مال فى المذهب قال فى الفسخ، وعن أبى يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما،وباقى الأئمة لايجوز ......الخ"(الرد المختار المعروف بالفتاوى الشامی ۳/۱۹۶)۔

ابوحنیفہ ثانی علامہ ابن نجیم مصریؒ "بحر الرائق" میں رقم طراز ہیں:"ولم يذكر محمد التعزير بأخذ المال، وقد قيل:روى عن أبى يوسف ان التعزير بأخذ المال، وقد قيل:روى عن ابى يوسف أن التعزير من السلطان بأخذ المال جائز كذا فى الظهيريه، وفى الخلاصه:سمعت عن ثقة أن التعزير بأخذ المال، إن رأى القاضى ذلك أوالوالى جاز، ومن جملة ذلك لا يحضر الجماعة تجوز تعزيره بأخذ المال" (فتاوی تاتارخانیہ ۵/۱۴۰)، "وأفاد فى البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به، إمساك شئ من ماله عند مدة لينزجر،ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز لأحد عن المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعى، وفى المجتبى:لم يذكر كيفية الأخذ وأرى أن يأخذ ها فيمسكها،فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى، وفى شرح الآثار:التعزير بالمال كان فى ابتداء الاسلام ثم نسخ، والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال"(البحرالرائق علی کنزالدقائق ۵/۷۱)۔

"والتعزير بالعقوبات المالية مشروع أيضا فى مواضع مخصوصة فى مذهب مالك فى المشهور عنه ومذهب احمد فى مواضع بلا نزاع عنه وفى مواضع نزاع عنه فيها والشافعى فى قول: وإن تنازعوا فى تفصيل ذلك كما دلت عليه سنة رسول اللهﷺ فى مثل إباحته سبب الذى يصطاد فى حرم المدينة لمن وجده وهذه القضايا كلها صحيحة معروفة عند أهل العلم بذلك ونظائرها متعددة ومن قال: إن العقوبات المالية منسوخة وأطلق ذلك عن أصحاب مالك واحمد فقد غلط على مذهبهما لم يجئى عن النبى ﷺ شئ قط يقتضى أنه حرم جمع العقوبات المالية من أخذ الخلفاء الراشدين وأكابر اصحابه بذلك بعد موته دليل على أن ذلك الحكم غير منسوخ وعامة الصورمنصوصة عن أحد ومالك وأصحابه بعضها قول عند الشافعى باعتبار ما بلغه من الحديث"(فتاوی ابن تیمیہ ۲۸/۱۱۱)۔

مذکورہ بالاعبارتوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ تعزیر باخذ المال یعنی کسی فعل ممنوع کے ارتکاب پر جرمانہ عائد کرنا۔

۲- تعزیر باخذ المال کی بابت حنفیہ کا معروف ومشہور مذہب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔

۳- تعزیر باخذ المال کی بابت ائمہ حنفیہ میں حضرت امام قاضی ابو یوسفؒ جواز کا ہے اس کو فقہاء نے ضعیف قول قرار دیا ہے۔

۴- فقہاء حنفیہ سے صرف امام قاضی ابو یوسفؒ کا قول ضعیف ہے۔

۵- مذاہب ثلاثہ میں امام مالکؒ کا قول ہے کہ جائز ہے، اور فتاوی ابن تیمیہ میں حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی طرف بھی منسوب کیا ہے، مگر جتنی مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ تعزیر بالمال یا تعزیر فی المال کی مثالیں ہیں، جیسا کہ ''فقہ السنۃ'' میں مذکور ہے: ''التعزير بأخذالمال ويجوز التعزير بأخذالمال وهو مذهب أبي يوسف وبه قال مالك، قال صاحب معين الحكام: ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الائمة نقلا واستدلالا وليس بسهل دعوى نسخها والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصحح دعواهم، إلا أن يقولوا مذهب أصحابنا لا يجوز قال ابن القيم: إن النبيﷺ عزر بحرمان النصيب المستحق من السلب وأخبر عن تعزير مانع الزكاة باخذ شطر ماله فقال النبيﷺ فيما يرويه احمد وابوداؤد والنسائى من اعطاها متجرا فله أجرها، ومن منع فانا أخذوها وشطرماله عزمة من عزمات ربنا'' (فقہ السنہ؍ص ۷۴۰)۔

۶- جرائم ومعاصی کا بازار گرم ہے جرائم ومعاصی کے روکنے کے لئے وعظ اور زبانی فہمائش کافی نہیں ہے موجودہ حالات میں جسمانی سزا کا جاری کرنا متعذر رہے، جرائم ومعاصی کو روکنے کا اور کوئی طریقہ نہیں روز بروز معاصی وجرائم بڑھتے جا رہے ہیں جو رفتار اس وقت معاصی وجرائم کے بڑھنے کا ہے مبادا ایسا نہ ہو کہ پورا کا پورا معاشرہ اس آگ کی لپیٹ میں آ جائے اس طرح کی تدابیر غیر ممکن ہو جائیں گی، تو ایسے حالات میں ضرورۃ تعزیر باخذ المال کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، خواہ فقہ حنفی میں ضعیف ہی قول کیوں نہ ہو! اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت امام قاضی ابو یوسفؒ وقت کے قاضی القضاۃ تھے اسی لئے تعزیر باخذ المال کا قول فرمایا ہو، بہر حال ضرورت متقاضی ہے کہ حضرت امام قاضی ابو یوسفؒ کے قول اختیار فرماتے ہوئے تعزیر باخذ المال کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، ''أما في مواضع الضرورة، فيجوز العمل بالضعيف'' (قواعد الفقہ؍ص ۵۷۵)۔

''ولا يجوز العمل والافتاء بالضعيف والمرجوح إلا عن ضرورة فلوافتى في مواضع الضرورة طلبا للتيسير كان حسنا'' (قواعد الفقہ؍ص ۵۷۶)۔

عبارات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ مواضع ضرورت مین قول ضعیف پر فتوی دینے کی گنجائش ہے، اب سوال یہ ہوتا ہے کہ تعزیر باخذ المال سلطان، حکام، ولاۃ اور قاضی ہی کر سکتا ہے، موجود دور میں ہندوستان میں یہ مفقود ہے، یہ غور فرمایا جائے کہ تعزیر باخذ المال کس کے حکم سے ہوگا۔

فقہاء کی صراحت ہے کہ تعزیر باخذ المال اتنی مدت کے لئے ہوگا جب تک مجرم توبہ نہ کرے، وہ رقم بیت المال میں بھی داخل کرنا جائز نہیں ہے توبہ کے بعد اس کو لوٹانا ہوگا، اس لئے اس امر پر غور فرمالیا جائے۔

اگر توبہ نہ کرے تو حاکم وقت اپنے صوابدین پر صرف کرے، تو یہ غور کرنا ہوگا کہ موجودہ وقت میں کون حاکم یا حاکم کے قائم مقام کہلائے گا۔

تعزیر باخذ المال کے ذریعہ جو مال حاصل ہو اس کا مصرف کیا ہوگا۔

بعض لوگوں سے بیت المال میں انتہائی مشکل میں داخل کرنے کی گنجائش کہا ہے، فی زمانہ بیت المال ختم ہو چکا ہے، تو وہ مال کہاں داخل کیا جائے کیا تعلیمی اداروں ان کے اکاؤنٹ کو بیت المال کا قائم مقام مانا جا سکتا ہے؟

۷- آج کل تعلیمی اداروں میں طلبہ کی مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ عائد کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، ماقبل کے سوالات حل کر لئے جائیں پھر اس سوال پر غور کیا جائے۔

۸- تعلیمی اداروں کے علاوہ بھی بہت سے ادارے نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کا نظام بناتے ہیں اس کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے، چونکہ ظلم کے دروازے کھل جائیں گے۔

۹- برادریاں اور خاندانی پنچایتیں نیز کاروباری انجمنیں بھی بغرض اصلاح اس قسم کے نظام بناتی ہیں اس کی بھی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔

۱۰- متعہ کو واجب قرار دینے کے لئے دلائل کی ضرورت ہے، البتہ بوقت نکاح بیجا طلاق یا بیک وقت طلاق دینے کی صورت میں مہر پانچ لاکھ واجب الاداء ہوگا، نارمل حالات میں مہر ایک لاکھ روپئے واجب الاداء ہوگا، اس طرح کر لیا جائے تو اس کی گنجائش سمجھ میں آتی ہے، اور بوقت نکاح اس کی شرط کر لی جائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تعزیر باخذ المال کے جواز میں ائمہ ثلاثہ کی رائے ملتی ہے اور احناف میں سے حضرت امام قاضی ابو یوسفؒ کا قول ضعیف ملتا ہے، مواضع ضرورت میں قول ضعیف پر فتوی دینا جائز ہے، عدول عن المذہب کی ضرورت نہیں ہے، جب خود ہمارے یہاں جائز ہے تو تعزیر بالمال، عقوبات مالیہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، البتہ تعزیر باخذ المال سے جو مال حاصل ہو اس کا مصرف کیا ہوگا جبکہ صراحتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد توبہ لوٹانا پڑے گا۔

لہذا اس موضوع پر فی الحال کوئی تجویز منظور نہ فرمائی جائے، بلکہ مزید غور وخوض کے بعد آئندہ سمینار میں دوبارہ غور فرما کر تجویز منصور کی جائے۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

مولانا ابوسفیان مفتاحی☆

۱- تعزیر بالمال کا مفہوم یہ ہے کہ اصلاح وجان و مال کے لئے مالی جرمانہ وصول کیا جائے، تاکہ وقت معین کا خیال رکھا جائے اور وقت کی پابندی کی جائے، تعزیر بالمال (مالی جرمانہ) اور تعزیر باخذ المال سے کوئی فرق نہیں ہے، یہ تعبیر کا طریقہ ہے اور انداز ہے، ہم کو کوئی فرق سمجھ میں نہیں آتا۔

۲- تعزیر بالمال کے سلسلہ میں حنفیہؒ اصل مذہب ناجائز ہونے کا ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ اور بعض حضرات کی ہدایت کے مطابق امام ابویوسفؒ کے سوا تمام ہی فقہاء اس کو جائز قرار نہیں دیتے، اس لئے کہ یہ کس سبب شرعی کے بغیر ایک مسلمان کا مال لے لینا ہے، "**اذ لا یجوز أخذ مال مسلم**"، البتہ امام ابویوسفؒ مال کی اجازت دی ہے، "**عن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال**"، اور بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے، وبہ قال مالک تاہم امام ابویوسفؒ کے مسلک کی بعض حنفی مصنفین نے توضیح کی ہے کہ یہ جرمانہ محض وقتی طور پر از راہ دھمکی لیا جائے گا، نہ خود سلطان لے گا اور نہ بیت المال داخل کرے گا، بلکہ ایک مدت کے بعد واپس کردے گا، "**إمساک شیٔ من ماله عنه مدة لینزجز ثم یعیده الحاکم إلیه، لا أن یأخذه الحاکم لنفسه أو لبیت المال**" (البحر الرائق ۴۱/۵)۔

انکار کی وجہ جو لوگ تعزیر مالی کے قائل نہیں ہیں، ان کے پیش نظر یہ ہے کہ کسی مسلمان کا مال یا تو اس کی خوشی سے اور رضامندی سے لینا جائز ہے یا پھر اس وقت لیا جاسکتا ہے جب کوئی حق اس کے ذمہ ہو "**لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل**" (سورۂ بقرہ: ۲۳) کا مفہوم یہی ہے۔

تعزیر مالی میں نہ اس کی رضامندی کو دخل ہے جس سے مال لیا جارہا ہے، اور نہ کوئی دلیل شرعی موجود ہے جس سے اس کا جواز پیدا ہوسکے۔

تعزیر مالی کے دلائل ونظائر:

جن سے مالی تعزیر کے جواز پر استدلال کیا جاسکتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے گوکہ ان میں اکثر اس مسئلہ کے لئے صریح نہیں

☆ مفتاح العلوم، مئو۔

ہے، بلکہ ان سے استئناس کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہیں:

۱-آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنا مال اجرت کے نیت سے دے اس کے لئے اجر ہے اور جو مال کی زکوۃ ادا نہیں کرے گا تو میں زکوۃ بھی لوں گا اور اس کے مال سے کچھ حصہ بھی بطور تاوان لے لوں گا جو میرے پروردگار کی جانب سے ہوگا، البتہ ان میں سے کچھ میر آل کے لئے حلال نہیں ہوگا، "**من اعطی أجر ماله مؤتجرا فله أجرها من منعها فانا آخذها وشطر ماله عزمة من عزمات ربنا عزوجل لیس لآ ل محمد منها شئ**" (ابوداؤد باب زکوۃ السائمۃ نسائی باب عقوبۃ مانع الزکوۃ ۱/ ۳۳۵)۔

۲-عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے ایک اونٹ چرا کر ذبح کر دیا جس کا چمڑا اور سر ان کے پاس پایا گیا، لوگ حضرت عمر کے پاس معاملہ لے کر آئے آپ نے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا پھر تھوڑی دیر سوچ کر غلاموں کو طلب فرمایا اور عبدالرحمٰن سے کہا: میں کہتا ہوں کہ تم ان سے کام بھی لیتے ہو اور ان کو بھوکا بھی رکھتے ہو اور بدسلوکی کرتے ہو، یہاں تک کہ اگر وہ کوئی حرام چیز بھی پالیں تو ان کے حق میں حلال ہو جائے، پھر اونٹ والے سے دریافت کیا کہ تم اونٹ کتنی قیمت پر دے سکتے تھے؟ اس نے کہا چار سو درہم میں، حضرت عمر نے عبدالرحمٰن سے فرمایا: تاوان کے ساتھ آٹھ سو روپے ادا کرو۔ "**قم فاغرم لهم ثمان مأة درهم و فی روایة: لاغرمنک غرما ما یشق علیک فاغرمه مثلی قیمتها**" (مصنف عبدالرزاق ۱۰/ ۲۳۹، المحلی ۷/ ۱۵۲، المغنی ۷/ ۹۵)۔

یہ روایت اور اثر مالی تعاون کے باب میں بالکل صریح ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تاوان وصول کر کے دوبارہ واپس بھی نہیں کیا جائے گا۔

۳-آپ ﷺ نے ایک موقع پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کو حکم فرمایا کہ مال غنیمت میں خیانت کرنیوالوں کے سامان جلاؤ اور ان کی پٹائی بھی کرو "**حرقوا متاع الغال أضربوه**" ابوداؤد عن عمرو بن شعیب (۲/ ۳۷۱، باب عقوبة)، اسی حدیث کی روشنی میں حضرت حسن بصریؒ کا خیال ہے کہ جانور اور قرآن مجید کو چھوڑ کر ایسے شخص کے تمام اسباب جلا دیئے جائیں گے، امام احمد اور امام اسحاق راہویہؒ لکھتے ہیں کہ غنیمت کا چھپایا مال نہیں جلایا جائے گا کہ وہ مجاہدین کا حق ہے بقیہ سامان جلا دیا جائے، قریب قریب یہی رائے امام اوزاعیؒ کی بھی ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے یہاں حدیث کا ظاہری معنی مقصود نہیں ہے، تہدید پر معمول ہے، آپ ﷺ کا ایسے شخص کا سامان جلانے کا حکم دینا ایک طرح کی مالی سرزنش ہے۔

۴-ان صراحتوں کے علاوہ شریعت میں تعزیر مالی کی مختلف نظیریں بھی ملتی ہیں۔ حقوق اللہ تعدی اور زیادتی پر مالی تعزیر کی نظیر کفارات ہیں جو قصداً روزہ توڑے (انبیاء: ۹۲)، قسم کھا کر پوری نہ کرنے پر (المائدہ: ۸۹) اور قتل خطا پر قتل کا ارادہ کئے بغیر قتل کے وقوع کو قتل خطا کہتے ہیں (النساء: ۹۲)، کی صورت میں واجب ہوتے ہیں اور جن میں ایک غلام آزاد کرنا یا مسکین کی ایک خاص تعداد کو کھانا کھلانا مالی سزا شمار کی جاسکتی ہے۔

۵-کسی انسان کے ساتھ ایسی تعدی پر جس کا تعلق جسم سے ہو اور تعزیر مالی کی نظیر دیت ہے جو ایسے تمام صورتوں میں

واجب ہوتی ہے جب فریقین باہمی رضامندی سے اس پر آمادہ ہوجائیں یا جب قصاص کا اجراء ممکن نہ ہو۔

۶-غیر مادی حقوق میں تعدی پر مالی تعزیر کی نظیر کفارہ ظہار بھی ہے، اس لئے کہ ظہار کی بنا پر مرد اپنی بیوی کو ہم بستری سے محروم رکھ کر اس کو اس کے جنسی حقوق سے محروم کردیتا ہے، اس کے ساتھ بدگوئی کرکے اس کی ہتک حرمت کرتا ہے، کفارہ ظہار اس کی سزا ہے (المجادلۃ:) جس میں غلام کو آزاد کرنا یا مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی شامل ہے۔

۷-مالی حقوق میں تعدی کی بنا پر مالی سرزنش کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا سامان چرالے اور وہ اس کے پاس محفوظ نہ رہ سکے تو فقہاءؒ کا اتفاق ہے کہ اصل سزا تو یہ ہے کہ ہاتھ کاٹے جائیں، لیکن اگر کسی وجہ سے ایسا نہ ہو تو اس سے سرقہ شدہ سامان کا تاوان وصول کیا جائے گا، "**الغرم إذا لم يجب القطع**" (بدایۃ المجتہد ۲/۴۵۲)۔

۸-آبروریزی اور ہتک حرمت پر تاوان مالی کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے جبراً زنا کرے تو اس سے عورت کو مہر کی رقم دلائی جائے گی (بدایۃ المجتہد ۲/۴۴۰)۔

۹-اسی طرح ذہنی طور پر کسی کو پریشان کرنے پر مالی سرزنش کا بھی فقہاء کے یہاں فی الجملہ تصور ملتا ہے، چنانچہ وہ عورت جس کا مہر متعین ہو دخول سے پہلے بھی طلاق کی نوبت آجائے تو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں کے یہاں متعہ نہیں ہے، اس کے علاوہ دوسری تمام مطلقہ کے لئے امام شافعیؒ کے یہاں واجب ہے اور صاحب ہدایہ کے لئے حسب تجربہ امام شافعیؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ چونکہ شوہر نے بیوی کو طلاق وافتراق کے ذریعہ ایک وحشت میں مبتلا کیا ہے اس کے بدلہ میں متعہ دیا جائے، واضح ہو کہ متعہ کا ثبوت خود قرآن سے ہے "**وللمطلقات متاع بالمعروف**" (بقرہ:۲۴۱)، امام شافعیؒ اس کو وجوب پر محمول کرتے ہیں اور احناف استحباب پر، اسی طرح جھوٹی شہادت وگواہی کی بنا پر بھی بعض صورتوں میں فقہاءؒ نے گواہوں پر تاوان عائد کیا ہے، ہر چند کہ یہ نظائر اس مسئلہ میں صریح نہیں ہیں، تاہم ان سے شریعت کے مزاج اور اس کی روح کا اندازہ ہوتا ہے اور ان پر دوسری تعزیرات کو قیاس کیا جاسکتا ہے، البتہ میں نے جو حضرت عمرؓ کا فیصلہ کیا ہے، کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں اعتبار دلیل ہے، اس لئے اگر موجودہ زمانے میں اور بالخصوص ہندوستان کے خصوصی حالات میں اسکو قبول کرلیا جائے تو امید ہے کہ بہت سے منکرات کے سدباب میں اس سے مدد ملے گی اور اس سے فائدہ ہوگا، "**ومن قال: إن العقوبة الماليه منسوخة فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا، وليس بسهل دعوى نسخها، والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولاإجماع يصحح دعواهم**"، جن حضرات نے یہ بات کہی ہے کہ مالی سزا منسوخ ہے انہوں نے ائمہ اربعہ کے مذاہب کی بنا پر روایت اور استدلال ہر دو اعتبار سے غلطی کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کے منسوخ ہونے کا دعوی کرنا آسان نہیں ہوگا، جو لوگ نسخ کا دعوی کرتے ہیں ان کے پاس نہ سنت ہے نہ اجماع جو ان کے دعوی کو صحیح قرار دے۔

میں اس تحریر کو فقہ حنفی کے بلند پایہ اور محقق ابن نجیم مصریؒ کے بیان پر ختم کرتا ہوں کہ "**وفي الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي بذلك أوالوالي جاز، ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة**

يجوز أخذه بأخذ المال له"(البحر الرائق ۴/۴۱)۔

خلاصہ میں ہے قاضی یا والی کی صوابدید کے مطابق مالی تعزیر جائز ہے، اس کے من جملہ یہ ہے کہ کوئی آدمی نماز کی جماعت میں نہ آتا ہو تو مال لے کر اس کی تعزیر جائز ہے (جدید فقہی مسائل ۳/۲۴۵)۔

۲- تعزیر بالمال میں حنفیہ کا معروف مذہب عدم جواز کا ہے، جیسا کہ کتب حنفیہ میں مذکور ہے۔

۳- تعزیر بالمال امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ اس کو ناجائز کہتے ہیں، اور حنفیہ اسی پر فتوی دیتے ہیں، یعنی امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کا قول ہے اور یہی مفتی بہ ہے۔

۴- فقہاء حنفیہ کے نزدیک امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کا فتوی اسی پر ہے، اور جمہور ائمہ اسی کو اختیار کرتے ہیں۔

۵- ائمہ ثلاثہ یا مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال اس بابت جواز کا ہے، ان کے مذاہب میں اس بابت گنجائش منقول ہے۔

۶- ایسے حالات میں جبکہ جرائم معاصی کو روکنے کے لئے وعظ اور زبانی فہمائش کافی نہ ہو اور جسمانی سزا کا بھی کوئی موقع نہ ہو تو ضرورۃً جواز کی گنجائش کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے، چونکہ ضرورت کے مواقع میں مذہب کے قول ضعیف اور دوسرے کے مذاہب پر فتوی دینے اور عمل کرنے کے جائز ہونے پر اتفاق ہے۔

۷- آج کل تعلیمی اداروں میں طلبہ کی مختلف کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے مالی جرمانہ کا عام رواج ہو چکا ہے اور اس کا نفع بھی محسوس کیا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ ایسا کرنا درست ہے۔

۸- تعلیمی اداروں کے علاوہ بھی بہت سے ادارے نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کا نظام بناتے ہیں، مثلاً ہاؤسنگ سوسائٹیاں وغیرہ، تاکہ لوگ وقت مقررہ پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا کردیا کریں اس کا حکم یہ ہے کہ درست ہے۔

۹- جو برادریاں اور خاندانی پنچائیتیں، نیز کاروباری انجمنیں بھی دباؤ ڈالنے اور اصلاح کی غرض سے مالی جرمانہ لینے کا نظام بناتی ہیں تو یہ بھی شرعاً درست ہے۔

۱۰- طلاق کے بارے میں جو افراط وتفریط پائی جاتی ہے اور جس سے بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، ان کو قابو میں کرنے کے لئے ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ طلاق کی جن صورتوں میں حنفیہؒ کے نزدیک متعہ واجب نہیں ہے، بلکہ صرف مستحب ہے تو ایسی صورتوں میں متعہ واجب قرار دیا جائے اور بصورت نقد اس کی ایک معقول حد مقرر کی جائے یا یہ کہ طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کیا جانا بہت مناسب ہے، تاکہ طلاق کے بارے میں جو افراط وتفریط پائی جاتی ہے اس کا خاتمہ ہوسکے۔

۱۱- صورت مسئولہ میں مزید نصف مہر یا متعہ کو لازم کرنے کے لئے ایسا کیا جانا بہت مناسب ہے، اور نکاح کے وقت اور نکاح نامہ میں آدمی کو اس کا پابندی کیا جانا بہت مناسب ہوگا، تاکہ اگر بے جا طور پر طلاق دی گئی یا تین طلاق ایک ساتھ دی گئی تو متعہ کے طور پر یا مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینی ہوگی۔

☆☆☆

تعزیر بالمال-شرعی نقطۂ نظر

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی☆

انسان، انسان ہی ہے، اس سے جرائم کا صدور ہوتا ہے اور ان جرائم کی وجہ سے انسانی اور سماجی زندگی متاثر ہوتی ہے اور جانی و مالی ہر قسم کا نقصان ہوتا ہے، عزت وآبرو چلی جاتی ہے، شریعت نے جرائم پر قابو پانے اور مجرموں کو لگام دینے کے لئے سزاؤں کا مضبوط نظام بنایا ہے؛ تاکہ مجرمین کے حوصلے پست ہوں اور وہ آئندہ جری ہو کر جرم کا ارتکاب نہ کر سکیں، سماج کو لاقانونیت سے بچایا جائے اور دو چار مجرمین کو عبرتناک سزا دے کر سماج کو تحفظ فراہم کیا جائے، اس نقطۂ نظر سے شریعت میں جو سزائیں منصوص ہیں، ان میں حد، قصاص، دیت، کفارہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں، قاضی کے نزدیک شرعی طور پر جب جرم ثابت ہو جائے تو وہ بغیر کسی کمی زیادتی کے حدود وقصاص، نیز کفارہ کے نافذ کرنے کا فیصلہ سنا دے گا، یہ معاملہ اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے کہ وہ اس میں کسی وجہ سے اور کسی بنیاد پر سزا میں تخفیف کر دے، اس معاملہ میں چوری کے ایک واقعہ میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے، اصل ہے۔

لیکن بہت ایسے ناپسندیدہ عمل وہ ہیں، جن کے لئے شریعت نے کوئی سزا مقرر نہیں کی ہے، بلکہ حاکم وقت اور امیر المسلمین کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ زجر وتنبیہ کے طور پر اسے کچھ سزا دے، یہ سزا جسمانی تنبیہ کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے، زبانی فہمائش کی صورت میں بھی اور اتلاف مال، تغییر مال اور باخذ المال کے ذریعہ بھی، عموماً سزا کی اس صورت کو تعزیر سے تعبیر کیا جاتا ہے، ''موسوعۃ الفقہیۃ'' میں ہے: ''**التعزير بالمال يكون بحبسه أو بإتلافه أو بتغيير صورته أو بتمليكه للغير** ''(۱۲/۲۷۱)۔

تعزیر کے معنی توقیر اور تادیب دونوں کے آتے ہیں، سزا کے باب میں منقول اصطلاحی کے طور پر یہ صرف تادیب وتنبیہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

''فتاوی ہندیہ'' میں ''نہایہ'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: ''**التعزير هو التأديب دون الحد، ويجب في جناية ليست موجبة للحد، كذا في النهاية**'' (تعزیر حد نہیں، تادیب ہے، ہر ایسے گناہ میں ثابت ہے جو حد کا موجب نہیں ہے)۔

''المبسوط'' میں ہے: ''**وفي الاصطلاح هو عقوبة غير مقدرة شرعيا، وجب حقا لله أو لآدمي في كل معصية ليس فيها حد ولا كفارة غالبا** '' (المبسوط للسرخسی ۹/۳۶) (اور اصطلاح میں وہ ایسی غیر متعین سزا ہے جو ہر اس

☆ نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

معصیت میں واجب ہوتی ہے جو اللہ تعالی اور کسی آدمی کے حق سے متعلق ہو اور اس میں کوئی حد یا کفارہ نہ ہو)۔

تعزیر بعض ان صورتوں میں بھی مشروع ہے، جہاں معصیت کا صدور متحقق نہیں ہے، جیسے بچہ اور کافر کی تنبیہ یا اس شخص کی تنبیہ جو اکثر لہو ولعب سے کمائی کرتا ہے، لیکن اس میں معصیت نہیں ہوا کرتی۔

"قال القليوبي: هذا الضابط للغالب فقد يشرع التعزير ولا معصية كتأديب طفل وكافر، ولمن يكسب بآلة لهو لا معصية فيها" (یہ ضابطہ عموم کے اعتبار سے ہے، ورنہ تعزیر بعض ان صورتوں میں بھی مشروع ہے، جو گناہ نہیں ہیں، جیسے کافر اور بچے کی تنبیہ اور اس شخص کی تنبیہ جو آلہ لہو سے کمائی کرتا ہے، لیکن اس میں معصیت نہ ہو)۔

اب اگر معصیت حقوق اللہ سے متعلق ہے تو معصیت کرتے وقت ہر مسلمان کے لیے تعزیر کی گنجائش ہے، لیکن معصیت کے ارتکاب کے بعد تعزیر کا حق صرف حاکم کو ہے، جو شرعی شہادتوں کے بعد ہی ممکن ہوگا، "فتاوی ہندیہ" میں ہے:

"قالوا: لكل مسلم إقامة التعزير مباشرة المعصية، وأما بعد المباشرة فليس ذلك لغير الحاكم"۔

تعزیر کا مقصد مجرم کو دوبارہ جرم کرنے، واجبات کے ترک کرنے، حرام کاموں کے ارتکاب اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے روکنا ہے، تاکہ مجرم کی اصلاح ہو جائے اور فساد و بگاڑ کو روکا جا سکے، تعزیر کا یہ کام حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے، البتہ عام حالات میں تعزیر کے طور پر قتل کی اجازت نہیں ہے، بعض فقہاء نے مخصوص جرائم مثلاً مسلمان کا مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے کو تعزیرا موجب قتل مانا ہے، امام مالک نیز امام احمد وغیرہ کے بعض اصحاب کا قول بھی یہی ہے، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور حنابلہ کے یہاں ابویعلی کی رائے اس کے خلاف ہے، البتہ تعزیر میں کوڑے لگانا، قید کرنا، جلاوطن کرنا، باخبر کرنا، مجلس قضا میں حاضری کا حکم دینا، ڈانٹ ڈپٹ کرنا، بائکاٹ کرنا، مختلف حدود وقیود اور شرائط کے ساتھ مشروع ہے، البتہ کوڑے لگانے میں عدد کی تعین، قید کرنے اور جلاوطن کرنے میں ماہ وسال کی تعیین میں اختلافات ہیں، لیکن یہ بات متفق علیہ ہے کہ تعزیر اس قدر نہیں کی جائے گی، جو شریعت کی طرف سے مقرر حدود کے مماثل ہو جائے، اس معاملہ میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تعزیر اصلاً قاضی اور امام کی صوابدید پر ہے، کسی قسم کی خلاف ورزی پر کس قدر تعزیر کی جائے گی، اس کا سارا مدار قاضی اور امیر کی قوت تمیزی پر منحصر ہے، "فتاوی تاتار خانیہ" میں ہے:

"ولا خلاف بين العلماء أنه لا يبلغ التعزير الحد ... فأما أدناه مفوض إلى رأي القاضي يقيم بقدر ما يرى من المصلحة فيه، وفي الظهيرية: أقل التعزير لا ينقص عن ثلاث جلدات ... فالتعزير مفوض إلى رأي الإمام" (ج:۵/ ۱۴۰)۔

فقہاء نے اس سلسلہ میں جو تفصیلات بیان کی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر کا نفاذ جس پر ہو رہا ہے، اس کے اعتبار سے تعزیر کے چار درجے ہیں؛ انتہائی شریف جیسے فقہاء اور علویہ، شریف لوگ، جیسے دیہاتی، درمیانی طبقہ کے لوگ اور رذیل وکمینے لوگ، ظاہر ہے سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا نہیں جا سکتا، تعزیر میں ان کے مراتب کا خیال رکھا جائے گا، "فتاوی تاتارخانیہ" میں ہے:

''فتعزیر أشراف الأشراف الأعلام لا غیر، وھو أن یقول القاضی: بلغنی أنک تفعل کذا وکذا، وتعزیر الأشراف الأعلام والجر إلی باب القاضی، وتعزیر الأوساط وھم السوقیة بالأعلام والجر إلی باب القاضی وتعزیر الخساس الأعلام والجر والضرب والحبس مع ذلک ... وقد یکون بالصفح وتعریک الأذن وقد یکون بالکلام العنیف، وقد یکون بالضرب ''(۱۴۰/۵)۔

تعزیر کی تمام صورتیں ساقط ہوجاتیں، جب مرتکب کی موت ہوجائے یا اسے معاف کردیا جائے یا پھر اللہ رب العزت اسے توبہ کی توفیق دیدے۔

''تسقط العقوبة التعزیریة بأسباب، منھا: موت الجانی، والعفو عنه وتوبته ''(موسوعۃ الفقہیۃ ۲۴۸/۱۲)۔

۱- تعزیر کی ایک شکل تعزیر بالمال بھی ہے، جو مال کو روک لینے، تلف کردینے، اس کی شکل تبدیل کرنے یا غیر کو اس کا مالک بنادینے سے ہوتی ہے۔ اصطلاح میں تعزیر باہلاک المال، تعزیر بتغیر المال اور تعزیر باٗخذ المال اس کی قسمیں ہیں، جن میں سے تعزیر باہلاک یا اتلاف المال اور تعزیر بالتغیر بالاتفاق جائز ہے، اختلاف صرف باخذ المال میں ہے اور جب مطلقاً تعزیر بالمال بولا جاتا ہے تو اس سے اصلاً تعزیر باخذ المال ہی مراد ہوا کرتا ہے۔

۴-۵- ''ہندیہ'' میں ہے کہ تعزیر بالمال (یعنی باخذ المال) ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، احناف میں صرف امام ابو یوسفؒ تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں، علامہ شامی نے عدم جواز کے قول کو راجح قرار دیا ہے'' ہندیہ'' میں ہے:

''وعند أبی یوسف رحمه الله تعالی یجوز التعزیر بأخذ المال للسلطان وعندھما، وباقی الأئمة الثلاثة لا یجوز کذا فی فتح القدیر''

امام ابو یوسفؒ نے بھی جو تعزیر بالمال کی اجازت دی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ سلطان ایک مناسب مدت تک قاضی کے فیصلے کی روشنی میں، اگر وہ خود قاضی نہیں ہے، اسے روک کر اپنے پاس رکھے گا اور جب سمجھے کہ اس کی اصلاح ہوگئی تو اسے واپس کردے گا، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ وہ اپنے یا بیت المال کے لیے اس کے مال کو ضبط کرلے۔'' ردالمحتار'' میں ہے:

''وأفاد فی البزازیة: أن معنی التعزیر بأخذ المال علی القول به إمساک شئ من ماله عنه مدة لینزجر، ثم یعیده الحاکم إلیه، لا أن یأخذه الحاکم لنفسه أو لبیت المال، کما یتوھمه الظلمة، إذ لا یجوز لأحد المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي، کذا فی البحر''(۱۷۹/۳)۔

۲- اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب عدم جواز کا ہے، امام شافعیؒ کا قول جدید، امام احمد بن حنبل کا مشہور قول اور امام مالکؒ سے ایک روایت عدم جواز ہی کی ہے۔ ابن قدامہ حنبلیؒ'' المغنی'' میں لکھتے ہیں:

''والتعزیر یکون بالضرب والحبس والتوبیخ ولا یجوز قطع شئ منه ولا جرحه ولا أخذ ماله '' (۳۱۶/۸)۔

احناف میں سے امام ابو یوسفؒ، ائمہ ثلاثہ میں امام مالک کا قول مشہور، امام شافعیؒ کا قول قدیم اور حنابلہ میں علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم سے تعزیر بالمال کے سلسلہ میں جواز منقول ہے۔

جو لوگ تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں، وہ قتل خطاء، روزہ توڑنے اور کفارۂ ظہار میں غلام کے آزاد کرنے، مسکین کی ایک خاص تعداد کو کھانا کھلانے، قصاص کا اجراء نہ ہو تو دیت لینے وغیرہ کو مالی تعزیر سے تعبیر کرتے ہیں، اس طالب علم کے نزدیک کفارات اور اس قبیل کی دوسری چیزوں کو مالی تعزیر کے طور پر پیش کرنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ کفارات، دیت اور مسکینوں کو کھانا کھلانے، جیسے احکام منصوص ہیں، جبکہ تعزیر ایسی خلاف ورزی پر ہے، جس میں سزا کے طور پر کوئی چیز منصوص نہ ہو اور قاضی نیز امیر اپنی صوابدید سے تنبیہ کے لیے کوئی سزا مقرر کردے، ''اعلام الموقعین'' میں ہے:

''وأما التعزير ففى كل معصية لا حد فيها ولا كفارة'' (۲/۱۱۷، فصل فی تعزیر المال)۔

اس سلسلہ میں مصنف عبد الرزاق کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے، جس میں حضرت عمرؓ نے عبد الرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں کے بارے میں جنہوں نے ان کے اونٹ چرا کر ذبح کرلیا تھا، اونٹ کی قیمت کے علاوہ چار سو درھم مالی جرمانہ کیا تھا، حضرت عمرؓ کا یہ قول مذکور ہے۔

''قم فاغرم لهم ثمان مائة درهم، وفى رواية لأغرمنک غرما يشق عليک فاغرمه مثلى قيمتها'' (۱۰/۲۳۹)۔

لیکن امام ابو یوسفؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے یہاں تعزیر بالمال کا جواز خاص معنی میں ہے، جیسا کہ مذکور ہوا، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے کفایت المفتی میں مالی جرمانہ کو ناجائز لکھا ہے، اور جس سے لیا گیا ہے، اس کو واپس کردینے کا فتوی دیا ہے اور بدون رضا مندی مالک کے خرچ کو درست نہیں قرار دیا ہے، مفتی کفایت اللہ صاحب کی واضح رائے ہے کہ شریعت میں مالی تعزیر جائز نہیں ہے (کفایت المفتی: ۱۶۹-۱۶۵/۲)۔

فقہاء احناف میں ابن نجیم مصری، قاضی علاء الدین طرابلسی اور فتاوی بزازیہ کے مصنف امام ظہیر الدین تمرتاشی خوارزمی نے نقل کیا ہے کہ تعزیر باخذ المال قاضی یا والی کی صوابدید کے مطابق جائز ہے اور اس کی نظیر جماعت میں نہ آنے والے سے مال کا لینا ہے۔

''وفى الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال، إن رأى القاضى ذلک أو الوالى جاز، ومن جملة ذلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال له'' (البحر الرائق: ۴/۴۱ فصل فی التعزیر)۔

معین الحکام کے فاضل مصنف قاضی علاء الدین طرابلسی نے ذکر کیا ہے کہ جن لوگوں نے مالی سزا کو منسوخ قرار دیا ہے، انہوں نے ائمہ مذاہب کی روایات اور استدلال دونوں اعتبار سے غلطی کی ہے، ان کے پاس اس سلسلہ میں نہ روایات ہیں اور نہ اجماع، جس سے ان کا دعوی ثابت ہوسکے۔

”ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا وليس بسهل دعوى نسخها فعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لها بعد موته ﷺ فبطل دعوى نسخها والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصرح دعواهم“ (فقہ السنۃ:۲/۹۳-۵۹۲، التعزیر بأخذ المال)۔

حافظ ابن تیمیہ، ابن قیم اور ڈاکٹر وہبہ زحیلی کا خیال بھی یہی ہے کہ دعوی نسخ بلا دلیل ہے، یعنی تعزیر بالمال کے سلسلہ میں یہ کہنا کہ ابتداء اسلام میں جائز تھا، بعد میں منسوخ ہوگیا صحیح نہیں ہے، حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

”ومن قال: ان العقوبات المالية منسوخة ... فقد قال قولا بلا دليل ولم يجئ عن النبى ﷺ بشئ قط، يقتضى أنه حرم جميع العقوبات المالية؛ بل أخذ الخلفاء الراشدين وأكابر اصحابه بذلک بعد موته دليل على أن ذلک محكم غير منسوخ“ (مجموع فتاوی ابن تیمیہ:۲۸/۱۱۱، فصل فی التعزیر بالعقوبات المالیہ)۔

(جس نے عقوبات مالیہ کو منسوخ قرار دیا ہے، ان کا قول بلا دلیل ہے، حالانکہ حضور ﷺ کی جانب سے کبھی کوئی ایسی چیز سامنے نہیں آئی، جس سے معلوم ہوتا ہو کہ عقوبات مالیہ تمام کے تمام حرام ہیں، اس کے برعکس خلفاء راشدین، اکابر صحابہ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی تعزیر مالی کو جائز رکھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم محکم ہے، منسوخ نہیں ہے)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:”وقد اختلف الفقهاء فيه هل حكمه منسوخ أو ثابت، والصواب أنه يختلف باختلاف المصالح ويرجع فيه إلى اجتهاد الأئمة فى كل زمان ومكان بحسب المصلحة، إذ لا دليل على النسخ، وقد فعله الخلفاء الراشدون ومن بعدهم من الأئمة“(الفقہ الاسلامی وادلتہ:۶/۲۰۵)۔

(فقہاء کے مابین تعزیر بالمال کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ کیا اس کا حکم منسوخ ہے، یا ثابت ہے، درست یہ ہے کہ یہ اختلاف، مصالح کے اختلاف کی وجہ سے ہے اور اس مسئلہ کا مدار مصلحت کے اعتبار سے ہر دور اور ہر جگہ میں ائمہ کے اجتہاد پر رہا ہے، اس لیے نسخ کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ خلفاء راشدین اور ان کے بعد ائمہ کرام نے تعزیر بالمال کیا ہے)۔

۶-۹: ان فقہی عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تعزیر بالمال کا حکم منسوخ نہیں ہے، بلکہ یہ سنت متوارثہ کے قبیل سے ہے، احادیث مبارکہ میں اس کی نظیر ملتی ہے، بیہقی نے سنن الکبری میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حرم مدنی کے درختوں سے کچھ کاٹنے والے کو جو پکڑے تو اس کا سامان پکڑنے والے کا ہوگا:

”عن سعد أن رسول الله ﷺ قال: من أخذتموه يقطع من الشجر شيئا يعنى شجر حرم المدينة فلكم سلبه لايعضد شجرها ولا يقطع“ (۵/۱۹۹، باب ماورد فی سلب من قطع من شجر حرم المدینۃ)۔

متاخرین علماء وفقہاء ہند، جس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا شمس الحق افغانیؒ، بانی امارت شرعیہ مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ، مفتی تقی عثمانی، مولانا مجیب اللہ ندویؒ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی وغیرہم نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، خصوصا اس شکل میں جب کہ جسمانی تعذیب قانوناً جرم ہو اور وعظ وفہمائش کی ساری کوششیں ناکام ہوگئی ہوں، ایسے میں ضرورۃً جواز وگنجائش کے قول

پرفتوی دیا جاسکتا ہے، باوجودیکہ یہ مذہب حنفی کا قول ضعیف ہے اور اس قول ضعیف میں بھی اصلاح کے بعد مال واپس کردینے کی بات کہی گئی ہے، لیکن ہمارے عہد کے جو مسائل ہیں، ان سے نمٹنے کے لئے تعزیر بالمال کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، تعلیمی اداروں میں طلبہ کے درمیان اس قدر غفلت، کوتاہی اور نشوز پایا جارہا ہے کہ وعظ وتنبیہ سے اس پر قابو نہیں پایا جارہا ہے، عام لوگوں کا مزاج اس قدر غیر شرعی اور غیر اخلاقی بن گیا ہے کہ انہیں اپنے وعدوں کا پاس ولحاظ نہیں رہتا، ہاؤسنگ سوسائٹیوں وغیرہ میں قسطوں کی ادائیگی بروقت نہیں ہو پاتی، ایسے میں کوتاہی، غفلت، نشوز اور وعدہ خلافی پر قابو پانے کے لیے مالی جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کو استحصال کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ ایک غیر اخلاقی کاروائی ہوگی، یہاں پر یہ بات ذہن میں نہیں آنی چاہیے کہ غفلت اور کوتاہی وغیرہ تو غیر متقوم چیز ہے، اس کا بدل لینا کس طرح درست ہوسکتا ہے، تعزیر بالمال غفلت اور کوتاہی کا بدل نہیں، اس کے روکنے کا ایک طریقہ ہے، زمانۂ دراز سے برادریاں اور خاندانی پنچایتیں اور کاروباری انجمنیں تعزیر بالمال کرتی رہی ہیں، بعض مفتیان کرام کے فتاوں کے باوجود عمومی طور پر علماء نے اس پر نکیر نہیں کی، بلکہ ایسی مثالیں موجود ہیں جس سے اس معاملہ کی حوصلہ افزائی اور اس کے نفاذ کو یقینی بنانے کا پتہ چلتا ہے۔

۱۰- اس کے باوجود طلاق کے بارے میں جو افراط اور تفریط پائی جاتی ہے، ان کو قابو میں کرنے کے لئے متعہ جیسی مستحب چیز کو لازم اور واجب قرار دینا صحیح نہیں ہوگا، اسی طرح طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کرنا بھی درست نہیں معلوم ہوتا، طلاق اور مہر سے متعلق احکام منصوص ہیں، اور اس میں کمی زیادتی کا حق فریقین یعنی زن وشو کو ہے، اگر کسی تیسرے کی طرف سے اس کام کی شروعات کی جائے گی تو فریقین کا حق متاثر ہوگا اور ہندوستان کے موجودہ حالات میں مقنّنہ اور عدلیہ کو اس حوالہ سے ہمارے پرسنل لا میں دخل اندازی کی گنجائش نکل آئے گی، اس لیے تعزیر بالمال کے ضرورتاً جائز ہونے کے باوجود طلاق کے مسئلہ میں اس کو نافذ کرنا بڑے مفاسد کا سبب بنے گا، چوں کہ اس سے احتیاط ہی احوط ہے، البتہ شوہر چاہے تو اپنی طرف سے مہر کی نصف مہر بڑھا کر دے سکتا ہے، حسن سلوک کے نام پر کچھ داد ودہش مزید کرسکتا ہے، لیکن کسی تیسرے کو اس بارے میں دخل اندازی کی گنجائش نہیں معلوم ہوتی۔

۱۱- یہیں سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ مزید نصف مہر یا متعہ کو لازم کرنے کے لیے فریقین (زن وشو) راضی ہوجائیں اور ایسا کوئی معاہدہ ان کے مابین ہوجائے تو اس کی پاسداری بے جا طور پر طلاق دینے یا ایک ساتھ تین طلاق دینے کی صورت میں کی جائے گی، لیکن اگر ایسا کوئی معاہدہ ان کے درمیان نہیں ہوا ہے تو دارالقضا یا محکمہ شرعیہ کو تعزیراً ایسا کرنا درست نہیں ہوگا۔

تین طلاق ایک ساتھ دینا گناہ کا کام ہے، لیکن بے جا طلاق کا معاملہ الگ ہے، ہر طلاق دینے والا اپنے اس عمل کو ''بجا'' کہتا ہے، اب اس ''بجا'' اور ''بے جا'' کی تشریح وتحقیق کون کرے گا، خصوصاً اس شکل میں جب ہمارے دارالقضا وغیرہ میں تحکیم پر عمل نہیں ہورہا ہے۔

تعزیر بالمال کی ایک شکل تعزیر باہلاک المال بھی ہے، تعزیر کی یہ شکل بھی ضرورتاً درست ہے، اور اس کی نظیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سامری کے ذریعہ بنائے گئے بچھڑے کو جلا دینا، مسجد ضرار کا انہدام، مال غنیمت میں چوری کرنے والے کے سامان کو

جلا دینا، شراب بہا دینے اور مٹکے توڑ دینے، گدھوں کے گوشت کو گرانے اور برتنوں کو توڑ دینے، شراب خانوں کے انہدام، مصحف عثمانی کے علاوہ دوسرے مصاحف کو جلا کر تلف کرنے جیسے احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر باہلاک المال جائز ہے، اس سلسلہ میں خاص طور پر حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے، جس میں آقا ﷺ نے جماعت چھوڑنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"**لقد هممت ان آمر بالصلاة فتقام ثم أمر رجلا فيصلي بالناس، ثم انطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لا يشهدون الصلوة واحرق عليهم بيوتهم بالنار**" (رواہ ابوداؤد: ۱/۸۱، کتاب الصلاۃ باب التشدید فی ترک الجماعت)۔

گو حضور ﷺ نے گھروں میں عورتوں اور بچوں کی موجودگی کی وجہ سے اور اس خیال سے کہ سزا غیر مجرموں تک متعدی ہوجائے گی، ایسا نہیں کیا، علامہ عینی نے لکھا ہے کہ تعزیر بالمال کے باب میں اس حدیث کی حیثیت اصل اور بنیاد کی ہے:

"**وقد هم الشارع بتحريق دور من يتخلف عن صلاة الجماعة، وهذا أصل في العقوبة في المال إذ رأى ذلك**" (عمدۃ القاری: ۹/ ۲۴۳، باب ھل تکسر الدنان التی فیھا الخمر)۔

تعزیر باہلاک المال کا دائرہ وسیع ہے، تعلیمی اداروں کے سرپرست اور ذمہ داران بھی حاکم کے قائم مقام ہوتے ہیں، اس لیے اگر ممانعت کے باوجود طلبہ آلات لہو ولعب ویڈیو، ٹیپ ریکارڈر، اسمارٹ فون وغیرہ رکھنے سے باز نہیں آتے تو ادارہ کے سربراہ اور منتظمین اس کو تلف بھی کرسکتے ہیں۔

اسی طرح تعزیر بتغیر المال بھی ہوا کرتا ہے، ٹخنوں کے نیچے جارہے کرتے یا ازار کو قطع کردینا، تغییر کی ایک شکل ہے، حضور ﷺ کا تصویروں کو مٹانا اس کی دلیل ہے، اور اس قسم کی تعزیر و تغییر منکرات کے قبیل سے ہے، علامہ نوویؒ نے لکھا ہے:

"**ستر عائشةؓ فيه تصاوير فهتكه ﷺ وجعلته قطعتين فاتكأ على إحداهما**" (عمدۃ القاری: ۸/ ۳۸۱)۔

ازالہ اور تغیر کی ان شکلوں کے ذریعہ تعزیر کرنے پر علماء کا اتفاق ہے، شیخ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں اور ابن تیمیہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے:

"**وهكذا اتفق العلماء على إزالة وتغيير كل ما كان من العين أو التاليف المحرم؛ مثل تفكيك آلات الملاهي وتغيير الصورة المصورة**" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۲۰۳، التعزیر بالمال)۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

مفتی سعید الرحمٰن فاروقی قاسمی☆

۱- تعزیر باب تفعیل کا مصدر ہے، کسی کو کسی سے روک دینا، رکاوٹ کھڑی کردینے کے معنی میں ہے، کہا جاتا ہے: "عزر أخاه؛ لأنه منع عدوه من أن یؤذیه" (یعنی دشمن کی اذیت پہنچانے سے کسی کو بچالینا)۔

اصطلاحی تعریف:

"هو عقوبة غیر مقدرة شرعا تجب لله أولآدمی فی کل معصیة لیس فیها حدولاکفارة علیها" (موسوعہ فقہیہ ۱۲/ ۲۵۳) (ایسی سزا جو شرعاً متعین نہ ہو اور حقوق اللہ یا کسی شخص کے تحفظ کے لئے تجویز کی جائے، اس جرم کی صورت میں جس کے لئے شریعت میں پہلے سے کوئی حد اور کفارہ متعین نہ ہو)۔

تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کا فرق:

تعزیر بالمال کہتے ہیں کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے اس جرم کی سزا کے طور پر مال وصول کرنا پھر اسے جہاں چاہے استعمال کرلینا، جبکہ تعزیر باخذ المال یہ ہے کہ ایک مدت تک مال لے کر روک لینا پھر تائب ہونے کے بعد اس کو یا اس کے ورثہ کو لوٹا دینا۔

"امساک شئ من ماله عند مدة لینزجر ثم یعیده الحاکم إلیه"، اس طرح تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال میں فرق واضح ہے، تعزیر مال کی صورت میں یہ شکل پیش آئے گی کہ وصول کردہ مال کو کہاں خرچ کیا جائے اور کیا مصرف ہو، جبکہ تعزیر باخذ المال میں یہ دشواری پیش نہیں آئے گی، اس لئے کہ کچھ مدت کے بعد اسی کو لوٹا دیا جاتا ہے ان تفصیلات سے دونوں کے درمیان یہ واضح فرق ہے۔

۲- تعزیر بالمال کے سلسلہ میں حنفیہ کا مشہور مذہب یہی ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں جیسا کہ صاحب "بحر" نے تعزیر پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے: "والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال" (البحر الرائق ۵/ ۴۴ طبع دار الکتب الاسلامی)، لیکن احناف کے بڑے فقیہ امام ابو یوسفؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے، مذاہب ائمہ کے نقل کے سلسلہ میں اختلاف رائے ہے، مشہور

☆ دارالافتاء دارالعلوم امدادیہ، ممبئی۔

فقیہ علامہ طرابلسی حنفیؒ نے اپنی کتاب معین الحکام میں فرمایا ہے:"ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا وليس بسهل دعوى نسخها وفعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة بها بعد موته ﷺ مبطل لدعوى نسخها والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولاإجماع يصحح دعواهم، إلا أن يقول أحد هم: مذهب أصحابنا لا يجوز، فمذهب أصحابه عنده عيار على القبول والرد" (معین الحکام)۔

(مالی سزا کے منسوخی کے قائلین نقل مذاہب میں غلطی پر ہیں اس لئے کہ مالی سزا کے منسوخی کا دعوی اتنا آسان نہیں ہے، اللہ کے نبی ﷺ کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کا مالی جرمانے اور سزاؤں کے اجراوعمل دعوی نسخ کا ابطال کرنے والا ہے، مالی جرمانہ اور سزاؤں کی منسوخی کے مدعین کے پاس (اثبات دعوی کے لئے) نہ تو کوئی سنت رسول ہے اور نہ ہی اجماع ہے جس سے ان کے دعوی کی تصحیح وتصویب ہوسکے، ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے یہاں جائز نہیں ہے، اب یہ بات قابل قبول ہے یا قابل رد یہ ان کے فقہاء کی ذمہ داری ہے (لیکن سرے سے یہ کہنا کہ مالی جرمانہ کی سزا منسوخ ہوچکی ہے، درست نہیں)۔

اسی طرح جواز کی تائید میں علامہ ابن نجیم مصری کی یہ تحریر بھی ہے:

"وفي الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال، إن رأى القاضي ذلک أو الوالي جاز، ومن جملة ذلک رجل لايحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال له"(البحر الرائق)۔

ائمہ اربعہ کا مسلک:

ائمہ اربعہ کا مسلک موسوعہ فقہیہ میں اس طرح مذکور ہے: امام مالکؒ تعزیر باخذ المال جائز ہے، امام شافعیؒ سے اس سلسلہ میں جواز وعدم جواز دونوں قول موجود ہیں، قول قدیم جواز کا ہے، جبکہ قول جدید عدم جواز کا ہے اور یہی مفتی بہ قول ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ عدم جواز ہی کے قائل ہیں جبکہ حنابلہ کے دو عظیم ترجمان علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے اس کو قبول نہیں کیا ہے اور جواز پر اصرار فرمایا ہے اور متعدد مستدلات سے استدلال فرمایا ہے اور دلائل بھی پیش فرمائے ہیں۔

احناف کے یہاں صاحب مذہب امام ابوحنیفہؒ سے صراحۃ کوئی بھی قول منقول نہیں ہے (غالبا اسی وجہ سے علامہ طرابلسیؒ نے نقل مذاہب کو خطا وغلط قرار دیا ہے) جبکہ حنفیہ میں امام ابویوسفؒ سے صراحۃ تعزیر باخذ المال کے جواز کا قول اکثر کتب حنفیہ میں موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ امام مالکؒ سے قول جواز کا ایک ہی قول نقل کیا گیا ہے، جبکہ امام شافعیؒ سے دونوں قول مذکور ہیں اور اگرچہ فتوی عدم جواز پر ہے لیکن بعض صورتوں میں قول قدیم پر بھی فتوی ہے اور حنابلہ میں سے علامہ ابن تیمیہؒ وابن قیمؒ کے یہاں جواز کا قول بااصرار موجود ہے۔

اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے متبعین کے یہاں کسی نہ کسی درجہ میں قول جواز پر موافقت ہے، موسوعہ فقہیہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"أما أبویوسفؒ فقد روی عنه أن التعزیر بأخذ المال من الجانی جائز، إن رویت فیه مصلحة، وقال الشبراولی ولا یجوز علی الجدید بأخذ المال، یعنی لا یجوز التعزیر بأخذ المال فی مذهب الشافعیؒ الجدید وفی مذهبه القدیم یجوز......أما فی مذهب مالکؒ فی المشهور عنه فقد روی ابن فرحون: التعزیر بأخذ المال قال به المالکیة، وقد ذکر مواضع مخصوصة بغیر......وعند الحنابلة لا یجوز التعزیر بأخذ المال واتلافه؛ لأن الشرع لم یرد بشئ من ذلک عمن یقتدی به وخالف ابن تیمیه وابن قیم فقالا: إن التعزیر بالمال سائغ أخذا واتلافا" (موسوعہ فقہیہ ۱۲/۲۷۰-۲۷۱)۔

تفصیلات بالا سے سوال نمبر ۶ کا جواب بھی آ گیا کہ اگرچہ امام شافعیؒ کا قول جدید عدم جواز کا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ بھی عدم جواز کے قائل ہیں، لیکن امام شافعیؒ کے قول مرجوح جواز کا ہے، اسی طرح اگرچہ امام احمد حنبلؒ سے جواز کا کوئی قول منقول نہیں ہے لیکن اعلام حنابلہ ابن تیمیہؒ وابن قیمؒ سے جواز کی صراحت ثابت ہے اور حنفیہ کی تعریفات اوپر گذر چکیں، اس لئے موقع ضرورت میں تعزیر باخذ المال کے قول پر فتوی دینا بسا اوقات مستحسن اور بہتر معلوم ہوتا ہے۔

۷- بہت سے تعلیمی اداروں میں تعلیم کے ساتھ تربیت بھی مقصود ہوتی ہے اور اس کی بہتری وخوبی سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر تعلیم ہی مقصود ہو تب بھی جو اعمال وافعال مقصود کو فوت کرنے والے ہوں یا نقصان پہنچاتے ہوں ان کو روکنا اور منع کرنا ہر ذی ہوش اور عقل مند کے لئے ایک ضروری امر ہے، اس لئے تعلیم گاہوں کے ذمہ داروں کے لئے ضروری ہے کہ داخلہ فارم پر اس قسم کے امور کی پابندیوں کا معاہدہ لے لیں تاکہ بدعہدی کی صورت میں سزا دینے اور تعزیر مال لازم کرنے میں کوئی شرعی یا قانونی دشواری نہ ہو، چنانچہ فتاوی دار العلوم زکریا (جلد ۴) میں بھی اسی طرح کا ایک فتوی موجود ہے۔

تعزیر باہلاک المال کا حکم:

اگر کسی ادارہ کا قانون یہ ہے کہ فلاں قسم کی چیزوں کو مت رکھو اور پھر بھی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کو رکھا گیا اور اس ادارہ کے سربراہ اور منتظمین حضرات نے اس کو توڑ دیا تو ان پر ضمان نہیں آئے گا، کیونکہ وہ حضرات حاکم کی طرح ہیں، طلبہ اور ان کے سرپرستوں نے مدرسہ کے قوانین کی پابندی کو تسلیم کر کے مدرسہ کے مہتمم کو بمنزلہ حاکم تسلیم کر لیا اور قاعدہ "**الحکم کالقاضی**" (قواعد الفقہ) کے تحت نیز ان کے توڑنے میں فساد کا کوئی خاص خطرہ نہیں ہے اور والد اور استاذ کو تعزیر دینے کا حق حاصل ہے (فتاوی دار العلوم زکریا ۴/۵۸۷)۔

۸- ہاؤسنگ سوسائٹوں اور جدید تعمیر کردہ نئی بڑی بڑی بلڈنگوں کے بہت سے مصارف مشترکہ اور سب ہی مکینوں کی ضرورت ہوتے ہیں جیسے صفائی ستھرائی، روشنی اور پانی کا نظم وانتظام لفٹ مین وغیرہ ان مشترکہ مصارف اور ضروریات کی تکمیل مکینوں سے مصارف ہی کے موافق یا قریب قریب وصول کئے جاتے ہیں، اس لئے اگر بعض وہ رقم وقت متعینہ پر ادا نہ کرے تو پورے نظام میں خلل وپریشانی کا امکان اور خطرہ یقینی طور پر ہے اور ان کی فہمائش اور وقت پر ادا کرنے کے لئے پابند بنانا بظاہر تعزیر مالی کے سوا اور

کوئی صورت نہیں ہے، اس لئے تعزیر باخذ المال موجودہ بالاضرورت کے پیش نظر مشکلات کا بہتر حل ہے، میری رائے یہ ہے کہ سوسائٹیوں کی تین یا پانچ سالہ مدت کے لئے مناسب اور مؤثر جرمانہ لے لیا جائے اور نئی سوسائٹی بننے کے موقع پر تمام لوگوں سے لیا ہوا جرمانہ واپس کر دیا جائے۔

۹- اس کا بھی حکم حسب سابق ہے، جبکہ اہل پنچایت سب کے ساتھ عادلانہ برتاؤ کرے خاص طور سے تعزیر لگانے یا نہ لگانے میں۔

۱۰-۱۱: متعہ مطلقہ کے سلسلہ میں احناف کا قول نہایت معقول ہے، اس لئے کہ مالکیہ وحنابلہ کی مفتی بہ رائے ہر مطلقہ کے لئے متعہ مستحب وسنت ہونے کی ہے، جبکہ امام شافعیؒ کے قول قدیم میں تفصیل ہے اور قول جدید میں ہر مطلقہ کے لئے متعہ واجب ہے، اس لئے تین طلاق کے سدباب کے لئے اس میں اضافہ کے بجائے سوال نمبر ۱۱ کی تجویز پر عمل کیا اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ماڈل نکاح نامے یا پھر رائج نکاح ناموں میں مربوط کر دیا جائے تاکہ تین طلاق کا سدباب ہو سکے، نیز سوال نمبر ۱۱ کے سلسلہ میں اشتراط فی النکاح کا واضح جزیہ موجود ہے، نیز موجودہ حالات کے تناظر میں مولانا سید ارشد مدنی صاحب نے ایک طویل سوال کے سلسلہ میں دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کرام کی متفقہ دستخط سے جو فتوی جاری ہوا ہے اس کو بعینہ یہاں نقل کر دیا جاتا ہے:

حوالہ نمبر: ۶۷۸، الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اصول افتاء کی روشنی میں صاحبین کے مسلک پر فتوی دیا جا سکتا ہے، لہذا نکاح کے وقت فریقین کی رضامندی سے درج ذیل دفعات طے کرنا شرعا درست ہے۔

الف- نکاح کے بعد شوہر کو کبھی بیک وقت تین طلاق نہیں دے گا، اور اگر کبھی میاں بیوی کے درمیان نباہ ممکن نہیں رہا اور طلاق کی نوبت آئی تو شوہر صرف ایک طلاق رجعی یا ایک طلاق بائن دے گا۔

ب- عورت کا مہر مثلاً پچاس ہزار روپئے ہوگا، لیکن اگر شوہر نے کبھی عورت کو بیک وقت تین طلاق دیں تو عورت کا مہر پانچ لاکھ روپئے ہوگا، فقط واللہ تعالی اعلم (مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی، مفتی دار العلوم دیوبند، یکم رجب المرجب ۱۴۳۸ھ مطابق ۳۰/مارچ ۲۰۱۷ء پنج شنبہ)۔

الجواب صحیح: مفتی محمد حسن بلدن شہری، مفتی زین الاسلام قاسمی، مفتی نعمان سیتاپوری، مفتی اسد اللہ، مفتی وقار علی، مفتی فخر الاسلام، مفتی محمد مصعب۔

☆☆☆

تعزیر مالی سے متعلق فقہاء کا موقف

مفتی عبدالرحیم قاسمی☆

۱- تعزیر بالمال کا مفہوم یہ ہے کہ اگر نقصان مثلی شئی کا ہوا ہے مثلاً کسی نے کسی کا غلہ تلف کردیا یا روپیہ ضائع کردیا تو اس صورت میں خود صاحب نقصان کو بھی اس نقصان رساں سے اتنی ہی اور ایسی ہی چیز وصول کرلینا خواہ آشکارہ خواہ خفیہ جائز ہے، اسی طرح اداروں کو بھی اس اعانت جائز ہے(امدادالفتاوی ۲/۵۴۵)۔

تعزیر باخذ المال کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اشیاء ذوات القیم کا نقصان ہوا ہے، مثلاً کسی نے کسی کا درخت کاٹ لیا کا کپڑے چرا لئے یا کسی کی کھیتی اپنے مویشی کو کھلا دی تو اس کا بدل وصول کرنا یہ شرعاً مبادلہ ہے، جس میں تراضی یا قضاء قاضی کی حاجت ہے، پس زمین دار چونکہ سلطان یا نائب السلطان نہیں اس لئے اس دوسری صورت میں اس کا دخل دینا جائز نہ ہوگا، رہ گیا سلطان جس کو اس سیاست کا حق حاصل ہے اس کے لئے علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ یہ واپسی اس وقت ہے جب آثار توبہ کے اس پر ظاہر ہوں ورنہ اگر توبہ سے یاس ہوجائے تو اور کسی رفاہ عام کے کام میں صرف کردے توبہ نہ کرنے کی صورت میں وہ مال اس کو نہیں ملا تو پورا خوف حاصل ہے(امدادالفتاوی ۲/۵۴۵)۔

”فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى“(شامی ۳/۱۷۹)۔ جب عدم واپسی کا خوف ہو تو صورت مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

۲-تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب کیا ہے؟

امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک تعزیر بالمال جائز نہیں، امام ابویوسفؒ سے روایت ہے کہ بادشاہ کے لئے تعزیر بالمال جائز ہے۔

”وعن أبی يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقی الأئمة لا يجوز“(شامی ۳/۱۷۸)(امام ابویوسفؒ سے روایت ہے کہ بادشاہ کے لئے جرمانہ لینا جائز ہے اور طرفین اور باقی اماموں کے نزدیک جائز نہیں)۔

”والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال“(شامی ۳/۱۷۹)(حاصل یہ ہے کہ بے شک تعزیر باخذ المال کا جائز نہ ہونا ہی مذہب ہے)۔

☆ امیر مرکز دعوت وارشاد وافتاء بانی وناظم جامعہ حسینیہ خیر العلوم، نورمحل روڈ، بھوپال۔

۳-تعزیر بالمال کی بابت ائمہ حنفیہ میں کیا کسی کا قول جواز کا ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟

تعزیر بالمال کے متعلق علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ صرف امام ابو یوسف سے جرمانہ کے جواز کی روایت منقول ہے اور وہ بھی ضعیف باقی اور علماء اور ائمہ کے نزدیک جائز نہیں، اور جب روایت ضعیف ہے، قابل عمل نہیں ہو سکتی اس کے علاوہ اس روایت میں بھی صرف صاحب سلطنت یا سلطنت کو اجازت ہے اور پھر حاکم کے لئے بھی اس لئے جواز کا فتوی دینے سے منع کیا گیا ہے کہ لوگوں کو ظلم کرنے کا بہانہ ہاتھ آ جائے گا۔

”**قال فی الفتح: وعن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقی الأئمة لا یجوز، ومثله فی المعراج، وظاهره أن ذلک روایة ضعیفة عن أبی یوسف قال فی الشرنبلالیه:ولا یفتی بهذا المافیه تسلیط الظلمة علی أخذ أموال الناس فیأکلونه**“(شامی ۱۷۸/۳)۔

اور ذرا آگے چل کر علامہ نے نقل کیا کہ سلطان کو بھی صرف خزانہ کے عملہ کے جرمانہ کی اجازت ہے اور وہ بھی اس شرط سے کہ ملکی خزانہ میں داخل کردے (امداد الفتاوی ۵۴۴/۲)۔

اس مقام کی عبارت یہ ہے:”**وسیذکر الشارح فی الکفالة عن الطرسوسة أن مصادرة السلطان لأرباب الأموال لا تجوز إلا لعمال بیت المال أی إذا کان یردها لبیت المال**“ (شامی ۱۷۹/۳)۔

غرض اول تو سارے ائمہ عدم جواز کی طرف گئے ہیں پھر ابو یوسفؒ سے بھی روایت ضعیف اور پھر وہ بھی خاص سلطان کے ساتھ اور اس میں بھی تخصیص عاملین خزانہ کی پھر اس میں شرط ادخال خزانہ کی پس اس وقت روساء و امراء میں جس جرمانہ کا رواج ہے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں (امداد الفتاوی ۵۴۴/۳)۔

۴-کیا فقہاء حنفیہ میں کسی کا فتوی اس قول کے موافق ہے؟

”فتاوی بزازیہ“میں ہے:”**والتعزیر بأخذ المال أن المصلحة فیه جائزة، قال خاتمة المجتهدین مولانا رکن الدین ابو یحیی الخوارزمیؒ معناه أن نأخذ ماله ونودعه، فإذا تاب نرده علیه کما عرف فی خیول البغاة وسلاحهم وصوبه الإمام ظهیر الدین التمرتاشی الخوارزمی قالوا:و من جملته من لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال**“(فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ۴۲۷/۶)(تعزیر باخذ المال میں اگر مصلحت ہو تو جائز ہے: خاتمۃ المجتہدین مولانا رکن الدین ابو یحیی خوارزمی نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ اس کا مال لے کر امانت رکھیں وہ توبہ کرلے تو اس کو واپس کردیں، جیسا کہ باغیوں کے گھوڑوں اور ان کے ہتھیاروں کے بارے میں معروف ہے، امام ظہیر الدین تمرتاشی نے بھی اس کو درست قرار دیا ہے اسی کے منجملہ یہ بھی ہے کہ جو شخص نماز کی جماعت میں حاضر نہ ہو اس کو مالی جرمانہ کی سزا دینا جائز ہے)۔

”البحر الرائق“میں ہے:”**فی الخلاصة سمعت عن ثقة أن التعزیر بأخذ المال، إن رأی القاضی ذلک أو الوالی جاز ومن جملة ذلک رجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال**“(البحر الرائق ۶۸/۵)

(خلاصہ میں ہے میں نے معتمد علماء سے سنا ہے کہ تعزیر باخذ المال کو اگر قاضی حاکم یا والی مناسب سمجھے تو جائز ہے، منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ جو شخص نماز کی جماعت میں حاضر نہ ہو اس سے مالی جرمانہ لینا جائز ہے)۔

"عن عمرؓ أن رسول الله ﷺ قال: من وجد تموه غل فی سبیل الله فاحرقو متاعه" (رواہ الترمذی)

(حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی شخص کو پاؤ کہ اس نے اللہ کے راستہ میں جہاد میں خیانت کی ہے تو اس کا سامان جلا دو)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب نے فرمایا: اس حدیث سے بعض فقہاء نے تعزیر بالمال کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ تعزیر مال کے ذریعہ جائز ہے جبکہ اکثر فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں صرف جسمانی سزا کے ذریعہ تعزیر کرنا جائز ہے، البتہ امام احمد بن حنبلؒ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے، ان حضرات نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان میں سے یہ حدیث بھی ہے اس لئے اس حدیث میں آپ ﷺ نے اس چور کا سامان جلا دینے کا حکم دیا۔

جمہور فقہاء یہ جواب دیتے ہیں کہ حدیث سنداً پوری طرح ثابت نہیں کیونکہ اس کے ایک راوی صالح بن محمد بن زائدہ کو منکر الحدیث کہا گیا ہے، اس لئے یہ حدیث قابل استدلال نہیں، اس کے علاوہ دوسری احادیث جو پیش کی جاتی ہیں ان پر بھی کلام کیا گیا ہے لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر بھی کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی۔

عام طور پر فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه"** (یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس خوش دلی کے بغیر حلال نہیں) لیکن یہ استدلال کمزور ہے، اس لئے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہوا ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہے اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو نقصان پہنچایا جارہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے، تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولی جائز ہو جانا چاہئے، چنانچہ بعض متاخرین فقہاء نے امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے (تقریر ترمذی ۱۱۸/۵-۱۱۹)۔

حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ تحریر فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ مالی جرمانہ یا اشیاء کے اتلاف ونقصان کے ذریعہ تعزیر کو ناجائز کہتے ہیں، طرفین کے برخلاف امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ مصلحت متقاضی ہو تو جائز ہے، فقہ حنفی کی بعض کتابوں مثلاً بزازیہ وغیرہ میں امام ابو یوسف کا نام لئے بغیر اسے مطلقاً جائز کہا گیا ہے، اسی سلسلہ میں قصداً جماعت چھوڑنے والے پر مالی تعزیر کو جائز کہا گیا ہے (اسلامی فقہ ۲۸۰/۳)۔

راقم الحروف کے خیال میں امام ابو یوسفؒ اور جو فقہاء مالی جرمانہ یا اتلاف کے ذریعہ تعزیر کے قائل ہیں ان کی رائے قابل ترجیح ہے، جیسا کہ حدیث و آثار میں ان کی متعدد مثالیں موجود ہیں (اسلامی فقہ مالی جرمانہ کے ذریعہ تعزیر ۳/۲۸۱)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ اور بعض حضرات کی روایت کے مطابق امام ابو یوسف کے سوا تمام ہی فقہاء مالی تعزیر کو جائز قرار نہیں دیتے، اس لئے کہ یہ کسی سبب شرعی کے بغیر ایک مسلمان کا مال لے لینا ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ نے تعزیر مالی کی اجازت دی ہے۔

"**وعن أبی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال**"، اور بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے تاہم امام ابو یوسف کے مسلک کی بعض حنفی مصنفین نے توضیح کی ہے کہ یہ جرمانہ محض وقتی طور پر از راہ دھمکی لیا جائے گا نہ خود سلطان لے گا اور نہ بیت المال میں داخل کرے گا، بلکہ ایک مدت کے بعد واپس کر دے گا۔

عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے ایک اونٹ چرا کر ذبح کر دیا، جس کا چمڑا اور سر انکے پاس پایا گیا، لوگ حضرت عمرؓ کے پاس معاملہ لائے، حضرت عمرؓ نے اونٹ والے سے دریافت کیا کہ تم اونٹ کتنی قیمت میں دے سکتے تھے اس نے کہا چار سو درہم میں، حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن سے فرمایا تاوان کے ساتھ آٹھ سو درہم ادا کرو، یہ روایت اور اثر مالی تعاون کے باب میں بالکل صریح ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تاوان وصول کر کے دوبارہ واپس بھی نہیں کیا جائے گا۔

شریعت میں تعزیر مالی کی مختلف نظیریں بھی ملتی ہیں، حقوق اللہ میں تعدی اور زیادتی پر مالی تعزیر کی نظیر کفارات ہیں جو قصدا روزہ توڑنے، قسم کھا کر پوری نہ کرنے اور قتل خطاء کی صورت میں واجب ہوتے ہیں اور جن میں ایک غلام آزاد کرنا یا مسکینوں کی ایک خاص تعداد کو کھانا کھلانا مالی سزا شمار کی جاسکتی ہے۔

کسی انسان کے ساتھ ایسی تعدی پر جس کا تعلق جسم سے ہو، تعزیر مالی کی نظیر دیت ہے جو ایسی تمام صورتوں میں واجب ہوتی ہے جب فریقین باہمی رضا مندی سے اس پر آمادہ ہو جائیں یا جب قصاص کا اجراء ممکن نہ ہو۔

غیر مادی حقوق میں تعدی پر مالی تعزیر کی نظیر کفارہ ظہار ہے، جس میں غلام کو آزاد کرنا یا مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی شامل ہے مالی حقوق میں تعدی کی بناء پر مالی سرزنش کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا سامان چرالے اور وہ اس کے پاس محفوظ نہیں رہ سکے تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ اصل سزا تو یہ ہے کہ ہاتھ کاٹے جائیں، لیکن اگر کسی وجہ سے ایسا نہ ہو سکے تو اس سے سرقہ شدہ سامان کا تاوان وصول کیا جائے گا، "**والغرم إذا لم یجب القطع**" (بدایۃ المجتہد ۴/۲۹۵)۔

آبروریزی اور ہتک حرمت پر تاوان مالی کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زبردستی زنا کرلے تو اس عورت کو مہر کی رقم دلائی جائے گی (جدید فقہی مسائل ۳/۲۴۶)۔

"**فإن درء الحد لشبهة وجب علیه الصداق وهو قول ابی حنیفة وابراهیم النخعی والعامه من فقهائنا**" (اوجز المسالک ۵/۲۸۳)۔

فتاوی دار العلوم زکریا میں ہے مالی جرمانہ عائد کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے۔

علامہ شامی نے عدم جواز کو ترجیح دی ہے، بعض فقہاء نے امام ابو یوسف کے قول کی اس طرح وضاحت فرمائی ہے کہ دراصل یہ جرمانہ وقتی طور پر بطور تنبیہ عائد کیا جائے گا، نہ بادشاہ خود لے سکتا ہے اور نہ قاضی نہ بیت المال میں جمع کیا جاسکتا ہے بلکہ محفوظ رکھا جائے گا اور جرم سے باز آنے پر واپس کیا جائے گا، عصر حاضر کے علماء اور مفتیان کرام کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہے، اکثر حضرات منع کرتے ہیں لیکن بعض حضرات جواز کے قائل ہیں، لہذا قول جواز کو مدنظر رکھتے ہوئے صورت مسئولہ میں مالی جرمانہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (فتاوی دار العلوم زکریا ۴/ ۵۷۵)۔

۵- ائمہ ثلاثہ یا مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال اور تعزیر کی گنجائش منقول ہے؟

''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں ہے:''**لا يجوز التعزير بأخذ المال فى الراجح عند الائمة لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه واثبت ابن تيميه وتلميذه ابن القيم أن التعزير بالعقوبات المالية مشروع فى مواضع مخصوصة فى مذهب مالک فى المشهور عنه ومذهب احمد واحد قولى الشافعي**'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۱۸۹) (مال لے کر تعزیر کرنا ائمہ کے راجح قول میں جائز نہیں، کیونکہ اس میں ظالموں کو لوگوں کے مال لینے پر مسلط کرنا ہے، پھر اس کو کھائیں گے اور ابن تیمیہ اوران کے شاگرد ابن قیم نے مالی سزاؤں کے ذریعہ تعزیر کو ثابت کیا ہے کہ مالی سزائیں امام مالک کے مذہب میں مخصوص موقعوں پر مشہور قول کے مطابق اور امام احمد کے مذہب میں اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق جائز ہیں (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۱۸۹)۔

۶- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ اس وقت اسلام کے قانون حدود وتعزیرات کے فقدان کی وجہ سے مسائل جو سماجی طور پر حل کئے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وحدتیں بعض منکرات کا مقابلہ کررہی ہیں ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مالی جرمانوں کے ذریعہ وہ ان جرائم کی روک تھام کی سعی کریں یوں بھی عملا اس زمانہ میں مالی تعزیر کی بڑی کثرت ہوگئی ہے، اور ریلوے، بس، ٹرافک وغیرہ میں کثرت سے اس کا تعامل ہورہا ہے، راقم الحروف کا رجحان ہے کہ اس کی اجازت دی جانی چاہئے (قاموس الفقہ ۲/ ۴۷۹)۔

مالی جرمانہ کرنے والے جب تک صاحب اختیار نہ ہوں تو اس کو وصول کرنا درست نہیں، حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں: اول تو سارے ائمہ عدم جواز کی طرف گئے ہیں، پھر امام ابو یوسفؒ سے بھی روایت ضعیف ہے اور وہ بھی خاص سلطان کے ساتھ اس میں بھی تخصیص عاملین خزانہ کی پھر اس میں شرط ادخال خزانہ کی پس اس وقت روسائے وامراء میں جس جرمانہ کا رواج ہے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں (امداد الفتاوی ۲/ ۵۴۴)۔

اگر نقصان اشیاء ذوات القیم کا ہوا ہے مثلا کسی نے کسی کا درخت کاٹ دیا تو اس کا بدل وصول کرنا یہ شرعا مبادلہ ہے، جس

میں تراضی یا قضاء قاضی کی حاجت ہے، پس زمیندار چونکہ سلطان یا نائب سلطان نہیں، اس لئے اس دوسری صورت میں اس کا دخل دینا جائز نہ ہوگا، البتہ اگر حکام ملکی اس زمیندار کو باضابطہ ایسے اختیارات دیدیں مثلاً اس کے دیہات کا آنریری مجسٹریٹ بنادیں اور ایسے معاملات کے فیصلے کا تصریحاً اختیار دیدیں تو اس کو بھی وہی حکم کرنے کا حق ہوگا جو حکام کو رہتا ہے(امداد الفتاوی ۲ /۵۴۵)۔

اور ریلوے اور بس ٹرافک کا جرمانہ لینے والے سرکاری افسران ہوتے ہیں جن کو سرکاری طور پر جرمانہ لینے کا اختیار دیا جاتا ہے اسی طرح اگر کسی پنچایت یا حاکم کو اختیار دیا جائے تو اس کے جرمانہ لینے میں فتنہ نہیں ہوگا۔

جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے یہ بھی اس شخص کے لئے جائز ہے جس میں دو وصف ہوں ایک حکومت واختیار رکھتا ہوتا کہ فتنہ نہ ہو، دوسرے معتمد ومتدین ہو(امداد الفتاوی ۲ /۵۴۱)۔

۷-تعلیمی اداروں میں مالی جرمانہ:

تعزیر مالی، یعنی جرمانہ تو حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں اور حدیث "**لا يحل مال امرأى مسلم إلا بطيب نفس منه**" اس کی موید بھی ہے، پس جرمانہ کے طور پر تو یہ لینا درست نہ ہوگا، البتہ اس کا اور طریقہ ہوسکتا ہے وہ یہ کہ اس غیر حاضری پر اس طالب علم کو خارج قرار دیا جائے، غیر حاضری کی سزا تو یہ ہوا اور آئندہ کو داخل کرنا بذمہ اہل مدرسہ واجب تو ہے نہیں مباح ہے مباح میں جو کہ متقوم ہو مال کی شرط لگانا جائز ہے اور یہاں مدرسہ کے مکان سے انتفاع مدرسین سے تعلیم یہ سب امور ایسے ہیں جن پر متولی کو اجرت لینا جائز ہے، پس اس اجرت میں وہ پیسے لے لئے جائیں اور اس تقریر کی تصریح کردی جایا کرے تا کہ عقد مبہم نہ رہے(امداد الفتاوی ۲ /۵۴۳)۔

۸-تعلیمی اداروں کے علاوہ میں نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ:

ہاؤسنگ سوسائیٹیاں وغیرہ مقررہ وقت پر طے شدہ مطلوبہ رقم ادا نہ کرنے پر جو جرمانہ وصول کرتی ہیں، یہ قواعد کی رو سے ناجائز اور رشوت ہے(امداد الفتاوی ۲ /۵۴۰)۔

۹-برادریوں اور خاندانی پنچایتوں میں اصلاح کی غرض سے مالی جرمانہ:

برادریوں اور خاندانی پنچایتوں، نیز کاروباری انجمنوں کا اپنے ممبروں سے جرمانہ وصول کرنا حرام ہے(امداد الفتاوی ۲ /۵۳۸)۔

۱۰-طلاق پر قابو پانے کے لئے جرمانہ:

شوہروں کو طلاق کے اثرات اور نتائج سے خبردار اور ہوشیار کیا جائے جو شوہر مہر کی رقم ادا کرنے سے ڈر کر بھی طلاق سے نہیں بچتے ان کے متعلق کیا امید رکھی جائے کہ وہ متعہ کے ڈر سے یا مزید نصف مہر کی رقم ادا کرنے کے ڈر سے طلاق سے پرہیز کریں گے، البتہ طلاق میں افراط وتفریط سے بچانے کے لئے اگر متعہ یا مزید نصف مہر کو لازم کرنے سے طلاق کو روکا جاسکتا ہے، تو شوہروں کو ترغیب دیں کہ وہ اپنے اوپر متعہ کو یا مزید مہر کو لازم کرلیں۔

۱۱-مزید نصف مہر یا متعہ لازم کرنا:

نکاح نامہ میں جب پابند بنادیا جائے گا کہ اگر بیجا طور پر طلاق دی گئی یا تین طلاق ایک ساتھ دی گئی تو متعہ کے طور پر یا مزید نصف مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینی ہوگی تو اس کی گنجائش ہے، نکاح نامہ میں طے شدہ شرائط کو ماننے سے شوہر معاہدہ کا پابند ہوجائے گا، اور اس معاہدہ کے مطابق اس کے لئے متعہ یا نصف مہر کی رقم دینی لازم ہوگی۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی ☆

۱-تعزیر بالمال کا مفہوم؟

شریعت کی اصطلاح میں تعزیر یہ ہے کہ ایسی معصیت پر ادب دینا جس میں حد یا کفارہ نہ ہو، تعزیر بالمال کا مطلب یہ ہے کہ کسی جرم کی سزا کے طور پر مجرم پر مالی تاوان لاگو کیا جائے اور اسے مجبور کیا جائے کہ وہ مالی تاوان/ ہرجانہ ادا کرے، جب کہ تعزیر باخذ المال کا مطلب یہ ہے والی یا قاضی یا حاکم ظالم کا مال لے لے اور اسے یا تو بیت المال میں ایک وقت مقرر تک محفوظ رکھے یا مصلحت کی بنیاد پر اس مال کو حاصل کرنے کے بعد ضائع کرے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ نے فرمایا ہے کہ **"ومعنى التعزير بأخذ المال على القول عند من يجيزه ، هو إمساك شيء من مال الجاني عنه مدة لينزجر عما اقترفه ، ثم يعيده الحاكم إليه ، لا أن يأخذه الحكم لنفسه ، أو لبيت المال ، كما يتوهمه الظلمة ، إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال احد بغير سبب شرعي ، وقال ابن عابدين ۔ وأرى أن ياخذ الحكم مال الجاني ، فيمسكه عنده ، فإن أيس من توبته يصرفه الى مايرى من المصلحة"** (الفقہ الاسلامی وادلتہ، د/ وہبۃ الزحیلی ۷ / ۵۱۸)۔

تعزیر باخذ المال کا مطلب یہ ہے کہ حاکم وقت کچھ مدت کے لئے ظالم کے مال میں سے کچھ حصہ روک لے، تا کہ ظالم اپنے جرم سے باز آجائے، پھر حاکم وقت اس مال کو مستقل اپنے پاس رکھنے کے بجائے ظالم کے پاس واپس لوٹا دے، یا بیت المال کے حوالہ کردے، کیونکہ شرعا کسی کو کسی کا مال بغیر کسی سبب شرعی کے قبضہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ نیز ابن عابدین کا قول یہ ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ حاکمِ وقت ظالم کے مال کو حاصل کرلے اور اسے اپنے پاس محفوظ رکھے، اگر حاکم ظالم کے توبہ سے مایوس ہوجائے تو اسے اختیار ہے کہ جہاں مصلحت کا تقاضہ ہو خرچ کرے۔

۲-تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب کیا ہے؟

حنفیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مال لے کر کسی کی تعزیر (کسی کو مالی سزا دینا) جائز نہیں ہے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ

☆ استاذ ومفتی جامعہ دار السلام، عمر آباد۔

تعزیر بالمال کی اجازت نہیں دیتے۔"قال فی البحر الرائق: ولم یذکر محمد التعزیر بأخذ المال" (٥/٤٤) فی شرح الآثار ،التعزیر بالمال کان فی ابتداء الإسلام ثم نسخ ، والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال" (رد المحتار ،٢١٨/١٥)(ابن عابدین ٣/ ١٨٤، البدائع، ٧/ ٦٣، فتح القدیر ٤/ ٢١٢،تبیین الحقائق، ٣/ ٢٠٧، المغنی ٨/ ٣٢٤،اعلام الموقعین، ٢/ ٩٩)۔

٣-تعزیر بالمال کی بابت ائمہ حنفیہ میں کیا کسی کا قول جواز کا ہے اور اس کی کیا حیثیت ہے؟

امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر مصلحت کی رعایت کی جائے تو مجرم سے مال لے کر تعزیر کرنا جائز ہے(ابن عابدین ٣/ ١٨٤۔الزیلعی ٣/ ٢٠٨۔فتاوی بزاریہ ٢/ ٤٥٧)۔

٤-کیا فقہاء حنفیہ میں کسی کا فتوی اس قول کے موافق ہے؟

"البحر الرائق" میں فرمایا ہے کہ "سمعت عن ثقة أن التعزیر بأخذالمال إن رأی القاضی ذلک أو الوالی جاز،ومن جملة ذلک رجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره بأخذ المال" (البحر الرائق ٥/ ٤٤)۔

یعنی میں نے قابل اعتماد لوگوں سے سنا ہے کہ تعزیر باخذ المال قاضی یا والی یا گورنر کی رائے اور ان کی مصلحت کے ساتھ مربوط ہے،مثال کے طور پر کوئی شخص جماعت کی نماز میں حاضر نہ ہو تو قاضی یا والی کو اس کے مال پر قبضہ کرنے اور تصرف سے روکنے کا حق ہوگا۔

"وقد روی عن أبی یوسفؒ أن التعزیر من السلطان بأخذالمال جائز، کذا فی الظهیریة "(البحر الرائق، ٥/ ٤٤)،یعنی امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ سلطان یا حاکم وقت کو تعزیر باخذ لمال کی اجازت ہے،یہی رائے ظہیریہ میں منقول ہے۔" وفی البزازیة: أن معنی التعزیر بأخذالمال هو إمساک شیء من ماله مدة عنه لینزجر،ثم یعیده الحاکم إلیه، لا أن یأخذه الحاکم لنفسه أو لبیت المال کما یتوهمه الظلمة ,إذ لا یجوز لأحدمن المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی"(البحر الرائق ٥/ ٤٤)۔

"بزاریہ" میں (یہ فتوی منقول) ہے کہ۔حاکم وقت کچھ مدت کے لئے ظالم کے مال میں سے کچھ حصہ روک لے،تاکہ ظالم اپنے جرم سے باز آجائے،پھر حاکم وقت اس مال کو مستقل اپنے پاس رکھنے کے بجائے ظالم کے پاس واپس لوٹا دے،یا بیت المال کے حوالہ کردے،کیونکہ شرعا کسی کو کسی کا مال بغیر کسی سبب شرعی کے قبضہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

"وقال ابن عابدین : وأری أن یأخذ الحاکم مال الجانی ، فیمسکه عنده ، فإن أیس من توبته و یصرفه إلی مایری من المصلحة"(الفقہ الاسلامی وادلتہ،د/ وہبۃ الزحیلی ٧/ ٥١٨)۔

نیز ابن عابدین کا قول یہ ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ حاکم وقت ظالم کے مال کو حاصل کرلے اور اسے اپنے پاس محفوظ رکھے،اگر حاکم ظالم کے توبہ سے مایوس ہوجائے تو اسے اختیار ہے کہ جہاں مصلحت کا تقاضہ ہو خرچ کرے۔

”و فی المجتبی: أنه کان فی ابتداء الإسلام ثم نسخ“(ردالمحتار ۱۵/ ۲۰۲)، یعنی صاحب مجتبی نے فرمایا کہ تعزیر بالمال کا حکم ابتداءِ اسلام میں تھا، پھر منسوخ ہوگیا۔

” عن الطرسوسی , أن مصادرة السلطان لأرباب الأموال لا تجوز إلا لعمال بیت المال ,أی إذا کان یردھا لبیت المال “(۱۵/ ۲۰۸)، علامہ طرسوسی کا خیال یہ ہے کہ مال پر قبضہ کرنا صرف بیت المال کے کارندوں کے لئے ہی جائز ہے، جبکہ وہ مال کو بیت المال میں جمع کرتے ہوں۔

۵-ائمہ ثلاثہ یا مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال اس بابت کیا ہیں؟ کیا ان مذاہب میں اس بابت کچھ گنجائش منقول ہے؟

تعزیر بالمال کے تعلق سے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ ”التعزیر بالعقوبات المالیة مشروع أیضا فی مواضع مخصوصة فی مذهب مالکؒ فی المشهور عنه ، و مذهب أحمدؒ فی مواضع بلانزاع عنه ،و فی مواضع فیها نزاع عنه، والشافعیؒ فی قول: وإن تنازعوا فی تفصیل ذلک کما دلت علیه سنة رسول الله ﷺفی مثل إباحته سلب الذی یصطاد فی حرم المدینة لمن وجده، ومثل أمره بکسر دنان الخمر وشق ظروفه، ومثل أمره عبد الله بن عمرؓ بحرق الثوبین المعصفرین، وقال له: اغسلهما ؟ قال: لا بل احرقهما“ (الحسبۃ، ص ۲۵)۔

یعنی تعزیر مالی مخصوص مقامات میں امام مالکؒ کے مشہور مسلک کے مطابق شرعا اس کی اجازت ہے، نیز امام احمدؒ کے پاس بعض حالات میں بلا اختلاف اور بعض حالات میں اختلاف کے ساتھ تعزیر مالی کی اجازت ہے، نیز امام شافعیؒ کے پاس ایک قول کے مطابق تعزیر مالی مشروع ہے، اگر چہ کہ ارباب فقہ وفتاوی کے تفصیلی مباحث میں اختلافات درج کئے گئے ہیں، شیخ الاسلامؒ نے اس امر کی مشروعیت پر مصدر ثانی سنت رسول ﷺ سے بے شمار دلائل سے ثابت کیا ہے مثال کے طور پر حرم مدنی میں شکار کرنے والے کے مال ومتاع کے چھین لینے کا جواز، شراب کے پیالوں اور برتنوں کے توڑنے کے احکامات، نیز آپ ﷺ کا عبداللہ ابن عمرؓ کو دو زرد کپڑوں کے جلا دینے کا حکم صادر فرمانا جب کہ انہوں نے رنگ دھونے کے تعلق سے استفسار کیا تو ارشاد ہوا کہ نہیں ان کپڑوں کو جلا ہی دو، اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کا حکم کہ مسجد ضرار کو ڈھا دیا جائے، مانعینِ زکوۃ سے ان کا نصف مال جرمانہ کے طور پر لیا جائے، خلفاء راشدین میں حضرت عمرؓ وعلیؓ کا شراب کے اڈوں اور دکانوں کو جلانے کا حکم، نیز حضرت عمرؓ کا گزشتہ آسمانی کتابوں کو جلا دینا، اور جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے رعایا سے الگ تھلگ رہنے کی خاطر اپنے لئے خاص محل تعمیر فرمائی تو امیر المومنین عمر فاروقؓ نے اس محل کو جلانے اور خاکستر کرنے کا حکم صادر فرمایا، جب کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے دور میں ان تمام مصاحف کے نسخوں کو جلا دینے کا حکم صادر فرمایا جو مصحفِ امام کے خلاف ہو، شیخ الاسلامؒ نے آگے چل کر یہ بھی فرمایا کہ: ”وھذہ القضایا کلها صحیحة معروفة عند أهل العلم بذلک ونظائرها متعددة، ومن قال: إن العقوبات المالیة منسوخة واطلق

ذلک عن أصحاب مالک و أحمد فقد غلط علی مذهبهما و من قاله مطلقا من أی مذهب فقد قال قولا بلادلیل ولم یجئ عن النبی علیه السلام شیئ قط أنه حرم جمیع العقوبات المالیة، بل أخذ الخلفاء الراشدون وأکابر أصحابه بذلک بعد موته دلیل علی أن ذلک محکم غیر منسوخ وعامة هذه الصور منصوصة عن احمد ومالک وأصحابه وبعضها قول عند الشافعی باعتبار ما بلغه من الحدیث ومذهب مالک واحمد وغیرهما: إن العقوبات المالیة کالبدنیة تنقسم إلی ما یوافق الشرع إلی ما یخالفه ولیست العقوبة المالیة منسوخة عندهما والمدعون للنسخ لیس معهم حجة بالنسخ لا من کتاب و لا من سنة، وهذا شأن کثیر ممن یخالف النصوص الصحیحة والسنة بلا حجة" (الحسبۃ لشیخ الاسلام ابن تیمیۃ، ص۲۶)۔

مذکورہ ساری مثالیں صحیح سندوں سے ثابت ہیں اور اہل علم کے نزدیک مشہور ومعروف ہیں، اس کی نظیریں متعدد ہیں، البتہ جن حضرات نے تعزیر مالی کے منسوخ ہونے کا دعوی کیا ہے اور مطلقا امام مالک وامام احمد کے اصحاب کی طرف منسوخ ہونے کا قول منسوب کیا ہے، یقیناً ان کے مسلک میں قول کے انتساب میں غلطی کیا ہے، اور جس نے کسی بھی مکتبِ فکر کے تعلق سے مطلقا یہ کہا کہ مالی تعزیر فلاں مسلک میں جائز نہیں ہے یقیناً اس کا یہ قول بلا دلیل ہے، نبی کریم ﷺ سے کوئی حکم ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے تعزیرات مالیہ کو حرام قرار دیا ہو، بلکہ خلفاء راشدین اور اکابر صحابہؓ نے آپ کی سنتوں سے یہی حکم مستنبط فرمایا کہ یہ حکم محکم ہے اور غیر منسوخ ہے، نیز یہ تمام صورتیں امام احمدؒ وامام مالکؒ اور ان کے اصحاب سے ماخوذ ومنصوص ہیں، بعض جواز سے متعلق اقوال امام شافعیؒ، امام احمدؒ وامام مالکؒ سے حدیثِ رسول ﷺ کے پہنچنے پر اس طرح منسوب ہیں کہ مالی تاوان کی سزائیں بدنی سزاؤں کی طرح تقسیم شدہ ہیں، یعنی بعض شریعت کے موافق ہیں اور بعض شریعت کے مخالف ہیں، مالی تعزیر امام احمدؒ وامام مالکؒ کے پاس منسوخ نہیں ہے، جن حضرات نے مالی تاوان کے منسوخ ہونے کا دعوی کیا ہے وہ دعوی بلا دلیل ہے، نہ قرآن کریم سے یہ دعوی ثابت ہے اور نہ ہی سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے، یہ خاص کر ان لوگوں کی عادت اور وطیرہ ہے جو نصوص صحیحہ اور سنت رسول ﷺ کی بغیر کسی دلیل کے مخالفت کرتے ہیں۔

علامہ شبراملسی فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے جدید مسلک میں مال لے کر تعزیر کرنا جائز نہیں ہے، اور قدیم مسلک میں جائز ہے (حاشیۃ الشبراملسی علی شرح المنہاج ۷/ ۱۷۴/ الحسبہ ص ۴۰)۔

امام مالکؒ کا مشہور قول جیسا کہ ابن فرحون فرماتے ہیں کہ تعزیر بالمال جائز ہے (الحسبہ ص ۴۰/تبصرۃ الحکام / ۳۶۸,۳۶۷)۔

حنابلہ کے پاس مال لے کر یا اسے تلف کر کے تعزیر کرنا حرام ہے، اس لئے کہ جس کی اقتداء ہوسکتی ہے ان سے اس کے سلسلہ میں شریعت میں کوئی چیز نہیں آئی ہے (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ ۱۲/ ۳۱۳)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے مخالفت کی اور فرمایا کہ تلف کرنے اور لے لینے دونوں اعتبار سے تعزیر بالمال جائز ہے (کشاف القناع ۴/ ۷۴,۷۵، الحسبہ ۴۰، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی، ص ۲۹۵)۔

۶-ضرورۃً جواز وگنجائش کے قول پر فتوی:

مذکورہ حالات میں اور مذکورہ اسباب اور ضرورت کی بنیاد پر مناسب اور معقول مالی جرمانہ کے جواز کا فتوی دیا جا سکتا ہے, کیونکہ اس موضوع میں سنت سے بے شمار دلائل موجود ہیں، خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کے فیصلے ثابت ہیں، بلکہ ائمہ کرامؒ سے بھی جواز کے فتوے منقول ہیں، لہذا یہ کوئی ضعیف یا مرجوح قول نہیں ہے کہ اسے قبول کرنے میں تامل سے کام لیا جائے، حق بات یہ ہے کہ اس قول پر عمل درحقیقت عمل بالحدیث الصحیح ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے مالی تاوان کی تین تقسیمیں بیان کی ہیں، ''**الاتلاف و التغییر و التملیک**''۔ یعنی مال کو ضائع کر دینا، مال کی شکل وصورت کو تبدیل کر دینا، اور کسی کو مالک بنا دینا، ان تینوں صورتوں کی مثالیں بھی بیان کی ہیں مثالیں بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں:

۱) اتلاف کی صورتوں میں سے حضرت عمر فاروقؓ کا شراب خانوں کی دکانیں یا اس کے کارخانوں کو نیست و نابود کر دینا، نیز حضرت علیؓ کا اس قریہ کو جلا دینا جہاں شراب بیچی جاتی تھی، اس لئے کہ محل بیع وشراء کو ختم کرنا بھی اسی طرح ہے جس طرح شراب کے برتنوں کو توڑ دینا ہے، نیز حضرت عمرؓ کا پانی ملائے ہوئے دودھ کو زمین پر انڈیل دینا وغیرہ۔

۲) تغییر کی صورتیں۔ نبی کریم ﷺ کے گھر میں موجود مجسمہ کے سر کو توڑ دیا جانا، پھر اس مجسمہ کا درخت کی طرح نظر آنا، نیز آپ ﷺ کے گھر میں موجود ایک منقش چادر کو چاک کر کے اس سے دو تکیے بنائے گئے تھے۔

۳) التملیک۔ حضرت عمرؓ کا دوگنا تاوان کا فیصلہ اس شخص کے حق میں جس نے کسی گمشدہ چیز کو چھپا کر رکھا تھا۔ نیز حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں جب کوئی مسلمان کسی ذمی کو عمداً قتل کر دیتا تو اس پر کامل دیت کا حکم صادر فرماتے (الفقہ الاسلامی و ادلتہ ۷/۵۱۹)۔

نوٹ۔ مالی تاوان لگانے کے جواز کے لئے مندرجہ ذیل شروط کا لحاظ رکھنا بہتر ہے۔

۱) جرمانہ کے نام سے استغلال یعنی زیادتی نہ ہو, ۲) جرمانہ کی رقم بھی باہم مشورہ سے طے شدہ ہو، ۳) حد اعتدال سے متجاوز نہ ہو، ۴) جرم کے لحاظ سے جرمانہ کی مقدار میں تفاوت ہو، ۵) خصوصا مجرم کے لئے قابل ادا ہو، ۶) جرمانہ مکلّف کی قوت وطاقت سے متجاوز نہ ہو، ۷) جرمانہ کی مقدار کی ادائیگی میں آسانی کا پہلو مقدم ہو۔ ۸) یہ تاوان مستقل طور پر نہ ہو کہ ادارہ اس جرمانہ کو پیسہ کمانے کا ذریعہ نہ بنالے اور ہر چھوٹے جرم کے لئے بطور تاوان بڑی رقم حاصل کرنے کے حیلے بہانہ نہ تلاش کرے۔

۷-تعلیمی اداروں میں مالی جرمانہ؟

مالی جرمانہ یقیناً شریعت کے ذیلی مصادر مصالح مرسلہ سے متعلق ہے، تعلیم اداروں میں حالات اور تقاضوں کو مدنظر رکھ کر مناسب مالی جرمانہ لگانے کی صورت میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ مالی جرمانہ کے جواز پر شرعا کئی دلائل اور نظائر موجود ہیں، لہذا مالی جرمانہ یا تاوان لگانے میں کوئی قباحت نہیں ہے، بشرطیکہ وہ مناسب اور معقول ہو, جو ارباب حل وعقد کے مشوروں سے طے شدہ ہو, اس لئے کہ شرعا کوئی بھی قانون مکلّف کے طاقت سے بڑھ کر ہو تو جائز نہ ہوگا۔

۸-نظم وضبط کو درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ کا نظام؟

فریقین کو نقصان سے بچانے کے لئے عہد وپیمان کی پابندی لازم ہے، ارشاد باری تعالی ہے: ’’یَآَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْد‘‘ (سورۃ المائدہ،۱) اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو۔ ارشاد نبوی ﷺ: ’’المسلمون علی شروطهم‘‘ (یعنی مسلمان اپنے شرطوں کے پابند ہوں گے) (سنن ابی داؤد: ۳۵۹۴، حسن صحیح)۔

ہاؤسنگ سوسائٹیاں وغیرہ کی طرف سے لگائی جانے والی پابندی یا تاوان کی حیثیت سود کی ہوگی، یعنی کل ’’قرض جر نفعا فهو ربا‘‘ قرض کی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ وصول کرنا گویا سود وصول کرنے کے برابر ہے، لیکن سوسائٹی والوں کو بھی حرج سے بچانے کے لئے بھی کوئی قانون یا عہد وپیمان کا پابند بنایا جائے تاکہ کسی کو کسی بھی صورت میں نقصان وغیرہ نہ ہو اسلامی اصول یہ ہے کہ نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ ہی دوسروں کو نقصان پہنچاؤ: ’’لا ضرر ولا ضرار‘‘ (ابن ماجہ: ۲۳۴۰)۔

۹-برادریوں اور پنچایتوں کا مالی جرمانہ وصول کرنا؟

مالی تاوان کے جواز پر دلائل جب موجود ہیں تو کسی بھی ادارہ کے نظم وضبط کو مضبوط بنانے کے لئے یا اصلاحِ احوال کی نیت سے جرمانہ لگانا جائز ہوگا، اور یہ معاملہ مصالح مرسلہ کے قبیل سے ہے، جس میں حالات اور مصلحتوں کی بنیاد پر قوانین بنائے جاسکتے ہیں بشرطیکہ وہ روح شریعت سے متصادم نہ ہوں۔

۱۰-طلاق میں افراط وتفریط پر قابو پانے کے لئے مالی جرمانہ:

نکاح کے موقع پر مہر کی تعیین شرعا ونصا حکم وارد ہے، مگر اس مہر کے ساتھ طلاق کی صورت میں طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کیا جائے مناسب نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ عقدِ نکاح کو طلاق پیش آنے سے قبل ہی موہوم طلاق کے ساتھ مربوط ومشروط کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ نکاح مشروط شرعا درست نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ نکاح کے وقت بعض معقول شرطیں لگانا صحیح ہے، جنہیں نکاح بالشرط کہا جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ’’أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج‘‘ (صحیح البخاری، ۲۷۲۱) یعنی سب سے زیادہ وفا کا حق رکھنے والی وہ شرط ہے جس کے ذریعہ سے تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حنفیہ کے پاس ہر مطلقہ کے لئے متعہ مستحب ہے سوائے مفوضہ کے، (مفوضہ کے لئے متعہ واجب ہے، مفوضہ وہ ہے جو بغیر کسی تعیینِ مہر کے نکاح کردی گئی، اور دخول سے قبل طلاق دے دی گئی، یا جس کا مہر مہر فاسد ہو مفوض کہلاتی ہے)

مالکیہ کے پاس متعہ ہر مطلقہ کے لئے مستحب ہے، اور مطلقات کی تین تقسیم ہیں:

۱) وہ مطلقہ جو دخول اور مہر کی تعیین سے قبل طلاق دے دی گئی۔ اس مطلقہ کے لئے کوئی متعہ واجب نہ ہوگا۔

۲) وہ مطلقہ جو دخول سے قبل اور مہر کی تعیین کے بعد طلاق دی گئی، اس کے لئے کوئی متعہ واجب نہ ہوگا۔

۳) مطلقہ جسے دخول کے بعد طلاق دی گئی ہو اس کے لئے متعہ واجب ہوگا خواہ طلاق مہر کی تعیین سے قبل ہوئی ہو یا بعد میں ہوئی ہو۔

شافعیہ کے نزدیک متعہ ہر صورت میں واجب ہے، یعنی مالکیہ کے برخلاف، خواہ طلاق قبل الدخول ہو یا بعد الدخول، الا یہ کہ کوئی مطلقہ قبل الدخول ہو، اور مہر کی تعیین کی گئی ہو تو نصف مہر مقرر کیا جائے گا (۹/ ۳۰۱، الفقہ الاسلامی وادلتہ)۔

مذکورہ صورتوں میں حنفیہ کے قول کے برعکس طلاق بجا پر متعہ جب واجب ہے تو موجودہ حالات میں بے جا طلاق دینے والوں پر متعہ کا پابند بنانا بھی جائز تو ہے، یا نکاح کے وقت ہی مہر کی رقم میں ہی اضافہ کر دیا جائے، یا مہر مثل کے دوگنی رقم اضافہ کر دی جائے، یا ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ طلاق کے وقت اہل جماعت مناسب متعہ کا فیصلہ کریں اور اسے تسلیم کرنا واجب قرار دیا جائے، اس طرح کے قوانین وضع کیے جائیں کہ نکاح کا بندھن باقی رہے، کثرت طلاق سے معاشرہ کو بچایا جائے، اسی طرح جب عورت بے جا طلاق کا مطالبہ کرتی ہو تو ایسی صورت میں یہ بھی ہونا چاہیے کہ اسے کوئی متعہ ہی نہ دیا جائے۔

۱۱- مزید نصف مہر یا متعہ کا لزوم؟

فرض محال کے طور پر (یعنی نکاح سے قبل ہی طلاق نامہ تیار کر لیا جائے اور شوہر کو متعہ کا پابند بنایا جائے) ایسی شرطیں طے کرنا شرعا وعقلا جائز اور درست نہیں ہے، کیونکہ نکاح بھی ایک عقد ہے جو شرط کے ساتھ عقد کو پیچیدہ اور مشکل بنا دے گا، البتہ ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ طلاق کی صورت درپیش ہو تو جماعت والے/ قاضی/ جمعیت/ جماعت/ دارالقضاء/ شرعی پنچایت کی جانب سے کوئی مناسب رقم تعزیر کے طور پر شوہر سے لی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ طلاق دینے والا ظلما وعدوانا بیجا طلاق دے رہا ہو، کسی معقول سبب کے بغیر طلاق دے رہا ہو تو ایسے لوگوں پر معاشرہ کی طرف سے جرمانہ کی کوئی رقم طے ہو تو تعزیر بالمال جائز ہوگا۔

ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ طلاق بجا طور پر دی جائے تو ایسی صورت میں طلاق دینے والے پر متعہ کو واجب قرار دیا جائے ورنہ بیجا طلاق دینے والے پر جرمانہ لگانا ضروری ہوگا۔ ارشاد باری ہے کہ: ''**ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره**'' (سورۂ بقرہ: ۲۳۶)، ہاں اُن کو دستور کے مطابق کچھ خرچ ضرور دو (یعنی) مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق دے اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق۔ نیک لوگوں پر یہ ایک طرح کا حق ہے۔

ایک اور صورت یہ بھی ہوسکتی ہے عقد نکاح کے وقت ہی اس بات کا پابند بنایا جائے کہ اللہ نہ کرے جب بھی طلاق کی نوبت آئے گی میں ایک ہی طلاق دوں گا، بیک وقت تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں نہیں دوں گا، یعنی متفق علیہ چیز پر عمل کا پابند بنانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

مفتی شاہد علی قاسمی☆

۱-تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کا فرق:

تعزیز بالمال سے مراد مالی تاوان اور مالی سزا ہے، یعنی مجرم سے جرمانہ کے طور پر اس کا مال لیا جائے اور واپس نہ کیا جائے اور تعزیر باخذ المال سے مراد بعض فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ مجرم سے بہ طور جرمانہ عارضی اور وقتی طور پر مال لیا جائے، جب محسوس ہو کہ مجرم میں صلاح پیدا ہوگیا ہے، اپنے جرم سے تائب ہو چکا ہے تو اب اسے مال لوٹا دیا جائے، جیسا کہ صاحب فتاوی بزازیہ فرماتے ہیں:

”معناه أن نأخذ ماله و نودعه، فإذا تاب نرده عليه“ (فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶/۴۲۷)۔

—— تاہم تعزیز بالمال اور تعزیر باً خذ المال کا یہ فرق حتمی نہیں ہے، اصل میں تعزیر مالی کو امام ابو یوسفؒ نے جائز قرار دیا، جب کہ جمہور فقہاء نے ناجائز قرار دیا، تو امام ابو یوسفؒ کے جواز والے قول کی تاویل یوں کی گئی کہ مال بہ طور جرمانہ لے کر محفوظ کر دیا جائے، گویا یہ تعزیر باخذ المال ہوئی، پھر مال بعد میں واپس کر دیا جائے تو یہ مکمل تعزیر مالی بھی نہیں ہوئی، اس طرح جمہور فقہاء کی مکمل مخالفت بھی نہیں ہوئی؛ چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے بھی امام ابو یوسفؒ کے قول جواز کی یوں تاویل کی:

”إمساک شيء من ماله عنه مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذ الحاكم لنفسه أو لبيت المال“ (البحر الرائق ۵/۴۱)۔

قابل غور بات یہ ہے کہ تعزیر باخذ المال کی یہ تشریح اس قول کے قائل امام ابو یوسفؒ سے خود مروی نہیں ہے؛ بلکہ بعض حنفی فقہاء نے ایسی تشریح کر کے ایک درمیانی راہ نکالی ہے؛ تاکہ جمہور فقہاء کے نقطۂ نظر سے ٹکراؤ نہ ہو، لیکن جب خود امام ابو یوسفؒ نے ایسی تشریح نہیں کی تو پھر تعزیر باخذ المال کی مذکورہ تعریف توجیہ القول بما لا یرضی بہ القائل کی قبیل سے معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ تعزیر مالی کے جواز کے قائل ہیں جو کہ فقہ حنفی کا ضعیف قول ہے۔

—— خلاصہ یہ ہے کہ تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال ایک ہی حقیقت کا نام ہے، دونوں الگ الگ نہیں۔

☆ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد۔

تعزیر بالمال وتعزیر باخذ المال کا فرق ماننے کی صورت مسئلہ کے حکم پر اثر:

اگر تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال میں فرق نہ ہو تب تو ظاہر ہے کہ دونوں کا حکم یکساں ہوگا؛ لیکن اگر دونوں کے درمیان فرق تسلیم کیا جائے، جیسا کہ بعض فقہاء احناف نے ایسی توجیہ کی ہے، تو اس سے مسئلہ پر یہ اثر مرتب ہوگا کہ

(۱) وقتی وعارضی مالی تعزیر کے جواز میں زیادہ تأمل کی نوبت نہیں آئے گی؛ کیونکہ اس صورت میں دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر لینے اور استعمال کرنے کی ممانعت والی آیات واحادیث سے واضح ٹکراؤ نہیں ہوگا۔ گویا یہ صورت تعزیر مالی سے نکل کر حبس مال کے دائرہ میں آئے گا، اور وقتی طور پر حبس مال بڑی خرابی نہیں جو خرابی مکمل طور پر مال لینے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

(۲) تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کا یہ فرق ماننے کی صورت میں ایک اہم بات یہ بھی سامنے آئے گی کہ تعزیر مالی، یعنی تعزیری طور پر مال لے لینے اور اس کی طرف مال کی ملکیت منتقل قرار دینے کا دروازہ بند ہو جائے گا، جب کہ ہندوستان جیسے ملک میں بہ وقت ضرورت تعزیر مالی کی راہ سے سزا دینے کا جواز رہنا چاہئے، جیسا کہ آئندہ سطور میں اس کی تفصیل آ رہی ہے، اس لئے راقم الحروف کے نزدیک امام ابو یوسفؒ کے قول جواز کو تعزیر بالمال پر محمول کرنا چاہئے، یعنی تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کا فرق نہیں ہونا چاہئے، خصوصاً اس پس منظر میں کہ خود امام ابو یوسفؒ نے تعزیر باخذ المال کی ایسی تشریح نہیں کی ہے، گویا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعزیر مالی جائز ہے۔

۲-تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا مسلک:

تعزیر مالی کی بابت حنفیہ کا معروف مسلک تو یقیناً عدم جواز کا ہے؛ چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

"**الحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال**" (البحر الرائق: ۵/۴۴)۔

نیز علامہ شامی رقمطراز ہیں: "**الحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال**" (ردالمحتار: ۴/۶۲)۔

۳-تعزیر مالی کا جواز اور اس کی فقہی حیثیت:

جیسا کہ مذکور ہوا کہ تعزیر مالی کا عدم جواز جمہور فقہاء کا مسلک ہے، تاہم امام ابو یوسفؒ سے جواز کا قول مروی ہے؛ لیکن اسے مذہب حنفی میں ضعیف قرار دیا گیا ہے، مشہور حنفی فقیہ علامہ شامی رقمطراز ہیں:

"**عن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز اه. ومثله في المعراج وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف**" (ردالمحتار مع الدر: ۴/۵۱)۔

مذکورہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ تعزیر مالی کے جواز کا قول ضعیف ہے؛ اس لئے عام حالات میں اس قول پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا ہے، ——— تاہم مجبوری اور سخت ضرورت درپیش ہو اور مالی جرمانہ کے بغیر مجرم پر شکنجہ کسنے کی راہ ہموار نہ ہو تو اولاً وقتی اور عارضی طور پر مالی جرمانہ عائد کیا جائے، یعنی بہ طور جرمانہ مال لے کر محفوظ کر دیا جائے اور جب صلاح ظاہر ہو تو اس کا مال اسے واپس کر دیا

جائے، چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''مالی جرمانہ ناجائز ہے اور امام ابو یوسفؒ سے جو تعزیر بالمال کے جواز کی روایت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ مدت کے لئے اس کا مال روک لیا جائے اور جب انزجار کی امید ہو جائے تو اس کا مال واپس کر دیا جائے'' (کفایت المفتی: ۲/۱۶۶)۔

حضرت امام ابو یوسفؒ جو بہ وقت ضرورت تعزیر مالی کی اجازت دیتے ہیں تو پھر بعد اصلاح اس کے واپس کرنے کا حکم بھی دیتے ہیں اور یہ اباحت نفع بخش نہیں (منتخبات نظام الفتاوی: ۲/۱۹۱)۔

اگر وقتی مالی جرمانہ سے کام نہ چل سکے اور بہ صورت مجرم کو جرم سے باز نہ رکھ سکے تو کیا مالی جرمانہ کی اجازت ہوگی؟ اس کا جواب عام طور پر اکابر کی تحریروں میں عدم جواز کا ہے؛ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے بچا جائے، تاہم اگر سماج کے بااثر اور مصنف مزاج لوگ محسوس کرتے ہوں کہ مالی جرمانہ عائد کرنا حالات کے اعتبار سے ناگزیر ہے، تو مقامی قابل اعتماد علماء سے مشورہ کے بعد مالی جرمانہ عائد کرنا درست ہوگا، جیسا کہ ضرورت وحاجت کے وقت قول ضعیف کا سہارا لینے کی گنجائش ہوتی ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ ''عقود رسم المفتی'' میں فرماتے ہیں:

''ولا یجوز بالضعیف العمل ،ولا به یجاب من جاء یسئل إلا لعامل له ضرورة أو من له معرفة مشهورة'' (عقود رسم المفتی)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مالی جرمانہ عائد کرنے کا جواز قول ضعیف پر مبنی ہے، عام حالات میں اسے اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے، تاہم اگر اس کے سوا چارہ نہ ہو تو مقامی معتبر علماء کے مشورہ سے اسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔

۴- کیا فقہاء حنفیہ میں کسی کا فتوی تعزیر مالی کے جواز کا ہے؟

فقہاء حنفیہ میں جنھوں نے تعزیر مالی کو جائز قرار دیا ہے، ان میں ایک اہم نام قاضی علاء الدین طرابلسی کا ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں کہ عقوبت مالیہ کے منسوخ ہونے کی بات غلط ہے؛ کیوں کہ نسخ کی بات کسی دلیل پر مبنی نہیں ہے، الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

''یجوز التعزیر بأخذ المال وھو مذھب أبی یوسفؒ وبه قال مالک، ومن قال: إن العقوبة المالیة منسوخة فقد غلط علی المذاھب الأربعة نقلا واستدلالاً، ولیس بسھل دعوی نسخھا'' (معین الحکام: ۱:۱۹۵)۔

اسی طرح صاحب خلاصۃ الفتاوی کا رجحان مالی تعزیر کے جواز کی طرف ہے، جیسا کہ ''تاتارخانیۃ'' میں ہے:

''وفي الخلاصة: التعزیر بأخذ المال، إن رأی القاضی والوالي جاز'' (الفتاوی التاتارخانیۃ: ۶/۴۰۲)۔

نیز علامہ کردری کی تحریر سے بھی جواز معلوم ہوتا ہے: **''والتعزیر بأخذ المال، إن رؤیت المصلحة فیه جائزة''** (الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ: ۶/۴۲۷)۔

حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے بھی از راہ تنبیہ اس کی اجازت دی ہے، لکھتے ہیں: ''تنبیہ کے لئے جرمانہ لینا جائز ہے''

(فتاوی مولانا عبدالحی ،ص:۳۵۹)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب کا رجحان بھی جواز کی طرف ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

’’...لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے... چنانچہ بعض متاخرین فقہاء حنفیہ نے امام ابو یوسف کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ تعزیر بالمال جائز ہے‘‘(تقریر ترمذی:۱۱۹/۲)۔

اسی طرح مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے تعزیر مالی پر مختصر مقالہ تحریر کرتے ہوئے اپنا رجحان جواز کا پیش فرمایا ہے، مختصر اقتباس اس طرح ہے:

’’اس لئے اگر موجودہ زمانے میں اور بالخصوص ہندوستان کے خصوصی حالات میں اس کو قبول کرلیا جائے تو امید ہے کہ بہت سے منکرات کے سدّ باب میں اس سے مدد ملے گی اور اس سے فائدہ ہوگا‘‘(اسلام اور جدید معاشرتی مسائل، ص:۲۴۸)۔

راقم الحروف کی نگاہ میں جب سرزنش کا مناسب دوسرا راستہ نہ ہو تو مالی سرزنش کے قول ضعیف سے مدد لینا درست ہے۔

۵-مذاہب ثلاثہ میں مالی تعزیر کا حکم:

مالکیہ: مسلک مالکی میں راجح قول تعزیر کے عدم جواز کا ہے؛ بلکہ حاشیہ دسوقی میں اسے اجماعی قول قرار دیا گیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

’’ولا يجوز التعزير بأخذ المال إجماعًا‘‘(حاشیۃ الدسوقی:۳۵۵/۴)۔

شرح زرقانی میں ہے:’’وفي شرح الآثار: التعزير بأخذ المال كان فى ابتداء الإسلام، ثم نسخ، كذا في المجتبى، وعندهما وباقى الأئمة الثلاثة‘‘(شرح الزرقانی علی مختصر خلیل:۲۰۱/۸)۔

تاہم مشہور مالکی فقیہ ابن فرحون نے اس کا جواز نقل کیا ہے اور اس کی نسبت مالکی فقہاء کی طرف کی ہے:

’’والتعزير بالمال: قال به المالكية‘‘(تبصرۃ الحکام:۲۹۳/۲)۔

بلکہ بعض حضرات نے صراحتاً اس کی نسبت امام مالکؒ کی طرف کی ہے:

’’وبه قال مالك‘‘(فقہ السنۃ:۵۹۲/۳)۔

غالباً جواز کا قول مالکیہ کے یہاں مرجوح ہے، اسی لئے اکثر مالکی کتب میں اس کا عدم جواز مذکور ہے:

شوافع: صاحب تحفۃ المحتاج نے صراحت کی ہے کہ امام شافعیؒ کے قول جدید کے مطابق تعزیر مالی جائز نہیں ہے؛ البتہ قول قدیم میں اجازت ہے:

’’ولا يجوز على الجديد بأخذ المال‘‘(تحفۃ المحتاج:۱۷۹/۹)۔

اسی طرح کی بات امام نوویؒ (المجموع:۱۲۵/۲۰) اور صاحب نہایۃ المحتاج:۲۲/۸) وغیرہ نے ذکر کیا ہے، گویا تعزیر

مالی کا عدم جواز راجح ہے اور قول جواز مرجوح ہے۔

حنابلہ: حنابہ کی مشہور کتاب ''المغنی لابن قدامہ'' میں صراحت کے ساتھ حنابلہ کا مسلک عدم جواز کا مذکور ہے:

''ولا یجوز قطع شیء منه ولا جرحه ولا أخذ ماله؛ لأن الشرع لم یرد بشیء من ذلک عن أحد یقتدی به'' (المغنی: ۹/۱۷۸)

ایک اور مشہور کتاب اقناع (جلد: ۴، ص: ۲۷۰) میں عدم جواز کو ذکر کیا گیا ہے:

'' ولا یجوز قطع شیء منه ولا جرحه ولا أخذ شیء من ماله''

البتہ علامہ ابن تیمیہؒ اور ان کے مشہور شاگرد علامہ ابن قیمؒ نے جواز کا قول پوری صراحت کے ساتھ اختیار کیا ہے، چنانچہ اپنی مشہور کتاب ''مجموع الفتاوی'' میں رقمطراز ہیں:

''من قال: إن العقوبات المالیة منسوخة وأطلق ذلک عن أصحاب مالک وأحمد فقد غلط علی مذهبهما، ومن قاله مطلقاً من أی مذهب کان فقد قال قولا بلا دلیل، ولم یجیء من النبی صلی الله علیه وسلم شیء قطّ، یقتضی أنه حرّم جمیع العقوبات المالیة، بل أخذ الخلفاء الراشدون وأکابر أصحابه بذلک بعد موته دلیل علي أن ذلک محکم غیر منسوخ'' (مجموع الفتاوی: ۲۸/۱۱۱)۔

اسی طرح کی بات علامہ ابن قیمؒ نے بھی پیش کی ہے (دیکھئے: الطرق الحکمیة: ۱/۲۲۶)۔

غور کیا جائے تو ہر مسلک میں کسی نہ کسی کا قول تعزیر مالی کے جواز کا موجود ہے، جیسا کہ احناف میں امام ابو یوسفؒ، مالکیہ میں خود امام مالکؒ کا ایک قول، امام شافعیؒ کا قول قدیم اور حنابلہ میں ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کا قول موجود ہے، اسی لئے حقیقت یہ ہے کہ ضرورت کے موقع پر اس قول سے استفادہ کی گنجائش ہے۔

۶- بہ حالت ضرورت تعزیر مالی کے جواز کے قول سے استفادہ:

جب امت کسی مشکل سے دو چار ہو اور ایک مسلک والے کے لئے اپنے مسلک پر عمل کرنے میں دشواری ہو تو دوسرے مسلک کی طرف عدول کی راہ ہموار ہو جاتی ہے، جیسا کہ طلاق و تفریق کے متعدد مسائل میں حنفیہ نے مالکیہ کی رائے کو قبول کیا ہے، تو جب عدول کی اجازت ہو جاتی ہے تو ضرورت کے موقع پر خود اپنے مسلک کے ضعیف قول پر عمل کی گنجائش کیوں نہیں ہوگی، جبکہ فقہی کتابوں میں ایسے متعدد نظائر ہیں کہ مجبوری کی حالت میں ضعیف قول پر عمل کی اجازت دی گئی؛ اسی لئے علامہ شامیؒ نے ''عقود رسم المفتی'' میں اصولی طور پر یہ بات پیش فرمائی کہ ضرورت کے موقع پر ضعیف قول پر عمل کی اجازت ہے:

''ولا یجوز بالضعیف العمل ولا به یجاب من جاء یسئل إلا لعامل له ضرورة أو من له معرفة مشهورة'' (شرح عقود رسم المفتی)

گو کہ اکابر کی تحریر میں مالی تعزیر کی اجازت نہیں ہے، اگر اجازت بھی ہے تو مجرم میں اصلاح آنے تک رقم روکنے اور پھر

بعد میں واپس کرنے کی بات ہے، (دیکھئے: منتخبات نظام الفتاوی: ۲/۱۹۱، فتاوی دار العلوم: ۱۲/ ۲۲۴، کفایت المفتی: ۲/۱۶۶) —— تاہم حضرت مولانا عبدالحیؒ اور معاصر علماء میں مفتی تقی عثمانی صاحب کی رائے میں جواز کی بات ہے، جس سے بہ وقت ضرورت استفادہ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

۷-تعلیمی اداروں میں طلبہ کی کوتاہیوں پر مالی جرمانہ لگانا:

اس میں شبہ نہیں کہ مالی جرمانہ سے بچنا چاہئے، اس لئے طلبہ کی کوتاہیوں پر سزا کا دوسرا متبادل حل تلاش کرنا چاہئے، جیسے دینی مدارس میں معاملہ آسان ہے کہ وظیفہ روک لیا جائے، یا کھانا کی مفت سہولت فراہم نہ کی جائے؛ بلکہ مالی جرمانہ کی رقم کو ذہن میں ملحوظ رکھتے ہوئے اتنے ایام کی طعام فیس لی جائے، وغیرہ، البتہ عصری تعلیمی اداروں میں معاملہ قدرے مشکل ہے؛ کیوں کہ عام طور پر ان اداروں میں وظیفہ دینے یا کھانا کھلانے کا نظم نہیں ہوتا ہے، ایسے اداروں میں مالی جرمانہ کے بجائے دوسرا راستہ سرزنش کا تلاش کرنا چاہئے اور مالی جرمانہ سے بچنا چاہئے؛ لیکن اگر دوسرا راستہ نہ نکل رہا ہو تو کیا مالی جرمانہ کی اجازت ہوگی؟ تو جواب یہ ہے کہ ابتلاء عام اور تعامل ناس کی وجہ سے اسے حرام قرار نہ دیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ یہ عمل مذہب کے ضعیف قول پر مبنی ہے، گویا اس نے اچھا نہیں کیا؛ لیکن حرام کے دائرہ میں بھی نہیں ہے، جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے:

"الأمر إذا ضاق اتسع" (الأشباه والنظائر القاعدة الرابعة) والله أعلم.

۸-غیر تعلیمی اداروں کا مالی جرمانہ عائد کرنا:

اس وقت مختلف ادارے والے نظم وضبط برقرار رکھنے کے لئے مالی جرمانہ عائد کررہے ہیں اور یہ کافی عام بھی ہو چکا ہے، گویا ابتلاء عام ہے، یہاں بھی شرعاً یہی حکم ہوگا کہ نظم وضبط برقرار رکھنے کے لئے دوسرا متبادل راستہ تلاش کرنا چاہئے؛ تاکہ مذہب کے راجح قول کے خلاف عمل نہ ہو، تاہم اگر ایسا نہ ہو سکے تو کوشش ہو کہ کم از کم صلاح آنے تک مال روک کر رکھ لیا جائے اور بعد صلاح واپس کر دیا جائے اور اگر اس پر بھی عمل نہ ہو اور مالی جرمانہ لیا جا رہا ہو، تو ناپسندیدگی کے ساتھ یہ جائز ہوگا، حرام نہیں، جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے:

"إن ما عمت بليته خفت قضيته" (الأشباه والنظائر القاعدة الرابعة)۔

۹-برادری، پنچایت اور انجمن کا مالی جرمانہ عائد کرنا:

اس سلسلہ میں حکم وہی ہے جو اوپر گذرا، یعنی مجبوری میں جائز ہے، مالی جرمانہ عائد کرنے سے پہلے متبادل راستہ تلاش کرنا چاہئے، اگر متبادل راستہ نہ ہو تو صلاح آنے تک مجرم کا مال روک کر رکھا جائے اور اگر یہ بھی دشوار ہو تو ناپسندیدگی کے باوجود تعزیر مالی کی اجازت ہوگی۔

۱۰-کیا موجودہ حالات میں شوہر پر متعہ کو واجب قرار دے کر ایک متعین رقم یا مقررہ مہر میں نصف مہر کا اضافہ کیا جا سکتا ہے؟

(الف): مطلقہ کے لئے جن صورتوں میں متعہ مستحب ہے، ان میں متعہ کو واجب قرار دینا درست ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ

کے نزدیک ایک صورت کے علاوہ باقی صورتوں میں متعہ واجب ہے، اور جس صورت میں متعہ واجب نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ مہر متعین ہو اور طلاق قبل الدخول ہو:

"أوجب الشافعية المتعة إلا للمطلقة قبل الدخول التی سمی لها المهر والجمهور استحبوا المتعة" (الفقہ الإسلامی وأدلتہ:۹/ ۶۸۳)۔

دکتور وہبہ زحیلیؒ کی خود ذاتی رائے متعہ کے وجوب کی ہے؛ لیکن جمہور کا مسلک استحباب کا ہے؛ البتہ حنفیہ کے نزدیک ایک صورت میں متعہ واجب ہے، جبکہ طلاق قبل الدخول ہو اور مہر متعین نہ ہو (دیکھئے: حوالہ سابق)۔

گو کہ شوافع کے نزدیک متعہ واجب ہے؛ لیکن حنفیہ کا مسلک ایک صورت کے علاوہ وجوب کا نہیں ہے اور یہ مقررہ اصول ہے کہ بلاضرورت دوسرے مسلک کی طرف عدول جائز نہیں ہے، جیسا کہ اس سے پہلے تفصیل سے پیش کیا گیا اور یہ بات بھی گذری کہ مجرم کی سرزنش کے لئے کوئی متبادل حل نہ ہو تو مالی تعزیر کی گنجائش ہے، گویا موجودہ حالات کے پس منظر میں جب مالی تعزیر سے استفادہ ممکن ہے تو اسی گنجائش سے فائدہ اٹھایا جائے، مزید متعہ کے حکم میں تبدیلی نہ لائی جائے، متعہ کو مستحب ہی رکھا جائے کہ ضرورت کی تکمیل مستقل تعزیر مالی کے جواز اور اس پر عمل سے ممکن ہے، تاہم بہتر بات یہ ہوگی کہ مطلقہ کو مال دلانے کے لئے شوہر پر اخلاقی دباؤ ڈالا جائے کہ وہ متعہ کے طور پر مطلقہ کو مناسب رقم دے، اگر وہ قبول کرلے تو الگ سے مالی تعزیر کی ضرورت نہیں، اگر طلاق دینے والا اس پر آمادہ نہ ہو تو اب اس پر مالی تعزیر کی راہ سے مناسب رقم مقرر کردی جائے، تو یہ بہتر ترتیب ہوگی۔

جہاں تک مہر مقرر میں نصف مہر کے اضافہ کی بات ہے تو اس کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ مہر کی مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی ہے؛ بلکہ اسے فریقین کی رضامندی پر چھوڑ دیا ہے، گویا فریقین آپس میں کمی زیادتی کرسکتے ہیں، متعہ کی طرح نہیں ہے، متعہ کا حکم تو شرعاً متعین ہے کہ وہ مستحب ہے، اب استحباب کو وجوب سے بدلنا آسان کام نہیں؛ لیکن مہر کی مقدار میں کمی بیشی فریقین کے ذریعہ ممکن ہے، اگر شوہر نصف مہر کے اضافہ پر آمادہ ہو تو بہت اچھی بات ہے، اور اگر آمادہ نہ ہو تو پھر تعزیر مالی کے راستہ سے نصف مہر کے برابر اضافہ کردیا جائے، اس صورت میں مہر تو وہی ہوگا، جو پہلے سے مقرر تھا، مزید نصف مہر کی حیثیت تعزیر مالی کی ہوگی، جس کی موجودہ حالات میں گنجائش ہوگی، تراضی فریقین سے مہر میں کمی بیشی کے لئے حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

"دل وضع المسئلة على جواز الزيادة في المهر بعد العقد، وهي لازمة بشرط قبولها في المجلس على الأصح كما في الظهيرية، واستدلوا بجوازها بقوله تعالى: ولا جناح عليكم فيما تراضيتم به من بعد الفريضة (النساء: ۲۴)، فإنه يتناول ما تراضوا على الحاقة وإسقاطه" (البحر الرائق: ۳/۲۶۱)۔

۱۱- نکاح نامہ میں متعہ کے طور پر مقررہ رقم یا نصف مہر اضافی کا اندراج:

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ طلاق کے بعد شوہر پر متعہ کو واجب قرار نہیں دیا جاسکتا، اخلاقی دباؤ ڈالا جاسکتا ہے، تاہم نکاح کے موقع ہی پر شوہر کو آمادہ کرلیا جائے اور وہ اپنی رضامندی سے متعہ کے طور پر ایک متعین رقم مقرر کرنے پر آمادہ ہوجائے اور اسے نکاح

نامہ میں لکھ لیا جائے تو یہ بہتر بات ہوگی، اس صورت میں بعد طلاق متعہ کے طور پر مقررہ رقم کی ادائیگی اس پر لازم ہوگی، جیسا کہ حنابلہ کی رائے ہے کہ اس طرح کی شرطیں نکاح کے موقع پر لگادی جائیں تو اس کو پورا کرنا واجب ہے، جیسا کہ حسب ذیل عبارت سے واضح ہے:

"جملة ذلک أن الشروط في النكاح تنقسم أقساما ثلاثة: أحدها: ما يلزم الوفاء به، وهو ما يعود إليها نفعه وفائدته، مثل أن يشترط لها أن لا يخرجها من دارها أو بلدها أو لا يسافر بها أو لا يتزوج عليها ولا يتسّرى عليها، فهذا يلزمه الوفاء لها به، فإن لم يفعل فلها فسخ النكاح يروي هذا عن عمر ابن الخطاب، وسعد بن أبی وقاص، ومعاوية، وعمرو بن العاص رضی الله عنهم وبه قال شريح وعمر بن عبد العزيز وجابر بن زيد وطاؤس والأوزاعی وإسحاق" (المغنی:۷/ ۹۳)۔

نیز اسلامک فقہ اکیڈمی کے آٹھویں سیمینار منعقدہ علیگڑھ میں اشتراط فی النکاح کے موضوع پر جو فیصلے ہوئے ان میں ایک فیصلہ یہ ہے:

''نکاح کے وقت ایسی باتوں کی شرط لگائی جائے کہ شریعت نے ان کو نہ لازم وواجب قرار دیا ہے اور نہ ان سے منع کیا ہے تو ایسی شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے'' (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، ص:۱۵۰)۔

اس فیصلہ کی روشنی میں بھی یہ بات جائز ہے کہ نکاح کے موقع پر نکاح نامہ میں متعہ کے طور پر ایک مقرر رقم کا اندراج کردیا جائے کہ اس صورت میں طلاق کے بعد متعہ کے طور پر متعینہ رقم کی ادائیگی لازم ہوگی۔

اگر متعہ کے طور پر ایک متعین رقم نکاح نامہ میں درج کرنے کی بجائے نصف مہر اضافہ کی بات لکھی جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے، جیسا کہ ماقبل میں گذرا کہ مہر کی رقم فریقین کی رضامندی سے طے کی جاتی ہے، تو جب شوہر آمادہ ہو کہ بے جا طلاق یا تین طلاق کی نوبت آگئی تو نصف مہر اضافہ کے ساتھ ادا کیا جائے گا تو اس کی رضامندی کے ساتھ اسے قبول کرنے میں مضائقہ نہیں، پھر جب خدانخواستہ طلاق کی نوبت آگئی تو نصف مہر اضافی کی بھی ادائیگی شوہر پر لازم ہوگی، جیسا کہ حدیث ذیل سے بھی یہ مستفاد ہے:

"أحق ما أوفيتم من الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج" (مسلم:۱/ ۴۵۵)۔

''سب سے زیادہ قابل ایفاء شرطیں وہ ہیں جن کے ذریعہ تم عصمتوں کو حلال کرتے ہو''۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

مفتی محمد شاکر نثار اعظمی مدنی☆

تعزیر کی لغوی تعریف:

کویت سے شائع شدہ ''موسوعہ فقہیہ'' میں ہے: ''**التعزير لغة مصدر عزر من العزر، وهو الرد والمنع، يقال: عزر أخاه بمعنى نصره، لأنه منع عدوه من أن يؤذيه، ويقال: عزرته بمعنى وقرته۔ وأيضا أدبته، فهو من أسماء الأضداد، وسميت العقوبة تعزيرًا؛ لأن من شأنها أن تدفع الجاني و ترده عن ارتكاب الجرائم أو العودة اليها**" (۱۲/۲۵۴)۔

یعنی تعزیر عزر کا مصدر ہے، جس کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں، کہا جاتا ہے: عزر اخاہ، اس نے اپنے بھائی کو روک دیا، یعنی اس کی مدد کی، اس لیے کہ اس نے دشمن کو تکلیف دینے سے روک دیا، اسی طرح عزر لغت میں عزت دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، البحر الرائق میں ہے: تعزیر کے معنی تعظیم اور مدد کے ہیں، چنانچہ اللہ تعالی کا فرمان: ﴿**وتعزروه**﴾ (الفتح:۹) اسی معنی میں ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تعزیر سزا دینے اور مدد کرنے دونوں معنی میں استعمال ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصل معنی مدد کرنے کے ہی ہیں، کیونکہ جانی کو دنیا میں سزا دے کر آخرت کی بھیانک سزا سے بچا کر اس کی مدد کی جاتی ہے، نیز ایسی سزاؤں کو تعزیر اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگوں کو جرائم کا ارتکاب کرنے یا کر لینے کے بعد دوبارہ کرنے سے روکتی ہے۔

تعزیر کی اصطلاحی تعریف:

فقہا کی اصطلاح میں تعزیر ایسی سزاؤں کو کہتے ہیں جو اللہ یا بندوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے ہوں؛ لیکن شریعت کی طرف سے اس کی کوئی خاص کیفیت متعین نہ ہو۔ چنانچہ ''موسوعہ فقہیہ'' میں ہے: ''**وجمهور الفقهاء على أن الأصل في التعزير أنه مشروع في كل معصية لا حد فيها ولا كفارة**" (۱۲/۲۵۶)۔

تعزیر کا ثبوت: صاحب فتح القدیر علامہ کمال ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿**فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن فان أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا**﴾ (النساء:۳۴) تعزیر کی مشروعیت پر

☆ استاذ حدیث وفقہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم، سرائے میر اعظم گڑھ، یوپی۔

دلالت کرتی ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالی نے بیویوں کوادب سکھانے اور مہذب بنانے کی غرض سے مارنے کا حکم دیا ہے۔

اسی طرح حدیث پاک: ”**لا ترفع عصاك عن أهلك**“ (الأدب المفرد، رقم الحدیث: ۱۸) بھی تعزیر کی مشروعیت پردال ہے، آگے چل کر علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے تعزیر کی مشروعیت پر اجماع بھی نقل فرمایا ہے (تفصیل کے لیے دیکھیے فتح القدیر ۵/ ۳۴۵، بیروت)۔

تعزیر کے طریقے:

تعزیر کے مختلف طریقے ہیں، مثلاً ملامت کرنا، ڈانٹنا، ہاتھ یا لکڑی وغیرہ سے مارنا، کان کھینچنا، سخت الفاظ کہنا، قید کرنا اور مالی سزادینا۔تعزیر یہ تمام قسمیں جائز ہیں صرف آخری قسم میں اختلاف ہے۔

(۱) تعزیر بالمال یہ کہ کسی ایسے جرم پر جس پر شریعت کی طرف سے کوئی سزا متعین نہ ہواس جرم سے روکنے کے لیے مالی جرمانہ لگایا جائے تاکہ مجرم آئندہ ایسی حرکت سے باز رہے۔

عام طور پر فقہاء تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کو مترادف استعمال کرتے ہیں، البتہ بعض جگہوں پر دونوں کو مقابل میں استعمال کرنے سے یہ فرق سمجھ میں آتا ہے کہ تعزیر بالمال کا مطلب یہ ہے کہ مال کو لے کر تلف کر دیا جائے، اور بعض عبارات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر بالمال عام ہے اس میں تعزیر بالمال کی چاروں شکلیں: اتلاف، تغییر، تملیک اور حبس سب شامل ہیں۔

اور تعزیر باخذ المال کا مطلب یہ کہ حاکم، والی اور قاضی جانی کے مال کو لے کر اپنے پاس روکے رکھے جب جانی اپنے گناہوں سے توبہ کرلے اور اس کی صلاح ظاہر ہو جائے تو اس کا واپس کردے، بیت المال وغیرہ میں داخل نہ کرے۔

مذکورہ بالا فرق کی روشنی میں اپنی ناقص معلومات کے حساب سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تعزیر بالمال کے جواز کا قائل کوئی نہیں ہے، اور تعزیر باخذ المال بھی اصلا ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین کے نزدیک ناجائز ہے، ہاں بوقت ضرورت اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ جس کی تفصیل آئندہ سطور میں آرہی ہے۔

”**ومعنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شيء من ماله عنه لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال، كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي**“ (الحدود/ التعزیر ۲/ ۱۸۱ زکریا، شامی ۳/ ۱۸۴ قدیم)۔

(۲) تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا مشہور قول عدم جواز کا ہے، جیسا علامہ ابن عابدین شامی ”ردالمحتار شرح الدرالمختار“ میں رقم طراز ہیں: ”**وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الاسلام ثم نسخ، والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال**“ (۶/ ۱۰۶، زکریا)۔

”**وفى الفتاوى الهندية: وعند أبى يوسف رحمه الله يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقى الائمة لا يجوز ومثله فى المعراج، وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف، قال فى**

الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه، ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان، ومعنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شيء من ماله عنه لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي" (الحدود/التعزیر ۲/۱۸۱ زکریا، شامی ۳/۱۸۴ قدیم)۔

"قال في الخانية بعد نقل رواية أبي يوسف: إلا أن رواية جواز التعزير بأخذ المال ينبغي أن لا يطلع عليه سلاطين زماننا، لأنهم بعد الاطلاع قد يجاوزون حد الأخذ بالحق إلى التعدي بالباطل"(المتانہ ص: ۵۴۵)۔

(۳) ائمہ حنفیہ میں امام ابو یوسف سلطان والی اور قاضی کے لیے تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں؛ لیکن یہ ان کی ضعیف روایت ہے، اور جمہور کے خلاف ہے؛ اس لیے کہ جہاں اس روایت کو ذکر کیا گیا ہے، وہاں لفظ [قیل] استعمال کیا گیا ہے، جو کہ اس قول کے ضعف پر دلالت کرتا ہے، نیز "فتاوی ہندیہ" میں تو بالکل صراحت ہے کہ یہ امام ابو یوسف کی روایت ضعیفہ ہے۔

اور اس کی حیثیت فقہ حنفی میں یہ ہے کہ اس پر فتوی بھی نہیں دیا جا سکتا ہے، چنانچہ علامہ شامی نے شرنبلالیہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف کے قول پر فتوی نہیں ہے (ردالمحتار ۶/۷ دار الکتاب دیوبند)۔

(۴) لیکن فقہائے حنفیہ میں سے کچھ حضرات نے امام ابو یوسف کے اس قول ضعیف پر فتوی دیا ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمام اس بابت امام ابو یوسف اور ائمہ ثلاثہ کا قول نقل کرنے کے بعد صاحب خلاصہ کا یہ قول نقل کیا ہے: "وسمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلک أو الوالي جاز۔ ومن جملة ذلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال مبنى على اختيار من قال بذلک من المشايخ لقول أبي يوسف"(فتح القدیر ۴/۲۱۲) اس عبارت میں "من قال من المشايخ" سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مشائخ حنفیہ نے اس کو قول اختیار کیا ہے، چنانچہ "فتاوی بزازیہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کردری، علامہ ابو یحییٰ رکن الدین خوارزمی اور امام ضمیر الدین تمرتاشی خوارزمی اسی کے قائل ہیں۔ صاحب بزازیہ رقم طراز ہیں: "وقال الإمام الكردری: والتعزير بأخذ المال إن المصلحة فيه جائزة، قال مولانا ركن الدين أبو يحيىٰ الخوارزمي: معناه أن نأخذ ماله ونودعه، فاذا تاب نرده عليه كما عرف في خيول البغاة وسلاحهم، وصوبه الإمام ظهير الدين التمر تاشي الخوارزمي، قالوا: ومن جملته من لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال"(البزازیہ علی ہامش الہندیہ ۶/۴۲۷)۔

اسی طرح علامہ مفتی عبد القادر آفندی بھی تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں، چنانچہ "واقعات المفتین" (ص: ۵۹) پر ہے: "وأفتى العلامة المفتى عبد القادر الآفندي رحمه الله بما في البزازية، يعني على جواز التعزير بأخذ المال"۔

مجمع '' الانہر'' میں شیخ زادہ علامہ عبدالرحمٰن کا قول جس طرح نقل کیا ہے، اس سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ یہ بھی جواز کے قائل ہیں، صاحب *مجمع الانہر* لکھتے ہیں: '' **ونقل العلامة عبد الرحمن الشهير بشيخ زاده عن البحر ما قدمنا من أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال، ثم قال: لكن في الخلاصة: سمعت عن ثقة أن التعزير بأخذ المال ، إن رأى القاضي ذلک أو الوالي جاز۔ومن جملة ذلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره باخذ المال، ولم يذكر كيفية الأخذ، و أرى أن يأخذه فيمسكه مدة للزجر، ثم يعيده، لا أن يأخذه لنفسه أو لبيت المال، فإن أيس من توبته يصرفه إلى ما يرى''** (*مجمع الأنہر ۱/۶۱۷*)۔

اسی طرح صاحب *معین الحکام* بھی تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہی نہیں؛ بلکہ اس کی زبردست وکالت کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: '' **يجوز التعزير بأخذ المال وهو مذهب أبي يوسف رحمه الله تعالى، وبه قال مالک رحمه الله، ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الأئمة رحمهم الله تعالى نقلا واستدلالاً ، وليس بسهل دعوى نسخها، وفعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة رضى الله عنهم لها بعد موتهم صلى الله عليه وسلم مبطل لدعوى نسخها، والمدعون للنسخ ليس معهم سنة ولا إجماع يصحح دعواهم، إلا أن يقول أحدهم مذهب أصحابنا لا يجوز، فمذهب أصحابه عندهم عيار على القبول والرد''** (*معین الحکام ص:۲۳۱*)۔

ان تمام نقول سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف کے اس قول کو بہت سے مشائخ احناف نے بھی اختیار کیا ہے۔

(۵) حنفیہ کی طرح ائمہ ثلاثہ بھی عدم جواز کے قائل ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

مالکیہ کے یہاں تعزیر بالمال مفتی بہ قول کے مطابق ناجائز ہی ہے۔اگرچہ کچھ لوگوں نے جواز پر فتوی دیا ہے اور امام مالک کی طرف اس کی نسبت بھی کی گئی ہے؛ لیکن مالکیہ کے نقول سے پتہ چلتا ہے کہ امام مالک کی طرف یہ نسبت درست نہیں ہے۔

نوٹ: کویت سے شائع شدہ ''موسوعہ فقہیہ'' میں ابن فرحون کے حوالہ سے یہ کہنا: '' **أما في مذهب مالک في المشهور عنه فقد قال ابن فرحون : التعزير بأخذ المال قال به المالكية**'' کہ مالکیہ جواز کے قائل ہیں، محل نظر ہے (دیکھئے: *الموسوعۃ الفقہیۃ ۱۲/۲۷۰، تبصرۃ الحکام ۲/۳۶۷، ۳۶۸*)۔

'' **قال العلامة الدسوقي المالكي رحمه الله تعالى: ولا يجوز التعزير بأخذ المال إجماعًا، وما روي عن الإمام أبي يوسف صاحب أبي حنيفة، رحمها الله تعالى من أنه جوز للسلطان التعزير بأخذ المال فمعناه كما قال البزازي من أئمة الحنفية أن يمسک المال عنه مدة لينزجر، ثم يعيده إليه، لا أنه يأخذه لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز أخذ مال مسلم بغير سبب شرعي أي كشراء أو هبة''** (*حاشیۃ الدسوقي علی الشرح الکبیر ۴/۳۵۵*)۔

'' **وقال العلامة أحمد بن محمد الصاوي المالكي رحمه الله تعالى: وأما التعزير بأخذ المال فلا**

يجوز إجماعا، وما روي عن الإمام أبي يوسف صاحب أبي حنيفة رحمها الله تعالى من أنه جوز للسلطان التعزير بأخذ المال فمعناه كما قال البزازي من أئمة الحنفية أن يمسک المال عنه مدة لينزجر ثم يعيده إليه، إلى أخر ما في حاشية الدسوقي، ثم قال: وفي نظم العمليات

لم تجز عقوبة بالمال أو فيه قول من الأقوال" (حاشية الصاوي على الشرح الصغير ۴/ ۵۰۴)۔

"وقال إمام المالكية الشهيربالحطاب رحمه الله: ومن يحمي قاطع الطريق أو سارقا أو نحو ذلک، فإن من يحميه ويمنعه عاصٍ لله تعالى، وتجب عقوبته حتى يحضره إن كان عنده وينزجر عن ذلک إلا أن يكون إحضاره إلى من يظلمه ويأخذ ماله أو يتجاوز فيه ما أمر به شرعا، فهذا لا يحضره إلى من يظلمه ولكن يتخلى عنه ويرتدع عن حمايته والدفع عنه" (مواهب الجليل ۶/ ۳۲۰)۔

"وكذا نقل العلامة الهمام شيخ الشيوخ محمد بن أحمد الرهوني المالكي رحمه الله تعالى عن المسائل الملقوطة" (حاشية الرهوني على شرح الزرقاني لمتن الخليل ۸/ ۱۶۲)۔

امام شافعیؒ کا قول قدیم تعزیر بالمال کے جواز کا تھا لیکن انھوں نے اپنے اس قول سے رجوع کرلیا اورقول جدید جمہور کی طرح عدم جواز کا ہی ہے۔

"قال الإمام البيهقي في سننه الكبرى: قال الشافعي: لا تضعف الغرامة على أحد فی شيء، إنما العقوبة في الأبدان لا في الأموال" (۸/ ۲۷۹)۔

"وقال الجمل فی حاشيته: لا يجوز "(التعزير) بأخذ المال. (۵/ ۱۶۴)۔

"وقال العلامة النووي الشافعي رحمه الله تعالى: ويحرم حلق لحيته وأخذ ماله "(تکملۃ المجموع: ۲۰/ ۱۲۵)۔

"وقال الخطابي في معالم السنن: وقال الشافعي: لا يحرق رحله ولا يعاقب الرجل في ماله، انما يعاقب في بدنه، جعل الله الحدود على الأبدان لا على الأموال" (۲/ ۲۶۰)۔

"وقال العارف بالله الإمام الشرواني الشافعي رحمه الله تعالى: ولا يجوز على الجديد بأخذ المال" (حواشي الشرواني: ۹/ ۱۷۹)۔

"وقال أبو الضياء علي بن علي القاهري الشافعي رحمه الله تعالى: قال سم علي منهج: ولا يجوز على الجديد بأخذ المال برا" (حاشیۃ أبي الضیاء علی نہایۃ المحتاج ۸/ ۱۹)۔

اسی طرح حنابلہ بھی عدم جواز پر متفق ہیں؛ لیکن متاخرین میں ابن تیمیہ اوران کے شاگرد ابن قیم نے جواز کو ترجیح دی ہے،

"قال العلامة ابن قدامه الحنبلي رحمه الله تعالى: والتعزير يكون بالضرب والحبس والتوبيخ ، ولا يجوز قطع شيء منه، ولا جرحه، ولا أخذ ماله، لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلک عن أحد يقتدى به، ولأن

الواجب أدب والتأديب لا يكون بالإتلاف" (المغني لابن قدامة ۹/ ۱۷۸)۔

"وقال الإمام برهان الدين إبراهيم بن محمد الحنبلي رحمه الله تعالى: تنبيه: التعزير يكون بضرب وحبس وتوبيخ، وقيل: فى حق الله تعالى وحده ولا يقطع عضوا ولا يجرحه، ولا يأخذ ماله" (المبدع شرح المقنع ۹/ ۱۱۳)۔

"وقال شيخ الإسلام شرف الدين أبو النجا موسى الحجاوي المقدسي الحنبلي رحمه الله: ولا يجوز قطع شيء منه، ولا جرحه ولا أخذ شيء من ماله، قال الشيخ : ،قد يكون التعزير بالنيل من عرضه مثل أن يقال له: يا ظالم، يا معتدي، وبإقامته من المجلس، وقال: التعزير بالمال سائغ إتلافا وأخذا، وقول أبي محمد المقدسي : لا يجوز أخذ ماله منه إلى ما يفعله الحكام الظلمة" (الاقناع ۴/ ۲۷۰)۔

"وقال الرحيباني في مطالب أولي النهى: وحرم تعزير بحلق لحيته وقطع طرف وجرح؛ لأنه مثلة، وكذا يحرم تعزيربأخذ مال أو إتلافه؛ لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلک عمن يقتدى به، ولأن الواجب أدبه والأدب لا يكون بالإتلاف" (۶/ ۲۲۴)۔

"وقال فقيه الحنابلة الشيخ منصور البهوتي رحمه الله: (ولا يجوز قطع شيء منه)، أي ممن وجب عليه التعزير (ولا جرحه ولا أخذ شيء من ماله) لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلک عن أحد يقتدى به، ولأن الواجب أدب، والأدب لا يكون بالإتلاف، (قال الشيخ: وقد يكون التعزير بالنيل من عرضه مثل أن يقال له: يا ظالم ، يا معتدي) ، وقد يكون التعزير (بإقامته من المجلس، وقال التعزير بالمال سائغ إتلافا وأخذا ، وقول) الموفق (أبي محمد المقدسي لا يجوز أخذ ماله منه إلى ما يفعله الحكام الظلمة)" (كشاف القناع على متن الاقناع ۶/ ۱۲۴)۔

(۶) ضعیف قول پر عمل کرنے کے بارے میں حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ مفتی یا کسی بھی حنفی کے لیے عام حالات میں خواہ مخواہ ضعیف روایات پر فتوی دینے اور ذاتی عمل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔"شرح عقود رسم المفتی" میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ قاسم بن قطلو بغا کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ مرجوح اور ضعیف قول پر فتوی دینا اور فیصلہ کرنا اجماع کے خلاف ہے، اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ میرا عمل مذہب کے کسی بھی قول کے موافق ہو، خواہ اس کی حیثیت مذہب میں کچھ بھی ہو، تو ایسا شخص جاہل اور خارق اجماع ہے۔لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے اسی کتاب کے آخر میں متعدد حضرات کے اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ وضاحت کی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ضعیف قول پر عمل کی ممانعت ایسے وقت ہے، جب کہ ہوائے نفس کی بنیاد پر قول ضعیف کو اختیار کیا جا رہا ہو، اس کے برخلاف اگر واقعی ضرورت متقاضی ہو، تو حنفیہ بھی ضعیف قول پر عمل کرنے سے منع نہیں کرتے۔

"قال ابن عابدين: قدمنا أول الشرح عن العلامة القاسم أن الحكم والفتيا بما هو مرجوح خلاف الإجماع، وأن المرجوح فى مقابلة الراجح بمنزلة العدم، والترجيح بغير مرجح فى المتقابلات ممنوع، وأن

من يكتفى بأن يكون فتواه أو عمله موافقا لقول أو وجه فى المسالة ويعمل بما شاء من الأقوال والوجوه من غير نظر فى الترجيح .... وقد ذكر صاحب البحر فى الحيض فى بحث ألوان الدماء أقوالا ضعيفة، ثم قال: وفي المعراج عن فخر الأئمة: لو أفتى مفتٍ بشىء من هذه الأقوال فى مواضع الضرورة طلبًا للتيسير كان حسنًا. انتهى''(شرح عقود رسم المفتی ص:۱۰۲-۱۰۱،مکتبہ سعیدیہ سہارنپور)۔

(۷،۸،۹)تعلیمی اداروں، ہاؤزنگ سوسائٹی، خاندانی پنچایتوں اور کاروباری انجمنوں کے ذریعہ اپنے نظم ونسق کو درست رکھنے کے لیے کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ جب مالی جرمانہ کے بغیر چارہ نہ ہو، اور مالی جرمانہ سے جرائم ختم ہوجائیں، تو ایسی حالت میں اگر نظریہ ضرورت کے تحت امام ابی یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرلیا جائے، تو زیادہ مناسب ہے؛ چونکہ تعزیر کا مسئلہ قضا سے تعلق رکھتا ہے اور فقہاء کی تصریح کے بموجب قضا کے مسائل میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

وكل فرع بالقضا تعلقا قول أبي يوسف فيه ينتقى

کہ قضا کے متعلق فروعات میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول اختیار کیا جائے گا (شرح عقود رسم المفتی ۸۰، سہارن پور)۔

بندہ ناچیز کے نزدیک مذکورہ صورتوں میں تعزیر بالمال کے قول کو اختیار کرنے میں کوئی خاطر خواہ فائدہ اور مقصد کا حصول نظر نہیں آتا، اس لیے کہ جو لوگ بھی تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں، وہ تعزیر بالمال کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ مجرم کے مال کو کچھ دن اپنے پاس رکھ کر جب اس کی اصلاح ہوجائے، تو واپس کردیا جائے، تو بظاہر اپنی اصلاح ظاہر کرکے مال واپس مل جانے پر پھر وہ اپنی حرکت کریں گے، تو اس کا خاطر خواہ کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔لہذا موہوم چیز کے حصول کے لیے مذہب کے اصل قول کو چھوڑ کر روایت ضعیفہ پر عمل کرنا اصول افتاء کے خلاف ہے، جیسا کہ شرح عقود رسم المفتی میں ہے: ''**إن الواجب على من أراد أن يعمل لنفسه أو يفتي غيره أن يتبع القول الذى رجحه علماء مذهبه، فلا يجوز له العمل أو الإفتاء بالمرجوح**''(ص: ۴۰ دارالکتاب)۔

''کفایت المفتی''میں تعزیر بالمال کو ناجائز لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کرنے کے بعد اس کے مال کو واپس کرنا ضروری ہے(۲/ ۲۰۷)۔

''فتاوی محمودیہ''(۱۴/ ۱۳۵) میں ہے کہ مالی جرمانہ درست نہیں ہے، اسی طرح (۱۴/ ۱۳۶) پر یہ اضافہ ہے کہ اگر وصول کرلیا ہے، تو واپسی ضروری ہے۔

''**وقال سماحة الشيخ المفتي محمد تقيي العثماني حفظه الله ورعاه: إذا كان فى المسئلة قولان أو روايتان أو أكثر وجب الأخذ بما رجحه أصحاب الترجيح**'' (أصول الافتاء:۳۴)۔

اسی کے قائل اس وقت کے اکابر مفتیان کرام بھی ہیں، چنانچہ دار العلوم دیوبند کے مفتیان کرام ایک سوال کے جواب میں

تحریر فرماتے ہیں کہ احناف کے نزدیک تعزیر بالمال یعنی مالی جرمانہ کسی پر لگانا یا کسی سے لینا خواہ وہ دینی علوم کا طالب علم ہو، یا عصری علوم کا طالب علم۔ اگر کسی نے ایسا جرمانہ وصول کیا ہے، تو واپس کرنا ضروری ہے۔'' **وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ، والحاصل المذهب عدم التعزير بالمال**'' (شامی ۱۷۹/۳) فتوی:۴۸۷-۵۸۸).

اسی طرح'' فتاوی قاسمیہ'' میں ہے: وقت مقررہ پر حاضر نہ ہونے والے طلبہ سے ناظم یا مہتمم کا مالی جرمانہ لینا شرعاً جائز نہیں ہے(۱۵۲/۱۷)۔

اسی طرح دوسری جگہ ہے بطور سزا یا غلطی سدھارنے کی غرض سے کسی بھی ادارہ محکمہ یا مدرسہ کا مالی جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ بطور سزا اور جرمانہ کے متعین رقم وصول کر لی جائے اور سال کے آخر میں وہ پیسہ واپس کر دیا جاے، تو یہ جائز اور درست ہے، تاکہ وقتی طور پر دباؤ پڑ جائے(۱۵۴/۱۷)۔

اسی طرح خاندانی پنچایتوں کے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ گاؤں کی پنچایت نے جو پچاس ہزار روپئے بطور سزا وجرمانہ وصول کیے ہیں، شرعاً وصول کرنا جائز نہیں

اسی طرح کتاب النوازل میں ہے کہ طلبا سے غیر حاضری پر مالی جرمانہ لینا جائز نہیں(۶۵/۱۴)۔

(۱۰، ۱۱) طلاق کے بارے میں جو افراط تفریط پائی جاتی ہے اور جن سے بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، ان کو قابو میں کرنے کے لیے اگر نکاح کے وقت اس طرح سے شرط لگائی جائے کہ اگر طلاق نہیں دیا، تو مثلاً دس ہزار مہر اور اگر طلاق دے دیا، تو مثلاً پچاس ہزار مہر دینا پڑے گا، چنانچہ فقہائے اسلام نے اس طرح مہر طے کرنے پر بحث کی ہے صاحبین نے دونوں شرطوں اور دونوں مہروں کو درست قرار دیا ہے، اور جو شرط پائی جائے گی اس کے اعتبار سے مہر کی ادائیگی ہوگی۔ امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو مہر پہلے ذکر کیا گیا ہے اسی کی تعیین درست ہوگی۔ اگر پہلی شرط پائی گئی تو مہر مسمی واجب ہوگا اور اگر دوسری شرط پائی گئی تو مہر مثل ہوگا، بشرطے کہ وہ مہر مسمی سے زائد نہ ہو؛ لیکن خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے دو شرطوں سے دو مہروں کے وابستہ کرنے کی بعض صورتوں کو جائز اور نافذ قرار دیا ہے، مثلاً اگر اس طرح مہر طے ہو کہ اور عورت حسین ہو تو اس کا مہر دس ہزار اور بدصورت ہو، تو اس کا مہر پانچ ہزار، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی دونوں شرطوں اور دونوں مہروں کو درست اور نافذ قرار دیا ہے۔

لہذا مذکورہ بالا صورت میں صاحبین کا قول اختیار کرنا مناسب ہے، نیز صاحبین کا قول نہایت واضح اور سہل ہے اس کا اختیار کرنا مفتی اور مستفتی دونوں کے لیے سہولت کا موجب ہے؛ لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ طلاق اور عدم طلاق والے مسئلہ میں اگر مہر میں ایسی بڑی مقدار وابستہ کر دی گئی جس کی ادائیگی شوہر کے لیے ناممکن ہو، تو دوسرے مفاسد پیدا ہوں گے، طلاق کے ناپسندیدہ ہونے کے باوجود شریعت اسلامیہ نے جن مصالح سے طلاق کو مشروع کیا ہے ان مصالح پر زد پڑے گی، طلاق ناگزیر ضرورت بن جانے کے باوجود لمبے مہر کے خوف سے لوگ طلاق کا اقدام نہ کریں گے اور ناپسندیدہ بیویوں سے گلوخلاصی کے لیے وحشیانہ اقدامات کر گزریں گے، جیسا کہ ہندو سماج میں ہو رہا ہے۔

”وفی الفتاوی التاتارخانیه: إذا تزوجها علی ألف إن لم تکن له امرأة ، وعلی ألفین إن کانت له امرأة، أوعلی ألف إن لم یخرجها من البلدة وعلی ألفین إن أخرجها فالنکاح جائز والمعتبر فی المهر الشرط الأول إن وفی به فلها المسمی علی ذلک الشرط، وإن لم یف فلها مهر المثل لا ینقص علی الأقل، ولا یزاد علی الأکثر، وقال أبو یوسف ومحمد الشرطان جائزان“(۱۰۱/۳ کراچی)۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

مفتی محمد مقصود فرقانی ☆

۱- تعزیر جیسے جسمانی جائز ہے ویسے ہی بالمال بھی جائز ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ مجرم کو مال کے ذریعہ سزا دی جائے اور تعزیر بالجسم اور تعزیر بالمال میں فرق یہ ہے کہ تعزیر بالجسم پر حد یعنی سزا مقرر ہے اور تعزیر بالمال پر امام یعنی حاکم کو اختیار حاصل ہے کہ مصلحت اور حکمت کے اعتبار سے جیسے چاہے تعزیر بالمال مقرر کرے اور ہمارے نزدیک تعزیر بالمال اور باخذ المال میں فرق یہ ہے کہ حاکم مجرم سے تعزیر کے ذریعہ مال لے کر بیت المال میں جمع کردے یا مسلمانوں کے رفاہی کاموں میں کرچ کردے تو وہ تعزیر بالمال ہے اور اگر اس مال کو اپنے پاس حاکم بطور امانت رکھے اور مجرم کو اس کے توبہ کرنے اور اپنی سابقہ غلطی سے باز آجانے کے بعد اسے واپس کرے تو یہ تعزیر باخذ المال ہے۔

شامی (جلد ۳/ص ۲۴۵) پر ہے: ''الفرق بين الحدوالتعزير أن الحد مقدر والتعزير مفوض الى رأى الإمام—والتعزير يسمى عقوبة له، لأن التعزير شرع للتطهير، وزاد بعض المتأخرين أن الحد مختص بالإمام والتعزير يفعله الزوج والمولى وكل من رأى أحدا يباشرالمعصية''، اور اسی جلد کے صفحہ ۲۴۶ پر ہے: ''إن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شئ من ماله عنه مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم اليه، لا أن يأخذ الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه، الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، وفى المجتبى: لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذ هافيمسكها فان أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى، وفى شرح الآثار: التعزير بالمال كان فى ابتداء الإسلام ثم نسخ الحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال وسيذكرالشارح فى الكفالة عن الطرطوسى أن مصادرة السلطان لأرباب الأموال لا تجوز إلالعمال بيت المال أى إذا كان يرد بالبيت المال. وليس فى التعزير شئ مقدر، وإنما هو مفوض إلى رأى الإمام على تقتضى جنايتهم، فإن العقوبة فيه تختلف باختلاف الجناية''۔

اور فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر معلم بچہ کو غیر معروف طریقہ پر مارے اور بچہ مرجائے تو اس پر تاوان لازم ہے اور وہ تاوان تعزیر ہے، اسی جلد شامی کے ص ۲۶۲ پر ہے: ''وكذا المعلم إذا أدب الصبى فمات منه يضمن عندنا والشافعى

☆ مفتی مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ رامپور۔

لایضمن بضرب معتاد والاضنه باجماع الفقهاء -مالم یکن ضربا غیر معتاد، فإنه موجب للضمان مطلقا''،اس جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر بالمال درست ہے، چنانچہ اسی کے آگے ہے کہ اگر قاضی مقررہ حد سے مجرم کے زیادہ کوڑے لگوائے اور مجرم مرجائے تو قاضی پر اس کی تعدی کی وجہ سے تاوان لازم ہوگا،شامی کے اسی صفحہ پر ہے ''من بلغ حدا فی غیر حد فهو من المعتدین ومقتضی ماقررناه هناک وجوب الضمان إذا تعدی بالزیادة مطلقا''،اگر کوئی شخص جاسوسی کرے تو اس کی تعزیر امام کرسکتا ہے۔

موسوعہ فقہیہ (۱۶۹/۱۰) پر ہے:''أما عقوبة المتجسس فهی التعزیر إذ لیس فی ذلک حدمعین، والتعزیر یختلف والمرجع فی تقدیره إلی الإمام''۔

اور اسی کتاب کے (صفحہ ۲۳۰) پر ہے:''فمن ارتکب شیئا من التحقیر مماهو ممنوع کان قدار تکب محرما یعزر علیه شرعا تادیبا له، وهذا التعزیر مفوض إلی رأی الإمام، لأن المقصود منه الزجر، وأحوال الناس فیه مختلفة فلکل ماینا سبه منه''۔

موسوعہ فقہیہ (۲۶۴/۲۸) پر ہے:''لایجوز لأحد أخذ مال أحد بلا سبب شرعی''۔

۲ تا ۴-تعزیر بالمال کے بارے میں حنفیہ کا معروف مذہب یہ ہے کہ وہ درست نہیں ہے،مگر حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق تعزیر بالمال درست ہے، لہذا اگر اس قول پر عمل کیا جائے تو تعزیر بالمال درست ہے،''شامی''۲۴۶/۳ پر ہے:''قال فی الفتح: وعن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقی الأئمة لا یجوز اه ومثله فی المعراج، وظاهرة أن ذلک روایة ضعیفة عن أبی یوسف قال فی الشرنبلالیة: ولا یفتی بهذا لما فیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس، فیأکلونه''،پس حالات کے پیش نظر مصلحت اور حکمت کے طور پر اصلاح کے لئے اور فساد زمانہ کو دور کرنے کے لئے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کیا جائے تو یہ صحیح و درست ہے،اور اسی کی تائید میں بعض دوسرے فقہاء جیسے حافظ ابن قیمؒ اور ابن تیمیہؒ وغیرہ کا بھی رجحان معلوم ہوتا ہے، چنانچہ تعزیر کے معنی منع اور اجبار کے بیان کئے گئے ہیں جس کی اصل نصرت اور تعظیم ہے اور اصطلاح فقہاء میں تعزیر کو تادیب سے تعبیر کیا گیا ہے،''موسوعہ فقہیہ ۲۴۲/۱۲ ''پر ہے:''التعزیر تفعیل من العزر بمعنی المنع والاجبار علی الأمر وأصله التبصرة والتعظیم، وفی اصطلاح الفقهاء عبارة عن التأدیب دون الحد، وکل ما لس فیه حد مقرر شرعا فوجبه التعزیر-والتعذیب أعم من التعزیر ''۔

اور صفحہ (۲۵۴) پر ہے:''وسمیت العقوبة تعزیرا؛ لأن من شأنها أن تدفع الجانی، وترده عن ارتکاب الجرائم أوالعودة إلیها''۔

اور صفحہ (۲۶۳) پر ہے:''یجوز فی مجال التعزیر ایقاع عقوبات مختلفة یختار منها الحاکم فی کل حالة ما یراه مناسبا محققا لأغراض التعزیر، وهذه العقوبات قد تنصب علی البدن، وقد تکون مقیدة للحریة

وقد تصيب المال، وقد تكون غير ذلك"۔

اور تعزیر بالمال کے بارے میں فقہاءِ حنفیہ میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے علاوہ کسی دوسرے فقیہ کا قول ہماری نظر سے نہیں گزرا اور نہ فتوی ہماری نظر سے گذرا ہے، البتہ بعض دوسرے مذہب کے فقہاء کا قول موافقت میں ملتا ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے اور اس کے آگے بھی عبارت سے واضح ہوگا۔

۵ - فقہ حنفی کے اندر تو واضح ہوگیا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے علاوہ تعزیر بالمال بالاتفاق درست نہیں ہے، مگر مذہب شافعی میں دو قول ہیں اول قول یہ ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے اور دوسرا قول جو قول جدید ہے وہ یہ ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، موسوعہ فقہیہ (۲۷۰/۱۲) میں ہے: **"الأصل فی مذهب أبی حنيفة أن التعزير بأخذ المال غير جائز، فأبوحنيفة ومحمد لايجيزانه، بل أن محمدا لم يذكره فی كتاب من كتبه، أما أبويوسف فقد روی عند أن التعزير بأخذ المال من الجانی جائز إن رؤيت فيه مصلحة وقال الشبراملسی: ولا يجوز علی الجديد بأخذ المال، يعنی لا يجوز التعزير بأخذ المال فی مذهب الشافعی، وفی المذهب القديم يجوز"۔**

اور حضرت امام مالکؒ کے مشہور قول کے مطابق تعزیر باخذ المال درست ہے، **"أما فی مذهب مالک فی المشهور عنه فقد قال ابن فرحون: التعزير بأخذ المال قال به المالكية، وقد ذكر مواضع مخصوصة يعزر فيها بالمال"۔**

چنانچہ حضرت امام مالکؒ سے اس دودھ کے بارے میں مسئلہ معلوم کیا گیا جس میں پانی ملایا گیا ہو تو آپ نے فرمایا اس دودھ کو صدقہ کیا جائے گا، گویا یہ دودھ والے کے لئے تعزیر مالی ہے، موسوعہ فقہیہ کے (صفحہ ۲۷۰) پر ہے: **"سئل مالک عن اللبن المعشوش أيراق؟ قال لا: ولكن أری أن يتصدق به اذا كان هو الذی غشه، وقال: فی الزعفران والمسک المغوش مثل ذلک سواء كان ذلک قليلا أو كثيرا"۔**

البتہ حنابلہ کے نزدیک تعزیر باخذ المال حرام ہے، یا کسی چیز کو تلف کرنا یہ بھی حرام ہے، اسی کتاب کے اسی صفحہ پر ہے: **"وعند الحنابلة يحرم التعزير بأخذ المال أو إتلافه، لأن الشرع لم يرد بشئ من ذلک عمن يقتدی به وخالف ابن تيمية وابن القيم فقالا: إن التعزيربالمال سائغ اتلافا وأخذا"**، اور علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کی دلیل تعزیر باخذ المال کے لئے رسول اکرم ﷺ کے فیصلے ہیں جیسے کہ آپ نے اس شخص سے شکار چھین لینے کو جائز قرار دیا جو حرم مدینہ میں شکار کرے اور اس کے شراب کے مٹکے اور برتن توڑ دینے کا حکم دیا اور خلفاء راشدین کے فیصلے بھی ابن تیمیہ اور ابن قیم کے نزدیک دلیل ہیں، چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے اس شخص کے مکان کو جلانے کا حکم دیا جس کے گھر میں شراب بیچی جائے اور جو شخص زکوۃ نہ دے اس کے نصف مال کو لینے کا حکم دیا، اور حضرت عمرؓ نے سعد بن وقاصؓ کے محل کو جلانے کا حکم دیا جو آپ نے تعمیر کیا تھا اور اس فیصلہ کو محمد بن سلمہؓ نے نفاذ کیا۔

موسوعہ فقہیہ (۲۷۱/۱۲) پر ہے: "**واستدلالا لذلک بأقضية الرسول اللهﷺ کإباحته سلب من يصطاد فی حرم المدينة لمن يجده وأمره بکسر دنان الخمر وشق ظروفها وأمره عبد الله بن عمرؓ عنهما بحرق الثوبين المعصفرين وتضعيفه الغرامة على من سرق من غير حرز وسارق مالا قطع فيه من التحرو الکثر وکاتم الضالة، وفيها أقضية الخلفاء الراشدين مثل عمر و على رضى الله عنهما بتحريق المکان الذمى يباع فيه الخمر وأخذ شطر مال مانع الزکاة وأمر عمر بتحريق قصر سعد بن أبى وقاصؓ الذى بناه حتى يحتجب فيه عن الناس، وقد نفذ هذا الأمر محمد بن مسلمةؓ**"۔

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق تعزیر بالمال کی گنجائش ہے، اور مذاہب ثلاثہ میں امام شافعیؒ کے قول قدیم کے مطابق تعزیر بالمال جائز ہے، اور امام مالکؒ کے نزدیک مطلقا تعزیر باخذ المال درست ہے، البتہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تعزیر باخذ المال درست نہیں ہے، اور ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے نزدیک تعزیر بالمال کلی طور پر صحیح ہے، دلائل مذکور ہو چکے ہیں۔

۶- ایسی صورت میں جبکہ جرائم پر قابو پانا مشکل ہو اور کوئی دوسری صورت ممکن نہ ہو تو ضرورۃ قول ضعیف پر فتوی دینا اور عمل کرنا درست ہے، جبکہ دوسرے مذاہب میں اس قول ضعیف پر فتوی بھی ہے اور عمل بھی اور دیگر مواقع پر علماء احناف متأخرین کا دوسرے مذاہب کے مطابق فتوی موجود ہے، جیسے مفقود الخبر کے بارے میں علماء احناف کا حضرت امام مالکؒ کے قول پر فتوی دینا موجود ہے اور خود حنفی علماء متأخرین کا اذان و امامت وتعلیم پر ضرورۃ اجرت لینے کا فتوی موجود ہے اور اس پر عمل جاری وساری ہے، لہٰذا اسی طریقہ سے مذکورہ صورت میں بھی قول ضعیف پر عمل کرنا ضرورۃ جائز ودرست ہے۔

۷- طلبہ پر جبکہ ظلم وزیادتی کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ ان کا تعلیمی نفع پیش نظر ہو تو "**إنما الأعمال بالنيات**" (حدیث) کے پیش نظر طلبہ کی سرزنش کے لئے مالی جرمانہ کے عائد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ اگر اس کا نفع محسوس ہو رہا ہو تو پھر ضروری طور پر طلبہ پر مالی جرمانہ مقرر کرنا چاہئے، موسوعہ فقہیہ (۲۶۲/۱۲) پر ہے: "**إن أدنى التعزير على ما يجتهد الإمام فی الجانى بقدر مايعلم أنه ينزجر به؛ لأن المقصود من التعزير الزجر والناس تختلف أحوالهم فی الانزجار**"، صفحہ (۲۶۳) پر ہے: "**لأن التعزير لا يکون إلابحق شرعى بخلاف التعذيب، فقد يکون ظلما وعدوانا؛ لان التأديب سبب يدعو الى حقيقة الأدب**"۔

۸- اس سوال کا بھی وہی جواب ہے جو نمبر ۷ میں گزرا کہ ہاؤسنگ سوسائٹیاں وغیرہ نظم وضبط درست رکھنے کے لئے مالی جرمانہ مقرر کر سکتی ہیں اور وہ حضرت امام ابو یوسف ودیگر ائمہ رحمہم اللہ کے قول پر عمل کر سکتی ہیں۔

۹- چونکہ برادریاں اور خاندانی پنچائتوں ودیگر انجمنوں کا مقصد صرف دباؤ اور اصلاح مقصود ہوتا ہے، اس لئے بغرض اصلاح ودفع فساد اس قسم کا نظام بنانا درست ہے، جیسا کہ سابقہ جوابات میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا اور اس کی مثالیں بھی مذکور ہوئیں اور

موسوعہ فقہیہ(۲۷۱/۱۲) میں ہے:"أنواع التعزير بالمال–التعزير بالمال يكون بجسه أو إتلافه أو بتغير صحته أو بتملكيه للغير–حبس المال عن صاحبه وهو أن يمسک القاضی شيئا من مال الجانی مدة زجرا له، ثم يعيده له عندماتظهر توبته، وليس معناه أخذه لبيت المال؛ لأنه لا يجوز أخذ مال الانسان بغير سبب شرعی يقتضی ذلک، وفسره على هذا الوجه أبو يحيى الخوارزمی، ونظيره ما يفعل فی خيول النجاة وسلاحهم، فإنها تحبس عنهم مدة وتعاد إليهم إذا تابوا وصوب هذا الراى الإمام ظهير الدين التمرتاشی الخوارزمی، أما إذا صارميوسامن توبته، فإن للحاكم أن يصرف هذا المال فيما يرى فيه المصلحة–قال ابن تيمية: إن المنكرات من الأعيان والصفات يجوز إتلاف محلها تبعا لها فالأصنام صورها منكرة، فيجوز اتلاف مادتهاو آلات اللهو يجوز إتلافها عند أكثر الفقهاء وبذلک أخذ مالک، وهو اشهر الروايتين عن احمد، ومن هذا القبيل أيضا أوعية الخمر يجوز تكسيرها وتحريقها والمحل الذی يباع فيه الخمر يجوز تحريقه"۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دباؤ بنانے اوراصلاح کی غرض سے اگر مالی جرمانہ عائد کیا جائے تو وہ درست ہے، بلکہ بعض حالات میں بہت زیادہ نفع بخش ہے۔

۱۰،۱۱– یہ ایک حقیقت ہے کہ طلاق کی کثرت ہورہی ہے اورلوگوں نے طلاق کوایک کھیل سمجھ لیا ہے معمولی سی بات پر آدمی عورت کو طلاق دے دیتا ہے اوروہ بھی بیک وقت تین طلاقیں جوشرعا غلط ہے اور گناہ ہے اورعورت کے ساتھ ظلم ہے،بعض دفعہ عورت کا کوئی قصور نہیں ہوتا،صرف گھریلو باتوں پر یا کاروباری الجھنوں اوراپنے گھر والوں کی باتوں میں آ کر مرد عورت کو طلاق دے دیتا ہے جس کا خمیازہ مرد سے زیادہ عورت کو بھگتنا پڑتا ہے، اگر بچے ہوتے ہیں تو ان کی زندگی پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں اوردونوں خاندانوں کی بہت بےعزتی اور بدنامی ہوتی ہے،اس لئے اگر طلاق کی کثرت کوروکنے کے لئے یا کم سے کم ایک ساتھ تین طلاق روکنے کے لئے متعہ کوواجب قرار دیا جائے اور کوئی معقول رقم مقرر کی جائے یا طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کیا جائے تو یہ صحیح ہے اورنکاح کے وقت پابند بنانا اورنکاح نامہ میں اس کا لکھنا درست ہے، بلکہ اگر مرد کی جگہ یا زمین کے بعض حصہ کے دینے کا پابند بنا دیا جائے تو یہ زیادہ صحیح ہے،مگرلڑکی کو بھی پابند بنایا جائے کہ لڑکے کو بے جا طور پر طلاق دینے کے لئے مجبور نہ کرے۔

شامی (۳۳۶/۲ مکتبہ نعمانیہ دیوبند) میں ہے:"إن الفرقة إذا كانت من قبلها قبل الدخول لا تستجب لها المتعة أيضا؛ لأنها الجانية وكل فرقة جاء ت من قبل الزوج بعد الدخول تستحب فيها المتعة"۔

عالمگیری(۲۰/۲) میں ہے:"المتعة عند نا على ثلاثة أوجه: متعة واجبة وهی للمطلقة قبل الدخول ولم يسم لها مهرا، ومستحبة وهی للمطلقة بعد الدخول، ولا واجبة ولا مستحبة وهی للمطلقة قبل الدخول وقد سمی لها مهرا"۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

(مفتی) اعجاز الحسن بانڈے القاسمی☆

تعزیر:

عزر سے ماخوذ ہے لغت میں اس کے معنی ''رُکنے'' کے آتے ہیں، جبکہ کلامِ عرب میں تعزیز کا لفظ توقیر و نصرت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے (لسان العرب ۶/ ۲۲۷)۔

ورقہ بن نوفل کے سامنے جب شانِ نبوت ظاہر ہوئی تو آپ نے یہ جملہ استعمال فرمایا ہے: ''إن بعث وانا حیٌّ فساُعزّرہٗ وانصُرہٗ'' اس میں تعزیز بار بار مدد و اعانت کے معنی میں آیا ہے، تعزیر کے اصلی معنی روکنے کے ہی آتے ہیں یہاں پر مدد کے ذریعہ دشمنوں کو روکنا اور تکلیف سے بچانا مقصود ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وتعزّرُوہُ وتُوقِّرُوہُ'' (الفتح ۹)۔

سزا چاہے حد کی قبیل سے ہو یا تعزیر کے طور پر مقصود یہی ہے کو سماج اور انسانیت گناہوں، جرائم اور برائیوں سے پاک ہو۔

تعزیر اور قرآن:

قرآن مقدس کی کئی آیات سے بلاواسطہ اور بالواسطہ تعزیر کا ثبوت ملتا ہے:

''فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیه بمثلِ مااعتدیٰ علیکم'' (البقرۃ ۱۹۴) (پس جو تم پر زیادتی کرے اس کی زیادتی کے مطابق تم بھی بدلہ لو)

ایک جگہ فرمایا گیا: ''وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُواْ بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ'' (سورۃ النحل ۱۲۶) (اور اگر تم بدلہ لو تو اتنی ہی تکلیف پہنچاؤ جتنی تم کو دی گئی ہے اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کیلئے بہتر ہے)۔

اور ایک جگہ فرمایا گیا: ''وَلَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقاً مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'' (سورۃ البقرۃ ۱۸۸)۔

(اور ناحق طریقہ پر ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ اور نہ [رشوت کے طور پر] مال حاکموں تک پہونچاؤ تاکہ جان بوجھکر لوگوں کا

☆ (صدر مفتی) سبیل الھدیٰ بمنہ سرینگر کشمیر۔

کچھ مال ظلم کر کے کھا جاؤ)۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے ناشزہ و نافرمان بیوی کو تعزیر و سرزنش کی اجازت دی ہے ارشاد فرمایا: ”وَاللاَّتِیْ تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُواْ عَلَيْهِنَّ سَبِيلاً “(سورۃ النساء: ۳۴) (اور تم کو جن عورتوں [بیویوں] سے نافرمانی کا اندیشہ ہو ان کو سمجھاو، خواب گاہ (Bed room) میں ان سے بے تعلقی برتو اور ان کو (ہلکے طریقہ پر) مارو۔ اگر وہ تماری فرمابرداری کرنے لگیں تو پھر ان پر زیادتی کیلئے بہانے تلاش مت کرو)۔

تعزیر اور حدیث:

”عن عمر رضی اللہ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا وجد تم الرجل قد غل فی سبیل الله فَاحْرِقُوْ امَتَاعَهُ وَاضْرِبُوْهُ “(ابوداؤد ۲/ ۱۷ ۳ باب عقوبۃ الغال، مشکوۃ ص ۳۱۷)۔

” حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم کسی شخص کو اللہ کے راستہ میں (مال غنیمت میں) دھوکہ باز پاؤ تو اس کے سامان کو جلا ڈالو اور اس کی پٹائی کر ڈالو‘‘۔

ایک بار ارشاد فرمایا کوئی کسی کو یہودی یا مخنث کہے تو اُسے بیس کوڑے مارے جائیں (ترمذی عن ابن عباسؓ ۱/ ۱۷ ۲ باب ما جاء فی من یقول للآخر یا مخنث)۔

’’دوران طالبِ علمی درس بخاری میں حضرت سید انظر شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کی چال ڈھال میں آوارگی پن محسوس فرمایا آپ رضی اللہ عنہ نے بغیر کچھ پوچھے ایک کوڑا مارا وہ بولا میری کیا خطا ہے آپؓ نے دوسرا کوڑا مارا، تیسرا کوڑا پڑتے ہی وہ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگا اور کہا کہ حضرت بس کیجیے شیطان تھا اب نکل کر چلا گیا ہے۔‘‘

فقہاء کرام کی آرا:

علاّمہ خطابیؒ فرماتے ہیں کسی برے کام پر سزا دینے میں کسی بھی قابلِ ذکر عالم کا اختلاف نظر سے نہیں گذرا ہے، البتہ تعزیر با لمال کے سلسلے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص مالِ غنیمت میں خیانت کرتا ہے تو جمہور علماء فرماتے ہیں کہ امام المسلمین اس کی حالت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تعزیر کرے گا۔ البتہ اس کے اس سامان کو جلا ڈالنا صحیح نہیں ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک بڑی جماعت کے علاوہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ۔ سیدنا امام شافعیؒ۔ سیدنا امام مالکؒ اور بہت سارے تابعین وفقہاء اسی بات کے قائل ہیں۔ جب کہ امام حسن بصریؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحٰق بن راہویہؒ، امام مکحولؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کے پورے سامان کو جلا ڈالو، امام اوزاعیؒ صرف اس کے ہتھیار (اسلحہ وغیرہ) اور بدن کے کپڑے چھوڑ دینے کی بات فرماتے ہیں۔ جبکہ امام حسن بصریؒ سفری سواری، یعنی گھوڑا وغیرہ اور مصحف قرآنِ مقدس کو نہ جلانے کی بات فرماتے ہیں، یعنی اُن دو کو چھوڑ کر باقی پورا سامان جلا دیا جائے۔ جبکہ علماء وفقہائے کرام کی ایک جماعت فرماتی ہے کہ مالِ غنیمت سے لوٹا ہوا سامان بھی نہیں جلایا جائے گا کہ وہ تو مستحقین کا حق ہے۔ لہٰذا وہ مستحقین میں تقسیم ہونا

چاہے۔سیدناامام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ جسمانی سزادی جائے مال کو نہ جلایا جائے (یہ سب تفصیل مرقاۃ لملاعلی قاریؒ سے مستفاد ہے)(مرقاۃ ۷/۱۸۷)۔

علامہ انورشاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ والی حدیث سے مالی تعزیر [مال جلاکر] ثابت ہوتی ہے مگر ہماری کتب معتبرہ میں مالی تعزیر کوممنوع قرار دیا گیا ہے، البتہ میں نے مالی تعزیر کے سلسلے میں حاوی قدسی میں سیدنا امام ابو یوسفؒ کی طرف منسوب قولِ جواز کو دیکھا ہے:

’’وفی عامة کتبنا نفی التعزیر بالمال وانه منسوخ ووجدت فی الحاوی القدسی جواز التعزیر بالمال عن ابی یوسفؒ‘‘ (العرف الشذی ۷ ۴۲)۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں جوحضرات مالی تعزیر کوابتداءاسلام کے ساتھ خاص قرار دے کر منسوخ مانتے ہیں وہ غلط کہہ رہے ہیں ان کا ایسا کہنا غیر معروف ہے بلکہ یہ دعویٰ کرنا ہی غیر مقبول اور جہالت پر مبنی ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے طرفین اورائمہ ثلاثہ کا مذہب عدم جواز نقل فرمایا ہے جبکہ ’’البحرالرائق‘‘ کے حوالہ سے ’’بزازیہ‘‘ سے مستفاد یہ عبارت نقل فرمائی ہے:

’’أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شئی من ماله عنه مدة لینزجرثم یعیده الحاکم إلیه لا أن یأخذ الحاکم لنفسه أولبیت المال کما یتوهمه الظلمة إذ لایجوز لأحدمن المسلمین أخذ مال أحد بغیرسبب شرعی‘‘

یعنی تعزیر کے نام سے بطور زجر وتوبیخ مال لے کر کچھ دن اپنے پاس رکھا جائے [اور جب اسے ندامت ہوجائے] تو پھر وہ لیا ہوا مال اسکو واپس لوٹا دیا جائے حاکم وقت جو مال تعزیر کے نام سے لے گا وہ اس مال کو اپنے اوپر یا بیت المال میں خرچ وجمع نہیں کرسکتا کہ بغیر کسی شرعی سبب کے کسی بھی مسلمان کا مال لینا جائز نہیں ہے۔

مالی تعزیر کے سلسلے میں سیدنا امام ابو یوسفؒ کی طرف منسوب قول جواز کو علامہ ابن ہمامؒ نے ’’فتح القدیر‘‘ میں صاحب عنایہ نے ’’عنایہ‘‘ میں، علامہ جلال الدین خوارزمیؒ نے ’’الکفایہ‘‘ میں، علامہ بدرالدین عینی نے ’’البنایہ‘‘ میں، علاّمہ ابن نجیم مصریؒ نے ’’البحرالرائق‘‘ میں، امام زیلعیؒ نے ’’تبیین الحقائق‘‘ میں، علامہ شبلیؒ نے ’’حاشیہ شبلی‘‘ میں، ’’فتاویٰ ہندیہ‘‘ میں اور ملاعلی قاریؒ نے ’’شرح النقایہ‘‘ میں نقل فرمایا ہے (فتح القدیر ۴/ ۲۱۲۔عنایہ ہامش فتح القدیر ۴/ ۲۱۲۔الکفایہ ہامش فتح ۵/ ۱۱۳۔البنایہ ۳/ ۲۸۷۔البحرالرائق ۵ /۴۱۔تبیین الحقائق ۳/ ۲۰۸۔حاشیہ شبلی ہامش التبیین ۳/ ۲۰۸۔فتاویٰ ہندیہ ۲/ ۱۶۷۔شرح النقایہ ۲/ ۳۹۷)۔

صاحبِ ’’معین الحکام‘‘ تعزیر پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مالی جرمانہ بطور تعزیر لینا جائز ہے۔جبکہ امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں، جوحضرات مالی جرمانہ کو منسوخ قرار دیتے ہیں ائمہ کرام سے منقول تفصیلات کی

روشنی میں یہ دعویٰ نقلاً واستدلاً بالکل غلط ہے بلکہ منسوخ ہونے کا دعویٰ کرنا ہی غلط ہے کہ نبی ﷺ کے نقل مکانی فرمانے کے بعد خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ مالی جرمانہ نافذ کرتے تھے، خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا عمل اُن کے دعوائے نسخ کو غلط و باطل قرار دیتا ہے منسوخ ہونے کے دعوے کو ثابت کرنے کیلئے ان کے پاس نہ ہی سنت نبوی ہے اور نہ ہی اجماع صحابہ۔

"یجوز التعزیر بأخذ المال وھو مذھب ابی یوسفؒ وبه قال مالکؒ، ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط علی مذاھب الأئمّة رحمھم الله تعالیٰ نقلاً واستدلالاً ولیس بسھل دعویٰ نسخھا ، وفعل الخلفاء الراشد ین وأکابر الصحابة رضی الله عنھم لمابعد موتھم صلعم مبطل لدعویٰ نسخھا والمدعیون للنسخ لیس معھم سنة ولا إجماع یصح دعوٰھم، إلا أن یقول أحدھم مذھب أصحابنا لا یجوز فمذھب أصحابه عنده عیارٌ علی القبول والرّد" (معین الحکام ۲۳۱)۔

وہ افعال واقوال یا حرکات جن پر مالی تعزیر یا جسمانی تعزیر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے:

۱۔ مسلمان کو کافر یا کسی کافر مثلاً ابوجہل وغیرہ سے تشبیہ دینا، کسی کو گالی دینا، کسی کو کتا، گدھا یا جانور کہنا، اللہ رب العزت کی توہین و بے ادبی پر، رسول اللہ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنا، صحابہ کرامؓ، تابعین، محدثین، مفسرین، اکابر اُمت، صلحاء دین، امام مسجد، وقت کے علماء اور معزز افراد کی تنقیص و توہین کرنے پر، بچے کی بدخلقی و بے ادبی پر، بدزبانی اور بدنظری پر، بے حیائی پھیلانے پر، ہلکے درجہ کی چوری پر، بدفعلی کے ارتکاب پر، علمی سرقہ، کسی کا مضمون یا خاص رائے اپنی طرف منسوب کرنے پر، بجلی کی چوری ٹیلیفون اور نیٹ کنکشن کی چوری پر، غیر حاضری پر جرمانہ، وقت پر جرمانہ ادا نہ کرنے پر مزید مالی جرمانہ، جعلی رسید بنا کر چندہ کرنے پر تعزیر وغیرہ وغیرہ۔

کسی صاحبِ ایمان کو کافر کہنا، کافر سے تشبیہ دینا، فاسق کہنا یا گالی دینا قطعاً ناجائز اور گناہ ہے، اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا صاف ارشاد مبارک موجود ہے:

"سباب المسلم فسوق وقتاله کفر، وفی روایة سباب المسلم فسوق" (بخاری کتاب الآداب ۲/ ۸۹۳) (کسی مسلمان کو گالی دینا فاسقانہ عمل ہے اور اس کو جان سے مارنا بدرجۂ کفر ہے)۔ نیز ایک مقام پر فرمایا گیا:

"لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیه بالکفر إلا ارتدت علیه ،إن لم یکن صاحبه کذلک " (بخاری کتاب الآداب ۲/ ۸۹۳)۔

یعنی جس کو ایسا کہا گیا ہے اگر اس میں اس طرح کی کوئی خامی موجود نہیں ہے تو خود کہنے والا ہی اس برے جملے کا حقدار قرار پاتا ہے۔

حضرت ابو قلابہ سے روایت ہے کہ حضرت ثابت بن ضحاکؓ نے ایک درخت کے سائے میں رحمتِ دو عالم ﷺ کے دستِ حق پر بیعت کی آپ ﷺ نے حضرت ثابتؓ سے فرمایا کسی مؤمن کو ملعون کہنا اس کو قتل کرنے کے برابر ہے، کسی مومن کو کافر کہنا

اس کو قتل کرنا جیسا ہے اور جس کسی کو کسی چیز سے مارا ہوگا۔ کل قیامت کے دن بدلہ میں اس کو سزا دی جائے گی (بخاری شریف : ۶۳-۱۳۔ مسلم شریف : ۱۱۰)۔

''فتاویٰ عالمگیری'' میں واضح لفظوں میں یہ جزیہ موجود ہے: ''من قذف مسلماً ب یا فاسق وھو لیس بفاسقٍ الی آخر عزر'' اگر کسی مسلمان پر تہمت لگائی یا کسی مسلمان کو فاسق کہا حالانکہ وہ فاسق نہیں تھا تو اس کو سزا دی جائے گی۔

جس جملے سے سماج میں عار محسوس ہوتی ہو۔ برا لگتا ہو، توہین محسوس ہوتی ہو، اس کے استعمال کی قطعاً اجازت نہیں ہے اور اگر سماج کے کسی معزز فرد پر ایسا نازیبا جملہ کسا ہو، جس سے وہ ہتکِ عزت محسوس کرے تو اس پر سزا و تعزیر یا مالی جرمانہ یقیناً لازم کیا جانا چاہیے جیسا کہ دنیا کے بیشتر ملکوں میں اس طرح کا قانون بھی موجود ہے۔

''قال فی العلائیة: وعزر الشاتم بیا کافر (الیٰ قولہٖ) لا یعزربیاحمار ، یا خنزیر یا کلب یا ابلیس یا قرد ،م یا ثور ،یا بقر ،یا حیة لظھورکذبه واستحسن فی الھدایة التعزیر لَوِ المخاطب من الاشراف وتبعه الزیلعی...... قال السید ابو السعود......کل من ارتکب منکراً اوأذیٰ مسلماً بغیر حقٍ بقول اوفعلٍ اواشارة یلزمهُ التعزیر...... ''(رد المحتار ۳/۱۹۱)۔

جہاں تک بدفعلی پر تعزیر کا مسئلہ ہے اس سلسلے میں قرآن کریم کی آیات بھی رہنمائی کرتی ہیں:

حضرت لوطؑ کی بدفطرت قوم بھی اس خبیث ترین فعل میں مبتلا تھی اللہ تعالیٰ نے اس خلافِ فطرت اور گندے فعل پر سخت عذاب دیا کہ ان کی بستی کو اوپر اُٹھا کر اُلٹا کر کے نیچے پھینک دیا اور پھر اُن پر پتھروں کی بارش کی اور قرآن کریم میں تذکرہ کر کے قیامت کی صبح تک رسوائی کا سامان کیا۔

سیدنا حضرت ابنِ عباسؓ اور آپ کے بعد بعض فقہائے کرام نے اس سے ملتی جلتی یہ سزا تجویز فرمائی ہے کہ ایسے بدفطرت فعل کے مرتکب کو کسی بلند پہاڑی پر لیجا کر سر کے بل اُلٹا گرا کر اس پر اوپر سے پتھر برسائے جائیں اور اس طرح اس کو ہلاک کر دیا جائے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایسے ہی ایک بدطینت شخص کا حال لکھ کر خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے تعزیر کے سلسلے میں رائے طلب کی آپؓ نے باہمی مشاورت کے بعد یہ لکھ بھیجا کہ ایسے بدفطرت شخص کو آگ میں جلا دو اور حضرت خالدؓ نے مطابق مشورہ اس مرتکب فعل بد شخص کو آگ میں زندہ جلا دیا اس نکتہ پر مزید بحث کو روکتے ہوئے عرض ہے کہ تعزیر پر تو اتفاق ہے لیکن جسمانی تعزیر نہ کہ مالی تعزیر۔

بچے کی بدخلقی و بے ادبی ، بدزبانی بدنظری یا بے حیائی کو پھیلانے پر تعزیر و سزا کا مشروع ہونا بدیہی بات ہے کہ والدین پر جہاں اولاد کی مادی ضروریات کا انتظام و تکمیل لازم ہے ان کے اخلاق کی درستگی اور ادب و سلیقہ مندی کی تعلیم اس سے بڑھ کر لازم و واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کئی ارشادات بلکہ تاکیدی اوامر کے ذریعے اس کا حکم فرمایا ہے اور اگر اولاد والدین کی غفلت و سستی

کے سبب معصیت میں مبتلا ہوجائے تو والدین بھی اولاد کے اس گناہ میں شریک قرار پاتے ہیں، لہٰذا اگر تادیباً والدین بچے کی کسی ناشائستہ حرکت پر تادیب وتعزیر کریں تو شرعاً اس کی اجازت ہے۔ یہی معاملہ استاد وشیخ کا بھی ہے کہ وہ روحانی باپ کے درجہ میں ہیں وہ بھی شاگرد ومتوسلین کو تعلیم وتربیت کی نیت سے تنبیہ وتعزیر کرسکتے ہیں۔

بے حیائی پھیلانے کو شریعت اسلام نے خود ہی ممنوع قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والے کو دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔ارشادالٰہی ہے:

”اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ“(النور:۱۹)۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ کا ایک منچلے نوجوان کو کوڑے مارنا بحیثیت شیخ ومرشد ہی تھا جسے کسی بھی حال میں نادرست قرار نہیں دیا جاسکتا نئی سطر اور جہاں تک اللہ رب العزت کی تلقین اور ذاتِ رسول اللہ ﷺ کی توہین کا معاملہ ہے تو اس مسئلہ میں اُمتِ مسلمہ متفق علیہ ہے کہ نہ صرف تعزیر کی جائیگی بلکہ توبہ، تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح بھی لازم ہے اور اگر توبہ نہ کرے اور اسلامی مملکت ہو تو ایسا فرد واجب القتل ہے(مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:الصّارم المسلول علی شاتم الرسول لابنِ تیمیہ)۔

رہا مسئلہ کسی کا مضمون یارائے اپنی طرف منسوب کرنا جسے علمی دنیا میں علمی سرقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، گرچہ ایسی حرکت پر جسمانی تعزیر نہیں کی جائے گی، مگر موجودہ وقت میں کاپی رائٹ قانون کے تحت اس کی اجازت نہیں ہے کہ کسی کا مضمون چرایا جائے، بلکہ کسی کا مضمون یا مضمون کا کچھ حصہ نقل کرنے کے لئے بھی اِجازت لازمی ہے کہ یہ ایک تجارتی معاملہ ہے جس میں اصل قلمکار ومالک کے ظاہری حقوق اور مالی حقوق پامال ہوجاتے ہیں۔اس لئے اس طرح کی نازیبا حرکت پر موجود قانون میں مالی جرمانہ کی گنجائش رکھی گئی ہے، بلکہ قانون کی کتاب میں جرمانہ بھی لگایا گیا ہے۔

بجلی چوری،ٹیلیفون کنکشن کے ذریعے چوری،نیٹ چوری حقیقت میں مال کی چوری ہے۔اس لئے شرعاناجائز اور گناہ ہے، البتہ بطورِحد ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کہ یہ چوری مکانِ محرز[محفوظ جگہ] سے نہیں کی گئی ہے۔البتہ چوری کے بقدر مال متعلقہ محکمہ میں داخل کرنا بطور مکافات لازم وواجب ہے خیال رہے یہ چوری ایک فرد کے مال کی نہیں پوری قوم سے چوری کے مترادف ہے، لہٰذا اس کا گناہ زیادہ شدید ہے۔

”ویقطع لو سرق من السطح نصاباً ؛لأنه حرز شرح وھبانیة أومن المسجدأراد به کل مکان لیس بحرزفعم الطریق والصحراء ورب المتاع عنده أي بحیث یراه ولو الحافظ نائماً في الأصح“(ردالمحتار ۳/۲۰۹)۔

اب رہا مسئلہ غیر حاضری پر جرمانہ لینا یا وقت پر جرمانہ ادا نہ کرنے پر مزید مالی جرمانہ وصول کرنا تو خیال رہے فقہائے احناف کے نزدیک جرمانہ کے طور پر مال لینے کی اجازت نہیں ہے۔نبی ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

”لا یحل مال أمری مسلم إلا بطیب نفس منه“(مسند احمد ۵/۷۲،مشکوۃ شریف ۲۵۵)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:”لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی“ (شامی

۱۰۶/۶ باب التعزیر)۔

اور ’’شرح الاثار‘‘ میں ہے: ’’التعزیر بأخذ المال کانت فی ابتداء الاسلام ثم نسخ‘‘(البحرالرائق ۵/۴۱ باب التعزیر)۔

لیکن یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ سیدنا امام ابو یوسفؒ کی رائے میں اس کی گنجائش ہے اور وہ اس کے قائل ہیں:

بناء بریں اگر اسکے پیچھے منشا تعلیم کی ترغیب، حاضری میں اہتمام اور اقامت دین حق ہے تو امام ابو یوسفؒ کی رائے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس کی گنجائش ہونی چاہیے اور اگر صرف مالی مفادات مدنظر ہوں اور اوپر بیان کردہ مقاصد کو بطور ہتھیار کے استعمال کیا جاتا ہو جیسا کہ بعض مروجہ اسکولوں میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے تو پھر اس طرح کا مالی جرمانہ ناجائز اور حرام ہوگا۔

☆☆☆

تعزیر بالمال

مولانا محمد منصف بدایونی ☆

۱- نظام عالم کو خوشگوار اور معاشرہ کو فتنہ وفساد سے محفوظ رکھنے کے لئے مذہب اسلام میں کچھ جرائم کے لئے سزائیں مقرر کی ہیں جن کو حدود کہا جاتا ہے، البتہ معاشرہ میں پائے جانے والے کچھ ناپسندیدہ امور ایسے بھی ہیں جن میں تنبیہ اور سزا کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، مذہب اسلام ایک فطری مذہب ہے، ایسا کیسے ہوسکتا تھا کہ اس سلسلہ میں اس کی تعلیمات خاموش رہتی، لہذا ہر ایسا مکروہ عمل جس کی کوئی متعین سزا شریعت نے مقرر نہیں کی اس کو حاکم وقت یا قاضی کے حوالہ کیا جائے کہ مجرم اور جرم کی حالت وکیفیت کو دیکھ کر اپنی صوابدید سے سزا تجویز کرے اس سزا کو تعزیر کہا جاتا ہے۔

تعزیر کے لغوی معنی:

عزر باب تفعیل سے تعزیر کے معنی ہیں، ڈانٹنا، برا بھلا کہنا منع کرنا، روکنا۔

تعزیر کے اصطلاحی معنی:

ایسا گناہ جس کی شریعت میں نہ کوئی حد ہے اور نہ کفارہ اس سے روکنے کے لئے، حاکم کا اپنی صوابدید سے حد کے علاوہ کوئی سزا دینا تعزیر کہلاتا ہے (کتاب التعریفات: ۱۱۳)۔

تعزیر کی قسمیں:

تعزیر کی چند قسمیں ہیں: تعزیر بالضرب، تعزیر بالصفع، تعزیر بالقتل، تعزیر بالمال اور تعزیر بالحبس۔

تعزیر بالمال سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ تعزیر بالمال کئی طرح سے ہوتا ہے، مال کو ہلاک کرکے تعزیر کرنا، مثلاً حضرت عمرؓ نے شراب فروخت کرنے والے شخص کے اس گھر کو منہدم کردیا جس میں وہ شراب فروخت کرتا تھا، "**وعن عمرؓ انه احرق بیت الخمار**" (فتاوی تاتارخانیہ ۱۸/ ۱۹۱، فتاوی ہندیہ ۵/ ۴۰۸)۔

اسی طرح جہاں بھی فسق وفجور ہوتا ہو اس گھر اور مکان وغیرہ کو ویران کرنے کا حکم ہے، "**وعن الإمام الزاهدی الصفار أنه أمر بتخریب دار الفسق لسبب الفسق**" (فتاوی تاتارخانیہ ۱۸/ ۱۹۱)۔

☆ مدرسہ اسلامیہ عربیہ، جامع مسجد، امروہہ، یوپی۔

اسی طرح ''فتاوی ہندیہ'' میں ہے کہ اگر کوئی شخص شراب کے مٹکے کو توڑ دے کہ جس شراب میں نمک ڈال دیا گیا ہو (سرکہ بنانے کے لئے) تو توڑنے والے پر کوئی ضمان نہ ہوگا (فتاوی ہندیہ ۵/۴۰۸)۔

تعزیر بالمال کی ایک قسم ہے تغییر مثلاً حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کمرے کے دروازہ پر پردہ ڈالدیا تھا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں، جب اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو دیکھا تو اس کو پھاڑ دیا اور فرمایا قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالی کی مخلوق کے مشابہ تصویریں بناتے ہیں، پھر ہم نے اس کے تکئے بنالئے (بخاری ۲/۸۸۰)۔

شامی میں علامہ ابن عابدینؒ تحریر فرماتے ہیں کہ مال غیر متقوم کی بیع باطل ہوتی ہے، جیسے شراب، خنزیر اور اس میں جاندار کی تصویریں بھی شامل ہیں، جیسے گھوڑا، بیل وغیرہ کے کھلونے کہ ان کی کوئی قیمت نہیں ہے اور اس کے تلف کرنے والے پر کوئی ضمان بھی واجب نہیں ہوگا (شامی ۵/۱۲۶۶)۔

اور ایک قسم ہے تعزیر باخذ المال: فتاوی ہندیہ کی تصریح کے مطابق امام ابویوسف کے علاوہ باقی تمام ائمہ کرام کے نزدیک ناجائز ہے، ''**وعن أبی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقی الأئمة لا یجوز**'' (فتاوی ہندیہ ۲/۷۷۸)۔

''الفقہ الاسلامی'' میں بھی اس کی تصریح یہ ہے کہ راجح قول کے مطابق تمام ائمہ کرام کے نزدیک تعزیر باخذ المال جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں ظالم حکمرانوں کو لوگوں کے مال ظلماً چھیننے کا موقع فراہم کرنا ہے۔

''**لا یجوز التعزیر بأخذ المال في الراجح عند الأئمة لما فیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس فیأکلونه**''، البتہ علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام مالک کے مشہور مذہب کے مطابق بعض مخصوص مقامات میں تعزیر بالمال جائز ہے اور امام احمدؒ کا مذہب اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول کے مطابق تعزیر بالمال ناجائز ہے، ''**وأثبت ابن تیمیة وتلمیذه ابن القیم أن التعزیر بالعقوبات المالیة مشروع في مواضع مخصوصة في مذهب مالک في المشهور عنه ومذهب احمد واحد قولی الشافعی**'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۵۵۹۶)۔

تعزیر باخذ المال کی صورت:

امام ابویوسفؒ کے نزدیک تعزیر باخذ المال جائز ہے، لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ حاکم وقت جانے کے مال کو لے لے اور ایک مدت تک اپنے پاس روکے رکھے اور جب حاکم یہ سمجھے کہ اب اس کو اتنی سزا مل گئی کہ یہ گناہ دوبارہ نہیں کرے گا پھر اس کا مال واپس کردے، نہ اپنے لئے رکھے اور نہ بیت المال میں جمع کرے، اس لئے کہ کسی کا مال دوسرے کے لئے بغیر سبب شرعی کے لینا جائز نہیں ہے۔

مال واپس نہ کرنے کی شکل:

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے لکھا ہے کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حاکم جانی کے مال کو لے لے اور اپنے پاس روکے رکھے اگر توبہ

کرے تو مال واپس کردے اور اگر حاکم جانی کی توبہ سے مایوس ہوجائے تو اس کو جہاں مصلحت سمجھے وہاں خرچ کردے۔

الغرض تعزیر بالمال کی کئی قسمیں ہیں، گویا تعزیر بالمال ایک مقسم ہے اور اس کی کئی قسمیں ہیں:

پہلی قسم: اتلاف، مثلاً شراب کی دوکان کو جلا دینا (فتاوی تاتارخانیہ ۱۸/۱۹۱)، اسی طرح فتاوی شامی کے حوالہ سے یہ بات گذر گئی ہے کہ اگر کوئی شخص بیل یا گھوڑے کے کھلونے کو توڑ دے تو اس پر کوئی ضمان نہیں ہے، "**ویدخل فیه فرس أوثور من خزف الاستئناس الصبی؛ لأنه لاقیمة له ولا ضمان علی متلفه**" (شامی ۵/۲۶۶)۔

دوسری قسم: تغییر ہے، مثلاً حضور ﷺ نے تصویروں والا پردہ پھاڑ دیا اور پھر اس تصویر کا سر کاٹ کر اس کے تکئے بنا دیئے گئے۔

"**عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قدم النبی ﷺ من سفر وقد استرت بقرام لی فیه تماثیل**" (بخاری شریف ۲/۸۸۰)۔

تیسری قسم: تعزیر بحرمان المال ہے، مثلاً عورت کے قاتل وارث کو مورث کی وراثت سے محروم کردیا جاتا ہے۔

یہ تینوں قسمیں کتب فقہیہ حنفی کے حوالہ سے جائز ہیں امام احمد بن حنبل، امام مالک کے نزدیک بھی جائز ہے، جیسا کہ الفقہ الاسلامی (۷/۵۵۹۶) پر اور (۷/۵۵۹۷) پر لکھا ہوا ہے، اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

"**مثل اتلاف مادة الأصنام بتکسیرها وتحریقها وتحطیم ألات الملاهی عند اکثر الفقهاء وتکسیر وتحریق أوعیة الخمر وتحریق الحانوت الذی یباع فیه الخمر علی المشهور في مذهب احمد ومالک وغیرها**" (الفقہ الاسلامی ۷/۵۵۹۷)۔

چوتھی قسم: تعزیر باخذ المال ہے، اس سے متعلق یہ بات گذر چکی ہے کہ حنفیہ کا مشہور مذہب عدم جواز کا ہے اور باقی تمام ائمہ کرام بھی اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے مذہب کی تصریح بھی اس طرح کی ہے کہ یہ جرمانہ محض وقتی طور پر از راہ دھمکی لیا جائے گا نہ حاکم وقت اپنے لئے لے سکتا ہے اور نہ بیت المال کے لئے، بلکہ ایک مدت کے بعد واپس کردے گا، جب حاکم کو یقین آجائے کہ اس نے توبہ کرلی ہے۔

جانی کے مال کو واپس نہ کرنے کی شکل: اگر کوئی بہت بڑا مجرم ہو اور حاکم وقت اس کی توبہ سے مایوس ہوجائے تو پھر حاکم جہاں مصلحت سمجھے وہاں جانی کے مال کو خرچ کردے، یہ علامہ ابن عابدین شامی کی رائے ہے اور غیر معمولی حالات میں اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔

"**قال ابن عابدین: وأری أن یأخذ الحاکم مال الجانی فیمسکه عنده، فإن أیس من توبته یصرفه إلی مایری من المصلحة**" (شامی ۶/۱۰۶ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

مذکورہ وضاحت سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ تعزیر بالمال مقسم ہے اور تعزیر باخذ المال اس کی ایک قسم ہے۔

۲-تعزیر بالمال کی بابت حنفیہ کا معروف مذہب کیا ہے؟

حنفیہ کا مشہور مذہب تعزیر باخذ المال کے عدم جواز کا ہے، شامی میں ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ تعزیر باخذ المال جائز نہیں ہے۔"والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال"(شامی۶/۱۰۶)۔

۳-تعزیر بالمال کے بابت ائمہ حنفیہ میں سے کسی کا قول جواز کا ہے اور اس کی کیا حیثیت ہے؟

یہ بات گذر چکی ہے کہ ائمہ حنفیہ تعزیر بالمال کی مندرجہ ذیل قسمیں (۱) تعزیر باتلاف المال، ۲-تعزیر بتغییر المال، ۳-تعزیر بحرمان المال سب کے نزدیک جائز ہے، کتب فقہیہ کے حوالے پہلے سوال میں گزر چکے ہیں، البتہ تعزیر باخذ المال امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، "وعن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة الثلاثة لايجوز"(فتح القدیر ۵/۳۳۰، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

جواز کی روایت کا درجہ:

تعزیر باخذ المال کے جواز کی روایت امام ابو یوسفؒ کی ہے، لیکن یہ مسئلہ ایسا ہے جس کا تعلق قضاء کے باب سے ہے، اور قضاء کے باب میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے، "قول فرع بالقضا تعلقا، قول ابی یوسف فيه ينتقى"(رسم المفتی/۴۵)۔

"ما في البحر-قبيل فصل الحبس-قال:وفى "القنية"-من باب المفتي:الفتوى على قول ابى يوسف فيما يتعلق بالقضاء؛لزيادة تجربة، وكذا فى البزازية، من القضاء-انتهى، اى لحصول زيادة العلم بتجربة، ولهذا رجع ابو حنيفه عن القول بأن الصدقة أفضل من حج التطوع، لما حج، وعرف مشقته"(زاد في شرح البیری علی الاشباہ، أن الفتوی علی قول ابی یوسف ایضا فی الشہادات-رسم المفتی/ص ۱۴۶)۔

امام ابو یوسفؒ کی اس روایت کی تائید اس عبارت سے ہو رہی ہے جو فتح القدیر میں خلاصہ کے حوالہ سے منقول ہے کہ میں نے ایک ثقہ شخص سے سنا ہے کہ تعزیر باخذ المال کو اگر قاضی اور والی مصلحت کے مناسب سمجھے تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ تعزیر باخذ المال کے جواز کے قائل ہیں، "وما في الخلاصة سمعت من ثقة: أن التعزير بأخذ المال إن راى القاضى ذلك او الوالى جاز، ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال مبنى على اختيار من قال بذلك، ومن المشائخ كقول ابى يوسف"(فتح القدیر ۵/۳۳۰ مکتبہ زکریا دیوبند)، اس تفصیل سے چوتھا سوال بھی حل ہو گیا۔

۴-کیا فقہاء حنفیہ میں کسی کا فتوی اس قول پر ہے؟

علامہ ابن الہمام کی اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے اس قول کے کچھ مشائخ حنفیہ قائل ہیں، اگرچہ ان کے ناموں کی صراحت نہیں، یہاں تک کہ انہوں نے اس روایت کے مطابق فتوی بھی دیا کہ جو شخص جماعت میں حاضر نہ ہوتا ہو اس کو تعزیر باخذ المال کی سزا دی جاسکتی ہے۔

۵-ائمہ ثلاثہ یا مذاہب ثلاثہ کے فقہاء کے اقوال اس بابت کیا ہیں، کیا ان مذاہب میں اس بابت کچھ گنجائش ہے؟

علامہ ابن الہمام کی تحقیق سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) تعزیر باخذ المال کو ناجائز کہتے ہیں، "**وعن أبی یوسف یجوز التعزیر بأخذ المال وعندهما وباقی الأئمة الثلاثة لا یجوز**" (فتح القدیر ۵/ ۳۳۰)، البتہ دکتور عبدالعزیز بن عبداللہ العمیقان نے اپنے مقالہ میں تبصرۃ الحکام ۲/ ۱۶۳ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مالکیہ کے یہاں تعزیر بالمال جائز ہے۔

"**قال ابن فرحون(والتعزیر بالمال قال به المالکیة، ولهم تفصیل في ذلک فمن ذلک ماروی عن مالکؒ أنه قال في الفاسق الذي یاوی إلیه الفساق، وأهل الخمر یخرج من داره وتباع علیه، وکذاروی عنه انه کان یستحب أن یحرق بیت الخمار المسلم الذی یبیع الخمر، وکذا النصرانی بعد ان یزجر عن ذلک، ولم ینزجر**" (تبصرۃ الحکام ۲/ ۱۶۳)۔

یعنی ابن فرحون نے کہا کہ مالکیہ کے نزدیک تعزیر بالمال جائز ہے، اور ان کی تفصیل اس سلسلہ میں امام مالکؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس فاسق کے بارے میں ارشاد فرمایا جس کے پاس فاسق اور شرابی لوگ آتے ہوں تو اس کو اس کے گھر سے نکال کر گھر بیچ دیا جائے گا اسی طرح امام مالکؒ سے روایت ہے کہ مسلمان شراب فروش کے گھر کو جلا دیا جائے گا جس گھر میں وہ شراب بیچتا ہے، ان کے علماء میں سے ابن القطان اندلسی اور عتاب کے فتوی بھی اس روایت کے مطابق ہیں۔

"**وافتی أحد علمائنا، وهو ابن القطان الاندلسی، في الملاحف الرائیة النسج بأن تحرق وافتی غیره وهو عتاب بتقطیعها والصدقة بها**" (تبصرۃ الحکام ۲/ ۱۶۳)۔

مذہب حنابلہ: ابن رجب حنبلی نے ایک سو چالیس نمبر قاعدہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس شخص سے نفس وعضو کے تلف کرنے کی سزا اگر ساقط ہو جائے تو اس پر بڑھا کر مالی جرمانہ لگایا جائے گا اور پھر اس پر کئی مسائل متفرع کئے ہیں۔

۱-جب کوئی مسلمان کسی ذمی کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان کی دیت کا ضمان واجب ہوگا۔

۲-اگر کسی شخص نے غیر محفوظ مقام سے کچھ چرا لیا تو مالی جرمانہ اس سے بڑھا کر لیا جائے گا اور کہا گیا ہے کہ یہ پھلوں کے ساتھ خاص ہے۔

۳-اسی طرح گم شدہ چیز اگر کسی نے چھپالی تو اس سے اس چیز کی دوگنی قیمت وصول کی جائے گی، امام احمد بن حنبل نے ابن منصور کی روایت میں اس کی صراحت کی ہے اور علت یہ بیان فرمائی ہے کہ دوگنا ضمان قطع ید کو دفع کرنے کی وجہ سے ہے۔

ابن رجب حنبلیؒ اس قاعدے اور اس کے تحت بیان کی جانے والی جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر بالمال ان کے یہاں جائز ہے۔

"وقال ابن رجب فی القواعد (القاعدة الاربعون بعد المأة):من سقطت عنه العقوبة باتلاف نفس أو طرف مع قيام المقتضى له المانع، فإنه يتضاعف عليه الغرم، ويتخرج على ذلک مسائل منها: إذا قتل مسلم ذميا عمداضمنه بدية مسلم، ومنها: من سرق من غير حرز، فإنه يتضاعف عليه الغرم نص عليه، وقيل يختص ذلک بالثمر والكثر، ومنها: الضالة يضمن بقيمتها مرتين نص عليه احمد فی رواية ابن منصور معللا بان التضعيف فی الضمان هو لذک القطع وهذامتوجه على أصله فی قطع جاحد العارية"(القواعد فی الفقہ الاسلامی رص ۳۱۱، ۳۱۲)۔

"مذهب الشافعية:يرى بعض العلماء عدم جواز التعزير بالمال، وهذا قول الشافعية في المذهب الجديد اما القديم فهو موافق لمن قال بجواز التعزير بالمال۔

قال العلامة ابو ايضاء الشبراملسیؒ: لا يجوز على الجديد بأخذ المال" (حاشیہ ابوالشبر املسی علی نہایۃ المحتاج ۱۹/۸)۔

"وقالا لجردانی: ولا يجوز التعزير بحلق اللحية ولا بأخذ المال" (فتح العلام بشرح مرشدالانام ۹۰۶/۳، بحوالہ مقالہ "التعزیرات المادیہ فی الشریعۃ الاسلامیۃ للدکتور عبدالعزیز بن زید بن عبداللہ العمیقان)۔

یعنی شافعیہ کے یہاں تعزیر باخذ المال جدید قول کے مطابق جائز نہیں ہے، جیسا کہ اوپر حوالے موجود ہیں۔

مذکورہ وضاحت کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ تینوں مذاہب میں تعزیر باخذ المال کا جواز منقول ہے۔

۶- غیر معمولی حالات میں جب جرائم کی کثرت ہو خصوصا ہندوستان جیسے ملک میں کہ جہاں کسی عربی واستاذ کو قانونا اپنے زیر تربیت اور زیر تعلیم بچوں کو مارنا جرم ہو اور وعظ ونصیحت سے وہ باز نہ آتا ہو تو ایسی صورت میں مذہب کے قول ضعیف پر فتوی دینا، نیز رسم المفتی کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ قضاء کے مسائل میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی جائے گی، تو وہ قول ضعیف نہیں رہ جاتا، اس پر فتوی دینا جائز ہے۔

۷- یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ تعلیمی اداروں میں خصوصا دینی تعلیمی اداروں میں طلبا پر جو مالی جرمانہ لگایا جاتا ہے وہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ وہ غیر تعلیمی مشاغل میں شامل نہ ہوں اور اپنی توجہ مکمل طور پر تعلیم پر مبذول کریں، نیز غیر اخلاقی اعمال کو چھوڑ کر اپنی زندگی اچھی سے اچھی بنانے کی کوشش کریں اور یہ سب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دائرے میں آتا ہے اس لئے ہندوستان جیسے ملک میں جہاں طلباء کو مارنا قانونا جرم ہے مالی جرمانہ عائد کرنا ایک امر شرعی کی وجہ سے ہوا، اس لئے تعلیمی اداروں میں مالی جرمانہ عائد کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا، البتہ اس میں وہ تفصیل مدنظر رہنا چاہئے کہ اگر کچھ دنوں تک مال اپنے پاس روکنے سے وہ طالب علم اپنے جرم سے باز آ سکتا ہو تو وہ پیسے واپس کر دیئے جائیں، اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو ذمہ دار، مدرسہ میں صدقہ کی رسید

کٹوائے اوراس پیسے کومدرسہ میں خرچ کردے اپنے پاس نہ رکھے،اور سلطان (بادشاہ)اورحاکم کے علاوہ ہروہ شخص مالی جرمانہ کی سزا دے سکتا ہے جواللہ کے واسطے دین کی خدمت انجام دے رہا ہواوراس ادارے یامدرسہ کا ذمہ دار ہو۔

”**وقال التمرتاشي: يجوز التعزير الذى يجب حقا لله تعالى لكل أحد بعلة البناية عن الله**“(فتح ۵/ ۳۴۰ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

”**وذكر الامام التمرتاشى أن التعزير الذى يجب حقالله يلى اقامته كل أحد بعلة النيابة عن الله تعالى**“(العنایہ علی فتح القدیر ۵/ ۳۲۰)۔

۸- ہاؤسنگ سوسائٹیاں (انجمن امداد باہمی) کا مقصد ضرورت مندوں کی ضرورت میں کام آنا اورقرضہ دے کروقتی طور پران کا کام نکالنا ہوتو یہ کارخیر ہےاوراس کے لئے مالی جرمانہ عائد کرنا تاکہ قرض داروقت پرقرضہ ادا کردے اس وقت جائز ہوگا جبکہ شواہد سے یہ بات ثابت ہوجائے کہ وسعت کے باوجود یہ قرض ادانہیں کررہا ہے حیلے بہانے اورٹال مٹول کررہا ہے، اوراگرتنگی کی وجہ سے وہ قرضہ ادانہیں کررہا ہےتو اس پرجرمانہ عائد کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے،”**وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسره**“(سورۂ بقرہ:۲۸۰)(اوراگروہ تنگ دست ہوتواس کومہلت دینا ہے وسعت آنے تک)۔

پھرجس شکل میں مالی جرمانہ جائز ہےاس میں بھی یہ شرط ہے کہ ہاؤسنگ سوسائٹی کا ذمہ داراس مالی جرمانے کی رقم اپنی ذات پرخرچ نہ کرے بلکہ جہاں مسلمانوں کے لئے خیراور مصلحت ہووہاں خرچ کرے۔

”**لا أن ياخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة......وارى أن يأخذها فيمسكها، فإن أيس من توبة يصرفها إلى ما يرى**“(شامی۶/ ۱۰۶ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

۹- برادریاں یاخاندانی پنچائتیں جومالی جرمانہ کا نظام بناتی ہیں اگراس کی اجازت دی گئی توظلم وعدوان کا دروازہ کھل جائے گا عام طور پراس طرح کی پنچائتیوں میں دیکھا گیا ہے کہ جوزورآور ہوتا ہے وہ اپنی بات منوالیتا ہے اگرچہ وہ غلطی پرہی کیوں نہ ہو،اس لئے مالی جرمانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:”**لا يحل مال امرء مسلم الا بطيب نفسه**“(رواہ الدارقطنی)۔

۱۰،۱۱-اس میں کوئی شک نہیں کہ طلاق دینے میں افراط وزیادتی چل رہی ہے،لیکن اس سے بھی انکارنہیں کیا جاسکتا کہ اس زمانہ میں بہت بڑی حدتک مردوں پرزیادتیاں ہورہی ہیں، مجبوراوہ طلاق دیتا ہےاورپھراس کوظالمانہ بنادیا جاتا ہے،اورپھراس پرجھوٹے سچے مقدمے قائم کردیئے جاتے ہیں، اورپھرہم مزید مالی جرمانہ جائز قراردیں تو مردمزید مظلوم بن جائے گا، البتہ نکاح کے وقت مہرمقرر کرنے میں سوجھ بوجھ سے کام لیا جائے اورمناسب مہررکھا جائے اورنکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ اگربے جا طلاق دی گئی یا تین طلاقیں ایک ساتھ دی گئیں تومتعہ کے طور پرمزید اتنی رقم اوردینی ہوگی یہ شرط شرط فاسد ہے جونکاح میں خودفاسد ہوجاتی ہے، نکاح پر کوئی اثرنہیں پڑتا، فتاوی محمودیہ(۱۰/ ۵۲۸)میں لکھا ہے کہ اگرلڑکی کا والدیہ شرط لگادے کہ مہرمعاف کرنے اورنہ کرنے کا اختیارلڑکی

کے والد کو ہوگا تو اس کو شرط فاسد شمار کیا ہے، اور مہر کی معافی کا اختیار لڑکی کو ہی ہوگا اور یہ شرط فاسد ہو جائے گی، کیونکہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا وہ شرط ہی فاسد ہو جاتی ہے۔

”(وصح حطها)وقيد بحطها، لأن حط أبيها غير صحيح ولو صغيرة“(شامی باب المہر مطلب فی حط المہر)۔

البتہ اس شرط کا اثر مہر کے باب میں یہ پڑے گا کہ مہر کا تسمیہ باطل ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا، اس کی نظیر وہ جزئیہ ہے کہ جس میں یہ شرط لگائی جاتی ہے، کہ اگر شوہر بیوی کو اس شہر میں لے کر رہے گا تو مہر اتنا ہوگا اور اگر اس شہر سے نکال کر لے جائے گا تو مہر اتنا ہوگا تو ایسی صورت میں تسمیہ باطل ہو جاتا ہے اور مہر مثل واجب ہوتا ہے (فتح القدیر ۳/ ۳۳۵، مکتبہ زکریا دیو بند)۔

☆☆☆

تعزیر مالی سے متعلق فقہاء کا موقف

مولانا محمد ممتاز خان ندوی☆

۱-تعزیر بالمال کا مطلب:

کسی سے جرم یا کوتاہی یا غفلت کے سبب بغیر حق شرعی اس کے مال روک لینے یا تلف کر دینے یا اس کی شکل تبدیل کر دینے یا غیر کو اس کا مالک بنا دینے کو تعزیر بالمال کہتے ہیں (موسوعہ فقہیہ ۱۲/ ۳۱۳)۔

(ب) تعزیر بأخذ المال اور تعزیر بالمال میں فرق:

راقم کے نزدیک تعزیر بأخذ المال اور تعزیر بالمال میں فرق یہ ہے کہ تعزیر بأخذ المال کا مطلب یہ ہے کہ مال بطور تعزیر لیا جائے، اور جب مجرم گناہوں سے توبہ کر لے، تو وہ مال اس کو واپس کر دیا جائے، اور تعزیر بالمال کا مطلب یہ ہے کہ بطور تعزیر مال لے کر اس کو دینے کے بجائے حکومت، سوسائٹی اور ادارے اپنے کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں، اور کسی دوسرے کو مالک بھی بنا سکتے ہیں، یا اس کو برباد کر سکتے ہیں۔

الفقہ الإسلامی وادلتہ میں ہے:" **ومعنى التعزير بأخذ المال على القول عند من يجيزه هو إمساك شئی من مال الجانی عنه مدة لينزجر عما اقترفه، ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأ خذ الحاكم لنفسه أو لبيت المال** "(الفقہ الإسلامی وادلتہ ۷/ ۵۵۹۶۔ مستفاد از موسوعہ فقہیہ ۱۲/ ۳۱۳)۔

(مال لے کر تعزیر کا مطلب ان لوگوں کے قول کے مطابق جن کے یہاں مال لے کر تعزیر جائز ہے، یہ ہے کہ مجرم کا مال اپنے پاس کچھ مدت اس کے جرم کی وجہ سے بطور تنبیہ روکنا ہے، پھر حاکم اس کو مال واپس کر دے گا، حاکم اپنے لئے یا بیت المال کے لئے مال نہیں لے گا)۔

۲-تعزیر بالمال میں حنفیہ کا معروف مسلک:

تعزیر بالمال میں حنفیہ کا معروف مسلک یہ ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے۔

درمختار میں ہے:"**لا بأخذ مال فی المذهب**" (درمختار علی الرد ۶/ ۱۰۵)۔

☆ استاذ مدرسہ ضیاء العلوم، میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب'' البنایہ'' میں ہے:''وعندهما، یعنی الإمام أبو حنيفة ومحمد والشافعی ومالک رحمهم الله لا یجوز بأخذ المال'' (البنایہ ۲۸/۳ ۷)(اوران دونوں کے نزدیک یعنی امام ابوحنیفہ امام محمد امام شافعی اور امام مالک رحمھم اللہ کے نزدیک مال لے کر تعزیر جائز نہیں ہے)۔

۳-(الف): احناف میں امام ابویوسفؒ تعزیر بالمال کے قائل ہیں:

احناف میں امام ابویوسفؒ کے نزدیک تعزیر بالمال جائز ہے،'' ردالمحتار'' میں'' فتح القدیر'' کے حوالہ سے ہے۔

''وعن أبی یوسفؒ یجوز التعزیر.......بأخذ المال'' (ردالمحتار علی الدر ۶/ ۱۰۵-۱۰۶)(اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک مال لے کر تعزیر جائز ہے)

(ب) امام ابویوسفؒ کے قول کی حیثیت:

اگر گہرائی سے امام ابویوسفؒ کے قول کا جائزہ لیا جائے، تو امام ابویوسفؒ کا قول شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہے، اور اقرب إلی الفقہ ہے، کیونکہ اگر کسی مسلمان سے کسی کا جرم ارتکاب ہوجاتا ہے، تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے، اسی طرح مالی سزا بھی عائد ہونی چاہئے، کیونکہ انسانی جسم مال کے مقابلہ میں زیادہ قابل احترام ہے، اور انسانی جسم طیب نفس سے حلال نہیں ہوتا ہے، جبکہ مال طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، چنانچہ متاخرین فقہاء احناف نے امام ابویوسفؒ کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے۔

''وفی الخلاصة سمعت من ثقة أن التعزیر یأخذ المال رأی القاضی ذلک أو الوالی جاز، ومن جملة ذلک رجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیر بأخذ المال'' (البحرالرائق ۴/ ۴۱)(خلاصہ میں ہے کہ میں نے بعض معتمد لوگوں سے سنا ہے کہ قاضی یا والی کی صوابدید کے مطابق مالی تعزیر جائز ہے، اور اسی کے منجملہ یہ ہے کہ کوئی آدمی (نماز کی) جماعت میں نہ آتا ہو، تو مال لے کر اس کی تعزیر جائز ہے)۔

جن فقہاء نے مالی تعزیر کو ناجائز کہا ہے، اس کی وجہ انہوں نے حکام کے ظلم کو قرار دیا ہے، انہوں نے یہ رائے مصلحت کی بنیاد پر دی ہے، اگر ظلم کا پہلو نہ ہوتا ہو، تو ان کی رائے بھی یہی ہوگی۔

۴-فقہاء احناف میں امام ابویوسفؒ کے قول کے مطابق فتوی:

فقہاء احناف میں تعزیر بالمال کے قائل درج ذیل حضرات ہیں، اور اسی پر ان کا فتوی بھی ہے۔

(۱) صاحب'' معین الحکام'' علامہ طرابلسیؒ تعزیر بالمال کے قائل ہیں۔

''معین الحکام'' میں ہے:''یجوز التعزیر بأخذ المال'' (معین الحکام ص ۲۳۱)(مال لے کر تعزیر جائز ہے)۔

(۲) امام کردریؒ تعزیر بالمال کے قائل ہیں، فتاوی بزازیہ میں ہے:''قال الإمام الکردریؒ والتعزیر بأخذ المال أن المصلحة فیه جائزة'' (البزازیہ بھامش الھندیہ ۶/ ۴۲۷)(امام کردریؒ نے فرمایا: مال لے کر تعزیر جائز ہے، اس میں مصلحت

جواز کی ہے)۔

(۳)امام بابرتیؒ تعزیر بالمال کے قائل ہیں،عنایہ میں ہے:"أن التعزیر من السلطان یأخذ المال جائز"(عنایہ بھامش الفتح ۴/ ۲۱۲)(سلطان کے لئے مال لے کرتعزیر جائز ہے)۔

(۴) فقہاء متأخرین میں علامہ ابن عابدین شامیؒ بھی تعزیر بالمال کے قائل ہیں۔

"وأری أن یأخذالحاکم من مال الجانی فیمسکه عنده، فإن أیس من توبته یصرفه إلی ما یری من المصلحة"(ردالمحتار علی الدر ۱۰۶/۶)(اور میں سمجھتا ہوں کہ حاکم مجرم کا مال لے سکتا ہے،تو اس مال کو اپنے پاس روکے رکھے گا،تو اگر حاکم توبہ سے مایوس ہوجائے،تو اس مال کو جہاں مصلحت دیکھے صرف کرسکتا ہے)۔

(۵)ماضی قریب میں مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کا فتوی بھی تعزیر بالمال کے جواز کا ہے،مولانا ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:(تنبیہ کے لئے مالی جرمانہ لینا جائز ہے)(فتاوی عبدالحی ص ۳۵۹)۔

(۶) مولانا تقی عثمانی صاحب اور مولانا خالد سیف اللہ صاحب تعزیر بالمال کے قائل ہیں(درس ترمذی ۵/قاموس الفقہ ۲/)۔

۵-(الف) تعزیر بالمال کی بابت أئمہ ثلاثہ کے اقوال:

تعزیر بالمال میں امام شافعیؒ کا مسلک:

تعزیر بالمال کے سلسلہ میں امام شافعیؒ کے دوقول ہیں(۱)قول جدید(۲)قول قدیم

جدید قول کے مطابق تعزیر بالمال جائز نہیں ہے،اور قدیم قول کے مطابق تعزیر بالمال جائز ہے۔

"حواشی السروانی"میں امام شافعیؒ کے قول کی صراحت اس طرح ہے:"ولا یجوز علی الجدید بأخذ المال"(حواشی السروانی ۱۷۹/۹)(جدید قول کے مطابق مال لے کرتعزیر جائز نہیں ہے)۔

"نهایة المحتاج"کے حاشیہ میں ہے:"وقال أبو الضیاء علی بن علی القاهری الشافعیؒ..ولا یجوز علی الجدید بأخذ المال"(حاشیہ ابی الضیاء علی نهایة المحتاج ۱۹/۸)(جدید قول کے مطابق مال لے کرتعزیر جائز نہیں ہے)۔

امام مالکؒ کا قول:

امام مالکؒ کا مشہور قول یہی ہے کہ تعزیر بالمال جائز ہے،تبصرۃ الحکام میں علامہ ابن فرحونؒ نے امام مالکؒ کا قول یوں نقل کیا ہے:"التعزیر بالمال قال به المالکیة"(تبصرۃ الحکام ص ۲۶۷)۔

"فقہ السنۃ"میں ہے:"وبه قال مالکؒ"(فقہ السنہ ۲۹۵/۳)۔

"الفقہ الإسلامی وادلتہ"میں ہے:"أن التعزیر بالعقوبات المالیة مشروع فی مواضع مخصوصة فی مذهب مالک فی المشهور عنه"(الفقہ الإسلامی وادلتہ ۵۵۹۶/۷)۔

جبکہ امام مالکؒ کا غیر مشہور قول تعزیر بالمال کے عدم جواز کا ہے، عنایہ بھامش الفتح میں ہے:

"وعند هما: والشافعي ومالک رحمهم الله لا يجوز بأخذ المال" (عنایہ بھامش الھندیہ ۴/ ۲۱۲)۔

امام احمد بن حنبلؒ کا قول:

امام احمد بن حنبلؒ کے اس سلسلہ میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، فقہ حنفی کی معروف اور معتمد علیہ کتاب: المغنی میں ہے: "ولا أخذ ماله؛ لأن الشرع لم يرد شئ من ذلک" (المغنی ۹/ ۱۷۸)۔

جبکہ ان کا دوسرا قول جواز کا ہے، الإقناع میں ہے: "التعزير بالمال إتلافاً وأخذاً" (الإقناع ۴/ ۲۰۷)۔

لیکن راجح قول تعزیر بالمال کے عدم جواز کا ہے۔

(ب) أئمہ ثلاثہ کے اقوال میں تعزیر بالمال کی گنجائش:

ان اقوال کی روشنی میں یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں مفتی بہ قول جدید ہوتا ہے، قول قدیم ان کے یہاں مفتی بہ نہیں ہوتا ہے، لہذا امام شافعیؒ کے یہاں قول جدید کے لحاظ سے تعزیر بالمال جائز نہیں ہے۔ جبکہ امام مالکؒ کے مشہور قول کے مطابق تعزیر بالمال جائز ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ کے راجح قول کے مطابق تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، لیکن مرجوح قول کے مطابق تعزیر بالمال جائز ہے۔

۶-ضرورت کے وقت قول ضعیف پر عمل:

خصوصاً دور حاضر میں جس میں معاصی اور منکرات کے بادل چھائے ہوئے ہیں، اور لوگ معاصی ور منکرات انجام دینے میں نڈر ہو گئے ہیں، اور زبان سے سمجھانا بجھانا بے اثر ہو رہا ہے، اور جسمانی سزا دینے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت میں راقم کے نزدیک قول ضعیف اور دوسرے قول پر تعزیر بالمال کے جواز کا فتوی دینا جائز ہوگا، حنفیہ کے یہاں ضرورت کے وقت قول ضعیف پر فتوی دیا گیا ہے، درج ذیل اس کی مثال ملاحظہ فرمائیں۔

۱-احتلام کے وقت شرمگاہ کو پکڑنا:

مسئلہ یہ ہے کہ حضرات طرفین کے نزدیک اگر منی اپنی اصلی جگہ سے شہوت کے ساتھ ہٹ جائے، تو منی باہر آتے ہی بہر حال غسل واجب ہو جاتا ہے، خواہ شرمگاہ سے باہر نکلتے وقت شہوت ہو یا نہ ہو، اور ابو یوسفؒ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ غسل کی فرضیت میں منی کا شہوت کے ساتھ آنا ضروری ہے، اگر بلا شہوت باہر نکلے، تو غسل واجب نہ ہوگا، اگر چہ کہ اصل جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا نہ ہوئی ہو، اس مسئلہ میں طرفین کا قول ظاہر مذہب ہے، اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ضعیف ہے، لیکن اگر مسافر ہو یا کسی جگہ مہمان ہو، اور غسل جنابت کرنے میں شرم آتی ہو، اور اس پر تہمت کا اندیشہ ہو، تو حضرات فقہاء کرام نے ایسے شخص کے لئے اجازت دی ہے اگر وہ انزال کے وقت عضو مخصوص کو پکڑ لے، اور منی نہ نکلنے دے، اگر شہوت بالکل ختم ہو جانے کے بعد منی خارج ہو، تو امام ابو یوسفؒ کے مطابق اس

پر غسل ضروری نہ ہوگا، حالانکہ یہ حکم ظاہر مذہب کے خلاف ہے، اور ضعیف قول ہے، لیکن ضرورۃً اس پر فتوی دیا گیا ہے۔

"بدليل أنهم أجاز وللمسافر والضعيف. إلى قوله .لكن أجاز وا للأخذ به للضرورة" (رسائل ابن عابدین ص ۱۰۱)۔

نیز اسی طرح راقم کے نزدیک ضرورۃً دوسرے مذہب کے جواز والے قول پر عمل کی گنجائش ہونی چاہئے، کیونکہ متاخرین فقہاء احناف نے ضرورت کے وقت دوسرے کے قول پر فتوی دینے کو جائز قرار دیا ہے، مفقود الخبر کی بیوی کو زندگی بھر نکاح سے محروم رکھنا ایک مشکل بات تھی، اور بہت سے فتنوں کا باعث بن سکتی تھی، اس وجہ سے متاخرین فقہاء احناف نے اس مسئلہ میں مالکیہ کی رائے اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔

حسب المفتیین میں ہے: "قول مالك معمول به في هذه المسئلة ،وهو أحد قول الشافعي ولو أفتى الحنفي بذلك يجوز فتواه؛ لأن عمر قضى هكذا في استهوته الجن وكفى به إماماً" (فتاوی عبدالحی ص ۳۱۱)۔

(اس مسئلہ میں امام مالکؒ کا قول قابل عمل ہے، اور یہی امام شافعیؒ کا بھی ایک قول ہے، اور اگر حنفی اسی کے مطابق فتوی دے دے، تو اس کا فتوی دینا جائز ہوگا، اس لئے حضرت عمرؓ نے اس شخص کے حق میں جس کو مدینہ منورہ سے جن اٹھا کر لے گیا تھا، ایسا ہی فیصلہ کیا تھا، اور وہ بحیثیت امام کافی ہیں)۔

اس بحث کی روشنی میں راقم کے نزدیک امام ابو یوسفؒ کے قول ضعیف اور ان ائمہ کے قول پر فتوی دینا جن کے نزدیک تعزیر بالمال کی گنجائش ہے، ضرورۃً فتوی دینا جائز ہے۔

۷-طلباء سے مالی جرمانہ لینا:

طلباء کی غفلت اور لاپرواہی اور کوتاہی کے سبب، جبکہ زبانی فہمائش کارآمد نہ ہو اور تعلیمی اداروں کا نظام مختل ہو رہا ہو، تو راقم کے نزدیک طلباء سے مالی جرمانہ لینا جائز ہے، لیکن جو طلباء مالی لحاظ سے کمزور ہیں، اگر ان سے مالی جرمانہ لیا جائے، تو بہتر یہ ہے کہ کچھ مدت کے بعد واپس کر دیا جائے، اور جو طلباء مالی لحاظ سے مضبوط ہیں، تو ادارہ جرمانہ کی رقم اپنے کاموں میں استعمال کر سکتا ہے، مالی جرمانہ کا جواز درج ذیل حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

(۱) سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، جو شخص اپنا مال اجرت کے طور پر دے، اس کے لئے اجر ہے، اور جو مال کی زکوۃ ادا نہ کرے گا، تو میں زکوۃ بھی لوں گا، اور اس مال میں سے کچھ حصہ بھی بطور تاوان لوں گا، جو میرے پروردگار کی جانب سے ہوگا، البتہ ان میں سے کچھ میری آل کے لئے حلال نہیں ہوگا۔

"من أعطى ماله موتجراًفله أجرها، ومن منعهافأنا آخذها وشطرها ماله عزمة من عزمات ربناعزوجل ليس لآل محمد منها شئ" (سنن نسائی، باب عقوبۃ مانع الزکوۃ ۱/ ۳۳۵)۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے: عبدالرحمن بن حاطب بن ابی بلتعہ کے غلاموں نے ایک اونٹ چرا کر ذبح

کردیا، جس کا چمڑا اور سر ان کے پاس پایا گیا، لوگ حضرت عمرؓ کے پاس معاملہ لائے، آپؓ نے پہلے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، پھر تھوڑی دیر سوچ کر غلاموں کو طلب فرمایا، اور عبدالرحمٰن سے کہا، میں کہتا ہوں کہ تم ان سے کام بھی لیتے ہو اور ان کو بھوکا بھی رکھتے ہو، اور بدسلوکی بھی کرتے ہو، یہاں تک کہ اگر وہ کوئی حرام چیز بھی پالیں، تو ان کے حق میں حلال ہو جائے، پھر اونٹ والے سے دریافت کیا کہ تم اونٹ کتنی قیمت میں دے سکتے تھے؟ اس نے کہا چار سو درہم میں، حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن سے فرمایا: تاوان کے ساتھ آٹھ سو روپئے ادا کرو۔ "**قم فاغرم لهم ثمان مأة درهم وفى رواية لأغر منک غرماًمایشق عليک فاغرمه مثلى قيمتها**" (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰/ ۲۳۹)۔

یہ روایت اور اثر مالی جرمانہ کے باب میں بالکل صریح ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تاوان وصول کر کے دوبارہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

فقہاء متاخرین نے مالی جرمانہ کو جائز قرار دیا ہے، فقہ حنفی کی معروف کتاب: البحرالرائق میں ہے: "**فى الخلاصة سمعت من ثقة أن التعزير يأخذ المال أن رأى القاضى أوالوالى جاز، ومن جملة ذلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال**" (البحرالرائق ۴/ ۴۱)۔

فقہاء متاخرین میں علامہ شامیؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

"**وأرى أن يأخذ الحاكم مال الجانى ،فيمسكه عنده، فإن أيس من توبته يصرفه إلى مايرى من المصلحة**" (ردالمحتار علی الدر ۶/ ۱۰۶)۔

ماضی قریب کے مسلّمہ مستند اور جید فقیہ مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ نے بھی مالی تعزیر کے جواز پر فتوی دیا ہے، مولانا ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: (تنبیہ کے لئے جائز ہے) (فتاوی عبدالحی ص ۳۵۹)۔

مولانا تقی عثمانی صاحب مالی جرمانہ کے تعلق سے جو تحریر فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلباء سے مالی جرمانہ لیا جا سکتا ہے، مولانا تحریر فرماتے ہیں:

"لیکن تعزیر بالمال کے عدم جواز پر مجھے کوئی صریح عام طور پر فقہاء کرام اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جس میں حضور ﷺ نے فرمایا: "**لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه**" (مسند احمد: (۲۰۶۹۵))۔

یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں، لیکن یہ استدلال کمزور ہے، اس لئے کہ حدیث میں وہ مسلمان کا ذکر ہے، جو کسی گناہ اور برائی کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہو، تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جا سکتی ہے، اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جا سکتی ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے حلال نہیں ہوتا ہے، لہذا کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہے، تو پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچ رہا ہے، تو سب کے نزدیک جائز ہے، تو مال جو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے، وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہئے" (درس ترمذی ۵/ ۱۱۹)۔

۸-ہاؤسنگ سوسائٹیوں کا مالی جرمانہ متعین کرنا:

اگر آدمی طے شدہ رقم تنگ دستی اور مفلسی کی وجہ سے نہیں دے پا رہا ہے، تو اس سے طے شدہ رقم وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں جرمانہ متعین کرنا راقم کے نزدیک جائز نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید میں وقت پر رقم ادا نہ کرنے کی صورت میں مہلت کی اجازت تو دی گئی ہے، لیکن الگ سے اضافہ کی بات نہیں کہی گئی ہے، سورۂ بقرہ کی آیت ہے: ''وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة'' (سورۂ بقرہ آیت ۲۸۰) (یعنی اگر قرض دار تنگ دست ہو، تو اس کو فراخی ہونے تک مہلت دو)۔ لہذا ایسی صورت میں ہاوزنگ سوسائٹی پر واجب ہے کہ مقررہ وقت پر رقم ادا نہ کرنے والے کو اس وقت تک مہلت دے، جب تک کہ اس کی تنگی دور نہ ہو جائے، اور اس کے لئے رقم کی ادائیگی ممکن ہو، اگر ایسی صورت میں تاخیر سے متعین رقم ادا کرنے والے سے ہاوزنگ سوسائٹی جرمانہ لے، تو یہ سود کے دائرہ میں آجائے گا۔

اور اگر آدمی خوش حال ہے، اور وہ رقم متعین وقت پر ادا کر سکتا ہے، تب بھی ہاوزنگ سوسائٹی کا تاخیر سے رقم ادا کرنے پر جرمانہ لینا راقم کے نزدیک جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے: ''لي الواجد يحل عقوبته وعرضه'' (ابن ماجہ، کتاب الصدقات ح (۲۴۲۷)) (مال دار شخص کا ٹال مٹول اور اس کی سزا اور اس کی آبروریزی کو حلال کر دیتا ہے) لیکن اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ '' يحل ماله ''یعنی اس کا مال حلال ہو جاتا ہے، فقہاء و محدثین میں سے کسی نے بھی عقوبت کی تفسیر مالی جرمانہ سے نہیں کی ہے۔

ہاوزنگ سوسائٹیوں کا مقررہ وقت پر رقم ادا نہ کرنے کی صورت میں مالی جرمانہ کے عدم جواز پر علامہ حطابؒ کی یہ عبارت بڑی صریح ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

''وأما إذا التزم أنه لم يوفق منه في وقت كذا فعليه كذا وكذا لفلان أو صدقة لمساكين فهذا هو محل الخلاف المعقود له هذا الباب فالمشهور أنه لايقضى به'' (تحریر الکلام للحطابؒ ص ۱۷۶)۔

(یعنی اگر کسی نے یہ التزام کرلیا کہ اگر اس نے اس کا قرض فلاں وقت تک ادا نہیں کیا، تو اس کے ذمہ فلاں چیز مدعی کے لئے لازم ہو جائے گی، صریح ربا ہونے کی وجہ سے یہ چیز باطل ہو جائے گی، چاہے وہ دین کی جنس میں سے ہو یا نہ ہو، اور چاہے وہ کوئی متعین چیز ہو یا منفعت ہو)۔

اس کی تائید ''محمود الفتاوی'' کے اس فتوی سے بھی ہوتی ہے، استفتاء کی غرض سے استفتاء و فتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

سوال: میرا ایک فلیٹ ہے، اس کا مینٹیننس ۳۰۰۰ روپئے ہے، ہر ماہ کی بیس تاریخ تک بھرنا ہوتا ہے، اگر ادا نہ کرنے میں تاخیر ہوگئی، تو ۲ فیصد پینلٹی لگائی جاتی ہے، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ تاخیر ہونے کی وجہ سے کمیٹی ممبران کا پینلٹی لگا کر زائد رقم کا مطالبہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً ومسلماً: منٹیننس کی مقررہ رقم کی ادائیگی میں تاخیر ہونے پر کمیٹی ممبران کا جرمانہ کے طور پر اکیس فیصد مزید وصول کرنا جائز نہیں ہے (محمود الفتاوی ۳/۲۸۰)۔

۹- برادری، خاندانی پنچائتیں اور کاروباری انجمنوں کا دباؤ اور اصلاح کی غرض سے جرمانہ لگانا:

برادری اور خاندانی پنچائتیں، نیز کاروباری انجمنوں کا محض دباؤ کی وجہ سے مالی جرمانہ لینا راقم کے نزدیک جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اس حدیث پاک کے خلاف ہے۔

"**لایحل مال امری مسلم إلا بطیب نفس منه**" (مسند احمد: ۲۰۶۹۵۰) (یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیب نفس کے بغیر حلال نہیں ہوتا ہے)۔

لیکن اگر برادریاں اور خاندانی پنچائتیں نیز کاروباری انجمنیں اصلاح کی غرض سے اس قسم کا نظام بنائیں، تو راقم کے نزدیک جائز ہے، اس کی تائید کنز العمال کی اس حدیث سے ہوتی ہے:

"**عن ابن عمرؓ أن النبی صلی الله علیه وسلم من وجد تموه غل فی سبیل الله فأحرقوه متاعه، قال صالح: فدخلت علی سلمة ومعه سالم بن عبد الله فوجد رجلاً قد غل فحدث سالم بهذا الحدیث، فأمر به فأحرق متاعه فوجد فی متاعه مصحف، فقال سالم: بع هذا، وتصدق بثمنه**" (کنز العمال ۴/۳۹۳) (حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی شخص کو پاؤ کہ اس نے اللہ کے راستے میں خیانت کی ہے، تو اس کا سارا سامان جلا دو، صالح کہتے ہیں کہ میں مسلمہ کے پاس گیا، ان کے ساتھ سالم بن عبد اللہ بھی تھے، انہوں نے ایک شخص کو مال غنیمت میں چوری کا مرتکب پایا، تو حضرت سالم بن عبد اللہ نے یہ حدیث بیان کردی، اس پر مسلمہ نے اس کا سامان جلانے کا حکم دیا، اس کے سامان میں ایک قرآن مجید نکلا، تو حضرت سالم نے فرمایا: اسے بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کردو)۔

اسی طرح کے ایک استفتاء میں علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ نے تعزیر بالمال کو جائز قرار دیا ہے، مولانا تحریر فرماتے ہیں: (تنبیہ کے لئے جائز ہے) (فتاوی عبدالحی ص/۳۵۹)۔

برادری اور خاندانی پنچائیتوں کا مالی نظام بنانا جائز تو ہے، لیکن اس سے بہتر شکل یہ ہے کہ اہل آبادی ایک جماعت مسلمین شرعی کمیٹی شرعی دار القضاء قائم کریں، جو دیانت دار، سمجھ دار، باثر معاملہ فہم مسلمانوں پر مشتمل ہو، اور کم از کم ایک عالم بھی شریک رکھیں جو اپنے دین وتقوی کے ساتھ مسائل متعلقہ سے اچھی طرح واقف ہو، پھر اس شرعی کمیٹی یا شرعی دار القضاء کے ذریعہ سے ایسی کوشش کی جائے کہ تعزیر بالمال کے بغیر قوم کا معاشرہ اصلاح پزیر ہوکر صالح معاشرہ بن سکے۔

۱۰- متعہ یا نصف مہر مقرر کرنا:

راقم کو احناف کی فقہ کی کتابوں میں اس کی کوئی تفصیل نہیں ملی ہے کہ طلاق کے وقت طلاق کی جن صورتوں میں احناف کے یہاں متعہ واجب نہیں ہے، ایسی صورتوں میں متعہ کو واجب قرار دیا جائے، یا جو مہر متعین ہوا ہے، الگ سے نصف مہر متعین

کر دیا جائے، تاکہ طلاق میں جو افراط وتفریط ہو رہی ہے، اس کے مسائل قابو میں رہیں۔

امام شافعیؒ کے مسلک میں یہ صراحت موجود ہے کہ مطلقہ موطوءہ عورت کے لئے متعہ جو کہ نصف مہر کی صورت میں ہوگا واجب ہوگا، کیونکہ شوہر نے اسے داغ مفارقت دے کر عورت کو وحشت میں مبتلا کر دیا ہے،،۔

''تحفہ المنھاج''میں ہے :''وكذا تجب لموطوء ة طلقت طلاقاً بائناًأو رجعياً ......والمتعة للإيحاش''(تحفہ المنھاج ۳/ ۲۹۳)۔

''ہدایہ''میں ہے:''لأنها وجبت صلة من الزوج؛ لأنه أوحشها بالفراق إلا أن فی هذه الصورة نصف المهر طريقة المتعة؛ ۵۶ لأن الطلاق فسخ فی هذه الحالة والمتعة لاتتكرر''(ہدایہ ۲/ ۳۴۸)۔

اس بابت راقم کی رائے ہے کہ طلاق میں افراط وتفریط کے پائے جانے میں ضرورۃً امام شافعیؒ کے مسلک کو اختیار کر کے جن مطلقہ میں متعہ واجب نہیں ہے، متعہ واجب کر کے بطور متعہ ایک خاص رقم، یا جو مہر متعین ہوا ہے، الگ سے نصف مہر شوہر پر جرمانہ کے طور پر متعین کرنا جائز ہوگا، ضرورت کے وقت دوسرے مسلک پر عمل کرنا جائز ہے، جیسے کہ اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

۱۱- نکاح کے وقت نکاح نامہ میں آدمی کو اس کا پابند بنانا:

راقم کے نزدیک طلاق میں افراط وتفریط کی وجہ سے امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کر کے جن عورتوں کے لئے متعہ مستحب ہے، اس کو واجب قرار دے کر متعہ کے طور پر ایک خاص رقم متعین کرنا یا جو مہر متعین ہوا ہے، الگ سے نصف مہر کی اجازت ہے، تو نکاح کے وقت نکاح نامہ میں آدمی کو اس کا پابند بنانا کہ اگر بیجا طور پر طلاق دی گئی یا تین طلاقیں ایک ساتھ دی گئیں، تو متعہ واجب مان کر ایک خاص رقم کی ادائیگی یا جو مہر متعین ہوا ہے، الگ سے نصف مہر کی ادائیگی لازم ہوگی، جائز ہے۔

☆☆☆

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

ڈاکٹر محی الدین غازی☆

۱-تعزیر بالمال کا مفہوم؟

فقہاء کے یہاں تین اصطلاحات ہیں، ایک ہے تعزیر فی المال، جس کا مطلب ہے کہ خرابی اور فساد خود مال میں پایا جائے، اور اس لئے بطور تعزیر اس مال کو سلب کرلیا جائے۔ دوسری اصطلاح ہے تعزیر بالمال جس سے مراد مالی جرمانہ لگانا ہے، خواہ جرم کا تعلق مال سے ہو یا نہیں ہو۔ تیسری اصطلاح ہے تعزیر بأخذ المال، اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک متعلقہ فرد تائب نہ ہوجائے اس کا مال اس کے قبضے سے باہر رکھا جائے، اور جب وہ تائب ہوجائے تو اسے واپس کردیا جائے۔ ان اصطلاحوں پر اتفاق کا دعوی کرنا درست نہیں ہوگا، البتہ کہیں نہ کہیں اصطلاح کا یہ فرق پایا جاتا ہے۔

۲- فقہاء احناف کا عام مسلک تو یہی ہے کہ تعزیر بالمال جائز نہیں ہے۔ ابن نجیم کے الفاظ میں: **"والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال"** (البحر الرائق)۔

۳- فقہاء احناف کا عام مسلک تعزیر بالمال کی ممانعت کا ہے، البتہ امام ابو یوسف کے یہاں اس کی گنجائش ملتی ہے، اس بارے میں متاخرین کا خیال یہ ہے کہ وہ مطلق تعزیر بالمال نہیں ہے، بلکہ مخصوص مفہوم میں تعزیر بأخذ المال ہے، اور تائب ہونے کی صورت میں وہ مال اسے واپس لوٹانا ضروری ہے، البتہ متاخر شارحین کے یہاں یہ بھی صراحت مل جاتی ہے کہ اگر وہ تائب نہیں ہوتو اسے وہ مال واپس نہیں لوٹایا جائے گا، اور قاضی اپنی صواب دید سے اس کا مصرف طے کردے گا۔ آخر الذکر صراحت سے تعزیر بالمال کی اجازت فقہ حنفی میں رہتے ہوئے بھی نکالی جاسکتی ہے۔

عربی نص ملاحظہ ہو: **"ولم يذكر محمد التعزير بأخذ المال، وقد قيل :روي عن أبي يوسف أن التعزير من السلطان بأخذ المال جائز كذا فى الظهيرية، وفى الخلاصة سمعت عن ثقة: أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلک أو الوالي جاز، ومن جملة ذلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال اه"** ۔

"وأفاد في البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شيء من ماله عنه مدة

☆ عمید کلیۃ القرآن، الجامعہ الاسلامیہ، شانتاپورم، کیرلا۔

لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة، إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي، وفي المجتبى لم يذكر كيفية الأخذ، وأرى أن يأخذها فيمسكها فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى، وفي شرح الآثار التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام، ثم نسخ.اه.والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال"(البحر الرائق(5/44)۔

اس حوالے سے ''فتاوی بزازیہ'' کی یہ عبارت بھی نقل کی جاتی ہے:(والتعزير بأخذ المال إن كانت المصلحة فيه جائز)۔

۴- حقیقت یہ ہے کہ تینوں مسلکوں میں اصل قول تو مالی تعزیر کے عدم جواز کا ہے، البتہ تینوں ہی مسلکوں میں گنجائش بھی کسی قدر ملتی ہے۔

امام نووی نے نقل کیا ہے کہ امام شافعی کا قدیم قول یہی تھا، گو کہ امام نووی کی مذکورہ ذیل عبارت کے سلسلے میں کچھ شارحین کا خیال یہ ہے کہ ان کا یہ بیان تعزیر بالمال کی حدیث میں منصوص صورتوں کے سلسلے میں ہے:

''وفى هذا الحديث دلالة لقول الشافعي القديم إن من صاد في حرم المدينة أو قطع من شجرها أخذ سلبه، وبهذا قال سعد بن أبي وقاص وجماعة من الصحابة، قال القاضي عياض: ولم يقل به أحد بعد الصحابة إلا الشافعي في قوله القديم وخالفه ائمة الأمصار، قلت: ولا تضر مخالفتهم إذا كانت السنة معه، وهذا القول القديم هو المختار لثبوت الحديث فيه، وعمل الصحابة على وقفه، ولم يثبت له دافع''(شرح النووی علی مسلم9/139)۔

امام مالک کا مسلک علامہ شاطبی کے نزدیک حسب ذیل اس تفصیل کے ساتھ ہے کہ تعزیر بالمال تو صحیح نہیں ہے، البتہ تعزیر فی المال صحیح ہے:

''وأما مذهب مالک، فإن العقوبة في المال عنده ضربان:(أحدهما):كما صوره الغزالى، فلا مرية في أنه غير صحيح......(والثاني):أن تكون جناية الجاني في نفس ذلک المال أو في عوضه، فالعقوبة فيه عنده ثابته، فإنه قال في الزعفران المغشوش إذا وجد بيد الذي غشه: إنه يتصدق به على المساكين، قل أو كثر''(لاعتصام للشاطبی2/622)۔

تعزیر بالمال کے سلسلے میں جواز کا فتوی سب سے زیادہ بلند آہنگ کے ساتھ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم کے یہاں ملتا ہے۔علامہ ابن تیمیہ کا موقف ان کے اپنے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

''و''التعزير بالعقوبات المالية''مشروع أيضا في مواضع مخصوصة في مذهب مالک في المشهور عنه، ومذهب أحمد في مواضع بلا نزاع عنه، وفي مواضع فيها نزاع عنه، والشافعي في قول، وإن تنازعوا في

تفصیل ذلک کما دلت علیه سنة رسول الله ﷺ الحسبة في الإسلام"(ص:49)۔

معاصر فقہاء میں علامہ یوسف قرضاوی کی رائے بھی جواز کی ہے (فقہ الزکاۃ)۔

۵- ایسے حالات میں جبکہ جرائم ومعاصی سے روکنے کے لئے وعظ اور زبانی فہمائش کافی نہ ہو اور جسمانی سزا کا بھی کوئی موقع نہ ہو تو کیا ضرورتاً جواز وگنجائش کی بات آتی ہے۔ اور ضرورت کے مواقع میں مذہب کے قول ضعیف اور مذہب غیر پر فتوی دینے اور عمل کرنے کے جائز ہونے پر اتفاق ہے۔

جب کسی اور سزا کی گنجائش نہیں ہو تو جرائم اور زیادتیوں کی روک تھام کے لئے مالی سزا کا جواز پیدا ہو جاتا ہے، مالکیہ کے یہاں اس حوالے سے بہت واضح گفتگو ملتی ہے:

"وقد تحصّل من هذا كله: أن ما شرع الله فيه حدًّا معلوماً -كالزنى، والسرقة، والحرابة، والقذف، ونحوها- لا تجوز فيه العقوبة بالمال اتفاقاً، لما فيه من تبديل الحدود المعيّنة من الشارع سبحانه، لقوله- تعالى: }وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولَئِکَ هُمُ الْكَافِرُونَ ...{(الظَّالِمُونَ} ...{الْفَاسِقُونَ{ اللهم!: إلاّ أنْ يتعذّر إقامتها فيعاقب بالمال حينئذ، إرتكاباً لأخف الضررين، ودفعاً لأثقل المفسدتين ما أمكن، ولا يسقط الحدّ إنْ زال العذر [15/ب] على ما مرّ عن هؤلاء الشيوخ .وأمّا ما فيه الأدب والتعزير بالاجتهاد- ?ما مرّ في الفصل الثاني-: فقيل: (يعاقب بالمال مطلقاً، وهو ما يفهم من حديث التنفيل، وبه قال: "الشافعي"، واختاره "النووي"، و"ابن قيم الجوزية").وقيل: (لا يعاقب به مطلقاً، وهو ما "لابن رشد" ومن معه) .وقيل: (لا يعاقب به- أيضاً- إلاّ مع التعذر- أيضاً- وهو ظاهر (إطلاق هؤلاء الشيوخ المتأخرين) . أجوبة التسولي عن مسائل الأمير عبد القادر في الجهاد (ص:163و164)۔

"ثم قال(ميارة):إلا أن كلام البرزلي، ومن رد عليه هو-والله أعلم- مفروض مع وجود الإمام وتمكنه من إقامة الحدود وإجرائها على مقتضاها، ولا شک أن العدول عنها إلى غيرها حينئذ تبديل للأحكام، وحكم بغير ما أنزل الله. وأما مع عدم الإمام، أو عدم التمكن من إقامة الحدود وإجرائها على أصلها: فالعقوبة بالمال أولى من الإهمال وعدم الزجر، وترک القوي يأكل الضعيف۔ فعظم المفسدة في ذلک يغني فيه العيان عن البيان، وذلک مفض لخراب العمران، وهدم البنيان، بل إذا تعذرت إقامة الحدود، ولم تبلغها الاستطاعة(و)كانت الاستطاعة تبلغ إلى إيقاع تعزير يزدجربه: تنزلت اسباب الحدود منزلة اسباب التعزيرات، فيجري فيها ما هو معلوم في التعزير،و ليس المراد أن الحد يسقط بزلک، ولكن (غاية زلک) ما تصله الاستطاعة في الوقت دفعا للمفسدة ما أمكن، فإن أمكن بعد ذلک إقامة الحد أقيم إن اقتضت الشريعة إقامته،والظالم أحق أن يحمل عليه)٦آه(١٣/ب)كلامه باختصار"(اجوبۃ التسولی عن مسائل

الأمیر عبدالقادر فی الجہاد ص:153)۔

٦- تعلیمی اداروں میں مالی جرمانے کے حوالے سے بہت سی بے اعتدالیاں سامنے آرہی ہیں، اوراس کا نشانہ اساتذہ بھی بنتے ہیں اور طلبہ کے سرپرست بھی بنتے ہیں۔

اساتذہ کے تعلق سے ایک شدید زیادتی یہ ہوتی ہے کہ تعطیل سے متصل ایک دن کی غیر حاضری کی صورت میں پوری تعطیل کی تنخواہ جو تقریبا دو ماہ کی ہوتی ہے وضع کر لی جاتی ہے۔ یہ صریح ظلم ہے جو متعدد دینی تعلیمی اداروں میں بھی جاری وساری ہے۔ اوراس کے بے پناہ نقصانات ہیں۔

طلبہ کی کوتاہیوں اور غفلتوں پر روک لگانے کے لئے جو مالی جرمانہ لگایا جاتا ہے، اس میں دوطرح کی قباحتیں ہیں، ایک قباحت یہ ہے کہ اس سے خوش حال طلبہ اور تنگ حال طلبہ میں شدید قسم کی تفریق ہوجاتی ہے، خوش حال طالب علم کے لئے جرمانہ دے کر کوتاہی پر قائم رہنا بہت آسان رہتا ہے، جبکہ تنگ حال طلبہ کے لئے اس جرمانے کو ادا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

دوسری قباحت یہ ہے کہ اس میں بالغ طلبہ کی کوتاہیوں اور غفلتوں کا ہرجانہ ان کے سرپرستوں کو ادا کرنا پڑتا ہے، غلطی طلبہ کرتے ہیں، اور جرمانہ کی ساری افتاد ان کے سرپرستوں پر پڑتی ہے، جن بچوں کو اپنے سرپرستوں کی پرواہ نہیں ہوتی وہ اپنی لاپرواہی پر قائم رہتے ہیں۔

یہاں بھی یہ بات سامنے رہے کہ واجب فیسوں کی ادائیگی میں تاخیر کی صورت میں لگایا جانے والا جرمانہ سود کے ضمن میں آئے گا، جو بہرحال حرام ہے، اسے لیٹ فیس کا نام دے کر حلال نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

غرض مالی جرمانہ لگاتے ہوئے تین باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

پہلی بات: جرمانہ غلطی کے بقدر ہو، اس سے بہت زیادہ نہ ہو۔

دوسری بات: جرمانہ مستطیع افراد پر لگایا جائے، مالی لحاظ سے غیر مستطیع افراد پر نہیں لگایا جائے۔

تیسری بات: سودی نوعیت کا مالی جرمانہ ہرگز نہ لگایا جائے۔

٧- یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مالی جرمانہ مالی التزام کی تاخیر پر لگایا جارہا ہے یا عملی التزام میں کوتاہی یا تاخیر پر لگایا جارہا ہے، مالی التزام کی تاخیر پر لگایا جانے والا جرمانہ سود کے حکم میں داخل ہوجاتا ہے، جبکہ عملی التزام کی تاخیر یا عملی کوتاہی یا عملی زیادتی پر لگایا جانے والا مالی جرمانہ اس عمومی بحث کے تحت آئے گا کہ مالی جرمانہ لگانا اپنے آپ میں درست ہے یا نہیں۔

اول الذکر مالی جرمانے کی حرمت سے بچنے کے لئے اسلامی مالیاتی اداروں میں یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ وہ رقم صدقہ کردی جائے، اوراس سلسلے میں یہ معاہدہ پہلے سے ہوجاتا ہے جس کی رو سے مالی التزام کی ادائیگی میں تاخیر کرنے والا خود کو پابند بتاتا ہے کہ وہ پہلے سے متفق علیہ فارمولے کے مطابق ایک متعین رقم صدقہ کرے گا جسے فریق ثانی اپنی صواب دید سے مستحقین تک پہونچائے گا۔ واضح رہے کہ اس میں بھی غیر شرعی حیلوں کے کافی راستے نکالے جاتے ہیں، ان سے ہوشیار رہنا اور فتوے کو ان کے

اثرات سے محفوظ رکھنا بھی مفتی کی ذمہ داری ہے۔

۸- اس سلسلے میں بھی راقم کا وہی جواب ہے جو اوپر دیا گیا کہ اس میں سود کا شائبہ نہیں ہو، اور وہ ظلم کی حد تک زیادہ نہیں ہو۔

۹- طلاق کے بارے میں جو افراط وتفریط پائی جاتی ہے اور جس سے بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، ان کو قابو میں کرنے کے لئے ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ طلاق کی جن صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک متعہ واجب نہیں ہے، بلکہ صرف مستحب ہے ایسی صورت میں متعہ کو واجب قرار دیا جائے اور بصورت نقد ایک معقول حد مقرر کی جائے یا یہ کہ طے شدہ مہر کے علاوہ مزید نصف مہر لازم کیا جائے۔

۱۰- راقم کو اس سے تو اتفاق ہے کہ بے وجہ طلاق دینے یا بدنیتی کے ساتھ طلاق دینے کو ایک قابل سزا جرم قرار دیا جائے، البتہ اسے اس پر تحفظ ہے کہ مالی جرمانہ اس سلسلے کی افراط وتفریط کے سد باب میں قابل لحاظ کردار ادا کر سکتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک بات تو یہ ہے کہ فقہ حنفی میں واجب متعہ اتنا کم ہوتا ہے کہ وہ طلاق کی بے اعتدالیوں کو روکنے میں بالکل غیر موثر ثابت ہوگا، دوسرے یہ کہ عام طور سے خود مہر کی مقدار اتنی کم ہوتی ہے کہ نصف مہر کی مساوی رقم کا پابند بنانا بھی اصلاح حال میں معاون نہیں ہو سکے گا۔

راقم کا یہ خیال ہے کہ طلاق جن حالات میں ہوتی ہے ان میں کوئی معمولی مالی التزام اسے کنٹرول کرنے میں معاون نہیں ہوگا۔

کوئی بڑا مالی جرمانہ ہی اس سلسلے کی بے اعتدالی کی روک تھام میں اور وہ بھی بہت کم حد تک ہی معاون ہو سکتا ہے۔ بڑا مالی جرمانہ لگانے کی دوسری قباحتیں اور مضرتیں ہیں۔

نکاح کے وقت طلاق کے حوالے سے اس طرح کی شرطوں پر کسی بڑی رقم کے ساتھ اتفاق کرا لینا بھی دشوار اور پیچیدہ کام ہوگا۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اکثر وبیشتر شادی کے وقت لڑکی والے کتنے زیادہ دباؤ میں ہوتے ہیں۔

طلاق کی بے اعتدالیوں کو روکنے کے لئے قرآن مجید کا طریقہ ہی سب سے مفید ہے کہ تقوی اور احسان کے جذبے اور شعور کو عام کیا جائے۔

☆☆☆

چوتھا باب

اختتامی امور

مناقشہ:

مالی تعزیر-شریعت اسلامی کی روشنی میں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

یہ بڑا اہم موضوع تھا اوراس پر جتنی کثرت سے مقالات آئے اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، اور ماشاء اللہ جتنا زیادہ مواد اس موضوع پر فقہاء کی آراء کی تنقیح اوران کے دلائل اور موجودہ حالات کے پس منظر میں رائے کی تعلیل کے اعتبار سے آ گئی ہے، شاید اس موضوع پر اس سے پہلے کبھی اتنا سارا مواد یکجا نہ ہوا ہو، یہ اللہ تعالی کا شکر ہے، اور آپ حضرات کی بہترین کاوشوں کا مظہر ہے، اس موضوع سے متعلق کل گیارہ سوالات کئے گئے تھے، پہلا سوال تو اصطلاح سے متعلق ہے، اور دوسرے سے لے کر پانچویں تک کا سوال مذاہب سے متعلق ہے، اور یہ بات چھن کر آئی ہے کہ مذاہب اربعہ میں اس مسئلہ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، ہر مذہب میں دونوں طرح کے اقوال موجود ہیں اور خود فقہ حنفی کے بارے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ وہ تعزیر بالمال کو ناجائز کہتے ہیں۔

یہ ایسا نہیں ہے کہ ان سے صراحتاً منقول ہے، بلکہ امام محمدؒ نے چونکہ اس مسئلہ میں سکوت اختیار کیا ہے تو اس کی وجہ سے یہ بات سمجھی گئی کہ حضرات طرفین اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، اور امام ابویوسفؒ کی طرف جو جواز منسوب ہے اور پھر متاخرین نے اس قول کی جو توجیہ کی ہے اس پر بہت ہی عمدہ بہت نفیس بحث آ گئی، مسائل کی تلخیص میں بھی، عرض مسئلہ میں بھی جیسا کہ آپ حضرات نے مولانا اختر امام عادل صاحب کا عرض ملاحظہ فرمایا اور جہاں تک دلائل کی بات ہے تو "لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل" (سورۂ نساء:۲۹)، یا اس طرح کی آیات اور احادیث یا اس کے عدم جواز پر اجماع کا دعوی یا اس کے نسخ کا دعوی یہ بات بھی اچھی طرح واضح ہوگئی، کہ ان استدلالات میں کیا سقم محسوس کیا جاتا ہے۔

تو یہ موضوع بہت ہی اچھی طرح سامنے آ گیا ہے اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اکیڈمی کے سیمناروں میں اس نوعیت کے مسئلہ پر اتنا زیادہ اتفاق رائے، مقالہ نگار حضرات کی طرف سے پایا جائے، جیسا کہ اس مسئلہ میں دیکھا جارہا ہے، چھٹا سوال افتاء بالقول الضعیف کا ہے، جو اصول افتاء کا ایک مسئلہ ہے اور یہ بات سامنے آئی کہ اس اصول سے اس میں استفادہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اکثر حضرات کی، غالب اکثریت کی رائے اس کے جواز کی ہے، سوال نمبر ۷ سے لے کر ۱۱ تک تعزیر بالمال کی تطبیق سے متعلق ہے، تعلیمی اداروں میں کیا حکم ہوگا؟ ہاؤسنگ سوسائٹیوں میں کیا حکم ہوگا؟ بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ ہاؤسنگ سوسائٹی جو واجبات

روپئے کی شکل میں ہوا اور اس میں تاخیر کی وجہ سے جرمانہ عائد کیا جائے تو کیا ربوا کے دائرہ میں آجائے گا؟ خاندانی پنچائیتوں کے لئے کیا مسئلہ ہوگا؟ پھر اس میں اخیر میں ایک اہم مسئلہ طلاق کا آگیا کہ کیا اس میں متاع کو یا نصف مہر کو واجب اور لازم قرار دینا درست ہوگا؟ اور ایک بحث اسی ذیل میں نکاح نامہ میں طلاق کو روپئے سے مشروط کرنے کی بھی آگئی، تو یہی حصہ اس کا سوال ۷ سے لے کر ۱۱ تک ہے۔ یہ بہت اہم ہے اور اس پر بعض لوگ خاص طور سے ہمارے ملک میں جو سماجی حالات ہیں اور جس طرح کے قوانین ملک میں طلاق کے سلسلہ میں بن رہے ہیں کیا اس اصول کو حل کرنے میں ہم اس سے کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ اس پہلو سے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اکیڈمی کا جو سمینار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہوا تھا اس میں ایک موضوع ''اشتراط فی النکاح'' کا تھا اور ایک موضوع ''اشتراط فی المہر'' کا تھا، اور ''اشتراط فی المہر'' کی وہ مشہور بات کہ صاحبین کے یہاں دونوں شرطیں معتبر ہوں گی، اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں پہلی شرط معتبر ہوگی، یعنی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں نے طلاق دی تو تمہارا مہر ایک لاکھ ہوگا اور نہیں دی تو تمہارا مہر پچاس ہزار ہوگا، تو اگر اس مشروط شکل کو مقدم کردیا جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں بھی یہ شرط معتبر ہے۔

اگر اس نے طلاق دی تو مہر ایک لاکھ ہوگا، البتہ اگر اس نے طلاق نہیں دی تو صاحبین کے یہاں جو مہر مقرر ہوا تھا وہ واجب ہوگا، اور امام صاحبؒ کے یہاں مہر مثل واجب ہوگا، تو اس مسئلہ پر اکیڈمی پہلے ہی گفتگو کرچکی ہے، اور اس سے فارغ ہوگئی ہے، اور جہاں تک متاع کی بات ہے متاع لازم کردیا جائے اس سے کوئی بڑا مسئلہ حل ہونے والا نہیں ہے، کیونکہ متاع کی جو مقدار ہمارے یہاں متعین ہے اس سے کیا کسی مطلقہ عورت کی کوئی دشواری حل ہوسکتی ہے، اس کے مسائل حل ہوسکتے ہیں؟ یہ بات سوچی جاسکتی ہے کہ جہاں دار القضاء قائم ہے محکمہ شرعیہ قائم ہے، قاضی ہیں معتبر علماء ہیں اور وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس واقعہ میں مرد کی طرف سے زیادتی ہے ہر واقعہ طلاق میں نہیں، جس واقعہ میں وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ مرد کی طرف سے زیادتی ہوئی ہے تو کیا اس میں اس مرد پر کوئی رقم لازم کی جاسکتی ہے؟ اگر ایسی عورت کی کوئی اشک سوئی نہیں کی گئی ہے اور اس کے مسئلہ کا کوئی حل نہیں نکالا گیا ہے تو یہی اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ عدالت سے رجوع کرے جیسا آج ہم آپ دیکھ رہے ہیں، اور اگر انہوں نے عدالت سے رجوع کیا تو یہ جو ہم لوگ نقصان محسوس کرر ہے ہیں اس پر تعزیر کو ناواجبی سمجھ رہے ہیں تو اس سے زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے، تو اس پس منظر میں یہ خیال ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ اہم حصہ اس کا یہ جو سات سے لے کر گیارہ تک جو دفعات ہیں یہ ہماری زیادہ توجہ کی مستحق ہیں، مجھے امید ہے کہ آپ حضرات مناقشہ میں ان نکات پر زیادہ اپنی توجہ مرکوز فرمائیں گے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

اللہ کا فضل ہے کہ اس موضوع پر جتنے مقالے اکیڈمی کو موصول ہوئے ہیں ایک ریکارڈ ہے اور اس موضوع کی اہمیت کی بنیاد پر لوگوں نے بہت محنت کی اور تمام مصادر کو کھنگالا، کتاب وسنت کو فقہاء کی تصریحات کو، ایک بات میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اکیڈمی

کا مقصد ان مسائل میں جو فقہاء کے درمیان مختلف فیہ رہے ہیں محاکمہ کرنا نہیں ہے، کسی قول کو ہم دلیل کی قوت کی بنیاد پر اختیار کریں اور دوسرے قول کو ہم ضعیف قرار دیں، یہ اکیڈمی کا طرز نہیں ہے اور ہماری تجاویز بھی اسی لحاظ سے ہوں گی، باقی جو بحث ہوتی ہے مسائل اٹھتے ہیں لوگوں نے مطالعہ کیا ہوا ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا رد وقدح ہوتا ہے اس کے دلائل کو قوت کے ساتھ وہ بیان کرتا ہے تو اتنی بات تو طے شدہ ہے کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اس میں اختلاف گویا چلا آ رہا ہے، اجماع کا دعوی کرنا یا نسخ کی بات رکھنا کوئی مناسب نہیں ہے، اختلافی مسئلہ ہے، لیکن عام طور سے ائمہ ثلاثہ کے یہاں بھی اور حنفیہ کے یہاں بھی جو مشہور قول کتابوں میں لکھا ہوا ہے وہ عدم جواز کا ہے حالانکہ ہر مسلک میں متعدد محقق علماء نے اس کے جواز کی بات لکھی ہے تو جو تجویز یہاں مرتب ہو اس موضوع پر اس میں ایسی کسی بات کا اظہار نہ ہو کہ فلاں قول دلائل کے اعتبار سے قوی ہے، راجح ہے، فلاں کمزور ہے، ہاں اس وقت جو صورتحال چل رہی ہے موجودہ حالات میں کہ تعزیر کی اور شکلیں غیر قانونی ہو چکی ہیں، یا غیر عملی ہو چکی ہیں جیسے مالی تعزیر...... مال کے ذریعہ سے جرمانہ، جسمانی تعزر قانونی ممانعت کے دائرہ میں آ چکی ہے، آپ یہ کر نہیں سکتے، بچوں کو آپ نہ ماریں، تعلیمی اداروں میں...... یہ ساری شکلیں غیر قانونی ہو چکی ہیں، تو تعزیرات، تعزیر بدنی پر پابندی عائد ہو چکی ہے اور بائیکاٹ کی بات بھی مجھے یاد پڑتا ہے اس کا بھی کچھ دائرہ محدود کر دیا گیا ہے یا منع کیا گیا ہے، تو تعزیرات کی جو مختلف شکلیں رائج تھیں وہ تقریبا سب کی سب ختم ہوتی جا رہی ہیں اور تعزیر مالی ہی کا ایک راستہ بچا ہے اور اسی کا استعمال لوگ کر رہے ہیں، تو موجودہ حالات کے تحت کس قول کو اختیار کرنا ہے یہ الگ مسئلہ ہوا۔ اس کو اختیار کر سکتے ہیں ہم، میری خود رائے یہی ہے، لیکن اپنی تجویز میں ایسی کوئی بات نہ لائیں کہ ہم گویا فلاں موقف کو کمزور سمجھ کر اس موقف کو اختیار کر رہے ہیں، اس لئے کہ شامی فقہاء وائمہ نے جو اجتہادات کئے ہیں ان کی اپنی اہمیت ہے اور دونوں طرف رائے ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ جو مالی جرمانے کی بات ہے اس کو اگر ہم لوگ جائز کہیں گے تو اس کے ساتھ ساتھ اس مال کا مصرف بھی طے کرنا ہوگا کہ وہ مال کہاں جائے، یہ بھی بندش ضروری ہے، اگر ہم نے اتنا کہہ کر اکتفاء کر لیا کہ تعزیر مالی درست ہے اور اس مال کا مصرف ہم نے طے نہیں کیا تو اس سے بہت سی راہیں کھلیں گی استحصال کی اور زیادتیوں کی۔ میں تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، لیکن اس موضوع پر بھی ہماری تجویز میں گفتگو ہونی چاہئے، اس کو واضح ہونا چاہئے، کہ وہ جو مالی مال وصول ہوگا اس مال کا مصرف کیا ہوگا، اس سلسلہ میں مجھے کہنے دیجئے کہ ہمارے مدارس میں مالی جرمانہ کا رواج ہو چکا ہے بہت سے مدارس میں اس پر عمل ہو رہا ہے۔ لیکن بعض دفعہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ مالی جرمانہ عدل کے ساتھ عائد نہیں ہوتا ہے، بعض دفعہ تو ایک ہی طرح کے واقعات میں الگ الگ رویہ ہوتا ہے، اس سے طلبہ میں بے چینی پیدا ہوتی ہے، مسائل پیدا ہوتے ہیں تو ہم کو اپنی تجویز میں اس کا بھی ذکر کرنا ہوگا کہ اگر مالی جرمانہ کی بات ہے تو اس کا نفاذ عدل کے ساتھ ہو اور جو مال لیا جائے خاص طور سے تعلیمی اداروں میں غیر حاضری پر، اس پر تو تاویلات کچھ آپ نے ذکر فرمائی ہیں مولانا عثمان صاحب اور بھی بعض حضرات ہیں اور بعض بزرگوں سے منقول ہیں وہ میرے علم میں ہیں، لیکن اس کے باوجود بھی میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو مال لیا جائے وہ مال کہاں صرف ہو، اس کی وضاحت ضروری ہے، بعض بڑے اداروں میں بڑی لمبی رقم

جو تعزیر مالی کے طور پر لی گئی ہے ویسی ہی پڑی ہوئی ہے، بڑی رقم ہے اور اب تک اس کو طے نہیں کر سکے ہیں کہ اس کو کہاں خرچ کریں، یہ پہلو بھی بہت اہم ہے اور جن حضرات فقہاء نے مالی جرمانہ کو ناجائز کہا ہے ان کے ناجائز قرار دینے کی ایک بڑی وجہ سد ذریعہ ہے، ظلم کو دفع کرنا ہے اور یہ بات بھی نقل کی گئی ہے ''ھذا مما...... ولا یفتی بہ'' کہ مسئلہ تو یہی ہے اصل مذہب میں، لیکن فتوی اس پر نہیں دیا جائے گا، تاکہ ظالم حکام کو پورا ہتھیار نہ مل جائے کہ اس کے ذریعہ سے ظلم کریں تو آج بھی کچھ نہ کچھ اس کے خدشات ہیں اس کے سدباب کے لئے تجاویز میں ہمیں یہ شامل کرنا ہوگا۔

ایک بڑا مسئلہ طلاق کے تعلق سے تعزیر مالی کا ہے، طلاق کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی تین طلاق دے بیک وقت، یا جو شریعت نے وقفہ مقرر کیا ہے طلاق کا اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے طلاق دیتا ہے تو اس کے گناہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس پر کوئی مالی تعزیر ہوسکتی ہے، ہمیں اس ملک کے جو حالات ہیں بلا وجہ قانون پاس ہو رہے ہیں، بن رہے ہیں، بگڑ رہے ہیں، ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلہ میں کوئی فیصلہ کرنا ہے، ایک بات تو یہ ہے کہ ہم نے کچھ تاخیر بھی کی اس معاملہ میں، اس کا اعتراف کرنا ہوگا، اس مسئلہ پر بہت پہلے سے کوئی فیصلہ ہونا چاہئے تھا اگر تین طلاق دینے کی بنیاد پر تعزیر مالی جو گنجائش طلب ہے اس کو عائد ہم کر سکتے ہیں، اگر سپریم کورٹ کے فیصلے سے پہلے یہ فیصلہ ہم نے کرلیا ہوتا اور یہ چیز وہاں پیش ہوتی تو کیس دوسرے انداز کا ہوجاتا، بڑا فرق ہوتا، لیکن تاخیر تو بہرحال ہوگئی...... حکومت کر رہی ہے ہمیں اس پر غور نہیں کرنا ہے، یہ طریقہ بھی صحیح نہیں ہے، حکومت کیا کر رہی ہے وہ آپ کے علم میں ہے وہ تو قانون لا چکی ہے، آرڈیننس جاری ہے اور نافذ ہے اور ابھی جو دسمبر میں راجیہ سبھا منعقد ہوگی اس کے ایجنڈے میں یہ موضوع ہے اس قانون کو لا کر کے اس کے لئے آرڈیننس پاس کرانے کی حکومت کوشش کرے گی، الیکشن کے ذریعہ سے اس کے لئے اور محنت کرے گی، تو یہ سمجھئے کہ خدانہ کرے کہ یہ منظور ہوجائے، لیکن خطرات پورے موجود ہیں، لیکن مسئلہ کیا ہے کہ ایک مسلم خاتون جس پر یہ ظلم ہوا ہے کہ شوہر نے بلاوجہ کے طلاق دے دی، کوئی معقول وجہ نہیں ہے، تو جو واقعات پیش آرہے ہیں حالانکہ...... جب معلوم ہوجائے گا کہ تین سال کی جیل ہوگی تو شاید اس میں کمی آئے، لیکن واقعات پیش آرہے ہیں اور جہالت اور غصہ اس کی بنیاد ہیں، تو اگر ہم اس عدالتی قانون کا فیصلہ یا پارلیمنٹ کے قانون پر چھوڑ دیں...... تو گویا اس کو ہم دھکا دے رہے ہیں کہ تم کو اگر انصاف چاہئے تم پر جو ظلم ہوا ہے اس ظلم کا اگر تم کو ذخیرہ چاہئے تو تم کورٹ میں جاؤ، یہ طریقہ فکر صحیح نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ فقہی لحاظ سے اگر مطمئن ہیں کہ اس طرح کے طلاق پر کوئی مالی جرمانہ عائد ہوسکتا ہے اس کی گنجائش ہے تو اس تعلق سے ہم کوئی تجویز ضرور لائیں، چاہے کتنی احتیاطوں کے ساتھ دارالقضاء سے وابستہ کریں، محکمہ شرعیہ سے جوڑیں جہاں دل کرے، لیکن اس کو آنا چاہئے، تاکہ ایک مسلمان خاتون جو اس طرح کے حالات سے دوچار ہے وہ آپ کے پاس بھی آسکے کہ اس کو یہاں کچھ انصاف ملے گا، جو ظلم ہوا اس کی تلافی ہوگی، اس لئے اس کو اس ہاؤس سے پاس کرنا اور اس کو لانا یہ بہت مناسب ہے۔

اور ایک موضوع یہ کہ جو ہاؤسنگ سوسائٹیاں ہیں وہ فیس کی ادائیگی میں تاخیر کی بنیاد پر اگر جرمانہ عائد کرتی ہیں تو مسئلہ بہت ہی حساس اور نازک ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ جتنی ہم کو گفتگو کرنی چاہئے اس موضوع پر اور جتنی گفتگو ہوچکی ہے، یہ موضوع ایسا نہیں ہے

کہ نیا موضوع ہے، عالم اسلام میں مختلف ملکوں میں اس طرح کی سوسائٹیاں قائم ہیں اور عملی طور پر یہ چیزیں ہورہی ہیں، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ جن حضرات علماء نے اس کی گنجائش دی ہے انہوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ جو رقم لی جائے جرمانے کے طور پر تو کمیٹی اپنے لئے استعمال نہ کرے، وہ گویا کارخیر میں فلاں فلاں باتوں میں اس کا استعمال کرے گی تو میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم نے اس موضوع پر پورا دراسہ نہ کیا ہو تو اس کو ہم شامل نہ کریں، اور اگر دراسہ ہم کر چکے ہیں تو پھر احتیاط کے ساتھ یہ تجویز آنی چاہئے، اس طرح سے آئے کہ ربا کا مسئلہ نہ آئے، مسئلہ یہاں صرف ربا کا ہے، تو ربا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، بہرحال یہ چند باتیں جو میرے ذہن میں تھیں میں نے عرض کردیں، ماشاء اللہ جو مناقشہ ہوا ہے اور جو آپ لوگوں نے محنت کی ہے خاص طور سے مولانا اختر امام عادل صاحب نے جو بات لکھی ہے وہ قابل تحقیق ہے کہ امام محمدؒ نے تعزیر مالی کا ذکر نہیں کیا، اس لئے گویا یہ بات چل پڑی کہ حنفیہ کے یہاں تعزیر مالی حرام ہے، اب تلاش کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ مسئلہ کہاں سے آیا، کیا متأخرین کے یہاں سے یا متقدمین کے یہاں سے......اور یہ کہ کتابوں کے اندر ہے کہ نہیں، بہرحال امام ابو یوسفؒ کے قول کی توجیہ متأخرین نے جو کی ہے اس تعلق سے میں نے یہ بات رکھی ہے، لیکن یہ بات کہ ہمارے فقہ حنفی میں گویا امام ابوحنیفہؒ کا کوئی قول نہیں ہے صریح، یا یہ بات بعد میں آکر شروع ہوئی ہے کہ حنفیہ کا اصل مذہب یہی ہے لیکن قابل تحقیق ہے، علماء نوجوان حضرات ہیں اس کو سرچ کریں، اللہ تعالی ہمارے یہاں جمع ہونے کو قبول فرمائے۔

مولانا مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی:

پہلی بات تو ہاؤسنگ سوسائٹی کے تعلق سے ہے، وہ یہ کہ مولانا عثمان صاحب کی جو تاویل ہے وہ محل نظر ہے، اس لئے کہ بہرحال ایسی تاویل جس پر عملی طور پر عمل ہو سکے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عرف تو کچھ اور ہے اور لوگ اسی کے مطابق کام کرتے ہیں، ''**المعروف عرفا کالمشروط شرعا**'' ان کی تاویل کے مطابق اگر عمل کیا جائے تو ایسی صورت میں اگر واجبات وقت پر ادا ہو جائیں تو پھر عملہ کی تنخواہ اور سروس چارج وغیرہ کہاں سے دیا جائے گا، یہ عملی طور پر اس میں دقت ہے۔ دوسری بات جو طلاق پر مالی جرمانے کی ہے، بہت ساری باتیں ہیں تفصیل تو مولانا خالد صاحب کی طرف سے آگئی ہیں مجھے اس کے اندر ایک بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ طلاق دینے پر مطلق مالی جرمانہ عائد کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ نفس طلاق دینے کا حق شریعت نے مرد کو دیا ہے اگر آپ اس پر مطلق طلاق دینے پر مالی جرمانہ عائد کرتے ہیں تو گویا اس کو شریعت نے جو طلاق دینے کا حق دیا ہے اس کو سلب کرنا چاہتے ہیں یا چھیننا چاہتے ہیں یا پابندی عائد کرنا چاہتے ہیں، اس لئے مطلق مالی جرمانہ عائد کرنا تو مناسب نہیں ہے، البتہ جیسا کہ مولانا نے اشارہ فرمایا کہ ابتداء فیصلہ نہ ہو، بلکہ اس کو دارالقضاء پر چھوڑ دیا جائے، تاکہ تحقیق کے بعد یہ معلوم ہو کہ اس نے بلا عذر شرعی طلاق دی ہے اور واقعتہً وہ مجرم ہے اور اس میں عورت کا کوئی قصور نہیں ہے اسوقت قاضی جیسا مناسب سمجھے گا، اس لئے کہ جرمانہ عائد کرنے کے اندر قاضی نفس جرم کی مقدار کو دیکھے گا اور جو مجرم ہے اس کی مالی حالت کو دیکھے گا، اور جو پوزیشن ہے اس کو سامنے رکھ کر مالی جرمانہ متعین کرے گا۔

دوسری بات ابتداء میں شرط لگانے کے تعلق سے ہے، یعنی ابتداء نکاح کے اندر متاع یا مہر کے اندر اضافہ کی شرط لگادی

جائے کہ طلاق دے گا تو اتنی مہر میں اضافہ کیا جائے گا یا، متعہ لازم قرار دیا جائے گا، اس سلسلہ میں جن حضرات نے اس کو جائز قرار دیا ہے، انہوں نے قرآن مجید کی آیت "یا ایھا الذین آمنوا أوفوا بالعقود" (سورۂ مائدہ: ۱) سے استدلال کیا ہے اور یہ استدلال محل نظر ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ احناف کے یہاں ایفاء عہد کیا واجب ہے یہ خود مختلف فیہ مسئلہ ہے اور احناف نے جو ایفاء عہد کو واجب قرار دیا بھی ہے تو وہ مالی معاملات کے اندر ہیں، یہ طلاق کا مسئلہ مالی معاملات میں سے نہیں ہے، یہاں استدلال کیسے درست ہوگا، میرے خیال میں یہ استدلال درست اور صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

مولانا محمد ارشد قاسمی:

سوال نمبر ٦ تا ٩ کے سلسلہ میں ہے تعزیرات کی ۹ قسمیں منصوص ہیں اس میں ایک قسم تعزیر مالی ہے یہ بات آئی کہ پرائیویٹ اور سرکاری، تو تعزیر مالی بھی بعض موقعوں پر پنچائیتوں اور سوسائٹی کو نافذ کرنا ممنوع ہے، اس لئے پرائیویٹ اور سرکاری کا عرف باقی رہنی چاہئے، ہمارے یہاں اصلا مخاطب اہل ایمان ہوتے ہیں، دوسری بات تعزیر مالی کے سلسلہ میں یہ ہے کہ ہمارا موقف جواز کا ہے اور اس کو ہم نے نقل کیا ہے، تعزیر مالی کے سلسلہ میں یہ ہے کہ بعض متمول لوگ جری ہو جائیں گے، اس لئے جب اس کی دفعہ طے کی جائے تو یہ ہو کہ جو باقی آٹھ قسمیں ہیں وہ اور اس کے ساتھ یا تعزیر مالی ہو سکتی ہے یا تعزیر مالی کے ساتھ ان آٹھ میں سے کوئی ایک ہو سکتی ہے، یہ دفعہ طے کی جائے۔ تیسری بات ۱۰ اور ۱۱ کے تعلق سے ہے متاع کو شروع میں لکھنے کی شرط کے طور پر لکھنے کی صورت میں یہ ہوگا کہ وہ طلاق کا کفارہ لوگ سمجھیں گے جس سے عیاش قسم کے لوگ نکاح موقت اختیار کر سکتے ہیں، اس لئے نکاح نامہ میں یہ شرط نہیں رکھنی چاہئے، اور گیارہ پر یہ ہے کہ ایک صاحب نے فرمایا بہت اچھی بات فرمائی کہ جو بیک وقت تین طلاق دیدیتے ہیں وہ قرآن کے نص کے خلاف عمل کرنیوالے ہیں ان کو سزائیں ملنی چاہئے جو سزائیں جو تعزیرات ہیں ان میں سے کوئی سزا ان کو ملنی چاہئے، اس لئے تعزیر مالی ہے، قاضی مسلم علماء اور پنچائتیں جو ہوں گی وہ موقع محل کی مناسبت سے سزائیں دیں گی۔

مفتی صالح الزماں:

مجھے دو باتیں عرض کرنی ہیں ایک تو موضوع سے سے متعلق ہے اور ایک حال سے متعلق ہے، اس مرتبہ سمینار کے اندر تلخیص در تلخیص کا جو سلسلہ جاری ہوا اس کی وجہ سے جو میں نے محسوس کیا کہ جو چستی کا احساس اور مظاہرہ ہوتا تھا وہ نہیں ہو پا رہا ہے، تو اس سلسلہ کی جانب اکیڈمی کو غور کرنا چاہئے، دوسری بات جو اصل موضوع سے متعلق ہے تعزیرات مالی کے جواز اور عدم جواز کے سلسلہ میں جو بات میں نے سمجھی ہے وہ تین مرحلوں پر دائر ہوتی ہے، نمبر ایک اس سلسلہ میں حنفیہ کا راجح مذہب، کچھ باتیں آئی ہیں ایسی کہ حنفیہ کا جو راجح مذہب ہے وہ حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، لیکن جو دلائل میرے سامنے ہیں اس کے اعتبار سے مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ حنفیہ کا راجح مسلک عدم جواز کا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں ڈاکٹر محمد احمد جو عرب کے ہیں انہوں نے حکمت بھی نقل کی ہے اس کی عبارت میں دو سطر پیش کرنا چاہتا ہوں وہ نقل کرتے ہیں: "**وهو الإجماع على عدم جواز التعزير بالمال......عن الطحاوي– والدسوقي في حاشية على الشرح الكبير ونقل الشوكاني عن البزاوي أنه قال بالإجماع على عدم مشروعيته**

أيضا إلى ذلك مال الدكتور......''اس کے علاوہ ''المغنی'' کے اندر بھی علامہ ابن قدامہ نے بہت شاندار بات لکھی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:''ولا عقد مال؛ لأن الشرع لم يرد بشئ من ذلك عن أحد يقتدى به، ولأن......والتعزير لا يكون مثله'' یہ تو پہلا ہے، دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ اگر ضرورت کی بنیاد پر ہم احساس کرتے ہیں کہ واقعتاً تعزیر مالی کی بنیاد پر کچھ نہ کچھ جرائم پر قابو کا فائدہ محسوس ہو رہا ہے، اس کے لحاظ سے امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دیں، جیسا کہ ہمارے اکابر ارباب افتاء نے کیا ہے، چنانچہ'' فتاوی دار العلوم'' کے اندر بہت سارے فتاوی ہیں،'' امداد الفتاوی'' کے اندر بھی ہے، یہ صحیح ہے، لیکن غایت اور مصرف کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ آج کل جو پنچایتیں ہیں یا اسی طرح جو رہنما اور سربراہ ہیں خصوصاً قصبات اور گاؤں میں وہ ایسے دیانت دار اور امین نہیں ہیں کہ جن کی امانت پر ہم بھروسہ کر کے اس کو بالکلیہ جائز قرار دیں، چنانچہ اس کی تائید'' امداد الفتاوی'' کے اندر حضرت تھانویؒ حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر جواز کا فتوی دیتے ہوئے اخیر میں لکھتے ہیں: یہ بھی اس شخص کو جائز ہے جس میں دو وصف ہو ایک حکومت اختیار رکھتا ہو دوسرے معتمد اور متدین ہو کہ بعد چندے واپسی پر اطمینان ہو، ورنہ یہ بھی جائز نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اسے مطلقاً اور ہر جگہ کے لئے نافذ نہیں کرنا چاہئے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ وہاں بائیکاٹ وغیرہ کے ذریعہ طلاق وغیرہ یا اسی طرح جو اور خرافات ہیں ان پر پابندی لگا سکتے ہیں اگر اس پر کامیابی نظر نہیں آ رہی ہے، اس کے بعد اقدام کرنا چاہئے تعزیر بالمال پر، وہ بھی اس صورت میں ان شرائط کے ساتھ جن کو حضرت نے نقل کیا ہے، اس کے علاوہ بھی فتاوی دار العلوم کے اندر حضرات مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ترک نماز کی وجہ سے ہر ایک تعزیر سخت سے سخت دینا جائز ہے یہاں تک کہ تارک نماز کو تعزیراً قتل کر دینا بھی ائمہ سے منقول ہے، بس جس طریقہ سے بے نمازی کو پابند نماز بنا سکیں وہ ضروری ہے، ظاہر ہے کہ عوام کو سوائے جرمانہ کے اور کسی طرح تنبیہ دشوار ہے اور ہر تعزیر کو ہر ایک شخص جاری بھی نہیں کر سکتا، اور جرمانہ مالی بکیفیت خاص ائمہ سے منقول ہے، یہ تو حضرت نے مطلقاً لکھا لیکن اس کے حاشیہ میں حضرت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ نے وضاحت کی ہے، اس جواب کے تحت میں لکھتے ہیں: مگر صحیح یہ ہے کہ مالی جرمانہ جائز نہیں، اگر مالی جرمانہ کیا جائے تو واپس کر دینا ہوگا، علامہ شامی اس بحث کو ختم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''والحاصل أن المذهب عن التعزير بأخذ المال''، خود مفتی صاحب فتاوء دار العلوم میں یہی فتوی دے رہے ہیں۔ اخیر میں جو خلاصہ کے طور پر مجھے عرض کرنا ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دینا موقع کے لحاظ سے ممکن ہے لیکن شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔

مفتی انور علی اعظمی:

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت تھانویؒ کی جو ایک کتاب ہے،'' انقلاب احوال امت'' تو اس میں حضرت تھانویؒ نے اس کو ناجائز ہی لکھا ہے اور بعد میں جو لکھا ہے تو کچھ شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے، یہ بہت ہی نازک مسئلہ ہے، اس لئے تجویز مرتب کرنے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

مولانا محمد شوکت ثنا قاسمی:

'' فتاوی بزازیہ'' سے پہلے کسی نے امام ابو یوسفؒ کے قول کی وضاحت نہیں کی، لیکن اگر بس یہ ہے کہ کسی نے نہیں کی ہے

اور بعد کے فقہاء نے جب اس کی صراحت کردی ہے تو ان کو اختیار کرنے میں کیا حرج ہے؟ کئی مسائل ایسے ہیں جس کی مکمل وضاحت صاحب مذہب سے منقول نہیں ہے، لیکن بعد کے فقہاء نے اس کی وضاحت کی ہے اس کی تشریح اور توضیح کی ہے، ہم اس کو قبول کرتے ہیں، نیز بعض مسائل ٹھیک ہے قوی اور صحیح تھے، لیکن ان مسائل کو عرف وعادت ضرورت فتنہ وفساد وغیرہ اسباب کی بنیاد پر ترک کردیا گیا۔ اسی طرح امام ابو یوسفؒ کا قول اگر چہ کہ قوی ہو یا قوی تھا، مگر بعد کے فقہاء نے اس کو مرجوح قرار دیا تو ظاہر ہے ان کے پاس کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی، اس لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان فقہاء کا نقد کئے بغیر موجودہ حالات وضروریات کی بنیاد پر جواز یا عدم جواز کی بات کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

دوسری بات غیر مسلم ممالک یا غیر مسلم عدالتوں میں کسی چیز کا رواج ہوجائے تو کیا وہ عرف اور تعامل شرعاً معتبر ہوگا، جیسا کہ سننے میں آیا ہے کہ بہت سے عرف جو خاص تھا وہ عام ہوگیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عرف جو عام ہوا کہاں؟ اگر کوئی عدالت غیر مسلم ممالک میں جرمانہ لینے کا رواج ہوجائے تو کیا وہ تعامل ہوگا اور کیا اس پر احکام کی بنیاد رکھا جاسکتا ہے یا مسائل واحکام میں تبدیلی کی جاسکتی ہے، نمبر تین مالی جرمانہ جائز ہے ناجائز ہے ہم چاہیں جو فتوی دے لیں اس سے حکومت کا کوئی تعلق نہیں ہے، حکومت تو اپنے قانون کے مطابق عمل کرے گی، چاہے ہم اسکو جائز کہیں چاہے اس کو ناجائز کہیں، اسی طرح بات آئی ہے تعلیمی اداروں میں جرمانہ کے لازم کرنے کی جواز کی، دیکھئے غیر مسلم جو کالجز ہیں یا اسکول ہیں وہ تو ہماری فقہ کے یا ہمارے مسائل کے پابند نہیں ہیں، رہا یہ مسئلہ کہ وہ تعلیمی ادارے جو مسلمانوں کے زیر انتظام ہوں چاہے وہ اسکول ہوں یا کالج ہوں تو وہ لوگ بھی باضابطہ اس میں شریعت کی پابندی نہیں کرتے ہیں، جیسا کہ آپ تمام حضرات جانتے ہیں، ڈونیشن کے سلسلہ میں یا داخلہ فیس میں بہت منمانی کرتے ہیں اور اتنی زیادہ فیس لیتے ہیں کہ اس کا تصور بھی مشکل ہے اور عام لوگوں کے لئے اس میں پڑھانا بھی مشکل ہے، اگر ہم کو جرمانہ لینے کی بھی اجازت دے دیں تو ظاہر سی بات ہے کہ بغیر جواز کے ہی وہ لے رہے ہیں اور مزید ان کو ہتھیار مل جائے گا جو غریب بچوں کے لئے بار محسوس ہوگا، اس لئے تعلیمی اداروں میں جرمانہ کو جائز قرار دینے کے سلسلہ میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

ایک بات میں عرض کردوں کہ جب ہم لوگ اس مسئلہ پر گفتگو کریں تو اگر اس کو ناجائز قرار دیں تو اس کا حل بھی پیش کریں، آپ اس طرح مناقشہ کریں کہ یہ صورت جائز نہیں ہے، لیکن یہ بات پیش آرہی ہے معاشرہ میں جیسے بچوں کا تعلیم میں غیر حاضر ہونا ابھی ریاست تلنگانہ میں گورنمنٹ کی طرف سے جو میڈیکل اور انجینئرنگ کی تعلیم ہے اس کی فیس ادا کی جاتی تھی لیکن پچھلے سال جو امتحان ہوا اور حاضری کے بارے میں سختی کی گئی تو بڑی تعداد میں بچے اس میں شریک نہیں ہوسکے، یہاں تک کہ کئی کالجز بند کردیئے گئے تو یہ غریب بچوں کا فائدہ ہے نہ کہ نقصان، اگر وہ پابندی کریں سبق کی جرمانہ کی نوبت نہ آنے دے تو اس میں تو اس کا فائدہ ہے، تو اس لئے ہم جب کسی مسئلہ کو پیش کریں اس کے دونوں پہلوؤں کو پیش کریں کہ اس میں یہ قباحت ہے، لیکن جو دشواریاں ہیں اس کا یہ حل

ہے،تب وہ بات ایسی ہوگی جولوگوں کے لئے قابل عمل ہوسکے گی۔

مولانا ابرار خاں ندوی:

تعلیمی اداروں میں جو مالی جرمانہ عائد کیا جاتا ہے اس کے فوائد تو محسوس کئے جارہے ہیں، البتہ ایک شکل یہ رائج ہے بعض مدارس میں کہ بچے جو طعام کی فیس ادا کرتے ہیں اگر وہ پندرہ دن مثلاً تاخیر سے آتے ہیں تب بھی اس سے مکمل فیس لی جاتی ہے تو وہ بچے فیس جن کی معاف ہوتی ہے ان سے کوئی فیس نہیں لی جاتی ہے اور نہ ان کے اوپر کوئی جرمانہ ہوتا ہے، تو اس سلسلہ میں اس کی وضاحت ہوجائے کہ طعام کی فیس لی جارہی ہے اور بچے نے پندرہ دن مطبخ سے کھانا نہیں کھایا، تو کیا اس سے اس کھانے کی فیس لی جاسکتی ہے؟ اس کی صراحت ہوجائے تو میں سمجھتا ہوں بہتر ہو۔

مولانا ابوالمکارم:

مجھے دو باتیں عرض کرنی ہیں، ایک سوال نمبر ۱۱ سے متعلق ہے کہ نکاح کے وقت یا نکاح نامہ میں اس بات کا پابند بنانا کہ اگر بے وجہ طلاق دے گا یا ایک ساتھ تین طلاق دے گا تو متاع کے طور پر یا مزید مہر کی حیثیت سے زائد رقم دینی لازم ہوگی تو چونکہ یہ حکم شرعی کی تبدیلی کو مستلزم ہے بندہ کے نزدیک، اس لئے ناجائز ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مال پر مہر شریعت میں کوئی چیز نہیں ہے یہ تو شریعت میں زیادتی ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ عام طور پر غصہ کی حالت میں طلاق دی جاتی ہے اس حالت میں طلاق دینے والا یہ نہیں سوچتا کہ اس کا ردعمل کیا سامنے آئے گا، اور اس کی وجہ سے میرے اوپر کیا لازم ہوگا، چوتھی وجہ یہ ہے کہ خلاف شرع ہونے کی وجہ سے یہ شرط فاسد ہے اور شروط فاسدہ کا نکاح میں کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ شرط فاسد ہوجاتی ہے جب شرط فاسد ٹھہری تو اس کی تعمیل کیوں کر واجب ہوگی؟ ''فتح القدیر'' میں ہے: ''إن الشرط الفاسد وهو ......''، البتہ نکاح کے وقت یا نکاح نامہ میں اس بات کا پابند کیا جائے کہ اگر شوہر بے وجہ طلاق دے گا یا ایک ساتھ تین طلاق دے گا تو مہر کی مقدار اتنی خطیر رقم ہوگی ورنہ تو مہر کی مقدار مختصر ہوگی، یہ زیادہ درست ہوجائے گی، کیونکہ مہر میں تبدیلی صاحبین کے مذہب کے مطابق درست ہے، اور اس طرح یہ شکل شریعت کے ضابطہ شرعیہ میں بھی داخل ہوجائے گی، اور حکم شرعی کی تبدیلی کا ارتکاب بھی لازم نہیں آئے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کی وضاحت ضروری ہے کہ تعزیر کو نافذ کرنے کے لئے حکام کی ضرورت ہے اس کی علت کیا ہے؟ تعزیر اور حدود میں متعدد وجوہ سے فرق کریں تو کیا اس فرق کی وجہ سے حکام کی تعزیر کی جو شرط ہے وہ باقی رہے گی یا باقی نہیں رہے گی، اگر اس طرح اشتراط احکام کی جو بات کہی جاتی ہے اس کی علت یہ ہے کہ دوسروں کا مال ناحق ہتھیانے کا ذریعہ نہ بن جائے، یا یہ علت ہے کہ فتنہ کا سد باب ہوتو اگر بہتر نظم وضبط کرلیا جائے، جیسا کہ اکثر سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں ہوتا ہے کہ اس کے اندر نہ فتنہ وفساد ہوتا ہے، نہ ناحق مال ہتھیانے کا ذریعہ بنتا ہے تو اس طرح کے حاکم کی بات سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے حدود قصاص میں تو اس کی تنفیذ امیر یا قاضی کے حکم سے ہوگی، لیکن جو دوسری تعزیرات ہیں ان کی ولایت بھی صرف امیر اور قاضی کو ہی حاصل ہوگی؟ غالباً ایسا نہیں ہے، اسی لئے استاذ کو تعزیر کا حکم دیا گیا ہے، شوہر کو تعزیر کا حق دیا گیا ہے، باپ کو تعزیر کا حق دیا گیا ہے، اس میں ایک صورت یہ ہے کہ کیا سماج کو یا سماج کی نمائندگی کرنے والے لوگوں کو بھی اس کا حق ہوگا یا نہیں ہوگا، تو حدود و قصاص کی حد تک یہ ولایت صرف امیر اور قاضی کو حاصل ہے، لیکن تعزیر کی دوسری قسم تمام قسموں کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔

مولانا یوسف جودھپوری:

بنیادی بات یہ ہے کہ ہمارے راجستھان میں صورت حال طلاق کے تعلق سے فسخ نکاح کے تعلق سے مشرقی راجستھان میں اسلامی تہذیب کے اثرات کے تئیں طلاقیں بھی ہوتی ہیں فسخ نکاح کے لئے دار القضاء کھل رہے ہیں، مغربی راجستھان میں جو مسلم برادریاں ہیں ان میں طلاق کا، فسخ نکاح کا تصور ہی نہیں ہے تو یہ جو نشیب و فراز ہے اس لحاظ سے بھی تعزیر مالی کا جواز معلوم ہوتا ہے اور تعزیر مالی ہمارے کئی طبقات، کئی برادریوں میں عمل میں بھی آ رہی ہے، میں اس کے مثبت اور منفی دونوں اثرات بتاؤں کہ جہاں طلاق کا تصور نہیں ہے یہ مالی جرمانے کے ساتھ بعض قوموں میں اس کو جواز کا راستہ، یعنی عمل میں آ رہی ہے طلاق بھی ہو رہی ہے، جرمانہ بھی ہو رہا ہے، اس کے بغیر ان کا مطلب سماجی کنٹرول بھی نہیں ہوتا ہے اور جن برادریوں میں بے جا طلاق ہو رہی ہے اس کے لحاظ سے بھی سمجھ میں آتا ہے کہ لوگ نشہ میں طلاق دے رہے ہیں یا تین طلاق ایک ساتھ دے رہے ہیں اس میں بھی سمجھ میں آتا ہے کہ مالی جرمانہ سے کنٹرول ہو سکتا ہے اور یہ امیر شریعت ہو یا جماعت المسلمین ہو اس طریقے سے وہ مؤثر انداز سے اگر ہو تو میری رائے ہے کہ اس کی گنجائش ہے۔

مفتی عثمان بستوی:

مجھے چند باتیں عرض کرنی ہے، ایک تو تعزیر بالمال کے جواز سے متعلق، عام طور پر فقہاء احناف کی کتابوں میں راجح قول عدم جواز کا منقول ہے اور جواز والے قول کو منسوخ کہا گیا، اور اکابر میں سے غالباً اکثر نے عدم جواز ہی کو اختیار کیا ہے، لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ علامہ شامی نے ''کتاب الوکالۃ'' میں یہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو ایک مرتبہ گورنر بنایا گیا، حضرت عمرؓ نے ان کو گورنری سے معزول کیا اور ان کا جو مال تھا وہ ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا، اس کے ضمن میں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے تعزیر بالمال کا جواز ثابت ہوتا ہے، لیکن یہ مسئلہ ایسا ''ھذا مما یعلم ویکتم'' اس عبارت سے اور علامہ شامی کے بیان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اصول جواز ہے، عدم جواز کسی خاص مصلحت پر مبنی ہے، تو اس سے صاف واضح ہوا کہ نسخ والا قول یہ صحیح نہیں ہے کہ منسوخ کہا جائے۔

دوسری بات یہ کہ سوسائٹی جو جرمانہ متعین کرتی ہے تو اس پر مصطفیٰ عبد القدوس صاحب نے فرمایا کہ میرے سمجھ میں یہ نہیں

آ تا مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ سوسائٹی وہ جو معاوضہ لیتی ہے وہ کس چیز کا لیتی ہے، ظاہر سی بات ہے کہ ایک آدمی اپنا مکان فروخت کر چکا، فلیٹ اس کا فروخت ہو چکا بلڈر نے فروخت کر دیا اب وہ مکان مالک ہے اپنا کرایہ اور سب کچھ دے رہا ہے، سوسائٹی کیا کرتی ہے وہ کس چیز کا عوض لیتی ہے ظاہر ہے کہ سوسائٹی کے ذمہ بھی کوئی عمل ہے جس کی وہ اجرت لیتی ہے اور اجرت کو ترغیب کے ساتھ متعین کرنا صاحبین کے قول کے مطابق جائز ہے تو یہ تاویل اختیار کی جاسکتی ہے، تو وہ تاویل کر کے اس کو جواز کے دائرے میں لانا ممکن ہے، تو پھر آپ کے اس پر اعتراض کی وجہ کیا ہے؟ ذرا سا مسئلہ پر غور کرنا چاہئے۔

تیسری بات مجھے تعلیمی اداروں میں جرمانہ لینا ظاہر ہے کہ اس کا فائدہ محسوس ہوتا ہے، ہمارے مدرسہ میں پہلے سے یہ ضابطہ متعین ہے کہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ جو طالب علم وقت پر آئے گا اس کو کھانے اور اپنے اساتذہ کی فیس اور دیگر سہولیات کے بدلے میں کچھ دینا نہیں، لیکن اگر ناغہ کرے گا تو ایک دن کے بدلہ میں ان سہولیات کے بدلہ میں اتنا عوض دینا پڑے گا تو اس تاویل سے اس کو لازم کر دینے میں بھی شرعاً کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی، تو جرمانہ کی جو صورتیں ہیں یہ اصل جواز کے دائرے میں آتی ہے، دوسرے مولانا مصطفیٰ عبد القدوس صاحب نے فرمایا کہ عہد معاہدہ یہ واجب نہیں ہے صرف بعض معاملات میں واجب ہے ایسا نہیں ہے، درحقیقت حضرات احناف کے یہاں نصوص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ شرعاً واجب ہے، اب یہ اور مسئلہ ہے کہ دیانتاً یا قضاءً جو ہے واجب نہیں کہا گیا، لیکن دیانتاً چاہے معاملات ہوں یا غیر معاملات ہوں، بہر صورت عہد کو پورا کرنا واجب قرار دیا گیا ہے، اس لئے یہ کہنا کہ معاہدہ کا پورا کرنا ایفاء عہد واجب نہیں، یہ بات درست نہیں ہے۔

مولانا ارتقاء الحسن:

سب سے پہلے تو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو بھی عرض پیش کیا جائے وہ مطبوعہ ہونا چاہئے اور لوگوں کے سامنے ہونا چاہئے جب بھی اس پر بہتر مناقشہ ممکن ہے، اس صورت کے اندر بہتر مناقشہ نہیں ہو پاتا آدمی عرض کو سننے میں مشغول رہتا ہے تو وہ باتیں نہیں نوٹ کر پاتا جن پر مناقشہ کرنا چاہئے، ابھی یہ بات کہی گئی ہے کہ اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ تعزیر مالی جائز نہیں ہے، ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ اجماع ائمہ ثلاثہ کا اجماع ہے مذاہب ثلاثہ کا اجماع نہیں، اجماع کئی بڑی اہم کتابوں کے اندر ضرور نقل کیا گیا ہے، لیکن یہ ائمہ ثلاثہ کے اجماع کے طور پر نقل کیا گیا ہے مذاہب ثلاثہ کے اجماع کے طور پر نہیں، ورنہ جتنے اقوال مذاہب ثلاثہ کے ہمارے پاس موجود ہیں وہ کتابوں میں درج ہیں ان کی موجودگی میں اجماع کا تصور ہی نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ مہر اور متاع کو جرمانہ کے طور پر لازم کرنے سے مہر اور متعہ کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، مہر کو شریعت میں ایک ہبہ ایک ہدیہ تحفہ کے طور پر رکھا گیا ہے اور متعہ کا مقصد بھی عورت کو کچھ فائدہ پہنچانا ہے، ظاہر ہے ان دونوں سے مقصد سے جرمانہ کی فلاسفی میل نہیں کھاتی، اس لئے مہر اور متعہ کو جرمانہ کے طور پر نہیں ہونا چاہئے، اس پر غور کیا جاسکتا ہے کہ شوہر کی طرف سے اگر زیادتی ہے تو اس پر مالی جرمانہ عائد کیا جاسکتا ہے یا نہیں کیا جاسکتا، تیسری بہت اہم بات کہ برادری کی پنچائتوں کو مطلقا جرمانہ عائد

کرنے کا اختیار دینا یہ درست نہیں ہوسکتا، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ملک میں برادریوں کے پنچایتوں کے اندر چودھریوں کا اور جاہلوں کا تسلط ہوتا ہے اور وہ اپنی مرضی کے مطابق دوسروں پر بڑے بڑے جرمانے عائد کرتے ہیں، جو ان کا ہم نوا ہم خیال ہوتا ہے اس کا سارا قصور معاف ہوتا اور جو ان کا مخالف ہوتا ہے ان کو برے بڑے جرمانوں کے زد میں لایا جاتا ہے، خاص طور پر گوجر برادری، جاٹ برادری ہندوستان کی یہ مختلف برادریاں ہیں جہاں پر ایسی پنچایتوں کا وجود ہے جن کے اندر چودھریوں کا تسلط ہے اور ان لوگوں کا غلبہ ہے وہاں حق وانصاف کی بات نہیں ہوتی، اگر وہاں ان کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ آپ جرمانہ عائد کرسکتے ہیں تو ان کو مزید موقع ملے گا اپنے مخالفوں، غریبوں، مظلوموں کو بڑے بڑے بھاری جرمانے کے بوجھ تلے دبانے کا۔

یہ بات بھی عرض کی گئی کہ غیر مسلم عدالتوں میں جرمانے کے چلن کے عام ہوجانے کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ عرف ہوگیا، یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ یہ غیر مسلم عدالتوں کی بات نہیں ہے یہ تو ساری دنیا کی بات ہے، اسلامی ممالک کی بات ہے آپ کون سا ملک ایسا دکھا سکتے ہیں جس ملک کے اندر مالی جرمانہ کا چلن عام نہ ہو سٹاون اسلامی ممالک ہیں کوئی ایک مسلم ملک بھی ایسا نہ ہوگا جہاں ٹریفک رول کے توڑنے پر مالی جرمانہ عائد نہ کیا جاتا ہو جہاں اور مختلف قسم کے جرائم کے ارتکاب پر مالی جرمانہ عائد نہ کیا جاتا ہو، اس لئے یہ کہہ کر بات کو ہلکا کرنا کہ یہ صرف غیر مسلم عدالتوں کا ایک چلن ہے درست نہیں، بلکہ یہ پوری دنیا کا چلن ہے، ایک انسانی ضرورت ہے، اس کو ایک انسانی ضرورت کے طور پر دیکھنا چاہئے۔

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی:

اختصار کے ساتھ چند باتیں عرض کرنی ہیں پہلی بات تو تعزیر بالمال کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں یہ وضاحت کردوں کہ تعزیر مالی کی تین صورتیں ہیں پہلی صورت تعزیر باہلاک المال، یعنی جس مال کے ساتھ معصیت قائم ہو پورے اس مال ہی کو توڑ پھوڑ کر یا جلا کر ختم کردیا جائے، جیسے شراب کو بہا دینا، شراب کے مٹکوں کو توڑ دینا، جس مکان میں گناہ کا کام ہو رہا ہو اس کو منہدم کر دینا، جلا دینا، یہ بالاتفاق جائز ہے اور اس کے جواز کی دلیل قرآن سے بھی ہے، حدیث سے بھی ہے، اجماع سے بھی ہے، قیاس سے بھی ہے۔

دوسری صورت یہ تعزیر بالتغییر یعنی جہاں معصیت قائم ہے اس جگہ کو ختم کردینا مال کو تو ضائع نہیں کیا جائے، لیکن اس جگہ کو ختم کردیا جائے، جیسے کہیں تصویر ہو تو تصویر کی جگہ مٹا دی جائے، جیسا کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ کے دروازہ پر تصویر والا پردہ دیکھا تو پھاڑ دیا، حضرت عائشہؓ نے اس کے دو تکیئے بنالئے، یہ بھی جائز ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ تعزیر باخذ المال، یعنی کسی جرم پر مال لینا، کسی جرم پر مالی جرمانہ عائد کرنا، اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے اقوال ان کے دلائل، قول راجح اور وجہ ترجیح سب ہمارے سامنے آ گئی ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ تعزیرات کا مقصد مجرم کو جرم سے روکنا ہے تو اگر جسمانی سزا جہاں ممکن ہو وہاں تو ٹھیک ہے، لیکن جہاں جسمانی

سزا ممکن نہ ہوتو وہاں پر کیا کریں گے اور میں سمجھتا ہوں کہ فقہاء کے درمیان جو اختلاف ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کئی فقہاء کے دور میں حکومتی سطح پر قصاص، حدود اور جسمانی سزا کے ذریعہ سے جرائم سے روکنے کی گنجائش تھی اور قانون مستحکم تھا اس زمانے کے فقہاء نے مالی جرمانے کو ظلم کے دروازے کے کھلنے کا ذریعہ بتایا اور جن فقہاء کے دور میں حکومتی سطح پر یہ قانون مستحکم نہیں تھا یہ نظام مستحکم نہیں تھا ان لوگوں نے یہ سمجھا کہ مالی جرمانہ کی سزا اگر نہ دی جائے تو پھر جرم سے روکنے کی کوئی صورت نظر نہیں آئے گی، اس لئے اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ پہلے مرحلہ میں مالی تعزیر کے ذریعہ سے جرائم کو روکا جائے اگر ممکن ہو تو۔

تیسری بات یہ ہے کہ اگر ممکن نہ ہو کہ جسمانی سزا دی جائے اور سماجی بائیکاٹ ممکن ہو اور مؤثر بھی ہو تو سماجی بائیکاٹ کے ذریعہ سے مجرم کو جرم سے روکا جائے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو، جسمانی سزا بھی ممکن نہ ہو اور بائیکاٹ بھی ممکن نہ ہو تو کیا کریں گے لامحالہ مجبوراً مالی تعزیر کی اجازت دی جانی چاہئے، لیکن اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ ہر ایک کو یہ اختیار نہ دیا جائے، بلکہ مالی جرمانہ مقرر کرنے والے حضرات خدا ترس پابند شرع ہوں جو نیک نیتی و عدل وانصاف کے ساتھ اصلاح کی غرض سے مالی جرمانہ عائد کرے ان کی نیت میں فساد نہ ہو اور مجرم سے کسی طرح کے انتقام کا جذبہ نہ ہو، نیز تاوان جرم کے بقدر ہو اگر ان میں کچھ علماء بھی ہوں تو زیادہ بہتر ہے، مالی جرمانہ لینے کے بعد اگر مجرم سے توبہ کی امید ہو جائے تو میری رائے یہ ہے کہ وہ مال اس کو واپس کر دیا جائے، اور اگر توبہ کی امید نہ ہو تو پھر باہمی مشورہ سے اگر وہ بھی شریک ہو تو زیادہ بہتر ہے کسی کار خیر پر بھی صرف کر سکتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ تعلیمی اداروں میں مالی جرمانہ دینے کا ہے میں سمجھتا ہوں کہ طلبہ کو جرم سے روکنے کے لئے جرمانہ لیا جاتا ہے خاص طور سے مدارس میں وہ مالی جرمانہ کے تحت آتا ہی نہیں ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ادارہ جو ان کو تعلیمی رہائش کھانے کی جو سہولیت دیتا ہے اس سہولت کے بقدر ان کے جرم کی وجہ سے کچھ دنوں کے لئے سہولت روک لیتا ہے اور ادارہ چاہتا ہے کہ اس سہولت کے بدلے مجھے کچھ روپے چاہئے تو اگر اس طرح بات کرتا ہے تو یہ مالی جرمانہ ہے نہیں، بلکہ اپنی سہولت جو دے رہا ہے اس کے بقدر وہ رقم لے رہا ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ یہ بات کہی جارہی ہے کہ جب بے جا کوئی طلاق دے تو اس طلاق کے لئے یہ ہے کہ قاضی کو اختیار دیا جائے کہ قاضی مناسب جرمانہ عائد کرے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک تو عورت کو مشکل میں ڈالنا کہ وہ دور دراز سفر کر کے دار القضاء پہنچے پھر درخواست لکھوائے پھر اس کی خدمت کرے پھر قاضی صاحب بار بار۔ دوسری بات یہ کہ قاضی صاحب کو مشکل میں ڈالنا کہ بار بار نوٹس دے اور تحقیق کرے کہ واقعی جرم تھا یا نہیں تھا اس کے بعد فیصلہ لے۔

تیسری بات یہ کہ قاضی صاحب کے فیصلے کے بعد اگر شوہر کہتا ہے کہ میں نہیں مانوں گا اس جرمانے کو اور یہ جو آپ کا فیصلہ ہے نہیں مانوں گا تو عورت کیا کرے پھر ظاہری بات ہے کہ وہ سرکاری عدالت میں جائے گی، مصیبت ہی مصیبت ہے اور اس کے لئے حکومت جو قانون بنا رہی ہے سزا کا، ظاہری بات ہے تو اس کے لئے دروازے کو کھولنا ہے اس لئے اس پر غور کر لینا چاہئے۔

مولانا سعید اسعد قاسمی:

مجھے دو تین باتیں کہنی تھی لیکن وہ باتیں تقریبا کئی جگہوں سے آ گئی ہیں، صرف اس وقت مولانا مصطفیٰ عبد القدوس صاحب نے ایک بات کہی طلاق سے متعلق پھر مفتی صاحب نے بھی اس وقت وضاحت کی ہے تو معاملہ یہ ہے کہ طلاق کے متعلق تو تقریبا سبھی لوگ واقف ہیں خصوصا جو لوگ دار القضاء میں ہیں وہ زیادہ واقف ہیں کہ کس طرح سے طلاق کے معاملات وقوع پذیر ہوتے ہیں، ایسی صورت میں جو بات آئی ہے کہ طلاق سے روکنا ہے، میری سمجھ میں یہ آ رہا ہے کہ ہم ایسی ہی طلاقوں کی بات کر رہے ہیں جو طلاق بے جا ہے، مرد غصہ میں آیا، جلال میں آیا اور طلاق دے دیا بغیر کسی وجہ شرعی کے یا آج کل نشہ کی کئی صورتیں ہیں وہ کر کے آیا ان میں طلاق دی؟ طلاق سکران ہے، بلکہ اس سے آگے نشہ کی وہ کیفیت ہے جو ہوش میں رہتا ہوا ایسی صورت میں بھی بلا وجہ طلاق دے دی جاتی ہے تو کیا ایسے آدمی کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور بالکل عورتوں پر ظلم ہوتا رہے جس کی وجہ سے میڈیا میں اور باطل طاقتیں جو ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہیں، ان کو موقع دیا جائے، اس لئے اس پر ہم کو غور کرنا چاہئے کہ اس کی صورت کیا بہتر ہوگا، اگر ہم محلے میں ذمہ داروں کو پنچایت کے ذمہ داروں کو یہ حق دے دیتے ہیں، وہ مالی جرمانہ لے سکتے ہیں تو میرے خیال سے ایک راہ کھول دینا ہوگا ظلم کی، اس لئے دار القضاء کو تعزیر کی ذمہ داری دی جائے یا پھر اس علاقے میں متدین جو علماء ہیں اس لائن سے اور جو ذمہ دار قسم کے علماء ہیں ان تک ان کو رجوع کرنا چاہئے اور مالی جرمانے کی شکل پیدا کرنی چاہئے۔

مفتی جنید بن محمد پالنپوری:

طلاق کے مسئلہ میں تعزیر بالمال بالکل مفید ہے اس میں کوئی شک نہیں، لیکن دار القضاء سے یہ مسئلہ حل ہونے والا نہیں ہے دار القضا شہروں میں ہوتا ہے اور یہاں اس طرح کی چیزیں لینا اور لڑکی والوں کو دینا سوائے پریشانی کے کچھ بھی نہیں ہے، یہ قابو میں آنے والا نہیں ہے، لیکن جو دیہاتوں میں کمیٹیاں بنی ہوتی ہیں اور کمیٹیوں میں علماء اور مفتیان کرام ہوں تو انہیں یہ اختیار دیا جانا چاہئے کہ لڑکی اور اگر مظلوم ہے اور شوہر نے بغیر کسی عذر شرعی کے طلاق دی ہے تو اختیار دیا جائے مالی جرمانہ کا، اور واقعہ ہے کہ جن جگہوں پر مالی جرمانہ لگایا گیا ہے وہاں طلاق کم ہوتی ہیں جو بلا وجہ دی جاتی ہے، نمبر دو جو لوگ تعزیر بالمال کے عدم جواز کے قائل ہیں وہ ایک حدیث پیش کرتے ہیں، "**لا يحل مال امرء مسلم إلا بطيب نفسه**" اس کا جواب مفتی تقی عثمانی صاحب نے دیا ہے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے، اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسلمان کا مال طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے، لیکن جان تو طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی، لہذا جب کسی مسلمان نے کوئی جرم کیا ہے تو سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جا رہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہوجاتا ہے جرم کے ارتکاب کی صورت میں بطریق اولی حلال ہونا چاہئے، پہلا سوال یہ کہ تعزیر بالمال اور تعزیر بأخذ المال میں کیا فرق ہے اس سوال کو تلاش کرنے میں پورے پانچ دن ہمارے صرف ہوئے ہیں، نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلا اس کا یہ سوال تو عربی پنجم اور عربی چہارم کے طلبہ سے کیا جانا چاہئے اس طرح کے ہاؤس

میں سوال کر کے جس کا کوئی حاصل نکلتا نہ ہو صرف وقت صرف ہوتا ہو احتیاط کیا جائے۔

مولانا منصف بدایونی:

طلاق کے سلسلہ میں مالی جرمانہ کی بات چل رہی ہے اس سلسلہ میں سپریم کورٹ کا فیصلہ آنے سے پہلے دارالعلوم دیوبند سے مولانا ارشد مدنی صاحب نے سوال کیا تھا کہ کیا صاحبین کے قول کو لیا جا سکتا ہے یا نہیں اور یہ جو شرط لگائی جاتی ہے کہ اگر یہاں رہے گی تو ایک ہزار اور اگر نکال کر لے جائے گا تو دو ہزار، تو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے، کہ نہیں کیا جا سکتا، اس کو لیا جا سکتا ہے کہ نہیں تو اس سلسلہ میں غور کیا گیا تھا اور دوسرے دارالافتا نے بھی غور کیا تھا، لیکن جب حکومت کی نیت خراب تھی تو انہوں نے مسلم پرسنل لا بورڈ سے اس کی وضاحت طلب کی نہ دارالعلوم دیوبند سے نہ جمیعۃ علماء ہند سے، انہوں نے تو تین طلاق کو کالعدم قرار دیا، ویسے وہاں کامیاب نہ ہوئے تو آرڈیننس کے ذریعہ لائے تو اس لئے ہم اگر یہاں پر فیصلہ نہیں کرتے ہیں کہ مالی جرمانے کو جائز قرار دیں تو اس سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے، وہ تو جو فیصلہ کرنا چاہتے ہیں وہ کر رہے ہیں، اس لئے جو مسئلہ چل رہا ہے اور اب تک جو مفتی بہ قول ہے اس سے عدول نہ کیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔

دوسری بات یہ ابھی آئی تھی کہ تعزیر کے لئے کیا امیر کا اور حاکم کا ہونا شرط ہے، تو اس کے لئے اعلامیہ......حوالے سے ہے، "**أن التعزير الذی یجب حقا للہ تعالی جری إقامتہ کل من أحد......عن اللہ تعالی**"، امیر اور حاکم کا ہونا اس کے لئے شرط نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

مولانا ارشد مدنی صاحب کی جس بات کا آپ نے حوالہ دیا تو مولانا نے وہی جو اکیڈمی کی تجویز تھی اسی کی زیروکس کر کے مسلم پرسنل لاء کو دے دی تھی اور اس کے بعد حکومت کا اس طرح کا ردعمل سامنے آیا، اس کی وجہ سے اس بات کو آگے نہیں بڑھایا گیا، لیکن اس سے جو فائدہ ہوتا ہے کورٹ میں مقدمے کے جانے کے نقطہ نظر سے وہ یہ ہے مجھے خود اس کا تجربہ ہوا کئی معاملات ایسے آئے خاص طور سے یہ تین طلاق کا قانون بننے کے بعد جو ابھی راجیہ سبھا میں اٹکا ہوا ہے کہ تین طلاق کا واقعہ پیش آیا فریقین آئے ، اندیشہ تھا کہ وہ معاملہ کورٹ میں چلا جائے تو مرد کو یہ بات سمجھائی گئی کہ دیکھو یہ معاملہ اتنا سنگین ہے ایسا قانون موجود ہے کم سے کم تم ایسا کرو کہ ایک مناسب رقم اپنی بیوی کو دیدو چونکہ اس میں اس کی کوئی زیادتی نہیں تھی جو واقعات سامنے آئے ہیں تو اس کے لئے عملی زندگی کو شروع کرنے میں سہولت ہو جائے گی تو اس طرح کی چیزوں سے بہت سے مقدمات کو کورٹ میں جانے سے روکا جا سکتا ہے اور اس وقت سب سے زیادہ جو مسلم پرسنل لاء کو دشواری درپیش ہے وہ عدالتوں کے فیصلے سے ہے، اب پارلیمنٹ کے ذریعہ حکومت قانون سازی سے گریز کرتی ہے آپ نے دیکھا ہے کہ انہوں نے کوشش کی اور لوک سبھا میں پاس بھی کرا لیا، لیکن راجیہ سبھا میں یہ پاس نہیں ہو سکا، تو کورٹ کے ذریعہ اس طرح کے فیصلے ہو رہے ہیں تو ہم کو سماجی طور پر دارالقضاء یا محاکم شرعیہ میں ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے ، اس کا اختیار کرنا مفید ہوگا کہ کسی عورت کے ساتھ زیادتی کی گئی ہو تو اس کو اس طرح مطمئن کر دیا جائے کہ وہ اس معاملے کے

لئے سرکاری عدالتوں کا دروازہ نہ کھٹکھٹائے، وہ موجودہ حالات میں ہمارے لئے مفید ہوگا۔

مفتی عبدالرشید قاسمی:

مادی تیاری نکاح کے وقت مہینوں اور سالوں سے شروع کردی جاتی ہے، لیکن ہماری بستی اور محلے، خاندان کے نوجوان اور بہنوں کے اندر ایک نئی حسین اور خوشگوار شروع ہونے والی زندگی کی نزاکتیں اور باریکیوں سے واقف کرانے کا اتنا اہتمام نہیں کرایا جاتا، میرے والد صاحب کے سامنے ایک بڑے ادارے کے ذمہ دار نے کہا کہ بس ایک اطلاع کے بعد ہمارے یہاں کے اساتذہ حدیث پڑھانے والے رسم منگنی اور ختنہ کی تقریب میں شریک ہوجاتے ہیں لیکن ایک گزارش ہماری طرف سے یہ تجویز میں شامل کرایا جائے کہ فکرمند ہوں اس حوالے سے، اپنے بھائی اور بہنوں کے اندر شعور بیدار کرائیں اور نئی زندگی کی باریکیوں کو ان کے سامنے رکھیں۔

مولانا یوسف علی:

بے جا طلاق یا تین طلاق پر مہر کی زیادتی یا مالی جرمانہ سے بہتر ہے کہ قرآن کریم میں جو ہدایت ہے "**فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن فطلقوهن**"اس پر عمل کرنے کی ہدایت مضبوطی سے دی جائے اور طلاق کے مسئلہ کو حل کیا جائے اور اب بھی ہمارے سماج کی حالت بہت بری ہے اس سے اور زیادہ ان پر مصیبت آجائے گی اور وہ شریعت سے دور رہ جائیں گے، اس لئے اس طرح توجہ دی جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

حضرت مولانا یوسف صاحب نے ابھی جو بات فرمائی اور اس سے پہلے مولانا عبدالرشید صاحب نے تو جو حضرات تجویز مرتب کریں وہ اس کو سامنے رکھیں، شریعت اسلامی کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں قانونی احکام اور اخلاقی تعلیمات دونوں کو دوش بہ دوش رکھا جاتا ہے اور دنیا میں جو مجموعہ قوانین مرتب ہوتے ہیں اس میں صرف قانونی احکام ذکر کئے جاتے ہیں، اخلاقی ہدایات کو وہ قانون کے دائرے سے باہر سمجھتے ہیں تو جو تجویز مرتب ہو اس میں طلاق کے بیجا استعمال سے بچنے کے سلسلہ میں نکاح سے پہلے نکاح کے بعد کی زندگی سے متعلق جو فرائض ہیں ذمہ داریاں ہیں ان سے آدمی کو واقفیت حاصل کرنی چاہئے، اس کی ہدایات بھی شامل ہونی چاہئے، تو ہماری تجویز زیادہ بہتر ہوگی، آج میوات کے کچھ احباب فرمارہے تھے کہ یہاں نکاح کے موقع پر بہت سی ہندوانہ رسمیں اب بھی مسلمانوں میں باقی ہیں، یوں تو جہیز کا مطالبہ پورے ملک میں ہے، لیکن اس خطہ میں بہت زیادہ ہے اور یہ بھی اس علاقے میں جو ہندو بھائیوں کے یہاں گود کا تصور ہے نکاح میں، تو اس پر آج بھی یہاں عمل ہوتا ہے تو اس بات کی کوشش کی جاسکتی ہے کہ ایسی جو اخلاقی ہدایات ہیں ان کو بھی ہم اپنی تجاویز کا حصہ بنائیں۔

اختتامی نشست:

مولانا عبید اللہ اسعدی:

ہم حق تعالی کے فضل وکرم سے معمول کے مطابق اپنے سمینار کے آخری مرحلے میں پہنچ چکے ہیں، یہ سمینار کی چھٹی اور آخری نشست ہے، جس میں پہلی ساری نشستوں میں جو مذاکرات اور مناقشات اور گفتگو ہوتی ہے، ان سب کی بنیاد پر تجاویز مرتب کی جاتی ہے اور وہ تجاویز شرکاء سمینار کے سامنے لائی جاتی ہیں، اس نشست کی صدارت اکیڈمی کے نائب صدر حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب فرمارہے ہیں اور دوسرے بیرونی مہمان بھی اس میں شریک ہیں۔ میں اپنے شرکاء اور مندوبین حضرات سے عرض کرنا چاہتا ہوں معذرت کے ساتھ کہ ہم کو شکایت ہے کہ سوالنامے کے ساتھ انتظامی مصالح کے تحت جو گزارشات بھیجی جاتی ہیں تو ان گزارشات پر توجہ نہیں دی جاتی، جو حضرات ہمارے اس نظام سمینار سے واقف ہیں ان کو خوب معلوم ہے کہ ہم الحمد للہ ایک منزل سے فارغ ہوکر اپنی دوسری منزل اور پڑاؤ کی فکر میں لگ جاتے ہیں اور کام شروع کردیتے ہیں، سوالنامہ مناسب وقت سے تیار کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، عوارض اور حالات کی وجہ سے کچھ تاخیر ہوجاتی ہے رعایت بسا اوقات تعطیل کلاں کی بھی کرنی پڑتی ہے، سوالناموں کوارسال کرنے میں، نیز جو ہدایات دی جاتی ہیں، ان کا پاس ولحاظ نہ ہونے سے مسائل پیدا ہوجاتے ہیں، مقالات اکیڈمی میں جمع کرنے کی ایک تاریخ دی جاتی ہے، لیکن بعض احباب جب وہ تاریخ آجاتی ہے تب وہ لکھنے کی سوچتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس تاریخ کے گزرجانے کے بعد ان کے قیمتی مقالے یا بسا اوقات ان کے ساتھ ان کے قیمتی مقالے یہاں آتے ہیں تو ظاہر ہے کہ عرض اور تلخیص میں ان سے کوئی استفادہ نہیں ہوسکتا، اور پھر ان احباب کو شکایت ہوتی ہے کہ ان کا نام تلخیص یا عرض میں نہیں آیا، رائے نہیں آئی، ظاہر ہے مقالات کی تعداد کافی ہوتی ہے اور ان کو پڑھنے میں کافی محنت کرنی پڑتی ہے، عام طور پر تلخیص کا کام تو اکیڈمی کے مجلس علمی اور علمی کاموں کے کارکنان ہی کرتے ہیں، لیکن عرض کا نظام عام طور سے باہر کے لوگوں سے وابستہ ہوتا ہے، اس لئے سمینار کے تقریبا دو مہینے پہلے موضوع سے متعلق سارے مقالات عارضین تک پہنچانے ہوتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ وقت مقررہ پر مقالات دفتر اکیڈمی نہ پہنچے تو عارضین اور ملخصین تک کیسے پہنچیں گے، نیز بعض تحریریں لمبی لمبی تیار ہوتی ہیں جن کے صفحات کی تعداد پچاس، ساٹھ، ستر تک پہنچ جاتی ہے، اس لئے گزارش کی جاتی ہے کہ مقالات کے صفحات کی تعداد ۲۵ تک ہی محدود رکھیں، تاکہ عارضین اور ملخصین کو سہولت ہو، اور اگر لمبی تحریر تیار ہوگئی ہو تو اسے اپنے پاس محفوظ رکھیں، جو سوالات سے متعلق ہوں وہ ہمیں بھیجیں، تاکہ اس سے بھرپور استفادہ کیا جاسکے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

اللہ تعالی جزائے خیر عطاء فرمائے کہ جن حضرات کو تجاویز کی ترتیب کا کام سپرد کیا گیا تھا تو انہوں نے بہت ہی کم وقت میں

اس کو پورا فرمایا اور انہیں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھنی ہوتی ہے کہ آپس کی گفتگو میں، مذاکرہ میں، انفرادی ملاقاتوں میں، مجلسوں میں، احکام شرعیہ کی رہنمائی میں بعض ایسی باتیں آ جاتی ہیں کہ ہوسکتا کہ وہ قانونی اعتبار سے قابل قبول نہ ہو، لیکن جب تجویز مرتب ہوتی ہے تو آج کا میڈیا جو ہر کچے اور پکے گھر میں پہنچ چکا ہے تو اس میں کوئی ایسی بات نہ آنے پائے جو قانونی پہلو سے یا اخلاقی پہلو سے یا اس اعتبار سے کہ ذرائع ابلاغ اس کو مسلمان اور شریعت اسلامی کو بدنام کرنے کا ذریعہ بنائے، اس لئے اکیڈمی کے ذمہ دار اس پر اس نقطہ نظر سے نظر ثانی کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اللہ کا شکر واحسان ہے کہ اکیڈمی کی تجویزوں کو قدر وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، بحرین کے ایک بڑے عالم اور مصنف کے پاس اکیڈمی کے فیصلوں کا مجموعہ بھیجا گیا جو عربی زبان میں ہے تو انہوں نے پوری کتاب کا مطالعہ کیا اور کہیں کہیں تعبیر میں انہوں نے اپنا مشورہ بھی دیا اور اپنے اس تأثر کا اظہار کیا کہ ہندوستان کی جو مجمع فقہی ہے اس کے فیصلے میں بہت اعتدال بھی ہے اور بہت احتیاط بھی ہے اور یہ ہمارے علماء دین کا اور بزرگوں کا طریقہ کار رہا ہے، تو اسی انداز پر اس وقت بھی یہ جو تجاویز آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہیں، ہمیں اس بات کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے کہ علماء کے لئے صرف مسائل کا حکم بیان کر دینا کافی نہیں، بلکہ جہاں اس کا متبادل مل سکتا ہو اس کا حل پیش کرنا بھی ضروری ہے، اگر ہم صرف جائز اور ناجائز لوگوں کو بتا دیں، لیکن اس کا حل پیش نہیں کریں تو کوئی سماجی ضرورت بن گئی ہو تو ہماری جو رائے ہے وہ لوگوں کے لئے قابل عمل نہیں رہ سکے گی، اور اس سے بعض دفعہ لوگوں میں یہ ذہن پیدا ہو جاتا ہے کہ شریعت کے احکام کو عبادات کے باب میں تو اس پر عمل کرنا چاہئے، لیکن جو معاملات ہیں اور زندگی کے دوسرے مسائل ہیں ان میں لوگوں کا طریقہ ہے اس طریقہ کو قبول کر لینا چاہئے، تو اکیڈمی کے مناقشہ میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمارے بہت سے احباب متبادل شکل کی بھی رہنمائی کر رہے تھے یہ صورت درست نہیں لیکن یہ واقعی اور حقیقی مسئلہ ہے اس صورت میں اگر اس طور پر تبدیلی کر لی جائے تو یہ ضرورت پوری ہوسکتی ہے تو اس بار جو فیصلے ہوئے ہیں وہ تجاویز آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہیں یہ تو آپ کے منظور کرنے کے بعد فیصلے کی شکل لیں گے۔

نام معلوم نہیں:

کل یہ بات آئی تھی اور اس کی مولانا عتیق صاحب نے وضاحت کی تھی کہ مصرف کی بات آنی چاہئے، تو اس میں مصرف کا ذکر نہیں ہے کہ اگر ہم غیر حاضری پر طلبہ سے فیس لیتے ہیں تو آیا اس کو اساتذہ کی تنخواہ میں دیں گے، صدقہ کر دیں گے، یا دیگر مصارف میں لیں گے، اس پر روشنی ڈالیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جب تعلیمی ادارہ اس طرح کا جرمانہ لے گا تو اس کو اسی ادارہ کی ضرورت میں خرچ کرے گا تعلیم پر جو خود ایک رفاہی کام ہے اس پر وہ خرچ کرے گا......یعنی جو لیٹ فیس لی جائے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ اس کا مصرف متعین کر دیجئے، لیٹ فیس کی بنیاد پر جو رقم حاصل کی جائے اس کو اسکول سے متعلق رفاہی ضروریات میں خرچ کیا جائے، تا کہ وہ ربوا کے شائبہ سے بچ سکے، آپ

حضرات کی رائے ہے ایسا کردیا جائے...... یہ آخری دفعہ تھی اس کی جو تین طلاق سے متعلق ہے مولانا اختر امام عادل صاحب نے اس کے بارے میں کہا اگرچہ تجویز میں یہ بات نہیں آئی تھی، لیکن سوال میں بھی تھی اور مناقشہ میں بھی اس پر کافی گفتگو ہوئی تھی، اور اس کو کافی محتاط کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک وقت میں تین طلاق کو شوہر کی طرف سے زیادتی ہو، عورت کی طرف سے استغاثہ ہوا اور اس کا فیصلہ عام لوگ نہیں کریں، بلکہ اس کا فیصلہ دارالقضاء یا محکمہ شرعیہ کرے، جس میں ظاہر ہے کہ علماء اس کا فیصلہ کریں گے، تو جس انداز پر اس شرط کو لانے کی کوشش کی گئی ہے اور پھر اس میں ہے کہ اس سے اس متاثرہ عورت کی مدد کی جائے، تو اس انداز پر یہ پیش کی گئی ہے، ملک کے جو موجودہ حالات ہیں وہ بھی آپ کے سامنے ہیں اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ بہت سے مقدمات کو آپ عدالتوں میں جانے سے روک سکیں گے، جب عورتوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ ہمارے اس مسئلہ کا حل ہمارے علماء کے پاس دینی اداروں کے پاس موجود ہے تو وہ آپ کے پاس آئیں گی، اور اگر ان کو یہ اندازہ ہوگا کہ آپ کے پاس اس کا کوئی حل نہیں ہے تو سیدھے کورٹ میں جائے گی۔

مجھے خود ہی پچھلے دنوں کئی معاملات میں اس طرح کا تجربہ ہوا کہ یہ کہہ کر کہ اس معاملے کو کورٹ میں جانے سے روکنے میں کامیابی حاصل ہوئی، اس پس منظر میں یہ چیز رکھی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود اگر مولانا اختر امام عادل صاحب کو اس پر انشراح نہ ہو تو آپ کہیں تو آپ کا اختلاف اس میں نوٹ کردیں لیکن جتنا محتاط اس کو بنانے کی کوشش کی گئی ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد آپ کو اس سے متفق ہوجانا چاہئے، جہاں تک شوہر سے رقم وصول کرنے کے طریقہ کار کی بات ہے تو شوہر سے یہ بات کہی جائے گی کہ بھائی اس معاملہ میں تمہاری زیادتی ہے، ہاں یہ مسئلہ کورٹ میں چلا جائے تو بڑی پریشانی میں پڑ جاؤ گے اتنی رقم تم اس کو دے دو تاکہ اس کو آگے کی زندگی شروع کرنے میں سہولت ہو تو قاضی وصول کرکے دے گا، جیسے اور بہت سے معاملات میں مہر کی رقم دارالقضاء وصول کرتا ہے، جہیز کے بعض اشیاء کی قیمت وصول کرکے ادا کرتا ہے، تو ملک کے موجودہ حالات کے تناظر میں اس سے اچھا میسیج جائے گا اور اس سے بہت سے واقعات کو عدالتوں میں جانے سے روکا جاسکے گا۔

نامعلوم:

اس سے پہلے کی جو دفعہ ہے اس سے ضرورت پوری ہوجاتی ہوگی؟

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

اس سے پوری نہیں ہوتی ہے، اگر پہلے سے یہ شرط نہ لگائے، عام طور پر یا ہم لوگ لکھتے تو ہیں جیسے حضرت تھانویؒ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں تفویض طلاق کی بات لکھی ہے، لیکن...... اب اگر آپ نکاح کے وقت تفویض طلاق کی بات کریں تو کیا اس کو لڑکے والے قبول کریں گے، یوں ہی رشتہ ملنا مشکل ہوجاتا ہے، اسی لئے اس پر عمل نہیں ہوسکا۔

مفتی سعید الرحمٰن فاروقی:

ایک خرابی کا پہلو ضرور ہے اگر جرمانہ لگ جائے گا ہوسکتا ہے پانچ لاکھ عورت کو مل جائے اور کچھ دنوں کے لئے اس کو راحت مل جائے، مگر دو خرابی ہے ایک تو وہ معاشرہ میں بدنام ہوگی دوبارہ اس کو کوئی نکاح کا رشتہ پیش نہیں کرے گا، کیونکہ وہ پانچ لاکھ وصول کر یگی، دوسری خرابی یہ ہے کہ اگر کوئی شکل ہو صلح ومصالحت کی کہ دوبارہ رجوع ہوسکتا ہو یا کوئی بات بن سکتی ہو، تو زیادہ بہتر ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی:

کیسی بات کر رہے ہیں مولانا سعید الرحمٰن صاحب...... یہ حکم ایسا نہیں ہے کہ اس کا مشورہ دیا جائے، قرآن کریم نے صرف ایک صورت بتائی ہے کہ اگر ایسا ہو جائے تو ایسا ہوسکتا ہے اور ہمارے بعض بڑے ارباب افتاء نے بہت تاکید سے کہا ہے کہ ہرگز تین طلاق کے فتوے میں اس کا تذکرہ نہ کیا جائے اس کا ذکر زیادہ ہونے سے ہی معاملات خراب ہو رہے ہیں اور ایک فریق نے یہ مزاج بنا لیا ہے کہ اس طرح بیان کرتا ہے میڈیا پر کہ گویا ان کے یہاں یہ ہے ہی نہیں، ایسا تو نہیں ہے، مسئلہ تو اجماع امت کا ہے، تو اس میں مشورہ کی شکل ترغیب کی کہیں نہیں اپنائی جاسکتی ہے، نہ فتوی میں لکھا جاسکتا ہے نہیں ہونا چاہئے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

حضرات ہم لوگ بہت شکر گزار ہیں آپ کے، یہ آپ ہی حضرات کی طے کی ہوئی تجاویز ہیں اور اپنے یہاں جو تجاویز ہوتی ہیں وہ بنیادی طور پر تخریج اور ترجیح کے دائرے میں آتی ہیں اگر کوئی ایسا مسئلہ پیدا ہوا ہو، نئے مسائل کے رونما ہونے کی وجہ سے جو پہلے موجود نہیں تھا تو ان کا حکم شرعی متعین کرنا جس کو ہمارے فقہاء تخریج مسائل کہتے ہیں اور اگر کوئی ایسا مسئلہ کہ جس میں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے سماجی اور معاشی نظام میں تغیر کی وجہ سے عرف کے دباؤ کی وجہ سے، اس پر غور مکرر کی ضرورت پڑ گئی ہو تو جو رائے اوفق بالزمان ہو اس کو ترجیح دی جائے، یہ ترجیح اور تخریج جو بھی تجاویز اکیڈمی کی طرف سے منظور ہوتی ہیں اس میں ان ہی دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اور اسی پر یہ تجاویز بھی مبنی ہیں، الحمد للہ تجویز کی خواندگی کا مرحلہ پورا ہوا، ہمارے اکیڈمی کے شعبہ علمی کے احباب ان پر صاحب صدر سے دستخط اور توقیع لے لیں۔

☆☆☆